دبستانِ مذاہب

اُردو ترجمہ

تصنیف:
کیخسرو اسفندیار

تعلیقات:
رشید احمد (جالندھری)

دبستانِ مذاہب

اردو ترجمہ

تصنیف:
کیخسرو اسفندیار

تعلیقات:
رشید احمد (جالندھری)

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ
۲۔کلب روڈ ۔ لاہور

فہرستِ مضامین

کیخسرو اسفندیار

دبستان مذاهب

(مجلد اوّل)

متن

با یادداشتهای رحیم رضازاده ملک

اصولِ مذاہب

یعنے پُرانے محاورہ کی نہایت مدقّق فارسی زبان کی کتاب

دبستانِ مذاہب کا اُردو ترجمہ

جسکے مطالعہ سے دو سو سال کے پیشتر گذرے ہوے تمام مذاہب

کا حال منکشف ہوتا ہے

جناب فیض مآب سر رابرٹ اجرٹن صاحب بہادر سابق لفٹنٹ گورنر

پنجاب کی فرمایش سے

پنڈت شردھا رام صاحب پھلوری نے بطرز ساحرانہ فصیح اردو زبان

میں ترجمہ کیا

پنڈت صاحب کی وفات کے بعد سنہ ۱۸۹۹ء میں طبع ہوا

بار اول ۸۰۰ جلد

قیمت فی جلد دو روپیہ (عہ)

مطبوعہ مطبع مترولاس لاہور

دبستانِ مذاہب

پیش لفظ

دبستانِ مذاہب فارسی ادب کی معروف کتاب ہے، جو سترھویں صدی کے ہندوستان میں لکھی گئی، جس میں فاضل مولف نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ متعدد مذاہب کی تعلیمات، ان کی روحانی اقدار اور مذہبی تجربوں کو بیان کرتے وقت اس کا قلم تعصب، تنگ نظری اور جانب داری سے دور رہے۔ مصنف کو اس بات کا احساس ہے کہ ''تاریخِ مذاہب پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، مثلاً (عبدالکریم شہرستانی کی) کتاب الملل والنحل اور (سیّد مرتضیٰ رازی کی) تبصرۃ العوام، وہ جانب داری سے خالی نہیں ہیں، جس کی وجہ سے حقیقت دین نظروں سے اوجھل ہوگئی ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے (مصنف کتاب) احباب کی خواہش پر یہ کتاب لکھی ہے اور ہر مذہبی گروہ کے عقائد اس کی اپنی کتابوں سے لیے گئے ہیں۔ ایسے ہی ہر مذہب کی (روحانی) شخصیتوں کے بارے میں وہی کچھ لکھا ہے جسے اس مذہب کے ماننے والے صحیح جانتے ہیں۔ اس کتاب میں ترجمانی کے سوا مصنف کا اپنا کوئی کردار نہیں۔ مصنف کی یہ آرزو ہے کہ دنیا میں جہاں انسانی ہستی کے لیے بقا نہیں، اس کا ایک نقش باقی رہے۔''[(۱)] بے شبہ مصنف کی تمنا بڑی حد تک پوری ہوئی اور اس کا نقشِ قلم ابھی تک باقی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مصنف کا یہی حقیقت شناس قلم دو ایک مقامات پر مہمل باتوں میں بھی الجھ کر رہ گیا ہے۔[(۲)]

اس کتاب کی شہرت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے مصنف نے نہ صرف ہر مذہب کی بنیادی کتابوں کا مطالعہ کیا بلکہ اس نے ان شخصیتوں اور عارفوں سے بھی ملاقاتیں کیں جو اپنے مذہب کی چلتی پھرتی زندہ تصویریں تھیں۔ چنانچہ جہاں مصنف نے لاہور، گجرات، سورت، حیدرآباد، پنڈی، کشمیر اور دوسرے مقامات پر ہندو عارفوں سے ملاقاتیں کیں، وہاں وہ برصغیر کے مسلم اہلِ نظر سے بھی ملتے رہے۔ اکبری دربار میں مذہبی اور غیر مذہبی مکالمات اور ایسے ہی رعایا کے مختلف مذہبی گروہوں میں مکمل امن و آشتی اور مذہبی رواداری سے متعلق سرکاری سطح پر کی گئی کوششوں کی جو تفصیل دبستان میں دی گئی ہے، اس سے مصنف کی وسعتِ نظر کا پتہ چلتا ہے۔[(۳)] اس روحانی سفر میں مصنف روشنی تحریک کے رہنماؤں سے بھی ملے۔ الغرض آج، اس صدی کے ہندوستان کی مذہبی اور ثقافتی سرگرمیوں اور روشنی تحریک پر دبستان کو بھی ایک مستند حوالے کی حیثیت حاصل ہے۔

دبستان میں مذکور واقعات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے اس کتاب کو کئی سال میں مکمل کیا۔ تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ ۱۰۵۵ ہجری سے شروع ہو کر ۱۰۶۳ھ کے بعد تک جاری رہا۔ اس کتاب میں داراشکوہ کا بھی ذکر آیا ہے جب اس کا ستارہ بلندی پر تھا،[(۴)] اس لیے یہ تصنیف اس کی موت سے پہلے مکمل ہو گئی ہوگی۔ داراشکوہ نے ۱۰۶۹ھ میں دار و رسن کو آزمائش میں ڈالا۔ اس لیے اس کتاب کی تکمیل ۱۰۶۳ھ اور ۱۰۶۹ھ کے

درمیان ہوئی ہوگی۔ [5] دبستان کے انگریزی مترجم کی رائے میں دبستان کا مصنف جہانگیر کے دورِ حکومت میں ۱۶۱۵ء کے لگ بھگ پیدا ہوا اور ۱۶۲۷ء اور ۱۶۴۳ء تک کشمیر اور لاہور کی سیاست کرتا رہا اور ۱۶۷۰ء میں اورنگ زیب کے عہد میں وفات پائی۔ [6]

اس کتاب میں مندرجہ ذیل مذاہب کا ذکر آیا ہے: پارسی عقاید، ہندو دھرم، یہودیت، نصرانیت، اسلام، فلسفی اور صوفیائے کرام۔

دبستان مذاہب کئی بار کلکتہ (۱۲۲۱ھ)، بمبئی (۱۲۶۱ھ)، لکھنؤ (نول کشور، ۱۲۹۴ھ/۱۸۸۱ء) اور طہران (۱۲۶۰ھ) سے شائع ہوچکی ہے۔ ۱۸۴۳ء میں پیرس سے اس کا انگریزی ترجمہ D.Shea اور A.Troyer کے قلم سے شائع ہوا، لیکن بہ قول چارلس رو (Charles Rieu) ''اس ترجمے کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔'' [7] اس کا اردو ترجمہ ۱۸۹۶ء میں لاہور سے پنڈت شردھا رام پھلوری (جالندھر) کے قلم سے شائع ہوا۔ ۱۳۴۲ (شمسی) میں رحیم رضا زادہ ملک نے تنقید و تحقیق کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے دبستان کا نیا ایڈیشن طہران سے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

دبستانِ مذاہب کا مصنف:

ادھر ایک مدت تک اہلِ علم خاص طور پر بعض مستشرقین محسن فانی کو دبستان کا مصنف قرار دیتے رہے، حالانکہ فارسی زبان کے تذکرہ نویسوں میں سے کسی نے بھی (مثلاً پچھمی نرائن شفیق نے گل رعنا میں اور قدرت اللہ گوپاموی نے نتائج الافکار میں) محسن فانی کے سوانح میں دبستانِ مذاہب کا ذکر تک نہیں کیا۔ البتہ سراج الدین آرزو نے اپنے تذکرہ میں موبد شاہ یا ملا موبد کو دبستان کا مصنف قرار دیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دبستان میں مسلمانوں کے بارے میں دو ایک باتیں ایسی لکھی گئی ہیں، جنہیں کوئی مسلم مصنف نہیں لکھ سکتا۔ خاص طور پر محسن فانی جو برصغیر کے نامور صوفی مفکر شیخ محب اللہ آبادی سے بیعت تھے۔ محسن فانی شاہ جہاں کے عہد میں الہ آباد کے صدر (جج) تھے، لیکن بعد میں انہیں اپنا منصب چھوڑنا پڑا۔ ہوا یوں، جب شاہ جہاں نے والیٔ بلخ نذر محمد خان کی بغاوت کو کچل کر اس کے مال و متاع پر قبضہ کیا، تو نذر محمد خان کی ایک لائبریری بھی شاہجہاں کے تصرف میں آئی۔ جس میں محسن فانی کا ایک دیوان بھی تھا، جس میں ایک قصیدہ والیٔ بلخ (نذر محمد خان) کی مدح میں تھا، جسے شاہ جہاں نے ناپسند کیا اور محسن فانی کو ان کے عہدے سے سبک دوش کر دیا۔ البتہ شاہجہاں نے بلند ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ محسن فانی واپس اپنے وطن کشمیر چلے گئے اور بقیہ زندگی یادِ خدا اور درس و تدریس میں صرف کر دی۔ ان کا گھر مرجع خلائق تھا۔

آج اہلِ علم کا اس بات پر 'اجماع' ہو چکا ہے کہ محسن فانی دبستانِ مذاہب کے مولف نہیں۔

پروفیسر غلام مرتضیٰ نے اپنے اُردو مقدمہ دبستان میں شاہ نواز خان کی مآثر الامراء کے حوالے سے میر ذوالفقار اردستانی یا حسینی کو دبستانِ مذاہب کا مصنف قرار دیا ہے، جس کی تربیت بہ قول پروفیسر موصوف پٹنہ کے روحانی رہنما آذر کیوان (زردشتی) کی نگرانی میں ہوئی۔ بعد میں میر ذوالفقار حسینی مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن

یہ دعویٰ کہ میر ذوالفقار الحسینی، دبستان کے مصنف ہیں، محلِ نظر ہے، کیوں کہ دبستان کے مصنف نے اپنے آپ کو ایرانی النسل بتایا ہے۔ جب کہ میر ذوالفقار حسینی عربی نژاد ہیں۔ نیز یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ دبستانِ مذاہب کے مصنف نے اپنی وسعتِ معلومات، وسیع المشربی اور صلح کل کے باوجود دبستان کے بعض مقامات پر اہلِ فلسفہ کے حوالے سے حضرت موسیٰؑ، حضرت مسیحؑ اور آنحضرت ﷺ کا رشتہ مظاہر فطرت کی پرستش سے جوڑا ہے۔(۸) اگر مصنف مسلمان ہوتا تو وہ حکماء کے اس بیان پر نوٹ ضرور لکھتا یا اس بیان کو نقل کرنے سے اجتناب کرتا کیوں کہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے ہر مذہب کے عقائد کو بیان کرتے ہوئے اسی مذہب کی کتابوں سے مدد لی ہے۔ ایسے ہی شیعہ سنی مناظروں میں عموماً جو سوقیانہ اندازِ بیان اختیار کیا جاتا ہے، اسے بھی کوئی سنجیدہ مصنف، مسلم ہو یا غیر مسلم، من وعن نقل کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ لیکن دبستان میں 'شیعہ سنی' مناظروں کے ذکر میں بعض مقامات پر جو رکیک زبان بولی گئی ہے، مصنف نے اسے من وعن نقل کر دیا ہے۔ اگر میر ذوالفقار الحسینی اس کتاب کے مصنف ہوتے تو وہ حضرت علیؓ کے متعلق مقامِ ادب سے گری ہوئی باتوں کا ذکر نہ کرتے۔(۹) یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مصنف نے جس والہانہ انداز میں آذر کیوان کی معنوی اور روحانی زندگی کے حیرت ناک واقعات بیان کیے ہیں، ان پر عالمِ اسباب کے قیدی شاید ہی حیرت کا اظہار کریں۔ لیکن ان سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وہ کس مذہب کا پیرو ہے! بے شبہ اس نے کھل کر دبستان میں اپنے نام، خاندان، وطن کا ذکر نہیں کیا، لیکن اپنے بچپن کے حالات میں جن ہندو یا زرتشتی جوگیوں اور عارفوں سے اشیرباد یا دُعائیں (Blessings) لی ہیں، ان کا ذکر اس نے نہایت ہی اختصار سے 'نامہ نگار'، 'راقم' یا 'نویسندۂ اوراق' اور دوسرے ناموں سے کیا ہے، جس سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ دبستان مذاہب کا مصنف اسلام کا نہیں، زرتشتی مذہب کا پیرو ہے۔

رحیم رضا زادۂ ملک نے دبستان مذاہب کی دوسری جلد میں بڑی تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ دبستان کا مصنف کون ہے؟ فاضل ایڈیٹر نے محسن فانی اور میر ذوالفقار حسینی کی بجائے کیخسرو اسفندیار کو کتاب کا مصنف قرار دیا ہے اور دلائل سے بتایا ہے کہ کیخسرو اسفندیار ایرانی النسل ہے اور پٹنہ میں مقیم آذر کیوان کا بیٹا ہے۔ جس کی تعلیم و تربیت اپنے والد کی نگرانی میں زرتشتی روایات کے مطابق ہوئی ہے۔(۱۰) رحیم رضا زادہ ملک نے دبستان مذاہب کے اسلوب بیان کو ہندوستانی فارسی کا نام دیا ہے۔ اگر میر ذوالفقار علی حسینی اصفہانی مولف ہوتے تو دبستان کا اسلوب بیان ہندوستانی کی بجائے ایرانی ہوتا۔(۱۱)

دبستانِ مذاہب کا اُردو ترجمہ:

اِدھر کئی سال پہلے پاکستان کے نامور ماہر تعلیم ڈاکٹر محمد افضل نے خاکسار سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کی طرف سے دبستان مذاہب کا اُردو ترجمہ شائع ہونا چاہیے۔ دبستان کے مصنف نے اچھوتے انداز میں تمام مذاہب کی روحانی اور اخلاقی قدروں پر لکھا ہے جن کا سراغ مصنف نے نہ صرف کتابوں سے بلکہ زندہ روحانی شخصیتوں سے مل کر پایا ہے۔ یہ کتاب قارئین کے سامنے جو سیاسی اور حسن فتی نقطۂ

میں جی رہے ہیں، خدا سرشاری، انسان دوستی اور فکر ونظر کا ایک نیا دریچہ کھول دے گی۔ ڈاکٹر صاحب نے بات کو ختم کرتے ہوئے دبستان کا انگریزی ترجمہ بھی میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ چنانچہ خاکسار نے ۱۹۹۶ء میں خدا بخش پٹنہ لائبریری (بھارت) کے فاضل ڈائریکٹر ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے نام ایک خط میں لکھا کہ اگر وہ دبستان مذاہب کا اُردو ترجمہ فراہم کر سکیں تو ہمیں اسے شائع کر کے مسرت ہوگی۔ بعد میں ہمیں خدا بخش لائبریری کے چیف لائبریرین کی طرف سے دبستان کے اُردو ترجمہ کی ایک کاپی مل گئی۔ خاکسار نے ۲۷/اکتوبر ۱۹۹۶ء کو پھر لکھا کہ اس ترجمہ سے یہ پتہ نہیں چلا کہ مترجم کون ہے؟ لیکن ہمیں اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ یہ ترجمہ تسلی بخش نہیں تھا۔ اس میں طباعت کی بہت سی غلطیاں تھیں۔ شروع میں مقدمہ نویس نے اپنے مقدمہ میں تفصیل سے بتایا ہے کہ دبستانِ مذاہب کا مصنف میرزو الفقار اردستانی ہے، محسن فانی نہیں۔ اُنہوں نے جن حوالوں کا ذکر فرمایا ہے، وہ بھی مکمل نہیں تھے، مثلاً مستشرقین کے حوالوں کا ذکر تو تھا، لیکن انگریزی عبارتیں غائب تھیں۔ کتاب میں قرآن مجید کی بہت سی آیاتِ کریمہ اور احادیث سے استشہاد کیا گیا ہے۔ لیکن ترجمے میں کسی ایک آیتِ کریمہ یا حدیث رسولؐ کی تخریج نہیں کی گئی۔ (یعنی کس سورۃ میں یہ آیتِ کریمہ آئی ہے یا حدیث کا ماخذ کیا ہے؟) مقدمہ نویس کا نام بھی نہیں دیا گیا۔ لیکن اعظم گڑھ (U.P.) کے معروف ماہوار پرچے 'معارف' مارچ ۱۹۶۳ء سے پتہ چلا کہ یہ مقدمہ پروفیسر حافظ غلام مرتضیٰ کے قلم سے ہے۔ اُنہوں نے یہ مقالہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ایک سیمینار میں پڑھا تھا۔ کچھ تعجب نہیں کہ دبستان کا یہ ترجمہ بھی اُنہی کے قلم سے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مترجم نے دبستان کا ترجمہ لکھنؤ یا بمبئی میں شائع شدہ دبستان کے پرانے فارسی نسخوں سے کیا ہے، جو اغلاط سے خالی نہیں تھے۔ جب ترجمہ کو کتابت کے لیے دیا گیا تو اُردو کاتب نے اپنے ''جوہر'' دِکھائے۔ القصہ ترجمہ مکمل نظرثانی کے بغیر ہی شائع کر دیا گیا۔ خدا بخش لائبریری ایک سنجیدہ علمی ادارہ ہے، اس لیے اس نے اس ناقص ترجمے کی سرکولیشن روک کر صحیح قدم اُٹھایا۔

موجودہ ترجمہ کی بنیاد یہی ترجمہ ہے لیکن ادارۂ ثقافت اسلامیہ نے طہران میں شائع شدہ نسخے سے ان غلطیوں کی مقدور بھر اصلاح کر دی ہے۔ نیز ہم نے بہ توفیقِ الٰہی آیاتِ کریمہ اور احادیثِ پاک کی تخریج بھی کر دی ہے۔ بعض حدیثیں احادیث کے مستند مجموعوں میں نہیں ملیں، البتہ وہ تصوف کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت شیخ الہجویری کی کشف المحجوب، شیخ ابن عباد الرندی کی الرسائل الصغری، محمد بن علی الحکیم الترمذی کی ختم الاولیاء اور ابن خلدون کی شفاء للسائل۔ بعض مقامات پر حاشیہ میں تشریحی نوٹس بھی دیے گئے ہیں۔

مقدور بھر کوشش کی گئی ہے کہ تصنیف و ترجمہ کے جدید تقاضوں کو پورا کیا جائے، تاکہ کتاب سے استفادہ کرنے میں آسانی رہے۔ آخر میں ہم ڈاکٹر عابد رضا بیدار اور خدا بخش لائبریری، پٹنہ کے شکرگزار ہیں کہ اُنہوں نے دبستان مذاہب کی اشاعت میں تعاون فرمایا۔ ایسے ہی خاکسار ڈاکٹر محمد افضل، مشفق خواجہ اور افضل قریشی کا ممنون ہے کہ اُنہوں نے اس سلسلہ میں ہر ممکن امداد سے نوازا۔

رشید احمد (جالندھری)

حواشی:

(۱) کیخسرو اسفندیار: دبستانِ مذاہب، (طہران، ۱۳۶۲شمسی)، ج ا (متن)، ص ۳۶۷ (تحقیق رحیم رضا زادہ ملک)۔

(۲) سر ولیم جونز (Sir William Jones) نے جون ۱۷۸۷ء میں اپنے ایک خط بنام شور (Shore) لکھا تھا: ''اس کتاب کا ایک بڑا حصہ حصولِ علم سے سرشار قاری کے لیے بہت ہی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ البتہ اس کے ایک حصہ کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا...''

"The greatest part of it would be very interesting to a curious reader, but some of it cannot be translated. It contains more recondite learning, more entertaining history, more beautiful specimens of poetry, more ingenuity and wit, more indecency and blasphemy." [See The *Dabistan* or School of Manners (English Translation by David Shea And Anthony Troyer, (Washington & London, 1901.), P.2, (Translator's Preface).]

نیز دیکھیے: حاشیہ نمبر ۸، ۹۔

(۳) واقعہ یہ ہے کہ اکبری عہد میں جس مذہبی رواداری اور گاؤکشی کی ممانعت کو اکبر کی سیاسی بصیرت کا کامیاب مظاہرہ قرار دیا جاتا ہے، وہ تاریخِ سیاست کا کوئی نیا واقعہ نہیں ہے۔ اکبر سے پہلے ظہیر الدین بابر نے اپنے بیٹے کو ان باتوں کی وصیت کی تھی: ''(۱) تم مذہبی تعصب کو اپنے دل میں ہرگز جگہ نہ دینا... غیر جانبدار ہو کر انصاف کرنا، لوگوں کے مذہبی جذبات اور روایات کا احترام کرنا۔ (۲) گاؤکشی سے خاص طور پر پرہیز کرنا... (۳) کسی قوم کی عبادت گاہوں کو ہرگز مسمار نہ کرنا، اس سے بادشاہ اور رعایا کے باہمی تعلقات بہتر ہونے کے ساتھ ساتھ اس سرزمین میں امن و آشتی کو فروغ ملے گا۔ (۴) شیعہ سنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرنا...

دیکھیے، ایم۔ ٹیٹس (M.T.Titus): Islam in India and Pakistan (Karachi, 1996), p.163

مصنف نے لکھا ہے: ''ہمایوں کے نام بابر کی یہ تاریخی وصیت بھوپال کی ریاستی لائبریری (State) میں موجود ہے۔'' نیز دیکھیے: محمد اکرام، رودِ کوثر (لاہور ۲۰۰۱ء)، ص ۲۳

برطانوی ہندوستان میں مولانا محمد قاسم نانوتوی نے فتویٰ دیا تھا کہ ''ہندو-مسلم اتحاد کی غرض سے مسلمان گائے کی قربانی ترک کر سکتے ہیں۔'' (دیکھیے: حافظ محمد الفاروقی: سوانح حیات شاہ محمد حسین، الہ آباد، ص ۳۵) حکیم محمد اجمل دہلوی اور حسرت موہانی کی بھی یہی رائے تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ معاشرے کے تمام مذہبی اور لسانی گروہوں میں مکمل یک جہتی ہی سے معاشرہ اپنی سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی ذمہ داریوں کو پورا کر سکتا ہے۔ چنانچہ جمہوری اقدار کو اپنے اور سیاسی نظام میں ہر مذہبی اور لسانی گروہ کو شریک کیے بغیر معاشرے میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ شاہ اسمٰعیل دہلوی نے 'عبقات' میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ''جب ایک معاشرے میں 'ملکوتی روح' بیدار ہوتی ہے تو پھر وہ مذہب والوں کے درمیان ان کی مذہبی کتاب (تورات، انجیل، قرآن) کے مطابق فیصلہ دیتی ہے۔'' (لقضی بین اهل التوراة بتوراتهم و اهل الانجیل بانجیلهم واهل القرآن بقرآنهم و ذلک ایضا لتیقظ روحه الملکونی (عبقات، کراچی ۱۳۸۸ھ، ص ۲۰۲، ۲۰۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ سوسائٹی میں عدل و انصاف کے قیام سے پہلے اعلیٰ ہر گروہ کی فکری و روحانی حکمت و بصیرت سے استفادہ کرتا ہے۔ اس انسانی مسئلے کی غیر معمولی اہمیت سے پیشِ نظر یہاں شیخ محب اللہ الہ آبادی کے ایک مکتوبِ گرامی کا ذکر بے جا نہ ہوگا جو دارا شکوہ کے اس سوال پر کہ ''حکومت کے معاملات میں ہندو مسلم کی تفریق جائز ہے یا نہیں؟'' حضرت شیخ نے جواب میں لکھا ''فقیر جا نصیحت بہ حق آنست کہ اندیشۂ رفاہیت خلق خدا و امن کنز خاطر حکام باشد، چہ مومن، چہ کافر کہ خلق خدا پیدائش خدا است۔ سید آں مقام صاحب آں مقام بھر کے از صالح و فاجر و مومن و کافر ترحم کند۔ رسول خدا است ﷺ۔ چنانچہ بیان یافتہ در فتوحات (ابن عربی) وارد است۔ در قرآن: ''وما ارسلناک الا رحمة للعالمین۔'' یعنی کافر ہو یا مومن، سب اللہ کی مخلوق ہیں۔

اور مخلوق خدا کی بھلائی کے لیے کام کرنا حکام کا کام ہے۔ اور رسول کریم ﷺ بہ قول قرآن پوری دُنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

(۴) دبستان، ج ا، ص ۳۵۹، ۳۶۰۔ مصنف نے لاہور میں ملا شاہ بدخشی اور داراشکوہ سے ملاقاتیں کی ہیں۔ سلوک و ریاضت سے متعلق داراشکوہ کی ایک تحریر بھی نقل کی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ داراشکوہ کو تصوف کے معارف و اسرار پر کس قدر عبور حاصل تھا۔

(۵) دیکھیے: دبستان، ج ۲، (تعلیقات)، ص ۲۰۔

(۶) The *Dabistan* or School of Manners, by Shea and Troyer, Preface, p.2-3

(۷) ملاحظہ ہو: برٹش میوزیم میں فارسی مخطوطات کی فہرست، ج ا، ص ۱۴۱۔

"...but it cannot be depended on for accuracy." (Catalogue of Persian Manuscripts in the British Museum, by Charles Rieu (London, 1879), Vol. I, P.141.)

(۸) ملاحظہ ہو، دبستانِ مذاہب، ج ا، ص ۳۰۳-۳۰۴ (در فضائل کواکب بہ طریق عقل و کشف و وحی)۔ مصنف لکھتا ہے: ''حکماء کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر صاحبِ شریعت کسی ایک ستارے کی پرستش کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ زحل کی، حضرت عیسیٰ آفتاب کی... حضرت محمد ﷺ زہرہ کی پرستش کرتے تھے۔''

(۹) دیکھیے، دبستانِ مذاہب، ج ا، ص ۲۹۱ (نظر دوم در نحتھای اہل ادیان)۔ ہم نے دو ایک مقامات پر ایسی رکیک عبارتوں کو حذف کر کے حاشیہ میں اس کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

(۱۰) یہ ایڈیشن دو جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں دبستان کا صحیح متن بڑی محنت سے چھاپا گیا ہے اور دوسری جلد میں دبستان کا مصنف، دبستان کا موضوع، مختلف نسخوں کی چھان بین، تعلیقات اور آیاتِ کریمہ کی تخریج، غرضیکہ ان تمام مسائل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

(۱۱) دبستانِ مذاہب، ج ۲، (تعلیقات)، ص ۳۸۔ یاد رہے کہ دبستانِ مذاہب کے بعض قلمی نسخوں میں کتاب کی نسبت 'محمد امین نامہ نگار' کی طرف کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: چارلس ریو، برٹش میوزیم میں فارسی مخطوطات کی فہرست، ص ۱۴۲

مقدمہ

قرونِ وسطٰی کے ہندوستانی ادب میں دبستان المذاہب کا وہی مقام ہے جو صدرِ اوّل کے کلامی ادب میں امام عبدالکریم شہرستانی کی کتاب ''اَلمِلَل وَالنِحَل'' کا ہے بلکہ غالبًا اس سے زیادہ، کیونکہ امام شہرستانی کی کتاب امام عبدالقاہر بغدادی کی کتاب ''الفَرق بین الفِرَق'' کا تفصیلی تکملہ ہے جو تاریخِ مذاہب و فرق سے زیادہ تنقید و مناظرہ کی کتاب ہے، دوسرے اس کتاب میں اکثر اُن فرقوں کا حال درج ہے جو مصنف کے زمانہ سے بہت پہلے ختم ہو چکے تھے۔ اس لیے اس کے مطالعہ سے خود مصنف کے عہد کے مذہبی رجحانات کا پتہ لگانے میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ اس کے برخلاف دبستان المذاہب کے مصنف نے صرف مختلف ادیان و مذاہب کی تعلیمات ہی نقل کرنے پر اکتفا کی ہے اور ان پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے میں حد درجہ احتیاط برتی ہے، چنانچہ وہ مقدمہ میں لکھتا ہے:

> ''دراین نامۂ موسوم بہ دبستان لختے از دانش وکنش وکیش باستانی گروہ وگفتار وکردار باز پسین انبوہ از آشکارا شناسان ونہان بینان صورت پرستان ومعنی گزینان بے کم وکاست وبغض وحسد واثبات وابطال گزاردہ آمد[1]۔''

اسی طرح تعلیم نخست درمعرفت عقائد پارسیان کے خاتمہ پر لکھا ہے:

> ''اینست تفصیلِ عقائد پارسیان کہ در آغاز نامہ نوید گزارش آن دادہ آمد درین بیان اصلاً سخنے کہ جز از کتاب این گروہ وزبان این فرقہ شنیدہ شدہ بود نیاوردہ، زیرا کہ بسا سخن باشد کہ دشمن از مخاصمت برایشان بندد[2]۔''

مزید برآں یہ کتاب سولہویں صدی عیسوی کے ہندوستان کے مذہبی رجحانات اور فکری تحریکات کا بڑا قابلِ اعتماد ماخذ ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی اپنے عہد کے الحاد و بے دینی کا نقشہ کھینچا ہے، مگر اس کا بیان ایک متاثر شخص کی شکوہ طرازی کی حیثیت رکھتا ہے، مثلاً جلد دوم میں لکھتے ہیں:

> ''بدبختے چند از ہندوان و مسلمانان ہندو مزاج قدح صریح بر نبوت می کردند۔'' (منتخب التواریخ جلد دوم، ص ۲۱۵)

اسی طرح اسی جلد میں دینِ الٰہی کے پیرووں کا شکوہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''در ہر رکنے از ارکان دین و ہر عقیدہ از عقائد اسلامیہ چہ از اصول وچہ از

---

[1] دبستان مذاہب (مطبوعہ تہران)، ۱۳۶۲، (شمسی)، ص ۲۔ (ہم نے یہاں دبستان کے نسخۂ بمبئی (طبع ۱۲۹۲ھ) کی بجائے نسخۂ تہران و ترجیح دی ہے۔ آئندہ: بستان مذاہب کے حوالے تہران ایڈیشن ہی سے دیے جائیں گے۔) (ایڈیٹر)

[2] ایضاً، ص ۱۲۰۔

فروع مثلاً نبوت و کلام و روئیت و تکلیف و تکوین و حشر شبہات گونا گون بہ تمسخر و استہزا آوردہ۔'' (ایضاً، ص ۳۰۷)

خود ملا صاحب کو اپنے مذہبی تعصب اور دینی تصلب کا احساس تھا، چنانچہ جلد سوم کے خاتمہ پر فرمایا:

''آفرین ونفرینِ من ہمہ بدستورِ شرع مبین و مدح و ذم بتقریب تعصب در دین است'' (جلد سوم، ص ۳۹۱)

جو کچھ بدایونی نے لکھا ہے، دبستان المذاہب کے مصنف نے بھی حرف بحرف اس کی تائید کی ہے، مگر واقعات کے ایک غیر جانب دار تماشائی کی حیثیت سے اور یہی غیر جانب داری اس کتاب کی تاریخی افادیت کی ضامن ہے۔

لیکن یہ بات بھی انتہائی افسوسناک ہے کہ جس مصنف نے اس عظیم تاریخی خدمت کو انجام دیا، خود تاریخ نے اس کی کوئی خدمت نہیں کی حتیٰ کہ اس کا نام بھی بھلا دیا اور اس کے زندگی بھر کے سرمایہ کو دوسروں کے نام منسوب کر دیا۔ عرصہ تک یہ کتاب محسن فانی کی تصنیف سمجھی جاتی رہی، حالانکہ اصل مصنف میر ذوالفقار علی الحسینی الاردستانی المتخلص بہ موبد ہے۔ اس غلط فہمی کا باعث غالباً یہ ہوا کہ اس کتاب کے دو قلمی نسخوں میں (جن میں سے ایک بمبئی میں ملّا فیروز کی ملکیت میں تھا اور دوسرا شاہانِ اودھ کے کتب خانے میں) حمد و نعت کے بعد حسب ذیل رباعی:

عالم چو کتابیست پُر از دانش و داد　　صحایف قضاو جلد او بدء و معاد
شیرازۂ شریعت و مذاہبِ اوراق　　امت ہمہ شاگرد و پیمبر اُستاد

سے قبل یہ الفاظ درج ہیں ''محسن فانی گوید''۔ چنانچہ اس کتاب کے انگریزی ترجمہ کا مقدمہ نگار اینٹونی ٹرائر (Antony Troyer) اپنے مقدمہ میں لکھتا ہے:

"As the two copies mentioned (the one found in Bombay, the other in Lucknow), contain the same words, they can hardly be taken for an accidental addition of a copyist." [۱]

(چونکہ دونوں نسخوں میں (جن میں سے ایک بمبئی میں اور دوسرا لکھنؤ میں ہے) الفاظ ایک ہی ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ اس کو کاتب کا اتفاقی طور پر اضافہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔) [مقدمہ انگریزی ترجمہ، ص ۱۲]

حالانکہ اکثر نسخے اس حوالے سے خالی ہیں، لیکن اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو اس سے اتنے بڑے مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ آخر مصنف نے کتاب میں اکثر مشاہیر شعراءِ ماضی و حال کے اشعار دیئے ہیں، کہیں ان کے نام کی تصریح کے ساتھ اور کہیں بغیر تصریح کے ساتھ۔ بہر حال اگر وہ رباعی محسن فانی ہی کی ہے تو اس کے نام کی تصریح سے اس کتاب کا محسن فانی کی تصنیف ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہوتا جبکہ شواہد اس کے خلاف ہیں۔ خارجی شواہد کے علاوہ داخلی قرائن سے بھی اس انتساب کی تردید ہوتی ہے۔

---

[۱] *Dabistan*, or School of Manners, translated by David and Antony Troyer, (Paris, 1843), P.12 (Editor)

مستشرقین، جن کا عام رجحان اس جانب ہے کہ دبستان المذاہب محسن فانی کی تصنیف ہے، کے سامنے ایک دشواری بھی تھی، وہ یہ کہ خود کتاب کے اندر موبد سروش کے تذکرہ میں ایک روایت محسن فانی سے نقل کی گئی ہے:

''از محمد محسن نام فاضلے شنیدہ شد کہ گفت کہ ''من از او سی صد و شصت دلیل اثبات واجب شنیدم، چون خواستم بہ تحریر آرم، میسر نگشت[1]۔''

ظاہر ہے کہ اگر کتاب کا مصنف خود محسن فانی ہوتا تو اس روایت کو محسن فانی سے سننے کے کیا معنی؟ بہر حال اس دشواری اور تعارض کو رفع کرنے کے لیے مستشرقین نے ایک ضعیف مفروضہ قائم کیا، اور وہ مفروضہ یہ ہے کہ اس ایک زمانہ میں محسن نام اور فانی تخلص رکھنے والے ایک سے زیادہ فضلاء تھے، جن میں سے ایک دبستان المذاہب کا مصنف تھا۔ چنانچہ مذکور الصدر مستشرق لکھتا ہے: ''اس کا اعتراف کرنا تعجب انگیز خیال نہیں کیا جا سکتا کہ محسن فانی کا نام ایک سے زیادہ افراد کا تھا۔'' [مقدمہ انگریزی ترجمہ، ص ۱۲]

اس میں شبہ نہیں کہ دنیا میں اتفاقات ہوا کرتے ہیں، لیکن وہ قانون سے زیادہ شواذ و نوادر کی حیثیت رکھتے ہیں، اور گو ایک اتفاق تسلیم کیا جا سکتا ہے، مگر جب ایک اتفاق کے ساتھ دوسرا اتفاق بھی شامل ہو جاتا ہے تو پھر اسے تاریخ سے زیادہ افسانہ طرازی کا موضوع بننے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور اتفاقات کی کثرت ان کے انکار کی مؤید ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ مفروضہ ناقابلِ تسلیم ہے کہ محسن نام اور فانی تخلص رکھنے والے ایک سے زیادہ فضلاء دبستان المذاہب کے زمانۂ تصنیف میں موجود تھے۔ تاہم اگر اسے ایک مفروضہ کی حیثیت سے وقعت دی بھی جائے تو مشکل یہ ہے کہ اس عہد کے جتنے تذکرے اور تاریخیں ہیں، وہ صرف ایک ہی محسن فانی کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی بیان کردہ تفاصیل تقریباً ایک ہی ہیں۔ آئندہ سطریں اس کے باور کرنے کے لیے کافی ہوں گی کہ اس زمانہ میں محسن فانی ایک ہی فاضل جلیل کا نام تھا اور وہ یقیناً دبستان المذاہب کا مصنف نہیں تھا۔ میرے اس خیال کی دو وجہیں ہیں:

(الف) خارجی شواہد: محسن فانی کا تذکرہ لچھمی نرائن شفیق نے گل رعنا میں بڑی تفصیل سے کیا ہے اور ان کی زندگی اور فضل و کمال کے حالات بڑی عقیدت مندی اور تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ محسن فانی ایک عالم فاضل اور معزز شاعر تھے اور ملا یعقوب صرفی کشمیری کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ علوم و فنون کی تکمیل کے بعد شاہجہاں کے دربار میں دہلی پہنچے۔ شاہجہاں نے ان کے علمی کمالات کی بنا پر انہیں الہ آباد کا صدر مقرر کیا۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے شیخ محب اللہ الہ آبادی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ملا محسن ایک عرصہ تک اس عہدے پر فائز رہے۔ یہاں تک کہ شاہجہاں نے بلخ پر چڑھائی کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ نذر محمد خاں والیٔ بلخ تو فرار ہو گیا لیکن اس کی ساری جائداد جس میں ایک کتب خانہ بھی تھا، شاہجہاں کے ہاتھ آئی۔ اتفاق سے اس کتب خانہ میں محسن فانی کا ایک دیوان ملا جس میں ایک مدحیہ قصیدہ نذر محمد خاں کی شان میں تھا۔ اس چیز نے

---

[1] دبستان مذاہب، ص ۳۸۔

شاہجہاں کی آتشِ غضب کو بھڑکا دیا۔ اس نے محسن فانی کو ملازمت سے برطرف کر دیا لیکن گزر اوقات کے لیے ایک معقول وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے وطن کشمیر واپس چلے گئے اور بقیہ زندگی وہیں عزت و احترام کے ساتھ گزاری۔ کشمیر کے اعیان و اکابر حتی کہ صوبیدار بھی ان سے ملاقات کے لیے ان کے درِ دولت پر حاضری دیتے تھے اور وہ خود اپنے مکان پر درس دیا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ پہلے کسی مشہور مصنف کی چند عبارتوں کو پڑھ کر سناتے تھے، اس کے بعد اس کی اخلاقی اور فلسفیانہ تشریح کرتے تھے۔ ان کی درس گاہ سے کئی باکمال فضلاء نکلے، جن میں طاہر غنی اور حاجی اسلم سالم خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

قدرت اللہ گوپاموی نے اپنے تذکرہ نتائج الافکار میں تقریباً ایسے ہی حالات بیان کیے ہیں:

''گنجینۂ فنون نکتہ دانی شیخ محمد محسن فانی کہ از اعیانِ کشمیر است و در فضل و کمال بے نظیر۔ تحصیلِ علوم و فنون از ملا یعقوب صرفی کشمیری نمود و طریق اصناف نظم بہ خوش تلاشی می پیمود۔ و بہ جوہر ذاتی و صفاتی مستعد بارگاہِ شاہجہاں گشتہ بخدمتِ صدارت صوبہ الہ آباد چہرہ اعتبار را فروخت و بحسنِ خُلق و سجیہ رضیہ دران دیار مرجع خاص و عام گردید و خرقۂ خلافت از مولانا شیخ محب اللہ الہ آبادی پوشید۔ آخر بہ سببے از منصب و خدمت بہ پایۂ عزل در آمدہ و از مراحم پادشاہی بہ تقرر سالانہ معقول کامیاب شدہ بہ کشمیر رفت، و در آنجا بہ نہایت عزت و احترام بسری برد۔ حاکم صوبہ و اکابر شہر بملاقاتش می رفتند۔ اوقات گرامی پیوستہ بہ شغل درس و تدریس مامور میداشت و از علوے تدریس او اکثرے از اہلِ کمال مثل ملا محمد طاہر غنی و حاجی اسلمؔ سالم علم شہرت برافروختند۔'' (تذکرہ نتائج الافکار، ص ۵۴۱-۵۴۲)

اسی طرح مسٹر طامس ولیم بیل (William B. Bail) رقمطراز ہیں:

''شیخ محمد محسن فانی از اکابر کشمیر و عالمے فاضل و صاحبِ جاہ و پاکیزہ روزگار و خوش صحبت بود۔ چند روز در صوبہ الہ آباد خدمت صدارت داشت و صاحبقرانِ ثانی توجہ تمام بہ حالش مرعی می فرمود۔ ہرگاہ فتح بلخ بردستِ سلطان مراد بخش اتفاق افتاد و نذر محمد خاں تخت نشین آنجا جریدہ بگریخت و اموال وے ضبط شد۔ در کتب خانہ اش دیوان شیخ محسن مشتمل بر مدح خانِ مذکور یافتند۔ ازاں روز از نظرِ پادشاہ افتادہ بے منصب شد و از خدمتِ صدارت معزول گردید اما سالیانہ فراخورِ حالش مقرر گشت۔ بعد ازاں تا آخر عمر از کشمیر بر نیامد ہموارہ بہ درس و افادہ اشتغال داشتے۔ دیوانے ترتیب دادہ مثنویہا خوب گفتہ[1]۔''

لیکن ان تذکرہ نگاروں میں سے کسی نے بھی محسن فانی کو دبستان المذاہب کا مصنف نہیں بتایا۔

---

[1] مفتاح التواریخ (آگرہ ۱۸۴۹ء)، ص ۲۱۱، (مطبعہ الاخبار)۔

دبستان المذاہب کوئی معمولی تصنیف نہیں، اس کی بڑی اہمیت ہے، نہ صرف آج بلکہ خود شفیق کے زمانے میں بھی تھی، کیونکہ آج تو ہم عہدِ اکبری کے مذہبی وفکری رجحانات کے لیے بدایونی کی منتخب التواریخ کو بھی اپنا ماخذ بنا لیتے ہیں، لیکن اس زمانے میں یہ کام صرف دبستان المذاہب سے لیا جاتا تھا، اس لیے اس کتاب کے ترکِ ذکر کو کسی اتفاق پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اگر دبستان المذاہب محسن فانی کی تصنیف ہوتی تو یقیناً شفیق گلِ رعنا میں اس کا ذکر کرتے یا کم از کم دوسرے تذکرہ نگاروں کے یہاں اس کی تصریح مل جاتی۔

(ب) داخلی قرائن: محسن فانی کی زندگی کے جو حالات تاریخ وتراجم کی کتابوں میں ملتے ہیں، وہ کسی صورت سے ان حالات کے ساتھ منطبق نہیں ہوتے جو خود مصنفِ دبستان نے اپنے بارے میں اس کتاب میں لکھے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل باعثِ تطویل ہوگی، اس لیے صرف چند واقعات کا تقابلی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ مصنفِ دبستان لکھتا ہے کہ وہ ۱۰۳۳ھ میں صغرسنی کے عالم میں اپنے اعزہ واحباب کے ہمراہ بنارس میں گسائیں چترو پہ کی خدمت میں پہنچا تھا۔

> ''گرد آور نامۂ بسال ہزار وسی و سہ، درھنگامیکہ از پٹنہ، دوستان وخویشان بہ سوئے دارالخلافۂ اکبرآباد می آمدند درصغرسن بود۔ موبد ہوشیار کہ شمۂ از اوصاف جمیلۂ او گذاردہ آمد درآغوش خویش نزد چترو پہ برد[۱]''

یعنی ۱۰۳۳ھ میں وہ اتنا کمسن تھا کہ اس کا ایک سرپرست اسے گود میں لے کر چترو پہ برہمن کے پاس لے گیا۔ غالباً اسی بنا پر مستشرقین اس کا سالِ ولادت ۱۰۲۵ھ کے قریب قرار دیتے ہیں لیکن تذکرہ نگاروں کی دی ہوئی تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ محسن فانی کم از کم ۱۰۰۳ھ میں سنِ شعور کو پہنچ چکے تھے کیونکہ وہ ملا یعقوب صرفی کشمیری کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے اور ملا موصوف کی وفات حسب تصریحِ بدایونی ۱۰۰۳ھ میں واقع ہوئی۔

۲۔ مصنفِ دبستان نے گسائیں ترلوچن کے اوصاف وکمالات کے ذیل میں ظفر خاں صوبیدارِ کشمیر کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> ''احسن اللہ مخاطب بہ ظفر خاں بن خواجہ ابوالحسن ترمذی کہ حاکم کشمیر بود بتوسط محرمان حرم خودش کہ باگسائیں کمال ربط داشتند آشنا شد۔ التماس نمود کہ بہ تبتیان فیروزی یابد، ترلوچن گفت ''تسخیر تبت تواں کرد اگر بموجب فرمودہ عمل نمائی۔'' ظفر خاں پذیرفت، عہد وپیمان را از جانبین استوار کردند۔ ترلوچن فرمود جمعے از لولیان راتعین کن کہ پیوستہ ازمن جدانشوند چہ دراین کیش بالولی آمیزش ستودہ تر از زنان دیگر است لاجرم ایشان رادیوکنیان گویند یعنی دخترِ فرشتگان واز شراب ومسکرات دیگر بزم ماتہی

۱۔ دبستان مذاہب، ص ۱۶۵

نباشد و گوسفند نخست برائے ماکشند، حوائج و مصالح اطعمہ آمادہ باشد۔ ظفر خاں بدانچہ
گسائیں فرمود عمل نمود۔ چوں بہ تبت لشکر کشید فیروز گشت و مظفر باز آمد۔ انجام میان
گسائیں و ظفر خان پائے رنجش بمیان آمد، گسائیں از دستِ ظفر خاں بیرون رفت۔
مقارن بدین ظفر خان بنا بر نزاعِ سنی و شیعۂ کشمیر سبک شد۔ چوں معزولش کردند بہ کابل
رفت، محمد طاہر نامی از خویشانش در بیت الخلا چند خنجر جان فرسا بدوزد مدتہا بداں بیمار بود۔
ہمدرآن زودی منصب و جاگیرش تغیر یافتہ، بساہنگام در لاہور بے منصب بود۔ نامہ نگار در
ہزار و پنجاہ و پنج ترلوچن را در گجرات من اعمال پنجاب دید گفت از رنجش من آن ہمہ
آسیب بہ ظفر خاں رسید[1]۔"

مفتاح التواریخ میں لکھا ہے کہ اسی ظفر خاں اور محسن فانی کے درمیان ایک طوائف کے بارے میں
بدمزگی پیدا ہوگئی تھی، جس نے دونوں جانب سے تلخ نوائی کی شکل اختیار کر لی۔ وہ طوائف محسن فانی کی منظورِ نظر
تھی، ظفر خاں نے اپنے جاہ و مال کے ذریعہ اس کو اپنی جانب مائل کرنے کی بڑی کوشش کی، لیکن اس کو کامیابی
نہیں ہوئی۔

"گویند شیخ را با یکے از لولیہائے کشمیر کہ پجی نام داشت و در غایت رعنائی و
نہایت حسن و جمال بودہ است دلبستگی تمام بود۔ اتفاقاً ہمدراں ایام ظفر خاں ناظم صوبہ
کشمیر نیز باوے تعلق خاطر پیدا کرد و ہر چند او را بنقد و جنس فریب داد خاطرش بجانب خود
مائل نیافت۔ آخر غزلے در ہجو پجی و شیخ محسن گفتہ شہرت داد۔" (مفتاح التواریخ، ص
۲۷۵)

لیکن دبستان المذاہب کا مصنف جس گروہ سے تعلق رکھتا تھا، ان کے یہاں اس قسم کی آلودگی ممنوع
تھی۔ صاحبِ دبستان خواہ آذر ہوشنگی ہو یا نہ ہو صرف اس فرقہ سے متاثر ہی رہا ہو، وہ کم از کم عورت کے
معاملے میں اس گروہ کا پیرو تھا، لہٰذا وہ محسن فانی نہیں ہوسکتا۔

۳۔ مصنف دبستان نے اپنی زندگی کے اہم واقعات کا بقیدِ سنین دبستان المذاہب میں حوالہ دیا ہے، جن
سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۰۳۶ھ سے ۱۰۵۲ھ تک کشمیر اور لاہور میں تھا، ۱۰۵۳ھ میں لاہور سے کابل ہوتا ہوا مشہد
پہنچتا ہے۔ ۱۰۵۴ھ میں وہاں سے واپس ہوکر پھر ملتان آیا، اس کے بعد مختلف اضلاع اور دیگر اقطاعِ ہند میں
سیر و سیاحت کرتا ہے۔ لیکن پوری کتاب میں کہیں بھی اس نے الہ آباد میں قیام پذیر ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ
ہندوؤں کی تیرتھ کے سلسلے میں ایک موقع پر الہ آباد کا ذکر ضرور کیا ہے:

"و تیرتھ محل بزرگوار را گویند مثلاً پریاگ کہ اکنون مشہور بہ اللہ آباد است
شہاب الدین پور است[2]۔"

---

[1] دبستان مذاہب، ص ۱۶۹، ۱۷۰ [2] ایضاً، ص ۱۷۲

اس لیے اگر اس کے مصنف محسن فانی ہوتے تو ناممکن تھا کہ اس موقع پر اپنے منصبِ صدارت کے زمانے میں الہ آباد میں اپنے قیام کا ذکر کیے بغیر گزر جاتے بالخصوص جب کہ اسی شہر میں اپنے پیر و مرشد شیخ محب اللہ الہ آبادی کے ہاتھوں خرقۂ خلافت زیبِ تن کیا تھا۔

۴۔ محسن فانی کے تذکرے سے جس کے اقتباسات اوپر پیش کیے گئے، پتہ چلتا ہے کہ بلخ کی تسخیر کے بعد جب محسن فانی منصبِ صدارت سے معزول کر دیئے گئے تو اپنے وطن کشمیر واپس لوٹ گئے۔ اس کے بعد زندگی کے آخری لمحے تک کشمیر سے باہر قدم نہیں رکھا اور چونکہ بلخ کی تسخیر حسبِ تصریح عبدالحمید لاہوری مصنف بادشاہ نامہ ۱۰۵۶ھ میں عمل میں آئی، اس لیے اسی سال محسن فانی کشمیر واپس ہو گئے ہوں گے۔ لیکن دبستان المذاہب کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنفِ دبستان ۱۰۵۶ھ سے قبل کشمیر ترک کر چکا تھا۔ ۱۰۵۷ھ میں وہ حیدر آباد اور سورت میں نظر آتا ہے۔ اس کے بعد ۱۰۵۹ھ اور ۱۰۶۳ھ میں وہ صوبہ اڑیسہ کے شہر سریکاکل میں ملتا ہے، اسی لیے دبستان المذاہب محسن فانی کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔

غرض خارجی شواہد اور داخلی قرائن کے پیش نظر اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ دبستان المذاہب محسن فانی کی تصنیف نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ایجابی طور پر ثابت ہے کہ یہ کتاب میر ذوالفقار علی الحسینی الاردستانی کی تصنیف ہے۔ چنانچہ مسٹر ارسکین (Mr. Erskine) نے بمبئی میں ملا فیروز پارسی کے کتب خانہ میں اس کتاب کا جو قلمی نسخہ دیکھا تھا، اس میں چودھویں باب کے خاتمہ میں حاشیہ پر ایک عبارت تھی جس میں میر ذوالفقار علی الحسینی کا تذکرہ تھا۔ ملا فیروز کی رائے تھی کہ یہی ذوالفقار علی دبستان المذاہب کا مصنف ہے، لیکن فاضل مستشرق اس شہادت سے مطمئن نہیں ہوا، چنانچہ اس نے لکھا: ''اس معمولی شہادت پر میں ایک نامعلوم مصنف کو اس کتاب کا مؤلف ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' [مقدمہ انگریزی ترجمہ]

ظاہر ہے کہ محض ایک حاشیہ کی عبارت پر اعتماد کر کے ایک مجہول الحال شخص کی جانب کسی کتاب کا انتساب صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کسی اور ذریعہ سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے۔ اس لیے اس نے ملا فیروز کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ اس کے بعد برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کے فہرست نگار ڈاکٹر ریو کے سامنے پانچ قلمی نسخے تھے، جن میں سے ایک ناقص تھا۔ دوسرے میں اس کتاب کو شیخ محسن فانی کشمیری کی تصنیف بتایا گیا تھا۔ تیسرے اور چوتھے نسخوں میں یہ عبارت تھی: ''دبستان من تصنیف محمد امین نامہ نگار۔''

لیکن پانچویں نسخہ میں اسے میر ذوالفقار علی الحسینی المتخلص بہ موبد شاہ کی تصنیف قرار دیا گیا تھا۔ اس لیے اگرچہ ڈاکٹر ریو نے اس سلسلے میں کوئی قطعی رائے نہیں دی ہے، لیکن ملا فیروز والے نسخے کے حاشیے کی عبارت پر اعتماد کرتے ہوئے، مؤخر الذکر نام یعنی ذوالفقار علی الحسینی کو ترجیح دی، چنانچہ وہ لکھتا ہے

"The same name appeared as stated by Erskine, Bombay translation, Vol.II, p.243, in a copy belonging to Mulla Firuz, p.142." (Editor)

(یہی نام اس نسخے کے حاشیہ میں پایا گیا، جو بمبئی کے ملا فیروز کے پاس تھا، جیسا کہ ارسکین نے بیان

کیا ہے۔)[فہرست مخطوطاتِ فارسی، برٹش میوزیم، جلد اوّل، ص۱۴۲]

حالانکہ اگر مسٹر ارسکین اور ڈاکٹر ریو مستند کتبِ تواریخ وتراجم کی ورق گردانی کرتے تو انہیں ایسے مآخذ بھی مل جاتے جو ایک حاشیہ (   ) سے زیادہ وقیع اور مستند ہیں مثلاً مآثر الامراء مصنفہ شاہنواز خاں جو اگرچہ مغل دربار کے امراء کی قاموس ہے پھر بھی اس میں عہدِ اکبری کے سرکاری الحاد (دین الٰہی) کی تفصیل اسی دبستان المذاہب کے حوالہ سے مرقوم ہے۔

مآثر الامراء کوئی معمولی تصنیف نہیں ہے، اس کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ مصنف نے اس کی تالیف کے وقت بہت سے قابلِ وثوق اور مستند مصادر کو پیشِ نظر رکھا تھا اور محض سنی سنائی روایتوں کو نقل کرنے سے احتیاط برتی تھی جیسا کہ اس کی تمہید میں لکھا ہے:

''اگرچہ دریں وقت کتابے موسوم بہ ذخیرۃ الخوانین تصنیف شیخ معروف بھکری متضمن احوال امراء بنظر رسید و اکثر مطالب آن ضمیمۂ ایں نسخہ گردید، لیکن چوں بنائے آں بر اخبارِ سماعی مخالف تحقیق اہلِ ایں فن بود ماخذِ ایں نسخہ کتبِ معتبرہ ثقات است رجحانے بدیہی ومزیتے ظاہر براں محقق وثابت گشت۔'' (مآثر الامراء، جلد اوّل، ص۸)

۱۱۷۱ھ میں مصنف کی شہادت کے بعد اس کا گھر بار لوٹ لیا گیا اور اس ہنگامہ میں اس کتاب کا مسودہ بھی ضائع ہوگیا تھا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی کو اس بے نظیر کارنامہ کے ضائع ہونے کا بڑا افسوس تھا۔ چنانچہ وہ ایک عرصہ تک اس کی تلاش میں سرگرداں رہے، بالآخر کاملؓ ایک سال کے بعد اس کے اجزاء دستیاب ہوئے، تو انہوں نے اس پر نظرِ ثانی کر کے اس کو پھر سے مرتب کیا۔ چنانچہ خود آزاد بلگرامی رقم طراز ہیں:

''بعد یک سال کامل از شہادت مصنف علیہ الرحمۃ سررشتۂ تفحص بجائے رسید و یوسف گم گشتہ چہرہ پیدائی وانمود، طرفہ شگفتگی بہم رسید وعجب انشراحے دست داد، فی الفور آستین بہ ترتیب وتبییضِ ایں مسودہ برشکست و اوراقِ پریشاں را شیرازۂ جمعیت بربست۔'' (مآثر الامراء، جلد اوّل، ص۱۲)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا آزاد بلگرامی جیسے محقق کی نظروں میں اس بلند پایہ تصنیف کی کس قدر وقعت تھی اور انہوں نے کتنی دیدہ ریزی کر کے اس گوہرِ شب چراغ کو گردشِ زمانہ کے ہاتھوں ضائع ہونے سے بچایا۔

خوش قسمتی سے شاہ نواز خاں نے دبستان المذاہب کا مصنف میر ذوالفقار علی اردستانی کو بتایا ہے۔ چنانچہ دینِ الٰہی کے بارے میں لکھا ہے:

''دبرخے احکام ومسائل ایں مذہب ذوالفقار اردستانی موبد تخلص در دبستان خود (کہ حاوی اکثر اعتقاداتِ فرق ہنود و مجوس و مذاہبِ مروجہ اہلِ اسلام است)

آوردہ۔'' (مآثر الامراء، جلد دوم، ص ۳۹۲)

یہاں یہ شک پیدا کیا جا سکتا ہے (جس طرح محسن فانی کے بارے میں کہا گیا کہ اس نام کے ایک سے زیادہ شخص رہے ہوں گے) شاید دبستان المذاہب نام کی ایک سے زیادہ کتابیں رہی ہوں گی جن میں سے ایک ذوالفقار اردستانی کی رہی ہوگی، جو ممکن ہے محسن فانی کی دبستان المذاہب سے مختلف ہو۔ مگر یہ شک بے بنیاد ہے کیونکہ شاہنواز خاں نے اکثر اسی کے حوالہ سے دین الٰہی کے بارے میں بعض واقعات نقل کیے ہیں جو تقابلی مطالعہ کے بعد حرف بہ حرف موجودہ دبستان المذاہب کی تصریحات کے مطابق ثابت ہوتے ہیں، مثلاً مآثر الامراء، جلد دوم، ص ۳۸۱ پر لکھا ہے:

''در دبستان موبدی مذکور است کہ سلطان خواجہ از الٰہیان بود یعنی بہ آئینے (کہ بعرش آشیانی نسبت دہند و بہ الٰہی دین موسوم نمایند) گردیدہ بود، ہنگام سفرِ واپسین بہ پادشاہ وصیت نمود کہ مرا بآئین دیو مردم دفن نفرمایند، لاجرم اورا درقبر باچراغے در آوردہ شبکۂ بحاذات نیر اعظم گذاشتند کہ نور او ماحی مآثم است۔''

یہی مضمون موجودہ دبستان المذاہب میں مذکور ہے:

''چون سلطان خواجہ، کہ از الٰہیان بود، در وقت تن گذاشتن گفت ''مرا حضرت، بہ آئین دیو مردم دفن نفرمایند''، لاجرم او را درقبر باچراغے خاص وشبکۂ مقابل حضرت نیّر اکبر گذاشتند کہ فروغ او پاک کنندہ گناہان است[1]۔''

نیز مآثر الامراء جلد دوم، ص ۳۸۹ پر مرقوم ہے:

''ودر دبستان گفتہ کہ از مرزا شاہ محمد مخاطب بہ غزنین خاں پسر شاہ بیگ خاں خانِ دوران شنیدم کہ می گفت من از مرزا عزیز کوکہ پُرسیدم کہ چہ میگویند درحرف زدن عرش آشیانی جواب داد کہ والدہ می گفت حق است[2]۔''

اور یہی موجودہ دبستان المذاہب میں مذکور ہے:

''از میرزا شاہ محمد مخاطب بہ غزنی خان خلفِ شاہ بیگ خان دوران خطاب ارغون نژاد، در ہزار و پنجاہ وسہ در لاہور، نامہ نگار شنید کہ گفت: ''از نواب عزیز کوکہ مخاطب بہ خانِ اعظم پرسیدم کہ چہ می فرمایند درحرف زدن حضرت عرش آشیانی، مسیح وار، با والدۂ ماجدہ (؟) جواب داد کہ والدہ می گفت حق است۔''

اسی طرح مآثر الامراء جلد دوم میں صفحہ ۳۹۰ پر لکھا ہے:

''در دبستان آوردہ کہ در سنہ (۱۰۰۰) ہزارم الٰہیان بعرش آشیانی گفتند کہ

---

[1] دبستان مذاہب، ص ۳۰۲

[2] ایضاً، ص ۲۸۷

ہزار سال ہجری تمام شد''

اور موجودہ دبستان المذاہب میں مرقوم ہے:

''گفتند ہزار سال کہ آغازِ آں زمان بعثت و مدت بقائے این دین بود، تمام شد[1]''

مآثر الامراء کا مطبوعہ ایڈیشن جن نسخوں کی مدد سے مرتب ہوا تھا، ان میں سے ایک نسخہ میں بجائے ذوالفقار اردستانی کے ''ذوالفقار آذر ساسانی'' لکھا تھا، مگر اس کے مرتبین مولوی عبدالرحیم اور مولوی مرزا اشرف علی سابق مدرسین مدرسہ عالیہ کلکتہ جن کی تصحیح سے یہ کتاب شائع ہوئی تھی، انہوں نے ذوالفقار اردستانی والے نسخہ ہی کو ترجیح دی، اس لیے کہ آذر ساسانی یا خاندانی نسب ہو سکتی ہے یا مذہبی۔ پہلا احتمال ساقط ہے، اس لیے کہ ملا فیروز کے کتب خانے میں دبستان کا جو نسخہ ملا تھا، اس کے حاشیہ پر صرف مرزا ذوالفقار علی الحسینی لکھا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنفِ دبستان ساداتِ حسینی میں سے تھا۔ اس کے بعد اس کے ایرانی النسل اور آذر ساسانی ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اور دوسرا احتمال بھی ساقط ہے، اس لیے کہ اولاً مجوسیوں کے فرقِ پانزدگان میں سے کوئی فرقہ آذر ساسانی نہیں تھا، ثانیاً مصنفِ دبستان آذر کیوان اور اس کے مریدوں سے متاثر اور ان کا معتقد تھا، لہٰذا زیادہ سے زیادہ وہ آذر کیوانی یا صحیح اصطلاح میں آذر ہوشنگی ہو سکتا ہے، آذر ساسانی نہیں۔

غرض نسلی و خاندانی طور پر وہ ساداتِ حسینی میں سے تھا، جس کے آباؤ اجداد اردستان ایران سے آ کر پٹنہ میں آباد ہو گئے تھے اور یہیں پارسیوں کے حلقۂ عقیدت میں اس کی ابتدائی تربیت ہوئی اور جب اس کے اعزہ و اقارب اور یہ پارسی جماعت پٹنہ سے اکبر آباد منتقل ہوئی تو ان کے ساتھ مصنفِ دبستان (میر ذوالفقار علی اردستانی) بھی پٹنہ چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ ۱۰۳۳ھ میں یہ لوگ بنارس پہنچے جہاں موبد ہوشیار جو میر ذوالفقار علی کی تربیت میں خاص طور پر دلچسپی رکھتا تھا، اسے گود میں لے کر چترروپ نام کے ایک برہمن مرتاض کے پاس لے گیا جس نے اسے دُعائے خیر دی اور اپنے ایک شاگرد گنیش من کو اس کی ہندوانہ تعلیم و تربیت پر مامور کیا۔

بہر حال مرزا ذوالفقار علی کی ابتدائی تعلیم و تربیت پارسیوں بالخصوص آذر کیوانیوں کے درمیان ہوئی، اس کے بعد اس نے ہندو ماحول میں تعلیم پائی۔ چنانچہ خود لکھتا ہے:

''چون روزگار ناپایدار نامہ نگار را از پارسیان جدا افگند، ہم انجمن شمنان صنم و بت قبلگان پرستندۂ وثن ساخت، لاجرم عقائد این تدقیق آمود گروہ، بعد از پارسیان گزاردہ می آید[2]''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر ذوالفقار علی کو پارسی مذہب اور ہندو مذہب کے متعلق بڑی گہری معلومات تھیں اور چونکہ اس نے آذر کیوانی حلقہ میں تربیت پائی تھی، اس لیے تعصب و تحزب کی وہ شدت جو اہلِ

---

[1] دبستان مذاہب، ص ۳۰۱

[2] ایضاً، ص ۲۲۱

مذاہب میں عام طور پر ہوتی ہے، اسے چھو بھی نہیں گئی تھی اور چونکہ اس کا مربی موبد ہوشیار آذر کیوانی مسلک رکھتا تھا، اس لیے اس کو اس مسلک کے ساتھ بڑی عقیدت تھی، لیکن اس کے باوجود اس نے اپنا آبائی مذہب اسلام چھوڑا نہیں تھا۔

میرے اس خیال کی تین وجہیں ہیں:

اولاً یہ کہ آذر کیوانی حلقہ میں تبدیلی مذہب کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ ان کے حلقہ میں پارسیوں کے علاوہ ہندو، مسلمان اور عیسائی و یہودی سب ہی تھے، چنانچہ مصنفِ دبستان نے اس مسلک کے مذہبی تعصب کے بارے میں لکھا ہے:

> ''پس اکنون جمعے کہ در مذاہب غیر یزدانیان، یعنی غیر آبادیان، بودہ اند و نزد شاگردان کیوان سلوک کردہ، کامیاب شناسائی آمدہ اند، برشمردہ می آیند، ہر چند این گروہ ہم بیش از آنند کہ توان نگاشت ولے تنے چند سترگ باز نمودہ شوند[1]''

ان میں سے محمد علی شیرازی (جو میر فتح اللہ شیرازی کا ہمدرس رہا تھا) محمد سعید اصفہانی (جو خود مصنف دبستان کی طرح ساداتِ حسینی میں سے تھا) عاشق بیگ اور محمود بیگ تیمن مسلمانوں میں، موسیٰ و ہارون یہودیوں میں (جن کے بارے میں لکھا ہے: ''بدانشمندی خود اختصاص داشتند ے'') انتون بشویہ وارج عیسائیوں میں (جس کے متعلق لکھا ہے ''در کیش نصاریٰ می پوئید'') اور بنارس کے دانشمند برہمنوں میں سے رام بھٹ اور اسی طرح رام چندر کھتری ہندوؤں میں سے اس گروہ کے مرید و معتقد تھے۔ اس لیے خود مصنف دبستان کے لیے آذر کیوانی حلقہ سے عقیدت استوار کرنے میں اس کا مذہب مانع نہیں ہوسکتا تھا۔

ثانیاً: جس انداز میں اس نے حمد و نعت بالخصوص نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم لکھی ہے، اس سے اس کے مسلمان ہونے میں کوئی شک ہی نہیں رہتا، اور اسے کسی طرح بھی اس بات پر محمول نہیں کیا جا سکتا کہ یہ دیباچہ روشِ عام کے مطابق لکھا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر رسمی طور پر ''درود نامحدود'' بھیج کر گزر جاتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا، جن اجرامِ فلکی کو وہ بار بار مختلف فرقوں کے ذکر میں مختلف مذاہب کے پیروؤں کا معبود بتاتا ہے اور جن کی پرستش کو وہ مختلف اقوام کی سعادت و فیروز بختی کی دلیل نقل کرتا ہے، ان ہی ثوابت و سیاروں کو وہ پیغمبر اسلام کا خادم اور مرؤس بتاتا ہے، چنانچہ لکھتا ہے:

> ''درود نامحدود بر والا موجود، خورشید سوار سپہر شہود، کیوان بندہ، بہرام چاکر، اختر خدم، ناہید پرستار، اورنگ آرائے کشورستان دین، دیہیم خدائے دار الملک یقین[2]''

یہ عبارت ایک عقیدت مند مسلمان ہی کے قلم سے نکل سکتی ہے، کسی ایسے پارسی کے قلم سے نہیں نکل سکتی جس کا عقیدہ ہے کہ اجرامِ فلکی انسان سے افضل اور اس کے واجب التعظیم مخدوم ہیں، مثلاً ستارہ زحل کے بارے میں ان کا خیال تھا:

---

[1] دبستان مذاہب، ص ۴۴

[2] ایضاً، ص ۳

''شہنشاہ و بزرگان و پرستاران و سائر یزدانیان چون بہ کیوان کدہ می رفتند با جامہ ہائے سیاہ و کبود، سخن بہ تواضع می کردند و بہ آہستگی سر در پیش افگندہ[1]''

لیکن یہی کیوان پیغمبرِ اسلامؐ کا غلام ہے، جیسا کہ ''کیوان بندہ'' ترکیب سے ظاہر ہے۔

ثالثاً: مصنفِ دبستان اپنی سیر و سیاحت کے دوران مشہد مقدس کی زیارت کے لیے گیا تھا، جیسا کہ وہ عقیدہ صادقیہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''محمد قلی نام مردے بود در مشہد مقدس، در ہزار و پنجاہ دسہ با نامہ نگار آشنا شدہ و بعد از اتحاد گفت: ''بر مسلم واجب است کہ مسیلمہ رانخبر صادق و پیغمبر داند وگرنہ اسلامِ او مسلّم نیست[2]؟''

بلادِ ایران میں ۔ سے صرف مشہد مقدس کی تخصیص سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ شیعی مسلمان تھا کیونکہ اگر وہ مجوسی ہوتا تو اسے یزد جانا چاہیے تھا یا پھر شیراز جو اس کے سرپرست موبد ہوشیار کے پیرو مرشد آذر کیوان کا مولد و منشا تھا۔

جہاں تک دبستان المذاہب کے سالِ تصنیف کا سوال ہے، اس سلسلے میں مصنف نے پوری کتاب میں کہیں بھی قطعی طور پر اس کی تصریح نہیں کی کہ فلاں سنہ میں یہ کتاب لکھی گئی، البتہ گرونانک کے جانشینوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اس وقت جو کہ ۱۰۵۵ھ کا زمانہ ہے، گرو ہرجی گرو مہربان کا جانشین ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ یہ کتاب ۱۰۵۵ھ میں لکھی گئی کیونکہ کتاب کے اندر اس سال کے بعد کے واقعات بھی ملتے ہیں اور ۱۰۶۳ھ میں خود مصنف صوبہ اڑیسہ کے شہر سریکاکل میں پایا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ کتاب مخصوص مختصر مدت میں نہیں لکھی بلکہ اس کی تصنیف میں اس نے ایک طویل عرصہ صرف کیا، اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ مصنف کو مختلف مذاہب کے پیشواؤں سے ملنے اور ان کے عقائد کی تحقیق کرنے کے لیے کافی سیر و سیاحت کرنی پڑی تھی۔

شاہ جہاں کا دورِ حکومت ۱۰۶۷ھ مطابق ۱۶۵۶ء میں ختم ہوتا ہے اور کتاب کے اندر کوئی واقعہ ۱۰۶۳ھ کے بعد کا نہیں ملتا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب جس کی تصنیف کا آغاز ۱۰۵۵ھ میں ہوا، شاہجہاں کے دورِ حکومت کے آخر زمانہ یعنی ۱۰۶۳ھ کے قریب پایۂ تکمیل کو پہنچی[3]۔

---

[1] دبستان مذاہب، ص ۱۷

[2] ایضاً، ص ۲۶۹ (یہ مسیلمہ کذاب کے ماننے والے (صادقیہ) گروہ کا عقیدہ ہے۔)

[3] یہ مقالہ پروفیسر حافظ غلام مرتضیٰ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں منعقد ایک سیمینار (دسمبر ۱۹۶۲ء) میں پڑھا تھا۔ ملاحظہ ہو: ''معارف'' مارچ ۱۹۶۳ء، اعظم گڑھ، بھارت۔ (ایڈیٹر)

سَپاسیوں کے علمی و عملی عقائد کے بیان میں

یہاں سے سپاسیان و پارسیان کے مذاہب کے بارے میں جنہیں ایرانیان بھی کہتے ہیں، بیان شروع ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو ایزدیان، آبادیان، سپاسیان، ہوشیان، ابوشکان، آذر ہوشنگیان اور آذریان بھی کہتے ہیں۔ اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی حقیقت کو عقلی طاقت اور روحانی قوت سے پہچاننا ممکن ہے۔ اس کا وجود، وحدانیت اور شخصیت بلکہ جملہ صفات مبارکہ مثلاً علم وحیات وغیرہ اس کی ذات اقدس کا عین ہیں۔ وہ سارے جہاں کا حاکم اور جملہ کلیات اور تغیر پذیر جزئیات سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس کے جملہ اعمال و افعال، اس کی مشئیت اور ارادہ کے مطابق ہیں۔ اگر وہ چاہے تو کوئی کام کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے لیکن جملہ قابلِ تعریف افعال اس کی ذاتِ اقدس کے لیے اسی طرح ناگزیر ہیں جیسے کہ اس کی ساری مبارک اور کامل صفتیں۔ عرفی شیرازی کہتا ہے:

ذات تو قادر است بر ایجاد ہر محال　　الاّ بہ آفریدن چوں خود یگانہ

(تیری ذات ہر ناممکن شے کو پیدا کرنے پر قادر ہے، سوائے اپنی جیسی یکتا ذات کے۔)

اس کے وجود بخش فیض سے جو شئے سب سے پہلے ظاہر ہوئی، وہ گوہرِ عقل ہے جس کو آزاد بہمن بھی کہتے ہیں۔ اس کا لائق وجود دراصل ذاتِ نور الانوار کے آفتاب کا عکس ہے۔ بہمن یعنی عقل اوّل کے نور سے دوسری عقل اور سادہ فلک یعنی فلک اطلس کا جسم اور روح پیدا ہوئے اور اسی طرح دوسری عقل (فرشتہ) سے تین مختلف عکس نمودار ہوئے۔ یہاں تک کہ متحرک اور ساکن یعنی ثابت و سیار ستاروں میں سے ہر ایک ستارہ پیدا ہوا اور ہر آسمان کی ایک عقل اور روح ہوتی ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ آسمانوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ ثابت ستاروں کی تعداد آسمانوں کی تعداد کے مطابق ہے اور ہر ستارہ ایک مخصوص فلک کے اندر ہے، لیکن جملہ افلاک کی حرکت فلک البروج کی حرکت کے مطابق ہوتی ہے۔

اسی طرح چاروں عناصر میں سے ہر ایک کے لیے عقلوں کے نور خانہ سے ایک مخصوص پرورش کرنے والا ہے اور اس فرشتہ کو پروردگار اور پروردگار گونہ و دارا اور دارائے گونہ کہتے ہیں اور عربی زبان میں اسے رب النوع کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے متعلقین یعنی ہر نوع کے لیے نور کی دنیا سے ایک مخصوص رب ہے۔ یہ لوگ انسانوں کی باقی رہنے والی روح یعنی نفس ناطقہ انسانی کو ازلی اور دائمی خیال کرتے ہیں۔ سعدی فرماتے ہیں:

نشان بر تختۂ ہستی نبود از آدم و عالم　　کہ جان در مکتب عشق از تمنائے تو می زدم

(صفحۂ ہستی پر حضرت آدم اور عالم کا نام و نشان بھی نہ تھا جب کہ میری جان عشق کے مدرسہ میں تیرے عشق کا دم بھرتی تھی۔)

اس گروہ کی بعض معتبر کتابوں میں ذکر ہے کہ نفوس قدیمہ سے مراد ارواح فلکی ہیں اور نفوس انسانی حادث اور ابدی ہیں لیکن بعض انسانوں کے مزاج یہ استعداد رکھتے ہیں کہ عالم بالا سے نفس کا ان پر فیضان ہوتا

ہے اور بعض اس قابل ہوتے ہیں کہ مادی بدن سے نفس جدا ہو کر اس سے متعلق ہو جاتا ہے۔ یہ خصوصیت فلک کے اثر سے ہوتی ہے اور ارباب فکر کی نظروں سے پوشیدہ رہتی ہے۔

اس گروہ کا قول ہے کہ جب ابدی روح قابلِ تعریف علم وعمل میں کامل ہوتی ہے تو مادی جسم چھوڑنے کے بعد علوی مجردات سے تعلق پیدا کر لیتی ہے اور اگر اس آزادی بخش اعلیٰ مرتبہ کو نہیں پاتی تو اپنے اعمال کے لحاظ سے جس فلک سے منسوب ہوتی ہے، اس سے تعلق پیدا کر لیتی ہے۔ اور اگر روح قابلِ تعریف گفتار اور پسندیدہ کردار والی ہے مگر مرتبۂ فلکی پر فائز نہیں ہوسکی تو بغیر عنصری جسم کے مثالی بدن کے ساتھ اسی مادی دنیا میں باقی رہتی ہے اور اپنے پسندیدہ اخلاق کی وجہ سے بظاہر حورانِ بہشتی اور محلات اور باغات کا مشاہدہ کرتی ہے اور سروشِ زمین یعنی فرشتۂ ارضی ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر روح نامناسب گفتار اور ناپسندیدہ کردار والی ہے تو عنصری بدن چھوڑنے کے بعد پھر اسے نہیں پاتی اور نہ نورانی دنیا میں پہنچتی ہے بلکہ عنصری دنیا میں ہوس وخواہش کی دوزخ اور حسرت کی آگ میں جلتے ہوئے اپنی اصل سے جدا رہ جاتی ہے۔ انجامِ کار بیمار پڑ جاتی ہے۔ لیکن اس سے بلند مقام اس کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس قسم کی روح بالآخر زہرمن یعنی جن بن جاتی ہے اور اگر روح میں پسندیدہ اقوال اور عمدہ اعمال زیادہ ہیں لیکن جسم سے دل لگانے یا ناواقفیت کی وجہ سے نجات کے درجے کو نہیں پہنچتی تو ایسی روح ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ حسنِ گفتار وکردار کی قوت سے بدن سے آزاد ہو جاتی ہے اور بلند درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ سرآبی کہتا ہے:

آزادہ تا تواند از قیدِ تن برآید   از پوست گر نباشد از پیرہن برآید

(آزاد جتنی جلد ہو سکے، جسم کی قید سے باہر نکل آتا ہے۔ اگر کھال سے آزادی ممکن نہیں ہوتی تو کم از کم پوشاک سے آزاد ہو جاتا ہے۔)

لیکن اگر روح بجائے کمال کے نقصان کی جانب مائل ہوتی ہے تو رفتہ رفتہ انسانی جسم سے حیوانی بدن میں اتر آتی ہے۔ یہ عقیدہ اس گروہ کے اکابرین کا ہے۔

اس فرقہ کے بعض علماء نے جن کے کلام میں اشارے کنائے پائے جاتے ہیں، کہا ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ روح اپنی بدبختی کی وجہ سے رفتہ رفتہ نباتات سے تعلق جوڑ لیتی ہے۔ اور اکثر اوقات بتدریج معدنیات میں مل جاتی ہے۔ اس گروہ کے نزدیک موالیدِ ثلاثہ میں سے ہر ایک میں نفسِ مجرد موجود ہے۔ اور یہ لوگ ساری چیزوں کو ذاتِ نور الانوار کا عکس سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ایک بزرگ نے اس مضمون کے متعلق فرمایا ہے۔

جان مغزِ حقیقت ست وتن پوست بہیں   در کسوت روح صورت دوست بہیں

ہر چیز کہ او نشان ہستی دارد   یا سایۂ اوست یا کہ خود اوست بہیں

(روح حقیقت کا مغز ہے اور جسم کو چھلکا سمجھ، اس لیے روح کے لباس میں دوست کی شکل دیکھ لو، ہر وہ چیز جو وجود کا نشان رکھتی ہے یا دوست کا سایہ ہے یا خود دوست ہے۔)

ان کا عقیدہ ہے کہ دنیا پیدا کرنے والی ذات سے دنیا کا تعلق اسی طرح ہے جیسا کہ آفتاب کی روشنی

کا تعلق جرمِ آفتاب سے ہے اور وہ ذات ازل سے ہے اور ابد تک باقی رہے گی۔

ان کا قول ہے کہ عالم کون وفساد میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ ستاروں کے اثر سے ہوتا ہے، اور علم نجوم کے ماہرین نے ہر چیز کو سات سیارہ ستاروں کا اثر سمجھا ہے اور ثابت ستاروں کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔ اور اصحاب وحی وکشف کے نزدیک یہ اصول مقرر ہے کہ ثابت اور سیارہ ستاروں میں سے ہر ایک کئی ہزار سال کی مدت تک حاکم ہوتا ہے اور ایک ہزار سال کی حکومت ایک ہی ستارے کو مخصوص ہوتی ہے، بغیر دوسرے ستارے کی شرکت کے لیکن بعد کی ہزار سالہ مدتوں میں ثابت اور سیارہ ستارے ترتیب وار حکومت میں شریک رہتے ہیں۔ ابتداء ثابت ستاروں سے کرتے ہیں اور جو ثابت ستارہ دورِ مخصوص کا حاکم ہوتا ہے ہم اُس کو نخستین شاہ (شہنشاہ) کہتے ہیں۔ جب اس کے مخصوص ہزار سال گزر جاتے ہیں تو دُوسرا ثابت ستارہ حکومت میں نخستین شاہ کا شریک ہو جاتا ہے اور اس شرکت کرنے والے کو ہم نخستین دستور کے نام سے پکارتے ہیں لیکن شرکت کے باوجود اس عہد کی سروری اور برتری نخستین شاہ کو حاصل ہوتی ہے۔ جب دوسری ہزار سالہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو حکومت میں نخستین دستور کی شرکت کا زمانہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ پر دوسرا ستارہ نخستین شاہ کا شریک ہوتا ہے۔ اس طرح جملہ ثابت ستارے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد سیارہ ستاروں میں سے کیوان نخستین شاہ کا شریک بن جاتا ہے اور ایک ہزار سال تک شریک رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ماہتاب کی شرکت کی نوبت آ جاتی ہے اور جب ایک ثابت ستارہ کی جو نخستین شاہ کے نام سے موسوم تھا، مدت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی سلطنت کا دور پورا ہو جاتا ہے تو اس کی جگہ پر ستارہ سلطنت پا جاتا ہے جو دوسرے ہزار سالہ میں نخستین شاہ کا شریک اور نخستین دستور کے نام سے موسوم تھا۔ اس کی حکومت کے دور میں ہم اس کو دوم شاہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ ایک ہزار سال تک اس کی مخصوص حکومت ہوتی ہے، جیسا کہ بیان کیا جا چکا۔ دوسرے ہزار سالہ میں کوئی دوسرا ثابت ستارہ اس کا شریک ہو جاتا ہے اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، اس کے بارے میں بھی ویسا ہی سمجھنا چاہیے۔ آخر کار جب ماہتاب کی شرکت کی باری آتی ہے تو ہزار سال تک ماہتاب شاہ دوم کا شریک رہتا ہے۔ ماہتاب کے ہزار سال پورے ہونے کے بعد پھر وہی ثابت ستارہ جس کی بادشاہت کی مدت گزر چکی اور جس سے اس دور کا آغاز ہوا تھا اور جو نخستین شاہ کہلاتا تھا، وہ ہزار سال تک اس صاحب دور ستارہ کے ساتھ شریک رہتا ہے جو دوم شاہ کہلاتا ہے۔ اس کے بعد دوم شاہ کی سلطنت کا زمانہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور کسی دوسرے ثابت ستارے کو حکومت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مسلسل بادشاہ ہوتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ سارے ثابت ستاروں کی بادشاہت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد سیارہ ستاروں میں سے زحل کو سروری اور برتری حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اسی طرح ثابت اور سیار ستارے ایک ایک ہزار سال حکومت میں شریک رہتے ہیں۔ جب ماہتاب کو بادشاہی حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا بھی دور ختم ہو جاتا ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا تو اس وقت دورِ اکبر گزر چکا ہوتا ہے۔ جب یہ دورِ اکبر ختم ہو جاتا ہے تو پھر بادشاہی نخستین شاہ کو حاصل ہو جاتی ہے، دنیا اور دنیا والوں کے سارے کام پھر سے شروع ہوتے ہیں اور پھر عالم کون وفساد پہلی حالت پر لوٹ آتا ہے اور سارے انسان، حیوان اور

نباتات ومعدنیات جو پہلے دور میں موجود رہے ہیں، پھر اسی گفتار و کردار، عادت وخصلت اور شکل وصورت کے ساتھ واپس لوٹ آتے ہیں اور اسی نام ونشان کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور زمانہ مسلسل اسی طرح گزرتا رہتا ہے۔ چنانچہ شیخ رئیس بوعلی سینا نے اسی مضمون سے متعلق فرمایا ہے:

ہر ہیئت و ہر نقش کہ شد محو کنون   در مخزن   روزگار گردد مخزون

چون باز ہمیں وضع شود وضعِ فلک   از پردۂ غیبش آورد حق بیرون

(ہر شکل اور ہر نقش جو اب بظاہر مٹ چکا ہے، دراصل زمانے کے خزانے میں پوری طرح محفوظ ہے۔ اور جب فلک کی وضع پھر وہی ہو جائے گی، تو حق تعالیٰ اس کو پردۂ غیب سے ظاہر فرمادے گا۔)

جاننا چاہیے کہ ان لوگوں کی مراد یہ نہیں ہے کہ آباد، ویران، کیومرث، سیامک اور ہوشنگ کی روحیں ان ہی گذشتہ عنصری اجسام پر فائض ہوتی ہیں اور بدن کے پراگندہ اجزاء پھر سے جمع ہو جاتے ہیں کیونکہ اس فرقہ کے عقیدے کے مطابق یہ بات محال اور ناممکن ہے بلکہ درحقیقت ان کی مراد یہ ہے کہ گذشتہ جسم و بدن کے مشابہ اجسام و ابدان پہلی جیسی شکل وصورت اور خصلت کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں اور پھر وہ پہلے جیسی گفتار و کردار رکھتے ہیں، ورنہ کاملوں کی روحیں جو فرشتوں سے متصل ہو چکی ہیں بھلا کیسے واپس لوٹ سکتی ہیں۔ اس گروہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ لوگ بغیر ماں اور باپ کے اپنی نوع سے پیدا نہیں ہوتے۔ ان کا کہنا ہے کہ گذشتہ دور کے شروع میں جو مرد اور عورت موجود تھے، ان ہی کے مشابہ مرد اور عورت اس دوسرے دور میں بھی پائے جائیں گے، تاکہ ان سے نسلِ انسانی کا یہ سلسلہ قائم رہے کیونکہ اگرچہ موالید ثلاثہ کے باپ افلاک اور ماں عناصر ہیں لیکن ہم کو اس سے زیادہ معلوم نہیں کہ انسان انسان ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور کسی دوسری طرح پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس قدیم فرقہ کے ماننے والے ستارہ زحل کے ایک دور کو ایک دن کہتے ہیں اور ایسے تیں دن کو ایک مہینہ اور ایسے بارہ مہینوں کو ایک سال شمار کرتے ہیں۔ اور ایسے دس لاکھ سال کو ایک فرد، ہزار فرد کو ایک درد، ہزار درد کو ایک مرد اور ہزار مرد کو ایک جاد کہتے ہیں۔ اور تین ہزار جاد کو ایک واد اور دو ہزار واد کو ایک زاد کہتے ہیں۔ اس حساب سے مہ آبادیوں کی حکومت اور شان وشوکت سو زاد قائم رہی۔ ان کا کہنا ہے کہ وجودِ انسانی کی ابتداء معلوم نہیں ہے اور نہ علوم اس کا پتہ لگا سکتے ہیں کیونکہ افرادِ انسانی شروع زمانے میں موجود نہیں تھے اور ان کا سلسلہ کبھی بھی کسی ایک فرد پر ختم نہیں ہو سکتا، چنانچہ ان کا تسلسل علمِ ریاضی کے تسلسل کی طرح ہے، اور یہ عقیدہ یونانی فلاسفہ کے فلسفیانہ اصول وعقائد کے موافق ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ بات جو مشہور کتابوں میں لکھی ہے کہ اس دور کا پہلا انسان مہ آباد ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اور اس کی زوجہ دورِ اعظم میں باقی رہ گئے تھے اور ایزد فیاض نے اتنی زیادہ اولادیں اس کو عنایت فرمائیں کہ ان کی کثرت سے پہاڑوں کے غار بھر گئے۔ آمیغستان کے مصنف نے لکھا ہے کہ کھانے پینے اور پہننے کی جو چیزیں بفضلِ خدا ہمارے زمانہ میں ہیں، ان سے صرف تھوڑے سے لوگ واقف تھے اور اس وقت تک اس دور میں شہروں کا انتظام، پیشہ وروں کے قوانین، برتری کے شرائط، حکومت اور سرداری کے مراسم،

قانونِ شریعت اور علم و حکمت کی تعلیم کچھ بھی نہ تھی، یہاں تک کہ الطافِ آسمانی اور گوناگوں عنایت و کرم خداوندی کی مدد سے مہ آباد کے احکام سارے آباد و ویران مقامات اور خشکی اور پانی پر جاری و نافذ ہو گئے اور اس نے خدائی شان اور اپنی روحانی فطرت اور ہدایت کرنے والے فرشتہ کی مدد سے نیز اپنی چشمِ بصیرت اور جو کچھ گذشتہ دور میں سنا اور دیکھا تھا، اس کی روشنی میں عالم کی پیدائش کے بارے میں غور کیا اور اس نے محسوس کیا کہ نو افلاک علوی اور عناصر سفلی جو موجود ہیں، وہ مختلف جواہر و اعراض سے مرکب ہیں اور باہم متصادم جنسوں اور مخالف خصلتوں اور طبیعتوں سے ملے ہوئے ہیں، لہٰذا ان تمام چیزوں میں تعلق پیدا کرنے والا، آپس میں ملانے والا اور ان کا بنانے والا کوئی ضرور ہونا چاہیے۔ اور وہ تعلق پیدا کرنے والا جو چاہتا ہے اور وہ صاحبِ حکمت ہنرمند جو کچھ کرتا ہے، وہ فائدہ اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ چنانچہ مہ آباد نے لوگوں کو دنیا کے مختلف اطراف میں بھیجا تاکہ وہ خشکی اور پانی کی موجودات اور نباتی مرکبات کو لائیں جو پائندہ روح کے نزدیک اپنی خصوصیات کے لحاظ سے مشہور و معروف ہیں اور ایک مقررہ جگہ پر ان کو جمع کریں یہاں تک کہ اجزاء آبی و خاکی کی مدد سے نیز معتدل ہوا کی وساطت اور ستاروں کی قوت کے اشتراک سے مہ آباد نے ہر شئے کی قوت نامیہ، غاذیہ اور مولدہ کا پتہ لگایا اور جب یہ عظیم الشان ارادہ پایۂ تکمیل کو پہنچا تو شاہی ستارہ برج حمل میں داخل ہوا اور قضا کے چابکدست نقاش نے دلہن جیسے درختوں کے چہرے سے پردہ اُٹھایا۔ اس کے بعد اپنے فرمان اور تجربہ و امتحان کی مدد سے مہ آباد نے مختلف پھولوں، پھلوں، پتوں اور ریشوں سے مفرد غذاؤں اور مرکب دواؤں نیز کھانے اور پینے کی چیزوں کا پتہ لگایا اور حکم دیا کہ کانوں سے انواع و اقسام کے پتھر لا کر آتش دان میں پگھلائیں جس سے مختلف دھاتیں جو پتھروں میں مخفی تھیں، ظاہر ہوئیں۔ اور لوہا جس میں سختی اور تیزی موجود تھی، اس سے جنگجو بہادروں کے لیے اسلحہ جات بنوائے اور سونا چاندی اور دوسرے جواہرات مثلاً لعل، یاقوت، الماس اور زمرد جن میں نرمی اور آرائش کی صلاحیت دیکھی، ان کو بادشاہوں، فوجی افسروں اور دلہنوں کی زینت کے لیے مقرر کیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ لوگ پانی کی تہ میں جا کر سیپی، موتی اور مونگا وغیرہ نکال کر لائیں اور بھیڑ وغیرہ جانوروں کے بال صاف کرنا اور ان کو کاتنا، بُننا، کاٹنا، سینا اور پہننا ایجاد کیا۔ بعد ازاں شہروں، دیہاتوں اور سڑکوں کی ترتیب دی اور قلعوں اور محلوں کی تعمیر کی اور کاروبار و تجارت کے طریقے سکھلائے۔

علاوہ ازیں لوگوں کو چار طبقوں میں تقسیم کیا۔ پہلا طبقہ ہیربدوں، موبدوں، زاہدوں اور عابدوں کا ہے، جن کا کام دین کی نگہداشت اور شرعی حدود و قوانین کی حفاظت ہے۔ ان کو ہرمان اور برہمن کہتے ہیں یعنی وہ برنیان (بلند ہستیوں) کے مشابہ ہیں، جن سے مراد فرشتگان علوی ہیں۔ ان لوگوں کو نور ستار بھی کہتے ہیں۔ دوسرا طبقہ بادشاہوں اور پہلوانوں کا ہے، جو جہانبانی اور حکومت، عدل و انصاف میں اور ظلم کی روک تھام میں مشغول ہیں، ان کو چترمان، چترمن اور چتری کہتے ہیں، کیوں کہ لفظ چتر کے معنی نشان و علامت ہے جو بلند مرتبہ ہستیوں کو حاصل ہوتا ہے اور چتر سایہ دار شے اور سائبان کو بھی کہتے ہیں، جن کا ان ہستیوں پر سایہ پڑتا ہے اور مخلوق اس طبقہ کے سایہ میں محفوظ رہتی ہے۔ ان لوگوں کو نور ستار بھی کہتے ہیں۔ تیسرے طبقہ میں زراعت

کرنے والے کسان، پیشہ ور، اہلِ ہنر اور اہلِ صنعت ہیں۔ ان لوگوں کو باس کہتے ہیں۔ باس کے معنی بسیار یعنی زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بہ نسبت دوسرے طبقوں کے تعداد میں بکثرت اور زیادہ ہیں۔ اور باس آبادی کے معنی میں بھی آتا ہے، آبادی دراصل اسی طبقہ سے پیدا ہوتی ہے، ان کو سورستار بھی کہتے ہیں۔ چوتھا طبقہ ہر قسم کے ملازمین اور خدمت گاروں کا ہے۔ ان کو سودین، سودی اور سودرا کہتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ لوگوں کو ہر قسم کا فائدہ، تن آسانی اور آرام حاصل ہوتا ہے اور ان کو روز ستار بھی کہتے ہیں۔ مہ آباد نے ان چار طبقوں کو جسم مملکت کے چار عناصر قرار دیا ہے۔ یوں انتظام کے جملہ اسباب مکمل ہو گئے۔ اور مخلوق میں بے نیازی اور حاجت مندی ظاہر ہوئی اور حکمران و محکوم نیز مالک و غلام کے درجے، سیاست و ریاست، عدالت و علم، محبت اور غیظ وغضب، زند بار یعنی بے ضرر حیوانات کی پرورش اور حفاظت تندربار یعنی ضرر رساں حیوانات کو ہلاک کرنا اور خدا شناسی اور خدا پرستی کا ظہور ہوا۔

نیز خدا نے آباد کے لیے دساتیر نام کی ایک کتاب بھیجی جس میں سارے علوم اور ساری زبانیں موجود تھیں، وہ کئی جلدوں اور ہر زبان پر مشتمل تھی بلکہ کئی جلدیں ایسی زبان میں تھیں جو مادی دنیا والوں کی کسی زبان سے مشابہ نہ تھی چنانچہ اس کو آسمانی زبان کہتے تھے۔ مہ آباد نے ہر گروہ کو ایک زبان دے کر ایک مناسب علاقہ میں بھیج دیا اور اس طرح پارسی، ہندی اور رومی وغیرہ زبانیں پیدا ہوئیں۔

اس فرقہ کے نزدیک وہی وحی درست ہے جس کا ثبوت عالمِ مثال سے ہو جسے یہ لوگ مانستان کہتے ہیں۔ لیکن مہ آباد کے بعد سارے پیغمبر اسی کے مذہب پر بھیجے گئے اور کسی نے اس کی شریعت کی مخالفت نہیں کی۔ مہ آباد کے بعد تیرہ پیغمبر ظاہر ہوئے جن کی تعداد مہ آباد کو ملا کر چودہ ہو جاتی ہے۔ اور سب کے سب آباد نام سے موسوم ہیں۔ یہ پیغمبر ہر جگہ اپنے بزرگ آباد اور اس کی آسمانی کتاب کے مطابق عمل کرتے تھے۔ ان پر صرف یہی وحی نازل ہوئی تھی کہ مہ آباد کے دین کو مضبوط کریں۔ ان چودہ آباد کے بعد ان کے بیٹے بھی سلسلہ وار اپنے والد کے بعد پیشوا اور حکمران مانے جاتے رہے اور یہ سب عدل و انصاف کے راستے پر گامزن تھے۔ اس فرقہ کے عقیدے کے مطابق اس گروہ کے بزرگ باری باری مخصوص کیے جاتے اور خاندان کا سب سے زیادہ بزرگ حکمراں کے درجے پر فائز ہوتا تھا۔

اس گروہ کا جو مہ آبادیان کے نام سے مشہور ہے، آخری حکمراں آباد آزاد ہے جس نے سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کر کے خدا پرستی اور گوشہ نشینی کے راستے میں قدم رکھا۔ اس کے زمانے میں ملک آباد تھا اور خزانے بھرے ہوئے تھے۔ نیز بلند نقشیں محلات اور عالیشان دلکش عمارات تھیں، مشہور علماء، دانشور فضلا، پرہیزگار، خدا پرست جو اپنے قول و فعل میں مشہور تھے، فوج اور سجے ہوئے اسلحہ، لائق خدمت گار اور عہدہ دار، کوہ پیکر ہاتھی اور کوہِ البرز جیسے مضبوط تیز رفتار گھوڑے، تیز رفتار سواری کے جانور اور بکثرت چوپائے اور خچر، تجربہ کار پیادے اور سوار جہاں دیدہ پیرومرشد اور ان کے عقیدت مند، نفیس چیزیں اور عمدہ ساز و سامان، سونے اور چاندی کے برتن، قیمتی تخت و تاج اور نشاط انگیز باغات اور وسیع میدان اور اسی طرح کی دوسری چیزیں جن کا

نہ آج کل وجود ہے اور نہ گلشاہی بادشاہوں کے عہد میں ان کے خزانے میں موجود ہونے کی کوئی خبر دی گئی ہے، اس زمانے میں موجود تھیں، لیکن محض آباد آزاد کے ترک سلطنت سے سب پھر برباد ہو گیا اور اس قدر خوں ریزی ہوئی کہ پن چکی کے پاٹ چکر کاٹنے لگے۔ اور اس گروہ کی جو بھی ایجادات وتحقیقات تھیں، سب ضائع ہو گئیں۔ لوگ جنگلی جانور اور درندوں کے مثل ہو گئے۔ پہلے زمانے کی طرح انہوں نے پہاڑوں کی کھوہ اور تنگ وتاریک غاروں میں بود و باش اختیار کی اور جو شخص زیادہ طاقت ور تھا، وہ اپنے سے کمزور کو تکلیف پہنچاتا اور مار ڈالتا تھا۔

بالآخر دانش مندوں سے چند لوگ جو مستحسن گفتار اور پسندیدہ کردار والے تھے، اور جن کے پاس آبادیان کی مقدس کتاب بھی تھی، اکٹھا ہو کر آباد آزاد کے بیٹے جی افرام کی خدمت میں گئے، جو اپنے باپ کے بعد دوسرا بڑا پرہیزگار اور عقل مند شخص تھا، اس کا شمار عظیم الشان پیغمبروں میں ہوتا تھا۔ وہ آبادی سے دور ایک پہاڑی کے غار میں رہتا تھا، اس کی پاکی کی وجہ سے لوگ اسے ''جی'' سے خطاب کرتے تھے کیونکہ آذری یعنی آبادی زبان میں ''جی'' پاک کو کہتے ہیں۔ الغرض ان دانشوروں نے اجتماعی طور پر اس سے انصاف کی درخواست کی اور کہا کہ ہمارے علم میں دنیا کو تباہی سے بچانے کے لیے اس کے سوا کوئی علاج نہیں کہ آپ کی ذات کا لوگوں سے میل جول ہو۔ اس کام کی فضیلت کے بارے میں علماء آبادیان کے اخبار واحادیث اور پند و نصائح پڑھ کر اسے سنائے۔ لیکن وہ راضی نہ ہوا، یہاں تک کہ فرمانِ خداوندی آ پہنچا، پس سروش پیام رساں یعنی جبرئیل کی حاضری اور وحی کے مطابق وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور بلند منصب قبول کر لیا۔ اس کے بعد ملک میں خوشحالی پیدا ہوئی۔ آبادیان کے آئین واداراے از سرنو تازہ ہو گئے۔ ان مبارک حکمرانوں یعنی جیان میں سے آخری شخص جی آلام تھا، لیکن وہ بھی لوگوں کے درمیان سے اُٹھ گیا۔ جیان کے خاندان میں سلطنت ایک اسپار سال تک باقی رہی۔

مستند کتابوں میں لکھا ہے کہ جی افرام کو آباد آزاد کا بیٹا محض اس لیے کہتے ہیں کہ آباد آزاد کے بعد کوئی دوسرا اس کے کمال کو نہیں پہنچ سکا، ورنہ جی افرام اور آباد آزاد کے درمیان کئی صدیاں گزری ہیں۔ جی افرام دراصل آباد آزاد کے فرزندوں کی نسل سے تھا۔ اسی طرح جی آلاد اور شائی کلیو کے درمیان بہت سے واسطے ہیں، جس طرح شائی مہبول اور یاسان کے درمیان، اس کے بعد یاسان اور گلشاہی کے درمیان بہت سے واسطے موجود ہیں۔

اس فرقہ کے عقائد جاننے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ اعداد وشمار کے مراتب اس وقت پندفرقے کے نزدیک اس طور پر ہیں۔ اکائی، دہائی، سیکڑہ اور ہزار۔ چنانچہ یہ لوگ سو ہزار کو ایک سالام کہتے ہیں اور سو سالام کو ایک شمار، سو شمار کو ایک اسپار، سو اسپار کو ایک رادہ، سو رادہ کو ایک آرادہ، سو آرادہ کو ایک راز، سو راز کو ایک آراز اور سو آراز کو ایک لی آراز کہتے ہیں۔ جب ان کے حساب وشمار کا طریقہ معلوم ہو گیا تو اب میں ان کی تاریخ بیان کرتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ جب مبارک شاہ جی آلاد کو اس کے قریبی خدمت کاروں نے شبستان شاہی کی مستحکم

حرم سرا اور آفریں خانہ یعنی نماز کے کمرے میں نہ پایا تو مخلوق کے کام پھر درہم برہم ہو گئے۔ آخر سمجھ دار اور پرہیز گار لوگ ممدوح پیغمبر شاہی گلیو ولد جی آلاد کے پاس گئے جو اس وقت خدا کی عبادت میں مشغول تھا۔ کثرتِ عبادت و خدا پرستی کی وجہ سے لوگ اسے شاہی اور شائی کہتے تھے، یعنی خدا اور خدا کی عبادت کرنے والا۔ اسی بنا پر اس کی اولاد کو شائیان کہتے ہیں۔ جب اس کے سامنے حقیقتِ حال بیان کی تو شائیان سلسلے کا پہلا بادشاہ یعنی شاہی گلیو نے مخلوقات کی پریشان حالی پر غور کیا۔ ایک وحی آسمانی اور شانِ خداوندی کے اثر سے اُٹھا اور اپنے نامور باپ کے تختِ سلطنت پر بیٹھ گیا۔ اس مبارک خاندان کا آخری فرد شائی مہبول تھا۔ خاندان شائیان کی سلطنت ایک شمار سال تک قائم رہی۔

اس کے بعد یاسانیان کا سلسلہ شروع ہوا۔ یاسان شائی مہبول کا بیٹا تھا اور بہت ہی سمجھدار ہوشیار، پرہیز گار، نامور پیغمبر وقت اور فرماں روائی کے قابل تھا۔ اسی بنا پر اسے یاسان کہتے تھے، جس کے معنی لائق ہیں، وہ خدا کی طرف سے مبعوث ہوا۔ جب اس کے والدِ بزرگوار دنیا والوں سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے اور یکسر خدا کی عبادت میں مشغول ہو گئے تو دنیا کا نظام پھر درہم برہم ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ مبارک پیغمبر اور ان کے جانشین جب لوگوں کے اندر زیادہ برائی دیکھتے تو ان سے دوری اختیار کر لیتے تھے، اس لیے کہ یہ حضرات برائی کو دیکھنے اور سننے کی تاب نہ لا سکتے تھے، ان کے دلوں میں گناہ کا گذر بھی نہ ہوتا تھا۔ بہرحال جب دنیا میں امن و سکون کا سلسلہ ٹوٹ گیا تو یاسان نے وحی کی تعمیل کرتے ہوئے خود کو تختِ سلطنت پر متمکن کیا اور برائی کو دور کیا۔ اس گروہ کا آخری فرماں روا یاسان آجام تھا، یہ مبارک خاندان ننانوے سلام سال تک حکمران رہا۔ امیغستان کا مصنف لکھتا ہے کہ یہ سال جن کو میں نے بیان کیا، وہ سب کیوانی فرسال ہیں۔ شت کیوان کی ایک گردش کی مدت تیس سال کی ہوتی ہے، جسے یہ لوگ ایک دن کہتے ہیں، ایسے تیس دنوں کو ایک مہینہ اور ایسے بارہ مہینوں کو ایک سال شمار کرتے ہیں۔ اور یزدانیوں کا طریقہ یہ ہے کہ ساتوں سیاروں کے سالوں کو اس طرح لکھتے ہیں کہ کیوانی اس قدر، برجیسی اس قدر، بہرامی اس قدر، ہوری اس قدر، ناہیدی اس قدر، تیری اس قدر اور قمری اس قدر، لیکن یہ بات نہیں کہ شمسی و قمری سال اور مہینہ ان کے یہاں نہیں ہوتا۔

جاننا چاہیے کہ ان کے نزدیک سال دو قسم کا ہوتا ہے، ایک فرسال وہ یہ کہ جب ستارہ بارہ برجوں کو ایک مرتبہ طے کر لیتا ہے تو اس مدت کو ایک دن کہتے ہیں اور ایسے تیس دنوں کو ایک ماہ اور ایسے بارہ مہینوں کو سال کہتے ہیں۔ جیسا کہ کیوان کے بارے میں ہم نے بیان کیا۔ اسی طرح دوسرے ستاروں کے بھی فرسال ہوتے ہیں جن کو اسی انداز پر تحریر کرتے ہیں مثلاً فرسال کیوانی، فرسال برجیسی، فرسال بہرامی، فرسال مہری، فرسال ناہیدی، فرسال تیری اور فرسال قمری۔ فرسال کے مہینوں کو فرماہ اور فرماہ کے دنوں کو فرروز کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ دوسرا سال ایسا ہے کہ جب کیوان تیس سال کے عرصہ میں ایک مرتبہ بارہ برجوں کو طے کر لیتا ہے تو اس مدت کو کرسال کیوانی کہتے ہیں اور اس کے ہر برج میں ڈھائی سال رہنے کی مدت کو کرماہ کیوانی۔ اور برجیس بارہ عرفی سالوں میں ایک گردش پوری کر لیتا ہے۔ اس مدت کو کرسال ہرمزی کہتے ہیں۔ اور اس کے ہر

برج میں ایک عرفی سال تک رہنے کو کرماہ ہرمزی۔ یہی طریقہ دوسرے ستاروں کے بارے میں بھی ہے۔ اور گلشائیان کے تذکرہ میں ہم جہاں کہیں سال اور ماہ بیان کریں اس سے شمسی وقمری سال اور ماہ مراد لیں گے۔ دن سے مراد عرفی دن اور آفتاب کے ہر برج میں رہنے کی مدت کو ایک ماہ اور منطقۃ البروج طے کر لینے کی مدت کو ایک سال سمجھا جائے گا۔ اسی طرح ماہِ قمری سے مراد اس کی ایک گردش اور منطقۃ البروج کو طے کرنے کی مدت ہے اور ایسے سال اور مہینہ کو تیموری بھی کہتے ہیں۔

الغرض یاسان آجام کے جسمِ عنصری کو خیر باد کہنے اور اس قابلِ ملامت مقام سے گزر جانے کے بعد دنیا والوں کے معاملات سخت تباہی اور بربادی سے دوچار ہو گئے کیونکہ اس کا بیٹا گلشاہ جو روشن دل اور دانشمند اور حسنِ عمل سے آراستہ تھا، حکومت کی جانب مائل نہ ہوا وہ اپنا وقت خدا کی عبادت میں گزارتا تھا اور کسی کو اس کی خلوت کا حال معلوم نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے باہمی تعلقات کی آنکھیں بند کر کے ایک دوسرے پر ظلم و ستم کا ہاتھ بڑھایا۔ اچانک بلند قلعے اور مستحکم عمارتیں ڈھا دی گئیں اور گہری خندقیں پاٹ دی گئیں۔ کسی حاکم یا سردار کی عدم موجودگی میں سارے سماجی رشتے منقطع ہو گئے، کشت و خون کا بازار، ایسا بازار کہ مقتولین کے خون سے بہت سی نہریں جاری ہوگئیں۔ ذرا سی مدت میں بیشمار نقد اور بے انتہا جنس کا جس کے حساب سے وہم و گمان بھی قاصر ہے، کوئی نشان باقی نہ رہا۔ بات اس حد تک پہنچی کہ لوگوں نے انسانیت کے سارے اصول توڑ دیئے۔ وہ اس قابل نہ رہے کہ قیمتی جواہرات اور نفیس ساز و سامان کی قدر جان سکیں، محلوں اور شہروں کا کوئی نام و نشان باقی نہ چھوڑا۔ چوپائے اور درندوں کی طرح لوگوں نے پہاڑوں کی کھوہ میں بود و باش اختیار کی۔ اس کے بعد آپس میں جنگ کرنے لگے اور ان کی اکثریت ایک معمولی اقلیت بن کر رہ گئی۔

بالآخر آسمانی وحی اور دنیا کے حاکمِ مطلق کے مطابق گلشاہ کی ذاتِ گرامی مخلوق کی حاکم اور فرمانروا بن گئی۔ اس نے عدل و انصاف کے اصول کو بحال کیا اور اپنی ساری اولاد اور نسل کو جو اس کی گوشہ نشینی کے زمانے میں منتشر ہوگئی تھی، جمع کیا۔ اسی لیے اس کو ابوالبشر کہتے ہیں کیونکہ اس کے فرزندوں کو چھوڑ کر ایک بڑی مخلوق آپس میں جنگ کر کے ہلاک ہوگئی تھی اور باقی ماندہ نے دیو اور درندوں کا طور طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ کیومرث یعنی گلشاہ اور اسی کے فرزند اس نالائق گروہ سے جنگ کر کے ان کو راہِ راست پر لائے۔ ان کے ہاتھوں کو بے آزار جانداروں پر ظلم ڈھانے سے روکا۔ یہ بات جو تاریخوں میں درج ہے کہ نامور کیومرث اور اس کے فرزندوں نے دیووں سے جنگ کی تھی، اس سے مراد یہی دیو ہیں، وہ مذاہب جن میں جانوروں کو ہلاک کرنا جائز ہے، وہ سب اسی دیو خصلت قوم کے گھڑے ہوئے ہیں۔ مختصر یہ کہ دنیا کے حاکمِ حقیقی نے کیومرث کے لیے آسمانی کتاب بھیجی اور اس کی معزز نسل میں سے سیامک، ہوشنگ، طہمورث، جمشید، فریدون، منوچہر، کیخسرو، زردشت اور آذر ساسان اوّل و پنجم کو پیغمبری کے لیے منتخب کیا اور ان سب کو مہ آباد اور کیومرث کی شریعت کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کی۔ اس مضمون سے متعلق ان مبارک بادشاہوں کو آسمانی کتابیں عنایت کی گئیں۔ ان کی ساری تحریریں اور کتابیں مہ آباد کی ایک ایک کتاب کے عین مطابق ہیں۔ اس جماعت میں

سے کسی نے بھی سوائے زردشت کے آباد کے خلاف زبان نہیں کھولی لیکن یزدانیان اس کو بھی تاویل کر کے مہ آباد کی کتاب سے مطابق کر دیتے ہیں، اسی لیے یہ لوگ زردشت کو وخشور سیمباری یعنی نبی رمز کو کہتے ہیں۔

گلشاہی بادشاہوں کے اندر چار طبقے ہیں۔ پیشدادیان، کیانیان، اشکانیان اور ساسانیان۔ ان میں کا سب سے آخری شہر یار کا بیٹا یزدگرد ہے۔ ان مبارک بادشاہوں کی سلطنت کی مدت چھ ہزار چوبیس سال اور پانچ مہینہ ہے۔ ان کے عہدِ حکومت میں عالم آراستہ و پیراستہ ہوگیا۔ کیومرث، سیامک اور ہوشنگ جو پیشدادیان کہلاتے ہیں، اور طہمورث دیوبند اور جمشید نے وحیٔ آسمانی، تائیدِ ایزدی اور ہدایتِ خداوندی نیز درست اندازہ اور صحیح غور وفکر کی بنا پر عبادتِ خداوندی، معرفتِ الٰہی، نیکوکاری و پرہیزگاری کے اصول قائم کیے، کھانے پینے، شادی اور بیاہ کرنے نیز زنا سے بچنے کے طریقے طے کیے۔ طرح طرح کے علم و ہنر، رسم الخط، پیشے، جشن و تیوہار، منہ اور تار سے بجنے والے باجے، شہر، باغ، محل، زیورات، اسلحہ، ملازمت کے درجے، ستر کے ظاہر اور پوشیدہ رکھنے کے لحاظ سے مرد وعورت میں تفریق، عدل وانصاف اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ایجاد کیں۔ اور جیسا کہ ہم نے مہ آباد اور اس کی نامور اولاد کے متعلق بیان کیا، ان کے بعد بلند ہمت گلشائیان نے الہامِ خداوندی اور پیغامِ الٰہی کے ذریعہ اپنی ذہانت کو بڑھایا۔ یہ رونقِ بہار اور آرائش جو دنیا میں تم دیکھتے ہو، بیشتر اسی مبارک گروہ کی مرہونِ منت ہے۔ اس گروہ کی ایجادات میں سے بہت سی چیزیں تو ختم ہوگئیں، اور کچھ تھوڑی سی باقی رہ گئیں۔

سپاسیان کا عقیدہ ہے کہ مہ آباد کی حکومت کے آغاز سے یزدگرد کی سلطنت کے خاتمہ تک سوائے ضحاک کے اس برگزیدہ فرقہ میں سے اکثر بلکہ سب ہی افراد انصاف پسند، عدالت شعار، پرہیزگار اور جامع گفتار وکردار پسندیدہ تھے۔ اس مقدس گروہ کے اندر بعض انبیاء، اولیاء، صالحین اور متقی افراد کی ایک جماعت گزری ہے۔ ان کے عہد میں ممالک آباد تھے، فوج پوری طرح منظم تھی، لیکن گلشاہ سے پہلے کے پیغمبروں اور بادشاہوں کو جو مہ آباد سے لے کر یاسان آجام تک گزرے ہیں، انہیں بے حد بزرگ سمجھتے ہیں۔ ان کی گفتار و کردار میں قطعی کسی برائی کا گزر نہیں ہوا۔ ان حضرات نے نہ صرف یہ کہ پیمانِ فرہنگ یعنی شریعت مہ آباد کے خلاف کوئی عمل نہیں کیا بلکہ کبھی ترکِ اولیٰ بھی نہیں کیا۔ اس گروہ کا قول ہے کہ ستارے حد درجہ افضل ہیں اور عالمِ سفلی کے انسانوں کے مقتدیٰ ہیں۔

داور ہوریار کے زمانہ میں جو دارائے اسکندر کا مصنف اور کیانی نسل سے تھا اور یزدانیوں کے مذہب کا پیرو تھا، ایک شخص نے کہا کہ انبیاء اور اولیاء آفتاب سے افضل ہیں۔ داور نے کہا کہ ان لوگوں کی شکل اور بدن اب کہاں ہے۔ اس نے ان شہروں اور مقبروں کے نام لیے جہاں انبیاء دفن ہیں۔ داور نے کہا کہ کسی نبی یا ولی کی شکل وصورت نے پوری عمر میں بقدر ایک دن کی مسافت کے بھی روشنی نہیں پھیلائی، اور جب ان کو قبر کے حوالہ کر دیا گیا تو قبر سے باہر روشنی کی ایک کرن بھی نہیں پھوٹی، اب تو وہ مٹی میں مل گئے اور ان کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ اس شخص نے کہا کہ انبیاء اور اولیاء کی روحیں بہت زیادہ روشن ہیں۔ داور نے جواب دیا کہ آفتاب

کے جسم کو دیکھ کہ کس درجہ روشنی پھیلانے والا ہے اور تیرے بزرگوں کا جسم روشنی سے خالی ہے، لہٰذا یقین کر کہ آفتاب کی روح بھی ان کی روحوں سے زیادہ روشن ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لے کہ آفتاب آسمان کا دل ہے۔ اگر وہ نہ ہوتو یہ عالمِ کون و فساد ٹھہر نہیں سکتا۔ نیز فصلوں کا اور موالید ثلاثہ (یعنی جمادات و نباتات و حیوانات) کا وجود بھی ختم ہو جائے۔ رہے انبیاء و اولیاء تو نہ ابتدا میں تھے نہ اب موجود ہیں، پھر بھی دنیا قائم ہے اور اس کی فصلیں اور مخلوقات خوش و خرم ہیں۔ ہاں اس قدر ضرور ہے کہ انبیاء و اولیاء بنی نوع انسان میں سب سے افضل ہیں۔ یہ سن کر وہ شخص خاموش ہو گیا۔ مختصر یہ کہ اختر ستان نے لکھا ہے کہ سپاسیان کا عقیدہ ہے کہ ستارے اور آسمان انوارِ مجردہ کے سائے ہیں۔ اسی بنا پر انہوں نے ساتوں ستاروں کے بت خانے بنا رکھے ہیں، ہر ستارے کے لیے موزوں پتھر یا دھات کا ایک مجسمہ تیار کر کے ہر مجسمہ کو مناسب طالع میں مکان کے اندر محفوظ کر رکھا ہے اور ہر ستارے کی جانب منسوب مخصوص اوقات میں اس کی بندگی اور پرستش کرتے تھے اور جب ان مقدس مجسموں کی ان کے سامنے مخصوص اوقات میں پرستش کرتے تو حسبِ موقع خوشبو سلگاتے اور ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ان مکانوں کو پیکرستان شیدان اور پیکرستان شیدستان (یعنی نورانی جسموں کے مکانات) کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

سپاسیان کے عقائد کے مطابق ساتوں ستاروں کی پرستش کا بیان

اختر ستان میں لکھا ہے کہ شت کیوان یعنی زحل کا مجسمہ ان لوگوں نے سیاہ پتھر سے کاٹ کر بنایا تھا۔ اس کی شکل ایک مرد کی تھی، جس کا سر بندر کی طرح اور بدن عام انسانوں کے بدن کی طرح تھا۔ اس کی دم سور کے دم کی طرح تھی۔ اس کے سر پر ایک تاج رکھا ہوا تھا۔ داہنے ہاتھ میں ایک چھلنی اور بائیں ہاتھ میں ایک سانپ تھا۔ اس کا بت خانہ بھی سیاہ پتھر کا بنا ہوا تھا اور اس کے پیشکار زنگی، حبشی اور دوسرے سیاہ فام لوگ تھے جو سیاہ اور نیلی پوشاک جسم پر اور ہاتھوں میں لوہے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ یہ لوگ میعہ (روغن) اور اس جیسی خوشبودار چیزیں جلاتے تھے اور اکثر زبان کاٹ دینے والی غذائیں پکاتے، بلیلہ و ہلیلہ جیسی چیزیں دوا میں استعمال کرتے تھے۔ گھروں کو چھوڑ کر آئے ہوئے دیہات کے باشندے اور کاشت کار نیز رؤسا و مشائخ، صوفیہ، ریاضی داں، جادوگر، کاہن اور ان جیسے دوسرے اہل علم کی رہائش بت خانے کے نزدیک ہوتی۔ جہاں ان علوم کی تعلیم بھی ہوتی اور یہ لوگ وہاں اپنے فرائض خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ یہ سب سے پہلے بت خانے میں سلام کے لیے جاتے، اس کے بعد بادشاہ کے یہاں حاضری دیتے تھے۔ جو لوگ شت کیوان کی ملازمت کے لیے مخصوص تھے، وہ بادشاہ کی زیارت اس بتخانے کے منتظمین اور کارکنوں کے توسط سے جن کا انتخاب ایران کے شرفا میں سے ہوتا تھا، کرتے تھے اور شت و تیمسار تعظیم کے الفاظ ہیں جیسے ہندی میں شری اور عربی میں حضرت۔

شت ہرمزد یعنی مشتری کا مجسمہ انسانی شکل میں خاکی رنگ کا تھا۔ اس کا چہرہ گدھ کی طرح کا تھا، جس

کے سر پر ایک تاج تھا، جس کے اوپر ایک مرغے اور اژدہے کے منہ بنے ہوئے تھے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں عمامہ اور بائیں ہاتھ میں شیشے کی ایک چھاگل تھی۔ اس بت خانے کے پجاری خاکی رنگ کے تھے، پیلی اور سفید پوشاک پہنے ہاتھوں میں چاندی کی انگوٹھی جس میں عقیق کا نگ جڑا ہوا تھا۔ یہ لوگ حب الغار اور اس کے مثل خوشبودار چیزیں جلاتے تھے اور شیریں غذائیں تیار کرتے تھے۔ اس بت خانے سے ملی ہوئی سڑک پر علماء، قضات، ائمہ دین، بڑے بڑے وزراء، نیز سربرآوردہ خواجگان و اشراف و حکام اور منشی لوگ رہتے تھے، جہاں یہ لوگ اپنے مخصوص اشغال میں مصروف رہتے تھے، لیکن زیادہ تر دینیات کا مطالعہ کرتے تھے۔

شت بہرام یعنی مریخ کا بت خانہ اور اس کا مجسمہ سرخ پتھر کا تھا۔ ایک انسان کی شکل میں جس کے سر پر سرخ تاج تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ سرخ اور لٹکا ہوا اور بایاں ہاتھ زرد اور اوپر کو اُٹھا ہوا تھا۔ ایک خون آلودہ تلوار داہنے ہاتھ میں اور لوہے کا تازیانہ بائیں ہاتھ میں تھا۔ اس بت خانے کے پجاری سرخ لباس پہنے ہوئے تھے۔ اس کے خدمت گار ترکی تھے، جو ہاتھوں میں تانبے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ وہاں پر سندروس اور اس جیسی چیزوں کی خوشبو کی جاتی تھی اور کڑوی غذائیں تیار کی جاتی تھیں۔ اس بت خانے کی سڑک پر سردار جنگباز سپاہی، فوجی اور ترک لوگ رہتے تھے، اور اس قسم کے لوگ بت خانے کے منتظمین کے توسط سے بادشاہ کے حضور میں داخل ہوتے تھے۔ خیرات دینے والے اس بت خانے کے نزدیک ہی رہتے تھے۔ قاتلوں کو بت خانے کے آس پاس قصاص میں قتل کرتے تھے، ان کا قید خانہ بھی اسی سڑک پر تھا۔

شت آفتاب جہانتاب یعنی خورشید کا بت خانہ سب بت خانوں سے بڑا تھا، وہ سونے کی اینٹوں کا ایک گنبد تھا جس میں اندر سے یاقوت، الماس اور عقیق وغیرہ قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اور نیر اعظم کا مجسمہ طلائے احمر سے ایسے انسان کی شکل میں بنایا گیا تھا، جس کے دو سر تھے اور ہر سر پر یاقوت سے مرصع ایک قیمتی تاج تھا اور ہر تاج میں سات شاخیں تھیں۔ وہ ایک تندرست گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ انسانوں کے چہرے کی طرح تھا، لیکن اژدہے کی دم کی طرح اس کی دم تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں سونے کا ایک عصا تھا اور گردن میں جواہرات کا ہار۔ اس بت خانے کے پجاری زرد لباس زربفت کی پوشاک اور سونے کا تاج پہنے ہوئے تھے، نیز یاقوت والماس و دیگر آفتابی پتھروں سے مرصع پٹکہ باندھے سونے کی انگوٹھی پہنے ہوتے تھے۔ صندل اور اس قسم کی خوشبودار چیزیں جلاتے تھے۔ اور اکثر زبان میں خراش پیدا کرنے والی غذائیں تیار کرتے تھے۔ اس کی سڑک پر شاہی نسل کے افراد سردار اور بزرگ و شریف لوگ، اربابِ ریاست وحکومت ممالک کے حکمران اور اہلِ علم رہتے تھے اور طبقہ کے نو وارد لوگ بت خانے کے منتظمین کے واسطہ سے بادشاہ کی زیارت کرتے تھے۔

شت ناہید یعنی زہرہ کے بت خانے کا گنبد باہر سے سنگ مرمر کا تھا اور اندر سے صاف وشفاف بلور کا۔ اس کا مجسمہ سرخ رنگ کے انسان کی طرح تھا۔ اس کے سر پر ایک تاج تھا جس میں سات گوشے تھے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں تیل کی ایک بوتل اور بائیں ہاتھ میں کنگھی تھی۔ زعفران اور اس جیسی چیزیں اس کے سامنے

جلاتے تھے، اس کے پجاری سفید پوش اور خوش پوشاک تھے۔ موتی جڑے ہوئے تاج سر پر اور ہیرے کی انگوٹھیاں ہاتھوں میں پہنے ہوئے۔ رات کے وقت مرد اندر نہیں جا سکتے تھے، صرف ان کی عورتیں اور بیٹیاں خدمت و بندگی کے فرائض انجام دیتی تھیں۔ سوائے اس ایک رات کے جب بادشاہ زیارت کے لیے جاتا، اس رات عورتیں بت خانے میں نہیں آتی تھیں، صرف مرد وہاں ہوتے تھے۔ وہاں کے منتظمین مرغن غذائیں پکاتے تھے۔ اس بت خانے کے اردگرد رہنے والوں میں مقامی یا دُور دراز سے آنے والے ریاضت کش، خداپرست اور بلند مرتبہ خواتین، زرگر، نقاش اور مغنی لوگ تھے۔ مرد بت خانے کے منتظمین کے توسط سے بادشاہ تک پہنچتے تھے اور عورتیں بت خانے کے متولی کی بیوی کے توسط سے ملکہ تک رسائی پاتی تھیں۔

شت تیر یعنی عطارد کا گنبد اور اس کا مجسمہ نیلے پتھر کا تھا۔ اس کا بدن مچھلی کا سا تھا اور چہرہ سور کے چہرے کی طرح۔ اس کا ایک ہاتھ سیاہ اور دوسرا سفید تھا۔ اس کے سر پر ایک تاج تھا اور دم مچھلی کی طرح، اس کے داہنے ہاتھ میں قلم اور بائیں ہاتھ میں دوات تھی۔ اس بت خانے میں مصطگی اور اس جیسی چیزیں جلائی جاتی تھیں۔ اس کے پیشکار نیلی پوشاک والے تھے، سونے کی انگوٹھیاں ہاتھوں میں پہنے ہوتے تھے اور کھانے کی مجلس میں ترش غذائیں مہیا کرتے تھے۔ وزراء، حکماء، منجمین، اطباء، جراح، محاسب اور لگان وصول کرنے والے، اہل دفاتر و منشی و تجار، معمار، سلائی کرنے والے، خوش نویس وغیرہ وہاں پر رہتے تھے، یہ لوگ اس بت خانے کے متولی کے توسط سے بادشاہ کی زیارت کرتے تھے اور مذکورہ علوم وفنون کی تعلیم بھی وہاں دی جاتی تھی۔

شت ماہ یعنی قمر کا بت خانہ سبز رنگ کا تھا، اس کا مجسمہ ایک مرد کی طرح تھا جو سفید بیل پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے سر پر ایک تاج تھا، جس کے اوپر تین گوشے تھے۔ اس کے ہاتھ میں دست بند اور گردن میں ہار لٹکا ہوا ہوتا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں یاقوت کا عصا اور بائیں ہاتھ میں ریحان کی شاخ ہوتی تھی، اس کے پجاری سبز اور سفید پوشاک پہنے ہوتے تھے، نیز چاندی کی انگوٹھیاں ہاتھوں میں پہنے تھے، یہ لوگ گوند اور اس قسم کی چیزیں جلاتے اور نمکین غذائیں پکاتے تھے۔ وہاں کی سڑک پر جاسوک، پیام رساں، قاصد، خبر رساں، مسافر اور دور سے آنے والے عوام وغیرہ رہتے تھے۔ اس بت خانے کے منتظمین کے توسط سے لوگ بادشاہ کی زیارت کرتے تھے۔ ہر بت خانے میں اس کے مخصوص پیشکاروں کے علاوہ متعدد وزرا اور افسر بادشاہ کے کاموں میں مشغول رہتے تھے جو اس بت خانے کے بت کے متعلق ہوتے تھے۔ خورستان یعنی کھانے کے کمرہ میں ہر بت خانے میں سارا دن دسترخوان بچھا رہتا تھا اور انواع واقسام کے کھانے پینے کی اشیاء مہیا رہتیں۔ کسی کو روکا نہیں جاتا جو شخص بھی چاہتا وہاں کھاتا پیتا۔ اسی طرح ہر بت خانے کی ملحق سڑک پر اسپتال تھا تاکہ ہر ستارہ سے متعلق لوگوں میں سے جو بیمار ہوتا اس اسپتال کا ڈاکٹر اس کا علاج کرتا۔ اسی طرح مسافروں کے لیے جگہیں مقرر تھیں۔ جب وہ شہر میں آتے تو جس بت خانے سے ان کا تعلق ہوتا، اس کے احاطہ میں جا کر آرام کرتے تھے۔

جاننا چاہیے کہ سیارے بسیط ہیں اور ان کی شکل کرہ جیسی ہے، لیکن ان کی مذکورہ بالا شکلیں محض اس وجہ سے بنائی گئی ہیں کہ عالم مثال میں ان سیاروں کی روحیں بعض انبیاء و اولیاء اور حکماء کی نگاہوں کے سامنے

ایسے ہی شکل وصورت میں جلوہ گر ہوتی ہیں اور ان شکلوں کے ساتھ بعض اثرات کا تعلق بھی فرض کیا گیا ہے۔
بعض دوسروں کی نظر میں یہ ارواح دوسری شکلوں میں ظاہر ہوئی ہیں چنانچہ انہوں نے ان شکلوں میں بھی ان کے مجسمے بنا رکھے تھے۔

جب سلاطین اور اکابر پرستش کرنے والے اور سارے یزدانی زحل کے بت خانے میں جاتے تو نیلے اور سیاہ لباس پہنے ہوتے۔ وہاں عاجزی سے گفتگو کرتے اور خاموشی سے سر آگے جھکاتے رہتے۔ مشتری کے بت خانے میں اس کے رنگ کا لباس ادیبوں اور قاضیوں کی طرح پہنے ہوتے۔ مریخ کے بت خانے میں اس کے مخصوص لباس میں ہوتے اور گستاخی سے گفتگو کرتے۔ خورشید کے بت خانے میں بادشاہ اور پارسا کے انداز میں جاتے۔ زہرہ کے بت خانے میں خوش وخرم اور مسکراتے ہوتے۔ عطارد کے بت خانے میں حکماء کے انداز میں رہتے اور فصاحت سے گفتگو کرتے اور قمر کے بت خانے میں بچوں اور چوبداروں کے انداز میں رہتے۔
یہ بڑے بڑے بت خانے تھے، ان کے علاوہ ہر گھر میں ستاروں کے مجسمے تھے جن کی تفصیل اختر ستان میں ہے۔ ان لوگوں نے ہر بت خانے میں ان ستاروں کی کروی شکل کے مجسمے بھی بنا رکھے تھے جو ان کی حقیقی شکل ہے۔

ان لوگوں نے ایک شہر کو سرائے بادشاہی کے نام سے موسوم کر رکھا تھا، جس کے روبرو سات بت خانے تھے، بادشاہ ہفتہ کے دنوں میں سے ہر ایک دن ہر ستارہ کے مناسب لباس پہن کر ایک تابسار (جھروکہ) سے جو اس مخصوص ستارہ کے بت خانے کے سامنے ہوتا، درشن دیتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ قطار در قطار اور صف درصف نماز میں مشغول ہو جاتے تھے، مثلاً آفتاب کے دن جو یکشنبہ ہوتا، بادشاہ زربفت کی زرد قبا میں ملبوس اور یاقوت و الماس سے آراستہ سنہرا تاج پہنے ہوئے اور بہت سے سونے کے زیورات کے ساتھ ایک تابسار (جھروکہ) میں جس کا چوگردا اسی طرح کے قیمتی پتھروں سے مزین ہوتا، نمودار ہوتا اور جھروکہ کے نیچے مختلف درجے اور مرتبے کے فوجی اپنے منصب کے لحاظ سے قطار در قطار موجود رہتے، یہاں تک کہ آخری قطار کشودزار میں لگی ہوتی جو ایک کشادہ مقام تھا، جس میں کمتر درجہ کے سپاہی کھڑے رہتے تھے۔ جب بادشاہ آفتاب کی طرح جھروکہ کے مطلع سے اپنا سر باہر نکالتا تو سب لوگ سجدہ میں گر پڑتے تھے اور بادشاہ لوگوں کے کاموں میں مشغول ہو جاتا تھا۔ تابسار بلند محلوں کے اوپر نظارہ کی جگہ کو کہتے ہیں جسے سلاطینِ ہندوستان جھروکہ کہتے ہیں۔ دوسرے دنوں میں بادشاہ دوسرے تابساروں سے جلوہ نمائی کرتا تھا۔ اسی طرح ان کے بڑے تیوہار کے دنوں میں بادشاہ نفیس پوشاک پہن کر بت خانے میں جاتا تھا اور وہاں سے واپس ہو کر اس مخصوص ستارہ کے مجسمہ کے روبرو تابسار میں یا روزستان یا دادستان میں بیٹھتا اور وہاں کاموں میں مشغول ہو جاتا۔ 'روزستان' وہ جگہ تھی جس میں جھروکہ نہیں ہوتا تھا۔ وہاں بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا اور اس کے کارپرداز اور اہل کار درجہ بدرجہ اس کے اردگرد کھڑے رہتے تھے۔ 'دادستان' عدل و انصاف کی جگہ تھی، جب بادشاہ دادستان میں بیٹھا ہوتا تو کسی شخص کو وہاں جانے سے روکا نہیں جاتا تھا۔ الغرض بادشاہ پہلے تابسار (جھروکہ) میں جاتا، اس کے بعد

روز ستان میں اور آخرمیں دادستان میں جاتا تھا۔ ستاروں کے ایک برج سے دوسرے برج میں منتقل ہونے کے دنوں میں اور بڑے تیوہار کے دنوں میں بادشاہ ضرور بالضرور اس موقع پر مناسب بت خانے میں جاتا تھا۔ ستاروں کے مجسموں میں سے ہر ایک کا ایک مخصوص تابسار (جھروکہ) تھا، اسی طرح جیسا کہ ہم نے تابسار شاہی کے بارے میں اوپر بیان کیا۔ مبارک دن یعنی تیوہار میں مجسمہ کو اس کے تابسار کے پاس لاتے ہیں۔ سب سے پہلے بادشاہ جاتا اور نماز ادا کرتا اور تابسار کے پاس مجسمہ کے سامنے کھڑا رہتا، دوسرے معزز لوگ درجہ بدرجہ کھڑے رہتے۔ اور عام لوگ گروہ در گروہ کشودزار (کشادہ میدان) میں جمع ہوکر ستارہ کے لیے نماز ادا کرتے تھے۔

تیمسار دساتیر یعنی محترم دساتیر میں مذکور ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اجرامِ فلکی اور ستاروں کو ایسا پیدا کیا ہے کہ ان کی حرکات سے عالمِ سفلی میں آثار ظاہر ہوتے ہیں اور بلاشبہ عالمِ سفلی کے حوادث اجرامِ فلکی کی حرکات کے تابع ہیں۔ ہر ستارے کو بعض حوادث کے ساتھ خاص مناسبت ہے اور ہر برج کی مخصوص طبیعت ہے بلکہ ہر برج کے ہر ہر درجہ کی جداگانہ طبیعت ہے۔ لہٰذا پیغمبرانِ خدا کو حکمِ الٰہی سے بڑی ریاضت کے بعد ان برجوں کے مختلف درجوں کے خواص اور ستاروں کی تاثیر سے واقفیت حاصل ہوگئی ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ جس وقت ''فاعل'' موجود ہو اور ''قابل'' نہ ہو تو اس کا اچھا نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا۔ چنانچہ پیغمبر اور دانش مند جب چاہتے ہیں کہ ستاروں کا فعل حسبِ مراد دنیا میں ظاہر ہو تو وہ لوگ اس وقت کا انتظار کرتے ہیں جب ستارہ اس درجہ میں داخل ہو جو اس خاص فعل کے مناسب ہو اور تمام وہ ستارے جو اس فعل میں خارج ہوں اس مخصوص درجہ سے دور رہیں۔ جب ایسی کیفیت ہو جاتی ہے تو تمام وہ باتیں جن کا تعلق علت فاعلی سے ہوتا ہے، مکمل ہو چکی ہوتی ہیں۔ اس کے بعد ہر وہ چیز جس کا تعلق عالمِ سفلی کے اسباب سے ہوتا ہے، اسے جمع کرتے ہیں۔ چنانچہ انواع و اقسام کے ذائقے، خوشبوئیں، رنگ اور شکلیں جو اس ستارہ کے مناسب ہوتی ہیں، ان کو فراہم کرتے ہیں۔ بعد ازاں درست عقیدے اور یقینِ محکم کے ساتھ اس بارے میں غور و فکر کرتے ہیں، اس لیے کہ اس دنیا میں حوادث کے واقع ہونے میں نفوس کی بہت کچھ تاثیر ہوتی ہے۔ جب آسمانی، زمینی، جسمانی اور نفسانی سب اسباب جمع ہو گئے تو فعل حسب مراد ظاہر ہو جاتا ہے۔ تاہم جو شخص ان اعمال میں ماہر ہونا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ علم حکمت اور اسرارِ طبیعت کا ماہر ہو اور نجوم سے پوری طرح بہرہ ور ہو، نیز کافی تجربہ حاصل کر چکا ہو اور چونکہ ان شرائط کا کسی شخص میں جمع ہونا بہت ہی نادر ہوتا ہے، اس لیے اس علم کی حقیقت لوگوں سے پوشیدہ رہتی ہے۔

علاوہ ازیں آبادیان کا کہنا ہے کہ قدیم مذہب کے پیغمبر یعنی یزدانیان اور سلاطین فارس ستاروں کو قبلہ عام تصور کرتے تھے اور ہمیشہ ستاروں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ بالخصوص جب کوئی ستارہ اپنے خانہ میں ہوتا یا اپنے شرف کی منزل میں ہوتا اور منحوس نظروں سے اوجھل رہتا۔ اس وقت جن چیزوں کا اس ستارہ سے خاص تعلق ہوتا، اسے جمع کر کے اس کی پرستش میں مشغول ہو جاتے۔ وہ لوگ کسی مناسب مقام پر بیٹھ جاتے اور کسی کو اپنے نزدیک آنے کی اجازت نہ دیتے اور ریاضت کرتے تھے۔ جب یہ عمل ختم ہونے کا وقت آتا تو زند بار یعنی ب

ضرر حیوانات کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔

۱۰۶۱ ہجری (۱۶۵۱ء) میں ضلع کلنگ کے شہر سیکاکل میں مصنف کو ایک بیماری لاحق ہو گئی جس میں کوئی علاج کارگر ثابت نہ ہوا۔ ایک منجم نے کہا کہ یہ بیماری حضرت مریخ کے قہر و غضب کی شدت کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ سالِ مذکور کے ماہِ ذیعقدہ کی چوتھی تاریخ (۹ راکتوبر) کو چند دانشور برہمن جمع ہوئے اور مریخ کے مجسمہ کو آراستہ کر کے مناسب خوشبو اور اس عمل سے متعلق دوسری چیزوں کو فراہم کیا اور اسماءِ حسنٰی اور دُعائیں پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ آخر میں ان کے صدر نے بہرام (مریخ) کے مجسمہ کو احترام سے اُٹھا کر دُعا کی۔ ''اے نامور فرشتہ اور اَے آسمانی سردار! اپنی گرمی کو کم کر اور برہم نہ ہو اور فلاں شخص پر رحم کر'' اور راقم کی جانب اشارہ کیا۔ بعد ازاں مجسمہ کو خوشبودار پانی میں ڈبو دیا۔ مجسمہ کے پانی میں ڈوبنے کے ساتھ ہی وہ تکلیف دور ہو گئی۔

سات بُت خانوں کے روبرو سات بڑے بڑے آتشکدہ بھی تھے، جن کو کیوان آذر، ہرمز آذر، بہرام آذر، ہور آذر، ناہید آذر، تیر آذر اور ماہ آذر کہتے تھے۔ چنانچہ ہر آتش کدہ سات ستاروں میں سے کسی ایک کی جانب منسوب تھا، وہاں جو خوشبو مناسب ہوتی سلگاتے۔ ان کا قول ہے کہ مقاماتِ مقدسہ مثلاً کعبہ، بیت المقدس اور مدینہ طیبہ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ، نجف میں امیر المومنین حضرت علیؓ کی خوابگاہ، کربلا میں امام حسینؓ کا روضہ، بغداد میں امام موسیٰ کاظمؒ کی خوابگاہ، سناآباد طوس میں امام رضا کا روضہ اور بلخ میں علیؓ کا روضہ یہ سب اس کہنہ دیر (عالم) کے قدیم سلاطین کی فرماں روائی کے زمانہ میں بت خانے اور آتش کدہ تھے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مہ آباد نے فارس میں اصطخر کا بت خانہ تعمیر کرنے کے بعد جو ہفت صور کے نام سے موسوم ہے، ایک گھر بنایا جس کا نام آباد رکھا اور جسے آج کل کعبہ کہتے ہیں اور ہدایت کی کہ اس سرزمین کے باشندے اس کی پرستش کریں۔ منجملہ ان مورتیوں کے جو خانۂ کعبہ میں تھیں، ماہ کی مورتی بڑی خوب صورت تھی۔ اسی لیے اس گھر کو مہ گہ کہتے تھے، یعنی ماہ کی جگہ۔ رفتہ رفتہ عربوں نے اسے مکہ کہنا شروع کر دیا۔ نیز ان کا قول ہے کہ منجملہ ان مجسموں اور مورتیوں کے جنہیں مہ آباد نے اور اس کے بعد اس کے نامور خلفاء نے کعبہ میں رکھ چھوڑا تھا، ایک حجرِ اسود ہے جو ستارہ کیوان کی مورتی ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ پیغمبر عربیؐ ساتوں ستاروں کی پرستش کرتے تھے[1] چنانچہ حجرِ اسود کو جو کیوان کی مورتی ہے اور آبادیان کے زمانہ سے باقی رہا ہے، پیغمبرؐ نے قائم رکھا اور دوسری مورتیوں کو جنہیں قریش نے لا کر رکھ دیا تھا اور وہ ستاروں کی شکلوں میں نہیں بنائی گئی تھیں، توڑ دیا اور ہٹا دیا۔ فارس کے بہت سے قدیم بت خانوں میں ستارہ زہرہ کی مورتی کی علامت ہے۔ اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ روزِ جمعہ جو زہرہ کا دن ہے، اس کی تعظیم کی جاتی ہے۔

حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ بھی اسی مسلک کے تھے، یعنی جو بت ستاروں کی شکل میں نہ تھا، اس کو انہوں نے توڑ دیا اور حجرِ اسود کی تعظیم و احترام کو ملحوظ رکھا جیسا کہ ان کے بارے میں مروی ہے، اس سے اس بات کی شہادت ملتی ہے۔ گشتاسپ شاہ کا بیٹا، اسفندیار اسی طریق پر عمل کرتا تھا، اور حکیم سقراط نے بھی اپنی قوم کو

---

[1] یہ بس کہانیاں ہیں، حقیقت وہی ہے، جسے قرآنِ پاک نے بیان کیا ہے۔ (ایڈیٹر)

کر دیا تھا کہ ستاروں کے مجسموں کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور بادشاہوں کے مجسموں کو ہٹا دیں۔ اسی طرح بیت المقدس یعنی کنکدژ ہوخت ضحاک کا بنایا ہوا ہے، لیکن فریدون نے اس کے اندر آگ روشن کی تھی اور ضحاک کے زمانہ سے بہت پہلے اس جگہ آتشکدہ اور بت خانہ تھا۔ اسی طرح یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب فریدون ضحاک کو شکست دینے کے لیے روانہ ہوا تو راستے میں اس کے بھائیوں نے اس کے اوپر پتھر پھینکا۔ حضرت فریدون جملہ نادر علوم سے بہرہ ور اور طاقت ور تھے۔ انہوں نے ایک عجیب وغریب عمل کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے خدا سے دُعا کی، چنانچہ پتھر ہوا میں معلق رہ گیا اور وہ پتھر آج تک قدسِ خلیل کے نام سے مشہور ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مدینہ میں جہاں رسولِ کریمؐ مدفون ہیں، وہاں ماہ کا بت خانہ تھا اور اس بت خانہ کو مہدینہ کہتے تھے۔ یعنی ماہ دین ہے اور دینِ ماہ حق ہے، لیکن عربوں نے اسے مدینہ کر دیا۔ ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ نجف اشرف میں جہاں امیر المومنین حضرت علیؓ کا روضہ ہے، وہاں پہلے فروغ پیرائے نام کا آتشکدہ تھا اور اس مقام کو نجف کہتے تھے، یعنی ناکفت اور اکفت تکلیف کو کہتے ہیں، آج کل نجف کہلاتا ہے۔ اسی طرح کربلا میں جو امام حسینؓ کی آرام گاہ ہے، وہاں پہلے آتشکدہ تھا جس کا نام مہ یار سور تھا اور کار بالا بھی کہتے تھے، یعنی فعل علوی جو اب کربلا کہلاتا ہے۔ بغداد میں جہاں امام موسیٰ کاظم آرام فرما ہیں، وہاں شید پیرائے نام کا ایک آتشکدہ تھا، اور اس مقام پر امام اعظم ابوحنیفہ کوفی کی آرام گاہ ہے وہاں بھی ہور یار نام کا آتشکدہ تھا۔ کوفہ میں جہاں آج کل مسجد ہے، روز آذر نام کا آتشکدہ تھا۔ طوس کی سرزمین میں جہاں امام رضا کا روضہ ہے وہاں بھی آذر خرد نام کا آتش کدہ تھا۔ اس آتشکدہ کے اور بھی کئی نام تھے، اسے فریدون نے بنوایا تھا۔ جب نوذر کا بیٹا آذر خرد کی زیارت کے لیے گیا، اس نے وہاں ایک شہر کی بنیاد ڈالی جس کا نام طوس رکھا۔ بلخ میں جہاں آج کل امام کا روضہ ہے، وہاں پہلے مہیں آذر نام کا آتشکدہ تھا، جواب نوبہار کے نام سے مشہور ہے۔ اردبیل میں جسے قدیم زمانے میں وژبہمن کہتے تھے، کیخسرو نے قلعہ کو تسخیر کرنے کے بعد ایک آتشکدہ بنایا جس کا نام آذر کاوس تھا، وہ مقام آج کل سلاطین صفویہ کے مورثِ اعلیٰ شیخ صفی الدین کی خوابگاہ ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے بعض مقامات کے بارے میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ستاروں کے بت خانے تھے، چنانچہ "دوارکا" میں ستارہ زحل (کیوان) کا بت خانہ تھا، جس کا نام وژ کیوان تھا۔ ہندوستانیوں نے اسے بدل کر دوارکا کر دیا۔ گیا میں بھی ستارہ کیوان کا بت خانہ جسے گاہ کیوان کہتے تھے جو بعد میں گیا ہو گیا۔ اسی طرح متھرا میں کیوان کا بت خانہ تھا جس کا نام مہترا تھا یعنی وہاں بڑے بڑے لوگ آتے ہیں۔ رفتہ رفتہ متھرا ہو گیا۔ اسی طرح عیسائی نیز دوسری قوموں کے بہت سے مقامات کا یہ لوگ نام لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ وہ ان کے بت خانے تھے۔ جب آبادیان ان مقامات پر جاتے ہیں تو حسب معمول زیارت کی رسومات بجا لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مقامات مقدسہ کبھی بھی ناپاک اور ویران نہیں ہوتے بلکہ وہ اب بھی ویسی ہی پرستش وعبادت کی جگہیں ہیں اور موافق و مخالف دونوں کی قبلہ گاہ ہیں۔ مخالف باوجود سرتابی کے ان مقدس مقامات میں نمازیں ادا کرتا ہے۔ رائے گوپی ناتھ کہتا ہے:

ببین کرامتِ بت خانۂ مرا اے شیخ که چوں خراب شود خانۂ خدا گردد
(اے شیخ! میرے بت خانے کی کرامت دیکھ کہ جب وہ برباد ہو جاتا ہے تو خدا کا گھر (بیت اللہ) بن جاتا ہے۔)

مہ آباد کے وقت سے لے کر یاسان آجام کے زمانے تک کہیں بھی ایسی بات کا ذکر نہیں ملتا جو عقل کے نزدیک ناقابلِ قبول ہو۔ اگر کوئی رمز کی بات ہوئی تو بعد میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے کہ یہ رمز ہے۔ بعد ازاں گلشائیان کے دور میں بعض رمز کی باتیں بھی ملتی ہیں، جن کی یہ لوگ تاویل وتشریح کرتے ہیں۔ مثلاً ان کا کہنا ہے کہ یہ روایت کہ ''سیامک'' دیو کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا، اس سے مراد یہ ہے کہ مسلسل جنگ میں خود، اور خدا سے ناواقفیت کی وجہ سے اس نے نادانستہ اپنے عنصری جسم کو تباہ کر دیا تھا، اس فرقہ کے کلام میں جہاں کہیں دیو کا لفظ آتا ہے، اس سے مراد اسی طرح کے لوگ ہیں، جیسا کہ پیمان فرہنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بعض مقامات پر دیووں کو مسخر کرنے اور ان کو قتل کرنے سے مراد جسمانی قوتوں کو تابع بنانا اور مذموم صفتوں کا ازالہ کرنا ہے اور یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ فرشتے، حکماء اور بزرگ لوگ نمودار ہو گئے، اس کا مطلب خواب وغیبت، ہوشیاری اور ترکِ بدن کی حالت میں پاک روحوں کا دیدار و مشاہدہ ہے۔ ان تینوں حالات کی حقیقت اسی کتاب میں آگے بیان ہوگی۔ نیز کہتے ہیں کہ ''دہ آک''، یعنی ضحاک کے دو سانپ سے غضب اور شہوت کی طرف اور ابلیس اور اس کے نفس کی طرف اشارہ ہے۔ بعض جگہوں پر مذکور ہے کہ ضحاک کی بدکاری اور بدسیرتی کی وجہ سے اس کے کندھوں پر بطورِ مرض گوشت کے دو لوتھڑے ظاہر ہو گئے تھے، جو لوگوں کی نگاہوں میں سانپ جیسے معلوم ہوتے تھے۔ اور انسانی بھیجے کے استعمال سے ضحاک کے درد میں تسکین ہو جاتی تھی۔ ان کا قول ہے کہ سیمرغ ایک حکیم کا نام تھا، جس نے دنیا والوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، اور پہاڑ پر جا کر سکون سے رہتا تھا، چنانچہ اس کو اسی نام سے پکارتے تھے۔ وہ سام کے بیٹے دستان (زال) کی پرورش کرنے والا تھا، اس کی صحبت کی وجہ سے زال عجیب وغریب علوم سے بہرہ ور ہو گیا تھا۔ نیز کہتے ہیں کہ یہ واقعہ جو عوام میں مشہور ہے کہ کیکاؤس نے آسمان پر چڑھنے کا ارادہ کیا تھا اور گر پڑا تھا، دراصل خواب کی حالت میں تھا نہ کہ بیداری میں۔ کاؤس کے بھائی 'کے نشین' نے جو دنیا والوں سے کنارہ کش ہو گیا تھا، کاؤس کے واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ چار عقاب دراصل چار عناصر ہیں اور تخت حواسِ مسخرہ ہیں اور نیزہ سے مراد ان کی قوت اور خواہشات کی حرص میں ان کی شدت ہے۔ گوشت کی رانوں سے ان کا مقصد ہے غصہ، شہوت، حرص اور حسد۔ ان کے چڑھنے سے مراد یہ ہے کہ ریاضت کے ذریعہ ان کو مسخر کیا جا سکتا ہے اور ان کی طاقت کی مدد سے عالمِ علوی اور بلند آسمان پر غلبہ ہو سکتا ہے اور ان کا گر پڑنا گویا آسمان تک نہ پہنچنا اور پیر موڑ کر بیٹھ جانے سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر ذرا دیر کے لیے بھی ان حواس کو ضبط کرنے سے غافل ہو جاؤ گے اور ان کی ریاضت نہ کرو گے تو یہ پھر اپنی فطرت کی جانب لوٹ جائیں گے اور وہ دائمی بہشت اور ارواح کے وطن سے فرار کر جائیں گے۔ اس مقام پر یہ مصرع پوری طرح صادق آتا ہے۔ یک لحظہ غافل گشتم وصد سالہ راہم دُور شد

(میں ایک لمحہ کے لیے غافل ہوا اور سیکڑوں سال کی مسافت کے برابر میری منزل مجھ سے دُور ہوگئی۔)

کیکاؤس جس جنگل میں جا پڑا تھا، اس سے نکال کر رستم کا اس کو پھر تخت پر بٹھانے سے اشارہ ہے عقل کا نفس کے ساتھ مشغول ہو جانا اور پھر اس کو عالم طبیعت کی چراغ گاہ سے پھیر دینا۔ چنانچہ کیکاؤس اپنے برادر خُرد کے نشین کے مشورہ سے جو عقل و دانش میں اس سے بڑا تھا، ایک چلہ خلوت میں بیٹھا، یہاں تک کہ بیداریِ قلب کی وجہ سے خواب میں افلاک کا مشاہدہ کیا۔ کہتے ہیں کہ متاخرین جو یہ کہتے ہیں کہ خضر اور سکندر تاریک علاقہ میں گئے اور خضر نے آبِ حیات پا لیا، اس سے مراد یہ ہے کہ سکندر یعنی نفسِ ناطقہ خضر یعنی عقل کی مدد سے ظلماتِ بشری میں آبِ حیات یعنی علم معقول کا عالم ہوگیا۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ سکندر خالی ہاتھ لوٹ آیا، اس سے مراد یہ ہے کہ دائمی زندگی اس دارالفنا میں محال ہے۔ چنانچہ وہ اس آرزو میں ناکام رہا، پس تنہا واپس لوٹا اور دارالبقا میں چلا گیا۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ خضر نے آبِ حیات نوش کیا، یہ اشارہ ہے کہ عقل کا کمال بدن کے توسط سے نہیں ہے اور عقل کو جسم اور جسمانی اشیاء کی کوئی حاجت نہیں نہ بلحاظ ذات کے اور نہ صفات کے۔ اور بعض جگہ اس طرح تاویل کی گئی ہے کہ خضر سے مراد نفس ناطقہ ہے اور سکندر سے نفس حیوانی۔ چنانچہ خضر یعنی نفس ناطقہ سکندر یعنی نفسِ حیوانی اور قوائے جسمانی کے لشکر کے ساتھ عقل کے چشمہ پر پہنچا اور حیات جاوید پا گیا اور سکندر یعنی نفسِ حیوانی خالی ہاتھ لوٹ آیا۔

جاننا چاہیے کہ یہ گروہ ایسی تمام باتوں کی جو قاعدے قانون کے موافق نہ ہوں اور عقل کی میزان پر پوری نہ اتریں اور جنھیں انسانی ذہن قبول نہ کرے، اسی طرح تاویل کرتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل امغی یعنی حقیقی دوم آشکاری۔ امغی یہ ہے کہ دل کو کسی چیز سے آلودہ نہ کرنا اور دھوکہ باز یعنی عالم کون وفساد کے معاملات میں دل نہ لگانا۔ بالکل آزاد رہنا اور کسی شے سے تعلق نہ رکھنا بلکہ دل کو تمام تعلقات سے خالی کر دینا۔ آشکاری یہ ہے کہ جو چیز ظاہر میں ناپاک ہو، اس کو خود سے دور کر دینا۔ چنانچہ اس قسم کی طہارت ایسے پانی سے جس کا رنگ، بو اور مزہ بدلا نہ ہو حاصل ہو جاتی ہے، یعنی جو پانی بدرنگ، بدبودار اور بدمزہ نہ ہوگیا ہو، ورنہ گلاب کی جیسی چیزیں تو زیادہ پاک معلوم ہوتی ہیں۔ ایک کُر (تقریباً ساڑھے تین بالشت کا مربع) پانی سے طہارت حاصل ہوتی ہے، یعنی ان کے نزدیک انسانوں کے لیے ایک کُر پانی کی مقدار وہ ہے جس میں سر ڈبویا جا سکے۔ ہاتھی کے لیے اس کے جثہ کے مطابق اور مچھر کے لیے پانی کا محض ایک قطرہ۔ ان کے نزدیک ان دُعاؤں اور آیتوں کا پڑھنا محبوب عمل ہے جو دساتیر میں واجب الوجود کی وحدانیت اور عقل ونفوس کی بڑائی اور علوی وسفلی اجسام کی حمد وتعریف سے متعلق مذکور ہیں۔ اس کے بعد ساتوں ستاروں کی حمد بیان کرتے ہیں۔ بالخصوص ان کے نام کے دنوں میں اور جو خوشبوئیں سلگانی چاہئیں، ان کو سلگاتے ہیں۔ بعد ازاں عبادت گزار مہینہ اور مہینہ کے دنوں کے پروردگار کی حمد بیان کرتا ہے۔ چنانچہ اگر فروردین کا مہینہ ہے تو عابد پہلے اس کی عبادت کرتا ہے، بعد ازاں اس مہینہ کے مختلف دنوں کے پروردگاروں میں سے ہر ایک کی عبادت کرتا ہے، بالخصوص اس دن کے پروردگار کی جو اس ماہ کا ہمنام ہوتا ہے اور وہ دن ''روز عید'' شمار کیا جاتا

ہے، مثلاً ماہِ فروردین میں فروردین کی، جو ایک مقرب فرشتہ ہے، عبادت کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ ماہ فروردین کا تعلق اسی سے ہے۔ اب اگر مہینہ کا پہلا دن ہے جس کو ہرمز کا دن کہتے ہیں اور ہرمز وہ فرشتہ ہے جو مہینہ کے روزِ اوّل پر موکل ہے تو اس پر درود اور ثنا بھیجی جاتی ہے۔ اس پر دوسرے ماہ اور مہینہ کے دوسرے دنوں کو قیاس کرنا چاہیے۔ ان لوگوں کے نزدیک مہینوں کے نام ان کے پروردگاروں کے نام پر رکھے گئے ہیں اور دنوں کے نام ان دنوں کے پروردگاروں کر نام پر۔ لہٰذا جیسا کہ ہم نے بیان کیا عبادت گزار مہینہ کے خداوند کی عبادت کرتا ہے اور روزِ عید یا جشن کے دن اس فرشتہ کی جو اس مہینہ اور اس دن دونوں کا خداوند ہے، عبادت کرتا ہے۔ اور آبادیان کے نزدیک اگر چہ مہینہ کے اندر مہینہ اور دن کے نام یکساں ہو جاتے ہیں لیکن اس کی وجہ سے اس دن کا تعلق مہینہ کے خداوند سے نہیں ہو جاتا، اپنے بلکہ اپنے ہمنام فرشتہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی لیے وہ تیوہار کے لائق ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر مہینہ کے دوسرے دنوں میں ہر روز صبح کے وقت اس دن کے خداوند کی عبادت کرتے ہیں۔ اور جب سود بار یعنی مہینہ کے پانچ دُزدیدہ روز ہوتے ہیں تو ان کے پانچوں فرشتوں کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دنوں کے فرشتے مہینوں کے فرشتوں کے اہل کار ہیں اور یہ تمام فرشتے حضرت نیر اعظم (آفتاب) کے فرماں بردار ہیں۔ اسی طرح دوسرے ستاروں کے لیے فرشتے تابعدار ہیں۔ اور ستاروں کے زیرِ فرمان ہیں۔ فرشتوں کی تعداد بے شمار ہے۔ وہ فرشتے جو شت آفتاب سے متعلق شمار ہوتے ہیں، مرتبے میں سب سے بڑے ہیں۔ علاوہ ازیں سات ستاروں میں سے ہر ایک کے ایک برج سے دوسرے برج میں جانے کے وقت پہلے دن جشن مناتے ہیں اور اسے روزِ عید سمجھتے ہیں اور اس دن کو شد بار یعنی سودمند کہتے ہیں۔ نیز ہر ماہ قمر کی کامل گردش کے بعد نیا چاند دیکھ کر یا بغیر اس کے علم نجوم کے حساب کے مطابق پہلے دن بڑی خوشی مناتے ہیں۔ اسی طرح جس روز کوئی ستارہ اپنی گردش مکمل کر لیتا ہے، بڑا تیوہار ہوتا ہے، اسے دادرام یعنی بزم پیرائے کہتے ہیں۔ بہرکیف اگر چہ ہفتہ میں ہر روز کسی نہ کسی بت خانے میں جشن رہتا ہے، جیسا کہ روزِ ناہید یعنی جمعہ کے دن، ناہید کے بت خانے میں۔ لیکن روزِ خورشید یعنی یکشنبہ کے دن ایک بڑا جشن منایا جاتا ہے، جس میں سب لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب کوئی ستارہ اپنے برج میں آتا ہے یا اپنے شرف کی منزل میں ہوتا ہے، اس وقت بھی جشن مناتے ہیں۔

ان لوگوں کے نزدیک کسی دین اور مذہب سے نفرت کرنا جائز نہیں کیونکہ ہر مذہب کے ذریعہ خدا تک رسائی ہو سکتی ہے اور کوئی بھی مذہب منسوخ نہیں ہوا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اتنے سارے پیغمبر اس وجہ سے آئے کہ خدا تک پہنچنے کا راستہ دکھائیں اور محققین جانتے ہیں کہ خدا تک پہنچنے کے بہت سے راستے ہیں، بلکہ اتنے زیادہ ہیں کہ وہ شمار نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ کسی مملکت کے بادشاہ تک مختلف سرداروں کی مدد سے رسائی ہو سکتی ہے، اگر چہ ایک سردار، دوسرے سردار کے خلاف ہو یا سارے سردار باہم موافقت نہ رکھتے ہوں، لیکن وہ اپنے سے کمتر درجہ کے لوگوں کے کام بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ خدائے ہستی کو بجز ایک راستے کے دریافت نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن خدا تک پہنچنے میں رکاوٹ زندبار (بے

ضرر حیوانات) کو ہلاک کرنا ہے یعنی ایسے جانور جو کسی کو نقصان یا تکلیف نہیں پہنچاتے اور نہ کسی جاندار کو ہلاک کرتے ہیں، جیسے گائے، بکری، اونٹ اور گھوڑا، کیونکہ ان کو تکلیف دینے والا نجات یافتہ نہیں ہوسکتا اور طرح طرح کی ریاضت اور پرہیزگاری کے باوجود نجات نہیں پاتا۔ اور کہتے ہیں کہ زندبار کو ہلاک کرنے والے سے بہت سی کرامات دیکھی جاتی ہیں، پھر بھی اسے نجات یافتہ نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ آثار جو اس سے مشاہدہ میں آتے ہیں، وہ اس کے طریقت وسلوک کا اس دنیا میں نتیجہ نہیں اور اس کی مذہبی ریاضت ومشقت کا اثر نہیں۔ لیکن چونکہ وہ اذیت پہنچانے والا ہے، اس لیے سلوک میں کامل نہیں ہوسکتا اور اس کو دوسری زندگی میں سوائے تکلیف کے کچھ نہ ملے گا اور جسم سے رہائی نہ پائے گا اور ایسے صاحبِ کرامات ریاضت کرنے والے کو شت دساتیر میں ایسے کوزہ سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں اندر نجاست بھری ہے لیکن باہر عطریات کا ملمع ہو۔ اور کہتے ہیں کہ زندبار کو تکلیف پہنچانا کسی بھی مذہب میں جائز نہیں ہے۔ جو لوگ جائز سمجھتے ہیں، وہ الفاظ کے ظاہری معنی پر جاتے ہیں، انہوں نے غور وخوض نہیں کیا ہے مثلاً گھوڑے اور گائے کو ذبح کرنے سے مراد اپنے اندر حیوانی صفات کو زائل کرنا اور دور کرنا ہے نہ یہ کہ زندبار کو مار ڈالیں اور کھالیں۔ نیز کہتے ہیں کہ متاخرین مورخین نے بغیر تحقیق کیے لکھا ہے کہ رستم زال جو اولیائے کاملین میں سے تھا، زندبار (بےضرر حیوانات) کو ہلاک کرتا تھا۔ حالانکہ ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ رستم صرف تندبار (ضرررساں حیوانات) کا شکار کرتا تھا اور گورخر کے شکار کے متعلق لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھی جیسے جسم والا رستم شیر کو گورخر کہتا تھا یعنی ''شیر میری طاقت کے سامنے محض گورخر ہے۔'' اور بعض مقامات پر رستم اور بعض گلشاہی سلاطین کے بارے میں گورخر کو ہلاک کرنے اور زندبار کو تکلیف پہنچانے کا جو تذکرہ ہے، بقول ان کے اس سے مراد حیوانی وشہوانی صفات کو زائل کرنا ہے، جیسا کہ محقق نامدار شیخ فریدالدین عطار نے فرمایا ہے:

در درونِ ہر یکے صد خوک ہست خوک باید کشت یا زنار بست

(ہر شخص کے باطن میں سیکڑوں سور ہیں۔ سور کو مار ڈالنا چاہیے یا پھر زنار باندھ لینا چاہیے۔)

کہتے ہیں کہ فارس کے سپاسی گروہ کے اکابر شروع سے آخر تک زندبار کو ہلاک نہیں کرتے تھے بلکہ ایسے جانوروں کو ستانے اور ہلاک کرنے سے اجتناب و پرہیز کو واجب سمجھتے تھے اور اگر کوئی شخص ایسے فعل کا مرتکب ہوتا تو اس کو سزا دیتے تھے۔ یہ لوگ اگرچہ گلشاہی خاندان کے پیغمبروں، پیشواؤں اور بادشاہوں کو بہت بزرگ سمجھتے ہیں، لیکن کہتے ہیں کہ یہ لوگ علم اور عمل میں اگلے اُن پیغمبروں اور بادشاہوں کے مرتبہ کو نہیں پہنچے جو یاسانیان سے لے کر عہد مہ آبادیان کے ختم تک گزرے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ بعضے زندبار اس زندگی میں جو تکلیف اُٹھاتے ہیں یہ ان کی سزا ہے، مثلاً گائے اور گھوڑا جو پچھلے جنم میں انسان تھے اور نادانی سے لوگوں کو بیگار میں پکڑ لیتے تھے اور سوائے کھانے پینے کے اور کچھ نہ جانتے تھے، لہٰذا اس زندگی میں آ کر اس کا بار برداشت کرتے ہیں اور یہ تکلیف نہیں ہے بلکہ ان کے اعمال کی یہ پاداش اور سزا ہے۔ لیکن کسی کو انہیں ہلاک کرنے کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ یہ جانور خوں ریزی کرنے والے اور

ہلاک کرنے والے نہ تھے اور خود ان کی فطرت ثابت کرتی ہے کہ دوسرے جانوروں کو ہلاک کرنے والے نہ تھے۔اس لیے ان کو مار ڈالنا کسی بےضرر نادان انسان کو مار ڈالنے کے برابر ہے۔لہٰذا ان کو مار ڈالنے والا جو اس زندگی میں حاکم وقت اور مرزبان عہد کے ہاتھوں سزا نہ پائے گا، وہ دوسرے جنم میں تند بار (ضرر رساں حیوانات) کی شکل میں پیدا ہو کر سزا پائے گا۔ایک بزرگ نے فرمایا ہے:

ہر بد کہ می کنی تو مپندار کہ آں بدی گردوں فرو گذارد و دوران رہا کند

قرض است فعلہائے بدت پیش گفتار در ہر کدام دور کہ خواہد ادا کند

(جو بھی برائی تو کرتا ہے، یہ خیال نہ کر کہ اس برائی کو فلک چھوڑ دے گا اور زمانہ تجھ کو رہا کر دے گا۔

تیرے برے اعمال زمانے کے پاس قرض ہیں، جنہیں جب بھی وہ چاہے گا، تجھ کو ادا کر دے گا۔)

ان کا عقیدہ ہے کہ بہت دائمی افلاک ہیں اور اس بہشت یعنی فلک کا بادشاہ آفتاب ہے۔دوسرے ستارے خواہ ثابت ہوں یا سیار اس کے پیشکار ہیں، لہٰذا جو شخص ریاضت و پرہیزگاری کے ساتھ اچھے اعمال و اقوال حاصل کر لیتا ہے، وہ آفتاب سے مل جاتا ہے اور خسروِ بہشت بن جاتا ہے۔لیکن اگر اپنے اعمال کے لحاظ سے دوسرے ستارے سے تعلق جوڑتا ہے تو وہ اس مقام کا حاکم بن جاتا ہے۔جو اس ستارے سے متعلق ہے اور بعض فلکِ اعلیٰ سے مل جاتے ہیں اور صاحبِ حال لوگ اس سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔ان کی رسائی فردوسِ اعلیٰ یعنی مجردات تک ہو جاتی ہے۔یہ لوگ نور الانوار اور فلک مختار کے مقربین کے دیدار سے فیضیاب ہو جاتے ہیں۔اور اگر ایسا بادشاہ ہو جس کے زمانے میں اس کی مملکت میں زندبار جانوروں کو ہلاک نہیں کیا جاتا اور ہلاک کرنے والے کو سزا ملتی ہے اور ایسا کوئی شخص بغیر سزا پائے اُس دنیا سے نہیں جا پاتا اور وہ بادشاہ عالم باعمل اور پرہیزگار بھی ہو تو جب وہ اس عنصری جسم سے جدا ہوتا ہے، اس وقت آفتاب سے مل جاتا ہے اور اس کی روح حضرت نیراعظم (آفتاب) کی روح سے مل کر ایک ہو جاتی ہے اور وہ خسروِ بہشت بن جاتا ہے۔شاہزادہ سیامک ولد کیومرث کہتا ہے کہ میں نے آبادیان، جیان، شائیان اور یاسانیان خاندانوں کے سارے پادشاہوں کو دیکھا۔بعض فلک مختار کے مقرب فرشتے تھے، بعض نور الانوار کے دیدار میں مستغرق تھے، لیکن کسی کو بھی آفتابِ فلک سے جو خلیفۃ اللہ ہے کم درجہ کا نہیں پایا۔جب میں نے یہ مرتبہ پانے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے مراتب عالیہ پانے کا سب سے بڑا ذریعہ زندبار کی حفاظت اور بدکار کو سزا دینا ہے۔

اس گروہ کے نزدیک کسی دیوانہ کے ہاتھوں قتل ہو جانا، اپنے خرد سال بیٹوں سے تکلیف اُٹھانا، بیماریوں، آفاتِ سماوی اور سختیوں سے رنجیدہ ہونا یا خود زہر کھا لینا اور خود کو تباہ کر دینا، یہ سب گذشتہ اعمال کی سزائیں ہیں۔یا کوئی شخص دوڑتا ہوا زمین پر گر جائے اور چلنے سے معذور ہو جائے تو یہ بھی گذشتہ بدعملی کی سزا ہے جس طرح نوزائیدہ یا خردسال بچے کا بیمار ہو جانا سزا ہے، لیکن جو تکلیف ہوشمند لوگوں کو پہنچتی ہے، وہ اگر بظاہر ناحق معلوم ہو تو اسے سزا نہ سمجھنا چاہیے بلکہ وہ اس عارضی زندگی کے ظالم حاکم کی وجہ سے ہے، جس سے آئندہ زندگی کا حاکم مطلق باز پرس کرے گا۔

ان لوگوں کے نزدیک شراب اور زیادہ نشہ آور چیزیں کھانا اور پینا جو ہوش و حواس کو زائل کر دیں، جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص شراب بہت پیتا ہے تو حاکم کو چاہیے کہ اس کو سزا دے اور اگر مستی کی حالت میں کسی کو تکلیف پہنچائے تو اس سے باز پرس کرے اور ظالم کو سزا دے۔

اس مذہب میں تندبار کو مار ڈالنا جائز ہے، یعنی ایسے جانوروں کو جو دوسرے جانداروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں مثلاً شیر، شکرہ اور باز جو جانداروں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ لیکن زندبار اور تندبار جانوروں میں سے جس کو بھی تندبار تکلیف پہنچاتے ہیں، وہ اس کی سزا ہے۔ اور جب تندبار جانوروں کو ہلاک کرتے ہیں، تو وہ بھی سزا ہوتی ہے، کیونکہ یہ گذشتہ زندگی میں ظالم اور خونی رہے ہیں اور اس موجودہ زندگی میں خدائے داور نے ان کو دوسرے خونی جانوروں پر فوقیت دی ہے تاکہ وہ خوں ریز خونی جانوروں کا خون بہائیں۔ جب وہ تندبار کو ہلاک کرتے ہیں تو وہ ان کی سزا ہوتی ہے کیونکہ یہ پہلے دور میں خوں ریز رہے ہیں، اور ان کی خوں ریزی کی فطرت ثابت کرتی ہے کہ یہ خود بھی خوں ریز رہے ہوں گے۔ لیکن جب تک یہ موذی نہ ہوں، ان کو مارنا نہ چاہیے۔ مثلاً گوریا کا بچہ، اپنے بچپن میں کسی جاندار کو تکلیف نہیں دے سکتا اور نہ مار سکتا ہے۔ لہٰذا اس وقت زندبار رہتا ہے، لیکن جب پرواز کی قوت حاصل کر لیتا ہے تو زمین کے کیڑے مکوڑوں کو تکلیف دیتا ہے۔ اور اگرچہ یہ کیڑوں کی سزا ہے، لیکن ان کے مار ڈالنے والے بھی مارے جانے کے لائق نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے گذشتہ زندگی میں خوں ریزی کی تھی۔ مثلاً کسی شخص نے ناحق انسان کا خون بہا دیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو ہلاک کر دیں لیکن یہ کام وہ کرے جس نے خود ناحق خون بہایا ہو اور اس گناہ کی سزا میں قید خانہ میں پڑا ہو۔ چنانچہ لوگ قید خانے سے ایسے شخص کو بلائیں جو قاتل کی گردن اڑا دے۔ بعد ازاں حاکم کسی ملازم سے کہے کہ اس قیدی کی بھی گردن اڑا دو کیونکہ اس نے بھی اس خون کے علاوہ خونِ ناحق بہایا ہے۔ لیکن اگر انسان تندبار کو مار ڈالے تو اس کو نہ مارنا چاہیے کہ اس انسان نے تندبار کے ظلم و ستم کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو سزا دی ہے۔ لیکن اگر کوئی دلیر پہلوان یا کوئی دوسرا تندبار سے لڑنے میں ہلاک ہو جائے تو یہ اس کی سزا ہے اور وہ اپنا بدلہ پا لیتا ہے اور یہ ویسا ہی ہے جیسے کوئی زندبار سے لڑنے میں ہلاک ہو جائے۔ مثلاً بیل گزشتہ زندگی میں ایک انسان تھا، جو بیل کی صفات سے بہت زیادہ متصف تھا اور لوگوں کو بیگار کے لیے پکڑ لیتا تھا اور ان پر بوجھ لاد دیتا تھا، یہاں تک کہ ایک شخص کی اسی طرح جان لے لی تو اب دوسرے جنم میں اپنی صفت غالبہ کی وجہ سے بیل کی شکل میں پیدا ہوا تاکہ اپنے عمل کی سزا بھگتے اور خونِ ناحق کے بدلے کسی تندبار مثلاً شیر جیسے جانور کے ہاتھوں ہلاک کر دیا جائے۔ بہرحال لوگوں سے نادانستہ ایسا فعل سرزد ہو جائے تو ان کی سزا کے لیے تندبار مقرر ہیں جیسا کہ ہم نے بیل کی مثال میں بیان کیا ہے۔

تندبار جیسے شکرہ اور گوریا وغیرہ کو ہلاک کرنے کا رحم دل لوگوں کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان جانوروں کی رگ کھول دیں تاکہ خون نکلنے کی وجہ سے وہ مر جائیں۔ اس قسم کی اور بہت سی ہدایتیں موبد ہوشیار کی تصنیف 'جشن سدہ' میں مذکور ہیں لیکن علماء و فضلا، اور درویشانِ تارک الدنیا ایسے کام نہیں کرتے پھر بھی بادشاہ

کے لیے لازم ہے کہ بدکردار کو اس کے فعل کے مطابق سزا دے۔ موبد ہوشیار نے ''سرودستان'' میں بیان کیا ہے کہ شت کیومرث اور سیامک کے زمانہ میں کسی بھی جانور کو ہلاک نہیں کرتے تھے، اس لیے کہ سب فرماں بردار ہوتے تھے۔ کیومرث اور سیامک سے لے کر جمشید کے عہد تک سلاطین ایران کا ایک معجزہ تھا کہ انہوں نے جانوروں پر افسروں کی ایک جماعت مقرر کر دی تھی، تا کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں مثلاً شیر کسی جانور کو ہلاک نہیں کر سکتا تھا اور اگر ہلاک کرتا تو اس کو سزا دیتے تھے، چنانچہ جانور تباہ نہیں ہوتے تھے اور نہ ہلاک کیے جاتے تھے۔ اور تند بار جانوروں کے درمیان کشت وخون کی رسم اُٹھ گئی تھی اور سبھی جانوروں کو زند بار شمار کیا جاتا تھا، البتہ ایسے مردہ جانور جو اپنی فطری موت سے مر جاتے، ان کی کھال اُتار کر کیومرث اور اس کے پیرو شروع میں پہنا کرتے تھے، لیکن بعد میں ان لوگوں نے درختوں کے پتوں پر قناعت کر لی۔ اس مقدس گروہ سے عقیدت رکھنے والے، ایسے واقعات کو بادشاہوں کے معجزات خیال کرتے ہیں۔ اور بعض محققین اسے طلسم کا اثر سمجھتے ہیں اور بعض دوسرے اشارہ کنایہ سمجھنے والے اسے رموز خیال کرتے ہیں یعنی جانوروں کے فرماں بردار ہونے سے مراد بادشاہوں کا عدل وانصاف اور فتنہ وفساد کی بیخ کنی اور نیکی پھیلانے میں ان کی پوری توجہ ہے۔ مختصر یہ کہ جب گلشاہی عہد میں ہوشنگ تک سلطنت کی نوبت پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ انڈوں میں سے بط اور خانگی مرغیوں وغیرہ کے انڈے جو بہت کثرت سے ہوتے ہیں، انہیں لوگ کھا سکتے ہیں، لیکن اس قدر نہ کھائیں کہ اس کی وجہ سے ان کی نسل ہی ختم ہو جائے۔ جب تختِ سلطنت طہمورث کی ذات سے آراستہ ہوا تو اس نے کہا کہ گوشت خوار اور تند بار حیوانات کے لیے مردہ جانوروں کا کھانا جائز ہے یعنی اگر شیر مردہ ہرن کو اور گوریا بے جان کیڑوں کو کھا جائے تو اس کے لیے جائز ہے۔ اسی طرح جب جمشید بادشاہ ہوا تو اس نے قانون بنایا کہ اگر مردہ جانور کا گوشت نیچی ذات کے لوگ کھائیں تو کوئی گناہ نہیں لیکن مردہ جانوروں کا گوشت انسان نہ کھائیں اس لیے کہ ایسا گوشت بیماری پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ جانور کسی نہ کسی بیماری سے مرا ہے، ورنہ اس کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ جب جمشید دارالبقا کو روانہ ہو گیا تو ''دَہ آک'' (ضحاک) عربی زند بار اور تند بار سبھی جانوروں کو مار کر ان کا گوشت کھانے لگا۔ چنانچہ یہ مذموم رسم لوگوں میں عام ہو گئی۔ بالآخر جب فریدوں نے روئے زمین کو ضحاک کے ناپاک وجود اور اس کے مظالم سے پاک کیا تو دیکھا کہ لوگ بعض جانور مثلاً باز، شیر، بھیڑیا اور دوسرے تند بار کا عہد وپیمان کے خلاف شکار کرتے ہیں۔ لہٰذا اس نے حکم دیا کہ تند بار جانوروں کو مار ڈالا جائے۔ بعد ازاں ایرج نے تجویز کیا کہ ایسے تند بار جانور جیسے خانگی مرغیاں جو کیڑوں کو ہلاک کر دیتی ہیں، اور گوریا وغیرہ جن کے مار ڈالنے میں کوئی گناہ نہیں، ان کو نیچی ذات کے لوگ یعنی عوام کھا سکتے ہیں۔ لیکن یہ ہرگز جائز نہیں کہ بزرگ یزدانیان اپنا منہ گوشت سے آلودہ کریں اور تند بار جانور بھی اپنی ذات کے لیے ہلاک نہ کریں بلکہ تند بار جانوروں کو دوسرے تند بار کے لیے بھی نہ ماریں۔ مثلاً باز، شیر اور دوسرے شکاری جانور بزرگوں کے گھروں میں دوسرے تند بار کو سزا دینے کی غرض سے رکھے جاتے ہیں، نہ کہ اس لیے کہ لوگ ان کا گوشت کھائیں کیونکہ گوشت خوری انسان کی صفت نہیں ہے۔ لہٰذا جب انہیں اپنی خوراک کے لیے ہلاک

کر دیں گے تو ان کی فطرت میں درندگی راسخ ہو جائے گی اور یہ غذا درندگی کی خاصیت پیدا کرنے والی بھی ہے، چنانچہ تندبار کو مار ڈالنے سے مراد و مقصود برائی کو ختم کرنا ہے۔ یزدانیوں کے لیے جو غذائیں ہیں، ان کو لوگ آج کل جانور اور گوشت سے ملا دیتے ہیں مثلاً برہ (بمعنی بکری کا بچہ) ان کے یہاں ایک قسم کی غذا ہے، جس کو زِنگو یعنی سمارو غ (ایک جنگلی سبزی) سے پکاتے ہیں، گورا ایک دوسری غذا ہے، جسے پنیر سے تیار کرتے ہیں، اسی طرح اور بہت ہیں۔ جب یہ لوگ تندبار کا شکار کرتے ہیں تو اس کا گوشت بھی نہیں کھاتے۔ اگر ان کے گھروں میں تندبار کو دوسرے تندبار کے لیے مارتے ہیں مثلاً کسی گوریا کو باز کے کھلانے کے لیے تو اس کام کے لیے ایک شخص ہوتا ہے جسے دژخیم کہتے ہیں جو میلر سے بھی کم درجہ کا ہوتا ہے، وہی اس کام کو کرتا ہے اور میلر ہندی زبان میں چوہڑا ہوتا ہے، لیکن آج کل ہندوستانیوں میں اسے حلال خور کہتے ہیں۔ بہرکیف گلشاہ سے پہلے کا گروہ جن پر یزدانیوں کا دارومدار ہے، ہرگز تندبار جانوروں کی حفاظت نہیں کرتے تھے کیونکہ ظالم کی حفاظت نہ کرنی چاہیے۔ لیکن گلشائیوں کے عہد میں باز وغیرہ کی پرورش تندبار جانوروں کو سزا دینے کے لیے کرتے تھے، مثلاً باز کو گوریا پر چھوڑ دیتے تھے جو اہرمن کا نشان ہے اور جب باز بوڑھا ہو جاتا تو اس کی بدکاری کی وجہ سے اس کا سر کاٹ ڈالتے اور مار ڈالتے تھے۔ پہلے طبقہ کے لوگ بغیر حفاظت کیے تندبار کو ہلاک کر دیتے تھے مگر اولیاء اور علماء کے گھروں میں یہ کشت وخون نہیں ہوتا تھا۔

اس گروہ یعنی سپاسیہ کے درمیان بہت سے ریاضت کیش اور پرہیزگار گزرے ہیں اور یہ لوگ ریاضت کی بیحد تعریف کرتے ہیں، مگر ریاضتِ اختیاری کی جس سے مراد سلوک و طریقت ہے نہ کہ اضطراری کی جو مصیبت ہوتی ہے۔ ایسی ریاضت ان کے نزدیک بدکاری کی سزا ہے۔ اس فرقہ کے نزدیک سلوک کی بہت سی شرطیں ہیں، مثلاً خدا کی تلاش، دانش مند کی صحبت، دُنیا والوں سے علیحدہ رہنا اور تنہا رہنا، پرہیزگاری، مہربانی، توکل اور صبر و تحمل، خوش رہنا اور تکلیف برداشت کرنا اور اس طرح اور بہت سی باتیں جیسا کہ موبد ہوشیار کی کتاب سرودستان میں مذکور ہے۔ موبد خدا جوئے نے حضرت آذر کیوان کی لکھی ہوئی ایک نظم کی شرح میں جس کا نام جام کیخسرو ہے، لکھا ہے کہ سالک کو چاہیے کہ خود کو کسی دانشمند حکیم کے سامنے پیش کرے تاکہ اخلاط میں سے جو خلط غالب اور زیادہ ہو اس کی اصلاح کرے۔ اس کے بعد جملہ ادیان و مذاہب کے عقائد، اصول و مراسم کو اپنے دل سے نکال دے اور صلحِ کل اختیار کرے اور کسی تنگ و تاریک مقام پر بیٹھے اور خوراک آہستہ آہستہ کم کر دے۔

حکیم الٰہی فرزانہ بہرام پسر فرہاد نے شارستان میں کم خوری کا اصول اس طرح بیان کیا ہے کہ سالک ہر روز اپنی عادی خوراک میں سے تین درہم وزن کم کرے یہاں تک کہ خوراک کم کر کے دس درہم تک لائے، اس وقت تنہا بیٹھ جائے اور مراقبہ میں مشغول ہو جائے۔ اور اس گروہ میں سے بہتوں نے ایک درہم تک خوراک کم کر دی ہے۔ ان کی ریاضت کا دارومدار پانچ چیزوں پر ہے۔ روزہ، خاموشی، بیداری، تنہائی اور یادِ الٰہی۔ ان کے اندر بہت سے اذکار ہیں۔ اور جو اس فرقہ کو بہت پسند ہے وہ ذکر مُک ژوپ کہلاتا ہے۔ مک آذریوں کی

زبان میں چار کو کہتے ہیں اور ژوپ کے معنی ضرب لگانا ہے اور اس ذکر کو چار سنگ اور چار کوب بھی کہتے ہیں۔ دوسرا ذکر سیا ژوپ ہے۔ سیا تین کو کہتے ہیں یعنی تین ضرب والا اور اسے سہ کوب بھی کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک نشستیں بھی بہت سی ہیں جن میں سے چوراسی پسندیدہ اور منتخب ہیں۔ اور ان میں سے بھی چودہ کو چن لیا ہے۔ پھر ان چودہ میں سے پانچ کو اور پانچ میں سے دو کو انتخاب کیا ہے۔ چند نشستوں کو موبد سروش نے اپنی کتاب زردشت افشار میں بیان کیا ہے کہ ایک نشست جسے ان لوگوں نے بہت پسند کیا ہے، یہ ہے کہ سالک چار زانو بیٹھے اور داہنا پیر بائیں ران پر اور بایاں پیر داہنی ران پر رکھے اور ہاتھوں کو پسِ پشت لے جائے۔ داہنے ہاتھ سے بائیں پیر کی نر انگلی اور بائیں ہاتھ سے داہنے پیر کی نر انگلی پکڑے اور آنکھوں کو ناک کے اوپر جمائے رکھے۔ اس نششت کو فرنشین کہتے ہیں اور ہندوستان کے جوگی لوگ اسے پدم آسن کہتے ہیں۔ پھر اگر وہ مک ژوپ ذکر کرتا ہے تو ہاتھوں سے پیر کی نر انگلیوں کو پکڑے رہے بلکہ اگر چاہے تو پیر کو زانو پر سے ہٹا لے اور عام انداز میں بیٹھے کیونکہ وہ بھی پسندیدہ اور کافی ہے۔ اس کے بعد آنکھ بند کر لے اور ہاتھوں کو رانوں پر رکھے اور بغلوں کو کشادہ رکھے، پیٹھ کو سیدھی کرے اور سر کو آگے جھکا لے اور لفظ ''نیست'' ناف کے اوپر سے پوری قوت سے نکال کر سر کو سیدھا کر لے اور ''ہستی'' کہتے ہوئے داہنے ہاتھ کی طرف سر سے اشارہ کرے اور ''مگر'' کہتے ہوئے سر کو اوپر اُٹھائے اور ''یزدان'' پڑھتے ہوئے سر کو بائیں سینہ کی طرف جو دل کی جگہ ہے جھکائے۔ اور الفاظ کے درمیان وقفہ نہ کرے بلکہ اگر ہو سکے تو ایک ہی سانس میں کئی ذکر ادا کرے اور دھیرے دھیرے ان کی تعداد بڑھائے۔ ذکر کے الفاظ یوں بیان کیے جاتے ہیں: ''نیست ہستی مگر یزدان'' یعنی سوائے اللہ کے کوئی موجود نہیں۔ یا ''نیست بایستی جز از بایست'' (نہیں ہے عبادت سوائے اس کے جو قابلِ عبادت ہے) یا ''پرستش سزائے امغی است بایستہ'' (پرستش اس ذاتِ حقیقی کے لیے سزاوار ہے جو لائق ہے) یا ''آنکہ بیچون و بیچگون و بیرنگ و بے نمون'' (وہ ذات جس کا نہ کوئی ہمسر ہے اور نہ مثل ہے اور بغیر رنگ اور نمائش کے ہے)۔ یہ ذکر بالجہر بھی جائز ہے لیکن پیشواؤں اور پرہیزگاروں نے ذکر خفی کو پسند کیا ہے کیونکہ جوش وخروش سے حواس پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ اور خلوت کی غرض و غایت حواس کو جمع رکھنا ہے۔ عین ذکر کے دوران سالک تین چیزوں کو حاضر سمجھے: اوّل اللہ تعالیٰ، دوم دل، سوم پیر و مرشد کی روح اور دلی کے اندر ذکر کے مفہوم پر غور کرے یعنی سوائے حق تعالیٰ کے کوئی موجود نہیں۔ اور اگر سانس روکنے میں مشغول ہو جسے دانش دم وسمراد کہتے ہیں یعنی علم دم ومراقبہ تو آنکھ بند نہ کرے بلکہ اسے کھولے ہوئے ناک کے اوپر جمائے رکھے جیسا کہ پہلی نشست کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ بھی سرد دمستان میں مذکور ہے یعنی اس کتاب میں اس کو تفصیل سے بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔

زردشت افشار میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ سالک ناک کے داہنے سوراخ کو بند کر کے خدا کا نام ایک سے سولہ تک شمار کرے اور شمار کرتے وقت سانس کو اوپر کھینچے۔ اس کے بعد دونوں سوراخ کو بند کر کے چونسٹھ بار خدا کا نام لے۔ بعد ازاں بائیس مرتبہ وہ نام دہراتے ہوئے داہنے سوراخ سے سانس باہر نکال دے

اور شمار کرتے وقت سانس کو اوپر کھینچتا رہے یہاں تک کہ چھ خوان سے سانس گزار کر ساتویں خوان تک پہنچا دے اور شدتِ تخیل سے یہ حال ہو جائے کہ سالک کو اپنی روح اور سانس فوارہ کے پانی کی طرح سر کی طرف اچھلتی ہوئی معلوم ہو۔ اور ہفت خوان سات درجوں کو کہتے ہیں، جن کی ترتیب یہ ہے: اوّل نشست گاہ، دوم کولھا، سوم ناف، چہارم دل صنوبری، پنجم حلق، ششم دونوں ابرو کی درمیانی جگہ، ہفتم سر کا بالائی حصہ۔ سر کے اندر سانس پہنچا دینا بزرگوں کا کام ہے۔ جو شخص اپنی روح اور سانس کو وہاں پہنچا دیتا ہے، وہ خدا کا خلیفہ ہو جاتا ہے۔ ایک اور طریقہ یہ ہے کہ سالک بیہودہ کاموں سے اپنا ہاتھ کھینچ لے۔ تنہائی میں بیٹھ جائے اور دل کا تعلق عالمِ بالا سے قائم کرے اور بغیر زبان ہلائے دل میں یزداں! یزداں! کہے یہ نام کسی زبان میں کہنا جائز ہے مثلاً عربی اور ہندی وغیرہ میں، دوسرا اصول استاد کا تصور ہے۔ سالک ایسا خیال کرے کہ وہ حاضر ہے اور کسی وقت بھی اس تصور سے علیحدہ نہ ہو، یہاں تک کہ یہ حالت ہو جائے کہ استاد کا جسم بھی اس کے دل کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو، اس کے بعد اپنے دل پر توجہ ڈالے۔ یا یوں کرے کہ ایک آئینہ اپنے سامنے رکھے اور خود اپنی شکل میں دیکھا کرے۔ یہاں تک کہ کثرتِ عشق سے وہ تصور کبھی اس کے دل سے جدا نہ ہو، بعد ازاں اپنے دل پر توجہ ڈالے۔ یا یہ کہ دل پر توجہ ڈال کر بیٹھ جائے اور یہ تصور کرے کہ اس کا دل مسلسل جنبش کر رہا ہے۔ ان تمام حالات میں خطرات کو دور کرنے کے لیے حبسِ نفس مفید ہے اور بغیر حبسِ نفس کے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

دوسرا اصول وہ ہے جسے آزاد آدا کہتے ہیں۔ ہندی زبان میں اناہد اور عربی میں صوتِ مطلق کہتے ہیں۔ اور یہ جو بات اسلام کے بعض پیروؤں نے کہی ہے کہ تواریخ میں منقول ہے کہ حضرت پیغمبر عربی (علیہ السلام) پر وحی، صوتِ مطلق) گھنٹے کی آواز کی طرح نازل ہوتی تھی[1]، اس سے اشارہ اسی صوتِ مطلق کی طرف ہے، خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

کس ندانست کہ منزلگہِ معشوق کجاست   ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

(کوئی نہیں جانتا کہ معشوق کی قیام گاہ کہاں ہے؟ صرف اتنا معلوم ہے کہ گھنٹے کی آواز آ رہی ہے۔)

اس آواز کے سننے کا طریقہ یہ ہے کہ کان اور ہوش کو دماغ پر مرکوز کرے اور تاریک راتوں میں گھر کے اندر یا صحرا میں یہ آواز سنے اور اسی کو ذکر سمجھتے ہیں۔ عزیزی کہتا ہے:

من آں شوخ طناز را می شناسم   من آں مایۂ ناز را می شناسم
بگوشِ من آمد شب آواز پائے   تو بودی من آواز را می شناسم

(میں اس ناز کرنے والے شوخ کو پہچانتا ہوں، میں اس مایہ ناز کو پہچانتا ہوں۔ رات میرے کان میں قدموں کی چاپ آئی، وہ تُو ہی تھا، میں آواز کو پہچانتا ہوں۔)

بعد ازاں سالک آنکھ کھول کر دونوں ابروؤں کے درمیان دیکھے، ایک شکل نظر آئے گی۔ مسلک

---

[1] صحیح بخاری میں وحی سے متعلق ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے، جس میں آپ نے فرمایا "احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس" (ایڈیٹر)

تصوف اسلام کے بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ 'قاب قوسین' (سورۃ النجم : ۹) (دو کمانوں) سے اشارہ اسی جلوہ کی طرف ہے۔ الغرض اگر چاہیں تھوڑی دیر کے لیے آنکھ بند کر کے اس شکل کا تصور کر لیں جو دونوں ابروؤں کے درمیان دیکھنے سے ظاہر ہوتی ہے، اس کے بعد دل کی طرف متوجہ ہوں یا بغیر تصور کے دل کی طرف توجہ ڈالنا اختیار کریں۔ آنکھ اور کان کو بند کر لیں اور خود کو ہمہ تن دل کے حوالہ کر دیں اور خارجی اشیا کو چھوڑ کر باطن کی طرف لگ جائیں۔ جو شخص اس طرح دیکھے گا، وہ بہت کچھ حاصل کر لے گا:

غمہائے دوست بر درِ دِل حلقہ می زند　　شاؔئی بگو کہ خانۂ دل رُفت و رو کند

(محبوب کے غم دل کے دروازے پر حلقہ ڈالے پڑے ہیں، شائی کہہ دو کہ عاشق دل کے گھر کو پاک صاف کرے)

بالآخر سالک، بے چون و بے چگونہ و بے رنگ و بے نمونہ کو جو فارسی زبان میں ''ایزد'' سے اور عربی میں اللہ کے اسم مبارک اور ہندی میں پاربرہم نرنجن سے مفہوم و معروف ہے۔ بلاشبہ عربی، فارسی، ہندی یا دوسری زبان کی عبارت کا مشاہدہ کرتا ہے اور دل کو اس کے سامنے حاضر رکھتا ہے، یہاں تک کہ توہمات کے سائے سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور خدا سے مل جاتا ہے۔ مولانا جامی فرماتے ہیں:

تُو جزوی و او کُل است گر روزے چند　　اندیشۂ کُل پیشہ کُنی کُل باشی

(تُو جزو ہے اور وہ کُل، اگر تُو چند روز کُل کا تصور پیشِ نظر رکھے گا تو خود کُل ہو جائے گا۔)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اصل سے مل جانا جسے صوفیہ نے فنا اور بقا کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، اس کا مطلب ایران کے فلاسفۂ اشراقیین کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ ممکن واجب سے مل جاتا ہے یا یہ کہ ممکن معدوم ہو جاتا ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب واجب کا آفتاب روشن ہوتا ہے تو سارے ممکنات ستاروں کی طرح روشنی کی وجہ سے نظر سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں اور جب سالک کو اس درجے پر پہنچنے کا اتفاق پڑتا ہے، تو وہ زیادہ سمجھ جاتا ہے کہ آفتاب کی روشنی کی شدت میں ممکنات پوشیدہ ہو گئے ہیں، ورنہ حیرت زدہ صوفیہ کی طرح وہ سب معدوم سمجھنے لگتا ہے۔ ایسے صوفیہ جو مذکورہ بالا فرق کو سمجھتے ہوں، ان کی تعداد بہت ہی کم ہے اور بہتوں کا حال معلوم نہیں ہوا۔ جس قدر انوار سالک کے سامنے روشن ہو جاتے ہیں، ان کو شمار کرنے کی گنجائش اس کتاب میں نہیں ہے، البتہ حضرت آذر کیوان نے ان کو بڑی تفصیل سے جام کیخسرو میں بیان کیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ دیدار کی چار حالتیں ہیں، اوّل نونیاز یعنی جو کچھ دیکھے وہ خواب کی حالت میں ہو۔ اور خواب ہے کہ معدہ کے اندر جو غذا موجود ہو، اس سے لطیف بخارات دماغ میں چڑھ کر سستی کے وقت حواسِ ظاہری کو معطل کر دیں۔ اس وقت جو کچھ دیکھا جاتا ہے، اسے فارسی میں تین آب کہتے ہیں۔ عربی میں رؤیا اور ہندی میں سَپنا۔ اس سے بلند درجہ سوشپھہ ہے جو عربی میں غیب کہلاتا ہے اور ہندوؤں کی اِصطلاح میں سوکھوپت یا سمادھ۔ وہ ایسا ہے کہ عالمِ علوی سے کوئی فیضِ الٰہی حاصل ہوتا ہے اور اس فیض کی لذت حواسِ ظاہری کو معطل کرتی ہے۔ اس حالت میں جو دکھائی دیتا ہے، اسے بیناب کہتے ہیں یعنی مکاشفہ۔ وہ حالتِ ہوشیاری جسے عربی

میں صحو سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ہندی میں جاگرت اور پرتیکہ سے وہی مراد ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ فیضِ خداوندی فائض ہوکر سالک کو بغیر حواس معطّل کیے کچھ وقت کے لیے عالمِ حقیقت میں لے جائے۔ اس حالت میں جو کچھ دیکھا جاتا ہے اسے ''بین آب'' کہتے ہیں یعنی معاینہ۔ اس سے بلند درجہ کی وہ حالت ہے جس میں روح بدن کو چھوڑ دیتی ہے جسے فارسی زبان میں نیوہ چمینہ اور عربی میں ملکۂ خلع بدن اور ہندی میں پریور پروش اور پرچتر گیان کہتے ہیں۔ بعض روحوں کے لیے جسم پوشاک کی طرح ہو جاتا ہے، چنانچہ جس وقت روح چاہتی ہے، بدن سے جدا ہوکر عالمِ نور میں پہنچ جاتی ہے اور پھر واپس لوٹ کر عنصری بدن سے مل جاتی ہے۔ صحو اور خلع کے درمیان یہ فرق ہے کہ صحو سے مراد وہ توجہ ہے جو فیضِ الٰہی کے فائض ہونے سے حاصل ہوتی ہے، یہاں تک کہ بغیر تعطلِ حواس کے سالک کچھ وقت کے لیے عالمِ حقیقت میں پہنچ جاتا ہے اور خلع یہ ہے کہ اپنی مرضی سے جس وقت چاہے بدن کو چھوڑ دے اور جب چاہے پھر بدن میں واپس لوٹ آئے۔ مولانائے روم فرماتے ہیں:

تن تن زنید یاراں کز تن تنے جدا شد　　از صد ہزار تنہا یک تن تنِ خدا شد

(دوستو! نعرہ لگاؤ کہ ایک شخص جسم سے آزاد ہوگیا۔ سیکڑوں ہزار جسموں میں سے ایک شخص خدا کا جسم بن گیا، یعنی خدا سے متحد ہوگیا۔)

اس گروہ کے نزدیک عالم سات ہیں۔ اوّل ہستی مطلق اور وجود محض جس کو ارنگ کہتے ہیں، یعنی لاہوت، دوم عالم عقول جسے یہ لوگ بیرنگ کہتے ہیں، یعنی جبروت۔ سوم عالم نفوس جسے الرنگ کہتے ہیں یعنی ملکوت، چہارم اجسام علوی کا عالم جسے نیرنگ کہتے ہیں۔ پنجم عناصر کا عالم جو رنگ کہلاتا ہے۔ ششم عناصر اربعہ کے مرکبات کا عالم جسے رنگا رنگ کہتے ہیں۔ لیکن صوفیہ کے نزدیک جملہ عالم اجسام خواہ علوی ہوں یا سفلی ملک کہلاتے ہیں۔ ہفتم سارنگ اور وہ عالم انسانیت ہے یعنی ناسوت۔ اور بعض فارسی رسالوں میں ان ساتوں عالم کو ہفت کشور امیغی کہا ہے اور امیغی حقیقی کو کہتے ہیں۔ اب اگر مصنف اس فرقہ کے سارے عقائد و مراسم کو لکھے تو اس کی تفصیل کے لیے کئی جلدوں کی ضرورت پڑے، لہٰذا اسی قدر پر اکتفا کیا گیا۔ اس کے بعد اس گروہ کی چند متاخرین برگزیدہ ہستیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۲۔ سپاسی فرقہ کے بیان میں

متاخرین آبادیان اور ہوشنگیان کا امام آذر کیوان تھا جس کا نسب نامہ یوں ہے: آذر کیوان بن آذر گشسپ بن آذر زردشت بن آذر برزین بن آذر خورین بن آذر آئین بن آذر بہرام بن آذر نوش بن آذر مہتر بن کہتر آذر ساسان، جس کو ساسان پنجم کہتے ہیں، بن مہتر آذر ساسان جو ساسان چہارم کہلاتا ہے، بن کہین آذر ساسان جو آذر ساسان سوم کے نام سے مشہور ہے، بن مہین آذر ساسان جو آذر ساسان دوم کہلاتا ہے، بن سترگ آذر ساسان جسے آذر ساسان اوّل کہتے ہیں، بن کُرد داراب بن بزرگ داراب بن بہمن بن اسفندیار بن گشتاسپ بن لہراسپ بن اروند بن کے نشین بن کے قباد بن زاب بن نوذر بن منوچہر بن ایرج جو

فریدون کی نسل سے تھا، بن آبتین جو جمشید کی نسل سے تھا، بن طہمورث بن ہوشنگ بن سیامک بن کیومرث، بن یاسان آجام جو یاسان کی نسل سے تھا، بن شائے مہبول جو شائے گلیو کی نسل سے تھا، بن جی آلاد از نسل جی افرام بن آباد آزاد از نسل مہ آباد جو دورِ اعظم کے آغاز میں ظاہر ہوا تھا۔

آذر کیوان کی ماں کا نام شیریں تھا، وہ بیٹی تھی ہمایوں نام ایک شخص کی جو بادشاہ عادل نوشیرواں کی نسل سے تھا۔ تائید ازلی اور قوتِ الٰہی کی مدد سے آذر کیوان نے پانچ سال کی عمر سے کم خوری اور شب بیداری کی عادت ڈال لی تھی۔ سلیم کہتا ہے:

جوہرِ اصلی ندارد احتیاجِ تربیت صورتِ آئینہ را نقاش کے پرداز کرد

(اصلی جوہر کو کسی تربیت کی حاجت نہیں، بھلا کوئی نقاش آئینہ کی شکل کب بنا سکتا ہے۔)

سخت ریاضت کے دوران اس کی غذا کم ہو کر ایک درہم وزن تک پہنچ گئی تھی۔ حکیم الٰہی سنائی فرماتے ہیں:

گر خوری بیش، فیل باشی تو کم خوری، جبرئیل باشی تو

آں کہ بسیار خوار باشد او دان کہ بسیار خوار باشد او

(اگر تم زیادہ کھاؤ گے تو ہاتھی بن جاؤ گے اور اگر کم کھاؤ گے تو فرشتہ جبرئیل بن جاؤ گے، وہ شخص جو بہت زیادہ کھانے والا ہے، جان لو کہ وہ بہت ہی ذلیل وخوار ہو جاتا ہے۔)

آذر کیوان اٹھائیس برس تک خم میں رہا اور آخری دنوں میں ایران سے روانہ ہو کر سرزمین ہند میں وارد ہوا اور کچھ عرصہ تک شہر پٹنہ میں سکونت پذیر رہا اور اسی شہر میں ۱۰۲۷ھ مطابق ۱۶۱۸ء میں اس عناصر کی دنیا سے عالم علوی کی طرف منتقل ہو گیا۔ عزیزی نے فرمایا ہے:

ہر کرا مغزیست سدِّ وصل داند پوست را زندگی مرگ است درویشانِ معنی دوست را

(وہ جو عقل مند ہے اس فانی گوشت پوست کو وصلِ دوست کے لیے رکاوٹ سمجھتا ہے۔ حقیقت پسند درویشوں کے لیے یہ زندگی موت ہے۔)

اس نے پچاسی سال مادی جسم کے ساتھ زندگی گزاری اور اس مدتِ حیات میں بھی ریاضت سے باز نہیں آیا۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

دلا زنورِ ریاضت گر آگہی یابی چو شمع خندہ زناں ترک سر توانی کرد

ولی تو طالب معشوق و جام مے خواہی طمع مدار کہ کارِ دگر توانی کرد

(اے دل اگر تو ریاضت کے نور سے آگاہ ہو جائے تو شمع کی طرح ہنستے ہوئے اپنا سر قربان کر سکتا ہے۔ اور اگر تو معشوق کا طلب گار ہے اور جامِ شراب کی خواہش رکھتا ہے تو یہ اُمید نہ رکھ کہ تو کوئی اور بہتر کام کر سکتا ہے۔)

فرزانہ بہرام نے شارستان میں لکھا ہے کہ آذر کیوان نے آغازِ سلوک میں ارادہ کیا کہ علماء کے علوم و

عقائد حاصل کرے چنانچہ یونان، ہندوستان اور ایران کے بڑے بڑے فلاسفہ خواب میں اس کے سامنے ظاہر ہوئے اور فلسفہ و حکمت کے جملہ اقسام اس کو سکھلا دیئے۔ ایک دن آذر کیوان مدرسہ گیا وہاں سے لوگوں نے اس سے جو کچھ سوال کیا سب کا جواب دیا اور مشکل مسائل کے حل پیش کیے۔ لہٰذا اس کو ذوالعلوم کہتے ہیں۔ علی ثانی میر سیّد علی ہمدانی کہتے ہیں:

زمنزلاتِ ہوس گر برون نہی گامے — نزول در حرمِ کبریا توانی کرد
وگر بہ آبِ ریاضت بر آوری غُسلے — ہمہ کدورتِ دل را صفا توانی کرد
ولیک این روشِ رہروانِ چالاک است — تُو نازنینِ جہانی، کجا توانی کرد

(حرص و ہوس کی اس منزل سے اگر تو ایک قدم بھی آگے بڑھائے تو خدا کے حریم پاک میں اُتر سکتا ہے۔ اور اگر ریاضت کے پانی سے تو ایک بار بھی غسل کر لے تو دل کے اندر کی ساری آلائش کو صاف کر سکتا ہے، لیکن یہ ہوشیار سالکین کا طریقہ ہے۔ تُو دنیا کا معشوق ہے، تجھ سے یہ بھلا کہاں ہو سکتا ہے؟)

سیّد حسن شیرازی سے جو عارف اور زینتِ علم و عمل کے لقب سے مشہور تھے، روایت ہے کہ ایک روز دو صوفی آذر کیوان کے پاس آئے اور ذوالعلوم پر اعتراض کیا، ان کی مخالفت کرنا شروع کر دی۔ وہ دونوں اس کو کامل نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا پیرومرشد ایک عالم باعمل تھا جو ظاہری سیادت کے ساتھ ساتھ رسولِ خدا کے ساتھ حقیقی نسبت بھی رکھتا تھا۔ اس پر ایک رات بیخودی کی کیفیت طاری ہوئی اور اس بیخودی کے عالم میں پیغمبرؐ خدا کا نورانی جمال دیکھا کہ آپؐ اس سے فرما رہے ہیں کہ اے فرزند! اپنے مریدوں سے کہو کہ آذر کیوان حکیم حقیقی اور قادر مرید کی تائید و نصرت سے ایک مردِ کامل ہے اور قلب کے ساتوں اطوار اور انواع و اقسام کے غیبی انوار، مشاہدات، معاینات اور خدا کے افعال و صفات کے جلوؤں کے ساتھ سے ولایت کے درجہ کو پہنچا ہوا ہے، اس کی ذاتِ فانی لاہوتِ باقی سے نازل ہو کر عالمِ جبروت میں ہے۔ مظہرِ خداوندی کی صفت سے موصوف اور وہ مشاہدہ کر کے، نہ یہ کہ روایت کی روشنی پر قناعت کر کے، بطورِ کلی حقائق اشیاء سے آگاہ و باخبر ہے۔ سالکین کے درمیان (بھی) وہ جملہ معاملات و ریاضت میں ایک مرشد کامل ہے۔ بہ لحاظ عبادت، عزلت، خلوت، صحبت اور تمام ان باتوں کے جوان کے لائق و مناسب ہیں، وہ حکیمِ صادق اور طبیب عالم ہے۔ طریقت سالکین کی تربیت، واقعات کی تشریح و تعبیر، ذکر کی تلقین اور طالبین کی ہدایت کے آداب سے آگاہ ہے۔ نفوس کو پاکیزہ بنانے میں کوشاں، قلوبِ انسانی کو صاف کرنے میں معاون، شریعت کا مجتہد، طریقت کا مجاہد اور علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے ذریعہ حقیقت تک واصل۔ اس کے اصول و فروع میں یقین رکھنے والا اور تائید خداوندی سے بہرہ ور ہے۔ لہٰذا تیرے مرید اس کو برا نہ کہیں، اس کو بزرگ سمجھیں اور اس کی خدمت کو غنیمت شمار کریں۔ اور تو بھی اس کے پاس جا اور اس کی دلجوئی کے مراسم بجا لا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ پیرومرشد نے کئی بار عالم بیخودی میں مذکورہ بالا تعریف کو دُہرایا، چنانچہ میں نے ان مذکورہ باتوں کو لکھ لیا۔ جب وہ صاحب حال خواب بیخودی سے بیدار ہوا تو مجھ کو بلایا اور پوچھا کہ اس شہر میں آذر کیوان کون شخص ہے، جس کی رسولِ خداؐ نے بیحد تعریف کی ہے

اور مجھے اس کے پاس جانے کا حکم دیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ وہ اصطخر کی طرف سے ان دنوں یہاں آیا ہے۔ کہا کہ مجھے اس کے پاس لے چل۔ میں اس کو ساتھ لے کر چلا لیکن میں اس کے مکان سے ناواقف تھا۔ جب تھوڑی دور ہم چلے تو کیوان کے مریدوں میں سے ایک شخص فرہاد نامی آیا اور ہم سے کہا کہ خداوند یعنی کیوان نے تم دونوں کو بلایا ہے اور مجھے بھیجا ہے، تاکہ رہنمائی کروں۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو پیرومرشد نے دل میں طے کیا تھا کہ اس سے پہلے سلام کرے گا۔ لیکن وہ سبقت نہ کر سکا اور آذر کیوان نے فوراً فارسی میں سلام کیا اور پھر عربی میں باتیں شروع کیں۔ ہم لوگ حیران رہ گئے اور پیرومرشد نے خواب کی جو باتیں مجھ سے کہی تھیں، ان کو دُہرایا۔ اس کے بعد آذر کیوان نے کہا کہ اس راز سے پردہ نہ ہٹانا۔ جب ہم وہاں سے واپس آئے تو پیرومرشد نے اپنے دونوں ناقص مریدوں کو بلایا اور کیوان کے کمال سے آگاہ کیا اور اس کو برا بھلا کہنے سے منع کیا۔ سعدی کہتے ہیں:

ہر بیشہ گمان مبر کہ خالی ست شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

(ہر جنگل کو یہ نہ خیال کرو کہ خالی ہے، ممکن ہے، اس میں چیتا سویا ہوا ہو۔)

یہ تھا سیّد حسن شیرازی کا بیان۔

آذر کیوان دنیا داروں سے بہت کم ملتا تھا اور ظاہر پرستوں سے پرہیز کرتا تھا۔ اور شاگردوں اور طالبینِ حق کے سوا کسی کو حاضری کا موقع نہیں دیتا تھا اور خود کو ظاہر نہیں کرتا تھا۔ شیخ بہاء الدین محمد علی نے کہا ہے:

گر نباشد دور باش از پیش و پس دور باش نفرت خلق از تو بس

(اگر حفاظت کے لیے تیرے آگے اور پیچھے پاسبان نہیں ہے تو مخلوق سے تیری نفرت پاسبانی کے لیے کافی ہے۔)

فرزانہ بہرام نے شارستان میں یہ بھی لکھا ہے کہ کیوان کہتا تھا کہ میری روح کا تعلق عنصری جسم سے ایسا ہے، جیسے بدن کا تعلق پوشاک سے۔ چنانچہ جب میں چاہتا ہوں، اس جسم سے جدا ہو جاتا ہوں اور جب چاہتا ہوں، اس سے تعلق جوڑ لیتا ہوں۔ جام کیخسرو کے متعلق جہاں اس نے اپنے بعض مشاہدات و معاینات کو بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے:

چو ز ابدانہا بر گذشتم روان رسیدم سوئے پاک فرّخ روان

(جب میں مادی اجسام سے تیزی میں گزرا تو ایک پاک اور مبارک روح کے پاس پہنچا۔)

روانہا بدیدم بہ چشمِ روان روان بُد میانِ روانہا روان

(میں نے روح کی نظر سے روحوں کو دیکھا اور میری روح دوسری روحوں کے درمیان جارہی تھی)

بہر چرخ و استارہ دیدم روان جداگانہ با ہر یکے شان روان

(ہر فلک اور ستارہ کے اندر میں نے ایک روح دیکھی اور وہ روحیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔)

چنیں مر سہ فرزند دیدم روان   کہ بُودند بر یکدگر شان روان

(اسی طرح فطرت کے تینوں فرزند کے اندر میں نے روحوں کو دیکھا جو ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔)

بدانستم از بُودنیہا ہمہ   شدم باسروشِ بزرگ رمہ

(میں ان سب کے وجود سے آگاہ ہو گیا اور میں بزرگ سروش رمہ کے ساتھ ہو گیا۔)

درو چوں بسے برتری یافتم   فروغے ز یزدان ہمی تافتم

(لیکن جب میں بہت زیادہ بلندی پر پہنچا تو خدا کی روشنی نے مجھ کو روشنی عطا کی۔)

چو بفزود پرتو برفت ایں منی   سروشی نپائید و آہرمنی

(جب روشنی بڑھی تو میری یہ شخصیت ختم ہو گئی بلکہ نیکی (فطرتِ فرشتہ) اور بدی (فطرتِ شیطان) بھی رخصت ہو گئی۔)

خدا بود از من نشانی نبود   فراموش و یاد روانی نبود

(وہاں صرف خدا موجود تھا اور میرا کوئی نشان باقی نہ تھا۔ میں خود کو بھول گیا اور روح کی یاد بھی باقی نہ رہی۔)

ہمہ را ز خود سایہ می یافتم   بہوش سروشاں ہمی تافتم

(میں نے ساری چیزوں کو اپنا سایہ پایا اور فرشتوں کی عقل کی طرف میں لوٹ گیا۔)

ز ہوشان ہمی تافتم بر روان   چنیں تا بہ اندامہا نیز خوان

(ان فرشتوں کی عقل سے میں پھر روح کی طرف واپس آیا۔ اسی طرح آخر کار مادی جسموں تک تو سمجھ لے۔)

توانا و دانا و والا بُدم   چنیں تا ازاں پایہ زیر آمدم

(اسی طرح میں طاقتور، دانشور اور برتر ہو گیا تھا، یہاں تک کہ اس بلند مرتبہ سے نیچے آ گیا۔)

بداں رہ کہ رفتم، شدم سُوے تن   بصد ایزدی، فرّہ زان انجمن

(جس راستہ سے میں گیا تھا، اسی راہ سے سیکڑوں شانِ خداوندی کے ساتھ اس محفل سے جسم کی طرف واپس آ گیا۔)

خداوند را پایہ زاں برتر است   کہ آمیزشِ بندہ را در خور است

(خداوند کا مرتبہ اس سے کہیں زیادہ بلند ہے کہ وہ کسی بندہ سے آمیزش کے لائق ہو۔)

بہ شیدش خرد چوں زمین و خور است   ز آمیزشِ بندگان برتر است

(اپنی اعلیٰ عقل کی وجہ سے وہ زمین اور سورج کی طرح روشن ہے اور بندوں کی آمیزش سے بالاتر و برتر ہے۔)

رواں گر فروغے پذیرفت ازو   زخود رفت و بے ہُش منم گفت زد

(جو روح اس سے روشنی حاصل کرتی ہے، وہ بیخود ہو جاتی ہے اور کہتی ہے کہ میں بے ہوش و حواس ہوں۔)

ز دریائے ہستیش گیتی نمی نم نم بگو چیست بودش ہمی

(دنیا اس کے دریائے وجود کا ایک قطرہ ہے۔ ذرا بتا یہ شبنم کی نمی کیا ہے؟ بس اسی کی ہستی ہے۔)

نمِ نم نہ ای از نماں ہم نمی ندانم چہ گویم کزاں ہم کمی

(تو نازل ہونے والی شبنم نہیں ہے بلکہ بوندوں میں سے ایک بوند ہے، میں نہیں جانتا کہ کیا کہوں تو اس سے بھی کم ہے۔)

زمہر او نوازش کند بندہ را کہ برداشتن شاید افگندہ را

(محبت کی وجہ سے وہ بندے پر مہربانی کرتا ہے، کیونکہ گرے پڑے کو اُٹھانا اسی کو سزاوار ہے۔)

گدا را توانگر کند مہر اُو جہاں پرتوے از خورِ چہر اُو

(اس کی محبت فقیر کو غنی بنا دیتی ہے اور یہ دنیا اس کے چہرے کے آفتاب کا ایک عکس ہے۔)

مرا رایگاں گفت و کردار داد فرِ ایزدی را بمن در نہاد

(مجھ کو بلا معاوضہ گفتار و کردار عطا کیا اور میری ذات میں شانِ خداوندی پیدا کی۔)

مر اُو را جز اُو کس نیارد ستود کہ او در نیاید بہ گفت و شنود

(سوائے خود اس کے کوئی دوسرا اس کی حمد و ثنا بیان نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے نہ کوئی بات کر سکتا ہے اور نہ اس کی بات کوئی سُن سکتا ہے۔)

کیوان عمدہ تحقیقات اور باریک تدقیقات میں ماہر تھا۔ فقہائے اسلام میں سے ایک شخص نے اس سے سوال کیا کہ تُو اپنے پیرووں کو گوشت کھانے، جانور کو ہلاک کرنے اور جاندار کو تکلیف دینے سے کیوں روکتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ طالبین خدا کو اہلِ دل کہتے ہیں اور دل کو کعبۂ حقیقی۔ پس جو چیز پانی اور مٹی کے بنے ہوئے کعبہ کے احرام باندھنے والے پر حرام ہے وہ کعبۂ حقیقی کے احرام باندھنے والے کے لیے بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگی، یعنی گوشت کھانا اور جانور ذبح کرنا۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک بکری نے، جس وقت قصاب چھری سے اس کی گردن کاٹ رہا تھا، اس سے کہا کہ جو کچھ خس و خاشاک میں نے کھایا ہے، اس کی سزا میں نے دیکھ لی۔ لیکن جو شخص میرے چربی دار پہلو کو کھا رہا ہے، وہ کیا کچھ نہ دیکھے گا۔ کیوان نے فرمایا کہ اگر تم چاہو کہ اپنے اصول کو ہر جگہ پوشیدہ رکھو تو اسے اپنے ہم مذہب لوگوں سے بھی چھپاؤ، اس لیے کہ یہ لوگ اپنے طریق کی استواری کے لیے تم کو عیاں کر دیں گے۔ عزیزی نے کہا ہے:

رازِ خود بایارِ خود تا آنکہ بتوانی مگو یار را یارے بود از یارِ یار اندیشہ کن

(جہاں تک ہو سکے اپنا راز اپنے دوست سے بھی نہ کہو کیونکہ اس دوست کا کوئی دوست ہو گا اور دوست کے دوست سے ہوشیار رہو۔)

ایک شخص نے اس سے سوال کیا کہ اس مادی اختلافی دنیا میں کون سا عقیدہ مانوں اور کس گروہ کی بات کو صحیح سمجھوں؟ آذر کیوان نے جواب دیا کہ بس اِسی عقیدے پر قائم رہ کہ اب تک خدا نے جو کچھ مناسب سمجھا وہ کیا اور اس کے بعد جو کچھ پسند فرمائے گا، وہ کرے گا۔ عُرفی شیرازی کہتا ہے:

ذاتِ تُو قادر است بہ ایجاد ہر محال الا بہ آفریدنِ چُوں خود یگانۂ

(تیری ذات ہر ناممکن شے کو پیدا کرنے پر قادر ہے، سوائے اپنی طرح کی ذات پیدا کرنے کے)

ایک عارف نے کہا کہ فانی اشیاء کی معرفت حقیقی معرفت نہیں ہے، البتہ اس کے مشابہ ہے، جس طرح سراب پانی کے مشابہ ہے۔ لیکن اس کے طلب گار کو سوائے تشنگی کے کچھ حاصل نہیں۔ شاہ سبحان کہتے ہیں:

مردان مے معرفت بہ اقبال کشند نے چوں جہلا ز رُوئے اشکال کشند

علمے کہ بہ درس و فہم معلوم شود آبے ست کہ از چاہ بغربال کشند

(اہل اللہ خندہ پیشانی کے ساتھ شرابِ معرفت پیتے ہیں اور جاہلوں کی طرح دشواری اور مشکل نہیں پیتے۔ جو علم مدرسہ میں پڑھنے اور دماغی کوشش سے حاصل ہوتا ہے، وہ اس پانی کی طرح ہے جسے کنویں سے چھلنی کے ذریعہ نکالتے ہیں۔)

لوگوں نے سوال کیا کہ باوجود یکہ حضرت صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ اور عثمانؓ ذوالنورین نے اسلام کے دینِ مبین کی راہ میں اور اس کی تعلیمات کو پھیلانے میں نمایاں کوششیں کیں پھر بھی ایک طبقہ ان حضرات کا دشمن ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تحقیق پسند لوگوں کے برعکس عوام زمان و مکان میں گرفتار ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ شیعہ مذہب کو ایرانی لوگ پسند کرتے ہیں چونکہ اُن حضرات نے ان کے آتشکدوں کو منہدم کر دیا تھا اور ان کے پرانے مذہب کو ختم کر دیا تھا، لہٰذا بغض و حسد ان کے دلوں میں باقی رہ گیا ہے۔

علی مرتضٰی کرم اللہ وجہٗ کو شیخین اور ذوالنورین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے افضل سمجھنے کے بارے میں دو عالموں کے درمیان مناظرہ ہو گیا۔ لوگ ان کو کیوان کے پاس لے گئے، اس نے کہا کہ:

ہر چار چار حدِ بنائے پیمبری ہر چار چار عنصرِ ارواحِ انبیاء

(چاروں خلیفہ پیغمبری کی عمارت کی چوحدی ہیں اور چاروں انبیاء کی روحوں کے عناصر اربعہ ہیں۔)

ان دو معزز جماعتوں کے درمیان فرق کرنا دشوار ہے کیونکہ دو حضرات دینِ عرب کے بانی کے خسر ہونے کی بنا پر فوقیت کے لائق ہیں اور دو حضرات پیغمبرِ عربی کے داماد ہونے کی وجہ سے صاحب شان و شکوہ ہیں۔ لیکن چونکہ ساری چیزیں حق تعالیٰ کا مظہر ہیں اور حضرت علی شیرِ خدا مسلمانوں کے لیے مظہرِ خداوندی کا کامل نمونہ ہیں، اس لیے گمراہی اور جہالت نے ایک گروہ کو آمادہ کیا کہ وہ ان کو خدا سمجھ کر پرستش کرنے لگے، حالانکہ آنجناب اس بات کا انکار کرتے رہے۔ اسی طرح صدیقِ اکبر، فاروقِ اعظم اور عثمانِ ذوالنورین کی خلافت اور امامت کے بارے میں ایک گروہ کو گمراہی نے یہاں تک پہنچایا کہ وہ ان حضرات کا منکر ہو گیا، حالانکہ وہ ہادیان صادق اپنے مراتب کے دعویدار رہے۔

اسی قسم کا جواب یہودی، عیسائی اور مسلمانوں کے مناظرہ کے موقع پر دیا گیا جو اپنے اپنے پیغمبر کی افضلیت کے بارے میں بحث کر رہے تھے، اس لیے کہ بعض لوگ حضرت عیسیٰؑ کو خدا، اور بعض خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ ایک روز ایک عیسائی اور مسلمان آپس میں بحث و مباحثہ کر رہے تھے۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی موت کا قائل تھا اور مسلمان ان کو زندہ مانتا تھا۔ آذر کیوان نے کہا کہ اگر کسی شخص کو وہ سمت معلوم نہ ہو جدھر وہ جانا چاہتا ہے اور راستہ میں ایک سوئے ہوئے مردہ اور بیٹھے ہوئے زندہ کے پاس سے گزرے تو وہ کس سے راستہ دریافت کرے گا؟ دونوں نے جواب دیا زندہ سے۔ اس کے بعد مسلمان سے کہا کہ تو عیسیٰ کا مذہب اختیار کر کیونکہ وہ تیرے خیال میں زندہ ہیں اور خود تیرے پیغمبر وفات پا چکے ہے۔ بعد میں کہا کہ زندگی سے مراد نفسِ ناطقہ کی زندگی ہے۔ اس طرح حضرت محمدؐ حضرتِ عیسیٰ کے برابر ہیں۔ اپنے پیغمبروں کو زندہ جاوید سمجھو۔ عناصر سے مرکب جسم و زندگی نہیں، کیونکہ یہ زندگی ایک سو بیس برس کی عمر طبعی سے زیادہ، ساتھ نہیں دے سکتی۔ عزیزی نے کہا ہے:

با مرغِ ہوا مرغ سرا گر بہ پرد بیش از سرِ دیوار نخواہد بودن

(اگر گھر کا مرغ مرغانِ ہوا کے ساتھ اُڑنا چاہے تو وہ دیوار کے سرے سے آگے نہیں پہنچ سکتا۔)

ایک زاہد ذوالعلوم کے پاس آیا اور مسلمان ریاضت کرنے والوں کی مخالفتِ نفس کی تعریف کرنے لگا، وہ متردد تھا کہ مخالفت نفس کی کوئی حد نہیں، اس نے کہا کہ ریاضت کی بدولت کافر یقیناً آخر کار مسلمان ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک ریاضت کرنے والا کافر خوارق عادات سے متصف تھا۔ کسی شیخ نے اس سے پوچھا کہ تو اس درجہ پر کس طرح پہنچا؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے نفس کی مخالفت کرنے کی وجہ سے۔ شیخ نے کہا کہ اب دینِ اسلام کی طرف مائل ہو جا کیونکہ تیرا نفس کفر پسند ہے۔ یہ بات سن کر کافر مسلمان ہو گیا۔ کیوان نے کہا کہ شیخ کو چاہیے کہ کافر ہو جائے کیونکہ اس کا نفس اسلام پسند تھا۔ عرفی کہتا ہے:

کفر و دین را بہ برا زیاد کہ ایں فتنہ گراں در بد آموزیِ ما مصلحت اندیشِ ہم اند

(کفر اور دینِ اسلام دونوں کو یاد سے بھلا دے کیونکہ یہ دونوں فتنہ گر ہم کو غلط تعلیم دینے میں ایک دوسرے سے مصالحت کیے ہوئے ہیں۔)

ایک شیخ ذوالعلوم کے پاس آیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ درویشی اختیار کروں اور دنیا کے قید و بند کو توڑ دوں۔ کچھ دنوں کے بعد کیوان کے پاس آیا اور کہا کہ میں خرقہ، کلاہ، کشکول اور ضروری سامان کی فراہمی میں مصروف ہوں۔ ذوالعلوم نے کہا کہ درویشی نام ہے ساری چیزوں کو چھوڑ دینے کا، نہ کہ کسی شے کو فراہم کرنے کا۔

ایک تاجر بے سروسامانی کی بنا پر ریاکاری کا لباس پہن کر ایک شیخ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ کچھ لوگ اس کو پیر سمجھ کر اس کا احترام کرنے لگے۔ ایک دن وہ تاجر کیوان کے پاس پہنچا اور کہا کہ اکثر ڈاکوؤں نے مجھ پر راستے میں چھاپا مارا۔ لہٰذا میں نے اسی میں بھلائی دیکھی کہ درویشی کے ذریعہ اپنے مقصد کو حاصل کروں۔ آذر

کیوان نے جواب دیا کہ غم نہ کر، اب تُو لوگوں پر چھاپہ مارے گا۔

در نگیرد صحبتِ عرفی بہ شیخ صومعہ کو بہ زیرک دشمن و عرفی بہ کودن دشمن است

(عرفی کی صحبت خانقاہ کے شیخ کے موافق نہیں پڑتی کیونکہ شیخ تو دانا کا دشمن ہے اور عرفی نادان کا۔)

اب کیوان کے بعض شاگردوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جن سے مصنف نے ملاقات کی ہے۔ فرزانہ خراد جو بادشاہ نوشیروانِ عادل کے خوانسالار مہبول کی جسے ایک یہودی کے جادو اور ایک حاجب کے فریب کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تھا (جیسا کہ ملک الکلام فردوسی کے شاہنامہ اور دوسری تاریخوں میں لکھا ہوا ہے) کی نسل سے تھا۔ خراد شیراز کے بازار میں آذر کیوان سے ملا، اس کے بعد کئی سال تک ریاضت کی۔ فرزانہ خوشی کہا کرتا تھا اور اپنی کتاب بزمگاہ میں بھی اس نے لکھا ہے کہ میں نے ایک دن خراد کو دیکھا کہ وہ اور اردشیر جو اردشیر بابکان کی نسل سے تھا نیز آذر کیوان کے شاگردوں میں سے تھا، دونوں آمنے سامنے کھڑے آپس میں زور آزمائی کر رہے تھے۔ جس وقت اردشیر نے چاہا کہ اس پر تلوار چلائے، خراد پتھر کی شکل کا ہو گیا جب تلوار اس کے جسم سے لگی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور ۱۰۲۹ھ میں عالمِ مجردات میں جا پہنچا۔

جان چیست جنین نطفۂ صلب قضا گیتی رحم است و تن مشیمہ است اورا

تلخیٔ اجل درد زہ و مادر دھر این مردن چیست زادنِ ملک بقا

(جان کیا ہے؟ قضائے الٰہی کے صلب کے نطفہ سے بنا ہوا ایک بچہ ہے، یہ دنیا اس کے لیے رحمِ مادر ہے۔ اور بدن جھلی ہے۔ موت کی تلخی مادرِ دہر کا دردِ زہ ہے اور یہ مرنا دراصل ملکِ بقا میں پیدا ہونا ہے۔)

فرزانہ فرشید ورد جو فارس کے دیہاتی رؤسا میں سے تھا۔ اس کا سلسلۂ نسب فرزانہ شیدوش تک پہنچتا تھا جو ساسانِ پنجم کے تلامذہ میں سے تھا۔ اس نے بھی مقامِ مذکور میں آذر کیوان سے ملاقات کی اور حق پرستی میں مشغول ہو گیا۔ خوشی کہتا تھا کہ فرشید ورد اور بہمن ایک دوسرے کے روبرو کھڑے ہو گئے تھے۔ بہمن جو بھی تیر چلاتا تھا، فرشید ورد اس کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دیتا تھا۔ اور جب فرشید ورد تیر چلاتا اور اس کے چلّہ سے تیر پرواز کرتا تو بہمن خود کو چستی اور تیزی سے ایک طرف ہٹا لیتا۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب بہمن بندوق چلاتا تو فرشید ورد بھی بندوق سے وار کرتا اور ایک گولی دوسرے سے ٹکرا جاتی اور دونوں محفوظ رہتے۔ فرشید ورد کے بندوق چلانے کے وقت بہمن کئی مرتبہ بڑی تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ء) میں عالمِ عنصری سے آسمان پر چلا گیا۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(جس کا دل عشق کی بدولت زندہ ہو گیا، وہ کبھی نہیں مرتا۔ دنیا کے جریدہ میں ہمارا دوام درج ہے۔)

فرزانہ خردمند جو سام بن نریمان کی نسل سے ہے، ذوالعلوم کی خدمت میں پہنچا اور ریاضت میں مشغول ہوا۔ خوشی بیان کرتا ہے کہ میں نے خردمند کو دیکھا کہ وہ رستم کے روبرو کھڑا ہے جو بہرام گور کی نسل سے تھا اور کیوان کے ممتاز شاگردوں میں سے تھا اور خردمند ایک اژدہے کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس کے منہ سے

آگ برس رہی تھی، جس کی گرمی سے تناور درختِ چنار جل رہا تھا۔ بہمن کی وفات کے تین ماہ بعد خردمند اپنے اصلی مقام سے جاملا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

مردِ خردمند ہنر پیشہ را عمر دو بایست دریں روزگار
تا بیکے تجربہ آموختن واں بدیگر تجربہ بردے بکار

(عقل مند انسان کے لیے اس دنیا میں دو عمریں چاہئیں، ایک میں تجربہ حاصل کرے اور دوسری عمر میں تجربہ کو کام میں لائے۔)

ان نامور اکابر سے متعلق بہت سی خلافِ معمول باتیں نقل کی گئی ہیں، مثلاً عالم علوی میں سورج کو چھپا دینا اور اسے رات میں ظاہر کرنا اور ستاروں کو دن میں ظاہر کرنا اور عالم سفلی میں مثلاً پانی کی سطح پر چلنا، درختوں کو بلا موسم پھلدار بنا دینا اور سوکھے ہوئے درخت کو ہرا بھرا کر دینا۔ درختوں کا سجدہ کرنا اور زمین و آسمان کے درمیان بجلی وغیرہ کی طرح ظاہر ہونا۔ اور مادی دنیا میں مثلاً جانوروں کی شکل میں بدل جانا۔ خود کو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ کر لینا اور مختلف شکل وصورت میں ظاہر ہونا۔ ان حیرت انگیز باتوں سے بعض کا تذکرہ خوشی کی بزمگاہ درویش میں درج ہے۔ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو عنصری بدن سے جدا ہونے میں اس درجہ ملکہ تھا کہ جس وقت چاہتے بدن سے جدا ہو جاتے تھے۔ انہوں نے جملہ مشہور اور نادر علوم کو ملاء اعلیٰ سے حاصل کیا تھا، اس لیے اس قسم کے عجیب وغریب کارنامے ظاہر کرتے تھے۔ ریاضت کی وجہ سے عنصری مادہ ان کی فرماں برداری کرتا تھا۔ اس کتاب کے مصنف نے پٹنہ میں ان چاروں شخصیتوں کو یعنی خراد، فرشید درد، بہمن اور خردمند کو دیکھا ہے۔ انہوں نے راقم کے حق میں دُعائے خیر کی اور مقصدِ اعلیٰ یعنی نجاتِ اخروی کے حصول کی خوشخبری دی، شیخ سعدی فرماتے ہیں:

سزد صاحبدلے روزے بہ ہمت کند درکار درویشاں دُعائے
(صاحبِ دل کو زیب دیتا ہے کسی دن بلند ہمتی کے ساتھ درویشوں کے حق میں دُعا کر دے۔)

فرزانہ بہرام ابن فرہاد، جو گودرز بن کشواد کی نسل سے تھا، جب آذر کیوان پٹنہ میں آیا تو اس کے آخری زمانے میں فرزانہ بہرام بھی شیراز سے پٹنہ میں آ کر ریاضت میں مشغول ہو گیا۔ اس نے منطقیات، طبیعیات، ریاضیات اور الٰہیات کے موضوعات پر جو کچھ فارسی، پہلوی اور عربی زبانوں میں ہے، ان سب کو بہت مناسب اور صحیح طور سے سیکھا اور اچھی طرح پڑھا تھا۔ منقولات اور معقولات میں سب سے زیادہ ماہر اور حکمت نظری وعملی میں بہت ہوشیار تھا۔ وہ ایک کامل فلسفی تھا۔ مسلمان علماء میں سے اس نے خواجہ جمال الدین محمود کی ظاہری شاگردی اختیار کی تھی جو ملا جلال الدین دوانی کے تلامذہ میں سے تھے۔ کتاب شارستان دانش و گلستانِ بینش فرزانہ بہرام کی تصنیف کردہ ہے۔ شارستان میں جو اسی کی تالیف ہے، کہتا ہے کہ حضرت کیوان کی مدد سے میں عالم ملکوت و جبروت و لاہوت میں پہنچ گیا اور خداوند کی چاروں قسم کی تجلیات یعنی آثاری، افعالی، صفاتی اور ذاتی کو حاصل کر لیا۔ موبد ہوشیار کہتا تھا کہ میں نے فرزانہ بہرام کو سنا وہ کہہ رہا تھا کہ میں ایک روز

آذر کیوان کے سامنے کھڑا دل میں کہہ رہا تھا کہ دیکھوں میرے راز کو یہ جانتا ہے یا نہیں۔ آذر کیوان نے جو راز میرے دل میں تھا، اسے بیان کر دیا۔ اس کے بعد کہا کہ اے فرزانہ! میرے لیے دل کے راز کو جان لینا بہت آسان ہے، لیکن پھر زبان تیرے کس کام آئے گی۔ میں تجھے اس لیے بات کرنے پر مجبور کرتا ہوں کہ تیری زبان بیکار نہ رہے۔ فرزانہ بہرام سوداگروں کے بھیس میں رہتا تھا۔ حالانکہ لوگوں کا خیال تھا کہ اس نے یہ لباس محض پردہ داری کے لیے اختیار کر رکھا ہے، ورنہ دراصل وہ کیمیا گری کا کام کرتا تھا۔ ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۵ء) میں لاہور میں اس تاریک عالم سفلی سے نورانی شہر میں منتقل ہو گیا۔ حکیم سنائی کہتے ہیں:

در مقامے کہ عقل و عرفان است　مردنِ جسم زادنِ جان است

(جس مقام میں عقل و معرفت موجود ہے، وہاں جسم کا مر جانا، دراصل روح کا پیدا ہونا ہے۔)

موبد ہوشیار کی تصنیفات میں سرودستان ہے۔ اس کی پیدائش سورت کی بندرگاہ میں ہوئی۔ اسی کا سلسلہ نسب تہمتن یعنی رستم ابن زال تک پہنچتا ہے۔ وہ بے انتہا دلیر، جوانمرد اور تجربہ کار تھا۔ مردانگی، ذہانت، قوتِ فیصلہ، اصابت رائے اور حسنِ تدبیر میں مشہور تھا۔ اگر اس کے کارناموں کو تفصیل سے بیان کیا جائے، مثلاً گردوں کی فتح اور علی یکہ کا قتل وغیرہ تو ایک دوسرا شاہنامہ لکھنے کی ضرورت پڑ جائے۔ مختصر یہ کہ وہ فیلسوف اعظم آذر کیوان اور اس کے ممتاز تلامذہ کی خدمت میں پہنچا اور ان کے ساتھ خود شناسی کے عمل میں شریک ہو گیا۔ شروع رات سے آفتاب جہاں تاب کے طلوع کے وقت تک مردہ خسپ کی حالت میں سوتا رہتا۔ سیاسیوں کے نزدیک مردہ خسپ، مردہ خواب اور سادنوس اس طرح سونے کو کہتے ہیں کہ عابد دوزانو ہو کر بیٹھے۔ دونوں پیر کے ٹخنوں کو زانگی تک زمین سے ملائے، زانو کے کناروں کو بھی زمین سے ملائے اور اپنی نشستگاہ کو بھی زمین سے متصل رکھے۔ اس کے بعد پیٹھ کے بل سوئے اور پیروں کو سر کے بل رکھے۔ بعد ازاں دونوں ابرو کے درمیان نظر کو جمائے اور حبس نفس میں مشغول ہو جائے۔ درویش سبحانی جن کا شمار صوفیائے کاملین میں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ انبیاء کا سونا ایسا ہی ہوتا ہے اور یہ جو کہتے ہیں کہ انبیاء اپنا چہرہ آسمان کی طرف کر کے سوتے تھے۔ اس سے مراد یہی ہے۔ ہوشیار کا حبس نفس ایک گھڑی (یعنی تین گھنٹے) تک پہنچ گیا تھا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں

عنان باز پیچاں نفس از حرام　بمردی ز رستم گذشتند و سام

(جن لوگوں نے نفس کو حرام چیزوں سے باز رکھا، وہ مردانگی میں رستم اور سام سے بھی بڑھ گئے۔)

ہوشیار کھانے میں پرہیز نہیں کرتا تھا، جس قسم کا کھانا اس کے سامنے پیش کیا جاتا، اس سے روگردانی نہیں کرتا تھا۔ البتہ جاندار کو تکلیف دینے اور افراط و تفریط سے پرہیز کرتا تھا۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں

مباش در پے آزار و ہر چہ خواہی کن　کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

(کسی کو تکلیف پہنچانے کے درپے نہ رہو۔ باقی جو جی چاہے کرو، کیونکہ ہماری شریعت میں اس کے سوا کوئی گناہ نہیں ہے۔)

۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) میں دارالخلافت اکبرآباد میں ہوشیار جسم کی قید سے آزاد ہو گیا۔ موبد کہتا ہے:

درحقیقت جسم بہر روح باشد گور تنگ　　گور گر در گور باشد سور بنی سور نیست

گور گر در گور باشد زندہ از زندان رہد　　حیف سلطانِ بدن را موبدا دستور نیست

(جسم دراصل روح کے لیے ایک تنگ قبر ہے۔ اگر یہ قبر خود قبر میں چلی جائے تو تم دیوار دیکھو گے، حالانکہ وہ دیوار نہیں ہے۔ اگر یہ قبر خود قبر میں داخل ہو جائے تو زندہ قید خانہ سے رہائی پا جاتا ہے۔ اے موبد افسوس کہ جسم کے بادشاہ کے لیے کوئی مخصوص قانون نہیں جس کا وہ پابند ہو۔)

موبد ہوشیار ظاہری اور روحانی عالم تھا جس نے جملہ ظاہری اور باطنی علوم کو حاصل کر لیا تھا۔ وہ کتاب جشن شدہ کا مترجم بھی ہے اور اس کتاب کے مطالعہ سے اس کی قابلیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ حکیم جاماسپ کی نسل سے ہے۔ ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۷ء) میں راقم نے کشمیر کے دلپسند علاقہ میں اس سے ملاقات کی۔ وہ ہاتھ کی انگلیوں کی نوک کے بل پر کھڑا ہو جاتا تھا اور اس کا سارا بدن زمین سے جدا رہتا تھا اور نصف شب سے صبح تک اسی حالت میں گذار دیتا تھا۔ حافظ کہتا ہے:

دلا زنورِ ریاضت گر آگہی یابی　　چو شمع خندہ زناں ترک سر توانی کرد

(اے دل اگر تُو ریاضت کے نور سے آگاہ ہو جائے تو شمع کی طرح سر کو جدا کر سکتا ہے۔)

موبد سروش ابن کیوان ابن کامکار کو اس کی علمی شہرت کی بنا پر نامدار کہتے تھے اور موبد سروش کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے محترم زردشت پیغمبر تک اور ماں کی جانب سے جاماسپ حکیم تک پہنچتا ہے۔ وہ علوم عقلیہ ونقلیہ کا عالم اور عربی، فارسی اور ہندی زبان میں ماہر تھا۔ روئے زمین کے اکثر آباد علاقے کا اس نے سفر کیا تھا۔ وہ زاہد شب بیدار اور پرہیزگار آذر کیوان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس آفتابِ علم سے اس نے فروغ حاصل کیا اور عربی زبان فرزانہ بہرام ابن فرہاد سے سیکھی۔ اس کی عمر ساٹھ سال ہو گئی تھی اور اس نے پارسائی اختیار کر رکھی تھی اور کبھی کسی عورت سے اختلاط نہیں رکھا اور نہ اپنا دہن کسی جلالی یا جمالی حیوان کے گوشت سے آلودہ کیا۔ دنیاداروں سے دور رہتا تھا اور سوائے تھوڑی مقدار کے کھانا نہیں کھاتا تھا۔

اگر لذتِ ترکِ لذت بدانی　　دگر لذتِ نفس لذت نخوانی

(اگر تو لذتوں کو چھوڑ دینے کی لذت سے آگاہ ہوتا تو پھر کبھی لذتِ نفسانی کو لذت نہ کہتا۔)

اس نے بہت سی عمدہ تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں مثلاً نوش دارو، سکنگبین اور زردشت افشار وغیرہ۔ محمد محسن نام کے ایک عالم نے لوگوں سے سنا وہ بیان کر رہے تھے کہ میں نے اس سے اثبات واجب تعالیٰ سے متعلق تین سو ساٹھ دلیلیں سنیں، لیکن جب میں نے چاہا کہ ان کو تحریر میں لاؤں تو یہ ممکن نہ ہوا۔ لوگوں نے انواع واقسام کے خوارق عادات اس سے نقل کیے ہیں مثلاً معدوم کو موجود بنا دینا، موجود کو معدوم بنا دینا، پوشیدہ بات کو ظاہر کر دینا، ظاہر چیز کو چھپا دینا، دُعاؤں کا مقبول ہو جانا، دور دراز مسافت کو تھوڑے وقت میں طے کر لینا۔ حواسِ ظاہری سے پوشیدہ چیزوں سے آگاہ ہو جانا اور اس کی خبر دینا۔ مختلف مقامات پر ایک ہی وقت میں ظاہر ہونا۔ مردہ کو زندہ کر دینا اور زندہ کو مردہ بنا دینا۔ حیوانات، نباتات اور جمادات کی باتوں کو سن لینا۔ بغیر اسبابِ

ظاہری کے کھانے پینے کی چیزوں کو حاضر کر دینا۔ آگ، ہوا اور پانی کی سطح پر چلنا وغیرہ۔ ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۷ء) میں راقم السطور اسے کشمیر میں ملا تھا۔

قرہ قازی کی ذات (جو شیدوش کا معتبر غلام تھا، جس کا تذکرہ آگے آ رہا ہے) علم و فضل سے آراستہ اور تقویٰ سے پیراستہ تھی، وہ ذہن رسا اور طبعِ سلیم رکھتا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ ایک زمانے میں مجھ کو آچن کے کاشت کاروں کے ہاتھوں تکلیف پہنچی، آچن کشمیر کی عیدگاہ سے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ موبد سروش کے ایک شاگرد یزداں ستائے سے جس نے اس کی مدد سے علم و فضل حاصل کیا تھا اور اس کتاب کے مصنف نے بھی اس کو دیکھا ہے، میں نے کہا کہ مجھ کو آچن کے لوگوں سے تکلیف پہنچی ہے اور ان بدمعاش لوگوں کے برے افعال کو میں نے اس سے بیان کیا۔ اس نے جواب دیا کہ تو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نالائقوں کے کھیتوں کو پانی کے حوالہ کر دے۔ میں نے کہا کہ ہاں! چنانچہ اس قدر بارش ہوئی کہ بلند اور مضبوط بنیاد والے مکانات تک گر پڑے۔ پانی کے طوفان سے ان کے مکانوں اور کھیتوں کو بڑا نقصان پہنچا اور ان کے کھیت خود ہی پانی سے نزدیک تھے، اس لیے پہلی ہی بارش میں سب تباہ و برباد ہو گئے۔ مولوی معنوی فرماتے ہیں:

تا دلِ صاحب دلے نامد بدرد ہیچ قومے را خدا رُسوا نہ کرد

(جب تک کسی صاحبِ دل درویش کے دل کو تکلیف نہیں پہنچتی، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیج کر اسے ذلیل نہیں کرتا۔)

ابھی پانی برس ہی رہا تھا کہ سروش کو اس کی خبر ہو گئی۔ اس نے شاگرد کو ملامت کی اور برا بھلا کہا، چنانچہ اسی دن بارش رک گئی۔ قرہ قازی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جس وقت ہم لوگ شہر ترفان میں بالیق کی کاروانسرائے میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ہمارے ساتھ برا سلوک کرنا شروع کیا، وہ ہم کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ میں نے موبد سروش سے ان کے برے سلوک کا حال بیان کیا۔ وہ گوشہ نشین ہو گیا اور رات کے وقت فضا میں ایسے انسان ظاہر ہوئے جن کے سر تو آسمان میں تھے اور پیر زمین میں۔ یہ دیکھ کر اس شہر کے لوگ خوفزدہ ہو گئے اور ہم کو نیز دوسرے تاجروں کو ستانے سے ہاتھ روک لیا اور کئی سال کے پرانے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

موبد ہوشیار بیان کرتا ہے کہ مجھ کو چند درہم کی ضرورت آ پڑی تو میں موبد سروش کے شاگرد یزدان ستائے کے پاس گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور ایک ٹوٹا ہوا مٹی کا برتن اُٹھایا اور اس سے بیس ٹکلیاں بنائیں اور ان پر دم کر دیا، سب کی سب اشرفیاں بن گئیں۔ پھر وہ میرے ہاتھ پر رکھ دیں، میں نے ان کو دھیرے دھیرے خرچ کیا۔ اس نے یہ بھی بیان کیا کہ یزدان ستائے نے ایک گھر بنایا تھا کہ جب کوئی شخص اس کے اندر جاتا تھا تو اسے آفتاب نظر آتا اور جب وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوتا تو ایسا معلوم پڑتا کہ کوئی گھڑیال دریا کے کنارے آ کر سارے حاضرین کو قریب ہے کہ اچک لے جائے۔ وہ کبھی مندیل کو آگ میں ڈال دیتا تھا، لیکن آگ اس پر اثر نہیں کرتی تھی اور کبھی کچھ پڑھتا اور لبوں کو جنبش دیتا، اس کے بعد نظر سے غائب ہو جاتا۔ بعض اوقات وہ فضا میں ظاہر ہوتا اور لوگوں سے کہتا کہ میں دراصل ساکن ہوں، اگرچہ اس حال میں نظر آتا ہوں۔

شیدوش ابن انوش نے نقل کیا ہے کہ ہم لوگ اس کے پاس بیٹھے تھے کہ اس نے پانی بھرے ہوئے طشت میں ایک شمع رکھی۔ اتنے میں بہت سے مور ظاہر ہوئے اور اس پانی کی طرف بڑھے اور اپنے سروں کو پانی میں ڈبونے لگے اور اپنے حسن کی نمائش کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر ہم لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ شیدوش نے یہ بھی روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ آگ روشن کر کے اس کے بیچ میں بیٹھ گیا اور کھیل کر رہا تھا۔ اس کے آگ کھا لینے کو خود اس کتاب کے مصنف نے دیکھا ہے۔ موبد ہوشیار کہتا ہے کہ یزداں ستائے نے ایک مرتبہ ایسا منظر پیش کیا کہ سارا گھر سانپ اور بچھو سے بھرا ہوا نظر آنے لگا۔ وہ سوتے ہوئے شخص کے سینے پر ایک چیز رکھ دیتا، اس کے بعد اس سے جو کچھ پوچھتا وہ اس کا جواب دیتا تھا۔ موبد ہوشیار نے یہ بھی روایت کی ہے کہ میں نے حکیم کامران شیرازی کو دیکھا کہ اس نے ایک عراقی دوست کی شادی کی محفل میں ایک فتیلہ جلایا۔ اتنے میں جو طوائفیں اس گھر میں موجود تھیں، سب برہنہ ہو کر ناچنے لگیں، ہم لوگ دُور سے اس کا نظارہ کر رہے تھے۔ حکیم کامران نے کہا کہ میں نے یہ عمل یزدان ستائے سے سیکھا تھا۔ چونکہ میں خود طوائف کو نہیں بلاتا اور کسی دوسرے کی بے آبروئی نہیں کی جا سکتی، لہٰذا جب میں نے اس گروہ کو یہاں پر اکٹھا دیکھا تو اس عمل کی میں نے آزمائش کی۔ اس قسم کی اور بہت سی باتیں یزدان ستائے کے بارے میں نقل کی گئی ہیں۔

خدا جوئی باشندگان ہرات میں ہے۔ برسوں مشائخ اور ریاضت کیش بزرگوں کی خدمت میں رہ چکا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ اولیاء میرے پاس جمع ہو گئے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ جا اور کوئی غیر متعصب شیخ تلاش کر۔ میں نے برسوں تلاش کیا، لیکن نہ پایا۔ یہاں تک کہ مجھے خواب میں معلوم ہوا کہ اصطخر میں آذر کیوان غیر متعصب ہے چنانچہ فرزانہ خوشی کے ہمراہ اس کی خدمت میں پہنچا۔ خدا جوئی فارسی اور عربی علوم و فنون خوب جانتا تھا اور جلالی اور جمالی حیوانات کے گوشت سے پرہیز کرتا تھا اور چار گھڑی (بارہ گھنٹے) تک سانس روک کر حبسِ دم کرتا تھا۔ شب میں ہرگز سوتا نہیں تھا اور پچاس درم مقدار سے زیادہ کھانا نہیں کھاتا تھا۔ فضول باتیں نہ کرتا، جو کچھ وہ بیان کرتا وہ اعلیٰ مضامین اور مقاصد پر مشتمل ہوتا۔ وہ بھی بغیر دوستوں کی درخواست کے بیان نہ کرتا۔ اس نے آذر کیوان کی نظم پر ایک عمدہ شرح لکھی تھی، جس میں اس کے مشاہدات درج ہیں اور ''جام کیخسرو'' کے نام سے موسوم ہے۔ ۱۰۴۰ھ (۱۶۱۳ء) میں وہ کشمیر کے دلکش علاقہ میں وارد ہوا۔ مصنف نے اس سے ملاقات کی اور اسی سال وہ ذاتِ گرامی اس عالمِ فنا سے عالمِ جاودانی کی طرف روانہ ہو گئی۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں:

خرم آن روز کزین منزل ویراں بروم   راحت جان طلبم از پئے جانان بروم
بہ ہوائے لب او ذرہ صفت رقص کنان   تا بسر چشمۂ خورشید درخشان بروم

(مبارک ہے وہ دن جس روز میں اس ویران خانہ سے کوچ کروں۔ روح کے لیے آرام تلاش کروں اور محبوب کی تلاش میں روانہ ہو جاؤں۔ اس کے شیریں لبوں کے عشق میں ذرہ کی طرح رقص کرتے ہوئے روشن آفتاب کے سرچشمہ تک پہنچ جاؤں۔)

موبد خوشی بزمگاہ کا مصنف ہے۔ اس رسالہ میں اس نے آذر کیوان کے نامور شاگردوں کے مقامات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے کامل شاگرد جو بارہ افراد ہیں، ان کو اس ترتیب سے ذکر کیا ہے: اردشیر، خراد، شیرویہ، خردمند، فرہاد، سہراب، آزادہ، بیژن، اسفندیار، فرشید ورد، بہمن اور رستم۔ ان بارہ اشخاص میں سے ہر ایک کی غذا دس درم کے بقدر تھی۔ اور ان لوگوں نے کیوان کی پسندیدہ ریاضتوں کو سرانجام دیا تھا۔ آذر کیوان کے دوسرے شاگرد ان بارہ افراد کے مرتبہ کو نہیں پہنچے اور خراد اور فرشید ورد کے کچھ حالات اسی کتاب میں لکھے جا چکے۔ خوشی اپنے بارے میں بزمگاہ میں لکھتا ہے:

مجھے ایامِ جوانی میں یہ آرزو تھی کہ کسی پیرومرشد کے پاس جاؤں لہٰذا میں ایران، توران، روم اور ہندوستان کے مشائخ کے پاس گیا جن میں مسلمان، ہندو، آتش پرست، عیسائی اور یہودی شامل تھے۔ ان سب نے مجھ سے کہا کہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر ہمارے دین میں داخل ہو جا، لیکن میرا دل اپنا دین چھوڑ دینے، نیا مذہب اختیار کرنے اور اپنا اصول چھوڑنے کی طرف مائل نہ تھا، اس لیے ان مشائخ سے میری دشواری حل ہوتی نظر نہ آئی۔ بمصداق ع آب نادیدہ کفش کندن چیست (یعنی اگر پانی نظر نہیں آتا تو پھر جوتا توڑنے سے کیا فائدہ)۔ یہ تو متعصب لوگوں کی باتیں ہیں، حالانکہ ان مشائخ میں سے ہر ایک اپنی بے تعصبی کا معترف تھا۔ اس کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا دریا ہے۔ اس سے نہریں اور چشمے نکل کر کافی چکر کاٹنے کے بعد پھر اسی بڑے دریا میں جا کر مل جاتے ہیں اور اس کے دونوں کناروں میں گھر جاتے ہیں۔ میں نے بڑے دریا کو چھوڑ کر اپنی تشنگی دور کرنے کے لیے نہروں کی طرف قدم بڑھایا لیکن چونکہ نہروں کا کنارہ مٹی اور کیچڑ کی وجہ سے گندہ تھا اور کاسہ کی طرح چھچھلا تھا، اس لیے میں پانی تک نہ پہنچ سکا۔ میں اسی حیرانی میں تھا کہ میرا باپ آ پہنچا اور کہا کہ اے! خدا سے دعا کر تاکہ وہ تجھے پانی تک پہنچا دے۔ اسی اثناء میں میرے کان میں ایک ندا آئی کہ اے شخص! تُو نے دریا کو چھوڑ کر نہروں کی طرف رُخ کیا ہے۔ پس جب میں دریا کی طرف بڑھا تو ایک مبارک فرشتہ نے مجھ سے کہا کہ یہ بڑا دریا آذر کیوان ہے، اور چھوٹی نہریں مشائخ ہیں۔ اس وقت میں نے سمجھا کہ کناروں پر کی مٹی اور کیچڑ اور کاسہ جیسی نہروں سے مراد تعصب اور حسد ہے۔ بعد ازاں خدا جوئی کے ہمراہ میں آذر کیوان کے پاس پہنچا اور جس چیز کو میں تلاش کر رہا تھا، اسے پا لیا۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں:

از آستانِ پیر مغاں سر کجا کشیم دولت دریں سرا وکشائش دریں در است

(بھلا پیر مغاں کے آستانے کو چھوڑ کر ہم کدھر کا رُخ کریں۔ ساری دولت اسی گھر میں ہے اور مقصد برآری اسی چوکھٹ پر ہے۔)

فرزانہ بہرام بن فرشاد جس کو کوچک بہرام کہتے ہیں، ارژنگ مانی اسی کی تصنیف کردہ ہے۔ وہ ذوالعلوم کی خدمت میں پہنچا۔ لیکن اعلیٰ کمال اس نے فرزانہ بہرام ابن فرہاد کی خدمت گزاری میں حاصل کیا۔ ۱۰۴۸ھ (مطابق ۱۶۳۸ء) میں ان اوراق کا مصنف کوچک بہرام ابن فرشاد سے دارالسلطنت لاہور میں ملا اور اسی سال اس نے انتقال کیا۔ کوچک بہرام ایسا شخص تھا، جو یادِ خدا سے راحت پاتا تھا، اور مخلوق سے پرہیز کرتا

تھا۔ جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کا عالم تھا۔ وہ عربی، فارسی، ہندی اور انگریزی زبانوں کا ماہر تھا، اس نے شیخ اشراق شہاب الدین مقتول کی تصنیفات کو جو اشراقی فلسفہ سے متعلق ہیں، عربی آمیختہ عوامی فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کے اوقات شغلِ کتابت میں گزرتے تھے اور اسی سے ناگزیر مقدار کی غذا فراہم کرتا تھا۔ رات میں کبھی سوتا نہیں تھا اور ۱۰۴۸ھ (مطابق ۱۶۳۸ء) میں مصنف نے اس کو موبد ہوشیار کے ساتھ لاہور میں دیکھا تھا۔ ساری رات راقم الحروف اس کے سامنے بیٹھا رہا، پھر صبح سے شام تک ہوشیار اس کے پاس رہا۔ فرزانہ مذکور مشرق کی جانب رُخ کیے ہوئے دوزانو بیٹھا تھا، اس نے بالکل حرکت نہیں کی۔ اس کے پاس بہت سی چیزیں لوگوں نے اس کے اندر دیکھی ہیں اور کہتے ہیں کہ دو دو اور تین تین روز تک وہ اسی حالت میں بیٹھا رہتا تھا نہ روٹی کھاتا تھا اور نہ پانی پیتا تھا اور اپنی پشت کو زمین سے قطعاً نہ ٹیکتا۔ اس کی غذا میں فقط ذرا سا گائے کا دودھ ہوتا۔ اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے لبوں کو آلودہ نہ کرتا اور وہ بھی دو تین دنوں کے بعد نوش کرتا تھا۔

جامی از آلائشِ تن پاک شو در قدم پاک روان خاک شو
شاید ازاں خاک بہ گردے رسی گرد تکانی و بہ مردے رسی

(اے جامی! جسم کی آلودگی سے پاک ہو جا اور روح کے پاکیزہ قدم کی خاک ہو جا۔ ممکن ہے اس خاک کے ذریعہ کسی گرد و غبار تک پہنچے اور جب اس گرد کو ہٹائے تو کسی مردِ خدا تک پہنچ جائے۔)

موبد پرستار ابن خورشید نے پٹنہ میں جسمانی عنصر اختیار کیا حالانکہ خورشید اصفہانی نسل کا ہے۔ موبد ہوشیار ایک ریاضت پسند جوان تھا اور تائیدِ خداوندی کی بدولت یگانہ بین ہو گیا تھا۔ کمسنی کے عالم میں آذر کیوان کی خدمت میں پہنچا لیکن دراصل اس کے شاگردوں کی صحبت میں کمال حاصل کیا اور زیادہ تر اس نے موبد سروش کی خدمت گزاری کی۔ پترۂ موبدی اس کی تصنیفات میں سے ہے۔ ۱۰۴۹ھ (مطابق ۱۶۴۰ء) میں وہ کشمیر آیا اور مصنفِ ہذا کے ہمراہ وہ ایک ہی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔ شروع رات سے آفتاب عالمتاب کے طلوع کے وقت تک سرایست میں مشغول رہتا تھا۔ سرایست کو آسمانی زبان یعنی دساتیر میں فروشو کہتے ہیں۔ جس کا مطلب ہوا میں پیر کو معلق رکھنا اور سر کے بل کھڑا ہونا ہے، جسے ہندی زبان میں کپال آسن کہتے ہیں۔ اچانک اس نے بدن کو چھوڑ دیا اور بہشت کی طرف روانہ ہو گیا۔ موبد کہتا ہے:

گر رہروِ مسلک روانی بر جامہ مبند دل روانی
مسکن شودت عدم بدن را ہر چند محقق دوانی

(اگر تو روحانیت کے راستے کا مسافر ہے تو اپنے متحرک دل کو پوشاک سے نہ لگا کیونکہ ایک دن تیرے بدن کی رہائش گاہ ملکِ عدم ہو جائے گی اور اگرچہ تو قابلیت میں محقق دوانی کے برابر ہو۔)

موبد پیشکار ابن خورشید بھی پٹنہ میں پیدا ہوا، وہ پرستار سے ایک برس چھوٹا تھا۔ ہندی نغموں اور اس گروہ کے اشعار کے معاملہ میں اپنے عہد میں یگانۂ روزگار تھا۔ اپنے بھائی پرستار کی طرح وہ بھی آذر کیوان اور اس کے شاگردوں کا خادم بن گیا۔ اور موبد سروش کی خدمت میں رہ کر اس نے خدا کی معرفت اور اپنی حقیقت کا

علم حاصل کیا۔ وہ بیحد آزاد اور بے تعلق تھا، کسی مذہب کی قید و بند میں خود کو گرفتار نہیں کیا اور مقاماتِ تعصب کے جھگڑوں سے وہ کنارہ کش رہا۔ ایک مذہب کی تعریف اور دوسرے کی مذمت کرنا اس کا شعار نہیں تھا۔ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ وہ کشمیر آیا پھر وہاں سے علاقۂ خطا میں جانے کا قصد کیا۔ حبس دم میں وہ بہت کامل تھا، چنانچہ موبد ہوشیار نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ اس نے حبسِ دم کیا اور پانی کے اندر چلا گیا اور دو گھڑی (چھ گھنٹے) تک پانی کے نیچے رہا۔ اس کے بعد پانی سے سر باہر نکالا:

ع ہر کجا ہست خدایا بسلامت دارش (جہاں کہیں بھی ہو، اے خدا! اسے صحیح و سالم رکھ۔)

شیدوش ابن انوش پیغمبر زردشت کی نسل سے ہے، اس کے باپ کا نام انوش تھا جو فرہوش کہلاتا تھا۔ اور فرہوش آذر کیوان کے عقیدت مندوں میں تھا۔ زرباد ی بھی یزدانی پیغمبر زردشت کی نسل سے تھا۔ آخر میں بڑا دولت مند ہو گیا تھا۔ شروع میں بجز افلاس اور اس کے درد و غم کے سوا کچھ نہ رکھتا تھا۔ زربادی اور انوش دونوں کیوان کی خدمت میں گئے اور انتہائی ناداری کی شکایت کی۔ آذر کیوان نے حکم دیا کہ تھوڑے سرمایہ کے ساتھ طلوعِ آفتاب والے ممالک میں جاؤ اور مشرقی خطۂ ارض کا سفر کرو اور پھر جلد ہی غروبِ آفتاب والے علاقہ میں جاؤ۔ تمہاری حالت اسی پستی اور تنگ دستی کے مقام سے نکل کر عیش و عشرت سے ہم آہنگ ہو جائے گی۔ اس حکم کے بعد ہی آذر کیوان اس زمینی عمارت سے ترکِ تعلق کر کے فلکی آرامگاہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ جن کو حکم دیا تھا اور جو مشتری جیسے یگانہ روزگار ستارے تھے، سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔ دونوں مسافروں کی حالت کیوان کی روشن روح کی مدد سے بہت ترقی کر گئی اور بہت ساز و سامان کے مالک ہو گئے۔ حافظ کہتے ہیں:

آنان کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(جو لوگ خاک کو ایک نظر میں کیمیا بنا دیتے ہیں، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ہلکی نگاہ ہم پر ڈال دیں۔)

اس کے بعد زربادی نے اپنے پرانے خادم مسمّی قرہ قازی کو پٹنہ بھیجا تا کہ اس کی بیٹی کو انوش کے آزاد بیٹے (جس کا نام شیدوش تھا) کے مشک جیسی خوشبو والے محل میں لے جائے۔ اس واقعہ کے بعد قرہ قازی اور شیدوش پٹنہ سے تجارت کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ کشمیر سے کاشغر تک کا سفر کریں۔ چنانچہ کشمیر میں ان کو چند دنوں تک رکنا پڑا۔ پٹنہ سے روانگی کے شروع میں شیدوش کو اپنی ذات کی معرفت قدیمی وطن کی تلاش، اپنی ذات کے نور کی دریافت اور عالمِ غیب کے حالات معلوم کرنے کا شوق دامنگیر ہوا۔ اس لیے کہ وہ مشتری جیسی شان والا، شروع میں کیوان کی دعا سے کشور عالم عناصر اور عنصری ماں باپ کے مکان میں داخل ہوا تھا اور کیوان کے جسم چھوڑ دینے کے بعد اس کے شاگردوں کی صحبت میں بیٹھا:

ہم نشینِ تو از تو بہ باید تا تُو را عقل و دین بیفزاید

(چاہیے کہ تیرا ہم نشیں تجھ سے بہتر ہو تا کہ اس کی صحبت سے تیری عقل اور دین میں ترقی ہو۔)

آخر کار وہ ریاضت میں مشغول ہو گیا، سب سے پہلے اس نے ایک آواز سنی، جسے فارسی میں آزاد

آ دا، عربی میں صوت مطلق اور ہندی میں اناہد کہتے ہیں۔ جب اس نے اس عمل کو بخوبی انجام دیا تو اس نے آنکھیں کھول کر ان کو دونوں ابروؤں کے درمیان جمایا جسے ہندی میں تراٹک کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کیوان کی شکل جلوہ نما ہوگئی۔ پس اس کے تصور میں برابر مشغول رہا، یہاں تک کہ پھر وہ شکل کبھی اس سے جدا نہ ہوئی۔ انجامِ کار وہ عالم جاودانی اور دنیائے حقیقت میں جا پہنچا اور چھ افلاک سے گزر کر فلکِ ہفتم تک پہنچا اور خود سے بیگانہ ہو کر خدا کے حضور میں آیا اور اپنی ہستی کو نیست و نابود کر کے خدا کی ہستی میں شامل ہوگیا۔ سعدؔی کہتے ہیں:

جوانا! رہِ طاعت امروز گیر کہ فردا نیاید جوانی ز پیر

(اے نوجوان! آج ہی اطاعت و فرماں برداری کا راستہ اختیار کر کیونکہ کل ایک بڈھے آدمی سے جوانی کی طاقت ظاہر نہ ہو سکے گی۔)

ایک دن نُور کے تڑکے دبستان کے اس مصنف سے اُس نے بیان کیا کہ کل کی تاریک رات میں اپنی روشن روح کی بدولت مَیں ظاہری جسم چھوڑ کر روانہ ہوا اور نُور سے لبریز انوارِ غیبی کے عالم میں پہنچا۔ اور حقیقت کے پردہ داروں نے ساتوں پردے میرے سامنے سے ہٹا دیئے۔ چنانچہ عالمِ ناسوت کو چھوڑ کر اور اس فانی دنیا سے گزر کر میں عالم لاہوت میں پہنچا اور نُور الانوار کی ہستیِ مطلق کو اس کی چاروں تجلیات یعنی آثاری، افعالی، صفاتی اور ذاتی کے ساتھ میں نے پا لیا۔ اس کے بعد یہ ہستیِ موہوم ناپید ہوگئی اور وجودِ حقیقی بالکل ظاہر ہو گیا۔ حافظؔ نے کہا ہے:

نقاب و پردہ ندارد جمالِ دلبرِ من تو خود حجاب خودی حافظؔ از میان برخیز

(میرے محبوب کے حسن کے لیے کوئی پردہ اور حجاب نہیں ہے۔ اے حافظؔ تو خود اپنے لیے حجاب بنا ہے، تو درمیان سے اُٹھ جا۔)

شیدوش لذیذ جسمانی غذا سے بہت پرہیز کرتا تھا، لیکن لباس بہت شاندار پہنتا تھا۔ اس کی مجلس ہمیشہ خوشبو سے معطر رہتی تھی۔ گھریلو خدمت گار، ملازم اور معمولی نوکر چاکر، چوکیدار اور سائیس تک کو عمدہ لباس پہنایا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ہماری ساری شان وشوکت آذر کیوان کی توجہ کے فروغ سے ہے۔ مال و دولت کو اتنا حقیر نہ سمجھنا نامناسب ہے اور اس سے فائدہ نہ اُٹھانا قابلِ نفرین ہے۔ ورنہ مجھے عمدہ پوشاک سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس کی کم خوری اور عورتوں کے اختلاط سے پرہیز اس سے بالکل عیاں ہے۔ شیدوش ایک بہترین نوجوان تھا۔ متناسب اعضائے جسمانی اور حسن و جمال کے زیور سے آراستہ تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ کسی نااہل اجنبی سے کوئی مطلب نہ رکھتا اور متعصب لوگوں سے علیحدہ رہتا بلکہ سارے انسانوں سے بہت کم تعلق رکھتا، جب کسی سے تعلق جوڑتا تو پہلے دن یک گونہ بے التفاتی سے ملتا، دوسرے دن زیادہ تواضع سے پیش آتا، اس طرح روز بروز اس سے تعلقات اور الفت ومحبت بڑھاتا رہتا اور یہ جو کہا گیا کہ پہلے دن زیادہ التفات سے نہیں ملتا تھا، یہ دراصل مقابلتاً اس کے عام التفات سے کم تر ہوتی تھی ورنہ دوسروں کے لحاظ سے وہی بہت زیادہ گرم جوش تھی۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ نگاہِ حق شناس میں اشیاء خدا سے جدا نہیں ہیں اور جو چیز بھی موجود ہے، وہ اس کی ذات

کے آفتاب کی ایک شعاع ہے۔ دنیا کی کوئی پوشیدہ یا ظاہر شے اس سے الگ ہو کر موجود نہیں۔ رفیع کہتا ہے:

گر دیوے اگر فرشتہ سر رشتہ یکیست　　دہقان و بہار و مزرع و کشتہ یکیست
با وحدت او ز کثرت خلق چہ باک　　صد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکیست

(خواہ کوئی دیو ہو یا فرشتہ دونوں کی اصل ایک ہے۔ کسان، بہار، کھیت اور کھیتی سب ایک ہی ہے۔ اس کی وحدت کے سامنے مخلوق کی کثرت سے بھلا کیا خطرہ۔ اگر تو سو جگہ گرہ لگائے پھر بھی دھاگا تو ایک ہی ہے۔)

شیدوش کشمیر میں اتنا سخت بیمار ہو گیا کہ اس کا علاج معالجین کے بس سے باہر ہو گیا۔ بقول عرفی طبیب کیست مسیحا اگر شود بیمار (یعنی اگر خود مسیحا بیمار ہو جائے تو طبیب کون ہو سکتا ہے۔) لوگ اس کی وجہ سے غمگین تھے، لیکن خود شیدوش خوش و خرم تھا اور جس قدر بیماری میں شدت ہوتی جاتی، اس کی بشاشت بڑھتی جاتی اور وہ خواجہ حافظ کے یہ دو شعر بار بار پڑھتا تھا:

خرم آن روز کزیں منزل ویراں بروم　　راحتِ جان طلبم و زپئے جاناں بروم
بہ ہوائے لب او ذرّہ صفت رقص کناں　　تا بسر چشمۂ خورشید درخشاں بروم

(مبارک ہے وہ دن جس روز میں اس ویران خانہ سے کوچ کروں۔ روح کے لیے آرام تلاش کروں اور محبوبہ کی تلاش میں روانہ ہو جاؤں۔ اس کے شیریں لبوں کے عشق میں ذرّہ کی طرح رقص کرتے ہوئے، روشن آفتاب کے سرچشمہ تک پہنچ جاؤں۔)

جس روز اس عارضی قیام گاہ سے اس دائمی آرام گاہ کی طرف انتقال کر رہا تھا، جو ایک معزز اور مبارک رہائش گاہ ہے، تیمارداری کرنے والے دوست اور محبت کرنے والے خادم رنجیدہ تھے۔ شیدوش نے خوشی اور مسرت کے ساتھ کہا کہ میں اس جسمانی مرض سے رنجیدہ نہیں ہوں۔ آخر تم لوگ کیوں غمگین ہو؟ تم یہ نہیں چاہتے کہ میں اس تاریک اور خیالی دنیا سے رخصت ہو کر ایک لامکانی اور عقلی مقام موجود حقیقی سے مل جاؤں۔ مولوی معنوی فرماتے ہیں:

مرگ اگر مرد است گو نزد من آئے　　تا در آغوشش بگیرم تنگ تنگ
من از او عمرے ستانم جاودان　　او ز من دلقے ستاند رنگ رنگ

(موت اگر مرد ہے تو اس سے کہہ دو کہ میرے سامنے آئے تا کہ میں اسے دبوچ کر اپنی آغوش میں لے لوں، میں اس سے دائمی زندگی حاصل کر لوں اور وہ مجھ سے رنگ برنگ کی گدڑی لے لے۔)

اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو اُٹھایا اور اپنا چہرہ آسمان کی طرف کیا جو دعاؤں کا قبلہ ہے اور محمد نور بخش کی مثنوی صحیفۃ الاولیا کے یہ مبارک اشعار پڑھے:

اگر ہادیم و اگر مہدیم　　بجنب قدم طفلک مہدیم

(خواہ ہم ہادی بن جائیں یا مہدی، ہر حال میں ذاتِ قدیم کے سامنے ہماری مثال ایسی ہے، جیسے

گھوارے کا بچہ۔)

یکے قطرہ ایم از محیطِ وجود اگر چند داریم کشف و شہود

(ہم دریائے وجود کا صرف ایک قطرہ ہیں، اگرچہ ہم ظہور و مشاہدہ کے متعدد پہلو رکھتے ہوں!)

من از قطرگی گشتہ ام بس نفور خدایا رسانم بدریائے نور

(مجھے قطرہ کی حالت میں رہنے سے سخت بیزاری ہے۔ اے خدایا! مجھے نور کے دریا تک پہنچا دے۔)

آن قطرہ شد بچشمہ و آں چشمہ شد بجوئی واں جوئی با محیط ازل یافت اقتراں

(وہ قطرہ چشمہ میں چلا گیا اور وہ چشمہ نہر میں اور پھر وہ نہر دریائے ازل سے جا کر مل گئی۔)

یہ عجیب و غریب واقعہ ۱۰۴۰ھ (مطابق ۱۶۲۹ء) میں رونما ہوا۔ اس کے عقیدت مند دوست اس مضمون کے مطابق ماتم کرنے لگے:

رنگِ تو ہنوز با چمن ہا است بوئے تو ہنوز با سمن ہا است

دیدارِ تو تا قیامت افتاد نیک ست ولے درو سخن ہا است

(تیرا رنگ اب تک باغوں میں موجود ہے اور تیری خوشبو اب بھی چنبیلی کے پھولوں میں باقی ہے۔ تیرا دیدار روزِ قیامت تک کے لیے ٹل گیا ہے۔ اچھا ہوا مگر بڑی سخت بات ہے۔)

اس کتاب کے مصنف نے شیدوش کا یہ مرثیہ کہا ہے:

شیدوش تا زدیدۂ من بر کرانہ شد گر چشم خانہ بود بسر رود خانہ شد

(شیدوش جب سے میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ اگر وہ چشم خانہ تھا جس پر آنکھ لگی رہتی تھی، تو اب وہ رود خانہ یعنی دریا بن گیا ہے۔)

آرام گاہِ طائر قدسی سپہر بود زیں پست آشیاں بفراز آشیانہ شد

(اس طائر قدسی کی آرام گاہ آسمان تھا، چنانچہ اس پست آشیانہ سے بلند نشیمن میں چلا گیا۔)

آزاد بود و زاد جز آزادگی نجست تن را بتن گذاشت روانش روانہ شد

(وہ آزاد تھا اور جب سے پیدا ہوا سوائے آزادی کے کسی شے کی جستجو نہ کی، لہٰذا اس نے جسم کو عالم اجسام میں چھوڑا اور اس کی روح رخصت ہو گئی۔)

جانش بہ ذاتِ حضرت جاں آفریں رسید بیروں زقید چرخ و زمان و زمانہ شد

(اس کی روح حضرتِ جان آفریں یعنی خدا کی ذات تک پہنچ گئی اور وہ فلک، وقت اور زمانہ کی قید سے آزاد ہو گیا۔)

آبادیان کے ان سب علماء و صلحاء کا جو دادستانِ اوریسہ میں دیکھے گئے، اگر تذکرہ کیا جائے تو یہ کتاب ختم نہ ہو۔ لہٰذا اب صرف ان لوگوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو عزیز دانیان یعنی غیر آبادیان کے ہم مذہب تھے اور کیوان کے شاگردوں کی خدمت میں پہنچ کر معرفت میں کامیاب ہو گئے۔

محمد علی شیرازی شاہ فتح اللہ کا ہم سبق تھا۔ اپنے وطن ہی میں آذر کیوان پہنچا لیکن درجۂ کمال فرزانہ بہرام ابن فرہاد کی صحبت میں حاصل کیا اور ساتوں کا سیاح ہو گیا۔ اس کے مکان میں ایک چور داخل ہوا۔ محمد علی نے اس کو دیکھ لیا، لیکن مصلّی پر سو گیا تا کہ چور اس کو بیدار نہ سمجھے اور اپنے کام میں مشغول ہو جائے۔ چور نے سارا گھر چھان ڈالا۔ لیکن چونکہ چیزیں ایک محفوظ مقام پر پوشیدہ رکھی گئی تھیں، اس لیے اس کو کچھ ہاتھ نہ آیا۔ محمد علی نے سر اُٹھایا اور کہا کہ میں نے خود کو خواب کی حالت میں کر لیا تھا تا کہ تُو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ جب تو نا اُمید ہو چکا تو اب خوف و ہراس نہ کر۔ اس کے بعد اُٹھا اور جس جگہ مال جمع کر رکھا تھا، اس کی نشاندہی کی۔ چور نے یہ مردانہ کردار دیکھ کر اپنے بُرے پیشے کو چھوڑ دیا اور نیکوکار بن گیا۔

محمد سعید اصفہانی حسینی سادات میں سے ہے اور فرزانہ بہرام ابن فرہاد کی بدولت اپنی منزلِ مقصود کو پہنچا۔ اس نے اس کتاب کے مصنف سے بیان کیا کہ جب میں پہلی بار بلند مرتبہ فرزانہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو جوں ہی اس نے مجھے دیکھا، اُٹھا اور ایک معزز امیر کے شایانِ شان میری تعظیم بجا لایا اور ایک عمدہ قالین پر مجھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اسی اثناء میں ایک برہنہ درویش داخل ہوا لیکن فرزانہ بہرام اپنی جگہ سے نہ ہلا اور اس کو جوتوں کے پاس بیٹھنے کو جگہ دی۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ دولت مند کی عزت درویش سے زیادہ ہے۔ فرزانہ نے ایک نقشیں دیوار کا رُخ کیا اور کہا کہ اے بے روح جسم ظاہری بالانشینی کوئی کمال نہیں ہے۔ درویشوں کا درجہ وہ ہے کہ ان کے جسم روح کے زیرِ اثر رہتے ہیں اور روح ان کے محبوب کے ساتھ ایک ہی مقام پر رہتی ہے۔ اس مجلس میں بھی یہ درویش میرے دل میں میرے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سُن کر میں سیدھے راستے کی طرف مائل ہو گیا۔ ۱۰۴۵ھ (مطابق ۱۶۳۵ء) میں لاہور میں اس نے جسد عنصری کو چھوڑا۔

عاشور بیگ قرامانلو، فرزانہ بہرام ابنِ فرشاد کی روحانی نوازش پانے والوں میں سے ہے۔ اس نے بغیر رسمی علوم حاصل کیے محض جوہرِ اصلی کی کوشش سے خدا بین سالکوں کی معرفت کے درجہ کو پا لیا۔ ۱۰۴۸ھ (مطابق ۱۶۳۸ء) میں اس کتاب کے مصنف نے کشمیر میں اس سے ملاقات کی تھی اور جب فرزانہ بہرام سے اس کی ملاقات کا حال دریافت کیا تو جواب دیا کہ میں صرف آزمائش کے لیے فرزانہ کے پاس گیا تھا۔ اس نے مجھے حکم دیا کہ تنہائی اور مجمع میں خلوت و جلوت میں جو سانس باہر نکلنے چاہئیں کہ اس پر دماغ حاضر رہے اور ہرگز اس میں غفلت نہ ہونے پائے۔ اور کہا کہ سانس کو اندر لے جا اور جتنی دیر تجھ سے ہو سکے، اسے روک رکھ اور اپنا رُخ صنوبری شکل والے دل کی جانب پھیر دے تا کہ تیرا ذکر پیٹ کے اندر دل سے ادا ہو۔ جب میں نے یہ عمل بخوبی انجام دیا اور اس کا اثر دیکھا تو تہِ دل سے اس کا عقیدتمند ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے مجھے توجہ کا قاعدہ سکھلایا کہ اپنے دل کو خدا کے حضور میں حاضر رکھ۔ بغیر کسی حرف اور آواز کے چاہے عربی ہو یا فارسی۔ اپنے دل کو صنوبر جیسی شکل والے دل سے ہٹائے بغیر اس اصول پر عمل کرنے سے میرا یہ حال ہو گیا کہ دنیا اور دنیا والے میری نگاہ میں ایک سایہ معلوم ہونے لگے اور ان کا وجود مجھے مثل سراب کے نظر آنے لگا۔ وہ ایسا شخص تھا کہ اس نے ظاہری کاروبار سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا اور دنیاداروں سے قطعاً نہیں ملتا تھا اگر کوئی شخص اس کے

سامنے کھانے کی کوئی چیز پیش کرتا تو جس قدر اسے پسند ہوتا، قبول کر لیتا اور باقی کو دوسروں پر تقسیم کر دیتا اور کبھی اپنا ہاتھ روپیہ پیسہ سے آلودہ نہ کرتا خواہ وہ سونا ہو یا چاندی یا تانبا۔ ایسا بھی ہوتا کہ دو دو روز بغیر کھانے کے گزار دیتا لیکن سوال قطعاً نہ کرتا۔

محمود بیگ تیمن، ''تیمن'' لاہور میں ارنگ کے ایک فرقہ کو کہتے تھے۔ وہ فرزانہ بہرام ابن فرشاد کی خدمت میں پہنچا۔ اس صاحبِ حکمت کی نصیحت اس کے دلی ذوق کے مطابق ثابت ہوئی، چنانچہ فرزانہ بہرام کے پاس رہ کر طریقت کا پیشہ اختیار کیا اور خدا بین و خدا شناس ہو گیا، اور بغیر کتاب کی مدد کے معرفتِ خداوندی کا علم حاصل کر لیا، اور باوجود بے سواری کے بیاضِ مطلق یعنی خدا تک راستہ پا لیا۔ ۱۰۴۸ھ (مطابق ۱۶۳۸ء) میں جب وہ کشمیر میں تھا ایک روز خانقاہ سے باہر نکلا تو ایک زخمی کتے کو دروازہ کے سامنے پایا جو چلاّ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کتے میں حرکت کرنے کی طاقت باقی نہیں اور گھر میں سوائے جانماز اور تسبیح کے اور کچھ نہیں۔ اس نے ان دونوں کو فروخت کر کے کتے کے علاج میں خرچ کر دیا۔ اسی دن اس نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ پہلے روز جب دل سے ذکر کرنے میں متوجہ ہوا تو ابھی دس مرتبہ بھی ذکر نہیں کر چکا تھا کہ اس کا اثر میرے اندر ظاہر ہو گیا۔ کلمۂ نفی ادا کرنے کے وقت میرا وجودِ بشری معدوم ہو جاتا تھا اور کلمۂ اثبات کہنے کے وقت فیضِ یزدانی کا کوئی نشان میرے سامنے جلوہ گر ہو جاتا۔ میرا ذکر یہ جملہ تھا: ''نیست ایزدے جز از یزدان'' (یعنی سوائے یزدان کے کوئی خدا نہیں ہے۔) اسی طرح اس فرقہ کی ایک بڑی جماعت اس مذہب کی پیروی سے معرفتِ الٰہی میں کامیاب ہو گئی۔

موسیٰ اور ہارون دو یہودی تھے، جن کو فرزانۂ بہرام ابن فرشاد ان ہی ناموں سے پکارتا تھا۔ یہ دونوں اپنے مذہب کے بڑے عالم تھے اور ربانیوں کے درمیان علم و فضل میں مشہور و معروف تھے۔ ربان یہودیوں کے ایک فرقہ کا نام ہے، جب یہ دونوں بہرام کی مجلس میں پہنچے تو اس کے گرویدہ ہو گئے۔ بہرام کے مذہب کی بدولت اپنی حقیقت کو پہچان گئے۔ یہ لوگ تجارت سے گزر اوقات کرتے تھے۔ اور خرید و فروخت میں جھوٹ جو تاجروں کا شیوہ ہے، کبھی ان دونوں کی زبان پر نہ آیا تھا۔ ان ہی سے یہ بات سننے میں آئی کہ فرزانہ بہرام ابن فرشاد جس کسی سے دین کی باتیں کرتا، وہ یقیناً اس کا گرویدہ ہو جاتا اور جو شخص اس کو دیکھ لیتا اس کو عزیز بنا لیتا اور سخت سے سخت منکر بھی اس کے پاس پہنچ کر اس کے سامنے جھک جاتا۔ ہم نے بارہا اس کو آزمایا ہے، چنانچہ ملا محمد سعید سمرقندی جو ہم لوگوں کا دوست تھا، انتہائی تعصب کی وجہ سے اس کو ستانے کے لیے چلا۔ اس زمانے میں فرزانہ بہرام لاہور کے باہر ایک قبرستان میں رہتا تھا۔ جب ملا سعید اس کے پاس پہنچا تو بیتابی سے دوڑ کر اپنا سر فرزانہ کے قدموں میں ڈال دیا اور جب فرزانہ نے اس سے باتیں کیں تو ملا سعید نے اس کا دین اختیار کر لیا۔ میں نے ملا سعید سے انکار کے بعد اس معاملہ کی حقیقت دریافت کی۔ اس نے کہا کہ جب میں نے اس کو دیکھا تو بے اختیار اس کے پاؤں پر گر پڑا۔ جب اس نے گفتگو کی تو میں اس کا عاشق ہو گیا، چنانچہ وہ فرزانہ کو دلربا کہتا تھا۔

مصنفِ کتاب نے ایک روز ہارون سے پوچھا کہ کیا موسیٰ تیرا بھائی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ لوگ اسی طرح کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تمہارا باپ کون تھا؟ جواب دیا کہ ماں اس کو جانتی ہے۔

انتوان بشویہ واورج انگلستان کا باشندہ اور عیسائی مذہب کا پیرو تھا اور بہت کافی ساز و سامان رکھتا تھا۔ توفیقِ ایزدی سے درویشوں کی صحبت کی جانب اس کا میلان ہوا۔ اپنے علم وفضل کی بدولت اس گروہ کے لوگوں سے مباحثہ کرتا تھا۔ ابن فرشاد کی رہنمائی سے راہِ راست پا کر اس نے سارے دنیاوی تعلقات کو خیر باد کر دیا اور قلندرانہ وضع اختیار کر لی۔ پوشاک کو اپنے لیے حرام قرار دے دیا۔ فرزانہ اس کو مسیح کہا کرتا تھا۔ وہ مادر زاد برہنہ رہتا تھا۔ موسم سرما و گرما میں کبھی لباس نہیں پہنتا اور جلالی و جمالی جانوروں کے گوشت سے پرہیز کرتا۔ کسی سے کوئی سوال نہ کرتا اور اگر کوئی شخص کھانے پینے کی کوئی چیز اس کے سامنے لے جاتا تو اگر جانور کا گوشت نہ ہوتا تو تھوڑا سا کھا لیتا۔ ایک روز ایک بدمزاج شخص نے اسے اس قدر مارا کہ اس کا سارا جسم زخمی ہو گیا۔ لیکن اس نے ستانے والے کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب وہ ظالم اس کے پاس سے چلا گیا تو میں (جو اس کتاب کا مصنف ہوں) اس کے پاس پہنچا۔ لوگوں نے اس کی تکلیف کا حال بیان کیا۔ میں نے خود اس سے پوچھا تو جواب دیا کہ میں اپنے جسم کی تکلیف سے رنجیدہ نہیں ہوں، بلکہ اس لیے غمگین ہوں کہ اس شخص کے ہاتھ اور مٹھی کو تکلیف پہنچی ہو گی۔ امام قلی وارستہ نے کہا ہے:

خار در جسم ار شکست چہ غم غم آں می خورم کہ خار شکست

(اگر کانٹا میرے جسم کے اندر چبھ جائے تو کوئی غم نہیں، البتہ اس کا غم ہے کہ کانٹا ٹوٹ گیا۔)

رام بھٹ ہندوؤں میں بنارس کا ایک ذی علم برہمن تھا۔ جب ابن فرشاد کے پاس آیا تو اپنی مذہبی پابندیوں کو چھوڑ کر بہرام کے مذہب کے مطابق عمل کرنے لگا۔ موبد ہوشیار کہتا ہے کہ اکثر اس کی زبان سے غیب کی خبریں سنی گئیں۔ ایک شخص محمد یعقوب نامی بیمار تھا۔ اطباء نے اس کے علاج سے ہاتھ کھینچ لیا تھا اور اس کے متعلقین بدرجۂ مجبوری ایک عورت کے مشورے پر عمل کر رہے تھے جو اپنے آپ کو عقل مند سمجھتی تھی۔ ایک روز میں رام بھٹ کے پاس گیا، دیکھا کہ وہ زانو پر سر جھکائے بیٹھا ہے۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ اگر رام بھٹ برگزیدہ لوگوں میں سے ہے تو ضرور بتلا دے گا کہ محمد یعقوب زندہ رہے گا یا گزر جائے گا۔ اس نے سر اُٹھایا اور مسکرا کر میری طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ پوشیدہ راز کو تو صرف خدا جانتا ہے، لیکن محمد یعقوب کو انتقال نہیں کرنا ہے اور آئندہ ہفتہ تک وہ تندرست ہو جائے گا۔ چنانچہ جیسا اس نے کہا تھا، ویسا ہی ہوا۔ اس کی ہدایت سے رام چند کھتری نے جو سہنگل ساہ کے سرداروں میں سے تھا، یہ مسلک اختیار کیا۔ اور ان دو اشخاص کی رہنمائی سے اس گروہ کی ایک بڑی تعداد نے ابن فرشاد کے آزاد مذہب کو قبول کیا۔ 'ساہ' ہندی زبان میں دولت مند اور مالدار کو کہتے ہیں اور سہنگل ہندوؤں کے ایک گروہ کھتری کے اندر ایک ذات کا نام ہے۔ اگر اس کتاب کا مصنف مختلف قوموں کے ان تمام لوگوں کا تذکرہ کرے جنہوں نے بہرام کے مذہب اور اصول کو اختیار کیا تو ان کی فہرست بہت طویل ہو جائے گی۔ راقم الحروف نے بہرام ابن فرشاد سے سنا جس نے فرزانہ بہرام ابن فرہاد سے نقل کیا

ہے کہ ایک روز شیخ بہاء الدین محمد عاملی نے جو امامیہ طبقہ کے ایک مجتہد ہیں، کیوان کے پاس جا کر گفتگو کی اور جب انہیں اس کے کمال کا حال معلوم ہوا تو بے حد خوش و خرم ہوئے اور یہ رباعی پڑھی:

در کعبہ و دیر عارف کامل سیر گردید و نشان نیافت از ہستی غیر

چوں در ہمہ جا جمال حق جلوہ گر است خواہی درِ کعبہ کوب و خواہی درِ دیر

(کعبہ اور بت خانے میں خوب سیر کرنے والے عارف نے گردش کی مگر بجز خدا کے کسی غیر کا نشان نہ پایا۔ جب ہر جگہ حق تعالیٰ کا حسن و جمال جلوہ گر ہے تو پھر چاہے کعبہ کے دروازے پر دستک دے چاہے بتخانے کے۔)

اس ملاقات کے بعد وہ خود کو کیوان کا شاگرد سمجھنے لگے تھے اور ہمیشہ ذوالعلوم کے شاگردوں کی تلاش میں رہتے تھے۔

مرزا ابوالقاسم فندرسکی نے کیوان کے شاگردوں کی صحبت کی بدولت آفتاب پرستی اختیار کی اور حیوانات کو آزار پہنچانا ترک کیا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ لوگوں نے ابوالقاسم سے دریافت کیا کہ باوجود استطاعت کے تم حج کے لیے کیوں نہیں جاتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس لیے نہیں جاتا کہ وہاں اپنے ہاتھ سے بکری ذبح کرنا پڑے گی۔

اب درویشانِ آبادیہ کے عام مخلوق سے اختلاط کا کچھ تحقیقی حال مصنف تحریر کرتا ہے۔ یہ لوگ اس طریقہ کو آمیزش فرہنگ اور میز چار کہتے ہیں۔ جب غیر مذاہب کا کوئی شخص اس فرقہ کی مجلسوں میں متعارف ہوتا ہے تو اس سے یہ لوگ سخت کلامی نہیں کرتے بلکہ اس کے مذہب کے اصول کی تعریف کرتے ہیں، اور جو کچھ وہ کہتا ہے، اسے قبول کرتے ہیں۔ اس کی تعظیم و احترام میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔ اس کی وجہ ان کے مذہب کا ایک اصول ہے اور وہ یہ کہ ان کے عقیدہ کے مطابق ہر مذہب کے ذریعہ خدا تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اور اگر غیر مذہب کے لوگ ایسے عمل کے خواہش مند ہوں جس سے ان کو اتفاق نہ ہو۔ خدا سے قربت کا عمل تو بھی یہ لوگ اس سے دریغ نہیں کرتے۔ اور جس مذہب سے اس کا تعلق ہے اس سے اس کو برگشتہ نہیں کرتے اور بجز نفع کے نقصان پہنچانا غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ جب کسی شخص کو ان سے کام پڑتا ہے، خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی بشرطیکہ وہ کام نیک ہو تو حتیٰ الامکان اس کی امداد اور تعاون میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ تعصب، بغض، حسد اور کینہ، ایک دین کو دوسرے دین پر ترجیح اور ایک مذہب کو دوسرے پر فوقیت دینے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ہر مذہب و ملت کے عالموں، درویشوں، پرہیزگاروں اور خدا پرست لوگوں کو ہر حال میں دوست رکھتے ہیں، بلکہ عام لوگوں کو بھی اپنے یہاں بلاتے ہیں۔ دنیاداروں کی برائی نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ جو شخص دنیا کا طلبگار نہیں، اس کو دنیا کی ملامت سے کیا سروکار، اس لیے کہ ملامت حاسد کا شیوہ ہے۔ یہ لوگ اپنا راز غیروں سے بیان نہیں کرتے اور اگر کوئی شخص ان سے کچھ کہتا ہے تو اس کو ظاہر نہیں کرتے۔

مہراب نام کا ایک شخص ابنِ فرشاد کے شاگردوں میں سے تھا۔ مصنف نے ۱۰۴۷ھ (مطابق

۱۶۳۷ء) میں کشمیر میں محمود فال حصیری سے سنا کہ اس نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ مہراب راستے میں کھڑا ہوا تھا، اتنے میں کسی خراسانی نے ایک مجبور بوڑھے کو بیگار میں پکڑ کر بھاری بوجھ اس کے سر پر لاد دیا۔ یہ دیکھ کر مہراب کا دل جل گیا۔ اس خراسانی سے کہا کہ اس بوڑھے سے اپنا ہاتھ ہٹا لے، میں تیرا بوجھ جہاں تو لے جانا چاہتا ہے، پہنچا دوں گا۔ خراسانی حیران ہو گیا لیکن مہراب نے بغیر اس کی طرف توجہ کیے ہوئے کمزور انسان کے بوجھ کو اپنے سر پر اُٹھا لیا اور اس ظالم کے ساتھ چل دیا۔ جب اس کے گھر سے واپس ہوا تو کچھ بھی تکان ظاہر نہ کی۔ میں نے اس سے کہا کہ اس ظالم نے تجھ جیسے عالم مفتی کو پریشان کیا۔ اس نے جواب دیا کہ آخر وہ کیا کرے۔ یہ تو ضروری تھا کہ بوجھ کو اپنے گھر لے جائے اور خود اپنے کندھے پر لیجا نہیں سکتا کیونکہ اس میں اس کی کسرِ شان ہے اور مزدور کو پیسہ دے نہیں سکتا کیونکہ پیسہ مشکل سے ہاتھ آتا ہے۔ مجبوراً ایک آدمی سے بیگار لے رہا تھا۔ میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے میری گذارش کو مان لیا اور اس بوڑھے کا بھی شکرگزار ہوں کہ اس نے میری درخواست قبول کر لی، اور اپنا بوجھ میرے ذمہ ڈال دیا۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید قرعۂ کار بنام من دیوانہ زدند

(جب آسمان بھی بارِ امانت کو برداشت نہ کر سکا تو مجھ دیوانہ کے نام کا قرعہ ڈال دیا۔)

مہراب کے چھوٹے بھائی ماہ آب کو مصنف نے ابن فرشاد کی خدمت گزاری میں دیکھا تھا۔ ۱۰۴۹ھ (مطابق ۱۶۳۸ء) میں اس نے ملا مہدی لاہوری سے یہ واقعہ سُنا کہ ایک روز بہرام نے اس کو کسی کام سے بازار بھیجا۔ اس کا گزر حکیم علیم الدین حلسوبی کے (جس کو وزیر خاں کا خطاب ملا تھا) کے ملازمین میں سے ایک کے مکان کے پاس سے ہوا۔ دیکھا کہ وہ سپاہی (ملازم) اپنے غلام کو زد و کوب کر رہا ہے، اور کہتا ہے کہ تو نے میرے ایک غلام کو بہکا کر بیچ ڈالا ہے۔ ماہ آب سپاہی کے پاس گیا اور کہا کہ اس غلام کو ستانے سے ہاتھ روک لے اور بھاگے ہوئے غلام کی جگہ پر مجھے قبول کر لے۔ اس بارے میں اس نے اتنا اصرار کیا کہ سپاہی نے اپنے غلام سے ہاتھ روک کر اس کو اپنا غلام بنا لیا اور جب سپاہی ماہ آب کی بزرگی سے آگاہ ہوا تو اس کو اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن ماہ آب اس سے جدا نہ ہوا۔ اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد ابن فرشاد نے میری موجودگی میں کہا۔ معلوم نہیں ماہ آب کہاں ہے؟ پھر اپنا سر زانو پر جھکا کر عالم ملکوت کا نظارہ کرنے والے دل کو متوجہ کیا اور ایک لمحہ کے بعد سر اُٹھا کر کہا کہ ماہ آب ایک سپاہی کی خدمت گزاری کر رہا ہے اور اپنی خوشی سے اس کی غلامی اس نے قبول کر لی ہے۔ یہ کہہ کر فوراً سپاہی کے مکان پر جا کر ماہ آب کو واپس لایا۔ اس قسم کے واقعات بارہا اس طبقہ کے لوگوں سے مشاہدہ میں آئے۔ محمد شریف جس کا خطاب امیر الامراء تھا اور تخلص شیرازی تھا، کہتا ہے:

ز یمنِ عشق بہ کونین صلح کل کردیم تو خصم باش و زما دوستی تماشا کن

(عشق کی برکت سے ہم نے دونوں عالم سے صلح کر لی ہے۔ تو دشمن بن کر ہماری طرف سے دوستی کا مظاہرہ دیکھ۔)

حلسوب پنجاب کے اضلاع میں ایک مقام کا نام ہے۔

''آمیزشِ فرہنگ'' جو درویشانِ آبادیہ کا مسلک ہے، اس کا کچھ حال بیان کیا گیا۔ اب اس گروہ کے سلاطین و حکمراں کے مسلک کو قلم تحقیق و تحریر کرتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ ایران کے سلاطین خواہ وہ آبادیان ہوں یا جیان، شائیان ہوں یا یاسانیان بلکہ پیشدادیان، اشکانیان اور ساسانیان کے عقائد وہی ہیں جو بیان کیے جارہے ہیں۔ اگرچہ بعد میں دین زردشت کو بڑی ترقی ہوئی، لیکن اس کو بھی تاویل کر کے آباد اور کیومرث کے دین اور ہوشنگ کے آئین سے جو فرہنگِ کیش کہلاتا ہے، مطابقت پیدا کرتے ہیں اور دین آباد کی مخالفت کو ناپسندیدہ خیال کرتے ہیں اور اس مذہب کے اتباع و پیروی کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ پرویز ابن ہرمز نے قیصر روم کے جواب میں لکھا تھا:

کہ مارا ز دینِ کہن ننگ نیست   بگیتی بہ از کیشِ ہوشنگ نیست

ہمہ رائے و آئین دادست و مہر   نگہ کردن اندر شمارِ سپہر

(ہم کو اپنے دیرینہ مذہب سے کوئی شرم نہیں کیونکہ دنیا میں ہوشنگ کے دین سے بہتر کوئی دین نہیں ہے۔ اس دین کا سارا اصول انصاف اور محبت ہے اور افلاک کی تعداد کے متعلق غور و فکر کرتا ہے۔)

آذر ہوشنگ، آہوشنگ، ہوشنگ اور آہوش، مہ آباد کو کہتے ہیں۔ نیز جاننا چاہیے کہ خداوند تعالیٰ نے ایران کے بادشاہوں کو مکمل فراست، ذہانت اور ہوش مندی عطا فرمائی تھی۔ ان کا علم و عمل یکساں تھا اور ان کا کردار گفتار کے مطابق ہوتا تھا۔ انہوں نے اس گردش کرنے والی دُنیا پر کئی ہزار سال حکومت کی اور یہ سب ان قواعد اور اصول کی بدولت تھا جو تحریر کیے جارہے تھے۔

۳۔ پیمانِ فرہنگ اور ہیر بدسار کے احکام کا بیان

''پیمانِ فرہنگ'' مہ آباد کی کتاب کا نام ہے، جس کے کئی ترجمے ہو چکے ہیں۔ ایک ترجمہ فریدون ابن آبتین کا ہے اور دوسرا نوشیروان ابنِ قباد کے لیے بزرگ مہر کا۔ اس میں سے چند باتیں اس کتاب میں بیان کی جارہی ہیں۔ یزدانیان کا جن کو سپاہی کیش اور سپاہی کہتے ہیں، عقیدہ ہے کہ سب سے افضل پیغمبر اور سب سے بڑا بادشاہ اور موجودہ نسل کے لوگوں کا مورثِ اعلیٰ مہ آباد ہے جس کو آذر ہوشنگ بھی کہتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ آنجناب کی کتاب میں، جو کلامِ خداوندی ہے، لکھا ہے اور آنجناب نے زبانی بھی خبر دی ہے کہ ایزد بیچون کی ذات تصور اور تخیل کے جملہ الوان و اشکال سے منزہ و مبرا ہے اور فصیح و بلیغ عالموں کی عبارتیں اور عارفوں اور حکیموں کے اشارے اسی بے رنگ و نشان نور کو بیان کرنے سے قاصر ہیں اور علماء کے دماغ اور عقلاء کی عقلیں اس بیچون و چگونہ اور بیرنگ و نمونہ نور کی ذاتِ محض کی حقیقت کو سمجھنے سے عاجز ہیں، جملہ موجودات علم باری کے فیض سے ظاہر ہوئے ہیں، اس لیے کہ ساری چیزیں اسی کی بنائی ہوئی ہیں اور اس کے ذرات میں سے ایک ذرہ بھی حتیٰ کہ جانور کے بدن کے اوپر کا ایک بال بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ یہ مسئلہ کئی مقدمات کے ساتھ

برہانِ یقینی کے ذریعہ ثابت ہو چکا ہے اور اس کی بہت تشریح ہو چکی ہے۔ یہ مختصر کتاب اس کو بیان کرنے کے لیے کافی نہیں۔ واجب الوجود کو ان سارے جزئیات کا علم کلی طور پر حاصل ہے۔

اوّل درجہ کے برتر فرشتوں کا بیان:

پیغمبرِ بزرگ مہ آباد کی کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا بیان زبان کی طاقت سے بالاتر ہے اور جس عدد و شمار تک اس پست عنصری دُنیا کے بسنے والے پہنچ سکتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ذاتِ قدیم کا فعل بھی قدیم ہے۔ لہٰذا پہلا فرشتہ جس کو خداوند تعالیٰ نے وجود کا لباس پہنایا، اس کو بہمن کہتے ہیں اور اس کے واسطہ سے دوسرے وجود میں آئے، اور ہر ثابت اور سیارہ ستارے اور افلاک کے لیے ایک مخصوص فرشتہ ہے اور فلک ماہ کے نیچے چار عناصر کو چار فرشتوں نے پرورش کیا ہے۔ اسی لیے ان کے دوسرے متعلقات کو مثلاً جمادات میں بہت سے اقسام ہیں، جیسے لعل، یاقوت اور زمرد اور ان میں سے ہر ایک قسم کے لیے خدا کے اچھے عطا کرنے والے فرمان کے مطابق ایک پرورش کرنے والا فرشتہ ہے۔ اسی طرح نباتات اور حیوانات میں مختلف اقسام کے لیے فرشتے ہیں اور انسانوں کے پرورش کرنے والے فرشتہ کا نام فرد فرو فردن فرد وخشور ہے۔

دوسرے درجہ کے فرشتوں کا بیان:

مہ آباد کی کتاب میں مذکور ہے کہ دوسرے درجہ میں وہ فرشتے ہیں جن کا تعلق اجسام سے ہے یعنی ہر فلک اور ہر ستارہ کی ایک بسیط روح ہے جو مادہ سے علیحدہ ہے، کیونکہ وہ جسم اور جسمانی نہیں ہے اور موالید ثلاثہ میں صرف حیوانات نفسِ مجرد رکھتے ہیں۔

تیسرے درجہ کے فرشتوں کا بیان:

مہ آباد کی کتاب میں لکھا ہے کہ تیسرے درجہ کے فرشتوں سے مراد اجسام علوی اور سفلی ہیں۔ علوی میں افلاک اور ستاروں کے اجسام ہیں اور سفلی میں عناصر اربعہ ہیں اور اجسام میں سب سے زیادہ شریف افلاک کے اجسام ہیں۔

بہشت کے درجوں کا بیان:

مہ آباد کی کتاب میں مذکور ہے کہ بہشت کے بہت سے درجے ہیں۔ ہم پہلے عالم سفلی میں بہشت کے مراتب کا بیان کرتے ہیں۔ پہلے درجہ میں معدنیات ہیں جیسے لعل، یاقوت اور زمرد اور ان سے مثل۔ دوسرے درجہ میں نباتات ہیں جیسے چنار اور باغ کے سرو وغیرہ۔ تیسرا درجہ حیوانات کا ہے مثلاً عربی گھوڑا اور اونٹ۔ چوتھا درجہ برگزیدہ انسانوں کا ہے جیسے سلاطین اور ان کے مقربین، تندرست اور خوشحال لوگ وغیرہ۔ ان جملہ مراتب و مینوسار اور بیست لاد یعنی فرودین فرہ کہتے ہیں۔ ان مراتب میں تنزل بھی ہوسکتا ہے، یعنی ایک انسان وہ ہے جو اپنے اعمال کے مطابق درجہ بدرجہ حیوانات کے درجہ میں اتر آتا ہے، جبکہ نیک انسانوں کے جسم کی خاک نباتات اور برگزیدہ معدنیات کے درجوں کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ حالانکہ نباتات اور معدنیات میں نفس مجرد موجود

نہیں ہوتا۔ جب ان مراتب سے آگے ترقی کرتا ہے تو اسے لیمسار یعنی فراز آباد کہتے ہیں۔ سب سے پہلے قمر کا درجہ ہوتا ہے اور قمر کے نفس میں جملہ عنصری موجودات کی شکلیں موجود ہیں۔ جب کوئی شخص اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے تو گویا اس عالم سفلی کا بادشاہ ہو جاتا ہے اور اس کے علم و عمل کے مطابق اس کے اخلاق حمیدہ عمدہ شکلیں اختیار کر لیتے ہیں۔ جب اس سے زیادہ بلند درجے پر پہنچتا ہے تو اور زیادہ لذت حاصل کرتا ہے، یہاں تک کہ خورشید کے درجے پر پہنچ جاتا ہے اور خورشید پیرۂ یزدان یعنی خلیفۃ اللہ اور ستاروں کا بادشاہ ہے اور اس کا فیصلہ اوپر اور نیچے دونوں جانب پہنچتا ہے۔ جب وہاں سے بھی آگے گزرتا ہے تو درجہ بدرجہ افلاک اطلس تک سارے مدارج بہتر اور بلند تر ملتے جاتے ہیں اور جب فلک اعلیٰ سے بھی آگے گزر جاتا ہے تو بزرگ ترین فرشتوں کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے اور حضرت نور الانوار کو ملائکہ مقربین کے ساتھ مشاہدہ کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور بہتر کوئی لذت تصور نہیں کی جاسکتی اور اس درجہ کو مینوان مینو کہتے ہیں۔

دوزخ کا بیان:

مہ آباد کی کتاب میں لکھا ہے کہ دوزخ فلک قمر کے نیچے ہے اور دوزخ کا پہلا درجہ معدنیات میں بدشکل اور بے قیمت پتھر ہیں۔ نباتات میں خار و خاشاک اور زہریلی گھاس ہے، حیوانات میں چیونٹی، سانپ اور بچھو ہیں اور انسانوں میں نادار و بیمار، ناتواں و نادان اور ذلیل و خوار لوگ ہیں۔ ان مدارج میں انسان نے جو بُرے کام کیے ہیں، ان کی سزا پاتا ہے اور بغیر بدلہ کے رہائی نہیں پاتا لیکن بدترین درجہ دوزخ کا روحانی تکلیف ہے اور وہ بدعقیدہ عالم کے لیے مخصوص ہے، اس لیے کہ جب اس کا جسم عنصری پارہ پارہ ہو جاتا ہے تو اس کو دوسرا جسم نہیں دیا جاتا۔ چنانچہ وہ آسمانوں پر جانے کا راستہ نہیں پاتا، اور اسی عنصری عالم سفلی میں رہتا ہے اور حسرت و افسوس کی آگ میں جلتا رہتا ہے اور اس کے ناپسندیدہ اخلاق سانپ اور بچھو اور دوسری سزاؤں کی شکل میں اس پر حملہ کرتے ہیں۔ اس درجہ کو پوچان پوچ اور دوزخان دوزخ کہتے ہیں۔

مہ آبادی کتاب میں مذکور ہے کہ جو کچھ اس مادی دنیا میں ہوتا ہے، وہ سب ستاروں کے اثر سے ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد ستاروں کی پرستش واجب ہے کیونکہ یہ روشن ستارے دربار احدیت کی مقرب ہستیاں ہیں اور بارگاہِ صمدیت کے سپہ سالار ہیں۔ کوئی شخص کسی بزرگ کے دربار میں جب جاتا ہے تو اس کو کسی ایسے شناسا کی ضرورت ہوتی ہے جو دربار میں اس کو روشناس کرائے۔ یہی طریقہ بہت مناسب ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص سفر کے لیے نکلتا ہے، اس کو بغیر کسی رہبر کے چارہ نہیں اور جو شخص ایسے شہر میں جاتا ہے، جہاں اس کا کوئی دوست نہیں تو اس کو دشواری ہوتی ہے۔ اس سے ان بزرگ ہستیوں کی پرستش لائقِ ستائش ہے۔ ستارے تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ لیکن ان میں سے سات ستاروں کا اثر اس دنیا میں بہت زیادہ ظاہر ہے اور ان سب کا بادشاہ خورشید ہے، لہٰذا سات بتخانے بنانا چاہئیں اور خورشید کا بت خانہ سب سے بلند ہونا چاہیے۔ آبادیان کے بت خانے ہر طرف سے کھلے رہتے تھے۔ اس طرح کہ جب آفتاب روشن ہو تو ان سب کے اندر کافی روشنی پھیل جائے۔ وہ ہندوستان کے بت خانوں کی طرح نہیں تھے کہ جس کے اندر دن کے وقت

بھی چراغ لے کر جاتے ہیں۔ آبادیان کے بت خانوں کی چھتیں بھی کافی بلند ہوتی تھیں۔ افرادِ انسانی میں سے سب سے زیادہ برگزیدہ بادشاہ اور خسروِ زمین ہے، اسی بنا پر شہنشاہ کو چاہیے کہ اقلیم چہارم میں آرام کرے جو خورشید کی اقلیم ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے انتظام کے لیے ستارے مقرر ہیں اور افرادِ انسانی میں سے سب سے زیادہ برگزیدہ بادشاہ ہے تو پھر کوئی شخص بھی بادشاہ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا، سوائے اس بادشاہ کے جو فرہنگ آباد یعنی آذر ہوشنگ کی شریعت کا مخالف نہ ہو ورنہ وہ بادشاہ کے منصب کا سزاوار نہیں ہوگا۔ جو باتیں بادشاہ کے لیے ضروری ہیں، ان میں سب سے پہلے اس کا ان چیزوں پر جو تحریر کی گئی ہیں، اعتقاد ہے اور یہ کہ راسخ العقیدہ بھی ہو۔ اگر باپ اور ماں دونوں طرف سے یعنی حسب ونسب کے اعتبار سے بادشاہ زادہ ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ بادشاہ زادہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ عدل وانصاف کا ملکہ اس میں پایا جاتا ہو، لیکن اگر یہ خصوصیت ظاہری سلطنت کے ساتھ کسی کے اندر جمع ہو جائے تو کیا کہنا۔ بادشاہ یہ نہ کہے کہ ''میں اپنے باپ سے افضل ہوں اور باپ اپنے اسلاف سے افضل تھا۔'' بلکہ باپ کو افضل اور دادا کو بہتر کہے۔ اگر کوئی شخص اس کی ایسی ہی تعریف کرے تو اس کو سزا دے۔ عزیزی نے بیان کیا ہے کہ اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ ایک باپ دوسرے باپ سے افضل ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی بیٹا اپنے کو افضل سمجھتا ہو تو ہر شخص کا بیٹا خود کو باپ سے افضل سمجھے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی بادشاہ نہ ہو سکے گا۔

بادشاہ کے لیے ایک نامور مہندس ہونا چاہیے جو اس کا وزیر اعظم ہو اور اس کے ماتحت دوسرے ریاضی داں اور ہیئت داں ہوں۔ اور ہر شہر میں ایک اندازہ گیر یعنی پیمائش کرنے والا اور ایک ارشیا یعنی محاسب ہونا چاہیے جو بحیثیت وزیر کے ہو تاکہ رعایا جو کچھ مالگذاری ادا کرے اس سے وہ باخبر ہو، اسی طرح اس کے بھی مقرر کردہ افسران ہونا چاہئیں اور ہر شہر میں بہت سے گاؤں اور قصبے بادشاہ کے لیے مخصوص ہوں جن کا انتظام وہاں کا مقامی وزیر کرے جس کو ویژاک کہتے ہیں۔ اور مقامی اور ہر مقامی وزیر کے ساتھ دو استوار یعنی امین اور دو شدہ بند یعنی وقائع نویس ہونا چاہئیں۔ اس طرح دوسرے کار پرداز اور سامان سالار جو میر سامان کہلاتا ہے اور خبر کار یعنی داروغہ وغیرہ کا حال ہے۔ ان سب کے ساتھ دو استوار اور دو شدہ بند ہونا چاہئیں۔ وزیر اعظم سے مراد وہ شخص ہے جس سے محکمہ مالیات کا بھی تعلق ہو اور وزیروں کے سارے رجسٹر دارالسلطنت میں نقل کیے جائیں۔ اسی طرح شدہ بند لوگوں کے پیش کردہ کاغذات کا بھی ریکارڈ رکھنا چاہیے۔

بادشاہ کے پاس فوجی افسران ہونا چاہئیں جن کی ماتحتی میں بہت سے سپاہی ہوں۔ اول درجہ ان سرداروں کا ہے جن کے ساتھ ایک لاکھ سوار ہوتے ہیں۔ دوسرے درجہ میں وہ ہیں جن کے ساتھ ہزار سوار ہوں۔ تیسرا درجہ اس کا ہے جس کے ساتھ سو سوار ہوں۔ چوتھا اس کا جو دس سواروں کا افسر ہو اور پانچویں درجہ میں وہ سردار ہے جس کے ساتھ دو، تین، چار یا پانچ سوار ہوں۔ اس گروہ میں ہر دس سپاہی پر ایک سالار ہوتا ہے اور ہر سو سپاہی پر ایک سپہدار جسے ہندوستان کی عام زبان میں بخشی، ایران میں لشکر نویس اور عربوں کی زبان میں عارض کہتے ہیں۔ یہی ترتیب پیدل سپاہیوں کے درمیان رہتی ہے۔ اسی طرح یہ سب لوگ باری باری بادشاہ کی

پیشی میں حاضر ہوتے ہیں۔ دربار میں ایک بارنگار ہوتا ہے جو ان سب کے نام لکھتا ہے، جو ڈیوٹی پر ہیں یا جو ڈیوٹی پر نہیں ہیں۔ ہندوستان کے عرف عام میں اس کو چوکی نویس کہتے ہیں۔ ان کے ساتھ شدہ بند، استوار اور پاسبان بھی ہوتے ہیں۔ دن اور رات کے پاسبان جدا جدا ہوتے ہیں۔ ان کے لیے مقرر ہے کہ چار چار نفر ساتھ میں رہیں، جن میں سے دو نفر ایک گھڑی (تین گھنٹے) سوئیں اور دو نفر جاگتے رہیں۔ اور جس شہر میں بادشاہ خود موجود ہو شدہ بند کو چاہیے کہ اس شہر میں جو کچھ واقعات پیش آئیں انہیں بادشاہ تک پہنچا دے۔ اسی طرح دوسرے شہروں میں بھی کیا جائے۔ ایسے شخص کو ہندوستان میں واقعہ نویس کہتے ہیں۔ اور ایک کوتوال ہوتا ہے جس کو فرہنگ روز کہتے ہیں، یعنی وہ دستور کے مطابق عمل کرتا ہے اور لوگوں کو ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے باز رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ دو شدہ بند اور استوار رہتے ہیں۔ اسی طرح بڑے بڑے امراء کی فوج میں دو شدہ بند ہوتے ہیں۔ اسی طرح مختلف صوبوں میں ایک شہردار یعنی حاکم ہوتا ہے اور ہر شہر میں ایک بود اندوز یعنی دیوان اور سپاہدار یعنی بخشی اور فرہنگ روز یعنی کوتوال ہوتا ہے۔ یزدانیوں میں قاضی اور کوتوال ایک ہی شخص ہوتا تھا کیونکہ وہ کسی پر بھی ظلم وستم نہیں کرتے تھے۔ شدہ بند، نوند اور روند کے لیے (یعنی جو بادشاہ کو خبر پہنچاتے ہیں) بادشاہ کی طرف سے بہت سے خفیہ جاسوس ہوتے ہیں۔ یہ سب خدمت گذار بادشاہ کے حضور میں شہر کے واقعات لکھ بھیجتے ہیں۔ اگر سپاہدار لوگوں کو تنخواہیں وقت پر نہیں ادا کرتا تو یہ افسران سے باز پرس کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی امیر اپنے ماتحتوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرتا ہے تو اس کی بھی تحقیقات کرتے ہیں۔ یہ افسران جاسوسوں کی بھی خبر لگاتے ہیں اور جب کوئی جاسوس خود کو مشہور کر دیتا ہے، تو اسے معزول کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص جو سپاہی یا رعایا کے حقوق کا بادشاہ کی بات سے ذمہ دار ہے، پورا حق ادا نہیں کرتا تو اس کو سزا دیتے ہیں۔ اور جب کوئی سوار یا پیادہ ملازم ہوتا ہے تو اس کے حلیہ کو لکھ لیتے ہیں اور گھوڑے کا چہرہ مہرہ بھی تحریر کر لیتے ہیں۔ اور ان کے حقوق کو باقاعدہ ادا کرتے ہیں۔ گلشائیوں سے پہلے کسی بادشاہ نے گھوڑے کو آگ سے نہیں داغا، اس لیے کہ یہ عمل گھوڑے پر ظلم ہے۔ اکثر سپاہیوں کو گھوڑے بادشاہ کی طرف سے ملتے تھے، کیونکہ ایرانی بادشاہوں کے پاس گھوڑوں کے بہت سے باڑے ہوتے تھے اور جب گھوڑا مر جاتا تو اس سلسلے میں گورنروں اور انسپکٹروں کی گواہی ضروری ہوتی تھی۔ جو سپاہی خود اپنا گھوڑا ساتھ لاتا، وہ بادشاہ کی طرف سے گھوڑا نہ لیتا۔ یہ سلاطین رعایا سے ہر بیس میں سے ایک وصول کرتے تھے۔ لیکن ساسانی بادشاہوں کے عہد میں رعایا نے درخواست کی کہ ان سے دس میں سے ایک وصول کریں اور خود ان کی رضامندی سے دس میں سے ایک قبول کر لیا گیا۔ اسی وجہ سے اس کو باج ہمداستانی کہتے ہیں، یعنی ایسا مال جو رعایا کے ساتھ باہمی مشورہ اور رضامندی سے طے پایا ہو۔ اسی طرح یہ بھی قاعدہ تھا کہ دور اور نزدیک کے امراء یا شہزادوں کو اختیار نہ تھا کہ مجرموں کو قتل کریں یا اس قسم کی کوئی مناسب کارروائی کریں بلکہ جب شدہ بند بادشاہ کو رپورٹ پہنچاتا تو خود بادشاہ فرہنگ آباد کے احکام کے مطابق عمل کرتا۔ البتہ بعض مواقع پر جہاں کسی سرکش دشمن کو فوراً قتل کرنا اس لیے ضروری ہوتا کہ چھوڑ دینے سے بڑا فساد پھیل جانے کا اندیشہ ہو تو بادشاہ کے احکام کا انتظار کیے بغیر ہی کارروائی کی جا سکتی تھی۔

یہ سلاطین اس طرح ملک میں نظم و ضبط قائم رکھتے تھے کہ اگر ایک شخص کو بھیج دیتے تو وہ ایک لاکھ جیوں کے کمانڈر کا سر قلم کر لاتا اور کبھی اس حکم سے منہ نہ موڑتا چنانچہ جب شاہ مہبول کے ایک صد ہزاری سردار نے ایک بے گناہ کو قتل کیا تو مہبول نے ایک شخص کو بھیجا، جس نے سردار کے سر کو ایسے دن اُڑایا جس دن سارے افسران جمع تھے۔ اس قسم کی بہت سے مثالیں موجود ہیں۔ شاہ فریدون ابن آبتین ابن فرشاد ابن شائی گلیو کے عہد میں مہلاد نام کا ایک کمانڈر خراسان کا گورنر تھا۔ اس نے ایک دیہاتی کو قتل کر دیا، وہاں کے خفیہ اور علانیہ شدہ بند لوگوں نے واقعہ کی رپورٹ بادشاہ کے پاس بھیجی۔ بادشاہ نے مہلاد کو لکھا کہ تو نے فرہنگ آباد کی خلاف ورزی کی۔ مہلاد نے جب بادشاہ کے خط کو پڑھا تو ملک کے اکابر کو جمع کر کے مقتول دیہاتی کے بیٹے کو بلایا اور اس کے ہاتھ میں تلوار دے کر کہا کہ اس کے سر کو جسم سے جدا کر دے۔ دیہاتی کے بیٹے نے کہا کہ میں نے اپنے باپ کے خون سے درگذر کیا۔ لیکن مہلاد نے اسے پسند نہ کیا اور اس معاملہ میں اس قدر مبالغہ کیا کہ اس کو اس کا سر کاٹ ڈالنا پڑا جو بادشاہ کے دربار میں بھیج دیا گیا۔ بادشاہ نے اس کی بڑی تعریف کی اور اپنے اصول کے مطابق مہلاد کی جگہ اس کے بیٹے کو مقرر کیا۔ اسی طرح چنگیز خاں کے فرمان پر جس کو تائید خداوندی حاصل تھی، اس کی مغل رعایا اور شاہ اسمٰعیل صفوی کے عہد میں اس کے فرمان پر قزلباش سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ لیکن ایران کے سلاطین قتل کرنے میں دلیری نہیں کرتے تھے۔ اور جب تک کوئی شخص آباد کے احکام کے مطابق واجب القتل نہ ہوتا، اس کے قتل کا حکم صادر نہیں کرتے تھے۔

ایران کے سلاطین اور امراء لوگوں کو گالی نہیں دیتے تھے۔ اگر کوئی شخص زد و کوب اور قتل کا سزاوار ہوتا تو فرہنگ دار یعنی قاضی اور دادستان یعنی مفتی کو طلب کرتے اور ڈنڈے سے مارنے یا قید کرنے میں جو بھی فرہنگ آباد کے مطابق ہوتا، اس پر عمل کرتے تھے اور کسی رئیس زادہ کو ڈنڈے سے مارنے یا قید کرنے کے لیے حقیر آدمی کو حکم نہیں دیتے تھے۔ جاسوس لوگ جو خبر لاتے تھے، اس میں کافی تحقیقات کرتے تھے اور بڑی کوشش کرتے تھے اور جب تک دو تین جاسوسوں کی خبروں میں مطابقت نہ ہو جاتی، اس پر عمل نہ کرتے تھے۔ شاہزادے اور شریف زادے شروع میں غلاموں کی طرح بادشاہ کے سامنے خدمت بجا لاتے، مثلاً بخش اور باش جو دربار میں حاضری اور غیر حاضری کی علامت تھی، اس کا حکم ان کی باری میں ان پر بھی جاری ہوتا تھا تاکہ دوم درجہ والوں کی حالت کو جانیں اور پیادہ دربار میں جاتے تھے، تاکہ پیدل چلنے والوں کی تکلیف کو سمجھیں۔

ایک مرتبہ یاسانی بادشاہ بہزاد ایک سفر میں کچھ دور مسافت طے کر کے گھوڑے سے نیچے اتر آیا تو نوبر نامی ایک ممتاز سردار نے عرض کی کہ سفر کی حالت میں اتنی تھوڑی مسافت پر بس کرنا مناسب نہیں۔ بہزاد شاہ نے ساری فوج کو اسی جگہ چھوڑ کر کمانڈر نوبر سے کہا کہ اٹھ ہم اور تو تھوڑی دیر گھوم لیں۔ اس کے بعد خود گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اس کو اپنے آگے پیدل رکھ کر پہاڑ اور صحرا میں گھومنے لگا۔ یہاں تک کہ نوبر تھک گیا۔ بہزاد شاہ نے فرمایا کہ دوڑ کیونکہ ہماری منزل اب نزدیک ہے۔ اس نے عرض کی کہ اب مجھ میں چلنے کی طاقت نہیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اے ظالم! جب تو خود چل نہیں سکتا تو اتنا نہیں سمجھتا کہ جو لوگ پیدل ہیں، زیادہ

مسافت طے کرنے میں ان کو بھی یہی تکلیف ہوتی ہو گی:

تو کز محنتِ دیگراں بے غمی نشاید کہ نامت نہند آدمی

(تُو جو دوسروں کی تکلیف سے بے فکر ہے، اس قابل نہیں کہ تیرا نام آدمی رکھا جائے۔)

فوجی اپنے مراتب کے لحاظ سے قیمتی پوشاک اور مضبوط گھوڑے اور مرصع، سیمیں اور زریں زین اور جھول نیز خود رکھتے تھے، مگر کنجوسی اور فضول خرچی دونوں سے بہت دور رہتے۔ امرائے عجم ایسے تاج پہنتے تھے، جن کی قیمت ایک لاکھ دینار سرخ ہوتی اور تاج خسروی وہ تاج تھا جو بادشاہ کے لیے مخصوص تھا۔ بڑے بڑے امراء سونے کی خود اور پٹکہ نیز سنہرے جوتے اور سنہری زین رکھتے تھے۔ جب فوجی سفر کے لیے چلتے تو اپنے ساتھ ہر طرح کے اسلحہ مع پرچم اور سوئی کے رکھ لیتے تھے۔ یہ لوگ تکلیف برداشت کرنے کے عادی تھے اور معمولی توشہ کے ساتھ دور دراز سفر پر روانہ ہو جاتے تھے، خیمہ اور سراپردہ کے اندر خود کو محصور نہیں کرتے تھے۔ بلکہ سخت سردی اور گرمی برداشت کر لیتے تھے۔ میدانِ جنگ میں جب تک بادشاہ یا اس کا نائب کھڑا رہتا، اس وقت تک اگر کوئی شخص سوائے اس کے جس نے خود کو ایسی ذلت اور بدنامی کے حوالہ کر دیا ہو دشمن کو پیٹھ نہ دکھاتا تو پھر کوئی بھی اس کو کھانے پینے میں شریک نہ کرتا اور نہ اس سے کوئی تعلق رکھتا۔ بادشاہ اور امراء تک کسی دیوانہ، مسخرہ اور بدچلن عورت کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔

کسی عہدہ دار کے انتقال کے بعد اس کا عہدہ اس کے بیٹے یا اس کے کسی لائق رشتہ دار کے جو اس عہدہ کے قابل ہوتا، حوالہ کر دیتے تھے اور بغیر جرم کے کسی کو معزول نہ کرتے تھے۔ چنانچہ شائی گلیو کے زمانے سے شائی مہبول کے زمانے تک ان کے بزرگوں کا یہی سلسلہ قائم رہا جب شائی خسرو ابن فریدون ابن آبتین ابن فرزانہ ابن شائی گلیو نے گرگین ابن لاس کو ایک عہدہ پر مقرر کر کے بھیجا تو گرگین کی اولاد کے درمیان وہ حکومت ایک ہزار سال سے زیادہ باقی رہی اور جب عظیم الشان بادشاہ اردشیر کے عہد میں مدہور جو گرگین کی نسل سے تھا، پاگل ہو گیا تو اردشیر نے اس کو مکان کے اندر بند کر دیا اور اس کے بیٹے ماب زاد کو باپ کے عہدے پر مقرر کیا۔ شاہ اسمٰعیل صفوی کا بھی یہی طریقہ تھا؛ البتہ اگر کوئی امیرزادہ حکومت کے قابل نہ ہوتا تو اس کو عہدے سے معزول کر دیتے تھے اور اس کے لیے مناسب وظیفہ مقرر کر دیتے تھے۔ اور کوئی جانور مثلاً گائے، گدھا اور گھوڑا جس سے جوانی کی حالت میں کام لیتے جب بوڑھا ہو جاتا تو اس کے مالکان اس کو آرام سے رکھتے تھے اور ہر جانور پر کتنا بوجھ لادنا چاہیے اس کی حد مقرر تھی اور جو شخص مقررہ حد سے تجاوز کرتا، اس کو سزا دیتے تھے۔ اسی طرح جب کوئی سپاہی سوار یا پیادہ کمزور یا سُست یا بوڑھا ہو جاتا تو خواہ اس نے مناسب خدمت انجام نہ دی ہو، اس کے باوجود اس کے بیٹے کو اس کی جگہ پر ملازم رکھ لیتے تھے اور اگر بیٹا پوری طرح جوان نہ ہوتا تو شاہی خزانے سے اس کے لیے روزینہ مقرر کر دیتے تھے۔ اگر کسی شخص کا بیٹا نہ ہوتا تو جب تک وہ زندہ رہتا، اس کے لیے اتنا روزینہ مقرر کر دیتے تھے جس سے وہ تنگ دستی سے محفوظ رہے اور اس کے مرنے کے بعد وہ روزینہ اس کی بیوی یا بیٹی یا دوسرے پسماندگان کے نام جاری رہتا۔ اور جو فرائض باپ پر عائد ہوتے ہیں، انہیں بادشاہ

خود بجالاتا تھا۔ اگر میدان جنگ میں کسی سپاہی کا گھوڑا کام آ جاتا تو اس سے بہتر اور عمدہ گھوڑا اس کو عطا کرتے تھے۔ اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اکثر سپاہیوں کو گھوڑے بادشاہ کی جانب سے عطا کیے جاتے تھے اور سوائے دانہ پانی کے سپاہیوں کا کچھ خرچ نہ ہوتا تھا، جو سپاہی قتل ہو جاتا، اس کے عہدے پر اس کے بیٹے کو بڑے اعزاز کے ساتھ فائز کر دیتے اور اس کے پسماندگان کے ساتھ کافی حسنِ سلوک کرتے تھے۔ نیز اس طبقہ کے فرائض کی تعلیم اور ان کی عزت و آبرو کے تحفظ میں بڑی توجہ کرتے تھے، اس لیے کہ پدر حقیقی بادشاہ ہے اور وطن مادر حقیقی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی سپاہی زخمی ہو جاتا تو اس کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرتے تھے۔ اسی طرح اُس سنار کی اور تجارت پیشہ کی جس کا کاروبار بگڑ جائے اور وہ دیوالیہ ہو جائے، خبر گیری کرتے تھے اور ایسے لوگوں کی اولاد کو سرکار اپنی حفاظت میں لے لیتی۔ چنانچہ ان کے قلمرو سلطنت میں کوئی بھی نادار نہ ملتا۔ جو پردیسی شہر میں داخل ہوتا۔ شہر کا سردار اس سے پوری طرح باخبر ہوتا۔ اسی طرح بیمار لوگ اور لاچار مسافر سرکاری شفاخانے میں داخل ہو جاتے تھے، جہاں اطباء مریضوں کی بیماریوں کا علاج کرتے تھے اور شدہ بند بھی موجود رہتے تھے، تاکہ اہلکار اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کریں۔ اندھے، مفلوج، عاجز اور لاچار لوگ شاہی شفاخانے میں رہتے اور اطمینان سے کھانا کھاتے تھے۔ شفاخانہ وہ مقام تھا، جہاں مجبوروں اور مسکینوں کو مفت کھانا ملتا تھا۔ ان کی پوری سلطنت میں کوئی محتاج اور فقیر نہ ہوتا البتہ جو شخص چاہتا اپنی خوشی سے درویش بن کر خانقاہ میں جو ریاضت کی جگہ ہوتی تھی، ریاضت کرتا تھا۔ اس کی اجازت نہ تھی کہ کوئی شخص کاہلی اور بے شرمی کی بنا پر درویش بن کر شکم سیر ہو کر کھائے اور سوئے بلکہ ایسے شخص کو درویشانہ ریاضت پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اور اگر وہ ریاضت برداشت کر لیتا تو ٹھیک ورنہ اس کو مجبور کیا جاتا کہ وہ اپنے پرانے پیشہ کی طرف لوٹ جائے۔

بادشاہ کے یہاں درباری ندیم بھی ہوتے تھے، جو پرانے زمانے کے راست باز لوگوں کی تواریخ سے آگاہ ہوتے اور بادشاہ کو تاریخی واقعات سناتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے منجم اور حکیم بھی ہوتے تھے۔ بادشاہ کے دارالسلطنت میں اور دوسرے صوبوں میں ایک ایک منجم اور حکیم شاہی فرمان کے مطابق ہر گورنر کے ہم راہ رہتا تھا اور شہر میں ان کی کافی تعداد ہوتی تھی، تاکہ عام لوگ اچھی اور بُری ساعت کے بارے میں ان سے دریافت کر سکیں۔

ہر شہر میں بادشاہ کی جانب سے ایک اسپتال تھا، جس میں بادشاہ کی طرف سے طبیب مقرر تھا۔ مردانہ اسپتال زنانہ اسپتال سے علیحدہ تھے۔ عورتوں کی طبیب کوئی ہوشیار عورت ہوتی تھی۔ اسی طرح عورتوں اور مردوں کے اسپتال ایک دوسرے سے بالکل جدا تھے۔ اس کے علاوہ بادشاہ کے یہاں فرہنگ سے واقف کار قاضی ہونے چاہئیں جو شرعی احکام اور دینی مسائل سے آگاہ ہوں اور بادشاہ کی طاقت اور اثر سے لوگوں کو برائی سے باز رکھیں اور ان کو فرہنگ کے احکام و آئین بتائیں۔ اسی طرح چاہیے کہ بادشاہ کے یہاں منشی موجود رہیں اور بڑے پیشوا کو جملہ علوم سے آگاہ ہونا چاہیے، ندیم کو سلاطین کی تاریخ اور واقعات میں، طبیب کو فن طب میں، منجم کو علمِ نجوم میں، مہندس کو ریاضی میں اور فرہنگی یعنی فقیہ کو شرعی احکام میں اچھی طرح معلومات رکھنا چاہیے۔ لیکن

جتنے احکام پیمانِ فرہنگ میں مذکور ہیں، ان کا پڑھنا سپاہی، رعایا، پیشہ ور اور ان کے علاوہ سب لوگوں کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح ایک طبقہ کے لوگ دوسرے کے کاموں میں مداخلت نہیں کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ سپاہی تاجر کا کام کرنے لگے اور تاجر سپاہی کے کام میں لگ جائے۔ اور دو پیشوں کو ساتھ نہ ملاتے تھے۔ جیسے کہ کوئی شخص فوجی یا ملازم ہے یا حکومت اور سرداری کے عہدہ پر فائز ہے، اس کے باوجود سوداگری بھی کرتا ہو۔

ہر شہر میں جس قدر اہلِ علم، پیشہ ور، اہلِ طرب، تاجر اور سپاہیوں کی ضرورت ہوتی، ان کو رکھتے اور زائد اور فاضل لوگوں کو زراعت کے لیے مقرر کر دیتے تھے۔ تاکہ ان فنون کو زیادہ لوگ سیکھیں۔ لیکن ضرورت سے زیادہ ان کو اختیار نہ کریں بلکہ زراعت پر گزر بسر کریں اور اگر کوئی شخص کسی کام میں ذرا بھی اضافہ کرتا جس کے ذریعے بادشاہ کو کچھ رقم وصول ہو جاتی، تو اسے قبول نہ کرتے بلکہ ایسے بدطینت کو سزا دیتے تھے۔

بادشاہ کا ہر روز دربار لگتا تھا اور ہفتہ میں ایک دن طلبِ انصاف کے لیے مخصوص تھا، اس دن مظلوم جس وقت چاہتا، بادشاہ تک پہنچ سکتا تھا۔ نیز سال بھر میں ایک مرتبہ دربارِ عام لگتا تھا۔ اس وقت جو بھی چاہتا بادشاہ کے سامنے جا سکتا تھا۔ اس موقع پر بادشاہ رعایا کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھتا اور لوگ جو کچھ چاہتے بغیر دوسرے کے واسطہ کے بادشاہ کے حضور میں عرض کرتے تھے۔

بادشاہ کے دربار کے لیے دو مقام تھے، ایک روزستان جس میں وہ بلند مقام پر بیٹھتا تھا جس کو تابسار بھی کہتے تھے۔ وہاں امراء اور پہلوان بالترتیب قطار میں کھڑے رہتے تھے۔ دوسرا مقام شبستان تھا، اس میں بھی ایک بلند جگہ ہوتی تھی، جہاں بادشاہ بیٹھا کرتا تھا۔ معزز لوگ باہر کھڑے رہتے تھے اور دروازے پر بادشاہ کے مخصوص لوگ ہوتے تھے۔ بادشاہ کے پاس جنگی آلات سے مسلح ایک دستہ کھڑا رہتا تھا۔ ہر ایک کو اجازت نہ تھی کہ بادشاہ کے قدموں تک اپنا ہاتھ پہنچا سکے۔ چنانچہ بعض لوگ صرف بادشاہ کے جوتے کا بوسہ لے لیتے اور اس کے گرد طواف کرتے اور بعض پیراہن کی آستین ہی تک پہنچ سکتے تھے جو شاہی تخت پر پڑی ہوتی۔ البتہ وہ شخص بڑا مقرب ہوتا تھا، جس کو تختِ شاہی یا بادشاہ کے قدموں کا بوسہ لینے کی اجازت ہوتی یا تخت کے گرد طواف کر سکتا۔

بیرونی دربار اور روزستان کے کچھ حالات لکھے گئے، تو اب چند باتیں درونِ خانہ اور شبستانِ نہانی یعنی حرم کے بارے میں لکھی جاتی ہیں، جسے مشکوی زریں کہتے ہیں۔ آذر ہوشنگ یعنی مہ آباد کی کتاب میں مذکور ہے کہ بادشاہ کے پاس جتنی بھی عورتیں ہوں، ان میں سے ایک کو سب سے افضل قرار دے جس کو بانوئے بانوان کہتے ہیں، لیکن اس کو اس قدر اختیار نہ ہونا چاہیے کہ شبستان کے اندر کا نظم ونسق اور پاداش وسزا اس کی مرضی سے ہو اور بغیر بادشاہ کی مرضی کے جس کو چاہے وہ قتل کر دے کیونکہ یہ بات بالکل ناجائز ہے۔

شدہ بند لوگ بانوئے بانوان اور شبستان کی ساری باتوں کو اسی طرح بادشاہ کے حضور میں پہنچانے پر مامور تھے کہ جیسے باہر کے لوگوں کے بارے میں خبر پہنچاتے تھے۔ اکثر بادشاہ کی ماں زندہ ہو تو برتری کے لائق وہی ہے نہ کہ بادشاہ کی بیوی، سالار بار، جادار، گاہ نما یعنی چوبدار، کوتوال، شدہ بند اور منجم اور اس جیسے سارے

لوگ شبستان میں موجود رہنے چاہئیں۔ خواتین، بانوئے بانوان اور دوسری عورتوں کو باہر کے معاملات میں کوئی اختیار نہیں اور نہ ان کو کوئی فرمان صادر کرنے کا اختیار تھا، بلکہ ان کے نام بھی بادشاہ کے روزستان میں زیادہ ذکر نہیں کیے جا سکتے اور نہ ان کے مخصوص ناموں سے ان کو پکارا جا سکتا تھا۔ اور بغیر خاص ضرورت کے وہ علانیہ سوار ہو کر نکل نہیں سکتی تھیں۔

بادشاہ جس وقت حرم میں داخل ہو تو اس کو زیادہ دیر تک عورتوں کے ساتھ نہ بیٹھنا چاہیے اور خواتین کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ ایسی فرمائش کریں جن کا ان کی ذات سے کوئی تعلق نہیں مثلاً کسی کو سالار مقرر کرنے یا کسی پہلوان کے مرتبہ کو بڑھانے کے بارے میں گفتگو کرنا۔ یہی اصول ہر امیر کے لیے اس کے گھر میں ہوتا تھا۔ دور ونزدیک کے سارے امیروں کے گھروں میں بادشاہ کی طرف سے ایک بوڑھی عورت یعنی آتونی شدہ بند کے فرائض کے لیے مقرر رہتی تاکہ صحیح واقعات بانوئے بانوان تک پہنچا دے یا دور دراز مقام سے حالات لکھ کر بھیج دے تاکہ وہ ان کو بادشاہ سے بیان کرے۔ بادشاہ کے حرم میں کوئی مرد داخل نہیں ہو سکتا تھا، چاہے وہ نابالغ لڑکا ہو یا خواجہ سرا ہو اور یہ لوگ بغیر جرم کے کسی کو خواجہ سرا نہیں بناتے تھے اور اس کے بعد ان کو اپنا راز دار نہیں بناتے تھے۔ ان سلاطین کی حکومت میں کسی شخص کو دولت کمانے کے لیے اس عمل کا اختیار نہ تھا۔

سال میں کئی بار مخصوص دنوں میں امرا کی عورتیں بانوئے بانوان کے پاس حاضر ہوتی تھیں اور عام مجلسوں میں شہر کی ساری عورتیں آتی تھیں۔ بادشاہ ان کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ جس روز عورتیں آتیں، اس دن بادشاہ حرم میں داخل نہیں ہوتا تھا بلکہ دوسرے مقام کو چلا جاتا تھا تاکہ اجنبی عورتوں پر اس کی نظر نہ پڑے۔ بانوئے بانوان کے پاس عورتوں کے آنے کی غرض یہ تھی کہ اگر کسی کے اوپر اس کا شوہر ظلم کرتا ہو تو اسے بادشاہ کے حضور میں پہنچا دے اور بادشاہ مناسب تحقیق و تفتیش کے بعد فرمانِ فرہنگ کے مطابق اس کو سزا دے۔

شہنشاہ بدحواس کر دینے والی شراب نہیں پیتا تھا، اس لیے کہ وہ پاسبان ہے اور پاسبان کو بدحواس نہ ہونا چاہیے۔ اسی بنا پر گلشائیان سے پہلے کے بادشاہوں میں سے جو اپنے کو پاسبان کہتے تھے، کسی ایک نے بھی شراب یا دیگر نشہ آور چیزوں سے اپنے لبوں کو آلودہ نہیں کیا۔ شہزادگان اور دوسرے امراء کے ساقی جن کو بارک کہتے تھے، عورتیں ہوتی تھیں۔ بغیر داڑھی والے لڑکے مجلس میں نہیں آ سکتے تھے اور گلشائیان کی مجلس میں سادہ چہرے والے نہیں آتے تھے مگر ریدک یعنی ایسے چھوٹے لڑکے جن کی عمر دس سال سے زیادہ نہ ہو مگر شراب نوشی کے وقت ریدک بھی موجود نہیں رہ سکتے تھے۔ قدیم سلاطین یعنی جو گلشائیان سے پہلے تھے، اس وقت شراب پیتے تھے، جب طبیب کسی مرض کے ازالہ کے لیے ان کو شراب نوشی کا حکم دیتا تھا، ایسے موقع پر مذکورہ طریقہ کے مطابق شراب پیتے تھے۔ اور اگر کسی کو بالخصوص بادشاہ کو ایسی بیماری لاحق ہو جاتی جس کا علاج شراب نوشی کے بغیر ممکن ہوتا تو یقیناً اس سے پرہیز کرتا لیکن اگر علاج شراب ہی پر منحصر ہوتا تو بدرجۂ مجبوری اس کا استعمال کرتا، اس لیے کہ جو چیزیں حرام ہیں، دوا کے طور پر ان کا استعمال جائز تھا، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس سے کسی زندبار (بے ضرر حیوانات) کو تکلیف نہ پہنچے۔

ان کی سلطنت میں جس سڑک پر لوگ سفر کرتے تھے، وہاں بہت سی کاروانسرائیں تھیں اور ہر دو سراؤں کے درمیان پاسبان مقرر رہتے تھے، چنانچہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک ہر شخص کی آواز پہنچ سکتی تھی۔ ان کاروانسراؤں میں شدہ بند، طبیب اور تیماری رہتے تھے۔ سرائیں ایک دوسرے سے قریب بنائی جاتی تھیں۔ تیماری وہ شخص کہلاتا تھا، جو بادشاہ کی طرف سے مجبور لوگوں مثلاً کم عمر بچے اور معذور افراد کی حفاظت کے لیے مقرر کیا جائے۔ حرم کے اندر سے ضروری سامان بوڑھی عورتیں لا کر معمر لوگوں کے حوالے کر دیتی تھیں، تاکہ وہ لوگ اہل کاروں اور خدمت گاروں کو پہنچا دیں۔ لیکن سپاہیوں کی عورتیں بیکار نہیں رہتی تھیں بلکہ وہ سوت کاتنے، سلائی کرنے اور دوسرے کاموں میں جیسے گھوڑے کو زین لگانا وغیرہ میں مصروف رہتیں، سواری اور کمانداری میں وہ مردوں کی طرح ماہر ہوتی تھیں اور سب محنت کی عادی اور مشقت برداشت کرنے والیاں ہوتی تھیں۔

دنیا والوں پر یہ بالکل روشن ہے کہ ان بادشاہوں کی قلمروِ سلطنت کافی وسیع اور کشادہ تھی۔ پھر بھی جو واقعہ پیش آتا مقررہ اصول کی بنا پر بادشاہ کی اس سے واقفیت ناگزیر تھی۔ چنانچہ حکم الٰہی کی طرح نافذ ہونے والے فرمان کے مطابق مختلف مقاموں اور منزلوں پر گاؤں آباد کیے گئے تھے اور ہر منزل پر بادشاہ کے گھوڑے بندھے رہتے تھے، اور کچھ لوگ مقرر تھے جن کو راوند کہتے تھے۔ جب شدہ بند روزمرہ کے واقعات کی رپورٹ راوند کے ہاتھ میں دیتا تو جو راوند شہر کے نزدیک ہوتا، وہ دوسرے راوند کو پہنچا دیتا اور اس منزل کا راوند دوسرے گاؤں کے راوند کے حوالہ کر دیتا یہاں تک کہ دارالسلطنت تک خبر پہنچ جاتی۔ یہی طریقہ بادشاہ امراء سے مراسلت میں اختیار کرتا۔ جس وقت بادشاہ کسی کو اس پر مامور کرتا کہ جو کچھ اس نے تحریر کیا ہے، اسے کسی امیر کو پوری احتیاط سے صرف وہی پہنچائے کسی دوسرے کے سپرد نہ کرے تو وہ شخص ہر منزل پر بادشاہ کے گھوڑوں پر سوار ہو کر جاتا جو مختلف منزلوں پر بندھے ہوتے تھے، یہاں تک کہ منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا۔ ایسے اہل کار کو نوند کہتے تھے اور امراء بھی بادشاہ کے دربار میں نوند بھیجتے تھے۔ لیکن بادشاہ یا امراء کے نوندوں کو یہ اختیار نہیں تھا کہ کسی کے گھوڑے کو پکڑ لیں یا کسی پر ظلم کریں کیونکہ ایسی حالت میں ان کو سزا ملتی تھی، اس لیے کہ ہر گاؤں میں حفاظت کے لیے لوگ مقرر تھے اور اگر کسی مسافر کو کسی سے تکلیف پہنچتی تو ان لوگوں سے بازپُرس کی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں ان کے ساتھ شدہ بند بھی رہتے تھے۔ آذر ہوشنگ یعنی مہ آباد کہتا ہے کہ رعایا پر لوگ ظلم نہ کریں۔ جتنا وہ آسانی سے ادا کر سکیں، اس سے زیادہ وصول نہ کریں۔ اسی بنا پر صرف اسی قدر مال وصول کرتے تھے، جس سے رعایا اور سپاہی دونوں خوشحال رہیں۔

بادشاہ کے سارے عقیدت مندوں کا یہ اعتقاد تھا کہ جس بات میں بادشاہ راضی ہو اسی میں دونوں جہاں کا فائدہ ہے اور شاہی فرمان کو کلامِ خداوندی کا ترجمان سمجھا جاتا تھا اور شاہنشاہ کے ارشاد کی تعمیل میں قتل ہو جانا لائقِ تحسین تھا، بلکہ بادشاہ (جو بہت بخشنے والا ہے) کی خوشنودی کی اُمید میں مرجانے کو زندگی پر ترجیح دیتے تھے، لیکن بادشاہ بھی ایسا ہو جو پیمانِ فرہنگ کے مطابق عمل کرے۔ نیز فوج کا بڑا سردار سپاہیوں سے دریافت کرتا تھا، آیا وہ ریش سفید کو پسند کرتے ہیں یا نہیں۔

پاسبانی کے معاملہ میں جیسا کہ بیان کیا گیا، چار افراد ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ دو سوتے رہتے تھے اور دو نفر مسلح کھڑے رہتے تھے اور جب سونے والے جاگتے تو جاگنے والے سو جاتے تھے۔ جب رات گزر جاتی تو دوسرے سپاہی پاسبانی کے لیے آتے تھے اور رات والے سپاہی لشکردار کے حکم سے رخصت ہو جاتے تھے۔ لشکردار رات میں تین مرتبہ لوگوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ اس طرح ہر شخص کو ہفتہ میں ایک دن پاسبانی کرنا پڑتی۔ اور جب سپاہی پاسبانی سے واپس ہوتے تو بادشاہ کے فرمان کے مطابق یہ منادی کی جاتی تھی کہ اگر کسی کو اپنے لشکردار یا سردار سے کوئی شکایت ہو تو اس کو پوشیدہ نہ رکھے۔

اسی طرح ہر مہینہ دُور اور نزدیک کے لشکردار اپنی فوج کا معاینہ کرتے تھے اور اگر کسی کے یہاں خاص سبب کے بغیر فوج سے متعلق ضروری ساز و سامان میں کوتاہی دیکھتے تو اس کو سزا دیتے تھے، لیکن اگر کوئی معقول عذر اور گواہ پیش کرتا تو اسے قبول کر لیتے اور اگر اس کو کسی چیز کی ضرورت لاحق ہوتی تو اس کو پورا کرنے کا حکم دیتے تھے۔

جس شخص کو زمین یعنی جاگیر یا مفاصا (حقوق بعنوان قصاص) نہ دیتے، وہ ہر روز اور ہر مہینہ اپنا روزینہ اور ماہانہ وصول کر لیتا تھا اور اس کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاتے تھے۔

اگر کوئی شخص خدمت گزاری میں کوتاہی کرتا مثلاً کچھ دیر بلا خاص سبب کے غائب رہتا تو اس کو مناسب سزا دینے کے بعد اتنی دیر کی مزدوری اس کو کم دیتے تھے نہ یہ کہ سارے دن کی مزدوری کاٹ لیں اور اگر کسی خاص ضرورت سے چھٹی کی اجازت مانگتا تو وہ بھی پا جاتا تھا۔ ریش سفید کے لیے لازم تھا کہ وہ امین اور شدہ بند کے سامنے عارض کو ایک خوشنودی نامہ حوالہ کرے جس سے پتہ چلے کہ اس نے لوگوں کو ان کا حق پہنچا دیا ہے۔ اور لوگ اس سے راضی ہیں۔ نیز یہ کہ کس قدر حق ادا کیا ہے۔ عارض ایسا ہی خوشنودی نامہ بادشاہ کے حضور میں پیش کرتے تھے اور اگرچہ جاسوس لوگ پوشیدہ واقعات کو ظاہر کر دیتے، اس کے باوجود بادشاہ سپاہیوں سے اس رضامندی کی حقیقت کو دریافت کرتا تھا۔

جو باتیں فرہنگ میں قابل نفرین بتائی گئی ہیں، یزدانیان کبھی بھی ان کا ارتکاب نہیں کرتے تھے اور آباد کے پیمانِ فرہنگ میں ہر گناہ کی ایک مقررہ سزا تھی، اس لیے اگر کوئی شخص گنہگار ہوتا تو بادشاہ کے متعلقین کو ہرگز اختیار نہ تھا کہ اس کی شفاعت کے درپے ہوں۔ مثلاً بادشاہ کے حکم سے آباد کے فرہنگ کے مطابق بیٹا اپنے باپ کو اور باپ بیٹے کو سزا دیتا تھا اور شہزادوں کو فرہنگ کے خلاف عمل کرنے کی قدرت نہ تھی۔ اور یہ لوگ ظلم کرتے تو سلاطین ان کو بھی سزا دیتے تھے۔ مثال کے طور پر جی آلاد کا ایک بیٹا تھا، جس کا نام ۔۔۔ تھا۔ اس نے ایک دیہاتی کے بیٹے کو مار ڈالا۔ جی آلاد نے بیٹے کے سر کو تن سے جدا کر دیا۔ بادشاہ کے معتقدین اپنے بادشاہ کا نام عزت سے لیتے تھے اور اس کی تعریف و القاب و آداب بیان کرنے میں پوری سعی کرتے تھے۔ اور جو شخص بادشاہ کے خاندان کی جھوٹی قسم کھاتا تھا، اس کو برادری سے باہر کر دیتے تھے۔

ہاتھی، شیر اور دوسرے درندوں کے لڑنے کے لیے ان کے یہاں مخصوص جگہیں تھیں، جن کی پشت

اور اطراف ایسے بلند تھے کہ لوگ ہر طرف سے دیکھ سکیں اور ہاتھی وغیرہ سے ان کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ خود بادشاہ بلند مقام پر بیٹھا رہتا تھا۔ مست ہاتھی اور خطرناک درندوں کو بازار اور بھیڑ بھاڑ کی جگہوں میں گشت نہیں کراتے تھے، بلکہ ان کو دُور محفوظ مقامات پر رکھتے تھے، جیسے مذکورہ جگہیں جہاں سے ان کو آسانی سے منتقل کر سکیں۔ منقول ہے کہ شیرزادشاہ یاسانی کے دَور میں ایک ہاتھی نے جس مقام پر اسے باندھ رکھا تھا، وہاں سے باہر نکل کر ایک شخص کو ہلاک کر ڈالا۔ بادشاہ نے مقتول کے بدلہ میں اس ہاتھی کو قتل کر ڈالا اور فیل بانوں اور فیل خانوں کے دربانوں کو بھی ہلاک کر دیا، جنھوں نے پھاٹک کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ بادشاہ سوائے سچ کے جھوٹی گھڑی ہوئی روایتوں کو نہیں سنتا تھا اور جو کچھ بادشاہ حکم دیتا، اس کی تعمیل سے فوج اور رعایا روگردانی نہیں کرتی تھی۔ اگر کوئی مسافر بادشاہ کے نام کا واسطہ دے کر گھر میں داخل ہوتا تو گھر والے اس کے پاؤں کو دھو کر پی لیتے تھے، کیونکہ اس کو شفائے کلی کا سبب سمجھتے تھے اور اس کی خدمت گزاری کے سارے مراسم بجالاتے تھے۔

جنگ کے دن فوج کو داہنے، بائیں اور درمیانی دستوں میں ترتیب دے کر کھڑا کرتے تھے اور جنگ میں اس ترتیب کو بگڑنے نہیں دیتے تھے کیونکہ پراگندہ ہونے کے بعد بوقتِ ضرورت دوبارہ ان کی تنظیم ممکن نہ تھی۔ فوجوں کو اس ترتیب میں کھڑا کر کے دشمن سے جنگ کرتے تھے، ضرورت کے مطابق فوج کو امدادی سامان پہنچایا جاتا تھا۔ فتح کے بعد بھی اس ترتیب کا خیال رکھتے تھے۔ اور دشمن پر فتح پا جانے پر جب وہ بھاگ رہا ہوتا تو ساری فوج مالِ غنیمت لوٹنے میں مشغول نہ ہوتی تھی، بلکہ بادشاہ کچھ لوگوں کو شدہ بند اور ناظر اور استوار یعنی امین کے ساتھ اس کام کے لیے مقرر کر دیتا تھا۔ باقی فوج جنگ کے لیے مستعد اور تیار کھڑی رہتی تھی اور کوئی سپاہی مالِ غنیمت لوٹنے کے درپے نہ ہوتا نہ اپنے گھر واپس لوٹ سکتا تھا کہ دشمن لوگوں کو مالِ غنیمت جمع کرنے میں پراگندہ دیکھ کر پھر لوٹ پڑے اور فتح پالے۔ مالِ غنیمت جمع ہو جانے پر بادشاہ سب سے پہلے مستحقین کے لیے اور مقاماتِ مدرسہ کی تعمیر کے لیے ایک حصہ اس میں سے الگ کر لیتا تھا، اس کے بعد لوگوں کو ان کی محنت اور کوشش کے مطابق حصہ دیتا تھا۔ بعد ازاں درباریوں میں سے ہر ایک کو حصہ دیتا تھا۔ اس کے بعد جس قدر افسران کے لائق ہوتا، ان کو عنایت فرماتا تھا۔ لیکن ان عطیات کو اس طبقہ کی مقررہ تنخواہ میں شمار نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد آخر میں جس قدر بادشاہ اپنے لیے مناسب سمجھتا، اتنا اپنے لیے مخصوص کر لیتا تھا۔ لیکن بعض سلاطین اور عہدِ قدیم کے سارے بادشاہ اپنے لیے اس میں سے کوئی حصہ مقرر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ شاہی حکم کی تعمیل کی راہ میں فوج کو جو نقصان پہنچتا، مثلاً گھوڑے کا ہلاک ہو جانا وغیرہ اس کی تلافی اس سے کرتے۔

فتح کے بعد کمزوروں، مسکینوں، تاجروں، مسافروں اور عام باشندوں اور عام رعایا کو تکلیف نہیں پہنچاتے تھے اور جو اس کی خلاف ورزی کرتے، ان کو جرم ثابت ہونے کے بعد سزا دیتے تھے۔ میدانِ جنگ میں غنیم جو سامان چھوڑ کر چلا جاتا، اس میں سے وہ چیزیں جو شکست خوردہ بادشاہ اور اس کے نزدیک رشتہ داروں کی ہوتیں، بادشاہ کے سامنے پیش کی جاتیں اور جو شخص ہتھیار ڈال دیتا اور امان کا طلب گار ہوتا، اس کو ہرگز قتل نہ کرتے اور نہ اس کو تکلیف دیتے تھے۔

یہ لوگ فرہنگ اور آذر ہوشنگ کے ماننے والوں کو فرشتہ، فرشتہ منش، سروش منش، سپاسی، سہی دین اور زنادیل کہتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو اہرمن، دیو اور تنادیل کہتے ہیں۔ دیو دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ گروہ جو فرشتوں کے بادشاہ کے ماتحت ہیں جنہوں نے بادشاہ کے ڈر سے زندبار (بے ضرر جانور) کو ستانے سے مجبوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ دوسرا گروہ ان دیوؤں کا ہے جو دوسرے بادشاہوں کی حکومت میں رہ کر فرہنگ کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں اور زندبار کو ہلاک کرتے ہیں۔ دراصل یہ بھیڑیا، چیتا، سانپ اور بچھو کے سوا اور کچھ نہیں ہوتے۔

روایت کرتے ہیں کہ اردشیر ابن آزاد ابن بابکان ابن نوشیروان کے زمانے میں ایک جیانی پہلوان تھا، جس کا نام فرہاد ابنِ آلاد تھا۔ دونوں باپ بیٹے بڑے سرداروں میں سے تھے۔ آلاد نے نشہ کی حالت میں ایک بکری کو تلوار سے ہلاک کر دیا۔ یہ خبر پانے کے بعد فرہاد نے باپ کو تیز تلوار سے قتل کر ڈالا۔ لوگوں نے اس کو برا بھلا کہا اور کہنے لگے کہ تجھ کو چاہیے تھا کہ باپ کو بادشاہ کے پاس بھیج دیتا۔ اس نے جواب دیا کہ اس نے دو گناہ کیے تھے، اوّل یہ کہ اس قدر شراب پی لی کہ ہوش و حواس کھو بیٹھا، دوسرے یہ کہ بکری کو ہلاک کر دیا۔ اگرچہ بہتر یہی تھا کہ میں اس کو بادشاہ کے دربار میں بھیج دیتا لیکن اس کو سزا دینے میں میں تاخیر نہ کر سکا۔ اب میں خود کو گناہگار سمجھتا ہوں کیونکہ میں نے آباد کے فرہنگ کی خلاف ورزی کی اور اس واقعہ کی رپورٹ بادشاہ کے پاس نہیں بھیجی۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ اس کو قید کر دیں اور اسی طرح مقید اس کو بادشاہ کے پاس لے جائیں۔ بادشاہ نے اس کے جرم کو معاف کر دیا اور اس کو اعزاز سے سربلند کیا۔

نیز شراب کو چھپ کر پوشیدہ مقام میں پینا چاہیے، چنانچہ جس مدہوش کو بازار میں دیکھتے اس کو سزا دیتے تھے اور اس طرح شراب پینے کی اجازت دراصل بیمار کے لیے تھی۔ بہت پرانے زمانے میں مہ آباد سے لے کر یاسان آجام تک کوئی شخص سوائے بیمار کے جسے طبیب نے حکم دیا ہو، شراب یا دوسری نشہ آور چیز استعمال نہیں کرتا تھا۔ بیمار بھی مقررہ طریقے پر شراب نوشی کرتا تھا اور عہد قدیم میں یعنی آذر کیومرث سے یزدگرد تک شروع میں خفیہ طور پر لذت اندوزی کے واسطے بیان کردہ طریقے پر شراب نوشی کرتے تھے۔ آخرکار یہاں تک نوبت پہنچی کہ علانیہ مجلس میں شراب لاتے تھے اور بادشاہ کی خدمت میں رہنے والے لوگ شراب پیتے تھے، لیکن یہ اجازت نہ تھی کہ مست و مدہوش ہو کر بازار اور سڑک پر گھومتے پھریں۔

بادشاہ ہر روز بار دیتا تھا اور ایک بلند جھروکہ یعنی تابسار میں بیٹھتا تھا۔ اسی طرح روزگار میں بیٹھتا تھا۔ روزگار وہ جگہ تھی جہاں وہ تابسار سے اُٹھ کر ایک تخت پر بیٹھتا تھا۔ دربار کے امراء اس کی خدمت میں درجہ بدرجہ کھڑے رہتے تھے۔ بار دینے سے مراد بادشاہ کا لوگوں کے معاملات کی طرف توجہ دینا ہے۔ روزستان یا اندرونی اور بیرونی شبستان میں بادشاہ کی طرف سے جو فرمان صادر ہوتا اس کو شدہ بند لکھ لیتا تھا۔ پھر بادشاہ کے سامنے پیش کرتا تھا اور جب اس پر دستخط اور مہر لگ جاتی تو دوبارہ اسے بادشاہ کے سامنے پیش کرتا تھا۔

جب کوئی مسافر سرائے میں داخل ہوتا یا شہر کے اندر وارد ہوتا تو اس کے مال و اسباب کی رسید محرر

لوگ گواہوں اور امینوں کی موجودگی میں لکھ کر اس کے حوالہ کر دیتے تھے۔ اسی طرح ان کے فروخت کے موقع پر بھی کرتے تھے، تاکہ اگر اس کے بعد وہ دعویٰ کرے کہ اس کا مال کم ہو گیا ہے یا غائب ہو گیا ہے تو مال کی مقدار اور اس کی قیمت معلوم کر سکیں۔ نیز ہر مال اور ہر چیز کی قیمت مقرر تھی اور بیچنے والوں کے لیے منافع کی شرح بھی مقرر تھی۔

ان کے یہاں شکار کا طریقہ یہ تھا کہ امراء اور بہادر لوگ فوج کو داہنے، بائیں اور درمیانی دستوں میں ترتیب دے کر ہر مخصوص مقامات پر مقرر کر دیتے تھے اور جنگل اور پہاڑ میں چالیس پچاس روز کی مسافت کو گھیر لیتے تھے اور اگر کسی جگہ لکڑی زیادہ ہوتی تو اس پورے علاقہ کو لکڑیاں باندھ کر مستحکم بنا لیتے تھے۔ اس کے بعد بادشاہ اس مقام پر جاتا تھا اور نوکر چاکر شکار کو بتدریج ہانکتے اور کافی احتیاط کرتے تھے کہ کوئی جانور باہر نہ جا سکے۔ بعد ازاں بادشاہ مع اپنے فرزندوں اور رشتہ داروں کے جس قدر ہو سکتا تیر سے شکار کرتا، پھر ایک بلند مقام پر جسے مضبوط لکڑیوں سے باندھ کر تیار کرتے تھے اور جہاں تک کوئی جانور جست نہیں لگا سکتا تھا، وہاں بادشاہ اونچے تخت پر رشتہ داروں کے ساتھ بیٹھ جاتا تھا۔ افسران اس کے بعد عام فوجی درمیان میں شکار کھیلتے تھے۔ اس طرح تندبار یعنی درندوں اور موذی جانوروں کا کوئی نشان باقی نہ رہتا تھا۔ اس کے بعد سارے شکار کردہ جانوروں کو شمار کرتے اور ایک جگہ پر اکٹھا کر کے ایک ٹیلہ بنا دیتے۔ اور اگر اس میں کسی زندبار (بے ضرر جانور) کو مرا ہوا پاتے تو اس کے مارنے والے کے لیے سزا کا حکم جاری کرتے اور اس کو قتل کر کے لاش کو تندبار جانوروں میں شامل کر دیتے تھے۔

کہتے ہیں کہ یاسان ابن شاہ مہول کے عہد میں کسی ظالم نے ایک گورخر کو مار ڈالا، اس پر پھرے کے باپ نے جب دیکھا تو فوراً اپنی تلوار سے بیٹے کے سر کو کندھے سے جدا کر دیا۔ نیز منقول ہے کہ نوشیروان مبارک کے زمانے میں جو شائیان خاندان سے تھا، شکارگاہ میں فرتوش نامی ایک ممتاز پہلوان کی کمان سے دیدہ و دانستہ ایک تیر نکلا اور ایک ہرن کو لگا اور وہ مر گیا۔ اس کا بیٹا آئین توش جھلا اُٹھا اور اس ہرن کے بدلہ میں ایک تیر سے باپ کو مار کر مردہ ہرن سے متصل کر دیا تاکہ فرہنگ کی مخالفت نہ ہو۔

جب موذی جانداروں کو جن میں زمین پر چلنے والے، اُڑنے والے اور چرنے والے ہوتے، مار کر ٹیلہ بنا دیتے تو بادشاہ کے حکم سے ایک پیشوا اس ٹیلہ کے اوپر چڑھ کر کہتا تھا کہ یہ بدلہ ہے، اس کے لیے جو زندبار یعنی بے ضرر جانوروں کو ہلاک کرتا ہے، بے گناہ کو مار ڈالنے کی یہی سزا ہے۔ اس کے بعد زندبار جانوروں کو مخاطب کر کے کہتے کہ منصف بادشاہ نے تندبار (ضرر رساں) جانوروں کو ہلاک کرنے کا حکم دیا ہے جو تم کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور خود بنفسِ نفیس آکر تندبار کو بداعمالیوں کی سزا دی تاکہ تم سب آرام سے زندگی گزارو اور اپنے خونی دشمنوں کا بدلہ لو اور اپنے پروردگار کے سامنے شکایت نہ کرو۔ اس کے بعد زندبار جانوروں کو راستہ دے دیتے تاکہ وہ جنگل اور پہاڑوں کی طرف چلے جائیں۔ ایسے شکار کو شکار داد اور سہ داد شکار کہتے تھے۔ بادشاہ کے عمال بھی اپنے اپنے صوبوں میں اسی قسم کا شکار کھیلتے تھے۔ اور جب بادشاہ ایسا ہوتا کہ پیمانِ

فرہنگ کی خلاف ورزی نہ کرتا تو جس کو وہ اپنا ولیعہد بناتا، اگر کوئی اس کی اطاعت سے سرتابی کرتا تو لوگ اس کو ہلاک کر دیتے تھے۔

شائی گلیو کے زمانے میں ایک پہلوان نے خواب دیکھا کہ شائی گلیو نے اپنے ایک بیٹے کو ولیعہد بنایا، جس کو اس نے ناپسند کیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس نے خودکشی کر لی۔ شائی گلیو نے جب یہ خبر سنی تو اس کے بیٹے سے کہا کہ بیداری کی حالت میں سرتابی قابلِ نفرین ہے۔ لیکن خواب میں قابلِ نفرین نہیں کیونکہ یہ حالت اختیاری نہیں ہوتی۔

اسی طرح بہمن ابن اسفند یار ابن اردشیر ابن آراد شائی کے دور میں بہرام نامی ایک سردار نے جو خراسان کا گورنر تھا، سرکشی اور بغاوت کا ارادہ کیا۔ اس کی خبر ملنے پر سپاہیوں نے اس کو قتل کر کے اس کا گوشت مسلمانوں کی قربانی کے گوشت کی طرح آپس میں تقسیم کر کے کھا ڈالا اور کہا کہ وہ تند بار یعنی ضرر رساں جانور ہے۔ اسی بہمن کے عہدِ حکومت میں گلشاسپ نامی ایک پہلوان نے خواب میں دیکھا کہ اس نے بہمن سے بغاوت کی ہے اور اس خواب کو اس نے سپاہیوں سے بیان کر دیا۔ انہوں نے جواب میں تلواریں کھینچ کر اس کا خون بہا دیا اور کہا کہ اگرچہ خواب کی باتوں پر کوئی گرفت نہیں، لیکن ان کو عوام میں ظاہر کر دینا شیطانی کام ہے۔
آئین شکیب نامی ایک موبد نے خواب میں دیکھا کہ وہ اردشیر ابن بابکان ابن آراد جیانی کو گالی دے رہا ہے۔ جب وہ بیدار ہوا تو فوراً اپنی زبان کاٹ ڈالی۔ وہ لوگ اپنے بادشاہ سے اس طرح کی عقیدت رکھتے تھے۔

ان کا قول ہے کہ جو بادشاہ علم و عمل اور حسب و نسب سے آراستہ ہو، اور فوج کے مفاد اور رعایا کی بہبودی کا خیال رکھے، نیز پیمانِ فرہنگ کی خلاف ورزی نہ کرے تو جو شخص ایسے بادشاہ کے فرمان سے روگردانی کرتا ہے، اس کا خون اور مال مباح ہو جاتا ہے۔ شاہانِ عجم اپنے فرزندوں کی آزمائش کرتے تھے اور ان میں سے جو بادشاہی کے منصب کے لائق ہوتا، سلطنت اسی کے حوالہ کر دیتے تھے۔ ایسا نہیں کہ جس کو فطری طور پر زیادہ محبوب سمجھیں، اس کو بادشاہ بنا دیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بادشاہ اس مبارک فرہنگ کے خلاف عمل کرے، وہ بادشاہی کے لائق نہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی بادشاہ پیمانِ فرہنگ سے ذرا بھی انحراف کرنے کی اجازت اپنی طبیعت کو نہ دیتا تھا کہ مبادا ذرا سا انحراف آسان سمجھنے کی وجہ سے وہ پورے فرہنگ کی خلاف ورزی کو آسان سمجھنے لگے۔ خدائے بزرگ و برتر نے ان قابلِ تعریف بادشاہوں کو ایسی تائید عنایت کی تھی کہ انہوں نے عروسِ سلطنت کو انعام و احسان اور عدل و انصاف کے زیور سے آراستہ کر دیا تھا۔ سوداگر، طالب علم اور مسافر سب بڑے امن و سکون سے آتے جاتے تھے۔ ان کے زمانے میں کسی قسم کی ناروا لگان، ٹیکس اور دیگر ظالمانہ پابندیوں کا رواج نہ تھا اور کارواں سراؤں میں کوئی اجرت یا کرایہ نہ لگتا تھا۔

سلاطین اس پیمانِ فرہنگ کو لکھ کر ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ندیم ہر روز اس کو بادشاہ کے روبرو پڑھ کر سناتا تھا۔ تیوہار کے دنوں میں فوج اور رعایا کو بھی سناتے تھے اور ان کو حکم دیتے تھے کہ اس کو زبانی یاد

رکھیں۔ امراء بھی اس اصول کو بجا لاتے تھے اور اپنے ماتحت لوگوں کے سامنے پڑھ کر سناتے تھے اور حرم سرا کی خواتین بھی شبستان میں اس اصول پر عمل کرتی تھیں۔

نقل کرتے ہیں کہ اس پیانِ فرہنگ کو چھوڑ کر جس بادشاہ نے اپنی رائے یا اپنے وزیروں کی رائے کے مطابق عمل کیا وہ بعد میں پشیمان ضرور ہوا۔ جی آلاد نے کہا ہے کہ جو شخص بادشاہ کے سامنے پیانِ فرہنگ کے خلاف کوئی بات کرتا ہے اور اسے اس پر عمل درآمد کی دعوت دیتا ہے، تو بادشاہ کو سمجھنا چاہیے کہ اس شخص کا مقصد سلطنت کو برباد کرنا ہے۔ یزدانی سلاطین اور حکام جب دربارِ عام کرتے تھے تو ان کے سامنے ایک کتاب، ایک تازیانہ اور ایک تلوار رہتی تھی۔ وہ کتاب پیانِ فرہنگ تھی۔ جو بھی مسئلہ ان کے سامنے درپیش ہوتا، اس میں کتاب کے لحاظ سے غور و فکر کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرتے تھے۔

گلشاہ سے پہلے کے بادشاہ کے زمانے میں پیانِ فرہنگ کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ البتہ گلشاہی سلاطین کے عہد میں پیانِ فرہنگ کی پابندی میں کسی قدر کوتاہی ہوئی۔ کہتے ہیں کہ جب بھی اس کے اوامر و احکام، قواعد و رسوم اور اصول کی مخالفت کی گئی، اسے ندامت اور پشیمانی لاحق ہوئی اور جب بھی کسی بادشاہ کو کوئی رنج پہنچا تو اس کا سبب بالعموم یہی پیانِ فرہنگ کے مطابق عمل نہ کرنا تھا اور جن بادشاہوں نے خوشحالی کے ساتھ دن گزارے، اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اس پیانِ فرہنگ کے کسی معمولی حکم کو بھی فروگذاشت نہیں کیا۔ قدیم بادشاہ یعنی آبادیان، جیان، شائیان اور یاسانیان جو عظیم الشان بادشاہ تھے، انہوں نے کسی وقت بھی فرہنگ آباد یعنی پیانِ فرہنگ سے استصواب کیے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ پیانِ فرہنگ کو ہیربدسار بھی کہتے تھے۔ ان بادشاہوں کے زمانے میں کوئی دشمن نہیں اُٹھا اور نہ کوئی دشمن غالب ہوا۔ فوج، رعایا اور سب لوگ فارغ البال تھے۔ گلشاہی بادشاہوں میں سے ہوشنگ، تہمورس، فریدون، کیقباد، کیخسرو، لہراسپ، بہمن اور اردشیر بابکان وغیرہ نے اس پیانِ فرہنگ کو خطِ خفی میں لکھوا کر اپنی جان کے لیے تعویذ اور حرزِ جان بنا رکھا تھا۔ نیز نوشیرواں اس پیان کو لکھوا کر ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اگرچہ سارے بادشاہ پیان کی پابندی کرتے تھے، لیکن اس درجہ نہیں جتنا کہ آبادیان، جیان، شائیان اور یاسانیان کے قدیم سلاطین کرتے تھے، جن کا مرتبہ یزدانیوں کے عقیدے کے مطابق گلشائیوں سے کہیں زیادہ تھا بلکہ گلشائیاں کو ان سے کوئی نسبت نہیں دی جا سکتی۔ شاہان گلشاہیہ بھی زندبار (بے ضرر جانور) کے قتل کی روک تھام کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے، اگرچہ لوگ گلشاہیوں کی فرماں برداری ویسی نہیں کرتے تھے جیسی کہ اگلے بادشاہوں کی۔ پھر بھی ان کے بعد کے بادشاہوں کی بہ نسبت ان کی فرمان برداری اچھی طرح کی جاتی تھی۔

کہتے ہیں کہ رستم ابن زال نے لباسِ عنصری چھوڑتے یعنی مرتے وقت دل سے ایک آہ کھینچی۔ کابل شاہ نے اس سے دریافت کیا: ''کیا تُو موت سے ڈرتا ہے۔'' اس نے کہا، خدا نہ کرے کیونکہ جسم کا مرنا دراصل روح کا زندہ ہونا ہے، اور آسمان کے نیچے سے باہر نکل جانا، درحقیقت بطنِ مادر سے پیدا ہونا ہے۔ جب جسم کا بادل نہیں رہتا تو روح کا آفتاب زیادہ روشن ہوتا ہے۔ مجھ کو رنج اس لیے ہے کہ جب کاؤس نے طوس کو حکم دیا

کہ مجھ کو سولی چڑھا دے تو میں نے اس کے حکم سے سرتابی کی تھی۔ اگر چہ کاؤس نے فرہنگ کے احکام کی مخالفت کر کے فرمانِ مہ آباد کے خلاف حکم دیا تھا اور میری سرکشی کرنے میں بادشاہ کی بھلائی تھی، باوجود اس کے میں ڈرتا ہوں کہ مبادا مجھ سے فرمانِ فرہنگ کی مخالفت سرزد ہوئی ہو۔ اسی طرح اسفندیار میرے ہاتھ سے قتل ہوا اور میں نے اپنے لیے قید و بند قبول نہ کیا اگر چہ اس پر مجھے مجبور کرنا مناسب نہ تھا اور نہ ہی پیانِ فرہنگ کے مطابق تھا۔ دستان (زال) ہمیشہ یہ سوچ کر نادم رہتا تھا کہ جس دن کیخسرو نے لہراسپ کو بادشاہی کے لیے منتخب کیا، میں نے کیخسرو کے حکم کے خلاف کیوں زبان کھولی، حالانکہ وہ صرف مشورہ اور رائے دینے کی غرض سے تھا۔ جب بہمن ابن اسفندیار نے سیستان کو ویران کرنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے ہر چند دستان (زال) کو اس سے جنگ کے لیے ترغیب دی، لیکن اس نے پسند نہ کیا اور کہا کہ اب آئندہ میں ہرگز پیانِ فرہنگ کی مخالفت نہ کروں گا۔ چنانچہ پیادہ چل کر بہمن کے سامنے حاضر ہوا، جس نے اس کو گرفتار کیا مگر بعد میں اس پر عنایت کرتے ہوئے آزاد کر دیا۔ لیکن فرامرز نے فرمانِ فرہنگ کی خلاف ورزی کر کے اس سے جنگ کی اور جب وہ گرفتار ہوا تو بادشاہ نے اس کو سولی پر لٹکا دیا۔ اسی بنا پر اس کا بیٹا بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کے بیٹے سوخرا کی اطاعت نوشیرواں کے باپ قباد کے لیے بہت مشہور ہے، اگر چہ پیانِ فرہنگ کے لحاظ سے قباد کی اطاعت لازم نہ تھی، باوجود اس کے ان بادشاہوں کے لیے ان کے فرمان برداروں کی جانسپاری کافی شہرت رکھتی ہے۔

جمشاسپیوں کا تعارف

پارسیوں کا دوسرا بڑا گروہ یگانہ بین لوگ ہیں جن کو جمشائی بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ جمشاسپ ابن جمشید ابن تہمورس کے پیرو ہیں۔ ان کے کلام میں رمز بکثرت ہے اور بیشمار دقائق ہیں۔ جمشاسپ نے کسی کو اپنی پیروی کی دعوت نہیں دی، لیکن وہ اس قدر ریاضت کرنے والا اور دانش مند تھا کہ مخلوقات کو اس کی طرف بڑی رغبت ہوگئی اور اس کے کلام کو لکھنے لگے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ کچھ لوگ اپنی مرضی سے ان اقوال کو ایک مذہب شمار کرنے لگے۔ ان کے نزدیک خارج میں عالم کا وجود نہیں، اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے، وہ خدا ہے، اس کے سوا کوئی موجود نہیں، چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا:

ہر دیدہ کہ بر فطرتِ اول باشد   یا آنکہ ز نور حق مکحل باشد

جز روئے تو ہر چہ بیند اندر عالم   نقش دوم دیدۂ احول باشد

(جو آنکھ اپنی پہلی فطرت پر ہے، یا یہ کہ نورِ حق کے سرمہ سے مزین ہے، وہ اس دنیا میں تیرے چہرے کے سوا جو کچھ دیکھتی ہے، وہ بھینگی آنکھ کا دوسرا نقش ہے، جس کا درحقیقت کوئی وجود نہیں۔)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ عقول، نفوس، فرشتے، افلاک، ستارے، عناصر اور موالید (یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات) سب اس کے علم میں موجود ہیں، اس سے باہر نہیں ہیں۔ اس مفہوم کو شاہ جمشید نے آبتین کو اس طرح سمجھایا اور کہا کہ اے آبتین! جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل اوّل کا تصور کیا۔ اسی طرح عقل اوّل نے تین

چیزوں کا تصور کیا۔ عقل ثانی، فلک اعلیٰ کا نفس اور اُس فلک کا جسم۔ عقل ثانی نے بھی تین چیزوں کا تصور کیا۔ اسی طرح یہ سلسلہ عناصر اور ان کے مرکبات تک پہنچا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہم کسی شہر کا تصور کریں مع اس کے محلوں، باغوں اور باشندوں کے، حالانکہ تصور کے سوا خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ چنانچہ اس عالم کا وجود بالکل اسی طرح کا ہے۔'' آبادیان اس کے ان اقوال کو رمز سمجھتے ہیں کیونکہ جمشید نے حکمت و فلسفہ میں متعدد تصانیف کی ہیں۔ یگانہ بین انہیں بغیر کسی تاویل کے قبول کرتے ہیں۔ بہت سے پارسی اس عقیدہ کو مانتے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر اہلِ ریاضت نے یہی مذہب اختیار کیا ہے۔ اس فرقہ کا عقیدہ سبحانی کی حسب ذیل رباعی سے ظاہر ہوتا ہے:

سوفسطائی کہ از خرد بیخبر است   گوید عالم خیالی اندر نظر است

آرے عالم ہمہ خیال ست ولے   پیوستہ درو حقیقتے جلوہ گر است

(سوفسطائی جو عقل سے بے بہرہ ہے، کہتا ہے کہ جو ہم کو نظر آتا ہے، وہ عالم خیالی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سارا عالم ایک خیال ہے لیکن ہمیشہ اس کے اندر ایک حقیقت جلوہ گر رہتی ہے۔)

اس موضوع پر لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں، جن میں زیادہ مشہور آئین کو جمشید کی نصیحت ہے جس کو فرہنگ دستور نے تالیف کیا ہے۔ شیدہ، سہراب، میزان اور جمشاسپ جو تجارت کے سلسلے میں شیدوش ابن نوش کے ساتھ سفر کرتے تھے، وہ سب یگانہ بین تھے۔

سمرادیوں کے بیان میں

لغت میں سمراد وہم و خیال کو کہتے ہیں۔ سمرادیوں کے کئی فرقے ہیں، جن میں سے اوّل پیروانِ فرتوش ہیں جو ضحاک کے (جس کے شانے پر اژدہے نمودار ہو گئے تھے) شروع زمانہ میں تھا اور تجارت کا پیشہ کرتا تھا۔ اسی کا عقیدہ تھا کہ عالم عناصر محض خیال ہے، باقی افلاک، ستارے اور مجردات دراصل موجود ہیں۔ اس فرقہ کو فرتوشیہ کہتے ہیں۔

دوسرا فرقہ فرشیدیہ کہلاتا ہے، فرشید کے نام پر، جو فرتوش کا بیٹا تھا۔ اس کا قول تھا کہ افلاک اور ستارے بھی محض خیال ہیں اور صرف مجردات ہی اپنا وجود رکھتے ہیں۔

اس کے بعد فرایرجیہ گروہ ہے فرایرج کے نام پر جو فرشید کا بیٹا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ مجردات کا بھی کوئی وجود نہیں یعنی نفوس اور عقول وجود نہیں رکھتے۔ صرف ذاتِ واجب الوجود کا وُجود ہے۔ باقی وہم و خیال ہے جو صرف اس وجود کی خاصیت سے موجود نظر آتا ہے۔

اس کے بعد فرہ مندیہ فرقہ ہے۔ فرہ مند فرایرج کا شاگرد تھا، وہ کہتا تھا کہ اگر کوئی شخص موجود ہے تو جانتا ہے کہ عناصر، افلاک، ستارے، عقول اور نفوس سب حق ہیں۔ اور وہ جسے لوگ واجبُ الوجود کہتے ہیں، اس کا کہیں وجود نہیں۔ ہم صرف وہم کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ وہ موجود ہے، اگرچہ بالیقین وہ بھی موجود نہیں

جیسا کہ حکیم عمر خیام کے کلام سے ثابت ہوتا ہے:

صانع بجہان کہنہ ہمچو ظرفے ست آبے است بمعنی و بظاہر برفے است
بازیچۂ کفر و دین بہ طفلان بسپار بگذر ز مقامے کہ خدا ہم حرفے ست

(اس پرانی دنیا میں صانع کی ذات ایک برتن کی طرح ہے، جو اندر سے پانی ہے لیکن باہر سے برف ہے۔ کفر اور دین کے کھیل کو بچوں کے حوالہ کر اور اس مقام سے آگے گزر جا جہاں خدا بھی بس ایک حرف کی حیثیت رکھتا ہے۔)

اس سے لوگوں نے سوال کیا کہ تو کیسے خدا کو صرف وہم ثابت کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا:

ع بآفتاب تواں دید کافتاب کجاست (آفتاب ہی کے ذریعے دیکھا جا سکتا ہے کہ آفتاب کہاں ہے۔)

چنانچہ خداوند تعالیٰ اس کے نزدیک صرف وہم و خیال کا ایک نقش ہے۔ اس فرقہ کے لوگ آج کل مسلمانوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں اور مومنین کے بھیس میں گھومتے پھرتے ہیں۔ اس گروہ کے پارسی لوگوں میں سے ایک شخص کامگار نامی نے جو سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں تھا، ان کے مذہب کے مطابق ایک منظوم رسالہ لکھا اور اپنے مقصد کے موافق واقعات، دلائل اور شواہد بیان کیے اور اس مذہب کو دوسرے مذاہب پر ترجیح دی، اس طرح کہ جملہ اربابِ مذاہب نے اپنے اپنے عقائد سے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے، مثلاً خدا کا وجود، عالم جبروت کی عظمت، عالم ملکوت کی وسعت، جنت و دوزخ، پلِ صراط، حشر و نشر، سوال و جواب، خدا سے ملاقات، دیدارِ خداوندی سے انکار، اور عالم کا قدیم یا حادث ہونا یہ سب باتیں اس مذہب میں درست ہیں، اس لیے کہ یہ ساری باتیں ان کے ماننے والوں کے خیال میں ایک خیالی وجود کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر وہ لوگ خود کہتے ہیں کہ خیال ہی کے ذریعہ وہ خیال کو دیکھ سکتے ہیں۔ اپنے مسلک کو ثابت کرتے ہوئے وہ آگے کہتا ہے کہ دانشمندوں نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنی خودی سے غافل نہیں رہ سکتا۔ لیکن درحقیقت یہ لوگ خود اپنی خودی سے غافل ہیں اور خود اپنے کو نہیں پہچانتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ وہ ذات جس کا نام انسان ہے اور جو بولتا اور سنتا ہے، وہ ایک جوہر مجرد ہے، جس کا تعلق جسم کے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا تدبیر اور تصرف کا تعلق ہے بغیر اس کے کہ وہ جسم کے اندر داخل ہو یا بدن میں حلول کرے۔ باوجود اس رائے کے اس گروہ کے اندر اپنے نفس کے قدیم یا حادث ہونے میں بڑا اختلاف ہے۔ اسی طرح کچھ لوگوں نے نفس ناطق کے مجرد ہونے سے انکار کیا ہے، اور اس کی مخالفت میں بہت سی باتیں کہی ہیں۔ لہٰذا جب یہ لوگ خود کو نہیں پہچانتے تو پھر افلاک، ستارے، عقول اور خدا کو کیسے جان سکتے ہیں؟ اور یہ بات زیب نہیں دیتی کہ کوئی شخص خود کو نہ جانے مگر یہ کہ وہ موجود نہیں ہے۔ کارگر نے اپنے رسالہ میں سرادیوں کے متعلق بڑی دلچسپ باتیں لکھی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ ایک سرادی نے اپنے خادم سے کہا کہ دُنیا اور دُنیا میں بسنے والوں کا حقیقی وجود نہیں محض خیالی ہے۔ خادم نے جب یہ سنا تو موقع پا کر سرادی کے گھوڑے کو چھپا کر ایک گدھے کو اس کی زین لگا کر سواری کے وقت پیش کیا۔ سرادی نے سوال کیا کہ گھوڑا کہاں ہے؟ خادم نے جواب دیا کہ تُو نے محض ایک خیال

کیا تھا، ورنہ گھوڑا کہاں تھا۔ سرادی نے جواب دیا کہ بیشک یہ سچ ہے۔ اس کے بعد گدھے پر سوار ہو کر چند قدم چلا تھا کہ یکا یک سواری سے نیچے اتر آیا اور زین گدھے کی پشت سے اُتار کر خادم کی پشت پر رکھ دی اور اس کے پٹہ کو مضبوط باندھ کر خادم کے منہ میں لگام لگائی۔ اس پر سوار ہو کر پوری طاقت سے اس کو کوڑے مارنے لگا۔ خادم نے چیخ کر کہا کہ یہ کیا طریقہ ہے؟ سرادی نے کہا کہ تجھے وہم ہے، ورنہ کوڑا یہاں کہاں ہے! محض خیال سے تو ایسا سوچ رہا ہے۔ خادم نے بالآخر پشیمان ہو کر اس کو گھوڑا واپس دے دیا۔

ایک دوسری کتاب میں یہ واقعہ دیکھا گیا کہ سرادی نے ایک مالدار مولوی کی لڑکی سے شادی کی۔ بیوی جب اس کے عقائد سے واقف ہوئی تو اس نے چاہا کہ شوہر کے ساتھ مذاق کرے۔ چنانچہ ایک روز سرادی خالص شراب کی ایک بوتل لایا۔ عورت نے اس کی غیر موجودگی میں بوتل کو شراب سے خالی کر کے اس کے اندر پانی بھر دیا۔ جب شراب نوشی کا وقت آیا تو عورت نے ایک سونے کے پیالہ میں جو خود اس کی ذاتی ملکیت تھا، بجائے شراب کے پانی بھر دیا۔ سرادی نے کہا کہ تُو بجائے شراب کے پانی دے رہی ہے۔ عورت نے جواب دیا کہ تجھے صرف وہم ہے ورنہ شراب کہیں نہیں تھی۔ سرادی نے جواب دیا کہ تو سچ کہتی ہے۔ پیالہ مجھے دے تاکہ میں پڑوسی کے گھر سے شراب بھر لاؤں۔ بعد ازاں سونے کا پیالہ لے کر باہر گیا اور پیالہ کو فروخت کر کے روپیہ چھپا لیا۔ اس کے بدلے ایک مٹی کے پیالہ میں شراب بھر کر عورت کے لیے لایا۔ بیوی نے جب یہ دیکھا تو بولی کہ سونے کا پیالہ کیا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ تُو محض خیال کی بنا پر سونے کا پیالہ گمان کر رہی تھی۔ یہ سن کر عورت نے مذاق و ظرافت سے توبہ کر لی۔

یہ گروہ جو کہتا ہے کہ اس دنیا کا وجود نہیں بلکہ صرف خیالی وجود ہے، اس کے چند افراد کو مصنف نے ۱۰۴۸ھ (مطابق ۱۶۳۷ء) میں لاہور میں دیکھا۔ ان میں سے پہلا کا مجوئے تھا جس سے فرایرج کے یہ دو شعر لکھے گئے:

جہان دانی ہمہ سمواد باشد   تُو را گر فر یزدان داد باشد
ز سمراد است گفتن نام بمواد   ہمیں سمراد ہم سمواد باشد

(اگر تجھے نورِ خداوندی عطا کیا گیا ہو، تو جان لے گا کہ یہ سارا عالم سمواد ہے۔ سمراد نام لینا بھی سمواد ہے اور یہ سمراد بھی محض سمواد ہے۔)

سمراد اور سمواد خیال کو کہتے ہیں۔ اسماعیل صوفی اردستانی نے اس مضمون کو عام فہم مخلوط فارسی میں نظم کیا ہے:

گویم سخنے اگرچہ دُور از فہم است   ادراکش کن وگرنہ بر تو رحم است
عالم وہم است و وہم ہم وہم بود   این بیت کہ وہم گفتہ ام ہم وہم است

(ایک بات کہتا ہوں اگرچہ وہ ناقابلِ فہم ہے۔ اس کو سمجھ لے، ورنہ تو قابلِ رحم ہے۔ سارا عالم وہم ہے اور وہم بھی محض وہم ہے اور یہ جو میں نے وہم کہا ہے، یہ بھی صرف وہم ہے۔)

دوسرا شخص نیک خوئے تھا، جس سے کامگار کی کتاب سراد نامہ حاصل ہوئی۔ تیسرا شاد کیش اور چوتھا شخص ماہیار تھا۔ یہ چاروں تجارت سے گذر اوقات کرتے تھے، اور مسلمانوں جیسے نام بھی رکھتے تھے۔

خدائیوں کے عقیدہ کے بیان میں

یہ فرقہ خداداد کا پیرو ہے، جو جمشید کی سلطنت کے زوال اور ضحاک کے اقتدار کے زمانے میں ایک مذہبی پیشوا تھا۔ اس کا قول تھا کہ عقول، نفوسِ مجردہ، ستارے اور افلاک خدا کے مقرب ہیں اور ان میں سے جو بھی دوسرے مخلوقات کی بہ نسبت خدا سے زیادہ قریب ہے، وہ درجہ میں زیادہ اشرف ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے کسی مجرد یا مادی مخلوق کو واسطہ اور مقصود تک پہنچانے والا نہ سمجھنا چاہیے اور پیغمبر کی کوئی ضرورت نہیں، اس لیے کہ جب تُو کسی واسطہ کے ذریعہ خدا تک پہنچنا چاہتا ہے تو خدا کو یہ بات بُری معلوم ہوتی ہے اور ہمیں خدا کے سوا کسی اور کی پرستش نہ کرنی چاہیے۔ ۱۰۴۹ھ (مطابق ۱۶۳۹ء) میں اس فرقہ کے دو افراد کاموس اور فرتوش جو تجارت پیشہ تھے، لاہور میں دیکھے گئے۔

رادیوں کے اصول کے بیان میں

اس فرقہ کے پیشوا کا نام رادگونہ تھا۔ وہ ایک جری بہادر اور شیر افگن پہلوان تھا اور نیکوکار و کم آزار ہونے کے ساتھ ساتھ دانائی کی شان بھی رکھتا تھا۔ سلطنت جمشید کے اواخر اور ضحاک کے اقتدار کے آغاز میں وہ صاحبِ جاہ وجلال بن گیا۔ وہ کہتا تھا کہ خدا سے مراد آفتاب ہے، اس لیے کہ اس کا فیض جملہ موجودات کو شامل ہے اور فلک چہارم جو ساتوں فلک کے وسطِ حقیقی کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کا باعزت مقام ہے اور جس طرح اس کی ذات خالص خیر ہے، اسی طرح اس کا مقام بھی خیر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس کا فیض بلاتفریق سارے اجرامِ علوی وسفلی کو برابر پہنچتا رہتا ہے اور دل جو بدن کا بادشاہ ہے، سینے کے درمیان اپنا مستقر بناتا ہے۔ اسی طرح نامور سلاطین کی عادت اور طریقہ یہ ہے کہ دارالحکومت کو اپنی سلطنت کے درمیانی مقام پر بناتے ہیں تاکہ ان کا فیض اور انصاف سارے لوگوں کو برابر پہنچتا رہے۔ اس طرح مخلوق کی آسائش اور رعایا کا انتظام دونوں حاصل ہو جائیں۔ اس کا عقیدہ تھا کہ افلاک، ستارے اور موالید ثلاثہ کی روح آفتاب کی روح سے نکلتی ہے اور ان کا جسم اس کے جسم کے نور سے ہے۔ نیکوکار لوگوں کی بازگشت اسی آفتاب یا دوسرے ستاروں کی طرح ہوتی ہے، جو اس کے مقرب ہیں اور گنہ گار لوگ اسی عالم عنصری میں باقی رہ جاتے ہیں۔ اس نے شروع میں یہ عقائد پوشیدہ طور پر اپنے مخصوص دوستوں کے سامنے ظاہر کیے۔ لیکن ضحاک کے دور میں بلاخوف ان کی تلقین کرتا تھا۔ اس فرقہ کے دو اشخاص ہرمزد اور تیرہ کیش کو جو بیشتر علم و ہنر میں ماہر، پرہیزگار اور جانوروں کو تکلیف دینے سے احتراز کرتے تھے، مصنف نے ۱۰۵۳ھ (مطابق ۱۶۴۲ء) میں پنجاب سے کابل تک سفر میں راولپنڈی کی سرائے میں پایا۔

شیدرنگیوں کے دین کے تعارف میں

شیدرنگ ایران کا ایک پہلوان تھا، جو جنگ آزما سپاہیوں کا سردار اور افسر اعلیٰ تھا۔ مردانگی کے ساتھ ساتھ اس نے علم بھی حاصل کیا تھا اور مخلوقِ خدا کو اذیت پہنچانے سے ہمیشہ دُور رہتا تھا۔ ضحاک کی حکومت کے درمیانی زمانہ میں ظاہر ہوا اور وہ اس کے شانے پر رونما ہونے والے اژدہے کو تسکین دیتا تھا۔ شیدرنگ برابر لوگوں کو اس مذہب کی (جو آگے بیان کیا جا رہا ہے) دعوت دیتا تھا۔ چنانچہ اس کے پیرو بہت زیادہ ہو گئے تھے۔ وہ کہتا تھا کہ خوئے اور منش یعنی طبیعت خدا ہے اور اس کے اصول کے مطابق انسانوں اور دوسرے جانوروں کا حال نباتات کی طرح ہے کہ جب گھاس اور پودے پامال ہو جاتے ہیں تو پھر دوبارہ اُگ آتے ہیں۔ اس فرقے کے ایک سوداگر سے جس کا نام پیل آذر تھا، مصنف نے ۱۰۴۰ھ (مطابق ۱۶۳۱ء) میں کشمیر میں ملاقات کی تھی۔

پیکریوں کے عقیدے کے بیان میں

پیکر ایران کا ایک قابلِ تعریف دانش مند تھا جو ضحاک کی حکومت کے درمیانِ زمانہ میں ظاہر ہوا۔ وہ اپنے شاگردوں سے کہتا تھا کہ خداوند تعالیٰ سے مراد آگ ہے۔ اس کے اشتعال سے ستارے ظاہر ہوئے اور اس کے دھوئیں سے افلاک۔ اور چونکہ آگ گرم اور خشک ہے، اس لیے اس کی گرمی سے ہوا پیدا ہوئی جو گرم اور تر ہے، اور ہوا کی تری سے پانی ظاہر ہوا جو سرد اور تر ہے، اور پانی کی سردی سے مٹی پیدا ہوئی جو سرد اور خشک ہے، اور ان چاروں کے ذریعہ سارے مرکباتِ تامہ اور ناقصہ ظاہر ہوئے۔ پیکری مذہب کے ماننے والوں میں دو شخص پیکر پژوہ اور جہاں نورد تھے جو ہیئتی جدول بنانے اور تصویر اور نقاشی میں بے مثل تھے۔ ان دونوں سے مصنف نے ۱۰۵۹ھ (مطابق ۱۶۴۹ء) میں پنجاب کے ضلع گجرات میں ملاقات کی تھی۔

میلانیوں کے اصول کے بیان میں

میلان ایران کے نامور سپاہیوں میں سے تھا اور مذکورہ بالا پیکر کا ہم عصر تھا۔ اس نے بہت سے لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دی۔ اس کا عقیدہ تھا کہ موجودِ حقیقی ہوا ہے کیونکہ وہ گرم اور تر ہے۔ ہوا کی گرمی سے آگ پیدا ہوئی اور اس کی تری سے پانی۔ اور آگ کے اشتعال سے ستارے اور دھوئیں سے آسمان ظاہر ہوئے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا اور پانی کی سردی سے زمین پیدا ہوئی۔ اس فرقہ کا ایک شخص رہام نامی تھا جو نقاشی کے پیشہ سے گزر اوقات کرتا تھا۔ وہ دراصل ایک مصور تھا جو فرنگی علوم سے بہرہ ور تھا اور بہزاد جیسا ہاتھ اور مانی جیسا پنجہ رکھتا تھا اور ایک شہر میں زیادہ عرصہ تک نہیں رہتا تھا۔ ۱۰۴۰ھ (مطابق ۱۶۳۱ء) میں راقم الحروف نے کشمیر میں اس کو شیدوش کے مکان پر دیکھا تھا۔

آلاریوں کے عقائد کی تحقیق میں

آلارا ایران کا باشندہ تھا اور علم و ہنر میں مشہور تھا۔ ضحاک کی سلطنت کے آخری زمانے میں صاحبِ جاہ و جلال ہو گیا اور ضحاک کے حکم سے قلعوں اور دوسری بلند عمارتوں کی نگرانی کی وجہ سے سربلند ہو گیا تھا۔ اس کا مذہب یہ ہے کہ خدا سے مراد پانی ہے۔ پانی کے جوش سے آگ وجود میں آئی اور آگ سے آسمان اور ستارے پیدا ہوئے جیسا کہ اوپر بیان کیا۔ پانی کی تری سے ہوا اور اس کی سردی سے مٹی پیدا ہوئی۔ اندر ایمان اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اور کمانداری، تیراندازی، نیزہ زنی، سواری اور سپہ گری کے سارے فنون میں ماہر تھا۔ بڑے آدمیوں کے لڑکوں کو ان علوم کی تعلیم دیتا تھا۔ اسی طرح اپنی گزر اوقات کرتا تھا۔ ۱۰۴۰ھ (مطابق ۱۶۳۱ء) میں کشمیر میں مصنف نے اس سے شیدوش کے مکان میں ملاقات کی تھی۔ میلاد بھی اسی فرقے کا آدمی تھا۔ وہ کتابت میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ معزز لوگوں کے یہاں اس کی بڑی قدر و منزلت تھی، نیز یہ شخص داستان گوئی، قصہ خوانی اور افسانہ گوئی میں بے نظیر تھا۔ راقم الحروف نے کشمیر میں اس کی صحبت حاصل کی تھی۔

شیدابیوں کے مذہب میں

شیداب ایران کا ایک طبیبِ حاذق اور امراء و رؤسا کا منظورِ نظر تھا۔ ضحاک کی حکومت کے آخری زمانے میں ظاہر ہوا۔ اس کا قول تھا کہ واجب الوجود سے مراد مٹی ہے۔ اس کی خشکی سے آگ ظاہر ہوئی اور آگ سے آسمان اور ستارے جیسا کہ اوپر کہا گیا۔ اس کی سردی سے پانی موجود ہوا، اور پانی کی تری سے ہوا نے وجود پایا اور جب چاروں عناصر آپس میں ملا دیے گئے تو موالیدِ ثلاثہ ظاہر ہوئے۔ مہران طبیب اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ۱۰۴۸ھ (مطابق ۱۶۳۸ء) میں مصنف نے اس سے ملاقات کی اور لاہور سے کشمیر تک ایک ساتھ سفر کیا تھا۔ اسی طرح خاکی بھی اسی فرقہ کا آدمی تھا۔ وہ تجارت کے پیشہ سے گذر بسر کرتا تھا اور بڑا سازوسامان رکھتا تھا۔ لاہور میں اس سے مصنف کی ملاقات ہوئی اور اسی سال شہر لاہور میں ایک نوجوان مسمّی شیر سے بھی صحبت رہی جو خطِ نستعلیق خوب لکھتا تھا، وہ فرقہ شیدابیہ کے آزاد عقیدت مندوں میں سے تھا۔

آخشیوں کے اصول کی معرفت میں

آخش ایک فارسی نسل کا دانش مند تھا، جو خدا کی مخلوقات پر بڑا مہربان تھا۔ وہ شیداب کا ہم عصر تھا، اس نے وہ عقائد جو آگے ذکر کیے جا رہے ہیں، بیان کیے اور لوگوں کو اپنے مذہب کی جانب مدعو کیا۔ وہ کہتا تھا کہ عناصر کی اصل خدا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا ناقابلِ دید ہے۔ اس سے عنصری مادّہ کی طرف اشارہ ہے، اس لیے کہ وہ بھی بغیر جسم کے نظر نہیں آتا۔ اور یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا ہر جگہ موجود ہے، اس سے اسی اصل کو مراد لیتے ہیں۔ اس لیے کہ چاروں شکل میں خود وہ موجود ہے۔ نیز یہ جو کہتے ہیں کہ خدا کے سوا باقی سب چیزیں فانی ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عناصر تبدیلی قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن ان کا اصل مادہ اپنی حالت پر باقی رہتا

ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ آفتاب آگ اور دوسرے ستاروں کی مثلاً روشن اور ٹوٹنے والے اور دُمدار ستارے وغیرہ اصل ہیں۔ اس فرقہ کے ایک شخص مسمی شیداب کو راقم الحروف نے ایک سوداگر کے بھیس میں ۱۰۴۰ھ (مطابق ۱۶۳۱ء) میں کشمیر میں دیکھا تھا اور جو کچھ تحریر کیا گیا، اسی سے مصنف نے سنا تھا۔ اور آخش کی کتاب میں پڑھا تھا۔ اسی شیداب کا جو شمس الدین کے نام سے مشہور تھا، اپنے مذہب کی تائید سے متعلق ایک رسالہ ہے، جس میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی سے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ اس رسالہ کا نام راز آباد ہے۔ اس گروہ کے نزدیک جو مذکورہ بالا راویوں کے بعد گزرے ہیں، آخرت اور معاد نہیں ہے مگر بایں طور کہ نطفہ غذا سے وجود میں آتا ہے، پھر جب جاندار کا بدن ہلاک ہو جاتا ہے تو گھاس بن کر دوبارہ کسی جاندار کی غذا بن جاتا ہے۔ اس فرقہ کے عقائد اور عمل میں ثواب اور عذاب کا کوئی تصور نہیں۔ رہی جنت تو سوائے لباس، خورد و نوش، سواری، شہوت بازی اور اس قسم کی دوسری لذاتِ جسمانی کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ اور جو باتیں بیان کی گئی ہیں، ان سے جدائی کو عذاب سمجھتے ہیں۔ بہرحال اس مذہب کی بنیاد ڈالنے والے اور اس کے اکثر پیرو جانوروں کو تکلیف پہنچانے سے پرہیز کرتے ہیں۔

اس فرقہ کے نزدیک بیٹی، بہن، ماں، خالہ اور جو اولاد ان سے پیدا ہو، اس سے جماع جائز ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ جو پانی بیٹی کی پیدائش کی اصل ہے، وہ آلۂ تناسل سے باہر آتا ہے اور رحم سے مل جاتا ہے۔ لہٰذا دونوں لحاظ سے اس کا باپ کے آلۂ تناسل سے نکلنا کوئی بری بات نہیں۔ اسی طرح بہن اور بھائی کے باہر نکلنے کا راستہ ایک ہی ہے، لہٰذا ان دونوں کو آپس میں اختلاط سے روکنا درست نہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ جب سارا بدن ماں کے شکم سے باہر نکل آتا ہے تو اگر کوئی ایک عضو باہر آکر پھر اندر داخل ہو جائے تو کوئی ناشائستہ بات نہیں۔ اس گروہ کے کسی شخص سے ایک دوست نے پوچھا کہ تو اپنی ماں کا کون ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جب تک میں باپ کی پشت میں تھا، اپنی ماں کا شوہر تھا اور جب اس کے شکم میں جا پڑا اور باہر نکل آیا تو لوگ مجھے اس کا بیٹا کہتے ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ بیٹی، بہن اور ماں وغیرہ سے جماع کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ وہ لوگ محرم ہیں، دوسری عورتوں سے اختلاط مقابلتاً زیادہ بیحیائی ہے۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی میسر نہ ہو تو نامحرم عورتوں سے اختلاط کرنا چاہیے۔ یہ لوگ صرف ایسی غیر عورت کے پاس جانے کو حرام سمجھتے ہیں، جس کا شوہر بقیدِ حیات ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ کام عدل و انصاف سے بعید ہے۔ البتہ اگر اس کے شوہر نے اپنی رضامندی دے دی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جو بھی عورت ہو خواہ اپنی ماں ہو یا دوسرے کی بیٹی، اگر شوہر والی نہیں ہے اور طرفین اختلاط پر راضی ہوں تو شادی ہو سکتی ہے، ورنہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو دوسروں کے پاس جانے کا حکم دے تو ایسی عورت سے جماع جائز ہے، ناجائز نہیں۔ ان کے یہاں غسلِ جنابت کوئی چیز نہیں۔ کہتے ہیں کہ سوائے آلۂ تناسل کے کوئی عضو دھونا نہ چاہیے مثلاً کوئی شخص چند کپڑے اپنے سامان میں رکھتا ہے، اگر ایک کپڑا ناپاک ہو جائے تو کیا ضروری ہے کہ سارے کپڑوں کو دھوئے۔ نیز کہتے ہیں کہ اگر دھونے سے بدن کو پاک کرتے ہیں، اس لیے کہ منی نجس ہے، تو چونکہ منی ہی بدن کی اصل ہے، لہٰذا جب

بدن تر ہوگا اور زیادہ ناپاک ہو جائے گا اور اس عمل سے منی دُور نہ ہوگی۔ کیونکہ سارا بدن منی ہی سے بنا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ لوگ رسوم و عادات کے خوگر ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اچھی بات کو برا سمجھتے ہیں اور بری کو اچھا۔ جب چاہتے ہیں کہ نیک عمل کریں تو کسی بے ضرر جانور کو ذبح کر ڈالتے ہیں اور اس عمل کو برا نہیں سمجھتے۔ بعض لوگ سور کا گوشت کھاتے ہیں اور گائے کے گوشت سے پرہیز کرتے ہیں اور بعض اس کے برخلاف کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی اپنی خداداد عقل کی طرف رجوع کرے تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ ہماری باتیں بالکل درست ہیں۔''

پانچویں فصل سے یہاں تک جن مذاہب اور عقائد کا ہم نے بیان کیا، ان کے سارے ماننے والے مسلمانوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں اور ان کے جیسے لباس پہنتے ہیں اور مسلمانوں جیسے نام بھی رکھتے ہیں۔ لیکن اپنے مذہب کے لحاظ سے دوسرے نام بھی رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ایران و توران کے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں، جن کو اپنا وطن بنا کر رکھا ہے۔ یہ آتش پرستوں سے علیحدہ اور بیزار رہتے ہیں۔

زردشتیوں کے حالات میں

فرزانہ بہرام ابن فرہاد یزدانی نے اپنی کتاب شارستان میں لکھا ہے کہ دین بہترین کے علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زردشت کی مقدس روح کو اس درخت سے متعلق بنا کر پیدا کیا، جس نے اعلیٰ علیین کے سارے ممکنات کو ایجاد کیا تھا۔ اس سے عقل اول کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عقل اول ایسا درخت ہے کہ سارے ممکنات اس کے پھل پھول ہیں۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ زردشت کی روح کو اس سے متعلق کر رکھا تھا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زردشت کا نفسِ ناطقہ عقل اول کا ایک عکس ہے، اس لیے کہ زردشت کے سارے کمالات اسی درخت عقل کی ایک روشنی ہے۔ سروش یزدانی عالم سے یہ بات سنی گئی کہ بہترین دین کے علماء نے کہا ہے کہ زردشت کے باپ کے پاس ایک گائے تھی جو ہر روز صبح کے وقت چراگاہ کی طرف نکل جاتی تھی۔ اتفاق سے ایک دن چند درختوں کے پاس پہنچی جن کے پتے گر کر سوکھ گئے تھے۔ گائے نے وہ پتے کھائے اور اس واقعہ کے بعد وہ ہمیشہ اس باغ کے گرے ہوئے سوکھے پتوں کے علاوہ کچھ نہ کھاتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس سے جو دودھ پیدا ہوا، زردشت کے باپ نے اسے پیا۔ وہ نطفہ بن کر زردشت کی ماں کے رحم میں حمل قرار پایا۔ اس بیان سے ان کی غرض یہ ہے کہ سبز پتوں کے کھانے سے روح نباتی کو تکلیف پہنچتی ہے، اسی لیے گائے سوکھے ہوئے پتوں کو کھاتی تھی تاکہ اس میں کسی روح کو تکلیف نہ پہنچے۔ اگرچہ روح نباتی تکلیف و لذت محسوس نہیں کرتی۔ اسی طرح اگر گائے سے دودھ نہ دوہیں تو اس کے پستان میں درد ہونے لگتا ہے، لیکن دوہنے کے وقت اسے تکلیف نہیں ہوتی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے جسم کو دودھ سے بنایا، جس میں کسی جاندار کو کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو۔ جب اس قدر معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ زراتشت بہرام جو پیغمبر زردشت کے دین کے علماء میں سے ہے، کہتا ہے کہ جب دنیا بدکاروں سے پُرآشوب ہو گئی اور سارا عالم شیطان کے حسب مراد ہو گیا تو خدا نے چاہا کہ ایک پیغمبر پیدا کرے اور اس گرامی منصب کے لیے سوائے فریدون کی نسل کے کوئی سزاوار نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ایک شخص مسمی پورشسپ بن پتیرسپ فریدون کی نسل سے تھا۔ اس کی زوجہ کو دغدویہ کہتے تھے، وہ پاکدامن خاتون بھی فریدون

کی نسل سے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زردشت جیسے موتی کے لیے سیپ بنایا۔ جب دغدویہ کے حاملہ ہونے پر پانچ مہینے گزر گئے تو اس نے ایک رات کو خواب دیکھا کہ ایک سیاہ بادل نے اس کے مکان کو اس طرح گھیر لیا کہ چاند اور سورج کی روشنی کو چھپا دیا اور اس خوفناک بادل سے موذی درندے، پرندے اور چرندے برسنے لگے۔ ان کے اندر سے ایک زیادہ طاقتور درندے نے اپنے پنجہ سے دغدویہ کے شکم کو پھاڑ دیا اور اس میں سے بچہ کو نکال کر اپنے پنجہ میں دبا لیا۔ دوسرے سب درندے اس کے گرد جمع ہو گئے۔ دغدویہ نے چاہا کہ شور مچائے، لیکن زردشت نے روک دیا اور کہا کہ خدا میرا مددگار ہے تو اندیشہ نہ کر، وہ خاموش ہو گئی۔ اسی وقت اس نے دیکھا کہ ایک روشن پہاڑ آسمان سے اتر آیا اور سیاہ بادل کو پھاڑ دیا۔ یہ دیکھ کر سب موذی جانور بھاگنے لگے۔ جب پہاڑ قریب آیا تو اس میں سے ایک نورانی جوان باہر نکلا، جس کے ایک ہاتھ میں نورانی شاخ تھی اور دوسرے ہاتھ میں خدا کی طرف سے ایک کتاب تھی۔ جوان نے کتاب درندوں کی طرف پھینک دی۔ سب کے سب اس مکان سے باہر نکل گئے، مگر تین درندے بھیڑیا، چیتا اور شیر رہ گئے۔ جوان نے نورانی شاخ سے ان تینوں درندوں کو مارا، چنانچہ وہ جل کر بھسم ہو گئے۔ اس کے بعد جوان نے زردشت کو اُٹھایا اور ماں کے شکم میں رکھ کر اس سے کہا کہ اندیشہ نہ کر اور غمگین نہ ہو کیونکہ تیرے بیٹے کا محافظ خدا ہے اور یہ بیٹا خدا کا محترم پیغمبر بنے گا۔ بعد ازاں جوان نظر سے غائب ہو گیا۔ دغدویہ بیدار ہوئی تو اس تاریک رات میں ایک پڑوسی تعبیر بتانے والے کے پاس دوڑ کر گئی اور اس کے سامنے خواب بیان کیا۔ معبّر نے جواب دیا کہ اس خوش نصیب بیٹے کی وجہ سے ساری دنیا میں تیرا نام مشہور ہو جائے گا۔ جا اور اپنی تقدیر کے زائچے کو لے آ تاکہ میں اس میں غور کروں۔ دغدویہ نے حکم کی تعمیل کی تو معبّر (یعنی تعبیر بتانے والے) نے اس میں غور وفکر سے دیکھ کر کہا کہ تین روز تک اس راز کو پوشیدہ رکھ اور چوتھے روز میرے پاس آ کر جواب لے جا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ چوتھے روز نجومی کے پاس گئی۔ اس نے جب دغدویہ کو دیکھا تو ہنسا اور نجومیوں کے انداز میں زائچہ میں بغور ملاحظہ کر کے خواب کی تعبیر بیان کرنے کے لیے متوجہ ہوا۔ اس نے کہا کہ جس رات کو تُو نے یہ خواب دیکھا، یہ نازائیدہ بچہ پانچ مہینے اور تیئس دن کا تھا۔ اور جب یہ ہستی کے گھوارہ میں قدم رکھے گا تو اس کا نامِ نامی زردشت ہوگا، اس کی وجہ سے دشمن نیست و نابود ہو جائیں گے۔ لیکن شروع میں اس سے جنگ کے لیے کمربستہ ہو جائیں گے اور اپنی کوشش میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے اور تُو بدکاروں کی طرف سے بہت تکلیف دیکھے گی، جیسا کہ خواب کے درندوں سے تُو نے مشاہدہ کیا ہے:

سرانجام فیروز شاداں شوی بہ ایں پور نازادہ نازاں شوی

(آخر کار تو کامیاب اور خوشدل ہو جائے گی اور اس نازائیدہ بیٹے پر ناز کرے گی۔)

بعد ازاں یہ تُو نے دیکھا کہ چھٹے آسمان سے ایک جوان درخت کی نورانی شاخ لے کر نازل ہوا، وہ فرۂ ایزدی ہے جو زردشت سے برائیوں کو روکنے والا ہے اور وہ لکھی ہوئی کتاب جو اس کے دوسرے ہاتھ میں تھی، وہ پیغمبری کا نشان ہے، جس کی وجہ سے وہ سب کے اوپر فتح پائے گا اور وہ تین درندے جو باقی رہ گئے تھے،

ان سے اشارہ بداندیش قوی دشمن کی طرف ہے، جو مکر و فریب سے زردشت کو تباہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن آخر کار خود برباد ہو جائیں گے۔ اور ایک بادشاہ ہو گا جو بہترین دین کو لوگوں پر ظاہر کرے گا اور اس کے زور سے زردشت دنیا و آخرت کا حاکمِ مطلق ہو جائے گا۔ اے دغدویہ! زردشت کی فرماں برداری کی جزا جنت ہے، اور اس سے روگردانی کی سزا دوزخ ہے۔ کاش، میں اس زمانے میں ہوتا جب وہ مبعوث ہو گا، تاکہ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر جاں نثاری کے مراسم بجا لاتا۔ دغدویہ نے معتبر نجومی سے پوچھا کہ تجھے کیسے میرے ایامِ حمل کی معینہ مدت کی خبر ہو گئی۔ اس نے جواب دیا کہ علم نجوم کی بدولت اور پرانی کتابیں پڑھنے کی وجہ سے جن میں اس کے وجودِ مسعود کی خبر دی گئی ہے۔ بعد ازاں دغدویہ نے واپس آ کر اس راز کو پورشسپ سے بیان کیا، اس نے یہ مژدہ اپنے باپ پتیرسپ کو سنایا اور سب نے مل کر خدا کا شکر ادا کیا۔ جب زردشت نے معمورۂ ہستی میں قدم رکھا تو پیدا ہوتے ہی زور سے ہنسا، چنانچہ اس کی ہنسی کی آواز کو ہمسایہ عورتوں نے سنا جو وہاں موجود تھیں، اور پورشسپ نے بھی:

بدل گفت کایں فرۂ ایزدیست جز این ہر کہ از مادر آمد گریست

(اپنے دل میں کہا کہ بیشک یہ فرۂ ایزدی یعنی نورِ الٰہی ہے، کیونکہ اس کے سوا جو بھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا، وہ رویا۔)

اس کے بعد ان لوگوں نے اس کا نام زردشت رکھا: ع درست آمد از خوابگو آن سخن (تعبیر بتانے والے کی وہ بات صحیح ثابت ہوئی) عورتیں زردشت کی ہنسی پر رشک کرنے لگیں اور یہ معجزہ تمام مشہور ہو گیا، یہاں تک کہ اس کی خبر دوران سرون کو پہنچی جو اس سرزمین کا بادشاہ تھا اور وہ جادوگری اور شیطان کی پرستش پر فخر کرتا تھا۔ اس کو زردشت کی پیدائش کی خبر تھی اور اس نے کاہنوں اور منجموں سے سنا تھا کہ زردشت بہترین دین کو ظاہر کرے گا اور اہرمن (شیطان) کے دین کو تباہ کر دے گا۔ لہٰذا وہ دوڑتا ہوا زردشت کے سرہانے آ پہنچا اور اسے گہوارے سے اُٹھانے کا حکم دیا۔ جب لوگوں نے اُٹھا لیا تو اس نے تلوار پر ہاتھ رکھا اور چاہا کہ اس کو قتل کر دے، لیکن اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ چنانچہ مجبوراً وہ رنجیدہ اور افسردہ ہو کر گھر سے باہر نکل آیا اور سارے جادوگروں اور شیطان کے پجاری، جن کے سوا اس زمانے میں کوئی نہ تھا، جو کسی اور معبود کی پرستش کرتا ہو، اس واقعہ سے خوف زدہ ہو گئے۔ لہٰذا جادوگروں نے ایندھن، تیل اور پگھلائی ہوئی گندھک کے ایک پہاڑ میں آگ لگا کر زردشت کو اس کے باپ سے چھین کر اس میں ڈال دیا اور خوشخبری دینے کے لیے اپنے بادشاہ کے پاس دوڑ کر پہنچے، لیکن تائیدِ الٰہی سے:

ہمان آتشِ تیز چوں آب شد بدو در زراتشت در خواب شد

(وہ دہکتی ہوئی آگ مثل پانی کے ہو گئی، جس کے اندر زردشت کو نیند آ گئی۔)

زردشت کی ماں اس کی اطلاع پاتے ہی جنگل کی طرف دوڑی اور اپنے معزز بیٹے کو راکھ سے اُٹھا کر پوشیدہ طور پر گھر لے گئی۔ اس کے کافی عرصہ کے بعد زردشت کی آگ سے رہائی مشہور ہو گئی۔ اب جادوگروں،

شیطانوں اور دیووں نے زردشت کو لے جا کر ایک تنگ راستہ میں ڈال دیا جہاں سے گائیں گزرتی تھیں، تاکہ وہ ان کے پاؤں سے کچل کر ہلاک ہو جائے لیکن خدا کے فضل سے ایک طاقتور گائے آگے بڑھ کر زردشت کو اپنے دونوں پاؤں اور ہاتھوں کے درمیان لے کر کھڑی ہو گئی اور جو گائے اس طرف جانا چاہتی، اس کو اپنے سینگ سے ہٹا دیتی تھی۔ جب پورا گلّہ گزر گیا تو وہ گائے بھی گلّہ کی طرف چلی گئی۔ دغدویہ نے بڑی تلاش کے بعد اپنے محترم بیٹے کو پالیا اور گھر واپس لے گئی۔ جب دوران سرون کو یہ خبر پہنچی تو حکم دیا کہ اس مرتبہ زردشت کو پہلے سے زیادہ تنگ راستے پر ڈال دیں جہاں سے گھوڑے گزرتے تھے۔ تائیدِ خداوندی کہ گلّہ سے پہلے ایک گھوڑی دوڑ کر زردشت کے سرہانے کھڑی ہو گئی اور اس کی حفاظت کا حق ادا کیا۔ دغدویہ کافی دوڑ دھوپ اور تکان کے بعد اپنے مبارک بیٹے کو پا کر گھر واپس لے گئی۔ یہ خبر ملنے کے بعد دوران سرون نے حکم دیا کہ درندہ بھیڑیوں کے باڑہ میں جا کر ان کے بچوں کو مار کر وہیں چھوڑ دیں اور زردشت کو وہاں پر ڈال دیں تاکہ بھیڑیے از راہِ انتقام اس کو پھاڑ ڈالیں۔ چنانچہ جب رات کے وقت بھیڑیوں کا گروہ آرام گاہ کو واپس لوٹا اور اپنے بچوں کو مرا ہوا اور خون میں رنگا ہوا دیکھا اور ایک چھوٹے بچے کو روتا ہوا پایا تو سب ایک ساتھ اس کی طرف جھپٹے۔ بھیڑیوں کا سردار جو سب سے زیادہ طاقتور تھا، زردشت کو پھاڑ ڈالنے کے لیے دوڑا۔ لیکن اس کا منہ اس طرح بند ہو گیا جیسے سی دیا گیا ہو۔ یہ معجزہ دیکھ کر سارے بھیڑیے خوفزدہ ہو گئے اور دایہ کی طرح خدمت کے لیے زردشت کے سرہانے بیٹھ گئے۔ عین اسی وقت پہاڑی کی طرف سے دو بھیڑوں نے آکر دودھ سے بھرا ہوا پستان زردشت کے منہ میں لگا دیا اور بھیڑیا اور بھیڑ دونوں ایک جگہ جمع ہو گئے۔ جب صبح کی سفیدی نمودار ہوئی تو زردشت کی ماں ڈھونڈتی اور تلاش کرتی ہوئی اس خوفناک مقام پر پہنچی اور اس سربلند پیغمبر کو لے کر خدا کا شکر ادا کیا اور گھر کی طرف واپس لوٹی۔ جب جادوگروں نے یہ معجزہ سنا تو بہت غمگین ہوئے اور اس کے دفع کرنے کی ترکیب سوچنے لگے۔ نیز مشورہ کے لیے ایک جلسہ کیا۔ اس وقت ایک مشہور جادوگر نے جس کو پرتروش اور پوران تروش کہتے تھے، ان لوگوں سے کہا کہ زردشت تمہاری تدبیر سے ہلاک نہ ہوگا کیونکہ خدا اس کا مددگار ہے اور اس کے ساتھ ہمیشہ فرِ ایزدی یعنی نورِ الٰہی موجود رہتا ہے۔ بہمن جس سے مراد جبرائیلؑ ہیں وہ زردشت کو اللہ تعالیٰ کے پاس لے جائے گا۔ اور خدا اس کو کائناتِ عالم کے جملہ اسرار سے آگاہ کر کے پیغمبری کے لیے بھیجے گا۔ ایک عادل بادشاہ دین پھیلانے میں اس کا مددگار ہو جائے گا اور جادوگروں اور دیووں کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ زردشت کے باپ نے پرتروش سے پوچھا کہ ہم کو زردشت کے ستارہ اور اس کے ظہور کی خبر دے اور پیدائش کے وقت اس کی ہنسی کے راز سے آگاہ کر۔ پرتروش نے جواب دیا کہ تیرا بیٹا زردشت سردار بنے گا، اس لیے کہ سب مبارک افلاک اس کے معاون ہیں اور یہ قابلِ تعریف انجام والا بچہ مخلوقِ خدا کو سچائی کی طرف رہنمائی کرے گا اور ژند واوستا کو ظاہر کرے گا۔ نیز دیو اور جادوگروں کی بیخ کنی کرے گا۔ اور بالآخر بادشاہ گشتاسپ اس کے دین میں شامل ہو جائے گا۔ یہ مژدہ سن کر پورشسپ خوش و خرم ہو گیا۔

اس زمانے میں ایک بیدار مغز ہوشیار اور معمر دانشمند تھا، جس کا نام برزین کروس تھا۔ وہ ایک دن

پورشسپ کے مکان پر آیا اور درخواست کی کہ زردشت کی پرورش کرے اور اس کی خدمت کی سعادت حاصل کرے۔ پورشسپ اس کی تجویز پر رضامند ہو گیا اور اپنے محترم بیٹے کو اس کے حوالہ کر دیا۔ جب زردشت سات سال کی عمر کو پہنچا تو پرتروش اور دوران سرون اس کے گھر پہنچے اور اس قدر سحر و افسوں اور خوف و ہراس پھیلایا کہ سب لوگ اس کے گھر سے بھاگ نکلے لیکن نصرتِ خداوندی سے زردشت مطلق نہیں ڈرا اور گھر سے باہر نہ نکلا۔ مجبوراً جادوگر عاجز و ناکام ہو کر گھر سے باہر نکل آئے۔ چند روز کے بعد زردشت بیمار ہوا۔ اس خبر سے جادوگر بہت خوش ہوئے اور ان کا سردار پرتروش جادو کی ہوئی دوائیں لا کر اور مٹی میں آلودہ کر کے زردشت کے سرہانے گیا اور کہا کہ اس دوا کے کھانے سے تیرا جسم تندرست ہو جائے گا اور تکلیف سے تُو نجات پائے گا۔ روشن ضمیر زردشت نے صورتحال کو جان لیا اور اس دوا کو اس سے لے کر زمین پر ڈال دیا اور دوا کو مٹی میں آلودہ کرنے کی بدکاری سے اسے مطلع کر دیا اور کہا:

وگر تو دگر گونہ پوشی سلب تو را باز گویم من اے پُرشعب

(اے شعبدہ باز! اگر تو دوسرے قسم کا لباس پہن کر آئے گا تو میں تجھ کو اصل حال کی خبر دے دوں گا۔)

نشانِ تو برمن دہد یک خدائے کہ گیتی بفرمانِ او شد بپائے

(مجھ پر ایک ایسا خدا تیرا نشان ظاہر کر دے گا، جس کے حکم سے یہ دُنیا وجود میں آئی۔)

ناچار یہ جادوگر پھر اپنے مکر و فریب سے پشیمان ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں ساحری کے علاوہ کسی آئین کو بہتر نہیں جانتے تھے۔ کھلم کھلا دیوان لوگوں سے میل ملّت رکھتا تھا اور وہ براہِ راست ابلیس سے ساحری سیکھتے تھے۔

ستودند مردیو ناپاک را چناں چوں کنوں ایزد پاک را

(لوگ ناپاک دیو (شیطان) کی اس طرح تعریف کرتے تھے، جیسے آج کل خدائے پاک کی۔)

اور پورشسپ بھی جو زردشت کا باپ تھا، اسی راستہ پر چلتا تھا۔ ایک روز اس نے دوران سرون، پوران تروش اور ان جیسے چند جادوگروں کو دعوت میں بلا کر بڑا اہتمام کیا۔ جب کھانے کے بعد دسترخوان بڑھایا گیا تو اس نے پوران تروش سے جو جادوگروں کا سردار تھا، کہا کہ ازراہِ کرم کوئی شعبدہ دکھلاؤ جس سے ہمارا دل خوش اور ہماری گردن بلند ہو اور آج کل تیری ذات شریف سارے جادوگروں کے درمیان بزرگ ہے۔ زردشت یہ سن کر غصہ ہوا، اور باپ سے کہا کہ ناحق راستہ سے الگ ہو جا اور خدا کے دین کی طرف جھک جا کیونکہ جادوگر اور ساحر کا آخر ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ پرتروش اس بات سے برافروختہ ہو گیا اور زردشت سے کہا کہ بھلا تُو کیا، تیرا باپ اور روئے زمین کے تمام سمجھدار اور آباد دنیا کے بزرگ لوگ میرے ساتھ ایسی گستاخی نہیں کر سکتے۔ کیا تو مجھ سے نہیں ڈرتا اور مجھ سے واقف نہیں ہے؟ اس گستاخی کے بدلے میں تیرے بارے میں لوگوں سے ایسے بہتان اور ایسی جھوٹی باتیں کہہ دوں گا کہ تو بے قدر ہو جائے گا۔ تیری کیا حقیقت ہے کہ بے ادبی کر کے میری عزت کو نقصان پہنچا سکے:

تُو را از ہمہ خلق گم باد نام مبیناد ہرگز دلت ہیچ کام
(ساری مخلوق سے کم درجہ تیرا نام ہو اور تیرے دل کا کوئی مقصد ہرگز پورا نہ ہو۔)

زردشت نے کہا کہ اے خاکسار! جو جھوٹ میرے بارے میں تُو کہے گا، اس کی وجہ سے خود کو خدا اور مخلوقِ خدا کے سامنے رسوائی میں مشہور کر دے گا اور اس کے بدلے میں تیرے بارے میں سوائے سچ بات کے کچھ نہ کہوں گا اور اپنے سچے دلائل و شواہد سے تجھ کو عاجز کر دوں گا:

بفرمانِ دارندۂ دادگر کنم کارہائے تو زیر و زبر
(خدائے حاکم و عادل کے حکم سے میں تیرے سارے کارناموں کو برباد کر دوں گا۔)

سارے حاضرین اور جادوگر اس عقل والے کمسن بچہ کی باتوں سے حیران رہ گئے۔ پوران تروش پشیمان اور شرمندہ ہو کر اپنے گھر واپس چلا آیا اور اسی شب کو بیمار پڑا اور اس کی تیمارداری کرنے والے متعلقین بھی اس کے ساتھ دارالجزا کو رخصت ہو گئے۔

جب زردشت کی عمرِ گرامی پندرہ سال کو پہنچی تو وہ اس سرائے ہستی میں دل نہ لگاتا اور نہ دنیا اور دنیا کی چیزوں کی قدر و وقعت سمجھتا۔ غضب اور شہوت سے بالکل الگ تھلگ تھا اور خوف و خشیت کے ساتھ شب و روز خدا کی عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ جہاں کہیں کسی بھوکے پیاسے، ننگے اور مجبور کو پاتا، اس کو کھانا پانی، پوشاک اور ضروری چیز فراہم کر دیتا تھا۔ لہٰذا حد درجہ امانت و دیانت کی وجہ سے لوگوں میں مشہور ہو گیا، اگرچہ خود کو عوام سے پوشیدہ رکھتا تھا۔

جب زردشت تیس سال کا ہوا تو چند مرد و عورت اور عزیزوں کے ہمراہ ایران کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک چشمہ کے پاس گزرا جس کو پار کرنے کے لیے کوئی کشتی نہ تھی، چونکہ عورتوں کے لیے برہنہ ہونا مناسب نہیں، خاص طور پر اجنبی لوگوں کے سامنے، اس لیے ان کو اپنے ہمراہیوں کے سامنے پانی سے گزارنے کے لیے فکرمند ہوا۔ خدا کے سامنے وہ گڑگڑایا اور اس دریا کے پانی کو عبور کرنے کی التجا کی۔ بعد ازاں حکمِ خداوندی سے اپنے ہمراہیوں اور عزیزوں کے ساتھ پانی سے اس طرح پار ہو گیا کہ سوائے جوتے کے تلے کے کسی شخص کا کوئی حصۂ جسم نہ بھیگا۔ آخرکار اسفندارمہینہ کے آخر میں 'انیران کے روز' جو ہر شمسی مہینے کا آخری دن ہوتا ہے، زردشت ایران کی سرحد میں داخل ہوا۔ اس زمانے میں ایرانیوں کا ایک بڑا جشن تھا، جس میں سب چھوٹے بڑے شریک تھے۔ زردشت اس مقام کی طرف چلا، ایک رات کسی منزل میں آرام کر رہا تھا کہ اپنی روشن ضمیری کی بدولت خواب میں دیکھا کہ ایک لشکرِ جرار باختر (مغرب) کی طرف سے ظاہر ہوا اور بغض و عداوت کی وجہ سے زردشت کو ہر چہار طرف سے گھیر لیا اور اسی موقع پر ایک دوسرا لشکر نیمروز (مشرق) کی جانب سے آ پہنچا۔ اور دونوں آپس میں تلواروں سے لڑنے لگے۔ انجام کار باختر کی طرف کا لشکر شکست کھا گیا۔ خواب کی تعبیر بتانے والے نے اس طرح تعبیر بتائی کہ جب زردشت خدا کے پاس جا کر اسرار و رموز کو حاصل کرے گا اور وہاں سے واپس لوٹے گا، تاکہ بہترین دین کا اعلان کرے تو دیو اور جادوگر لوگ اس خبر کو

پاتے ہی پوری کوشش سے اس سے جنگ کریں گے۔ میدومہ جو خدا کے خادموں میں سے ایک فرشتہ ہے جب اس سے باخبر ہوگا تو بہترین دین میں داخل ہو جائے گا اور اس کے قبول کر لینے کی وجہ سے اوستا وژند کو لوگ بلند آواز سے پڑھنے لگیں گے اور دیو اور جادوگر منتشر ہو جائیں گے اور بھاگ نکلیں گے۔ خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے بعد زردشت جشن کے مقام کی طرف گیا اور اسے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔

جب زردشت جشن کے مقام سے واپس ہوا تو اردی بہشت مہینہ کے نصف میں چل کر دیمہر کے دن جو ہر شمسی مہینہ کے پندرہویں دن کا نام ہے، ایک گہرے اور وسیع و عریض دریا کے پاس پہنچا، جس کا نام اوستا میں داہتی لکھا ہوا ہے۔ اور خود کو خدا کے سپرد کر کے پانی میں قدم رکھا۔ پہلے پانی زردشت کی پنڈلی تک پہنچا، پھر زانو تک آیا، اس کے بعد کمر تک پانی میں گیا، بالآخر پانی اس کی گردن تک آ گیا۔ اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ پانی کے ان چار حصوں میں تقسیم ہونے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نو ہزار سال کے اندر بہترین دین کی چار مرتبہ تجدید ہوگی۔ سب سے پہلے زردشت کے ہاتھوں جو بہترین دین کے ساتھ مبعوث ہوگا، دوسری بار ہشید کے ذریعہ، تیسری دفعہ ہشیدر ماہ کے ذریعہ اور چوتھی بار سرساش کے ذریعہ، اور یہ سب زردشت کی نسل سے ہوں گے۔

جب زردشت دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو اس نے سر اور بدن کو اپنے دل کی طرح دھویا اور پاک کپڑے پہن کر عبادت میں مشغول ہو گیا۔ اس روز بہمن جو فرشتوں میں سب سے زیادہ بزرگ ہے اور جسے مسلمان لوگ جبرئیل کہتے ہیں، نورانی لباس میں آیا اور زردشت سے نام پوچھ کر کہا کہ تو اس دنیا کی کون سی چیز چاہتا ہے؟ زردشت نے جواب دیا کہ مجھے سوائے رضائے الٰہی کے کوئی آرزو نہیں اور بجز سچائی کے میرا دل اور کچھ نہیں چاہتا۔ مجھے اُمید ہے کہ تُو نیکی کی طرف میری رہنمائی کرے گا۔ بہمن نے کہا، اُٹھ تا کہ تُو خدا کے پاس چلے اور جو کچھ تُو چاہتا ہے، اس کے حضور میں سوال کرے، کیونکہ وہ اپنے فضل و کرم سے تجھ کو مفید جواب دے گا۔" چنانچہ زردشت اُٹھا اور بہمن کے حکم کے مطابق ایک لحظہ کے لیے آنکھ بند کر لی۔ جب آنکھ کھولی تو خود کو روشن جنت میں پایا۔ اس کے بعد ایک انجمن کا مشاہدہ کیا جس کے نور میں اس نے اپنے سایہ کو دیکھا۔ اس انجمن سے چوبیس قدم کی مسافت پر دوسری انجمن تھی۔ اس دوسری انجمن میں حوریں خدمت گار تھیں۔ وہاں پر سب فرشتے آئے اور گرم جوشی کے ساتھ زردشت کا حال پوچھا اور ایک دوسرے سے اس کا تعارف کرایا، یہاں تک کہ اسقیمان کا محترم مینا خدا کے پاس پہنچا اور شادکام دل اور خوفزدہ جسم کے ساتھ نیازمندی والی نماز ادا کی۔ جاننا چاہیے کہ بہدین (بہترین دین) کے ماننے والے جو ظاہر پرست ہیں، ان سب کا عقیدہ ہے۔ بہمن انسان کی شکل میں آیا اور زردشت جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر گیا لیکن آبادی مذہب کے عقلاء کی رائے یہ ہے کہ بہمن کے انسانی شکل میں آنے اور عام انسانوں کی طرح گفتگو کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی حقیقت مجرد اور بسیط ہے، جسم اور جسمانی نہیں ہے اور اسی شکل یعنی تجرد کے ساتھ بہمن زردشت کے سامنے ظاہر ہوا۔ اور زردشت سے کہا کہ آنکھ بند کر لے تو آنکھ بند کرنے سے مراد تعلقات کو منقطع کرنا اور

عنصری جسم سے جدا ہونا ہے، اور جب روح مجرد ہوگئی تو آسمانوں پر پہنچ گئی، جو بہشتِ جاودانی کہلاتے ہیں۔ فرشتوں کی پہلی انجمن سے مراد نفوسِ علویہ ہیں اور دوسری انجمن سے عقولِ سماوی کے وجود کی طرف اشارہ ہے۔ فرشتوں کے اس سے سوال کرنے سے مراد یہ ہے کہ چونکہ نفس عالم علوی سے تعلق رکھتا ہے، اور عالم سفلی میں غربت اور مسافرت کی حالت میں آپڑا ہے۔ لہٰذا جب بہمن اور عقل کے اثر سے عالمِ بالا میں پہنچا تو فرشتے اس بات سے خوش ہوئے۔ اس کے بعد وہ عالمِ مجردات میں آیا اور خدا کے پاس جا پہنچا۔ زردشت کے دل کی خوشی سے کنایہ اس بات کا ہے کہ اُس دنیا میں خوف و ہراس کا نام نہیں اور خوفزدہ جسم حضرتِ حق تعالیٰ کے جلال کی نشانی ہے۔ اس کے بعد زردشت نے خداوند تعالیٰ سے پوچھا کہ زمین کے بندوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ خدا نے جواب دیا: وہ شخص جو سچا ہے اور سچائی کو دوست رکھتا ہے۔ دوسرے وہ شخص جو سچائی کی صفت رکھنے کے ساتھ سخی اور کریم بھی ہو، نیز سچائی کی راہ پر چلے اور برائی سے چشم پوشی کرے۔ تیسرے وہ جو آگ اور پانی نیز جاندار اور حیوانات پر مہربانی کرے کیونکہ ایسے علم وعمل کی وجہ سے انسان دوزخ سے نجات پا کر ہمیشہ بہشتِ جاودانی میں رہتا ہے۔ اے زردشت! اس چند روزہ دنیا میں میرا جو بندہ میری مخلوقات پر ظلم وستم اور زیادتی کرتا ہے اور میرا نافرمان بن کر میرے احکام سے سرتابی کرتا ہے، یہ باتیں اس سے بیان کردے کہ اگر اس سرکشی سے باز نہ آئے گا تو اس کا ٹھکانہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ پھر زردشت نے پوچھا کہ اے عادل حاکم مطلق! امشاسفندوں یعنی فرشتوں میں جو تیرے نزدیک زیادہ برگزیدہ ہیں، مجھے ان کے نام سے واقف کردے۔ ان کے دیدار سے مجھے خوشدل کر اور ان کی گفتگو سُنوا دے۔ نیز بدذات شیطان سے جو بُری فطرت کی وجہ سے نیکی کی طرف مائل نہیں ہوتا اور دنیا کے اچھے بُرے کام اور اس کے انجام، گردش کرنے والے آسمان اور نئی نئی راہوں کا ظہور یعنی اشیاء کا موجود ہونا، ان سب کی حقیقت سے مجھے آگاہی عطا فرما۔ اسی طرح بہت سے پوشیدہ راز جو زردشت کے دل میں تھے، خدا کے سامنے اس نے کہے۔ خدا کی طرف سے جواب آیا کہ میں نیکی کا فاعل اور خیر وخوبی کا خواہش مند ہوں۔ نہ بُرائی کرتا ہوں اور نہ بُرا کام کرنے کا حکم دیتا ہوں اور نہ میں شر سے راضی ہوں۔ مخلوق کو میں تکلیف اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ بدی اور شر، سراسر شیطان کا کام ہے اور شیطان کے گروہ کا جس کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنا مجھ پر واجب ہے، یہ فضول میرے متعلق برائی کرنے کی گواہی دیتا رہتا ہے۔ بعد ازاں خدا نے زردشت کو افلاک کی گردش اور ستاروں کی حرکت اور ان میں سعد ونحس سے آگاہ کیا۔ اور نورانی جنّت، حور وقصور اور فرشتوں کو دکھلا کر اس کو جملہ اسرار اور سارے علوم سے باخبر کیا۔ چنانچہ آغازِ آفرینش سے لے کر اس کے انجام تک کُل اسرار کو اس نے جان لیا اور شیطان کو تاریک دوزخ میں دیکھا، جس نے زردشت کو دیکھ کر بلند آواز سے کہا کہ خدا کے دین سے پھر جا تا کہ دنیا میں جملہ مقاصد کو پالے۔

جب زردشت خداوند کے راز سے آگاہ ہو چکا تو اس نے ایک روشن آتشکدہ دیکھا اور خدا کے حکم سے اس کے اوپر سے گزر گیا لیکن اس کے جسم کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ دوسری بار پگھلائی ہوئی دھات بہت زیادہ اس کے سینۂ بے کینہ پر، جو چاندی کی طرح صاف وشفاف تھا، ڈال دی گئی، لیکن اس کے جسم کا ایک بال بھی بیکا

نہ ہوا۔ بعد ازاں اس کے پیٹ کو پھاڑ ڈالا اور جو کچھ اندر تھا، اسے باہر نکال لیا اور پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا، زخم فوراً مندمل ہو گیا اور زخم کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ اس کے بعد خداوند نے زردشت سے کہا کہ تُو آگ کے پہاڑ کے اوپر سے گزر گیا اور اپنے شکم کو تُو نے شگافتہ پایا۔ لہٰذا تجھ کو لوگوں سے کہنا چاہیے کہ جو شخص بہترین دین سے پھر جائے گا اور شیطان کی جانب رجوع کرے گا، تو اسی طرح اس کے جسم سے خون بہایا جائے گا اور آگ میں جگہ پائے گا اور بہشتِ خرم میں نہ پہنچے گا۔ پھر پگھلائی ہوئی دھات جو تیرے سینے پر ڈالی گئی، وہ برف کی طرح جم گئی اور تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ یہ اس بات کی نشانی ہے کہ کچھ لوگ بہترین دین کے اعلان کے بعد شیطان کے حکم سے دین سے سرتابی کریں گے تو موبد موبدان (ایک بڑا عالم) ان سے جنگ کے لیے کمربستہ ہو جائے گا:

دل مردم اندر گمانے بود پس این روئے دانی نشانے بود

(لوگوں کے دل گمان اور شک میں مبتلا ہوں گے، تُو جان لے کہ یہ دھات ایک نشانی ہوگی۔)

بامداد ذر باد مار اسفند دہد ہر کسے را بہر گونہ پند

(اور مار اسفند کے بیٹے آذر باد کی مدد کرے گی، جو ہر شخص کو ہر قسم کی نصیحت کرے گا۔)

پس اس دھات کو وہ اپنے جسم پر ڈال لے گا اور اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ یہ معجزہ دیکھ کر لوگ دل و جان سے سیدھا راستہ پکڑ لیں گے۔

اس کے بعد زردشت نے خدائے داور سے پوچھا کہ تیری بندگی کرنے والے کیسے تیری حمد و ثنا کریں اور ان لوگوں کا قبلہ کیا ہوگا؟ خدا نے جواب دیا کہ تُو لوگوں کو آگاہ کر دے کہ جو بھی چیز روشن اور درخشاں ہے، میری عبادت کے وقت اس کی طرف رخ کریں تا کہ شیطان ان سے دور بھاگے اور روشنی سے بہتر دنیا میں کوئی ہستی نہیں۔ اسی روشنی سے میں نے بہشت اور حوران بہشتی کو پیدا کیا، ظلمت سے دوزخ پیدا ہوئی۔

ہر آنجا کہ باشی بہ ہر دو سرائے ز نورم نہ بینی تو پرداختہ جائے

(دونوں عالم کے اندر تو جہاں بھی جائے گا، میرے نور سے کوئی جگہ خالی نہ پائے گا۔)

پھر زردشت کو اوستا و زند کی تعلیم دے کر کہا کہ اس معزز کتاب کو گشتاسپ بادشاہ کے سامنے پڑھنا کہ وہ اس کے ذریعہ کمال حاصل کرے اور اس سے کہہ مجھ کو اچھی طرح پہچان لے اور کوئی شخص مجھے ناانصافی کرنے والا نہ کہے۔ نیز علماء اور تمام لوگوں سے کہہ دے کہ جادوگروں کے دین سے کنارہ کش ہو جائیں۔ پس زردشت نے ع بیفزود برآفرین خدائے (خداوند کی بہت زیادہ حمد و ثنا کی)۔

جب زردشت کامیاب و بامراد خداوند کے پاس سے لوٹا تو بہمن فرشتے نے جو بھیڑوں اور بکریوں کا محافظ اور افسر ہے اس کا استقبال کیا اور کہا کہ بھیڑوں اور ان کے گلہ کو میں نے تیرے سپرد کیا۔ علماء، عقلاء اور تمام لوگوں سے کہہ دے کہ ان کو اچھی طرح رکھیں، اور ان کو ممانعت کر کہ کوئی شخص گائے کے بچھڑے، بکری کے بچے اور جوان بھیڑ اور دیگر چوپایوں کو ذبح نہ کرے کیونکہ ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ گوسفندان شاید

باسراف کشت (ہم کو ہرگز نہ چاہیے کہ ان کو بے پروائی سے ہلاک کریں۔) میں نے ان بھیڑوں کو خدا سے قبول کیا تھا، اور اب تُو مجھ سے انہیں قبول کر، اور میری باتوں کو معمولی خیال نہ کر۔ بوڑھے اور جوان سے کہہ دے کہ ان احکام کی فرماں برداری کریں۔ زردشت نے امانت قبول کر لی۔ موبد سروش کہا کرتا تھا کہ یزدانی لوگ کہتے ہیں کہ جب بہمن نے جوان چوپایہ کو ذبح کرنے سے منع کیا تو ہر عقل مند جانتا ہے کہ بوڑھے کو بھی ہلاک نہ کرنا چاہیے۔ اوّل تو اس لیے کہ اس نے جوانی کے زمانے میں خدمت کی ہے، اور خدمت گزاری کا معاوضہ یہ نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ بڑھاپے میں اس سے جوان جانور پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا بعض موقع پر زردشت نے جو جانوروں کو بغیر افراد کے ہلاک کرنے کو جائز رکھا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ اپنی ذات سے بہیمی صفات کو دُور کریں اور اس میں افراط نہ کرنے سے مقصد یہ ہے کہ رذائل کو بتدریج اپنی ذات سے دُور کریں، جس طرح بہت زیادہ کھانا جو ایک بہیمی صفت ہے، اس سے یکبارگی ہاتھ نہ کھینچنا چاہیے جیسا کہ سپی کیش لوگوں کے بارے میں ہم نے بیان کیا ہے۔

بہمن کے بعد اردی بہشت فرشتہ سامنے آیا اور زردشت سے کہا کہ اے مقبولِ بارگاہِ خداوندی! میری طرف سے ایک پیغام گشتاسپ شاہ کے پاس لے جا اور اس سے کہہ دے کہ آگ کا معاملہ میں نے تیرے حوالہ کیا۔ چاہیے کہ ہر شخص کے لیے اور ہر شہر میں اس کے اعزاز میں کچھ مقامات بنالیں اور ان کے لیے اوقات مقرر کر دیں اور ہیر بد یعنی خدام کو اس کی پرستش کے لیے مقرر کریں کیونکہ وہ انوارِ یزدانی میں سے ایک نور ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ سبھی لوگ اس کے محتاج ہیں اور وہ محتاج سے سوائے ایندھن کے اور کچھ نہیں چاہتی:

زمرگ و زپیری نہ ترسد تنش چو ہیزم نہادی بہ پیرامنش

(اگر تو اس کے ارد گرد ایندھن لگا دے تو اس کا جسم موت اور بڑھاپے سے ہرگز نہیں ڈرتا۔)

اس کی فطرت ایسی حقیقت نما ہے کہ اگر تو اس میں خوشبودار چیزیں جلائے تو یہ محفل والوں کے دماغ کو معطر کر دیتی ہے اور ناگوار بو سے بدبو کا اثر دماغ میں پہنچاتی ہے۔ سردی کی تکلیف کو دور کرتی ہے۔ جس طرح سے خدا نے اسے میرے سپرد کیا ہے، اسے میں تیرے حوالہ کرتا ہوں۔ جو شخص میرے وعظ و نصیحت سے روگردانی کرے گا، وہ دوزخ میں گرفتار ہوگا اور خدا اس سے بیزار ہو جائے گا۔

جب زردشت اس سے رخصت ہوا تو شہر یور فرشتہ نے سامنے آ کر اس سے کہا کہ جب تو عالم علوی سے عالم سفلی میں پہنچے تو لوگوں سے کہہ دے کہ وہ اپنے اسلحہ کو چمکدار تیز آراستہ اور تیار رکھیں۔ جنگ کے وقت اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔ مردانہ وار سعی کریں کہ اپنی جگہ دوسرے کے حوالہ نہ ہو جائے۔

پھر اسفندارمذ سامنے آیا، درود و سلام کے بعد اس نے کہا کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ لوگ زمین کو پاکیزہ رکھیں۔ خون، گندگی اور لاش کو ایسی جگہ لے جائیں جہاں کھیتی باڑی نہ ہوتی ہو:

زشاہان بود آں کسے بہترین کہ کوشد بہ آباد کردن زمین

(بادشاہوں میں سب سے بہتر وہ ہوتا ہے جو زمین کو آباد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔)

جب زردشت وہاں سے آگے بڑھا تو خورداد سامنے آیا اور درود وسلام کے بعد اس نے کہا کہ جاری پانی، دریا، نہر، ندی اور کنواں وغیرہ کے پانی کو میں نے تیرے سپرد کیا تو لوگوں سے کہہ دے کہ:

ازو زندہ باشد تنِ جانور وزو تازہ باشد ہمہ بوم و بر

(اسی پانی کی بدولت جاندار کا جسم قائم رہتا ہے، اور اسی سے زمین اور پھل سب تر و تازہ رہتے ہیں۔)

مردار کو اس پانی سے دُور رکھیں اور خون اور لاش سے اسے آلودہ نہ کریں، اس لیے کہ جو کھانا ایسے پانی سے پکے وہ بدمزہ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد مرداد نے آگے بڑھ کر زردشت سے کہا کہ وہ چیزیں جو زمین سے اُگتی اور پودا بن جاتی ہیں، انہیں لوگ برباد نہ کریں اور اپنی جگہ سے انہیں الگ نہ کریں۔ع کزو راحتِ مردم و چار پاست (کیونکہ ان سے آدمیوں اور چوپایوں کو راحت ملتی ہے۔) اے پیغمبرِ خدا! موبدوں کو مختلف شہروں اور ملکوں کی طرف بھیج اور ہر شہر میں ایک دانشمند مقرر کرتا کہ ان باتوں کو لوگوں تک پہنچا دیں۔ لوگ اوستا کو سمجھیں اور زنار جو بہدینی اور دانشمندی کی علامت ہے، اسے کمر سے باندھیں اور کوشش کریں کہ چاروں عناصر کو ہمیشہ پاکیزہ رکھیں:

بدیں چار گوہر تن جانور سرشت است داوار فیروز گر

(خداوندِ حاکم و عادل نے ان ہی چاروں عناصر سے سارے جانداروں کے جسم کو بنایا ہے۔)

ہماں بہ کہ پاکیزہ دارند شان زانعام ایزد شمارند شان

(اس لیے یہی بہتر ہے کہ ان کو پاک و صاف رکھیں اور ان کو خدا کا خاص انعام شمار کریں۔)

جاننا چاہیے کہ یہ سب باتیں جو فرشتوں نے زردشت سے کہیں، وہ وحی تھی اور خدا کا پیغام تھا، لیکن اس میں اس کے مرتبہ میں زیادتی اس لیے تھی کہ خود خداوند تعالیٰ نے بغیر فرشتوں کے توسط کے زردشت سے بات کی اور کائناتِ ہستی کے جملہ اسرار کو اس پر ظاہر کر دیا۔

پس زردشت خدا سے سارے اسرار حاصل کر کے عنصری دُنیا کی طرف آیا۔ جادوگروں اور دیوؤں نے خوفناک لشکر کے ساتھ اس کا راستہ روک لیا۔ جادوگروں کے سردار اور دیوؤں کے افسر نے اپنے لشکر کے ساتھ زردشت سے کہا کہ اوستا و ژند کو پوشیدہ رکھ۔ تیرا جادو اور مکر و فریب ہمارے اوپر کچھ اثر نہ کرے گا اور تو ہم کو پہچانتا ہے تو ان چیزوں کو ترک کر دے۔ زردشت نے جب یہ باتیں سنیں تو اوستا اور ژند میں سے ایک فصل بلند آواز سے پڑھی۔ سب دیو اس کو سن کر زمین کے نیچے چھپ گئے اور جادوگر کانپ گئے۔ جادوگروں کا ایک گروہ تو فوراً مر گیا اور دوسرے گروہ نے پناہ مانگی۔

موبد سروش یزدانی راوی ہے کہ مہین سروش کی کتاب میں لکھا ہے کہ بہترین دین کے علماء کہتے ہیں کہ جب زردشت نے دیوؤں پر فتح پائی اور شہنشاہ گشتاسپ سے ملاقات کے ارادہ سے چلا تو راستے میں دو ظالم اور کافر بادشاہ ملے۔ زردشت نے ان کو بہترین دین کی دعوت دی اور نیک کام کے کرنے اور بُرائی سے بچنے کا

حکم دیا۔ لیکن ان دونوں نے زردشت کی باتوں کو قبول نہ کیا۔ چنانچہ زردشت نے دُعا کی تو ہولناک ہوا چلنے لگی جس نے ان دونوں بادشاہوں کو زمین سے اوپر اُٹھا لیا اور فضا میں معلق کر دیا۔ لوگ جمع ہو گئے اور یہ صورتِ حال دیکھ کر تعجب کرنے لگے۔ پرندے فضاؤں میں ہر طرف سے دونوں بادشاہوں کے پاس جا پہنچے اور چونچ اور پنجوں سے ان کے گوشت کو نوچ ڈالا، یہاں تک کہ ان کی ہڈیاں زمین پر بکھر گئیں۔

زردشت بہرام کہتا ہے کہ جب زردشت فتح و نصرت کے بعد شہنشاہ گشتاسپ کے دربار میں آیا تو پہلے خدا کا نام لیا، پھر بادشاہ کے نزدیک جانا چاہا۔ اس نے سب سے پہلے ایران اور دوسرے ملکوں کے پہلوانوں اور عہدہ داروں کی ایک صف دیکھی، سب باادب کھڑے تھے۔ ان سے آگے فلسفیوں، دانش مندوں اور عقل مند لوگوں کی دو صفیں دیکھیں، سب بیٹھے ہوئے تھے اور اپنے علم و ہنر کے مطابق ایک دوسرے پر برتری رکھتے تھے کیونکہ دانش مند کو شہنشاہ بہت دوست رکھتا تھا۔ بادشاہِ عالم ایک بلند تخت پر بیش بہا تاج پہنے نظر آیا۔ زردشت نے فصیح زبان میں بادشاہ کی تعریف کی۔

فرزانہ بہرام ابنِ فرہاد یزدانی نے شارستان میں لکھا ہے کہ بہترین دین کے علماء کہتے ہیں کہ جب زردشت دربار میں پہنچا تو ہاتھ میں دہکتی آگ لیے ہوئے تھا جو اس کے ہاتھ کو جلاتی نہ تھی۔ اس نے آگ گشتاسپ کے ہاتھ پر رکھ دی، آگ نے اس کے ہاتھ کو بھی نہیں جلایا۔ پھر دوسرے لوگوں کے ہاتھ پر رکھی، کہیں بھی جلنے کا اثر ظاہر نہ ہوا۔ اس کے بعد وہ لیٹ گیا اور حکم دیا کہ پگھلائی ہوئی دھات کو چار مرتبہ اس کے سینے پر ڈالیں۔ ہر چند پگھلائی ہوئی دھات اس کے سینے پر ڈالی گئی، لیکن اس کے جسم کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ زراتشت بہرام کہتا ہے کہ بادشاہ ایران نے پیغمبر عالم کے مرتبہ کو سمجھ لیا اور گرم جوشی سے اس کا حال پوچھا اور حکم دیا کہ اس کے لیے کرسی لائی جائے۔ فلسفیوں کی دونوں صفوں سے آگے بادشاہ کے بیش بہا تخت کے سامنے اسے رکھ دیا گیا اور زردشت بادشاہ کے حکم سے اس پر بیٹھ گیا اور جو قیمتی جواہرات دل میں رکھتا تھا، انہیں سب کے سامنے ظاہر کیا۔ حکماء اور فضلاء ادھر اُدھر سے سامنے آ کر اس سے بحث و مناظرہ کرنے لگے۔ بالآخر ایک ایک عاجز ہو کر واپس ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس روز تیس حکماء جو داہنے ہاتھ بیٹھے ہوئے تھے، زردشت سے مناظرہ کر کے عاجز ہو گئے اور اس کی دانشمندی اور حقانیت کی گواہی دینے لگے۔ اسی طرح تیس نفر حکماء جو بائیں ہاتھ بیٹھے ہوئے تھے، عاجز اور لاجواب ہو گئے۔ جب ایسے حکماء و فلاسفہ جن کی نظیر ہفت اقلیم میں ناممکن تھی، لاجواب ہو گئے تو نامور بادشاہ نے پیغمبر خدا کو اپنے پاس بلایا اور اپنی روشن عقل سے مختلف علوم و اخبار سے متعلق اس سے سوالات کیے جن سب کے مدلل جوابات اس نے دیئے۔ لہٰذا شہنشاہ نے پیغمبر خدا کو رہنے کے لیے اپنے محل کے پاس ایک مکان دیا، فلاسفہ غمگین ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوئے اور ساری رات کتابوں کا مطالعہ کرتے اور غور کرتے رہے کہ کل صبح کس طرح زردشت سے بحث و مناظرہ کریں۔ لیکن پیغمبر خدا جب اپنے گھر پہنچا تو حسب معمول صبح تک خدا کی بندگی اور حمد و ثنا میں ادنیٰ تساہلی بھی نہیں کی۔ دوسرے دن زردشت اور حکماء، گشتاسپ کے پاس جمع ہوئے۔ حکماء جو بات بھی کہتے، اگر وہ حق کے مطابق نہ ہوتی تو زردشت اس کی تردید

کے لیے سیکڑوں عقلی و نقلی دلائل پیش کر دیتا اور خود وہ جو کچھ کہتا تھا، اگر حکماء دلیل کا مطالبہ کرتے تو سیکڑوں دلیلوں سے اسے ثابت کر دیتا تھا۔ چنانچہ گشتاسپ نے پیغمبر خدا کے درجہ کو اور بڑھا دیا اور اس کا نام و نسب اور شہر دریافت کیا۔ زردشت نے ہر ایک کا جواب دے کر کہا کہ اے شہنشاہ! کل ہرمزد کا دن ہے، یعنی مہینے کا پہلا دن، فوج کے افسروں کو حکم دے کہ جمع ہو جائیں اور سارے فلاسفہ بھی حاضر ہو جائیں تاکہ میں سب کو اس گروہ کی طرح خاموش کر دوں اور ان کو مدلل جوابات دوں۔ پھر جو پیغام لے کر میں آیا ہوں، اسے پیش کروں۔ بادشاہ نے اس کے حسبِ خواہش فرمان صادر کیا۔ تمام لوگ دوسرے دن جمع ہونے کے وعدے کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔ زردشت اپنی عادت اور معمول کے مطابق خداوندِ حاکم کی عبادت میں مشغول رہا۔ حکماء باہم کہتے کہ اس اجنبی نے دو بار ہم دانش مندوں کو ذلیل کیا، ہماری آبرو مٹائی اور خود بادشاہ کا مقرب بن گیا۔ وہ لوگ زردشت کی عداوت اور اس کو عاجز کرنے کے بارے میں باہم مشورہ کرتے رہے:

بدیں شرط ہر یک سوئے خانہ رفت　　در اندیشہ یک تن دراں شب نخفت

(اسی شرط کے ساتھ ہر ایک اپنے گھر کی طرف گیا اور اسی فکر میں اس رات کو ایک شخص بھی نہ سویا۔)

تیسرے دن امراء، فضلاء و حکما شہنشاہ کے پاس جمع ہوئے۔ زردشت بھی مجلس میں آیا۔ چند حکماء اور علماء نے مل کر اس کو مناظرہ میں شکست دینا چاہی، لیکن بالآخر سب عاجز و لاجواب ہو گئے۔ جب فلاسفہ کو دم مارنے کی گنجائش باقی نہ رہی تو زردشت کو سب سے اونچے مقام پر جگہ دی گئی۔ اب پیغمبر خدا نے زبان کھولی اور گشتاسپ سے کہا کہ میں خدا کا فرستادہ ہوں، وہ خدا جس نے آسمان و زمین اور ستاروں کو پیدا کیا، بغیر احسان جتائے بندے کو روزی دی، تجھ کو عدم سے وجود میں لایا اور اس درجہ پر پہنچایا کہ دوسرے بادشاہ تیرے فرمان بردار بن گئے۔ اس خدا نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے۔ پھر اوستا ژند کو غلاف سے نکال کر کہا کہ یہ کتاب خدا نے مجھے دی ہے اور مجھ کو اس کے فرمان واجب الاذعان کے ساتھ جس کا نام اوستا ژند ہے، لوگوں کے پاس بھیجا ہے۔ اگر تو خدا کے فرمان کے مطابق چلے گا تو جس طرح اس دنیا میں اس نے تجھے کامیاب بنایا ہے، اسی طرح اچھے انجام اور بہشت جاودانی سے بھی تجھ کو بہرہ ور کر دے گا۔ اگر اس کے فرمان سے سرتابی کرے گا تو خدا تجھ سے بیزار ہو جائے گا اور تیرا بازار سرد پڑ جائے گا۔ اور انجام کار دوزخ میں جائے گا:

مکن ہیچ برگفتۂ دیو کار　　ازیں پس بفرمان من گوش دار

(دیو کے کہنے پر مت چل اور اب سے میرے فرمان کو غور سے سن۔)

شہنشاہ نے پوچھا کہ تیرے پاس دلیل کیا ہے، پیش کر، تو میں بیشک دنیا میں تیرا دین پھیلا دوں گا۔ زردشت نے کہا کہ میرے معجزات اور مکمل دلائل میں سے ایک تو یہ کتاب ہے۔ اس کو سن کر پھر تو دیو اور جادوگروں کو نہ دیکھے گا۔ اس کتاب میں دو عالم کا راز اور ستاروں کی حرکت کا علم صاف لکھا ہے۔ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس میں موجود نہ ہو۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اس آسمانی کتاب میں سے کچھ پڑھ۔ چنانچہ زردشت نے ایک فصل پڑھی، لیکن گشتاسپ کو اس وقت جیسا کہ چاہیے، زیادہ پسند نہ آئی۔ پھر بادشاہ نے کہا۔

تو نے بڑا دعویٰ کیا ہے، اس کو جلدی میں قبول کر لینا درست نہیں معلوم ہوتا۔ میں کچھ دنوں میں ژند و اوستا کی حقیقت کو سمجھ لوں گا۔ تُو حسبِ معمول یہاں آ تا رہ۔ اس کے بعد زردشت ع بدان خانہ آمد کہ فرمود شاہ (اس گھر میں واپس آ گیا جہاں رہنے کو بادشاہ نے کہا تھا۔)

حکماء بھی غمگین ہو کر باہر نکل آئے اور زردشت کو قتل کر دینے کا مشورہ کرنے لگے۔ زردشت گھر سے نکل کر جب بادشاہ کے پاس آتا تو دروازے کی کنجی بادشاہ کے دربان کے سپرد کر دیتا تھا۔ فلسفیوں نے دربان کو ملا لیا۔ چنانچہ اس نے خفیہ طور پر کنجی حکماء کے حوالے کر دی۔ ان لوگوں نے حجرہ کے دروازہ کو کھول کر کچھ گندی چیزیں، مثلاً خون، بال، بلی اور کتے کا سر اور مُردوں کی ہڈیاں وغیرہ جن کو پہلے سے جمع کر رکھا تھا، تھیلیوں میں رکھ کر زردشت کے تکیہ کے نیچے رکھ دیں اور دروزے کو بند کر دیا۔ پھر کنجی اسی بے ایمان دربان کے حوالے کر دی اور اس راز کو پوشیدہ رکھنے کا اس سے عہد لے لیا۔ اب وہ سب بادشاہ کے پاس آئے اور زردشت کو دیکھا کہ بادشاہ کے پاس بیٹھا ہوا ہے اور بادشاہ ژند و اوستا کے مطالعہ میں مشغول ہے۔ ع عجب ماندہ در خط و گفتار او (اس کی زبان اور تحریر میں غور کر کے حیرت زدہ تھا۔)

بادشاہ سے حکماء نے کہا کہ یہ ژند و اوستاد سراسر جادو ہے اور یہ شخص جادوگر ہے۔ سحر کے زور سے اس نے تیرے دل کو اپنی طرف مائل کر لیا ہے تاکہ دُنیا میں شور و شر پھیلائے، لہٰذا تو ایسے جادوگر کی مدد نہ کر۔ گشتاسپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ زردشت کے مکان میں جا کر اس کی جانچ کریں۔ لوگوں نے وہاں جا کر کھانے، بچھانے اور پہننے کی چیزیں، تھیلیاں اور جامہ دان جو کچھ پایا، سب بادشاہ کے پاس اُٹھا لائے اور سب کو کھولا تو حکماء نے جو ناخن اور بال وغیرہ پوشیدہ طور پر رکھ دیئے تھے، وہ بھی ظاہر ہو گئے۔ غضب ناک بادشاہ نے زردشت سے کہا کہ تیرا کارنامہ محض جادو ہے۔ پیغمبرِ خدا نے حیرت زدہ ہو کر بادشاہ سے کہا کہ مجھے ان چیزوں کی خبر نہیں۔ بادشاہ دربان سے دریافت کرے۔ جب بادشاہ نے دربان کو بلایا تو اس نے کہا کہ گھر کے دروازہ کو خود زردشت نے اس طرح بند کیا تھا کہ ہوا کا بھی اس میں گزر نہ تھا۔ شہنشاہ بہت ناراض ہوا اور زردشت سے بولا کہ ان تھیلیوں کو آسمان سے تو نہیں لائے اور تکیہ کے نیچے چھپا دیا ہے؟ پھر غصہ کی وجہ سے اوستا و ژند کو پھینک دیا اور زردشت کو گرفتار کر کے قید خانے میں بھیج دیا اور اس کے اوپر ایک پاسبان مقرر کیا تاکہ ان کو مقررہ راتب پہنچایا کرے اور اس کی اچھی طرح نگرانی کرے۔ کئی دن رات زردشت قید میں رہا اور پاسبان ایک روٹی اور ایک کوزہ پانی اس کو پہنچا دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔

کہتے ہیں کہ گشتاسپ کے پاس ایک شاہی گھوڑا تھا جس کا نام اسپ سیاہ تھا۔ میدانِ جنگ میں شہنشاہ اس پر سوار رہتا تھا:

چو بر پشت او رزم ساز آمدے بفیروزی انجام باز آمدے

(جب اس کی پشت پر بیٹھ کر جنگ کے لیے جاتا تو انجامِ کار فتح کے ساتھ واپس لوٹتا تھا۔)

ایک روز صبح کے وقت سائیس نے دیکھا کہ اسپ سیاہ کے ہاتھ پاؤں غائب ہیں اور دیکھا کہ اس

کے ہاتھ اور پاؤں شکم میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس نے فوراً صورتِ حال بادشاہِ عالم سے بیان کی۔ گشتاسپ افسردگی کے عالم میں اصطبل میں دوڑ کر آیا اور مویشی کے معالج، اطباء، حکماء اور علماء کو بلایا۔ علاج و معالجہ جتنا کر سکتے تھے، سب کچھ کیا اور بڑی جدوجہد کی لیکن کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ رنج و غم کی وجہ سے اس روز بادشاہ نے کچھ نہ کھایا اور سارا لشکر غمگین رہا۔ اسی غم کی وجہ سے زردشت کو شام تک راتب نہیں پہنچا اور وہ بھوکا رہ گیا۔ شام گزر گئی تو پاسبان آیا اور کھانا لایا اور اسپِ سیاہ کا سب ماجرا بیان کیا۔ پیغمبر خدا نے پاسبان سے کہا کہ کل صبح بادشاہ سے کہنا کہ میں اس کا علاج کروں گا۔ دوسرے دن پاسبان نے پیغمبرِ خدا کا پیام شاہِ عالم کو پہنچایا تو خسرو عالم نے پاسبان کو حکم دیا کہ فوراً زردشت کو حاضر کرے۔ الغرض پاسبان نے پیغمبر کو رہائی کی خوشخبری پہنچائی۔ پیغمبر خدا حمام میں گیا اور غسل کے بعد گشتاسپ کے پاس پہنچا اور بادشاہ کو دُعا دی۔ گشتاسپ نے اس کو اپنے پاس بٹھلا کر گھوڑے کا پورا حال سنایا اور کہا:

اگر زانکہ بے شبہ پیغمبری مر ایں اسپ را باصلاح آوری

(اگر تُو واقعی پیغمبر ہے تو اس گھوڑے کو صحیح و سالم بنا دے۔)

زردشت نے جواب دیا کہ اگر تُو چار کام کرنے کا وعدہ کرے تو گھوڑے کے چاروں ہاتھ پاؤں بدستور دیکھ لے گا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ میں نے قبول کیا، وہ چار باتیں کیا ہیں؟ زردشت نے کہا کہ آؤ ہم سب اسپ سیاہ کے سرہانے کھڑے ہوں۔ سب لوگ گھوڑے کے سرہانے آئے۔ بادشاہ سے زردشت نے کہا کہ زبان اور دل کو موافق بنا۔ زبان سے کہہ اور دل سے یقین کر کہ میں بے شک و شبہ خدا کا پیغمبر اور اس کا فرستادہ ہوں۔ بادشاہ نے قبول کیا۔ اب پیغمبر خدا نے خدا کے سامنے نالہ و زاری کی اور اپنا داہنا ہاتھ گھوڑے کے داہنے ہاتھ پر پھیرا، اس کا داہنا ہاتھ باہر نکل آیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ اور تمام لشکر نے دیندار شخص کی تعریف کی۔ اس کے بعد زردشت نے بادشاہ سے کہا کہ اسفند یار پہلوان سے کہہ کہ وہ مجھ سے عہد کرے کہ خدا کے دین کو پھیلانے کے لیے وہ کمربستہ ہو جائے گا۔ شاہزادہ نے سرتابی نہ کی اور مستحکم وعدہ کیا، پھر پیغمبر خدا نے دُعا مانگی، گھوڑے کا داہنا پیر باہر نکل آیا۔

بعد ازاں بادشاہ سے کہا کہ میرے ساتھ ایک معتبر اور ایک امین شخص ملکۂ معظمہ کے پاس روانہ کر تاکہ وہ دین کا راستہ اختیار کرے۔ بادشاہ نے اسے بھی قبول کیا۔ جب زردشت شہنشاہ کے شہر کے محل میں آیا تو ازروئے کتب کہا کہ اے بانوئے بانواں! تجھ کو خدا نے گشتاسپ کی ہمبستری اور اسفند یار کی ماں بننے کے لیے منتخب کیا۔ میں خدا کا فرستادہ ہوں اور خدا نے مجھے بادشاہ کے پاس بھیجا ہے، لہٰذا تو بہترین دین میں داخل ہو جا۔ اس پر بانوے بانواں دل و جان سے پیغمبر خدا کی طرف جھک گئی۔ بعد ازیں زردشت نے دُعا کی تو گھوڑے کا پاؤں نکل آیا۔

اس کے بعد بادشاہ سے کہا کہ اے بادشاہ! اب دربان کو بلا کر اس سے دریافت کرنا چاہیے کہ ان جادو کی چیزوں کو کون شخص میرے گھر لایا۔ شہنشاہ نے دربان کو بلایا اور دھمکا کر پوچھا کہ اگر سچ بات کہے گا تو

جان کی امان پائے گا، ورنہ اپنا سر قدموں کے نیچے دیکھے گا۔ اس بد دین نے امان مانگ کر حکماء کی رشوت اور جادو کا حال سراسر بیان کر دیا۔ گشتاسپ برافروختہ ہوا اور چاروں حکماء کو سولی پر زندہ چڑھا دیا۔ پھر زردشت نے وہ دُعا پڑھی جو خدا نے اسے سکھلائی تھی، یہاں تک کہ گھوڑے کے شکم سے اس کا بایاں ہاتھ بھی نکل آیا۔ اور تیز رفتار گھوڑا اپنے ہاتھ پیر پر کھڑا ہو گیا۔ شاہِ ایران زردشت کے سر اور چہرہ کو بوسہ دے کر تخت کی طرف لے گیا اور اپنے پاس بٹھلایا، اپنی غلطی کی معافی مانگی اور پیغمبر کا ساز و سامان اسے واپس دے دیا۔

اسی طرح بہترین دین کے علماء نے بیان کیا ہے کہ بادشاہ لہراسپ اور زریر جو گشتاسپ کے بھائی تھے، اس قدر سخت بیمار پڑے کہ اطباء نے ان کے علاج سے ہاتھ کھینچ لیا، زردشت کی دُعا سے شفا پا کر یہ دونوں ایمان لائے۔

زراتشت بہرام کہتا ہے کہ ایک روز زردشت بادشاہ کے پاس آیا تو گشتاسپ شاہ نے پیغمبر سے کہا کہ مجھے خدا سے چار باتوں کی آرزو ہے، پیغمبر کو ان کے لیے دُعا کرنا چاہیے۔ اوّل یہ کہ میں دوسری دُنیا میں اپنے درجہ کو دیکھ لوں۔ دوسرے جنگ میں کبھی میں زخمی نہ ہوں، تاکہ میں بہترین دین کی اشاعت کروں، تیسرے یہ کہ دُنیا کے اچھے بُرے راز کو کماحقہٗ جان لوں اور چوتھے قیامت کے دن تک میری روح جسم سے علیحدہ نہ ہو۔ زردشت نے کہا کہ میں خدا سے ان چاروں آرزوؤں کے پورا ہونے کی دُعا کروں گا:

لیکن تو باید گزیں ہر چہار یکے خویشتن را کنی خواستار

(لیکن تجھے چاہیے کہ ان چاروں میں سے صرف ایک کا اپنی ذات کے لیے طلبگار بن۔)

سہ حاجت زبہر سہ کس برگزیں کہ تا من بخواہم ز داد آفریں

(تین باقی آرزوؤں کو تین دوسرے اشخاص کے لیے منتخب کرتا کہ میں خالقِ داور سے اس کی دُعا کروں)

نہ بخشد بیک کس مر ایں ہر چہار ازیں را کہ گوید منم کردگار

(وہ کسی ایک شخص کو یہ چاروں چیزیں عطا نہیں کرتا، کہیں ایسا شخص یہ کہنے نہ لگے کہ میں ہی (خدائے) کارساز ہوں۔)

بادشاہ نے اسے مان لیا۔ شام کی نماز کے وقت زردشت اپنے گھر آیا اور خدا کی عبادت کرنے لگا اور بادشاہ کی آرزو پوری ہونے کی دُعا کرنے لگا۔ عبادت کے دوران وہ سو گیا، خدا نے اسے خواب میں دکھلایا کہ اس کی دُعا قبول ہو گئی۔ جب دوسرا دن ہوا تو بادشاہ تخت پر بیٹھا اور زردشت حاضر ہو کر تخت کے پاس آیا۔ ایک لمحہ کے لیے بادشاہ کا دربان دوڑتا ہوا آیا اور بادشاہ سے کہا کہ چار رعب و ہیبت والے سوار دروازے پر کھڑے ہیں:ع ندیدم بدیں گونہ ہرگز سوار (میں نے اس قسم کے سوار کبھی نہیں دیکھے۔)

شہنشاہ نے زردشت سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ ابھی پوری بات نہ کر سکا تھا کہ چاروں سبز پوش سوار شاندار اسلحہ سے مسلح تخت کے پاس آ پہنچے۔ یہ چاروں سوار خدا کے مقرب اور نامدار فرشتے تھے۔ اوّل بہمن، دوم اردی بہشت، سوم آذر خورداد اور چہارم آذر گشتاسپ۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ ہم فرشتے ہیں اور خدا

کے فرستادہ ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ زردشت میرا پیغمبر ہے۔ اس کو میں نے سارے جہاں کے باشندوں کی طرف بھیجا ہے۔ اس کے ساتھ حسنِ سلوک کر۔ اگر اس کے حکم کے مطابق چلے گا تو دوزخ سے نجات پائے گا۔ زردشت کو ہر وقت پریشان نہ کر اور جب اس کی وجہ سے تُو نے اپنی مراد پالی تو اب اس کے حکم سے سرتابی نہ کر۔ شاہ گشتاسپ جو بہادری میں کوہِ البرز کی طرح ثابت قدم تھا، فرشتوں کے رعب اور ان کی ہیبت کی وجہ سے تخت سے گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو خدا سے عرض کیا:

منم کہترین بندہ از بندگان بفرمان تُو بستہ دارم میاں

(میں تیرا ایک کمترین بندہ ہوں اور تیری فرماں برداری کے لیے ہر وقت کمر بستہ ہوں۔)

فرشتوں نے یہ جواب سنا اور واپس ہو گئے۔ اس موقع پر سارا لشکر جمع ہو گیا اور بادشاہ نے کانپتے، لرزتے زردشت سے اس طرح معذرت کی:

کہ فرمان تو ہست بر جان من روان ہم چو فرزند یزدان من

(تیرا فرمان میری جان پر اسی طرح چلے گا، جیسے وہ میرے خدا کا بیٹا ہے۔)

فدائے تو دارم تن و جان و مال بفرمان دارندۂ ذوالجلال

(خداوند ذوالجلال کے حکم کے مطابق میں اپنا جسم و جان اور مال تیرے اوپر قربان کرتا ہوں۔)

پیغمبرِ خدا نے کہا کہ تجھ کو خوشخبری ہو۔ میں نے خدا سے تیری آرزو کے لیے دُعا کی، وہ قبول ہو گئی۔ بعد ازاں زردشت نے حکم دیا کہ یشتن دروں یعنی دُعا پڑھنے اور دم کرنے کے لیے خلوت میں شراب، خوشبو، دودھ اور انار رکھ دیں۔ اس نے ان چیزوں پر اوستا و ژند پڑھی اور دم کیا۔ دم کی ہوئی شراب گشتاسپ شاہ کو دی گئی، وہ پینے کے ساتھ ہی بے ہوش ہو گیا اور تین دن تک نہیں اُٹھا۔ اس اثناء میں اس کی روح جنت میں گئی اور وہاں حور و قصور، غلمان، بہشت کی نعمتیں، نیک عمل کرنے والوں کے درجے اور خود اپنے درجے کو دیکھا۔ پھر زردشت نے دم کیا ہوا دودھ پشوتن کو عنایت فرمایا۔ جب اس نے پیا تو موت کی تکلیف سے نجات پا گیا اور دائمی زندگی حاصل کر لی۔ یزدانی مذہب کے بعض فضلاء کہتے ہیں کہ دائمی زندگی سے مراد اپنی ذات اور نفس کی معرفت ہے جو کبھی فنا پذیر نہیں ہوتا اور دودھ کا ذکر اس لیے ہے کہ دودھ بچے کی غذا ہے اور علم روح کی غذا ہے۔ اس لیے علم کو لوگوں نے دودھ سے تشبیہ دی ہے۔ پھر جاماسپ کو دم کی ہوئی خوشبو دی، اس کے اثر سے سارے علوم اس کے دل پر منکشف ہو گئے۔ اس روز سے کہ جس دن وہ پیدا ہوا بلکہ ازل سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہوا اور ہونے والا ہے، اس نے سب کچھ جان لیا۔ اس کے بعد دم کیے ہوئے انار میں سے ایک دانہ اسفندیار کو دیا۔ جس وقت اس نے کھایا، اسی وقت اس کا جسم دھات کا بن گیا اور اس کا بدن اس قدر سخت ہو گیا کہ کوئی چوٹ اس پر اثر نہیں کرتی تھی۔

جب بادشاہوں کا بادشاہ بیدار ہوا تو نماز اور شکرِ ایزدی بجا لانے میں مشغول ہو گیا۔ اس کے بعد زردشت کو بلایا اور سارے مشاہدات اس سے بیان کیے اور لوگوں سے کہا کہ اس کا دین قبول کر لیں۔ پھر تخت پر

بیٹھا اور کہا کہ پیغمبر خدا شہنشاہ کے سامنے ژند کے چند فصلیں پڑھے۔ اوستا کو سنتے ہی دیو بھاگ گئے اور زمین کے نیچے پوشیدہ ہو گئے۔ اس کے بعد شہنشاہ کے حکم سے ہر شہر میں موبد حضرات (علماء) آگ کی نگرانی میں مشغول ہو گئے۔ اس کے اوپر گنبد بنائے گئے اور ہیر بد یعنی خادموں کا تقرر کیا گیا اور اوقاف مقرر کیے گئے۔

بادشاہ اور تمام لوگوں کے لیے زردشت کی نصیحت

پھر زردشت پیغمبر نے باری تعالیٰ کی عظمت و جلالت سے متعلق ایک فصل گشتاسپ کو پڑھ کر سنائی اور کہا کہ چونکہ تو نے خدا کا راستہ قبول کر لیا ہے، اس لیے تیری جگہ بہشت خرم ہو گئی۔ جو شخص یہ راستہ چھوڑ دیتا ہے، شیطان اس کو دوزخ میں لے جاتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے۔ دوزخ میں گرفتار کرانے کے بعد اس سے کہتا ہے کہ تو نے خدا کا راستہ چھوڑ دیا، اس لیے دوزخ میں جا پڑا۔ خدا نے اپنے بندوں پر احسان کیا اور مجھ کو ان کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ ٹیڑھے راستہ سے ہٹ جائیں۔ میں اس کا پیغمبر بن کر تیری طرف آیا ہوں تاکہ تو لوگوں کو سیدھے راستے پر لائے، اس لیے کہ راہِ حق پر چلنے کا نتیجہ جنت ہے، اور شیطان کی راہ پر چلنے کی سزا دوزخ ہے۔ نیز مجھ سے خدا نے فرمایا کہ لوگوں سے کہہ کہ اگر تم بہترین دین والے بنو گے تو جنت تمہاری جگہ ہو گی، اگر ایسا نہ کرو گے اور شیطان کے دین پر رہو گے تو دوزخ میں تمہارا ٹھکانہ ہوگا، پھر زردشت کے دلائل اور معجزات تمہارے لیے دین کی سچائی کا کافی ثبوت ہیں۔ نیز جان لو کہ اس نے پہلے دنیا تلاش کی مگر بالآخر بیوی، بچہ اور اعزہ کو اپنے سے بیگانہ سمجھا اور ایسے دین کی دریافت کی جس میں بادشاہ اور فقیر اس کے نزدیک یکساں ہیں۔ اس کے سوا خدا نے مجھے کچھ اور حکم نہیں دیا اور نہ اس کی اجازت دی کہ میں تمہارا شفیع بن کر تمہارے گناہوں کی مغفرت کے لیے دُعا کروں کیونکہ بدکار کی حمایت کرنا خود بدکاری ہے اور اس کو برائی کی سزا دینا عین دینداری ہے۔ نیز اس نے فرمایا کہ اپنے اقوال و اعمال ہی کے مطابق اُمید رکھو:

بہ گفتار و کردار دارید امید همان بر کہ کارید آن بدروید

(اس نے فرمایا کہ اچھا عمل ہی اثر رکھتا ہے۔ لوگ وہی کاٹتے ہیں جو بوتے ہیں۔)

قرآن مجید بھی اسی مضمون کی خبر دیتا ہے۔ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (النباء: ۳۸)۔ یعنی جس روز روح القدس اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے، اس روز کوئی بات نہ کرے گا لیکن وہ جسے خدائے مہربان اجازت دے گا اور جو سچ بات کرے گا۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے: اِنَّکَ لَاتَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصص: ۵۶)۔ یعنی یقیناً جس کی چاہیں آپ ہدایت نہیں کر سکتے، لیکن صرف اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت رسالت پناہ محمدؐ نے فاطمۃ الزہراؑ سے فرمایا یَا فَاطِمَۃُ لَاتَتَّکِلِیْ اَنْتِ بِنْتُ مُحَمَّدٍ اِعْمَلِی اِعْمَلِی[1]۔ یعنی اے فاطمہؑ! اس پر بھروسہ نہ کرنا کہ تم محمد ﷺ کی بیٹی ہو

---

[1] ابن ماجہ نے حضرت علیؓ سے یہ روایت لفظاً نہیں معناً نقل کی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اعملوا و لاتتکلوا''، (عمل کرو، لیکن اس پر بھروسہ نہ کرو)۔ دیکھیے: سنن ابن ماجہ، باب القدر، قاہرہ، ۱۹۵۴ء (تحقیق م۔ فواد عبدالباقی) (ایڈیٹر)

عمل کرو، عمل کرو! نیز خدا نے فرمایا کہ جس کتاب کو میں نے بھیجا ہے، دنیا کے اندر فصحاء، بلغاء، علماء اور حکماء میں سے کوئی شخص ایسا کلام نہیں کہہ سکتا اور اگر کہہ سکتے ہیں تو کہیں۔ لیکن جب اس میں عاجز ہو جائیں تو سمجھیں گے کہ بیشک یہ خدا کا کلام ہے، جیسا کہ کلامِ ربانی قرآن میں آیا ہے۔ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ (یونس: ۳۸)۔ یعنی اس جیسا ایک سورہ لکھ کر لاؤ۔ نیز یہ کہ جو لوگ پیغمبری کا منصب لے کر آئے انہوں نے آئندہ کے حالات کے بارے میں پوری طرح خبر نہیں دی۔ سوائے زردشت کے جس نے ژندواوستا میں ساری اچھی بُری باتیں جو روزِ قیامت تک ہونے والی ہیں، ظاہر کر دی ہیں:

زشاہان با کیش و بادین و داد   نمودہ است یک یک چو خواہی بیاد

(مذہبی، دیندار اور منصف بادشاہوں میں سے ایک ایک کا ذکر کیا ہے، اگر تو انہیں یاد کرنا چاہے۔)

ہمہ نام ایشان بکرد است یاد   زگفتار و کردار و بیداد و داد

(ان سب کے ناموں کا ذکر کیا ہے، نیز ان کے گفتار و کردار اور ظلم و انصاف کا۔)

نیز کسی پیغمبر نے اس لشکر کی جو دل سے اس کے گرویدہ تھے، خدا کے سامنے تعریف نہیں کی، لیکن زردشت نے خدا کے سامنے ان کی تعریف کی:

بہ دیندار گفتش کہ با مرد کیش   کہ نیکی کنی نیکی آید بہ پیش

(اس نے دیندار سے کہا کہ مذہبی انسان کے ساتھ جو نیکی تُو کرے گا، وہی نیکی تیرے سامنے آئے گی۔)

نیز اس نے کہا کہ خدا نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ تمام انسانوں کو بتا دے کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے، بلکہ جب گناہ ڈھل جائیں گے تو اس سے رہائی پا جائیں گے۔

عام لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ زردشت آذر آبادگان کا باشندہ ہے، لیکن جو لوگ بہ دین (بہترین دین) کے ماننے والے نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں اور مصنف نے موبد برزو سے جس کا وطن گجرات کے اضلاع میں نوساوری ہے، سنا ہے کہ زردشت اور اس کے نامور آباء واجداد کی جائے پیدائش شہر رے ہے۔

ایک موبد نے اوستا و ژند سے نقل کیا ہے کہ جب فرشتہ بہمن خدا کے حکم سے زردشت پیغمبر کو آسمان پر لے گیا۔ پیغمبر خدا نے خدا سے درخواست کی کہ موت کا دروازہ میرے اوپر بند کر دے تا کہ یہ میرا معجزہ شمار ہو۔ خدا نے فرمایا کہ اگر تجھ پر موت کا دروازہ بند کر دوں تو تُو پسند نہ کرے گا، اور بعد میں مجھ سے موت مانگے گا۔ اس وقت شہد کی طرح ایک چیز اس کو دی۔ زردشت نے اس میں سے تھوڑی سی چکھی، فوراً ایسا بیہوش ہو گیا جیسے کہ کوئی سویا ہوا خواب دیکھ رہا ہو۔ اور اس نے کائنات کے راز کو سمجھ لیا اور اچھی بُری جو باتیں ہونے والی ہیں، ان کو بھی خوب اچھی طرح جان لیا اور دیکھ لیا۔ یہاں تک کہ اس نے جان لیا کہ بکری کے جسم پر کتنے بال ہوتے ہیں اور درخت پر کتنے پتے۔ جب ہوش میں آیا تو خدائے پاک نے اس سے سوال کیا کہ تُو نے کیا دیکھا؟ اس نے جواب دیا کہ اے خدا! میں نے بہت سے مالدار لوگوں کو جو شکر گذار نہیں تھے، دوزخ میں شیطان کے ساتھ

دیکھا اور بہت سے سونے چاندی والے جو خدا کی بندگی میں رہتے تھے اور شکرگزار بھی تھے، ان کو میں نے فردوسِ بریں میں پایا اور بہت سے مالداروں کو جو فرزند نہیں رکھتے تھے، دوزخ میں دیکھا اور بہت سے ناداروں کو جو صاحبِ اولاد تھے، جنت میں دیکھا۔ نیز سات شاخوں والا ایک درخت دیکھا، جس کا سایہ ہر جگہ پہنچتا تھا۔ اس کی ایک شاخ سونے کی تھی اور دوسری چاندی کی، تیسری پیتل کی، چوتھی کانسی کی، پانچویں سیسہ کی، چھٹی فولاد کی اور ساتویں ملے جلے لوہے کی۔ تب خدا نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ یہ سات شاخوں والا درخت دنیا کی خلقت ہے، اس کے اندر گردشِ فلک کے اثر سے سات مرتبہ انقلاب رونما ہوگا۔ سونے کی شاخ سے مراد وہ راستہ اور کشش ہے جس سے تُو میرے حضور میں پہنچا اور تجھے پیغمبری ملی۔ چاندی کی شاخ سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ زمین کا بادشاہ تیرا دین قبول کر لے گا اور دیو وغیرہ پوشیدہ ہو جائیں گے۔ پیتل کی شاخ اشکانیوں کی بادشاہت کا دَور ہے۔

کسی کاو بد انگہ نہ بر دین بود ازاں پاک دینانش نفریں بود

(ایسے لوگ جو بہترین دین پر نہ ہوں گے اور پاک دین والوں سے ان کو نفرت ہوگئی۔)

شوند ایں زماں مایہ بس روزگار بگیتی پراگندہ و تار تار

(وہ لوگ اس زمانہ میں بہت زیادہ ہو جائیں گے اور ساری دنیا میں پراگندہ اور منتشر رہیں گے۔)

کانسی والی شاخ سے مراد اردشیر ابن ساسان کا عہد ہے جو دنیا کو دین سے آراستہ کرے گا اور وہ دین کا مجدد ہوگا۔ لوگ دلیل کی وجہ سے دین قبول کریں گے، اس لیے کہ جب تانبا اور کانسی پگھلا کر آذر باد کے سینے پر ڈالیں گے، تو اس کے جسم پر کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔ سیسہ کی شاخ بہرام گور کی بادشاہی کا نشان ہے، دنیا کو اس سے آسائش ملے گی:

چو مردم بہ گیتی شود شاد خوار بود اہرمن زین قبل سوگوار

(جب لوگ دنیا میں خوش و خرم ہوتے ہیں، تو شیطان پہلے ہی سے سوگوار بن جاتا ہے۔)

فولاد کی شاخ نوشیرواں کا دور ہے، جس کے عدل و انصاف سے بوڑھی دنیا جوان ہو جائے گی اور مزدک بدطینتی اختیار کرے گا، لیکن دین کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ ساتویں شاخ جو ملے جلے لوہے کی تُو نے دیکھی، وہ اس زمانے کی علامت ہے، جب ہزار سال پورے ہونے والے ہوں گے اور بادشاہت مزدکیوں کو مل جائے گی اور بہترین دین محترم نہ رہے گا۔ اس وقت ایک سیاہ پوش قوم ناداروں کو ستانے والی، نام و عزت اور ہنر سے خالی، فتنہ و فساد کو دوست رکھنے والی، مکار، فریبی، حیلہ ساز، حنظل جیسا دل اور شہد کی طرح شیریں زبان والی، نان و نمک کی بیوفا، ناشکری، جھوٹی اور شاندار عمارتوں کو بنانے والی اور ویران مکانوں کو نوازنے والی اور دوزخ کی راہ پر چلنے والی آ پہنچے گی۔ یہ لوگ سارے آتشکدوں کو ویران و تباہ کر دیں گے اور ایرانیوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ شرفاء کے بیٹے اور بیٹیاں، ان کے ہاتھ لگ جائیں گے اور نیک اور بزرگ لوگوں کے بیٹے ان کے خدمت گار بن جائیں گے۔ اور یہ عہد شکن لوگ بادشاہ بن جائیں گے:

کسے را بود نزد شان قدر و جاہ　　کہ جز سوئے کسری نباشدش راہ

(صرف اسی شخص کی قدر و منزلت ان کے نزدیک ہوگی، جو برائی کے سوا دوسری راہ پر نہ چلے گا۔)

جب یہ ہزار سال ختم ہو جائیں گے، تو بغیر بارش کے بہت سے بادل ظاہر ہوں گے، اور بارش اپنے وقت پر نہ ہوگی، گرمی مسلط ہو جائے گی، دریاؤں کے پانی گھٹ جائیں گے۔ گائے اور بکریاں زیادہ نہ رہ جائیں گی اور لوگ بدشکل، چھوٹے قد والے اور نڈھال سے نظر آئیں گے:

بکاہد تگِ اسپ و زورِ سوار　　نماند ہنر در تنِ گاو کار

(گھوڑے کی رفتار اور سوار کی طاقت گھٹ جائے گی اور کھیتوں کے جسم میں پیداوار کی صلاحیت باقی نہ رہے گی۔)

مقدس پٹکہ باندھنے والے لوگ پوشیدہ ہو جائیں گے اور بے وقعتی کی زندگی گزاریں گے، نیز نوروز اور جشن فروردین کو بالکل فراموش کر دیں گے:

سفندارمذ بر کشاید دہان　　برون افگند گنجہائے نہاں

(اسفندارمذ اپنا منہ کھول دے گا اور پوشیدہ خزانوں کو باہر ڈال دے گا۔)

ترکوں کی ایک بدکار اور حریص فوج ایران میں داخل ہوگی اور وہاں کے اکابر سے تخت و تاج چھین لے گی۔ اے زردشت! ان حالات کو موبدوں سے کہہ دے کہ وہ لوگوں تک انہیں پہنچا دیں۔ زردشت نے پوچھا کہ اس زمانے میں بہدین (بہترین دین) کے ماننے والے کیسے عبادت کریں گے؟ اس کا جواب یہ ملا کہ جب دوبارہ ہزار سال کی مدت شروع ہوگی تو لوگ اس سے بھی زیادہ مصائب دیکھیں گے۔ جتنے ضحاک اور افراسیاب کے دور میں بھی نہ دیکھے تھے اور جب ہزار سال پورے ہو جائیں گے، اس وقت بہدین کو ماننے والوں میں ایک بھی صاحبِ کمال نظر نہ آئے گا:

ز ہر جانب آہنگ ایران کنند　　بسم ستورانش ویران کنند

(لوگ ہر طرف سے ایران کا قصد کریں گے اور اپنے جانوروں کے سم سے اسے ویران کر دیں گے۔)

زردشت نے کہا کہ اے خداوند ہرمزد! بہدین کے ماننے والوں پر اس قدر مصیبت، مختصر زندگی اور طویل تکالیف کے بعد کوئی بھی دین کا طلب گار نہ ہوگا۔ اور سیاہ پوش فوج پر شکست کیوں کر نازل ہوگی؟ خدا نے فرمایا کہ یہ تکلیف ہمیشہ باقی نہ رہے گی۔ جب اس فوج کا نشان ظاہر ہوگا تو طاقتور روم کی طرف سے ایک دوسری فوج سرخ لباس اور خود پہنے ہوئے آ پہنچے گی اور پانی اور دھوئیں کی وجہ سے خراسان کی زمین تباہ ہو جائے گی۔ ساری زمین لرزنے لگے گی اور آباد علاقے ویران ہو جائیں گے۔ اس وقت ترکی، رومی اور عرب آپس میں لڑ جائیں گے اور توران کا علاقہ ترکوں، عربوں اور ہندوستانیوں کی وجہ سے ویران ہو جائے گا اور مقدس آگ کو پدشخوار گر یعنی پہاڑ پر اٹھا لے جائیں گے اور ان حملوں کی وجہ سے ایران تباہ ہو جائے گا۔ پھر زردشت پیغمبر نے کہا کہ اے خدا! اگرچہ اس قوم کا زمانہ طویل نہ ہوگا لیکن بہرحال یہ لوگ زندگی تباہ کر دیں گے۔ آخر یہ

بذات کیسے ہلاک ہوں گے؟ اس کا جواب یوں ملا کہ خراسان کی طرف سے ایک فوج کا نشان ظاہر ہوگا۔ پھر جب ہشید ر اپنی ماں سے جدا ہوگا اور تیس سال کا ہو جائے گا، تو وہ قدیم مذہب قبول کرے گا اور ہندوستان اور چین میں بھی اس کی بادشاہت ہوگی۔ کیانی نسل سے اس کا ایک بیٹا ہوگا، جس کا نام بہرام اور لقب ہماوند ہوگا لیکن اس کی قوم کے لوگ اسے شاپور کہیں گے۔ جب یہ محترم لڑکا پیدا ہوگا تو ایک ستارہ آسمان سے اترے گا۔ اس کا باپ آبان کے مہینے میں بائیسویں دن جسے روز باد کہتے ہیں، دنیا سے گزر جائے گا اور جب بیٹا اکیس سال کا ہوگا تو ایک بھاری لشکر کے ساتھ ہر طرف حملہ کرے گا۔ وہ بلخ و بخارا پر فوج کشی کرے گا اور ہندوستانی اور چینی لشکر کے ساتھ ایران میں داخل ہوگا۔ اس وقت ایک دیندار شخص پہاڑی علاقہ میں کمربستہ ہوگا اور خراسان اور سیستان سے لشکر جمع کرے گا اور ایران کی مدد کے لیے روانہ ہوگا:

زکشتی دوال و زروم و فرنگ زدیو سیہ پوش گرگ دو رنگ

(کشتی دوال سے اور روم و فرنگستان سے اور سیاہ پوش دیو سے جو دو رنگے بھیڑیے کی طرح ہے۔)

تین ایسی عظیم جنگیں واقع ہوں گی کہ ایران ماتم کدہ بن جائے گا۔ تب سربلند بادشاہ جنگ کرے گا اور فتح حاصل کرے گا۔ اس زمانے میں ہزار عورتیں ایک مرد بھی نہ پاسکیں گی اور اگر کسی مرد کو دیکھیں گی تو بڑا تعجب کریں گی۔ پھر جب ان لوگوں کا زمانہ ختم ہو جائے گا تو میں سروش کو بیت المقدس کی طرف بھیجوں گا۔ وہاں سے پشوتن کو بلواؤں گا جو ایک سو پچاس نیکوکار لوگوں کے ساتھ آئے گا اور دُعا کرے گا۔ اہرمن پشوتن سے جنگ کی تیاری کرے گا۔ لیکن جب ان سے ہادخت اور اوستا و ژند کی آوازسنیں گے تو اہرمن اور اس کے ساتھی ایران سے بھاگ نکلیں گے۔ اس وقت ایک بادشاہ بہرام نامی تخت کا مالک بنے گا۔ اس وقت مقدس آگ کو واپس لائیں گے اور پرانے طریقے پر اس کے لیے اوقاف مقرر کریں گے اور بدکاروں کی نسل کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پشوتن جب سارے معاملات کو درست دیکھے گا تو شاہی شان و شوکت کے ساتھ اپنے محل کو واپس لوٹے گا۔

موبد آذر خراد نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ژند اکیس نسک پر مشتمل ہے اور نسک اس کے ایک حصہ کو کہتے ہیں۔ ہر نسک کا ژند کی زبان اور پارسی زبان میں ایک نام ہے، جس کی تفصیل یہ ہے۔ ایتا، اہو، ویریا، الارتوش اور نادر جسے عربی میں بوفطال کہتے ہیں۔ یہ نسک علم نجوم، بروج، ترتیبِ افلاک، علم ہئیت اور ستاروں کی سعادت و نحوست وغیرہ کے بارے میں ہے۔ دوسرے اشاد، چید، ہشو، ونکولیش، وزدا، منکہو، سیتانو، نان، انکہیش، مرزئی، خشر، مچا، اہرا، ایام، ورکو ہیو اور استرام ہیں۔ ژند کے اندر سارے علوم درج ہیں، لیکن بعضوں کا تذکرہ رمز و اشارہ میں ہے۔ اس وقت چودہ نسک مکمل کرمان کے امراء کے پاس موجود ہیں اور سات نسک ناقص ہیں۔ اس لیے کہ ایران میں جو جنگیں اور شورشیں رونما ہوئیں، ان میں بعض ضائع ہو گئے۔ جب لوگوں نے تلاش کیا تو مکمل شکل میں انہیں دستیاب نہ ہو سکے۔

زرانشت بہرام ابن پژدو کہتا ہے کہ جب بہترین دین نے ایران میں رواج پایا تو اس وقت ہندوستان میں ایک بڑا دانش مند حکیم تھا، جس کا نام چنگرنگھاچہ تھا جس کی جاماسپ نے کئی سال تک شاگردی کی

تھی اور اس پر وہ فخر کرتا تھا۔ جب اس حکیم نے گشتاسپ کے زردشت کا دین قبول کرنے کا حال سنا تو ایک خط لکھا اور اس کو بہترین دین میں داخل ہونے سے مانع ہوا۔ نیز بادشاہ کے حکم سے زردشت سے مناظرہ کے لیے ایران آیا۔ زردشت نے اس سے کہا کہ یہ اوستا جسے میں خدا کے پاس سے لایا ہوں، اس میں سے ایک نسک کو سُن اور اس کے ترجمے کو سمجھ۔ پیغمبر کے حکم سے ایک ہوشیار شاگرد نے ایک نسک پڑھا۔ اس نسک کے اندر خدا زردشت سے فرماتا ہے کہ جب بہترین دین پھیل جائے گا تو ایک دانش مند شخص جس کا نام چنگرنگھاچہ ہوگا، ہندوستان سے آئے گا اور تجھ سے کچھ سوالات کرے گا۔ اس کا سوال یہ ہوگا اور اس کا جواب اس طرح ہے۔ اسی طرح اس کے جملہ سوالات کے جوابات موجود تھے:

دریں یک نسک حالش بود گفتہ جواب ہر سوآلش دُر سُفتہ

(اس ایک نسک میں اس کا حال اچھی طرح درج تھا، اور اس کے ہر سوال کا بہتر جواب موجود تھا۔)

ان جوابات کو سن کر وہ کرسی سے گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو بہترین دین میں داخل ہو گیا۔ پیغمبر ساسان پنجم نے دساتیر کی پسندیدہ تفسیر اور نامہ زردشت کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ جب اسفند یار نے بہترین دین کی اشاعت کی تو دانش مندانِ یونان نے نیاطوس نامی ایک حکیم کو بھیجا کہ پیغمبر خدا سے اس کے حقائق کے متعلق سوال کرے۔ گشتاسپ نے اس کو ایک مبارک دن میں حضوری کا موقع دیا۔ یونان کے حکیم نے زردشت کا چہرہ دیکھ کر کہا کہ علم وفراست اور علم قیافہ کے لحاظ سے اس شکل وصورت کا انسان دروغ گو نہیں ہو سکتا۔ بعد ازاں اس کی پیدائش کے دن، وقت، مہینہ اور سال کے بارے میں پوچھا، زردشت نے جواب دیا۔ نیاطوس نے کہا کہ ایسے طالع میں معمولی عقل کا آدمی پیدا نہیں ہو سکتا۔ پھر اس کی خوراک اور سونے اور طرز زندگی کے متعلق پوچھا تو زردشت نے ساری حقیقت بیان کر دی۔ نیاطوس نے کہا کہ دروغ گو کی زندگی اس طور پر نہیں ہوتی۔ اس وقت پیغمبرِ خدا نے اس سے کہا کہ تو جو کچھ پوچھنا چاہتا ہے، اسے دل میں رکھ اور اپنی زبان مبارک سے مت کہہ کیونکہ خدا نے مجھے اس سے آگاہ کر دیا ہے اور اس بارے میں اپنا کلام میرے پاس بھیجا ہے۔ جو باتیں حکیم کے دل میں تھیں، جن کے بارے میں سوال کرنے کے لیے حکماء نے اس سے کہا تھا، انہیں پیغمبر کے ایک شاگرد نے ایک سیم ناد (سورہ) میں نیاطوس کے سامنے پڑھ دیا۔

ساسان پنجم نے اسی طرح مزید لکھا ہے کہ جب چنگرنگھاچہ کے دین میں داخل ہونے کی شہرت دنیا میں پھیلی تو بیاس (ویاس) نامی ایک دانشمند ہندوستان سے ایران آیا۔ شہنشاہ کے حکم سے ہر ملک سے حکماء بلائے گئے تھے۔ اس وقت بیاس نے پیغمبر خدا سے کہا کہ اے زردشت! تیرے جوابات اور اسرار بیان کرنے کی وجہ سے چنگرنگھاچہ اور ایک جہان نے تجھے سچا سمجھ لیا ہے اور میں نے تیرے بے حد معجزات سنے ہیں۔ علم و عمل کے میدان میں میں اپنے ملک کے اندر اپنی نظیر نہیں رکھتا اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ جو پوشیدہ اسرار میرے دل میں ہیں اور جنہیں میں کبھی صحیفۂ دل سے زبان پر اس لیے نہیں لایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جنات، اہرمن کے پجاریوں کو اس کی خبر دیتے ہیں، اگر تو ان سب اسرار کو بیان کر دے تو میں تیرے دین میں شامل ہو جاؤں گا۔ پیغمبر خدا

نے کہا کہ تیرے آنے سے پہلے خدائے پاک نے مجھے آگاہ کر دیا ہے۔ پس ایک سیم ناد (سورہ) جسے خدا نے بھیجا تھا اس کے سامنے پڑھ دیا جس میں وہ سب باتیں مذکور تھیں، جو وہ دل میں رکھتا تھا اور ان کے جوابات بھی موجود تھے۔ اس کے بعد بیاس نے خدا کا کلام سنا اور بہترین دین میں داخل ہو کر ہندوستان واپس ہو گیا۔ یہ دو سیم ناد جن میں یونان کے حکیم اور بیاس کے جوابات ہیں، ژند میں شامل نہیں ہیں بلکہ دساتیر کا حصہ ہیں، سیم ناد دساتیر یعنی آسمانی کتاب کی زبان میں سورہ کو کہتے ہیں۔

علاوہ ازیں اردای ویراف کے بہشت اور دوزخ کے متعلق خبر دینے کے بارے میں زردشت بہرام روایت کرتا ہے کہ لوگوں نے لکھا ہے کہ جب اردشیر بابکان کی سلطنت مستحکم ہو گئی تو اس نے چالیس ہزار نیک دستور اور موبد جمع کیے، ان میں سے چار ہزار کو منتخب کیا اور ان برگزیدہ ہستیوں میں سے بھی چار سو کو الگ کیا جو اوستا کا زیادہ حصہ زبانی یاد رکھتے تھے پھر اس گروہ سے چالیس دانشمند استادوں کو منتخب کیا۔ بعد ازاں ان میں سے بھی ایسے دانش مندوں کو جو گناہِ کبیرہ وصغیرہ دونوں سے محفوظ تھے، جدا کیا۔ پھر ان دانشمندوں سے کہا کہ تم میں سے جس سے بھی ہو سکے، اپنے جسم سے جدا ہو جائے اور جنت اور دوزخ کے متعلق خبر لائے۔ ان راست بازوں نے کہا کہ اس کام کے لیے ایسا شخص چاہیے جس سے سات برس کی عمر سے اب تک کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔ چنانچہ ان چھ میں سے اردای ویراف کو اس خوبی کا انسان سمجھ کر منتخب کیا اور شہنشاہ کے ساتھ آذر خورداد نام کے آتش کدہ میں لے گئے۔ پھر ایک سنہرا تخت اردای ویراف کے لیے بچھایا اور چالیس ہزار دینداروں نے بتائے ہوئے طریقہ پر دُعائیں پڑھیں۔ اس کے بعد اردای ویراف نے دم کی ہوئی شراب کا ایک پیالہ دستور کے ہاتھ سے نوش کیا اور بستر پر سو گیا۔ ایک ہفتہ تک وہ بیدار نہ ہوا اور اس کی روح اسمِ الٰہی کے اثر سے اس کے جسم سے جدا ہو گئی اور وہ چھ اشخاص برابر اس کے سرہانے کھڑے رہے۔ آٹھویں روز اردای بیدار ہوا اور حکم دیا کہ ایک منشی اس کے پاس لایا جائے تاکہ جو کچھ وہ بیان کرے، اسے وہ لکھتا جائے۔ اس نے بتایا کہ جب میں سو گیا تو ایک فرشتہ آیا جسے سروش واسروش اور آشو واشو بھی کہتے ہیں، جس کے معنی فرشتہ بہشتی ہے۔ اسے میں نے سلام کیا اور اس عالم میں جانے کا سبب بتایا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ تین قدم اوپر چڑھ۔ میں چڑھ گیا اور چینود پُل تک پہنچ گیا، جسے پلِ صراط کہتے ہیں۔ ہمراہی فرشتہ نے مجھے راستہ دکھایا، میں نے ایک پُل دیکھا جو بال سے زیادہ باریک، اُسترے کی دھار سے زیادہ تیز اور مضبوط تھا اور اس کی لمبائی سینتیس رسن (ڈور) کے برابر تھی۔ وہاں میں نے جسم سے جدا ایک روح کو بڑی راحت میں دیکھا کہ جب وہ چینود پُل پر پہنچی تو نیمروز (مشرق) کی طرف سے ایک خوشبودار ہوا چلی، جس سے ایک حور جیسی خوب صورت شکل ایسی ظاہر ہوئی کہ اس کے مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ روح نے اس سے پوچھا کہ ایسی خوبصورتی کے ساتھ تُو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں تیرا عمل ہوں۔

پھر میں نے مہرایزد کو ترازو لیے ہوئے دیکھا۔ رتن راست اس کے بازو میں کھڑا تھا اور سروش ایزد اپنے ہاتھوں میں ترازو کا پلہ لیے ہوئے تھا۔ فرشتے اس کے اردگرد کھڑے تھے۔ مہرایزد وہ فرشتہ ہے جس کے

ہاتھ میں مخلوق کے ثواب وعذاب کا حساب کتاب ہے اور رش وہ فرشتہ ہے جس کا کام عدل ہے اور وہ انصاف کا مالک ہے۔ اور سروش پیغام کا مالک اور اعلان کا حاکم ہے۔ ان سب کو میں نے سلام کیا، جس کا انہوں نے جواب دیا۔ اور میں پُل سے گزر گیا تو چند روحیں میرے استقبال کو آئیں اور گرمجوشی سے میرا حال پوچھا۔ بعد ازاں بہمن آیا اور کہا کہ چل تا کہ میں تجھے گاہِ زرّیں (سنہرا مقام) دکھلاؤں، اس سے مراد عرش تھا۔ میں اس کے ساتھ چند قدم چلا اور ایک خوبصورت تخت کے پاس پہنچا اور اس روح کو جس کا عمل خوبصورت شکل میں بدل گیا تھا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، وہاں دیکھا کہ اشوان یعنی پاک روحیں اور بہشت کے بسنے والے اس کے اردگرد ہیں اور اس کے رشتہ داروں کی روحیں اس طرح خوش ہیں جیسے کوئی پردیسی وطن واپس آ جائے۔ پھر بہمن نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ایسے مقام پر لے گیا جو اس کے شایانِ شان تھا۔ میں کچھ دُور اور چلا تو ایک بلند مقام دیکھا اور سروش کے حکم سے میں نے خدا کی جلوہ گاہ کے سامنے نماز ادا کی اور وہاں کے نور سے میری آنکھیں بے نور ہوگئیں۔ سروش مجھے پھر چینود پُل کی طرف واپس لایا۔ پُل کے درمیان میں نے ایک گروہ دیکھا، سب ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ سروش نے کہا کہ یہ کمزور دین والے ہیں، جو قیامت تک اسی حال میں کھڑے رہیں گے۔ اگر یہ لوگ پلکوں کے بال کے برابر ذرا بھی زیادہ ثواب رکھتے تو اس مصیبت سے نجات پا جاتے۔ پھر میں نے ایک دوسرا گروہ روشن ستاروں کی طرح دیکھا۔ سروش نے کہا کہ یہ تیر پایہ یعنی ثابت ستاروں کا فلک ہے، اس میں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے باوجود اپنی ساری دولت کے گیتی خرید اور نوزود کی رسم ادا نہیں کی۔ بعد ازاں وہ مجھے ماہ پایہ (چاند کی منزل) میں لایا جہاں میں نے روحوں کو روشن چاند کی طرح دیکھا۔ اس نے کہا کہ یہ ماہ پایہ بھی بہشت کا ایک درجہ ہے، اس میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے نوزود کے علاوہ ہر طرح کے نیک عمل کر کے ثواب اکٹھا کیا۔ اس کے بعد مجھے خورشید پایہ (سورج کی منزل) میں لے گیا۔ وہاں میں نے روحوں کو حد درجہ روشن آفتاب کی طرح چمکدار دیکھا۔ سروش نے کہا کہ خورشید پایہ میں وہ جماعت ہے جس نے گیتی خرید اور نوزود کی رسومات ادا کی ہیں۔ پھر میں نے سروش کے حکم سے ورخ اور خورۂ یزدان یعنی نور خداوندی کے سامنے نماز ادا کی۔ اس کی ہیبت اور خوف کی وجہ سے میرے ہوش وحواس غائب ہونے لگے، لیکن ایک آواز میرے کان میں آئی، جس سے میں نے قوت حاصل کی۔ اچانک مجھے ایک طلائی پیالہ میں روغن دیا گیا، جسے میں نے پیا۔ اس مزہ کی کوئی چیز مجھے کبھی نہیں ملی تھی۔ فرشتوں نے بتایا کہ یہ جنت کے باشندوں کی غذا ہے۔ اس کے بعد میں نے اردی بہشت کو دیکھا اور اسے سلام کیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ بغیر کمی والی لکڑی مقدس آگ پر رکھ۔ پھر سروش مجھ کو گروثمان یعنی بہشت میں لے گیا۔ وہاں کے انوار دیکھ کر میں حیرت زدہ ہو گیا اور بالکل نہ سمجھ سکا کہ کس قسم کے جواہرات سے وہ بنایا گیا ہے۔ پھر خدا کے حکم سے مجھے اس میں ہر طرف لے گیا۔ بالآخر میں ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں ایک عمدہ گروہ کو خورہ یعنی نور اور شان وشوکت کے ساتھ دیکھا تو سروش اشو نے بتایا کہ یہ کریم اور سخی لوگوں کی روحیں ہیں۔ پھر ایک بلند مرتبہ جماعت کو دیکھا، یہ سب بڑی شان وشوکت کے ساتھ تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ ان لوگوں کی روحیں ہیں، جنہوں نے نوزود کی رسم ادا کی ہے۔ پھر

میں نے ایک گروہ دیکھا، جو سب بڑی شان و شادمانی میں تھے۔ سروش نے خبر دی کہ یہ منصف بادشاہوں کی روحیں ہیں۔ اس کے بعد کچھ روحوں کو حد درجہ مسرت اور اقتدار کے ساتھ دیکھا۔ سروش نے بتایا کہ یہ دستور اور موبد لوگ ہیں اور میں اس کا ذمہ دار ہوں کہ اس فرقہ کو اس درجہ پر پہنچاؤں۔ بعدازاں میں نے عورتوں کا ایک گروہ دیکھا جو بڑی شان سے خوشی منا رہی تھیں۔ سروش اشو اور اردی بہشت نے کہا کہ یہ ان عورتوں کی روحیں ہیں، جو اپنے شوہروں کی فرماں بردار تھیں۔ اس کے بعد میں نے ایک جماعت کو عزت اور حسن و جمال کے ساتھ دیکھا جو فرشتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ سروش نے بتلایا کہ یہ ہیربد اور موبد لوگ ہیں جو آتشکدہ کے خادم تھے، اور فرشتوں کے لیے یشت اور یزش (دُعائیں) کرتے تھے۔ پھر ایک گروہ کو مسلح اور بڑی شان میں دیکھا۔ سروش نے خبر دی کہ یہ ان پہلوانوں کی روحیں ہیں جنھوں نے راہِ خدا میں جنگ کی اور اس طرح اپنے ممالک کو آباد اور رعایا کو خوشحال رکھا۔ اس کے بعد میں نے ایک گروہ کو بہت آن بان اور ساز و سامان کے ساتھ دیکھا۔ سروش نے کہا کہ یہ خراستر یعنی موذی جانوروں کو ہلاک کرنے والوں کی روحیں ہیں۔ بعدازاں کچھ لوگوں کو ناز و نعمت کی حالت میں دیکھا تو سروش نے بتایا کہ یہ بزرگوں کی روحیں ہیں اور سفندارمذ ان کے اوپر مقرر ہے۔ چنانچہ وہ ان لوگوں کے سامنے کھڑا ہے، اس لیے کہ انہوں نے اپنے عمل سے اس کو راضی کر رکھا تھا۔ پھر اس گروہ کو کامیابی کے ساز و سامان کے ساتھ دیکھا، تو سروش نے خبر دی کہ یہ چرواہوں کی روحیں ہیں۔ اس کے بعد ایک جماعت کو دیکھا اور خوش و خرم دیکھا جن کے سامنے عناصر بہشتی کھڑے تھے۔ سروش نے بتایا کہ یہ عمارت پسند صاحبِ خانہ ہیں جنھوں نے دنیا کو باغ اور نہر سے آباد کر رکھا تھا اور عناصر کی عزت کرتے تھے۔ پھر میں بعض دوسرے لوگوں کے پاس پہنچا جو پیغمبروں کی شان رکھتے تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ جادنگوئے لوگوں کی روحیں ہیں۔ جادنگوئے اس کو کہتے ہیں جو خدا کی راہ میں دولت مندوں سے روپیہ مانگتا ہے اور اسے مقدس مقامات اور مستحق لوگوں پر خرچ کرتا ہے۔

حوروں اور محلات اور غلمان نیز خورد و نوش کے سامان کے بارے میں بھلا میں کیا بیان کر سکتا ہوں، جس کی مثال اس مادی دنیا میں مجھے کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

اس کے بعد سروش اور اردی بہشت مجھے جنت سے باہر لا کر اہلِ دوزخ کے عذاب کی سیر کو گئے۔ سب سے پہلے میں نے گندے پانی کا ایک سیاہ اور کالا دریا دیکھا، جس میں ایک گروہ بڑا نالہ و فریاد کرتا تھا اور غرق ہوتا جا رہا تھا۔ سروش نے بتایا کہ یہ پانی ان آنسوؤں سے جمع کیا گیا ہے جسے لوگ کسی کے مرنے کے بعد آنکھوں سے بہاتے ہیں اور جو لوگ اس میں ڈوبے ہوئے ہیں، وہ مُردوں کے عزیز و اقارب ہیں جو ان کے بعد گریہ و زاری اور نالہ و فریاد کرتے ہیں۔ پھر میں چینود پُل کی طرف آیا، وہاں جسم سے جدا ایک روح کو دیکھا جو جسم کی جدائی پر فریاد کر رہی تھی۔ اس وقت ایک بدبودار ہوا چلی اور اس کے اندر سے ایک سیاہ شکل ظاہر ہوئی، جس کی آنکھیں سرخ، ناک ٹیڑھی، بدنما ہونٹ، ستون کی طرح دانت، سر دیگ کی طرح ایک منارہ، پنجے لمبے، بھالے جیسے ناخن، اور سانپ جیسے بال تھے، اس کے منہ سے دھواں نکل رہا تھا۔ روح نے اس سے خوفزدہ ہو کر

پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں تیرا عمل ہوں، فعل ہوں۔ پھر روح کی گردن میں ہاتھ ڈالا۔ چنانچہ اس کی آہ وزاری کی آواز چینود پل پر آئی جو استرے کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ وہ روح کچھ دور بڑی مشکل سے چلی۔ آخر کار دوزخ میں گر پڑی۔ پھر میں سروش اور اردی بہشت کے ساتھ روانہ ہوا۔ برفیلی ہوا، تیز آندھی، سردی اور بدبو اور تاریکی کا منظر تھا اور بڑی خندقوں کے بیچ سے راستہ گزرتا تھا۔ ایک خندق میں اس قدر روحوں کو مصیبت میں گرفتار پایا جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ سب فریاد کر رہی تھیں، اور تاریکی کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکتی تھیں، اور نہ دوسرے کی فریاد سن سکتی تھیں۔ اس عذاب کے تین دن نو ہزار سال کے برابر تھے۔ یہی حال دوسری خندقوں کا تھا اور ہر خندق میں سانپ، بچھو اور ڈنک مارنے والے اور موذی جانور ان میں پڑی ہوئی روحوں کو:

یکے می کند و دیگر می دریدش　　یکے می خست و دیگر می گزیدش

(ایک چیر رہا تھا، دوسرا پھاڑ رہا تھا۔ اور ایک زخمی کر رہا تھا، تو دوسرا ڈنک مار رہا تھا۔)

سروش مجھے نیچے لے گیا۔ وہاں میں نے ایک روح کو دیکھا جس کا سر انسانوں کی طرح اور جسم سانپ کی طرح تھا۔ اس کے چاروں طرف بہت سے دیو تھے جو اس کے پاؤں میں لوہے کی زنجیر پہنائے ہوئے تھے اور تیشہ، خنجر اور گرز سے اس کو ہر طرف سے مار رہے تھے اور موذی جانور ہر طرف سے اس کو زخمی کر رہے تھے۔ سروش نے بتایا کہ یہ اغلام باز کی روح ہے۔ بعد ازاں میں نے ایک عورت کو دیکھا جو خون اور پیپ سے بھرا ہوا پیالہ ہاتھ میں لیے تھی اور دیوا سے لاٹھی اور خنجر سے مار رہے تھے تا کہ وہ اسے پئے، جب وہ پی لیتی تو پھر اسی قسم کا پیالہ اس کے ہاتھ میں دے دیتے تھے۔ سروش نے بتایا کہ یہ وہ عورت ہے جو دشتان یعنی حائض ہوتی تھی، پھر بھی آگ اور پانی کے پاس جاتی تھی۔ پھر ایک مرد کو دیکھا جو ایک پاؤں سے لٹکا ہوا تھا، جس کے سر سے اوزار کے ذریعہ کھال کھینچ رہے تھے اور وہ چیخ رہا تھا۔ سروش نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے، جس نے ناحق خون بہایا ہے۔ بعد ازاں میں نے ایک شخص دیکھا جس کو خون اور پیپ پینے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ اس کو سزا دے رہے تھے اور ایک بھاری پہاڑ اس کے سینے پر رکھے ہوئے تھے۔ سروش نے بتایا کہ یہ زانی کی روح ہے۔ جو دوسروں کی عورتوں کے ساتھ اختلاط رکھتا تھا۔ پھر ایک روح کو دیکھا جو بھوک اور پیاس سے چیخ رہی تھی اور بھوک اور پیاس کی شدت سے اپنا خون پی رہی تھی، نیز اپنے جسم کا گوشت کھا رہی تھی۔ سروش نے خبر دی کہ یہ روح اس شخص کی ہے جو دسترخوان پر بیٹھ کر باژ کا عمل نہیں کرتا تھا اور باژ ایک عمل ہے جسے بہدین سے پارسی لوگ کھانے سے پہلے انجام دیتے ہیں۔ جیسا کہ آداب مجلس کے باب میں بیان کیا جائے گا۔ نیز یہ شخص ایان کے روز پانی، میوہ اور روٹی کھاتا تھا۔ چنانچہ خرداد اور مرداد فرشتے اس سے ناراض ہو گئے۔ اس کے بعد ایک عورت کو دیکھا جس کے پستان لٹکے ہوئے تھے، اور موذی جانور اس سے لپٹے ہوئے تھے۔ سروش نے بتایا کہ یہ وہ عورت ہے جو اپنے شوہر کو چھوڑ کر دوسرے مرد تلاش کرتی تھی۔ پھر ایک گروہ روحوں کا دیکھا، جن سے درندے اور موذی جانور لپٹے ہوئے تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کشتی یعنی زنار نہیں باندھتے تھے

جسے بہدین کے ماننے والے باندھتے ہیں۔ بعدازاں ایک عورت لٹکی ہوئی دیکھی، جس کی زبان گدی سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ سروش نے بتایا کہ یہ وہ عورت ہے جو شوہر کی فرماں برداری نہیں کرتی تھی اور اسے سختی اور مخالفت سے جواب دیتی تھی۔ پھر ایک مرد کو دیکھا جو کفگیر سے موذی جانوروں کو کھا رہا تھا اور اگر کچھ کم لیتا تو دیو اسے ڈنڈا مارتا تھا۔ سروش نے خبر دی کہ یہ اس شخص کی روح ہے جو امانت میں خیانت کرتا تھا۔ اس کے بعد میں نے ایک مرد کو لٹکا ہوا دیکھا جس کے اردگرد ستر دیو کھڑے تھے اور بجائے تازیانہ کے اس کو سانپوں سے مار رہے تھے اور سانپ دانتوں سے اس کا گوشت نوچ رہے تھے۔ سروش اشو نے کہا کہ یہ وہ بادشاہ ہے جو سزا دے کر لوگوں سے تحصیل وصول کرتا تھا۔ ایک اور شخص کو دیکھا جس کا منہ کھلا اور زبان لٹکی ہوئی تھی:

فرو آویختہ زو مارو کژدم یکے دندان بر او میزد یکے دُم

(اس کے جسم سے سانپ اور بچھو لٹکے ہوئے تھے، کوئی اسے دانت سے کاٹ رہا تھا، کوئی دُم مار رہا تھا۔)

سروش نے خبر دی کہ یہ شخص چغل خور تھا اور جھوٹ بول کر لوگوں کے اندر جنگ وفساد پیدا کر دیتا تھا۔ پھر ایک شخص کو دیکھا جس کے جسم کے بند بند اور جوڑ جوڑ کو جدا کر رہے تھے۔ سروش نے کہا کہ اس نے بہت سے چار پایوں کو ہلاک کیا تھا۔ بعدازاں ایک مرد کو دیکھا جو جسم کو توڑ دینے والے عذاب میں گرفتار تھا۔ سروش نے بتایا کہ یہ بخیل دولت مند ہے جس نے اپنا مال دنیا اور آخرت کے کاموں پر خرچ نہیں کیا۔ پھر ایک شخص کو دیکھا کہ موذی جانور اس سے لپٹے ہوئے تھے لیکن اس کے ایک پیر کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتے تھے۔ سروش نے خبر دی کہ یہ ایک کاہل کی روح ہے جس نے دنیا وآخرت کا کوئی کام نہیں کیا۔ ایک راستہ میں جا رہا تھا کہ ایک بکری کو بندھا ہوا دیکھا جس کا منہ گھاس تک نہیں پہنچتا تھا۔ کاہل نے اسی پاؤں سے بکری کے پاس گھاس ڈال دی، اس وجہ سے اس نیک عمل کے بدلے اس کے پاؤں کو تکلیف نہیں پہنچاتے۔ پھر میں نے ایک اور شخص کو دیکھا جس کی زبان پتھر پر رکھی ہوئی تھی۔ اور دوسرے پتھر سے اس کو کاٹ رہے تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ دروغ گو اور جھوٹا آدمی ہے۔ جس کی غلط بیانی سے مخلوق نقصان برداشت کرتی تھی۔ اس کے بعد ایک عورت کو دیکھا جس کے پستانوں کو دیو چکی کے پاٹ کے نیچے رکھ کر پیس رہے تھے۔ سروش اشو نے بتلایا کہ یہ عورت دوا کے ذریعے اسقاطِ حمل کراتی تھی۔ پھر ایک مرد کو دیکھا جس کے ساتوں اعضائے جسمانی میں کیڑے پڑے ہوئے تھے۔ سروش نے خبر دی کہ یہ شخص جھوٹ بول کر گواہی فروخت کرتا تھا اور اس پیسے سے روزی فراہم کرتا تھا۔ بعد ازاں میں نے ایک شخص دیکھا جو مردے کا گوشت اور انسانوں کا خون پی رہا تھا۔ سروش نے بتایا کہ یہ اس کی روح ہے، جس نے ناجائز طریقے سے روپیہ جمع کیا تھا۔ پھر میں نے ایک گروہ کو دیکھا، جن کے چہرے زرد، جسم بوسیدہ اور اعضاء میں کیڑے بھرے پڑے تھے۔ سروش اشو نے کہا کہ یہ ابلیس جیسی خصلت والے منافق ہیں، جن کے دل زبان کے مطابق نہ تھے۔ یہ بہترین دین کے لوگوں کو برے راستے پر لے جاتے تھے اور خود کو دین اور اصول سے آزاد کیے ہوئے تھے۔ پھر میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے اعضاء کو دوزخ کے کتے پھاڑ رہے تھے۔ سروش نے بتلایا کہ یہ شخص بَرّی اور بحری کتوں کو مار ڈالتا تھا۔ بعدازاں میں نے ایک عورت کو دیکھا

جس کو آگ کے محافظین نے برف میں ڈال رکھا تھا اور اسے مار رہے تھے۔ سروش اشو نے خبر دی کہ یہ عورت سر میں کنگھی کرتی تھی اور اس کے بال کو آگ میں ڈال دیتی تھی۔ پھر ایک عورت کو دیکھا جو اپنے جسم سے کٹاری کے ذریعہ گوشت نوچتی تھی اور اسے کھا لیتی تھی۔ سروش نے بتلایا کہ یہ جادوگر عورت ہے جو لوگوں پر جادو کرتی تھی۔ پھر ایک شخص کو دیکھا، جس کو دیو مار مار کر خون، گوشت اور پیپ کھانے کے لیے دیتے تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ شخص لاش، پیپ، ناخن اور بال کو آگ اور پانی میں ڈال دیا کرتا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک شخص مردہ انسان کا گوشت و پوست کھا رہا تھا۔ سروش نے بتلایا کہ یہ شخص مزدوروں کو ان کی مزدوری نہیں دیتا تھا۔ اس کے بعد میں نے ایک شخص کو دیکھا، جس کی پشت پر ایک پہاڑ تھا اور اس بوجھ کے ساتھ اس کو ڈرا کر پالے اور برف کے اوپر چلا رہے تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ زانی ہے، جو شوہروں کے پاس سے ان کی بیویوں کو اُٹھا لے جاتا تھا۔ پھر چند بدنصیبوں کو دیکھا جو گردن تک برف اور پالے میں ڈوبے ہوئے تھے اور ہر ایک کے سامنے خون، بال اور نجاستوں کا ایک پیالہ تھا، جسے گھونسے اور ڈنڈے کے ڈر سے مجبوراً پی رہے تھے۔ سروش نے خبر دی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بتر دین یعنی دین کے مخالفوں کے ساتھ حمام میں جاتے تھے اور اس نجس اور ناپاک حمام میں اپنا سر اور جسم دھوتے تھے۔ اس کے بعد ایک کو دیکھا جو پہاڑ کے نیچے دبا ہوا فریاد کر رہا تھا۔ سروش نے کہا کہ اس نے لوگوں پر بھاری ٹیکس لگائے اور بُری رسمیں قائم کیں، نیز لوگوں کو نقصان پہنچاتا تھا۔ پھر ایک شخص کو دیکھا جو اپنی انگلی اور ناخن سے پہاڑ کھود رہا تھا اور نگراں اس کو سانپ اور کالے ناگ سے مار رہے تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے لوگوں کی زمین دبالی تھی:

همی تا آں زمین و جائے باشد بپاداش ایں رواں برپاے باشد

(جب تک وہ زمین اور جگہ باقی رہے گی، سزا کے طور پر اس کی روح بھی اسی حال میں قائم رہے گی۔)

اس کے بعد ایک شخص کو دیکھا جس کے جسم اور کندھے کے گوشت کو لوہے کے کنگھے سے چھیل رہے تھے۔ سروش نے خبر دی کہ یہ شخص وعدہ خلافی اور عہد شکنی کرنے والا تھا۔ بعد ازاں چند لوگوں کو دیکھا، جن کے ہاتھ اور پاؤں کو ڈنڈے اور لوہے کے گرز وغیرہ سے کوٹ رہے تھے۔ سروش نے بتایا کہ وہ وعدہ خلافی کرنے والے ہیں جو عہد شکنی کرتے تھے اور دروندان یعنی دین کے مخالف لوگوں سے دوستی رکھتے تھے۔

پھر سروش اشو اور اردی بہشت مجھ کو اس سرائے رنج و غم سے گروتمان یعنی خلد بریں اور جنت اعلیٰ میں لائے جسے مینوان مینو کہتے ہیں۔ وہاں میں نے خدا کا نور اور تجلی دیکھی اور بےخود ہو گیا اور ایک روح پرور آواز میرے کان میں آئی کہ چونکہ تو نے بہترین دین کے موافق گفتار و کردار سے نیز عقل کی مدد اور زور سے ان دیوؤں کو جو جسم کے اندر تھے، شکست دی ہے، اس لیے اس مرتبہ پر پہنچا۔ پھر سروش نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ جو کچھ تو نے سنا ہے، اسے لوگوں کو بتا دینا۔ بعد ازاں مجھے نیچے لایا اور بہشت میں پہنچایا۔ وہاں چند روحیں استقبال کے لیے آئیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے عزیز و اقارب سے ان اسرار کو بیان کر دینا تاکہ گناہ سے پرہیز کریں۔ پھر میں ماہ پایہ (چاند کی منزل) میں آیا۔ وہی باتیں یہاں بھی کہی گئیں۔ اس کے بعد دو ہمراہیوں

کے ساتھ میں ستاروں کی منزل میں آیا۔ کچھ روحیں استقبال کو آئیں اور کہا کہ ہمارے عزیزوں کو نصیحت کرنا کہ یشت ویزش یعنی دُعائیں پڑھتے رہیں اور نوروز اور زنار باندھنے کی رسم پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ اگر ہم لوگ دُعائیں پڑھتے اور نوزود کی رسم ادا کرتے تو اس درجہ میں نہ رہتے بلکہ بہشت میں پہنچ گئے ہوتے۔ اوپر کے بیان سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں کی منزل سے مراد روحوں کی اس منزل سے ہے جو فلک کی منزل سے نیچے ہے۔ یہ روحیں تکلیف میں رہتی ہیں، لیکن فلک البروج کے نیکوکاروں سے جسمانی تعلق رکھتی ہیں۔

گروتمان را ہمی بینیم از دُور ولے ہستیم از وے جملہ مہجور

(ہم لوگ جنت کو دُور سے دیکھ رہے ہیں، لیکن اس کی نعمتوں اور لذتوں سے محروم ہیں۔)

دوسرا گروہ آیا جس نے کہا کہ لوگوں سے کہہ دینا کہ دوسرے کی زوجہ پر نظر نہ ڈالیں اور کسی پر بہتان نہ لگائیں، ورنہ ہماری طرح اسی جگہ رہ جائیں گے۔ ہم لوگ اسی درجہ میں باقی رہیں گے، یہاں تک کہ عورت کا شوہر دنیا سے یہاں آئے گا۔ اگر وہ ہم سے راضی ہو جائے گا تو شاید ہم لوگ نجات پا جائیں۔ پھر سروش اور اردی بہشت مجھے عالمِ سفلی میں لائے اور مجھ کو رخصت کیا۔

جب منشی نے اردای ویراف کے سارے بیانات کو لکھ لیا تو انہیں شہنشاہ کے سامنے پڑھا گیا۔ بادشاہ نے بہترین دین کی جیسا کہ چاہئے اشاعت کی اور اس غرض سے ایران کے اطراف واکناف میں علماء بھیجے۔ اردشیر کے بعد موبد آذر پاد ابن مار اسفند کا ظہور ہوا، جس کا نسب باپ کی طرف سے زردشت پیغمبر تک اور ماں کی طرف سے گشتاسپ شاہ تک پہنچتا ہے۔ اس لیے شاپور ابن اردشیر اور اس کے لشکر نے اس دین کی حقانیت پر معجزہ کی درخواست کی اور چالیس ہزار دانشمند پھر جمع ہو گئے۔ آذر باد نے غسل کیا اور مجمع کے سامنے لیٹ گیا اور نو من دھات کو پگھلا کر لوگوں نے اس کے سینے پر ڈال دیا، لیکن خدا کے فضل سے اسے کچھ نقصان نہ پہنچا۔ چنانچہ اس معجزہ کو دیکھ کر سارے مشرکین ایمان لائے۔ آذر باد کے بعد تمام بادشاہوں کے وزراء اسی کی نسل سے تھے۔

بہدین کے ماننے والے اور مورخین اسلام دونوں کا اتفاق ہے کہ کشمیر میں جس کو کاشمر (ایران میں ایک مقام کا نام) بھی کہتے ہیں اور جو خوبصورتی کے لیے مشہور ہے اور نیشاپور کے صوبہ جات میں سے ہے، وہاں ایک سرو کا درخت تھا جسے زردشت نے اپنے ہاتھ سے گشتاسپ شاہ کے لیے لگایا تھا کہ خوبصورتی، موزونی اور لمبائی میں اس کا مثل نہ پہلے تھا اور نہ بعد میں دیکھا گیا۔ اس درخت کا تذکرہ لوگوں نے متوکل خلیفہ عباسی کے دربار میں کیا، جس وقت وہ 'سرمن رائ' میں جو سامرہ کے نام سے مشہور ہے، جعفریہ کی تعمیر میں مشغول تھا۔ خلیفہ کو اس سرو کے دیکھنے کی بڑی خواہش ہوئی لیکن خود خراسان جانے سے قاصر تھا۔ اس لیے عبداللہ طاہر ذوالیمینین کو لکھا کہ سرو کو اکھاڑ کر چھکڑوں میں باندھ کر بغداد بھیج دے۔ اس علاقہ کے باشندوں اور اہلِ خراسان کو جب خبر ملی تو اس سرو کے پاس جمع ہو کر فریاد اور گریہ وزاری کرنے لگے، اور ان کو بڑی مصیبت نظر آئی۔ بہترین دین کے ماننے والوں نے سرو کو بچانے کے لیے پچاس ہزار دینار پیش کیے، لیکن عبداللہ طاہر نے

قبول نہیں کیا۔ جب سرو کو اکھاڑا گیا تو اس علاقہ کی عمارتوں اور نہروں کو بڑا نقصان پہنچا اور رنگ رنگ کے پرندے، جنہوں نے اس پر آشیانہ بنا رکھا تھا، اتنے بیشمار باہر نکل پڑے کہ فضا پوشیدہ ہوگئی۔ وہ اپنی مختلف قسم کی آوازوں میں نوحہ کررہے تھے اور گائے بکری اور دوسرے جانور جو سرو کے سایہ میں آرام کرتے تھے، سب نے آہ وزاری شروع کردی کہ اس کو سننے کی کسی میں تاب نہ تھی۔ اس کے تنے کو بغداد منتقل کرنے میں پانچ لاکھ دینار خرچ ہوئے اور اس کی شاخوں کو ایک ہزار تین سو اونٹوں پر لاد کر پہنچایا گیا۔ جب جعفریہ پہنچنے میں ایک منزل باقی تھی تو اسی شب کو متوکل عباسی کو غلاموں نے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا اور وہ درخت نہ دیکھ سکا۔ بعض مورخینِ اسلام نے لکھا ہے کہ اس سرو کے تنے کا گھیراؤ ستائیس تازیانہ کے برابر تھا اور ہر تازیانہ کی لمبائی ایک اور چوتھائی ارش تھی (ارش انسان کے دونوں ہاتھ کے برابر ہوتا ہے) ۲۳۲ ہجری (۸۴۶ء) تک اس درخت پر ایک ہزار چار سو پچاس سال گزر چکے تھے۔ بہترین دین کے پیرو کہتے ہیں کہ زردشت نے بہشت سے ایک شاخ لاکر کشمیر کے پھاٹک پر لگادی تھی۔ جس سے یہ سرو پیدا ہوا۔ لیکن بعض دانش مندوں کا کہنا ہے کہ عقل مندوں کے نزدیک اس روایت سے مراد یہ ہے کہ نباتات کے اندر نفسِ مجرد موجود ہے اور بہشت عالمِ مجردات ہے۔ یزدانی مذہب کے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ زردشت نے سرو کے درختوں کے مالک سے جس کو از روان کہتے ہیں، درخواست کی کہ اس کے پودوں کی اچھی طرح پرورش کرے۔ ایک ریاضت کرنے والے حکیم سے منقول ہے جس نے کہا کہ میں نے سرو کے مالک کو دیکھا ہے، اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے اس درخت کو اکھاڑنے کے جرم میں متوکل کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ محمد قلی سلیم کہتا ہے:

ہیچ کس پروردۂ خود را نمی خواہد زبوں   آب و آتش را خصومت برسر خاشاک شد

(کوئی شخص اپنے پروردہ کو خراب دیکھنا نہیں چاہتا، چنانچہ آگ اور پانی کی دشمنی خس و خاشاک کی وجہ سے قائم ہوئی۔)

بہترین دین کے پیرو کہتے ہیں کہ اہرمن زمانہ کی پیداوار ہے اور فرشتے، آسمان اور ستارے ہمیشہ سے ہیں، ہمیشہ رہیں گے۔ لیکن یہ سب موالیدِ ثلاثہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس دنیا کے باقی رہنے کی مدت بارہ ہزار سال ہے، پھر قیامت ظاہر ہوگی اور خدا لوگوں کو پھر زندہ کرے گا اور اسی عنصری دنیا کو بہشت بریں بنا دے گا نیز اہرمن اور اس کے پیرووں اور دوزخ کو فنا کردے گا۔ دستور شاہزادہ نے اپنی کتاب صددر میں لکھا ہے کہ بہترین دین کے زردشت پیغمبر ابن پورشسپ ابن پتیر سپ ابن خنجرسپ ابن جوس ابن اسفنتمان کے ذریعہ ظاہر ہوا اور خدا نے اس کو اوستا و ژند عنایت فرمایا اور ازل سے ابد تک جو کچھ ہونے والا ہے، ان سب کو تعلیم الٰہی کے ذریعے اس نے معلوم کرلیا اور یہ وہ شہر ہے جو عالم حقیقی یعنی آسمانی کتاب سے بنایا گیا ہے:

بزرگان ز اوستا و پاژند و ژند   مرایں صد درش را بروں کردہ اند

(بزرگوں نے اوستا، پاژند اور ژند سے اس شہر کے سو دروازوں کو تیار کیا ہے۔)

زراتشت بنگر چہ دین پرور است   کہ در شہر دینش رہ از صد در است

(دیکھو کہ زردشت کیسا عمدہ دین پرور ہے، جس کے دین کے شہر میں جانے کے لیے سو دروازوں سے راستہ ہے۔)

پہلا دروازہ زردشت کی پیغمبری پر اعتقاد اور اعتراف ہے، اس لیے کہ جب روح چوتھی رات میں چینود پُل یعنی پلِ صراط پر پہنچتی ہے تو مہر ایزد اور رش ایزد نامی فرشتے اس سے حساب کتاب کرتے ہیں اور اگر ثواب کا عمل گناہ سے بال برابر بھی زیادہ ہوتا ہے تو اس روح کو جنت میں لے جاتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا زردشت پر ایمان ہو۔

دوسرا دروازہ یہ ہے کہ انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ معمولی گناہ کو زیادہ سمجھ کر اس سے پرہیز کرے کیونکہ اگر ثواب کا عمل پلک کے بال کے برابر گناہ سے زیادہ ہوگا تو انسان بہشت میں جائے گا اور اگر اس کے برعکس ہے تو دوزخ میں جائے گا۔

تیسرا دروازہ، نیک عمل کے درپے رہنا چاہیے، اس لیے کہ اگر نیک عمل کرنے میں چور یا دشمن کی طرف سے تکلیف پہنچے تو جنت میں ایک نیکی کا چار گنا ثواب پائے گا اور ناجائز کام کرنے میں جلد قتل کر دیا جائے گا اور یقیناً یہ اس کے بُرے کام کی سزا ہوگی اور دوزخ اس کا ٹھکانا ہوگا۔

چوتھا دروازہ: انسان کو خدا کی رحمت سے نااُمید نہ ہونا چاہیے۔ زردشت کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کا سارا بدن دوزخ میں دیکھا لیکن اس کا ایک پیر باہر تھا۔ خدا نے فرمایا کہ یہ شخص تینتیس شہروں کا بادشاہ تھا، مگر نیک عمل نہ کرتا تھا، سوائے اس کے کہ ایک روز ایک بکری بندھی ہوئی تھی اور چارہ اس سے فاصلے پر تھا، اس نے اپنے اس پیر سے بکری کے سامنے گھاس کھسکا دی۔

پانچواں دروازہ: یشت اور نوزود کے مراسم ادا کرنے میں کوشش کرنا چاہیے اگر لوگ خود نہ کر سکیں تو چاہیے کہ معاوضہ دے کر کرائیں۔

چھٹا دروازہ: جاننا چاہیے کہ ثواب کے عمل چھ ہیں، اوّل گہنبار یعنی آفرینش عالم کے چھ اوقات کی تعظیم کرنا، دوم فروردیگان اور آہستہ آواز سے دُعا مانگنا۔ سوم ماں، باپ اور اعزہ کی روحوں کے لیے ایصالِ ثواب کرنا، چہارم ہر روز تین مرتبہ سورج کی حمد و ثنا کرنا۔ پنجم مہینے میں تین مرتبہ چاند کی پرستش کرنا، چاند رات، درمیان ماہ اور آخری دن۔ ششم ہر سال مناسب طور سے دُعا کرنا۔

ساتواں دروازہ: جب چھینک آئے تو اینا اہو ویریو اشم جو ایک دُعا ہے، اسے آخر تک پڑھے۔

آٹھواں دروازہ: دستوروں کی فرماں برداری کرنا اور اپنے مال میں سے دسواں حصہ دستور کو دینا، کیونکہ یہ ثواب کا کام ہے۔

نواں دروازہ: امرد پرستی اور اغلام سے پرہیز کرے۔ عورتوں کے پاس پیچھے کی راہ سے نہ جائے۔ اور اس کو حرام سمجھے۔ اگر دو آدمیوں کو اس قسم کے برے کام کی حالت میں پائے تو ان دونوں کو ضرور ہلاک کر دے اور قتل کر ڈالے۔ ایسی بدفعلی کا گناہ ضحاک، ملکوش، سرواک، افراسیاب اور توربراتور کے بُرے اعمال کے برابر

ہے۔

دسواں دروازہ: ہر ایک مرد اور عورت کو چاہیے کہ کمر پر کشتی باندھے اور کشتی بالوں کی زنار ہے، جسے کمر پر باندھتے ہیں اور اس زنار پر چار گرہیں لگاتے ہیں۔ اوّل اس لیے کہ خدا ایک ہے، دوم اس لیے کہ دین برحق ہے۔ سوم اس لیے کہ زردشت خداوند کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ چہارم اس لیے کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا، نیکی کروں گا۔

گیارہواں دروازہ: آگ کو ہمیشہ روشن رکھ اور اس پر ناپاک اور گندی چیزیں نہ جلا۔

بارہوں دروازہ: مردہ کا کفن نیا نہ ہو بلکہ اسے پرانا اور پاک ہونا چاہیے۔

تیرہواں دروازہ: باپ اور ماں کی روحوں کو خوش رکھے اور اس غرض سے درون میزد اور آفرینگان انجام دے۔ درون ایک دُعا ہے، جسے اللہ تعالیٰ اور آگ کی تعریف میں پڑھتے ہیں اور کھانے کی چیزوں پر دم کرتے ہیں۔ جس چیز پر دم کر دیا جاتا ہے، اسے یشتہ کہتے ہیں اور آفرینگان ژند کے اکیس نسکوں میں سے ایک نسک ہے۔

چودھواں دروازہ: تراشے ہوئے ناخن پر تین مرتبہ ایتا اہو والی دُعا کو پڑھیں اور چاروں طرف قینچی سے خط کھینچ کر اس پر مٹی ڈال دیں یا اسے پہاڑ پر لے جائیں۔

پندرہواں دروازہ: جو چیز دیکھنے میں اچھی معلوم ہو، اس پر خدا کا نام لیں۔

سولہواں دروازہ: حاملہ عورت کے گھر میں ہمیشہ آگ باقی رکھیں اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو اس کے بعد تین شبانہ روز چراغ کو گل نہ کرو۔ جب زردشت پیغمبر پیدا ہوا تو تین رات تک ہر رات میں پچاس دیو زردشت کو قتل کرنے کی غرض سے آتے تھے، لیکن چونکہ گھر میں آگ برابر موجود رہتی، اس لیے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

سترہواں دروازہ: جب تو نیند سے بیدار ہو تو زنار باندھ لے اور بغیر زنار باندھے ایک قدم بھی نہ چل۔

اٹھارہواں دروازہ: خلال کو استعمال کرنے کے بعد دیوار میں پوشیدہ کر دے۔

انیسواں دروازہ: بیٹا اور بیٹی کی بہت جلد شادی کر دے کیونکہ جس کے کوئی بیٹا نہیں، وہ چینود پل سے گزر نہیں سکتا۔ اگر اپنا بیٹا نہیں ہے تو کسی دوسرے کو بیٹا بنا لے اور اگر اسے توفیق نہ ہو تو اس کے بعد اس کے عزیز و اقارب اور دستور پر واجب ہے کہ کسی کو اس کی فرزندی کے لیے مقرر کر دیں۔

بیسواں دروازہ: کاشت کاری کو دوسرے پیشوں سے بہتر سمجھے اور کاشت کار کا احترام اور عزت کرے۔

اکیسواں دروازہ: چاہیے کہ بہترین دین کے پیرو کو اچھا کھانا کھلائے۔

بائیسواں دروازہ: کھانے کے وقت واج کی رسم ادا کرنی چاہیے اور جب میزد اور آفرینگان انجام

دیں تو لب بند کرلیں اور جو دُعا بتلائی گئی ہے یعنی آ دیزہ میدیٔ اشم باداد ہو اشم ایتا اہو ویریو کو آخر تک تین مرتبہ پڑھیں، پھر روٹی کھائیں اور جب منہ دھوئیں تو چار مرتبہ کلمۂ اشم وہو کو آخر تک پڑھیں اور کلمۂ ایتا آہو ویریو کو آخر تک دو بار پڑھیں۔ جاننا چاہیے کہ واج یا باج برسم کو کہتے ہیں اور وہ انار، جھاؤ اور جھاؤ کے مثال ایک درخت ہوم کی ایک بالشت لمبی گانٹھ کی شاخیں ہوتی ہیں، جنہیں برسم چین یعنی آہنی دستہ کی چھری سے کاٹتے ہیں۔ چنانچہ پہلے چھری کو دھوتے ہیں، پھر مقررہ دعاء پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد برسم چین سے کاٹ کر برسمدان یعنی برسم والے برتن کو دھوتے ہیں اور اس میں برسم رکھ دیتے ہیں اور عبادت، ژند کی قرأت، غسل اور کھانے کے اوقات میں چند برسم کو جن کی تعداد ہر کام کے لیے مقرر ہے، اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔

تیئسواں دروازہ: درویش، مسکین اور مالدار سب کے ساتھ حسنِ سلوک کرے، اور جادنگوئی بھی انجام دے۔ جادنگوئی یہ ہے کہ بہترین دین کے پیرو آتشکدہ اور مستحق لوگوں کے لیے جو کچھ نذر کریں، اس کو وہ شخص صحیح مصرف میں خرچ کرے۔

چوبیسواں دروازہ: تجھے چاہیے کہ گناہ سے پرہیز کرے، خاص طور پر جس روز تو نے گوشت کھایا ہو، اس لیے کہ گوشت سے شیطان کی پرورش ہوتی ہے۔ اگر گوشت کھا کر کوئی گناہ کرے گا تو دنیا کے اندر حیوانات جو گناہ کرتے ہیں، وہ تیری طرف منسوب ہو جائیں گے۔ مثلاً یہ کہ گھوڑا کسی کو لات مار دے یا بیل سینگ مار دے، یہ سب تیرے نام لکھ دیں گے۔

پچیسواں دروازہ: تجھے جاننا چاہیے کہ اس مذہب میں سوائے گناہ سے پرہیز کے روزہ نہیں۔ لہٰذا چاہیے کہ تو سال بھر روزہ رکھے۔ ایسا نہیں کہ صبح سے شام تک بھوکا رہے اور اس کا نام روزہ رکھے۔ اس کی کوشش کر کہ تیرے اعضاء سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو اور کھانے پینے سے لبوں کو بند کر لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تجھے چاہیے کہ بدگوئی سے لب کو بند رکھے۔

چھبیسواں دروازہ: جب بچہ پیدا ہو تو اس کو میٹھی چیز چکھائیں۔

ستائیسواں دروازہ: سونے کے وقت چند الفاظ جن میں پہلا لفظ ''ایتا اہو ویرو اشم وہو است'' ہے، کو آخر تک پڑھ لے اور سارے گناہوں سے پشیمان ہو خواہ اُنہیں دیکھا ہو یا سنا ہو یا جانا ہو یا نہ جانا ہو، واقعی کیے ہوئے ہوں یا صرف کرنے کی خواہش ہوئی ہو، سب سے توبہ کر نیز جب ایک کروٹ سے دوسری کروٹ بدلے تو کلمات جن میں لفظ اشم ہے آخر تک پڑھ لے۔

اٹھائیسواں دروازہ: جب تو معاہدہ کرے خواہ، دیندار سے یا دروند یعنی بے دین سے تو عہد شکنی نہ کر اور اس کو پورا کر۔

انتیسواں دروازہ: جب لڑکا پندرہ سال کا ہو جائے تو باپ کو چاہیے کہ کسی دانشمند دستور کو اس کی ہدایت کے لیے مقرر کرے اور بغیر اس کی ہدایت اور مشورہ کے کوئی کام نہ کرے کیونکہ کوئی ثواب کا کام بغیر دستور کی مرضی کے خدا کو پسند نہیں اور خدا کے نزدیک دستور کا اتنا بڑا درجہ ہے کہ وہ ایک تہائی گناہ خود معاف کر سکتا ہے۔

دستور امتِ زردشت کے پیشوا اور دانشمند کو کہتے ہیں۔

تیسواں دروازہ: جب تجھے کوئی کام درپیش ہو جس کے متعلق تو نہ جانے کہ اس کے کرنے میں ثواب ہے یا گناہ تو اس کام سے ہاتھ روک لے اور ٹھہر جا اور دستور سے مشورہ کر۔

اکتیسواں دروازہ: دیندار آدمی اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کرتا بلکہ پہلے دستور یا رشتہ دار یا دانش مند لوگوں سے مشورہ کر لیتا ہے۔

بتیسواں دروازہ: جو شخص اوستا پڑھنا چاہے، اسے چاہیے کہ صحیح تلفظ کے ساتھ اس کی قرأت کرے، اس کو زبانی یاد کرے۔ اور ہمیشہ تلاوت کرتا رہے، اس لیے کہ اگر اسے یاد نہ رہے گا تو بڑا گناہ ہوگا۔ پہلے زمانے میں جو شخص اوستا یاد کرتا اور پھر اسے بھول جاتا تو جب تک وہ اسے دوبارہ یاد نہ کر لیتا، اس کو محفل میں نہیں آنے دیتے تھے اور کتوں کی طرح اس کے آگے روٹی ڈال دیتے تھے۔

تینتیسواں دروازہ: انسان کو سخی ہونا چاہیے اور مستحق پر تو خاص طور سے عنایت کرنا چاہیے، کیونکہ یہ عمل نفع بخش ہے۔

چونتیسواں دروازہ: رات کے وقت پانی نہ گرائیں، بالخصوص واختر یعنی (مشرق) کی طرف۔ اگر مجبوری ہو تو پانی گرانے کے دوران وہ الفاظ جن میں پہلا لفظ ایتا ہے جہاں تک بتلایا گیا ہے، پڑھیں۔ نیز رات کو کنویں سے پانی نہ کھینچیں، لیکن جب ناگزیر ہو تو ایتا والے الفاظ کو جہاں تک ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے، پڑھ لیں۔ رات کو پانی بہت کم پئیں لیکن اگر پیئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو کنویں سے پانی نکالیں اور پانی بہت نہ گرائیں۔

پینتیسواں دروازہ: جب روٹی کھائیں تو تین لقمہ کتے کے لیے نکال دیں اور کتے کو تکلیف نہ پہنچائیں۔

چھتیسواں دروازہ: جب مرغ ناوقت بانگ دے تو اس کو ہلاک نہ کریں، بلکہ اس کی مدد کے لیے دوسرا مرغ لائیں۔ کیونکہ مرغا درجی یعنی کسی دیو یا بلا کو دیکھ کر اس سے خبردار کرتا ہے۔

سینتیسواں دروازہ: جہاں تک خوف و ہراس نہ ہو اگر کوئی شخص نسا یعنی مردہ لاش کو وہاں زمین کے نیچے دبا دے تو اس کو ظاہر کر دے اور باہر نکال لے۔

اڑتیسواں دروازہ: حیوانات کو زیادہ ہلاک نہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس کے بدن کا ایک ایک بال آخرت میں ہلاک کرنے والے کے لیے تلوار بن جائے گا۔ سب سے زیادہ برا بھیڑ کو ذبح کرنا ہے۔ کیونکہ وہ سردہ یعنی اوّلین نوع ہے۔ یہی حال بکری کے بچے، بکری، گائے، گھوڑے اور گھریلو مرغے کا ہے جس کی آواز بولنے میں نقارہ معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح بانگ دینے والے مرغے کو بھی ذبح نہ کرنا چاہیے، اگر اس کو ذبح کرنا ناگزیر ہو تو اس کا سر ضرور باندھ دینا چاہیے۔

انتالیسواں دروازہ: جب تُو منہ دھونا چاہے تو چاہیے کہ لبوں کو بند کرے اور ان الفاظ کو جن میں اشم

وہو ہے، ایک مرتبہ مقررہ لفظ تک پڑھ لے۔ اس کے بعد منہ دھوئے اور جب چہرہ کو استرے سے صاف کرے تو وہ دُعائیں جن میں لفظ کمنا اور مزدا ہے، مقررہ مقام تک پڑھ لے۔

چالیسواں دروازہ: جو شخص یزشنوم کرے، اس کو چاہیے کہ نیک گفتار اور نیک کردار ہو ورنہ وہ واجب القتل ہے اور جب کوئی شخص پندرہ سال کا ہو جائے اور یزشنوم نہ کرے تو جس چیز کو وہ ہاتھ لگائے گا، وہ بھی اسی کی طرح ناپاک ہو جائے گی۔ یزشنوم سے مراد خود کو دُعا کے ذریعہ پاک کرنا ہے۔

اکتالیسواں دروازہ: جب فروردیگان آئے تو دیندار کو چاہیے کہ درون، میزد، یزشن اور آفرین کے مراسم دس روز تک بجالائے۔ فروردیگان پانچ لڑکیاں ہیں جو حلۂ بہشتی کو کاتتی، بُنتی اور سلائی کرتی ہیں۔ ان کے نام اہنود، اشنود، اسفنتمد، ہوخشتر اور وہیشتوش ہیں۔ پوس فروردیگان خمسہ مسترقہ کو کہتے ہیں یعنی ایرانی سال کے آخری پانچ دن۔ جب روح اس دنیا سے باہر جاتی ہے تو برہنہ ہوتی ہے اور جس شخص نے فروردیگان کی تعریف کی ہو وہ ان کے ہاتھ سے قیمتی خلعت اور حلۂ بہشتی پاتا ہے۔ یزدانی مذہب کے پیروکار کہتے ہیں کہ ان پانچ لڑکیوں سے مراد ہے، حکمت، شجاعت، عفت، عدالت اور عقل، لیکن بعض دوسرے مقامات پر ان سے پانچ حواس مراد لیے گئے ہیں۔

بیالیسواں دروازہ: بہدین کے سوا مذہب والوں سے تجھے پرہیز کرنا چاہیے اور ان کے ساتھ کھانا نہ کھانا چاہیے۔ اگر کوئی بے دین پیتل کے پیالہ کو آلودہ کر دے تو اسے تین بار دھونا چاہیے اور اگر پیالہ مٹی کا ہے تو کبھی پاک نہ ہوگا۔

تینتالیسواں دروازہ: اپنے گھر میں برابر آگ رکھ اور رات کو ایک بار اسے روشن کر دے۔

چوالیسواں دروازہ: استاد، باپ اور ماں کا احترام کر، ورنہ اس دنیا میں تیری روزی تنگ ہو جائے گی اور اس دنیا میں تو دوزخ میں رہے گا۔

پینتالیسواں دروازہ: دشتان یعنی حائضہ عورت آسمان، ستارے، آگ اور بہتے ہوئے پانی نیز مرداشو یعنی بہشتی شخص کو نہ دیکھے اور پانی ایسے برتن میں پیے جو مٹی کا نہ ہو۔ پہلے آستین کو ہاتھ پر لپیٹ لے اور سر پر اوڑھنی ڈال لے اس کے بعد روٹی کھائے۔

چھیالیسواں دروازہ: عورت ہمیال سے پرہیز کرے جس کے معنی بہتان، خیانت اور زنا کے ہیں۔ اس لیے کہ اگر کسی عورت کو اس کا شوہر نہ بخشے تو باوجود سارے نیک اعمال کے وہ کبھی جنت کا منہ نہ دیکھے گی۔

سینتالیسواں دروازہ: چاہیے کہ خراستر یعنی موذی جانوروں کو مار ڈالیں۔ ان میں سے جو پانی کے ہیں اور مینڈک، سانپ، بچھو، مکھی اور چیونٹی کو مار ڈالنا زیادہ باعثِ ثواب ہے۔ بہترین دین یزدانی یعنی آبادی مذہب میں ان جانوروں کو جو دوسرے جانوروں کو ہلاک کر دیتے ہیں یا تکلیف پہنچاتے ہیں، مار ڈالنا پسندیدہ ہے۔ لیکن جو تکلیف نہیں پہنچاتے، ان کو مار ڈالنا جائز نہیں ہے۔ ان کو مارنے والا ظالم ہے، جس کو سزا دینا واجب ہے۔ یزدانی لوگ کہتے ہیں کہ اگر کسی بزرگ کے کلام میں بے آزار جانوروں کو مارنے کا ذکر آیا ہے تو وہ

مزید کلام ہوگا۔

اڑتالیسواں دروازہ: برہنہ پیر زمین پر نہ رکھنا چاہیے۔

انچاسواں دروازہ: برابر تیف یعنی توبہ کرتا رہ کیونکہ اگر توبہ نہ کرے گا تو ہر سال گناہ بڑھتے رہیں گے اور زیادہ ہو جائیں گے۔ اگر خدانخواستہ تجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو دستور کے پاس جا اگر اسے نہ پائے تو کسی ہیربد یعنی آتشکدہ کے مجاور کے پاس جا، وہ بھی نہ ملے تو کسی بہترین دین کے پیرو کے پاس، اگر وہ بھی موجود نہ ملے تو پھر حضرت نیر اعظم کے سامنے توبہ کر۔ اسی طرح اس دنیا سے انتقال کے وقت توبہ کرنی چاہیے اور اگر کوئی شخص توبہ نہ کر سکے تو اس کا فرزند، اعزہ اور حاضرین اس فریضے کو انجام دیں اور اس کے انتقال کے وقت توبہ کریں۔

پچاسواں دروازہ: لڑکا اور لڑکی جب پندرہ سال کے ہو جائیں تو ان کو کمر پر زنار باندھنا چاہیے کیونکہ یہ خدمت کا عہد کرنا ہے۔

اکیاونواں دروازہ: اگر کوئی بچہ مر جائے تو پہلے دن سے سات سال تک مصرعہ درونِ سروش بخوان بے ملال (بلا تکان اس کے لیے درون سروشی پڑھتا رہ۔) مرنے کے بعد چوتھی شب کو یشت پڑھنا چاہیے۔ درونِ سروش کے معنی ہیں فرشتہ کی دعاء اور یشت ژند کے اکیس نسکوں میں سے ایک نسک کا نام ہے۔ یہ نسک مُردوں کی روح کے واسطے پڑھتے ہیں اور گاہنبار میں بھی پڑھتے ہیں۔ نسک کے معنی ہیں فصل یا حصہ۔

باونواں دروازہ: کھانا پکانے کے لیے جب تُو دیگ کو آگ پر چڑھائے تو دیگ بڑی ہونا چاہیے۔ اس کے دو حصے پانی سے خالی ہوں تا کہ جب ابال آئے تو اس کا پانی آگ میں نہ گرے۔

ترپنواں دروازہ: جب آگ کو کسی جگہ سے اُٹھائیں تو تھوڑی دیر رکے رہیں تا کہ وہ جگہ سرد ہو جائے اور اس مقام کو گرم نہ چھوڑیں، بعد ازاں آگ کو مقررہ جگہ پر لے جائیں۔

چونواں دروازہ: صبح کے وقت آبِ زر یعنی سنہرے پانی سے منہ دھوئیں۔ اس کے بعد پاک پانی سے اور وہ کلمات جن میں کمناومزدا ہے پڑھیں۔ بعد ازاں دونوں ہاتھ دھوئیں، اس کو پاواچ کہتے ہیں۔ اگر سنہرے پانی سے ہاتھ نہ دھویا تو اوستا پڑھنا مقبول نہ ہوگا۔

پچپنواں دروازہ: بچوں کو علم دین کی تعلیم دیں اور استاد ہیربد یعنی آتشکدہ کے مجاور کا احترام کریں۔

چھپنواں دروازہ: فروردین کے مہینہ میں جب خورداد کا دن یعنی چھٹی تاریخ آئے تو ہر قسم کا میوہ جو میسر ہو، ایک جگہ جمع کر لیں اور درون اور یشت پڑھنے میں مشغول ہو جائیں اور خدا کا شکر ادا کریں تا کہ پورا سال خوشحالی میں گزرے کیونکہ اس روز فرشتے لوگوں کو روزی تقسیم کرتے ہیں۔ جب کوئی آدمی اس طرح سے دُعا کر لیتا ہے تو خورداد فرشتہ اس کی شفاعت کرتا ہے۔ خشنومن سے یہی رسم مراد ہوتی ہے۔

ستاونواں دروازہ: سفر پر جانے والے کے لیے ایک مرتبہ درون یشت پڑھنا چاہیے۔ قدیم زمانے میں اگر کوئی شخص بارہ فرسنگ کا بھی سفر کرتا تو اس کے لیے دعا کرتے تھے۔

اٹھاونواں دروازہ: اگر کسی کے بیٹا نہ ہو تو چاہیے کسی کو متبنّیٰ کر لے، اور ایسے لڑکے کو بھی چاہیے کہ اس کو باپ کی طرح سمجھے۔

انسٹھواں دروازہ: جس شخص نے یشت اور نوزود کے مراسم ادا کیے، اس کے بعد یشت درون کی رسم ادا نہیں کرے گا تو واج اور مزد انجام دے اور روٹی کھائے، پھر داج اور درون کے مراسم ادا کرے۔

ساٹھواں دروازہ: کھڑے ہو کر پیشاب کرنا برا ہے، چاہیے کہ بیٹھ جائے اور ایک بالشت کے فاصلہ پر پیشاب کی دھار ڈالے اور آہستہ سے اوستا پڑھے پھر تین قدم چلے اور وہ کلمات جن میں ایتا اہو ویر یو اشم ہے، انہیں مقررہ مقام تک ایک بار پڑھے جب باہر نکلے تو وہ کلمات جن میں اشم ہے انہیں مقررہ مقام تک پڑھے اور کلمۂ ہوتنام کو دو مرتبہ زبان سے دہرائے اور تین مرتبہ کلمۂ ہوخشتر پڑھے، پھر جن کلمات میں ایتا ہے، انہیں مقررہ مقام تک چار مرتبہ پڑھے اور وہ کلمات جن میں اہم بریم یز میدی ایتا اہو ہے، انہیں آخر تک پڑھے۔

اکسٹھواں دروازہ: ججہ یعنی نیولا نہ ماریں کیونکہ وہ سانپ کو ہلاک کرنے والا ہے۔

باسٹھواں دروازہ: دریائی کتے کو قتل نہ کر، اگر تو اس کو پانی سے دور دیکھے تو اس کو دریا تک پہنچا دے۔

تریسٹھواں دروازہ: روح بھی دُعا کرتی ہے، جب زندگی میں خدا سے دُعا کرنا فرض ہے تو زندگی ہی میں دُعا کر لینا بہتر ہے۔

چونسٹھواں دروازہ: جب کوئی شخص دنیا سے رخصت ہو تو اس کے عزیز و اقارب تین روز تک اس کے لیے سروش کی پرستش کریں۔ آگ روشن کریں اور اوستا پڑھیں کیونکہ اس کی روح تین روز تک یہاں باقی رہتی ہے۔ لہٰذا نفیری کے ذریعہ تین درون پڑھنا چاہیے۔ چوتھی رات میں ان میں سے ایک رشن اور اوستا نامی فرشتوں کی خوشنودی کے لیے اور دوسرا درون دوسرے فرشتے کے لیے اور درون پڑھتے وقت سر سے پیر تک پوری پوشاک جتنی بہتر اور عمدہ تجھ سے ہو سکے، فراہم کر۔ اس پوشاک کو اشواداد کہتے ہیں۔

پینسٹھواں دروازہ: عورتوں کو عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، سوائے اس کے کہ ہر روز تین مرتبہ شوہر کے پاس جائیں اور اس کی خوشنودی حاصل کریں اور دن یا رات میں کسی وقت شوہر کے حکم سے روگردانی نہ کریں کیونکہ یہی ان کی عبادت ہے۔

چھیاسٹھواں دروازہ: بہترین دین اس غرض سے آیا ہے کہ خدا تم کو آنے والی تکلیفوں سے نجات بخشے۔ اگر بہترین دین کے کسی پیرو کو ایسا کام پیش آ جائے جس میں مجبوراً اس کے ہاتھ سے دین چھوٹ رہا ہو، تو جس کے ذریعہ سے تم سے ہو سکے، اس کی مدد کرو تاکہ وہ اپنے دین پر قائم رہے۔

سڑسٹھواں دروازہ: جھوٹ نہ بولیں، اگرچہ اس سے دنیاوی اعزاز مل رہا ہو۔

اڑسٹھواں دروازہ: سچائی کا پیشہ اختیار کریں اور گویاستی کو ترک کر کے سچے بن جائیں۔

انہترواں دروازہ: روسپی ہونے سے پرہیز کریں یعنی فاحشہ سے دیوث ہونے یا زنا کار رہو، اس لیے کہ جب کوئی فاسق عورت سے بدفعلی کی غرض سے ملتا ہے تو وہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے، پھر اگر شوہر

اطلاع پانے کے بعد ایسی بیوی سے اختلاط رکھتا ہے تو وہ بھی روسپی ہو جاتا ہے۔

سترواں دروازہ: جب کوئی شخص کسی کا مال چُرائے تو اگر ایک درہم چُرایا ہے تو اس سے دو درہم لے کر اس کے دونوں کانوں کی لو کو کاٹ لیں اور دس چھڑیاں اس کو ماریں اور ایک گھنٹہ قید خانے میں رکھ کر چھوڑ دیں۔ اگر دوبارہ ایسی حرکت کرے تو اگر ایک درہم چُرالیا ہے، تو اس سے دو درہم لے کر اس کے کان کاٹ لیں اور بیس چھڑی مار کر دو گھنٹے قید خانہ میں رکھیں۔ اگر تین درہم یا دو دانگ چُرائے ہیں تو اس کا داہنا ہاتھ کاٹ لیں۔ اگر پانچ سو درہم چُرائے ہیں تو اس کا گلا کاٹ لیں۔

اکہترواں دروازہ: ظاہری اور باطنی گناہوں سے پرہیز کریں۔ بُری چیز دیکھنے اور سوچنے سے بھی ڈر اور پروردگار کا شکر بجالا کیونکہ زردشت پیغمبر سے خدائے ہرمزد پاک یعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ تو اپنی ذات کے لیے پسند نہیں کرتا، اسے دوسروں کے لیے جائز نہ کر اور مخلوق کے ساتھ ایسا برتاؤ کر کہ جب وہ تیرے ساتھ وہی برتاؤ کریں تو تجھے تکلیف نہ ہو۔

بہترواں دروازہ: ہیربد سے کہہ دے کہ وہ ہر روز تیرے لیے ایک دُرون پڑھ دیا کرے ورنہ تو خود پڑھ لے۔ یزش بھی یشتن کے معنی میں ہے اور دُرون (پہلے حرف پر پیش کے ساتھ) ایک دُعا ہے، جسے بہدین کے پَیرو خدا اور آگ کی تعریف میں پڑھ کر اشیاءِ خوردنی پر دم کرتے ہیں اور جس چیز پر درون پڑھ کر دم کر چکتے ہیں، اس چیز کو کہتے ہیں کہ یشتہ ہوگئی۔ اس لیے کہ یشتن کے معنی پڑھنا ہے۔

تہترواں دروازہ: عورتیں آبان کے مہینے میں دُعا پڑھیں تاکہ حیض کی نجاست سے پاک ہو جائیں اور بہشت میں داخل ہو جائیں۔

چوہترواں دروازہ: عیاشی سے پرہیز کرنا چاہیے، اس لیے کہ جب بیگانہ عورت کسی غیر مرد سے چار بار اختلاط کرتی ہے تو اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور ایسی عورت کو قتل کر ڈالنے میں درندوں کو مارنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔

پچہترواں دروازہ: چاہیے کہ دشتان یعنی حائضہ عورت کی نظر آگ پر نہ پڑے، نہ وہ پانی میں بیٹھے، نہ سورج کو دیکھے اور نہ کسی مرد سے بات چیت کرے۔ دو حائضہ عورتیں ایک بستر پر نہ سوئیں اور آسمان کی طرف نہ دیکھیں۔ سیسہ کے برتن میں کوئی چیز کھائیں اور برہنہ ہاتھ روٹی میں نہ لگائیں۔ نصف برتن کو پانی سے بھریں اور اس کو لبالب نہ کریں اور چاہیے کہ ہاتھ پر آستین لپیٹ کر برتن میں ہاتھ لگائیں اور دھوپ میں نہ بیٹھیں۔ اگر وہ گود میں بچہ رکھتی ہو تو بچے کو بھی اپنے ساتھ غسل کرائے۔

چھہترواں دروازہ: دھوپ میں آگ نہ جلانا چاہیے اور آگ پر ایسی چیز نہ رکھے جس کے سوراخوں سے سورج کی کرنیں چمکیں، لیکن مہ آباد کے زمانے سے پہلے حضرت نیر اعظم کے روبرو خوشبو کی غرض سے آگ پر کچھ رکھنا قابلِ تعریف تھا۔

ستہترواں دروازہ: نسا یعنی مُردہ کو کتا دکھلائیں۔ ایک تو اس وقت جب وہ جان دے رہا ہے،

دوسرے جس وقت اس کو اٹھاتے ہیں اور مردہ اٹھاتے وقت دونوں ہاتھوں میں دھاگا اس طرح باندھ لیں کہ سب اٹھانے والوں کے ہاتھوں تک دھاگا پہنچ جائے تاکہ آپس میں ملے جلے رہیں اور راستے میں بات چیت نہ کریں۔ اگر مردہ حاملہ عورت ہو تو بجائے دو کے چار اشخاص اس کو اٹھائیں۔ حضرت مہ آباد نے فرمایا کہ اگر حاملہ عورت مر جائے تو اس کا پیٹ چاک کریں اور بچے کو باہر نکال لیں اور اس کی پرورش کریں۔ اسی طرح سارے حیوانات کے ساتھ کریں۔ مختصر یہ کہ جب بہدین کے پیرو مردہ کو دادگاہ یعنی آخری رسوم انجام دینے کی جگہ پر پہنچا دیں تو اپنے بدن کو دھولیں اور کپڑے بدل لیں۔

اٹھہتر واں دروازہ: جس تختہ پر مردہ کو لے جائیں یا نہلائیں نیز وہ تختہ جس پر کسی کو سولی پر چڑھائیں اور جس تختے کو حائضہ عورت نے آلودہ کر دیا ہو، ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اناسیواں دروازہ: اگر کسی مرض میں طبیب کہے کہ مردہ کا گوشت کھانا چاہیے تو اسے منظور کر لے اور اس پر عمل بھی کرے۔

اسیواں دروازہ: مردہ کو پانی یا آگ کے حوالہ نہ کرنا چاہیے۔

اکیاسیواں دروازہ: اگر کوئی شخص بہترین دین کے پیرو کو مردہ کا گوشت کھلا دے یا اس کے اوپر پھینک دے تو اسے چاہیے کہ برشنوم کرے، پتت براش یعنی توبہ واستغفار کرے اور کوشش کرے کہ دوزخ میں نہ جائے۔

بیاسیواں دروازہ: اگر کوئی جاندار مردہ کا گوشت کھائے تو ایک سال تک وہ پاک نہیں رہتا۔

تراسیواں دروازہ: بلاخوف کے گنہگار کو کوئی چیز نہ دینی چاہیے، یعنی اگر گنہگار سے خوف نہ ہو اور اس کی طرف سے نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو اسے کوئی چیز نہ دیں۔

چوراسیواں دروازہ: جب تُو نیند سے بیدار ہو تو صبح کے وقت ہاتھ کو کسی چیز سے پونچھ لے اور منہ، بازو اور پیر کو پنڈلی تک تین مرتبہ دھو لے اور اس عمل کے دوران اوستا پڑھ، اگر پانی نہ ملے تو مٹی سے تیمم کرنا جائز ہے۔

پچاسیواں دروازہ: کاشت کار جب کھیت میں پانی لگائے تو احتیاط کرے، ایسا نہ ہو کہ نہر میں کوئی مردہ پڑا ہو۔

چھیاسیواں دروازہ: جب عورت بچہ جنے تو چالیس دن تک لکڑی اور مٹی کے برتن سے پرہیز کرے۔ اور باہر نکلنے کے لیے چوکھٹ پر قدم نہ رکھے، اس کے بعد سر کو دھوئے۔ اس عرصہ میں مرد کو عورت سے جماع نہ کرنا چاہیے۔

ستاسیواں دروازہ: اگر عورت مردہ بچہ جنے تو چونکہ چار مہینہ پورا کرنے سے پہلے اس میں جان نہیں ہوتی، اس لیے وہ مردہ نہیں ہے، لیکن چار ماہ کی مدت کے بعد وہ مردہ کا حکم رکھتا ہے، لہٰذا اس کے لیے بھی مردہ سے متعلق رسومات ادا کریں۔

اٹھاسیواں دروازہ: بہترین دین کے پیروکار کو چاہیے کہ وہ فیاض، سخی اور کریم ہو، کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ بہشت سخی انسان کی جگہ ہے۔

نواسیواں دروازہ: وفات پانے والے کے گھر والوں اور رشتہ داروں کو تین روز تک گوشت نہ کھانا چاہیے۔

نوے واں دروازہ: اشم پڑھنے میں بیحد ثواب ہے، اسے کرنا چاہیے۔ روٹی کھانے کے وقت، سونے کے وقت، نصف شب میں۔ کروٹ بدلنے میں اور صبح کے وقت نیند سے بیدار ہونے پر۔

اکیانوے واں دروازہ: آج کے نیک عمل کو آنے والے کل پر نہ ڈالنا چاہیے کیونکہ خدا نے زردشت سے فرمایا ہے کہ آج کے کام کو کل پر ڈالنے سے پشیمانی پیدا ہوتی ہے۔ اے زردشت! میرے نزدیک دنیا میں تجھ سے بہتر کوئی نہیں۔ میں نے دنیا کو تیرے واسطے پیدا کیا۔ بادشاہوں کو آرزو تھی کہ وہ تیرے عہد میں بہترین دین کی اشاعت کریں۔ کیومرث سے لے کر تیرے زمانے تک تین ہزار سال گزرے ہیں اور تیرے بعد سے قیامت تک تین ہزار سال گزریں گے۔ میں نے تجھے درمیانی وقت میں پیدا کیا کیونکہ درمیانی درجہ قابل تعریف ہوتا ہے۔ میں نے گشتاسپ جیسے بادشاہ کو جو اپنے دور میں سب سے بڑا عالم اور عاقل ہے، تیرا فرماں بردار بنایا۔ جان لے کہ انسان کا کمال علم و ادب سے ہے، نسب سے نہیں۔ میں نے تجھے اوستا جیسی کتاب دی، اسی طرح اس کی ایک واضح تفسیر بھی دی۔ اب یہ اُمید نہ رکھنا کہ دوسرے لوگ تیرے لیے نیک عمل کریں گے۔ جان لے کہ گجستہ نے جو شیطان ہے، دو دیو دیر اور پس نام کے مقرر کیے ہیں جو نیک عمل کرنے کو موخر یا پس پشت ڈالتے رہتے ہیں۔

بانوے واں دروازہ: جو چیزیں مردہ کی وجہ سے ریمن یعنی نجس ہو جائیں، انہیں پادیاب اور پانی سے دھو لیں۔ سونا ایک بار، چاندی دو بار، ٹین اور پیتل تین بار، فولاد چار بار اور پتھر کی بنی ہوئی چیزیں چھ بار دھوئیں۔ لکڑی اور مٹی کے برتن پھینک دیں۔ پادیاب کے معنی ہیں، دُعا کے ساتھ پانی سے دھونا۔

ترانوے واں دروازہ: ور ہرام کی آگ اور اس کے خادم کی پوری حفاظت کرے۔ ہر شب کو آگ روشن کرا اور اس پر عمدہ خوشبو چھڑک دے۔ ور ہرام ایک فرشتے کا نام ہے، جو فتح و ظفر کا مالک ہے اور اس پر متعین ہے۔

چورانوے واں دروازہ: گہنبار کرنا چاہیے اور ان کی تعداد چھ ہے، اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کو چھ وقفوں میں پیدا کیا ہے۔ ہر وقفہ کے شروع کا ایک نام ہے۔ اس کے آغاز کی تعظیم میں پانچ روز عیش و طرب میں گزارتے ہیں جیسا کہ ژند میں مذکور ہے۔ کہتے ہیں کہ خداوند ہرمز نے سارے عالم کو ایک سال میں پیدا کیا۔

پہلا گہنبار جو میدیوزرم کہلاتا ہے، اردی بہشت ماہ میں خور کا دن ہے (گیارہویں تاریخ) خدا نے اس روز آسمان پیدا کرنا شروع کیا اور پینتالیس دن میں اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

دوسرا گہنبار جس کا نام میدیوشم ہے، پرانے تیر ماہ میں خور کا دن ہے۔ خدا نے اس روز سے لے کر ساٹھ روز کی مدت میں پانی بنانے کا کام انجام دیا۔

تیسرا گہنبار جس کو پتی شہیم کہتے ہیں، پرانے شہریور مہینہ میں اشتاد کا دن ہے۔ (چھبیسویں تاریخ) اس روز سے پچھتر روز تک کی مدت میں زمین پیدا کرنے کا کام انجام دیا۔

چوتھا گہنبار جس کا نام ایاسرم ہے، پرانے مہر ماہ میں اشتاد کا دن ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس روز سے تیس روز تک میں نباتات اور زمین سے اگنے والی چیزوں کو بنانے کا کام انجام دیا۔

پانچواں گہنبار جو میدیاریم کے نام سے موسوم ہے، پرانے اردی مہینہ یعنی نومبر میں مہر کا دن ہے (سولہویں تاریخ) خدا تعالیٰ نے اس روز سے اسّی (۸۰) روز تک حیوانات پیدا کیے۔

چھٹا گہنبار جس کا نام ہمسپتمدم ہے، اہنود کا دن ہے جو خمسۂ مسترقہ (پانچ ایرانی زائد دن) میں پہلا روز ہے۔ خدائے برتر نے اس روز سے پچھتر دن کی مدت میں بنی نوع انسان کو پیدا کیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جشن گہنبار کی بنیاد ڈالنے والا جمشید تھا۔ صدور میں مذکور ہے کہ ایک دیو ایک روز جمشید کے محل میں آیا، بادشاہ نے حسبِ عادت اس کو باورچی خانہ میں بھیجا تا کہ کھا کے آسودہ ہو جائے۔ دیو نے باورچی خانہ میں جو کچھ تھا، سب کچھ کھا ڈالا اور جو کچھ بھی اس کے سامنے لاتے سب کھا جاتا تھا مگر آسودہ نہ ہوتا تھا۔ جمشید نے خدا کے سامنے فریاد کی۔ اس نے بہمن یعنی جبرئیل کو بھیجا تا کہ جمشید سے اس کا یہ پیغام کہہ دے کہ ایک سرخ بیل ذبح کر اور اس کے اوپر لہسن، سرکہ اور سداب (پودینہ جیسی ایک گھاس) ڈال دے۔ جب سب مل کر پک جائیں تو دیگ سے نکال کر دیو کو دے۔ جب لوگوں نے یہ عمل کیا تو جیسے ہی دیو نے اس میں سے ایک لقمہ کھایا، بھاگ نکلا اور غائب ہو گیا۔ اُسی روز سے لوگوں نے گہنبار کے جشن کی بنیاد ڈالی۔

آبادی مذہب کے پیروکار کہتے ہیں کہ خدا کے کام وقت اور زمانہ کے پابند نہیں ہیں۔ لہٰذا جاننا چاہیے کہ گہنبار کا موجد جمشید تھا۔ اوّل گہنبار جوار دی بہشت میں خور کا دن ہے، اسی روز جمشید نے خدا کے حکم سے اپنے محل کی چھت پر آسمان کی شکل کا نقش بنانا شروع کیا اور پینتالیس دن میں اسے انجام دیا۔ پھر تیر کے مہینے میں خور کے دن حکمِ خداوندی سے اپنے محل، باغات، شہروں اور کھیتوں میں پانی پہنچانا شروع کیا اور ساٹھ روز میں یہ کام پورا کیا۔ بعد ازاں شہریور مہینے میں اشتاد کے دن باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ کے حکم سے زمین اور محل کو صاف کیا اور اس کو آراستہ کیا۔ محل کے سامنے والے میدان کو ہموار کیا۔ مکانات بنوائے۔ شہر اور اس میں اچھی سڑکیں بنوائیں۔ یہ کام پچھتر دن میں انجام دیا۔ اس کے بعد مہر ماہ میں اشتاد کے روز مختلف قسم کی نباتات کے خواص کی تحقیق کرنی شروع کی اور اپنے باغ کو آراستہ کیا۔ یہ کام تیس دن میں ختم کیا۔ پھر دی کے مہینے میں مہر کے روز ہر قسم کے حیوانات کو اپنے باغ میں جمع کیا اور ہر ایک کے لیے مناسب کام مقرر کیا۔ بیل اور گدھے کو بار برداری کے لیے اور گھوڑے کو سواری کے لیے۔ اسی طرح دوسرے جانوروں کے لیے مناسب کام طے کیا۔ اس کام کو اسّی (۸۰) روز میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ بعد ازاں اہنود کے دن جو پانچ چُرائے ہوئے (خمسۂ مسترقہ

یعنی ایرانی سال کے پانچ زائد دن) دنوں میں پہلا ہے۔ سارے انسانوں کو بلایا اور مختلف کاموں پر مقرر کیا اور پچھتر دنوں میں یہ کام انجام دیا۔ تب جمشید نے کہا کہ خدا نے میرے توسط سے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا اور ہر گہنبار کے شروع میں پانچ روز خوشی منانے کا حکم دیا۔ یہ جو روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک دیو آیا اور جو کچھ اس نے پایا سب کھا گیا تو اس دیو سے نفسِ منحوس مراد ہے جو کھانا، سونا، خون بہانا اور اس قسم کے کاموں کو دوست رکھتا ہے اور ان سے کبھی آسودہ نہیں ہوتا۔ جب جمشید کی روح نے خدا سے درخواست کی تو عقل کا جبرئیل خدا کا یہ پیغام لے کر پہنچا۔ ''نفسِ بہیمی کہ بیل سے وہی مراد ہے، اس کو ذبح کر یعنی جو فضول چیزیں وہ مانگتا ہے، اسے نہ دے۔ پھر کم خوری کا سرکہ، مراقبہ کا لہسن اور خاموشی کا سداب بدن کے دیگ میں ڈال دے اور اس میں سے ایک لقمہ نفسِ شیطانی کو کھانے کے لیے دے، تاکہ وہ بھاگ نکلے۔'' جب جمشید نے یہ کام کیا تو دیو سے نجات پا گیا۔ یہ رمزیہ کلام ہے جو گہنبار کے متعلق زردشت نے لوگوں سے بیان کیا اور آبادیوں نے اس کا یہ حل پیش کیا ہے۔ زردشت کا سارا کلام رمزیہ ہے اور آبادیوں نے اسی طرح سب کو حل کیا ہے۔

پچانوے واں دروازہ: اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ نیکی کرے تو اس کو چاہیے کہ اس شخص کی نیکی کو فراموش نہ کرے۔

چھیانوے واں دروازہ: ہر روز تین مرتبہ سورج کی حمد و ثنا کریں۔ پھر چاند اور آگ کی بھی حمد و ثنا کریں۔

ستانوے واں دروازہ: مُردہ کو نہ روئیں کیونکہ یہ آنسو چینود پل (پلِ صراط) کے سامنے جمع ہو جاتے ہیں، اور اس پر سے گزرنے میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ پھر جب اوستا و ژند پڑھتے ہیں تو اس پر سے گزر سکتے ہیں۔

اٹھانوے واں دروازہ: ہر شخص، دستور، موبد (عالم) اور ہیربد (آتشکدہ کا خادم) کے پاس جائے اور جو کچھ وہ کہیں، اسے بغور سنے اور اسے مانے، اگرچہ اس کو اچھا معلوم نہ ہو۔

ننانوے واں دروازہ: بہدین کے پیرو کو چاہیے کہ اوستا و ژند کے رسم الخط کو سمجھے۔

سو واں دروازہ: موبد کو چاہیے کہ پہلوی زبان غیروں کو نہ سکھلائے، اس لیے کہ خدا نے زردشت سے فرمایا کہ اپنے صرف فرزندوں کو اس کی تعلیم دے۔

زردشتیوں کے رمُوز کے بعض فوائد کا بیان

آبادی مذہب کے پیرو کہتے ہیں کہ حضرت زردشت کے کلام کا دارومدار رمز و اشارات پر ہے، اس لیے کہ عوام کے نزدیک جو افسانہ عقل سے بعید ہے وہ بڑا شاندار معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے اس لیے کہ اگر ہم نے کسی نادان کو واجب الوجود کی ذات اور اس کی بے بنیادی کو سمجھانا چاہیں تو وہ سمجھ نہ پائے گا اور اگر عقول سے مجرد ہونے، نفوس کے بسیط ہونے اور آسمان اور ستاروں کی فضیلت کو بیان کریں تو وہ حیران رہ جائے گا۔ نیز وہ

روحانی لذتوں اور سزاؤں کو سمجھ نہیں سکتا اور حقیقت معلوم کر نہیں سکتا۔ لیکن شریعت کے رمزیہ کلام کے احکام خاص و عام دونوں کی سمجھ میں آ جاتے ہیں اور سب کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے اور اس کی اشاعت کرنا دنیا اور آخرت دونوں میں نیکنامی کا سبب ہوتا ہے۔ حقیقت، طریقت اور حکمت کے احوال کو خواص ضرور سمجھتے ہیں مگر بیشتر عوام ان کو ناپسند کرتے ہیں۔ لہٰذا حکمت کی باتوں کو شریعت کے لباس میں ظاہر کرنا چاہیے، تاکہ سب لوگ اس سے حسب حال مستفید ہوسکیں۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہوگیا تو جان لے کہ بعض یزدانیوں نے کہا ہے کہ کتاب ژند کی دو قسمیں ہیں۔ ایک صریح اور بغیر اشارہ کنایہ کے ہے جس کو مہ ژند (بڑی ژند) بھی کہتے ہیں اور دوسری رمز و اشارات پر مشتمل ہے، جس کو کِہ ژند (چھوٹی ژند) بھی کہتے ہیں۔ مہ ژند حضرت مہ آباد کی شریعت کی تجدید پر مشتمل تھی۔ جیسے آذر ساسان کی کتابیں مہ ژند اغیار مثلاً ترک اور بالخصوص رومیوں کے غلبہ کی وجہ سے غائب ہوگئی اور کِہ ژند باقی بچی، لیکن کِہ ژند کا بھی بڑا حصہ بعد کے حملوں کے دوران ضائع ہوگیا۔

مہ ژند کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نے حق تعالیٰ کو ہرمز کہا ہے۔ اس کی ہستی اور اس کی ذات کے مجرد اور بسیط ہونے کا درس دیا ہے۔ سب سے پہلے پیدا کی ہوئی ذات کو بہمن بزرگ سمجھا ہے اور فرور دین بزرگ بھی اس کا نام رکھا ہے۔ اور اسے بسیط و مجرد شمار کیا ہے، اور کہا ہے کہ اسی سے اردی بہشت بزرگ اور نفس اعلیٰ اور فلک اعظم کا جسم پیدا ہوا ہے اور اردی بہشت سے خورداد بزرگ، اس سے تیر بزرگ، اس سے مُرداد بزرگ، اس سے شہریور بزرگ، اس سے مہر بزرگ، اس سے آبان بزرگ، اس سے آذر بزرگ پیدا ہوئے ہیں جو افلاک کے حاکم ہیں اور یہ سب فرور دین بزرگ کے بعد بڑے ہیں اور مجموعی طور پر افلاک کے نام ہیں۔ دوسرے علمی و عملی مضامین میں مثلاً زند بار (بے ضرر حیوانات) کی حفاظت اور تند بار (موذی جانور) کو قتل کرنا، ان سب میں وہ دساتیر کے مطابق ہے۔

اشکانیوں کے عہد میں کِہ ژند پر عمل کرتے تھے، لیکن جب اردشیر ساسان دوم کا مطیع ہوگیا تو دساتیر اور مِہ ژند پر عمل کرتے ہوئے، زند بار کو قتل کرنے سے وہ احتراز کرتا تھا کیونکہ مِہ ژند بھی دساتیر کا ایک حصہ ہے۔ اس کے بعد دوسرے لوگ کِہ ژند پر عمل کرنے لگے۔ نوشیرواں اپنے معاصر آذر ساسان کے مشورہ سے دساتیر اور مِہ ژند پر عمل کرتے ہوئے، زند بار کو قتل کرنے سے پرہیز کرتا تھا۔ پھر اس کے بعد کے لوگ کِہ ژند کے احکام پر عمل کرنے لگے، یہاں تک کہ ساسان پنجم نے ایرانیوں کے حق میں لعنت کی اور یہ لوگ فقر و فاقہ میں گرفتار ہوگئے۔

بہترین دین کے پیرو کہتے ہیں کہ اہرمن زمانہ سے پیدا ہوا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ فرشتے اور آسمان موجود تھے، موجود ہیں اور موجود رہیں گے۔ جان لے کہ آذر ہوشنگیوں یعنی یزدانیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اگرچہ زردشت کا مذہب گشتاسپ سے لے کر یزدگرد کے زمانے تک پوری طرح رائج تھا، لیکن درمیانی بادشاہوں نے تاویل کر کے اس کو آذر ہوشنگ یعنی مہ آباد کی شریعت کے موافق بنا لیا تھا اور کسی طرح زند بار کو قتل کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اور زردشت کے کلام کو رمزیہ سمجھتے تھے اور جہاں کوئی بات آذر ہوشنگ کے مذہب کے

خلاف ہوتی، اس پر عمل نہ کرتے اور اس کی تاویل کرتے تھے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اردشیر بابکان اور ساسانی سلسلہ کے دوسرے سلاطین آذر ساسان خاندان کی تعظیم کرتے تھے اور اس طرح ان کی اطاعت کرتے تھے، جیسے کہ واقعی پیشکار اور غلام اپنے آقا کی اطاعت کرتے ہیں اور اُن لوگوں کو بادشاہِ حقیقی سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو اُن کا قائم مقام خیال کرتے تھے۔ چونکہ آذر ساسان کو بادشاہی کی خواہش نہ تھی، اس لیے اُن کے بجائے خود یہ لوگ حکومت کرتے تھے۔ بہرحال آذر ساسانی لوگ سوائے حضرت مہ آباد کے کسی اور طریقے پر عمل نہیں کرتے تھے۔ اور دوسرے مذہب کو بغیر تاویل کے پسند نہیں کرتے تھے۔ نیز زردشت کے کلام کے ظاہری مفہوم کی طرف ہرگز توجہ نہیں کرتے تھے۔ یعنی کلام زردشت کو حق تو سمجھتے تھے لیکن اس کی کتاب کی ظاہری عبارت کو رمزیہ قرار دیتے تھے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ اگلے زمانہ کے بادشاہ بالخصوص داراداراب، بہمن، اسفندیار، گشتاسب اور لہراسپ کا یہی عقیدہ تھا۔

اب اس کا موقع ہے کہ کچھ وہ رمز و اشارات بیان کیے جائیں جو آتش پرستوں (پیروانِ زردشت) کی جانب منسوب ہیں تا کہ حکمت رمز و اشارہ سے محفوظ رہے اور ناقص کے ہاتھ میں نہ جا پڑے اور کامل اس سے اپنا مقصد حاصل کر لے۔

مشہور ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کے خالق دو ہیں یزدان اور اہرمن۔ یزدان نے ایک بُرا خیال کیا کہ ایسا نہ ہو کوئی میرا مخالف پیدا ہو جائے جو میرا دشمن ہو۔ اس کے اس خیال سے اہرمن پیدا ہوا۔ بعض مقامات پر لکھا ہے کہ ایزد تنہا تھا، اس کو وحشت معلوم ہوئی، ایک بُرا خیال کیا تو اہرمن پیدا ہو گیا۔ ان کا بیان ہے کہ اہرمن دنیا سے باہر تھا، اس نے ایک سوراخ سے نظر دوڑائی تو یزدان کو قدر و منزلت کے ساتھ دیکھا۔ اس پر رشک کیا اور شر و فساد پیدا کرنے لگا۔ یزدان نے فرشتوں کو پیدا کیا تا کہ اس کے لشکر بن جائیں۔ اس لشکر کے ساتھ یزدان نے اہرمن سے جنگ کی اور جب یزدان اہرمن کو باز نہ رکھ سکا تو دونوں نے آپس میں صلح کر لی، اس شرط پر کہ اہرمن ایک مقررہ مدت تک دنیا میں رہے اور جب اہرمن دنیا سے نکل جائے گا تو دنیا خیر محض رہ جائے گی۔

حکیم بزرگوار جاماسپ کہتا ہے: جاننا چاہیے کہ دنیا کہہ کر اس سے بدن کی طرف اشارہ کیا گیا۔ یزدان سے روح مراد ہے اور اہرمن سے مراد طبیعت عنصری۔ فکر سے مراد نفس کے وہ برے خیالات ہیں جن کا مادی اشیا کی طرف میلان ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اہرمن نے شر و فساد پیدا کیا، اس جنگ سے مراد روح کی ذات پر قوی کا غلبہ ہے۔ اور یہ کہ وہ اس کو عالم سفلی کی طرف کھینچتا رہتا ہے اور اس میں بھی روح پر قوی کا غلبہ رہتا ہے۔ فرشتوں کو پیدا کرنے سے اشارہ ہے، اچھی صفات کو پیدا کرنا، پسندیدہ اخلاق اختیار کرنا اور قوی کو ریاضت کے ذریعہ اپنا تابع بنانا کیونکہ تابع قوتیں روح کی لشکر ہیں۔ صلح سے مراد یہ ہے کہ مذموم صفات جو ابلیس کا ہتھیار ہیں اور یکبارگی دُور نہیں ہوتیں، ان میں افراط و تفریط سے کنارہ کش ہو کر اعتدال کے راستے پر چلنا چاہیے۔ اہرمن کے ایک مقررہ مدت تک دنیا میں رہنے سے جسمانی قوتوں کا تسلط اور غلبہ مراد ہے۔ خاص

طور پر کمسنی کے دور میں اور بالغ ہونے سے پہلے تک بلکہ بعض اجسام میں جسمانی زندگی کے سارے اوقات میں ان ہی قوتوں کا غلبہ رہتا ہے۔ اہرمن کے دنیا سے نکل جانے سے مراد ہے، اختیاری موت جو طریقت اور سلوک ہے یا اضطراری موت جو فطری ہوتی ہے۔ جب روح آزاد ہو جاتی ہے تو خود کو کمالات سے متصف پاتی ہے اور اپنی مخصوص دنیا میں پہنچ جاتی ہے جو خیر محض ہے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ تاری یعنی تاریکی نے شید یعنی روشنی کا محاصرہ کر لیا اور اس کو مقید کر دیا تو فرشتے روشنی کی مدد کے لیے آئے۔ تاریکی نے اہرمن سے مدد مانگی جو تاریکی کا سرچشمہ ہے۔ فرشتوں نے اس کو بھی مغلوب کر دیا، لیکن معینہ مدت اور مقررہ مدت تک کی اسے مہلت دے دی اور تاریکی روشنی کے بُرے خیال سے پیدا ہوئی ہے۔ حکیم الٰہی جاماسپ کہتا ہے کہ اس روایت کی تاویل بھی اسی طرح ہے جیسا کہ گزر چکا۔ بہ ایں طور کہ روح نورانی جوہر ہے اور اس کی تاریکی جسمانی قوتیں ہیں۔ محاصرہ اور قید سے مراد ہے اس نورانی جوہر پر قویٰ کا تسلط اور غلبہ جس نے روح کو عالم سفلی کے ویرانہ کی طرف مائل کر رکھا ہے۔ فرشتوں کی مدد سے مراد ہے، عالم بالا کی روشنی کے سبب سے روح کی ترقی کی توفیق اور قدرت کا حاصل ہونا اور روح کا عالم عقلی میں جا پہنچنا۔ مہلت کا مطلب ہے طبیعی موت کے وقت تک قوتوں کا باقی رہنا اور برے خیال سے روح کا مادی اشیاء کی طرف میلان مراد ہے۔

داور ہوریار نے جو دارائے سکندر کا مصنف ہے۔ ایک مرتبہ راقم الحروف سے یزدان اور اہرمن الفاظ کے رمز کے متعلق دریافت کیا۔ اس کو بتلایا گیا کہ نور سے مراد وجود اور ظلمت سے مراد عدم ہے۔ یزدان نور ہے جو کہ وجود ہے اور اہرمن ظلمت ہے جو کہ عدم ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اہرمن یزدان کا مخالف ہے، اس بات کا اشارہ ہے کہ یزدان وجود ہے اور وجود کا مخالف سوائے عدم کے کچھ نہیں ہو سکتا۔

ان کا قول ہے کہ بیماریاں، سانپ، بچھو وغیرہ کو پیدا کرنا نامناسب کام ہے اور یہ سب کام اہرمن کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں جاماسپ کہتا ہے کہ بیماریاں جیسے جہالت، حماقت، غفلت، غرور، لاپروائی اور اذیت رساں بیماریاں جیسے غضب، شہوت، لالچ، حرص، حقد، حسد، کینہ، بخل، فریب و مکر وغیرہ یقینی طور پر روح سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ طبیعت عنصری کی پیداوار ہیں۔

ان لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ خیر کا فاعل فرشتہ اور شر کا فاعل اہرمن ہے اور خدا ان دونوں کاموں سے مبرا و پاک ہے۔ حکیم نامدار جاماسپ کہتا ہے کہ فرشتہ بھی روح ہے اور وہ نیکی کا فاعل ہے۔ اگر وہ حواس پر غالب آ جاتی ہے تو انسان اچھے اعمال و اقوال پر آمادہ ہوتا ہے، جو خیر کہلاتے ہیں۔ اہرمن جو شیطان ہے، یہاں اس سے مراد حواس کی فطرت ہے، اگر حواس روح پر غالب ہو جاتے ہیں تو اس کو حسی لذتوں کی طرف کھینچتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے اصل وطن کو بھول جاتی ہے اور یہی شر کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اختیار دے کر ان کے خیر و شر سے خود بری ہو گیا ہے۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ جس شخص نے کوئی غلطی کی، اس کی روح نے غضبِ الٰہی کے خوف سے فرار کا فیصلہ کیا اور نیچے اتر آئی۔ جاماسپ حکیم کہتا ہے کہ غلطی کا مطلب یہ ہے کہ روح خود

اپنے جوہر میں ناقص تھی۔ اس کا نیچے اترنا اس کا علویات کی طرف سے جسمانی تعلقات کی طرف گریز کرنا ہے۔ اور غضب سے فرار ہونے سے مراد روح کا جسم پروری کی جانب مائل ہونا ہے یہاں تک کہ فیضِ الٰہی اس سے بالکل ہی زائل ہو جائے۔

یہاں تک حکیم جاماسپ کی تاویلات وتشریحات تھیں۔ بہر حال زردشت کے اقوال کا دارومدار اشارہ وکنایہ پر ہے۔ چنانچہ شہنشاہ بہمن بن شہزادہ اسفند یار بن گشتاسپ نے کہا کہ زردشت نے مجھ سے بیان کیا کہ میرے باپ اور ماں نے مجھے دائیوں کے حوالہ کر دیا جو میرے شہر سے دور دراز مقام پر رہتی تھیں۔ میں نے وہاں عرصہ دراز تک زندگی گزاری، یہاں تک کہ میں اپنے باپ، ماں اور شہر کو بھول گیا۔ یکا یک میرے دل میں خیال گزرا کہ میرے باپ اور ماں کون ہیں اور میرا وطن کہاں ہے۔ میں نے جدوجہد کی تو جس راہ سے میں آیا تھا، اسی سے برہنہ واپس ہوا اور اپنے گھر جا کر اپنے باپ اور ماں کو دیکھا اور پھر واپس لوٹ کر اسی جگہ آ گیا ہوں، جہاں پر دائیاں رہتی ہیں۔ اس لیے کہ اس مقام کے لوگوں کے کپڑے میرے جسم پر تھے۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ کہیں کہ خدمت انجام نہیں دے سکا اور ہمارے کپڑوں کو ذلیل وخوار چھوڑ کر بھاگ گیا۔ لہٰذا جب تک کہ یہ کپڑا پھٹ نہ جائے گا، میں اسی جگہ رہوں گا، اس کے بعد واپس لوٹوں گا۔

بہمن بن اسفند یار نے کہا کہ جو کچھ زردشت نے فرمایا اشارہ کنایہ ہے۔ شہر مکان اور لباس عالم ملکوت ہے۔ باپ عقلِ اوّل، ماں نفسِ کل اور دائیاں یہ عالم سفلی اور بدن سے تعلق ہے۔ وطن فراموش کرنے سے مراد عنصری بدن کا خوگر بن جانا ہے۔ یاد آنے سے مراد اس طرف کی کشش اور ریاضت کے ذریعہ اس مقام پر پہنچنا ہے۔ برہنہ ہونا جسمانی تعلقات سے علیحدہ ہونا ہے اور پھر یہاں پر آ جانے سے مراد بدن کی طرف لوٹ آنا ہے اور یہ کہ لوگ ایسا نہ کہیں کہ خدمت سے ڈر گیا اور کپڑے چھوڑ کر بھاگ نکلا اور جب تک کپڑا پھٹ نہ جائے گا، یہاں سے نہ جاؤں گا۔ تو خدمت سے مراد ہے، علم وعمل کا سرمایہ جمع کرنا اور کپڑا پھٹ جانے سے مراد اجزائے جسمانی کا نیست و نابود ہو جانا ہے یعنی جب تک جسم باقی ہے، میں بھی باقی رہوں گا۔ بعد ازاں اپنے وطن کو لوٹ جاؤں گا۔

شہزادہ اسفند یار بن گشتاسپ شاہ کہتا ہے کہ زردشت نے مجھ سے بیان کیا کہ کچھ لوگ اپنے شہر سے باہر نکلے تاکہ دولت جمع کریں اور پھر اپنے گھروں کو واپس جا کر عیش وآرام میں مشغول ہوں۔ جب یہ لوگ اس شہر میں پہنچے جہاں جانا چاہتے تھے تو بعض لوگوں نے چاندی جمع کی۔ کچھ لوگ شہر اور اس کے عجائبات دیکھنے میں مشغول ہو گئے اور بعضے بیکار گھومتے رہتے تھے۔ جب رختِ سفر باندھنے کا وقت آیا تو بادشاہ نے ان لوگوں سے کہا کہ اس شہر سے باہر نکلو تاکہ دوسرے لوگ آئیں اور تمہاری طرح وہ بھی اپنا حصہ وصول کریں۔ یہ سب لوگ باہر نکل آئے بعضوں کے پاس زادِ راہ تھا۔ بعض بغیر توشہ کے تھے۔ کچھ سوار تھے اور کچھ لوگ پیدل۔ سامنے ایک جنگل آیا۔ راستہ دشوار گزار تھا، پتھر اور کانٹوں سے بھرا ہوا۔ نہ تو کہیں آبادی تھی اور نہ پانی یا سایہ تھا۔ چنانچہ جو سوار تھا اور توشہ بھی رکھتا تھا، وہ گزر گیا اور اپنے شہر میں پہنچ کر مسرت وشادمانی میں مشغول ہو گیا۔

جو شخص پیدل تھا، لیکن توشہ رکھتا تھا۔ وہ بھی گرتے پڑتے بڑی دشواری سے اپنی منزل پر پہنچ گیا اور اپنے سرمایہ کے مطابق شہر میں عیش و آرام کرنے لگا۔ لیکن وہاں کے دوسرے باشندوں اور معزز لوگوں کو دیکھ دیکھ کر جنہوں نے تجارت کے ذریعہ کافی دولت جمع کر لی تھی، وہ کڑھتا رہتا ہے۔ وہ لوگ جن کے پاس نہ سواری تھی نہ زادِ راہ، وہ اس خیالِ خام میں شہر سے باہر نکل آئے کہ بغیر توشہ کے اپنے شہر واپس پہنچ سکتے تھے لیکن جب کچھ دُور چلے تو تھک گئے اور کمزوری، بے سواری، بے زادی، راستے کی دشواری، دن میں دھوپ کی تیزی اور رات میں تاریکی کی وجہ سے آگے نہ چل سکے۔ مجبوراً اسی بادشاہ کے شہر میں واپس آ گئے، جہاں رہتے تھے۔ یہاں آ کر دیکھا کہ وہ مکانات، رہائش گاہیں، دوکانیں اور حجرے جو ان کے پاس تھے، دوسرے تاجروں کے قبضہ میں ہیں۔ یہ لوگ مجبور ہو گئے اور سوائے مزدوری کرنے اور بھیک مانگنے کے کوئی چارہ نہ دیکھا اور وہی پیشہ اختیار کر لیا۔

اسفند یار کہتا ہے کہ وہ شہر جہاں سے یہ لوگ تجارت کے ارادہ سے باہر نکلتے تھے، عالمِ ملکوت ہے اور جس شہر میں مال و دولت جمع کرنے کی غرض سے پہنچے، وہ عالمِ سفلی ہے۔ مکانات اور دوکانیں لوگوں کے بدن ہیں اور اس شہر کے باشندے حیوانات، نباتات اور جمادات ہیں۔ اس شہر کا بادشاہ طبیعت عنصری ہے۔ تاجروں نے جو دولت جمع کی تھی، وہ ان کے اقوال و اعمال اور بعض دوسروں نے جو تھوڑا سرمایہ جمع کیا تھا، وہ بغیر علم کی عبادت ہے اور بیکار لوگ وہ ہیں، جن کا سوائے سونے اور جماع کرنے کے کوئی کام نہ تھا۔ بادشاہ کی آواز سے مراد موت ہے، جو بدن کے مکانات سے باہر کرتی ہے۔ جنگل اور پہاڑ کرۂ زمہریر اور کرۂ نار ہیں۔ سواروں کی مثال عالم باعمل کی ہے، پیدل لوگوں کی مثال ہیں جو تھوڑا توشہ رکھتے ہیں، وہ لوگ ہیں جو عبادت تو کرتے ہیں، لیکن نہ اپنے بارے میں کچھ علم رکھتے ہیں اور نہ خدا کے متعلق۔ اور بغیر توشہ اور سواری والا وہ ہے جو علم و عمل دونوں سے خالی ہے۔ لہٰذا وہ عالم ملکوت کو نہیں پہنچ سکتا۔ ایسے لوگ پھر عالم عنصری میں واپس لوٹ آتے ہیں اور جو درجہ پہلے رکھتے تھے، اسے حاصل نہیں کر سکتے۔ اس سلسلے میں حکیم شاہ ناصر خسرو فرماتے ہیں:

چو در رہ بآن کار بیرون شود یکے نان بگیرد بزیرِ بغل

(جب کوئی شخص اس کام کے لیے راستہ میں باہر نکلتا ہے تو بطور زادِ راہ بغل کے نیچے ایک روٹی دبا لیتا ہے۔)

تو بے توشہ برگو چساں می روی ازیں تیرہ مرکز باوجِ زحل

(اگر تو بغیر توشہ کے ہے تو ذرا بتلا کہ اس تاریک مرکز سے زحل کی بلندی تک کیسے جا سکتا ہے۔)

زردشت کے بعض دوسرے رمزیہ کلام میں جو اس موقع پر نقل ہوئے ہیں، یوں لکھا ہے کہ جب لوگ بغیر توشہ اور پیدل ہونے کی وجہ سے واپس ہو کر بادشاہ کے شہر میں آتے ہیں تو اپنے عمدہ مکانات کو نہ پا کر غاروں اور گلیوں میں قیام کرتے ہیں اور مزدوری اور گداگری کرتے ہیں۔ اسفند یار کہتا ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب انسانی بدن کو چھوڑتے ہیں تو بے علم و عمل ہونے کی وجہ سے عالم علوی تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہٰذا عالم عنصری میں واپس لوٹ آتے ہیں اور انسانی بدن نہ پا کر جانوروں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ رمز بھی تقریباً ویسا ہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے، اس لیے اسے تفصیل کے ساتھ تحریر نہیں کیا گیا۔ صائب:

از رباط تن چوبگذشتی دگر معمورہ نیست زاد را ہے بر نمیداری ازیں منزل چرا

(جب بدن کی سرائے سے تو روانہ ہوگا تو دوسری بستی نہ ملے گی، پھر کیوں اس منزل سے زادِ راہ ساتھ نہیں لے لیتا۔)

نیز اسفند یار کہتا ہے کہ زردشت نے فرمایا کہ دو شخص ایک گھر میں ساتھ رہتے تھے، دونوں کے پاس کافی دولت تھی۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہمارے پاس دنیا کی ساری دولت ہے۔ اب ہم کو ایک معشوقہ چاہیے تاکہ اور آرام سے زندگی گزاریں۔ لہٰذا یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے ہم کو سفر کرنا چاہیے اور ایک شہر کا رُخ کیا، جہاں کے باشندے حسن و جمال میں مشہور تھے۔ یہ دونوں جب قافلے کے ساتھ وہاں پہنچے تو ایک ساتھی باغ کی تفریح میں مشغول ہوگیا اور اس شہر کی آرائش و زیبائش میں ایسا محو ہوگیا کہ کوئی کام نہ کر سکا، لیکن دوسرے ساتھی نے معشوقہ کو پالیا۔ اتنے میں یکا یک لوگوں نے باغ کا دروازہ بند کر دیا۔

اسفند یار کہتا ہے کہ زید اور عمر کو دو ساتھیوں کی مثال سمجھنا چاہیے۔ دولت اور پوشاک اصلی دنیا ہے اور حسینوں کا شہر یہ دنیا ہے۔ معشوقہ اچھا علم و عمل ہے۔ درندے، چوپائے، کیڑے مکوڑے اور جانوروں سے مراد غضب، شہوت، لالچ، بغض و حسد، حرص، کینہ اور بخل ہے۔ باغ کا سبزہ غفلت اور فریب ہے۔ باغ کا دروازہ، صندوق یا مٹکہ یا قبر یا جلانے کی جگہ ہے۔ باغ کا دروازہ بند کرنے سے مراد موت ہے۔ مٹکہ، سرداہہ اور قبر اس لیے شمار کیا کہ آذر ہوشنگ یعنی مہ آباد کے مذہب میں ہے کہ مردہ کی لاش کو شراب کے مٹکہ میں رکھیں اور اسی طرح صندوق اور مٹکہ میں لاش کو رکھتے رہے ہیں۔ قبر میں رکھنا خود رومیوں کا طریقہ ہے اور مرگھٹ ہندوؤں کی چیز ہے۔

گشتاسپ شاہ بھی زردشت سے نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا ایک شخص نے اپنے بیٹے کو ایک استاد کے سپرد کیا کہ اس کو اتنے عرصہ میں جو باتیں بادشاہ کی ندیمی کے لیے ضروری ہیں، سکھلا دے، لیکن وہ لڑکا خوشی، کھیل کود اور عیش و نشاط کی وجہ سے نہیں چاہتا تھا کہ زحمت اُٹھائے۔ وہ تعلیم حاصل کرنے میں دیر لگا رہا تھا مگر روز استاد کے لیے پوشیدہ طور سے اپنے گھر سے حلوا اور حسین عورتیں لاتا تھا، اس لیے کہ استاد کو ان چیزوں کی بڑی خواہش تھی۔ لہٰذا جب استاد کا زمانہ اسی طرح گزر گیا اور لڑکا بھی کھانے، جماع کرنے اور کھیل کود کا عادی بن گیا۔ اسی حال میں مقررہ مدت ختم ہوگئی، تو استاد زیادہ کھانے اور بکثرت عورتوں سے اختلاط رکھنے کی وجہ سے بیمار ہوگیا اور بسترِ مرگ پر پڑ گیا۔ لڑکے نے سمجھ لیا کہ اب اس کے لیے دوسری جگہ نہیں ہے اور اسے باپ اور ماں کے گھر لوٹ جانا ہے۔ پس جس وقت استاد بیمار پڑا، لڑکا اپنے معاملہ میں سوچنے لگا اور باپ اور ماں سے شرم اور جہالت کے عار اور شرمندگی کی وجہ سے ان کے پاس نہ جا سکا بلکہ غمگین گھومتا رہا اور پریشان رہا۔

گشتاسپ اس کی یوں تشریح کرتا ہے کہ استاد سے حواس خمسہ کی طرف اشارہ ہے اور لڑکا باقی رہنے والی روح ہے۔ باپ عقلِ کل اور ماں نفسِ کل ہے۔ شیرینی اور حسین عورتوں سے مراد دنیا کی ضروری لذتیں ہیں۔ لافانی روح حواسِ خمسہ اور حسنِ مشترک کے ذریعہ جو اس کے استاد ہیں، معقولات تک رسائی حاصل کرتی

ہے اور اپنی واپسی کے لیے توشہ جمع کرتی ہے تا کہ بادشاہِ حقیقی کی ندیمی کے لائق بن سکے۔ اگر اپنا مقصد حاصل نہیں کرتی تو جسم کے مرنے کے وقت اسے تکلیف ہوتی ہے اور چونکہ خواہشات کی عادی بن جاتی ہے اور نیکی اس کے اندر ہوتی نہیں ہے۔ اس لیے جسم سے جدا ہونے کے بعد اگر چہ اس میں عالم علوی تک پہنچنے کی صلاحیت باقی رہتی ہے۔ لیکن ننگ و عار کی وجہ سے وہاں ہرگز جانا نہیں چاہتی کہ اپنے ماں اور باپ یعنی نفس اور عقل سے آنکھیں چار کر سکے۔

حضرت داور ہور یار نے اس کتاب کے مصنف سے بیان کیا کہ میں نے زردشت کے رمزستان میں یہ عبارت دیکھی کہ بادشاہِ عالم کے وزیر کے بہت سے لڑکے ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ان لڑکوں کو شروع میں مکتب بھیج دیا تا کہ رعایا کے بچوں کے ساتھ یہ بھی مکتب میں علم حاصل کریں۔ اب اگر وزیر کے لڑکے عالم بن جاتے ہیں تو دستوران کو اپنے پاس بلاتا ہے اور ان کو بادشاہ کے مقرب بندوں میں شامل کر دیتا ہے لیکن اگر جاہل رہ جاتے ہیں تو ان کو وزیر کے لڑکوں میں شمار نہیں کرتا اور رعایا میں شامل کر دیتا ہے اور اپنے پاس نہیں آنے دیتا اور اپنی میراث ان لڑکوں پر حرام قرار دیتا ہے۔

اس مصنف نے جواب دیا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہِ عالم سے خدائے بیچون کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے وزیر سے مراد عقلِ اوّل ہے اور وزیر کے لڑکے نفوس ناطقہ ہیں۔ مکتب عالم عنصری اور عناصر سے مرکب اجسام ہے۔ اور رعایا کے لڑکوں سے مراد حواس اور بدن کے قویٰ ہیں۔ جب لافانی روحیں اس مکتب میں علم حاصل کر لیتی ہیں تو عقلِ کل جو کہ باپ ہے، ان کو اپنے پاس بلا کر حضرت خدائے بے نیاز کے مقربوں میں شامل کر دیتا ہے، لیکن جن روحوں نے اس مکتب میں علم حاصل نہیں کیا، ان کو عالمِ مجردات میں جو عقلِ کل کا وطن نہیں ہے، جانے کا راستہ نہیں ملتا۔ اور وہ حضرت خدائے جہان آفرین کے مقربین سے دُور رہتی ہیں اور عناصر کے عالم اجسام سے جو رعایا کا مقام ہے، آگے ترقی نہیں کرتیں نیز عقلِ کل کی میراث سے جو کہ علم ہے، محروم رہتی ہیں۔

زردشت نے یہ بھی کہا کہ عالمِ علوی میں ایک بڑا سمندر ہے، اس بڑے سمندر کے بخارات سے عالمِ سفلی میں ایک بڑا سراب ظاہر ہوا اس طرح کہ دنیا میں بجز اس سراب کے کسی دوسری چیز کا وجود نہیں جیسا کہ عالمِ علوی میں اس بڑے سمندر کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں۔

حضرت داور ہور یار نے اس مصنف سے پوچھا کہ اس رمز کی کیا حقیقت ہے؟ اس کو جواب دیا گیا کہ بڑے سمندر سے اشارہ خدا کی ذاتِ مطلق اور وجودِ محض کی طرف ہے۔ اور سراب سے ممکنات کی جانب اشارہ ہے جو درحقیقت اپنا وجود نہیں رکھتے بلکہ وجودِ حقیقی کی خاصیت سے موجود نظر آتے ہیں جیسا کہ کہا کہ اس سمندر کے بخارات سے سراب ظاہر ہوا۔

زردشتیوں کی کتابوں اور قدمائے اہلِ ایران کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ جس وقت ارجاسپ نے دوسری بار بلخ پر لشکر کشی کی تو گشتاسپ شاہ اس زمانے میں سیستان میں زال کا مہمان تھا اور اسفندیار گنبدان کے

...میں مقید تھا، البتہ لہراسپ نے باوجود ساری ریاضتوں کے جو اس نے برداشت کی تھیں، فضلِ خداوندی سے ...ک کی حالت میں فانی لباس کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ترکوں نے اس شہر پر قبضہ کرلیا تو ربراتور نامی ترکی سپاہی ...نے جسے تور براتورش بھی کہتے ہیں، زردشت پیغمبر کی عبادت گاہ میں داخل ہو کر اس کو تلوار سے شہید کر دیا۔ ...ردشت پیغمبر کے ہاتھ میں شمار افراز یعنی تسبیح تھی، جسے یاد افراز بھی کہتے ہیں۔ اسے پیغمبر نے اس کے اوپر ...پھینک دیا تو اس سے چمکدار روشنی پیدا ہوئی۔ وہ آگ تور براتور کے اوپر گری اور اسے جلا کر خاکستر کر دیا۔

مزدکیوں کے عقائد کے بیان میں

مزدک شہنشاہ قباد کے عہدِ حکومت میں ایک پرہیزگار اور دانش مند شخص تھا۔ اس کے مذہب کی بڑی ...اشاعت ہوئی۔ آخر کار حضرت نوشیرواں نے اسے قتل کر ڈالا۔ وہ کہتا ہے کہ بغیر آغاز سے عالم کے دو خالق ...ہیں۔ خیر کا فاعل یزدان ہے جو نور ہے اور شر کا فاعل اہرمن ہے جو ظلمت ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر کا فاعل ہے اور اس ...سے بجز نیکی کے کوئی چیز صادر نہیں ہوتی۔ لہٰذا عقول، نفوس، افلاک اور ستارے یزدان کے پیدا کیے ہوئے ہیں ...اور اہرمن کو ان پر کوئی اختیار نہیں، نیز عناصر اور مرکبات حق تعالیٰ ہی نے پیدا کیے ہیں، اس لیے کہ آگ جس کو ...سردی لگ جائے، گرم کر دیتی ہے۔ جس پر گرمی کا اثر ہو، اس کو ہوا کا چلنا سرد اور ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ پانی پیاسے کو ...سیراب کرتا ہے اور مٹی سیر و تفریح کی جگہ ہے۔ یہی حال ان کے مرکبات کا ہے، مثلاً معدنیات کے اندر سونا اور ...چاندی، نباتات میں میوہ دار درخت اور حیوانات میں گائے، بھیڑ، گھوڑا، اونٹ اور پرہیزگار و سود بخش انسان ...سب یزدان کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ لیکن آگ کا جاندار کو جلانا، گرم ہوا کا جاندار کو ہلاک کر دینا، پانی کا کشتی ...ڈبو دینا، لوہے کا بدن کو کاٹ دینا، کانٹے کا بدن میں چبھنا، درندے، موذی جانور، شیر، چیتا، بچھو اور سانپ وغیرہ ...سب اہرمن کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ چونکہ فلک پر اہرمن کا اختیار نہیں، اس لیے اس کو بہشت کہتے ہیں۔ عالم ...عنصری میں اہرمن کا بھی تصرف ہے۔ اس لیے یہاں اختلاف کی صورت نمودار اور یہاں کی کوئی شکل و صورت ...پائیدار نہیں ہوتی مثلاً حق تعالیٰ زندگی بخشتا ہے اور اہرمن مار ڈالتا ہے۔ ایزد نے زندگی پیدا کی اور اہرمن نے ...موت۔ یزدان نے صحت پیدا کی اور اہرمن نے دکھ اور بیماری۔ عطایا بخشنے والے نے بہشت پیدا کی، اہرمن ...نے دوزخ۔ یزدان ہی پرستش کے لائق ہے۔ اس لیے کہ اس کا ملک وسیع ہے۔ اور سوائے عالم عنصری کے ...اہرمن کو اور کہیں کوئی اختیار نہیں، دوسرے، جو شخص یزدان پرست ہوگا، اس کی روح عالم علوی میں پہنچے گی اور ...شیطان پرست کی روح دوزخ میں رہے گی۔ لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ عقل مند خود کو اہرمن کی پیروی سے محفوظ ...رکھے۔ اگرچہ اہرمن اس کو ستائے گا لیکن جب وہ جسم سے آزاد ہو جائے گا تو اس کی روح آسمان پر پہنچ جائے ...گی اور اہرمن کو آسمان پر جانے کی طاقت نہیں۔

دیساتیر میں بعض مقامات پر مزدک کہتا ہے کہ وجود کی اصلیں دو ہیں۔ شید اور تار یعنی نور اور ظلمت۔ ...وہ ان سے یزدان اور اہرمن مراد لیتا ہے۔ کہتا ہے کہ نور کے افعال اختیاری ہیں اور ظلمت کے افعال اتفاقی۔ نور

عالم اور حساس ہے، لیکن ظلمت جاہل ہے۔ نور اور ظلمت کی آمیزش اتفاقی ہے اور نور کی ظلمت سے رہائی اتفاقی ہے، اختیاری نہیں۔ دنیا میں جو کچھ خیر اور فائدہ ہے، نور کی وجہ سے ہے اور شر و فساد ظلمت کی وجہ سے ہے۔ جب نور کے اجزاء ظلمت سے جدا ہو جائیں گے تو عالم کی ترکیب زائل ہو جائے گی اور یہی قیامت ہے۔ پھر اسی کتاب میں کہتا ہے کہ اصول و ارکان تین ہیں۔ پانی، زمین اور آگ۔ جب یہ تینوں آپس میں مل جاتے ہیں تو ان کی آمیزش سے خیر و شر کے مدبّر پیدا ہوتے ہیں۔ جو کچھ ان کے صاف اجزاء سے پیدا ہوتا ہے، وہ خیر کا مدبّر ہے اور جو چیز ان کے میلے اجزاء سے پیدا ہوتی ہے، وہ مدبّرِ شر ہے۔

نیز اسی کتاب میں لکھتا ہے کہ عالمِ اصلی میں یزدان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، جس طرح عالم سفلی میں سلاطین تختِ سلطنت میں بیٹھا کرتے ہیں، اور اس کی خدمت میں چار قوتیں ہیں، باز کشا یعنی قوتِ تمیز، یاد یعنی قوتِ حافظہ، دانا یعنی قوتِ فہم اور سورا یعنی مسرت، جس طرح بادشاہوں کے کار چار کے ذریعہ انجام پاتے ہیں۔ موبد موبدان، ہیربد ہیربدان، سپہ سالار لشکر اور ناظم سور و سرور اور یہ چاروں دوسرے سات کے ذریعے جو درجہ میں ان سے کم ہیں، دنیا کا انتظام کرتے ہیں: سالا، پیشکار، بانور، ذِیروان (خانقاہ کا متولی)، کارندہ، دستور اور غلام اور یہ ساتوں بارہ روحانی محور کے گرد گھومتے ہیں۔ پڑھنے والا، دینے والا، لینے والا، لے جانے والا، کھانے والا، دوڑنے والا، چرنے والا، قتل کرنے والا، مارنے والا، آنے والا، جانے والا اور ٹھہرنے والا۔ جس شخص کے اندر یہ چاروں قوتیں دوسری سات اور بارہ صفتوں کے ساتھ جمع ہو جاتی ہیں، وہ اس عالمِ سفلی میں پروردگار اور رب کے مثل ہو جاتا ہے اور اس سے فرائض ساقط ہو جاتے ہیں۔

اسی کتاب میں یہ بھی لکھتا ہے کہ وہ چیزیں جن سے نور راضی نہیں، ظلمت ان سے راضی ہے، ان میں باہمی دشمنی، جنگ اور جھگڑا رہتا ہے اور لوگوں میں اکثر جنگ و جدال کا سبب دولت اور عورت ہے۔ اس لیے عورتوں کو آزاد کر دینا چاہیے اور مال و دولت کو سب کے لیے جائز کر دینا چاہیے۔ چنانچہ اس نے سب لوگوں کو دولت اور عورت میں شریک بنا دیا۔ جس طرح آگ، پانی اور چارہ میں باہم شریک ہیں۔ نیز اسی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ بڑا سنگین ظلم ہے کہ کسی کی عورت حسین ہو اور دوسرے کی بیوی بدشکل۔ لہٰذا انصاف اور دینداری کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی حسین عورت کو چند روز کے لیے اس کو دے دے جس کی بیوی بدشکل ہے، اور اس کی بدشکل بیوی کچھ دنوں کے لیے خود لے لے۔

نیز اس نے کہا کہ یہ بات بالکل نامناسب اور ناجائز ہے کہ ایک شخص دولت مند ہو اور دوسرا نادار اور بے سروسامان ہو۔ دیندار شخص پر واجب ہے کہ اپنی دولت کو اپنے ہم مذہب کے ساتھ انصاف سے تقسیم کر دے اور زردشت کا مذہب اختیار کرے، نیز اپنی بیوی کو اس کے پاس بھیج دے تاکہ وہ بھی جنسی لذت سے محروم نہ رہے۔ لیکن اگر ہم مذہب شخص دولت حاصل کرنے سے عاجز ہو یا فضول خرچ ہو یا مثل دیو کے ہو یا دیوانہ ہو تو اسے اپنے گھر میں بند رکھے اور اس کی خوراک، پوشاک اور بستر کی خبر گیری کرے۔ جو شخص اس تقسیم پر راضی نہ ہو تو وہ شیطان پرست ہے، لوگ اس سے جبراً سب چھین لیں۔

فرہاد، شیراب، آئین ہوش، اس کے مذہب کے پیرو تھے، نیز محمد قلی کردی، اسماعیل بیگ گرجستانی اور احمدائی تیران کا باشندہ اسی مذہب کی پیروی کرتے تھے۔ تیران اصفہان کے قریب ایک گاؤں ہے۔ ان لوگوں سے یہ بات سنی گئی کہ آج کل مزدک کے پیرو آتش پرستوں کے لباس میں نہیں رہتے، بلکہ مسلمانوں کے درمیان رہتے ہوئے چھپ کر اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں اور انہوں نے مزدک کی کتاب جس کا نام دیسناد ہے، اس مصنف کو دکھلائی جو قدیم فارسی میں لکھی ہوئی ہے، اس کو آئین ہوش کے دادا آئین شکیب نے مرجہ فارسی زبان میں بھی ترجمہ کیا ہے۔

فرہاد ایک دانشمند شخص تھا، مسلمانوں میں اپنے کو محمد سعید کہتا تھا۔ شیراب اپنے کو شیر محمد کہتا تھا۔ اور آئین ہوش خود کو محمد عاقل کے نام سے موسوم کرتا تھا۔ چونکہ یہ تینوں اپنے علم میں ماہر تھے، اس لیے جو نام دیسناد میں لکھا ہوا ہے، وہ نام بھی رکھتے تھے۔ یہ تھی تفصیل پارسیوں کے عقائد کی جس کو بیان کرنے کا وعدہ شروع کتاب میں کیا گیا تھا۔ اس بیان میں سوائے ان باتوں کے جو اس فرقہ کی کتابوں میں درج ہیں، یا ان کی زبان سے سنی گئی ہیں، اور کوئی بات قطعاً نہیں لکھی گئی۔ اس لیے کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جو مخالفین محض دشمنی کی بنا پر ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

دوسرا باب

ہندوؤں کے عقائد کے بیان میں

اس باب میں بارہ فصلیں ہیں:

پہلی فصل بودھ میمانس کے عقائد کے بارے میں جن کو سمارتکان کہتے ہیں، یہ لوگ متشرع ہندو ہوتے ہیں۔

دوسری فصل آفرینش سے متعلق ان کی بیان کردہ چند باتوں کے بارے میں، ان کے پران یعنی تاریخ (قدیم) میں اس کا تذکرہ ہے۔

تیسری فصل سمارتکان اور متشرع ہندوؤں کے اعمال وافعال کے بارے میں۔

چوتھی فصل ویدانتوں کے عقائد کے بارے میں، جو ہندوؤں میں محقق اور صوفی سمجھے جاتے ہیں۔

پانچویں فصل سانکھیوں کے بیان میں۔

چھٹی فصل جوگیوں کے خیالات اور مقالات کے بارے میں۔

ساتویں فصل شاکیتوں کے عقائد کے بیان میں۔

آٹھویں فصل وشنو پرستوں کے اقوال واعمال کے بارے میں۔

نویں فصل چارواکیوں کے حالات کی تحقیق میں۔

دسویں فصل تارکاں کے بارے میں جو بڑے محقق اور مفکر ہوتے ہیں۔

گیارہویں فصل بودھ کے عقائد کے بارے میں۔

بارہویں فصل ہندوستانیوں کے مختلف عقائد کے بارے میں۔

متشرع ہندوؤں کے عقائد کے بارے میں

جب روزگارِ ناپائیدار نے اس مصنف کو پارسیوں سے جدا کر دیا تو تناسخ کا عقیدہ رکھنے والے صنم اور بت کو قبلہ بنانے والے اور مورتیوں کی پرستش کرنے والوں کی صحبت میں ڈال دیا۔ لہٰذا ان بارکی پیدا کرنے والے لوگوں کے عقائد پارسیوں کے بعد بیان کیے جاتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ ہندوؤں میں بہت سے مذہبی طریقے ہیں اور بے شمار مسلک اور مراسم ہیں، لیکن ان کے اندر زیادہ اہم وہ لوگ ہیں، جو دس فصلوں میں بیان کیے جائیں گے اور ان کے بزرگوں کی عظمت کی جانب اشارہ کیا جائے گا۔ اس گروہ کا دارومدار زردشت اور حکمائے متقدمین کی طرح رمز و اشارہ پر ہے، جیسا کہ آئندہ بیان سے ظاہر ہو جائے گا۔ اس مصنف نے اس گروہ کی کتابوں میں ان کے عقائد کو اس انداز پر کہ جو اب متروک ہو گیا ہے، جمع کر لیا تھا، لیکن ۱۰۶۳ھ (مطابق ۵۴-۱۶۵۳ء) میں جب مصنف شہر سرا کا کل میں تھا جو کلنگ کا دارالحکومت ہے تو چند معزز لوگ جن سے مصنف کا پہلے سے تعارف تھا، اپنے مقدس مقامات کی زیارت کے ارادہ سے اس راستے سے گزر رہے تھے۔ ان سے ملاقات کا موقع ملا تو بہت سی سنی ہوئی باتوں پر نظر ثانی کر کے تصحیح کر لی اور تحقیق کے قلم سے مشکوک باتوں پر خطِ بطلان کھینچ دیا۔ لہٰذا پہلی ترتیب اور دوسری ترتیب میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا۔

بودھ میمانس کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ سارا عالم حاکم حقیقی کے حکم کے تابع یا موجود حقیقی کے وجود کی بدولت قائم نہیں ہے۔ بلکہ خیر و شر اور ثواب و عقائد جو کچھ مخلوقات کو ملتا ہے، وہ سب خود ان کے اعمال و اقوال کا نتیجہ ہے۔ عالم کے سارے لوگ، اپنے اعمال کے جال اور اپنے افعال کی زنجیر کی قید میں مقید ہیں اور سوائے عمل کے کسی چیز کا نشان نہ پائیں گے۔ برہما جو بادشاہ ہے اور اشیاء کا خالق ہے۔ بشن جو ایک فرشتہ ہے اور چیزوں کا محافظ ہے نیز مہیش جو کہ روحانی اور ساری ہستیوں کو تباہ کرنے والا ہے، یہ سب اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ اور افعال پسندیدہ کی مدد سے ایسے بلند مرتبے پر پہنچے ہیں۔ برہما نے اپنی عبادت کے زور اور اطاعت کی قوت سے نیز ریاضت اور نیک کرداری کی بدولت دنیا کو پیدا کیا۔ چنانچہ بید (وید) جو اہل ہند کے عقیدہ کے مطابق آسمانی کتاب ہے، اس بات کو واضح طور پر بیان کرتی ہے یعنی ملکوتی مراتب میں سے ہر مرتبہ اور درجہ عمل صالح اور اخلاقِ حمیدہ پر منحصر ہے اور چونکہ نفس ناطقہ ملکوتی جواہر کی فطرت رکھتا ہے، اس لیے ملکوتی اخلاق و عادات کے ذریعہ بلند مدارج میں سے کوئی درجہ حاصل کر سکتا ہے اور ایک طویل مقررہ مدت تک بامراد اور ارجمند رہ سکتا ہے۔ مثلاً کوئی روح انسانی علم و عمل کے لحاظ سے اس درجہ پر پہنچ جائے کہ برہما کے منصب کے لائق ہو سکے تو موجودہ برہما کی مدتِ حکومت ختم ہونے کے بعد یہ مقررہ منصب اس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ یہی حال فرشتوں کے دوسرے مدارج کا ہے۔ اس عقیدہ کی اصل وہی ہے، جو فارس کے بعض حکمائے مفکرین نے بیان کی ہے کہ ارواح بشری پوری تکمیل کے بعد اجرام علوی سے وابستہ ہو جاتی ہیں اور نفوس فلکی کے بہت سے ادوار و مدارج کے بعد عقول عالیہ تک ترقی کر جاتی ہیں۔ موبد کہتا ہے:

بادۂ جانِ فلک ساقی بجامِ عقل ریخت پُر شراب روحِ انسان کرد نُہ مینائے چرخ
(ساقی نے جانِ فلک کی شراب کو عقل کے پیالہ میں ڈالا اور نو آسمان کے گنبدوں کو انسانی روح کی شراب سے بھر دیا۔)

عالم کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ علاوہ ازیں ساری روحیں اپنی گفتار و کردار کی زنجیر میں مقید ہیں چنانچہ جو بلند مرتبہ روح پست درجہ والوں کا عمل اختیار کرتی ہے، وہ بلند مرتبہ روحوں کا وہ درجہ حاصل نہیں کر سکتی جو اعلیٰ کردار کے لیے مخصوص ہے اور جو پست درجہ روح بلند مرتبہ روحوں کا عمل اختیار کرتی ہے، وہ اس بلند مرتبہ کو حاصل کر لیتی ہے۔ الغرض ان کو علم و شعور ان کے افعال و کردار کے مطابق عطا کیا جاتا ہے اور ان کی عقلوں میں صفائی بلند مراتب تک ان کی رسائی اور ان کے پسندیدہ اعمال کے مطابق ہوتی ہے اور ارواحِ انسانی کو حیوانی اجسام کا لباس پہنانا ان کے اعمال ہی کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اگرچہ سب لوگ اعضائے جسمانی کی ترکیب اور حواس میں یکساں ہیں لیکن شائستہ اور ناشائستہ اعمال ہی کی وجہ سے ایسا ہے کہ ایک شخص بادشاہ فرمانروا ہے تو دوسرا بندۂ بینوا۔ نیز قابلِ تعریف اعمال ہی کی وجہ سے ایسا ہے کہ ایک شخص کریم اور غنی ہے اور بُرے افعال کے ارتکاب کی وجہ سے دوسرا شخص لئیم اور فقیر ہے، کیونکہ غنی اور کریم کے بلند مرتبہ کا عمل کرنے والا فقر و فاقہ کی پستی میں نہیں گر سکتا اور حرص اور بخل جیسے اعمال کے ویرانہ میں بسنے والا کریم اور غنی کے درجہ کو نہیں پا سکتا۔ عالم ایک جڑ ہے اور عمل اس کی کھیتی ہے اور زمانہ اعمال کا محافظ و معاون ہے۔ کیونکہ جب وقت آ جاتا ہے تو وہ پھل پیدا کرتا ہے اور جس طرح یہ زمانہ ہر فصل میں پھول، ریحان اور پھل جو اس موسم کے مناسب ہیں پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح شائستہ اور ناشائستہ اعمال میں سے ہر عمل کے نتیجہ کو اس دور میں جو اس کے مناسب ہے، اس کے عامل سے متصل کر دیتا ہے۔ اعمال کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جنہیں کرنا چاہیے، دوسری وہ جنہیں نہ کرنا چاہیے۔ پہلی قسم وہ ہے جن کے کرنے کا بید یعنی اُن کی آسمانی کتاب میں حکم صادر ہوا ہے، جیسے مقررہ عبادات اور لازمی طاعات جو ہندوؤں میں رائج ہیں۔ نہ کرنے کے لائق اعمال وہ ہیں جن کے کرنے سے آسمانی کتاب کے کلام نے ممانعت کی ہے۔ مثلاً خون بہانا، چوری کرنا اور دوسری برائیاں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری عبادت اور طاعت سے بے نیاز ہے اور نہ اس کو ان مذکورہ عبادتوں کے لیے ہماری ضرورت ہے۔ بلکہ ہمارے سارے اعمال و افعال کا نتیجہ خواہ ثواب ہو یا عذاب وہی ہم سے متصل اور ہماری طرف پلٹ کر آتا ہے۔ مثلاً اگر بیمار پرہیز کو اپنا شعار بناتا ہے تو صحت جو اس کا مقصود ہے، اس کو حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر بری خواہشات کی طرف میلان کی وجہ سے جو امراض کے ساتھ رہتی ہیں، پرہیز سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے تو اس کی زندگی مکدر ہو جاتی ہے اور طبیب مریض کے نفع اور نقصان دونوں سے بے نیاز ہے۔ دنیا بمنزلۂ مرض ہے اور دنیا والے مریض ہیں اگر شائستہ اعمال کو پورے طور پر انجام دیتے ہیں اور ناشائستہ اعمال سے پرہیز کو ضروری سمجھتے ہیں تو صحت کا درجہ ان کو حاصل ہو جاتا ہے، جس کا بلند ترین درجہ جسم سے نجات اور عنبریں بہشت سے اتصال ہے۔ اس درجہ کو یہ لوگ مکت کہتے ہیں اور مکت کا بلند درجہ حاصل

کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس دنیا کی لذتوں میں نہ پڑے۔ زندگی کی فضولیات سے دل ہٹا لے اور ضروری مقدار پر قناعت کر لے، روزہ رکھے اور ایسی چیز سے افطار کرے، جو نفس خسیس کو پسند نہ آئے اس لیے کہ حالتِ مرض میں مادہ کی تحلیل کے لیے فاقہ کرنا اور کڑوی دوائیں پینا ضروری ہے۔

یہ ہے خلاصہ اس فرقہ کے عقائد کا جن کو اہلِ ہند بودھ میمانس کہتے ہیں اور یہ اقوال سراسر وہی ہیں جو یزدانیوں کے ہیں، سوائے اس کے کہ یزدانی مذہب کے پیرو واجب الوجود یعنی معبودِ حقیقی کے وجود کے قائل ہیں اور درجات کی بلندی اور پستی کے لیے اعمال و افعال کو ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ملکوتی مراتب کو لازم خیال کرتے ہیں اور ان کے نزدیک انسانی کمال ملائے اعلیٰ (فرشتوں کی جماعت) کی مصاحبت اور ہم نشینی سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن بودھ میمانس کے پیرو معبود قدیم و لازوال کے وجود کے قائل نہیں ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ حق مطلق سے مراد عین اعمال و افعال ہیں نیز جنت کی نعمتوں کے زوال اور ملکوتی درجہ کے فنا کے قائل ہیں۔ بہر حال آج کل متشرع ہندوؤں کے اکابر کے درمیان جو عقیدہ رائج ہے، وہ یہ ہے کہ یہ لوگ موجودِ حقیقی کے وجود کے قائل ہیں، جس کی بدولت عالم قائم ہے، لیکن اس کی ذاتِ مقدس کو مخلوقات تک آثار پہنچانے سے منزہ و مبرا سمجھتے ہیں اور مخلوق کو مذکورہ طریقے پر اعمال کی بیڑی اور افعال کی زنجیروں میں مقید خیال کرتے ہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

دوسری فصل:

ابداع و آفرینش سے متعلق اس فرقہ کی بیان کردہ چند باتوں کے بارے میں جن کو پران یعنی ان کی تاریخ نے ذکر کیا ہے۔

بھاگوت ہندوؤں کی معتبر تواریخ میں ہے، اس کے دوسرے حصے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پراکرت یعنی فطرت کے جسم پر ہستی کا لباس رکھا اور چودہ بھون یعنی چودہ تخلیقی اشکال کو ظاہر کیا۔ کرۂ اوّل زمین ہے، جس کی وسعت بعض اکابر نے پانچ کوٹ جوجن بتایا ہے۔ کوٹ ایک کروڑ جوجن ہوتا ہے۔ اور جوجن ایک اور ایک تہائی فرسنگ کے برابر ہوتا ہے۔ زمین کے اوپر پانی، اس کے اوپر آگ، اس سے اوپر ہوا، اس سے اوپر آسمان، اس سے اوپر آہنکار یعنی انانیت اور خودی اور اس سے اوپر مہت تت یعنی مادہ اور وہ اپنے نیچے والوں سے دس گنا بلند ہے اور پراکرت یعنی فطرت نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔ عارف ان ساری مذکورہ خلقتوں کے اندر داخل ہو کر اوپر چلا جاتا ہے اور دانشور زمین پر رہ جاتا ہے اور پانی کے ذریعہ ذائقہ کا، آگ کے ذریعہ شکلوں کا، ہوا کے ذریعے چھونے کی چیزوں میں سرد و خشک کا اور آسمان کے ذریعہ آواز کا ادراک کرتا ہے اور انہیں ادراک کرنے کا آلہ حواسِ ظاہری ہیں اور حسِ باطنی انانیت کا مقام ہے۔ اس کتاب کے اسی حصے میں ذکر ہے کہ آسمان کی فطرت میں صرف آوازوں کا ادراک کرنا ہے، ہوا کی فطرت آواز اور چھونے کا ادراک کرتی ہے اور سارے اجسام میں ہوا کی روح داخل ہے اور اسی کی وجہ سے حواس کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ آگ کی طبیعت آواز، چھونے اور شکل و صورت کا ادراک کرنے والی ہے اور پانی کی فطرت آواز، چھونے، صورت

اور ذائقہ کا ادراک کرتی ہے۔ اور زمین کی طبیعت آواز، چھونے، صورت، ذائقہ اور مہک کا ادراک کرتی ہے۔

آفرینش کے چودہ درجوں میں سے سات درجے حق تعالیٰ کے بدن کے بالائی حصہ یعنی کمر سے اوپر سے متعلق ہیں۔ اور سات دوسرے اس کے بدن کے زیریں حصہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان سب کی تفصیل یوں ہے: بھولوک یعنی زمین اور زمین پر بسنے والے حق کی کمر ہیں؛ بھنورلوک، اس کی ناف ہے؛ سورلوک دل ہے؛ مہرلوک اس کا سینہ ہے، جن لوک اس کی گردن ہے، تپہ لوک اس کی پیشانی ہے، ست لوک اس کا سر ہے، اتل لوک اس کی سرین اور مقعد ہے؛ بتل لوک اس کی ران؛ سوتل لوک اس کا زانو؛ تلاتل لوک اس کی پنڈلی؛ مہاتل لوک اس کا ٹخنہ؛ رساتل لوک پاؤں کا اوپری حصہ اور پاتال لوک پاؤں کا تلوا ہے۔

دوسرے انداز پر ایک تقسیم اور ہے جو صرف تین طبقوں میں منحصر ہے: بھولوک حق تعالیٰ کے پیر کا تلوا ہے؛ بھنورلوک اس کی ناف اور سورلوک اس کا سر ہے۔ ان کل چودہ طبقوں سے (تفصیل کے ساتھ) یا تین طبقوں سے (اجمال کے ساتھ) مراد شخص اعظم ہے، جو حق تعالیٰ ہے۔

اسی کتاب کے اس حصہ میں یہ بھی درج ہے کہ حق تعالیٰ سے سبھاد یعنی زمانہ اور طبیعت پیدا ہوئے اور زمانہ اور طبیعت سے پراکرت جس سے مراد سیمائی ہے، پیدا ہوا، پراکرت سے مہت تت موجود ہوا ورمہت تت جس سے مراد مادہ ہے، تین آہنکار یعنی خودی نے وجود پایا۔ جو ساتک، راجس اور تامس کہلاتے ہیں۔ ساتک سے مراد قوتِ عقلی ہے، راجس موافق کی کشش (قوتِ جاذبہ) کو کہتے ہیں جو کہ شہوت ہے اور تامس مخالف کو کہتے ہیں (قوتِ دافعہ) کرُنا جس کو عربی میں غضب سے موسوم کرتے ہیں۔ راجس سے حواس پیدا ہوئے اور ساتک سے طبائع اور خواص رکھنے والے موجود ہوئے اور تامس سے شبد، شورش، روپ، درشن اور گندھ یعنی سننے، چھونے، دیکھنے، چکھنے اور سونگھنے کی چیزیں پیدا ہوئیں اور ان پانچوں سے آسمان، ہوا، آگ، پانی اور مٹی ظاہر ہوئے اور تین مذکورہ طبیعتوں سے بشن، برہما اور مہیش جو تین بڑے فرشتے ہیں، عرصۂ وجود میں آئے اور صفتِ خالقیت کے واسطے برہما سے آٹھ دوسرے برہما موجود ہوئے اور مختلف درجے مثلاً روحانی، جسمانی، علوی، سفلی، جمادی، نباتی اور حیوانی ظاہر ہوئے۔

ان کے بعض اقوال میں حق تعالیٰ سے مراد زمانہ، عمل اور طبیعت ہے اور بعض دوسرے مقالات میں یہ تینوں حق تعالیٰ کے آلات بتائے گئے ہیں۔ بعض دوسرے بیانات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ حق تعالیٰ کو ایک نور سمجھتے ہیں۔ جس میں حد درجہ عظمت اور روشنی ہے اور وہ بے انتہا چمکدار اور روشن ہے، جسمانی ہے اور اجسام کا لباس پہننے والا ہے۔ بعض تعریفوں میں حق تعالیٰ ایک نورِ محض، خالص وجود اور سادہ ہستی ہے۔ مکان سے مبرا، حلول سے معرا اور جسمانیت سے منزہ ہے، مجرد، بسیط اور بغیر صفات کے ہے۔ اسی نے دنیا اور دنیا والوں کو پیدا کیا۔ دوسرے اقوال میں حق تعالیٰ ابتدا اور انتہا کا پیدا کرنے والا ہے، جس نے خود کو زمانہ کے آئینوں میں جو اجرامِ علوی و اجسامِ سفلی پر مشتمل ہیں، ظاہر کر دیا ہے۔

کتاب بھاگوت کے پہلے حصے میں مذکور ہے کہ موجودِ حقیقی ایک وجود خالص ہے۔ اکیلا ہے، نہ اس کا

کوئی مخالف ہے اور نہ ہمسر اور مختلف زبانوں میں بندوں کے عقائد کے لحاظ سے مختلف نام رکھتا ہے اور اس کے حضور میں پہنچنے کے لیے غضب وشہوت کا قلع قمع کرنا اور حواس کا زائل کرنا شرط ہے۔ یہ ذاتِ مقدس جس کا نام نارائن ہے، جس زمانے میں دنیا اور دنیا والے پانی میں غرق تھے، اس وقت اتنی تعداد کے سر، ہاتھ پیر اور صفت تت یعنی عقلی کے ساتھ ایک ناگ کے سر پر جس کا نام آدیس ہے جو زمین کو اُٹھائے ہوئے ہے، خواب وحدت میں تھا۔ اس شخص اعظم کی ناف سے ایک پھول جو ہندوستان میں کنول کے نام سے مشہور ہے، پیدا ہوا اور اس پھول سے برہما پیدا ہوا نیز اس موجودِ اکبر کے دوسرے اعضاء سے ساری مخلوقات عرصۂ وجود میں آئی۔

ان لوگوں کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مطلق اور وجودِ محض کو جو خالصیت کی منزل میں ہے، نرانجن کہتے ہیں یعنی ذات بے رنگ۔ اور کہتے ہیں کہ اس ذات نے جو جہات سے مبرا ہے، ایک شخص پیدا کیا، جس کا نام برہما رکھا اور اس کو آفرینش کا ذریعہ بنایا، اور باقی موجوداتِ عالم کو برہما نے نیستی کے پردے سے ہستی کی جلوہ گاہ میں ظاہر کیا۔ اسی طرح اس ذاتِ مقدس نے بشن کی ذات میں جلوہ دکھایا جس سے وہ اوتار ہو گیا اور جو کچھ برہما نے پیدا کیا، بشن کو اس کے تحفظ کا مرتبہ دیا اور باعث قرار دیا۔ بعد ازاں مہادیو کو پیدا کیا تاکہ جس وقت حکمتِ ازلی دنیا کو ظاہر سے باطن میں لے جانا چاہے تو وہ برہما کی پیدا کی ہوئی مخلوقات کو تباہ و برباد کردے۔ چنانچہ یہ دنیا ان ہی تینوں کارن (اسباب) کے ذریعہ نظام پذیر ہوئی۔ کہتے ہیں کہ برہما ایک معمر شخص ہے، جس کے چار سر ہیں اور نارائن یعنی بشن ایک قسم کا ہتھیار چکر، اپنے ہاتھ میں لیے ہے اور وہ ہمیشہ اوتار بنتا رہتا ہے۔ مشہور اوتار دس ہیں۔ اوتار کے معنی ہیں ظہور اور حلول۔ اور کارن سبب کو کہتے ہیں۔ برہما، بشن اور مہیش (مہادیو) کو ترکارن کہتے ہیں، تین اسباب۔

ست جُگ میں ایک راکشش تھا، جس کا نام سومک اسر تھا۔ اس نے بڑی ریاضت کی تھی اور خوارق عادات پر اسے قدرت حاصل ہو گئی تھی، چنانچہ انت بید جو برہما کے قبضہ میں تھا اور جس سے چاروں بید تیار کر کے لوگوں تک پہنچائے گئے ہیں، اسی کو لے کر وہ پانی کے اندر چلا گیا۔ پس بشن ماہ چیت کے پانچویں دن کشن پچھ میں مچھ اوتار بن گیا یعنی مچھلی کی شکل میں ظاہر ہوا اور پانی میں گھس کر راکشش کو قتل کر کے بید کو باہر نکال لایا اور یہ پہلا اوتار تھا۔ دوسرا کورم اوتار تھا جس کو کچھ اوتار بھی کہتے ہیں۔ انت بید یعنی بے شمار بید، مچھ بمعنی مچھلی، اوتار کے معنی ہیں حلول کرنا اور ظاہر ہونا۔ چیت ایک مہینے کا نام ہے۔ کشن پچھ مہینے کا وہ حصہ جس میں چاند کی روشنی نہیں ہوتی یعنی تاریک راتیں۔

چیت کی بارہویں تاریخ کو کشن پچھ میں کورم اوتار ظاہر ہوا۔ کہتے ہیں کہ فرشتوں اور دیووں نے واسک نامی ایک اژدہے کو لا کر رسی بنایا اور اسے ایک بڑے پہاڑ سے جس کا نام مندر تھا، باندھ کر اس پہاڑ کو شیرزنہ بنا کر بحرِ محیط میں گھمایا۔ نارائن اس پہاڑ کے نیچے کھڑا تھا تاکہ وہ گر نہ پڑے۔ اس طرح دودھ ... سے انہوں نے ماء الحیات حاصل کیا۔ چیت ایک مہینہ ہے اور کورم کچھوے کو کہتے ہیں اور ملک کلنگ میں انہوں نے کچھوے کا مجسمہ بنایا ہے۔ اس اعجاز آثار مقام کے عجائبات میں سے وہاں کا ایک حوض ہے، جس میں اگر کسی

برہمن یا گائے کی ہڈی ڈال دیں تو ایک سال کے بعد نصف پتھر بن جاتی ہے اور نصف ہڈی باقی رہتی ہے۔ جاننا چاہیے کہ ایران کے بعض ہیئت دانوں نے برج سرطان کو کشف یعنی کچھوہ کے مانند بتایا ہے۔ اور اسی نام سے خرچنگ کو یاد کیا ہے۔ جیسا کہ حکیم فردوسی نے کہا: ع کشف دید طالع خداوند ماہ۔

اور برج سرطان کو خداوند عالم سمجھتے ہیں، لہٰذا ممکن ہے کہ ہندوستان کے قدیم فلاسفہ کی مراد کُورم یعنی کشف (کچھوہ) سے اسی برج کی شکل ہو۔ مچھ یعنی مچھلی سے مراد برج حُوت ہے۔

تیسرا براہ اوتار ہے، جب ہرن نیاچہ نامی راکشش زمین کو اٹھا کر پانی کے اندر چلا گیا تو بشن نے چیت کی تیرھویں تاریخ کو شکل پچھ میں براہ کی شکل میں ظاہر ہو کر راکشش کو اپنے دانتوں سے ہلاک کر ڈالا اور زمین کو باہر نکالا۔ شکل پچھ مہینے کے روشن حصہ کو براہ سور کو کہتے ہیں۔

چوتھا نرسنگھ اوتار ہے۔ ہرن کشپ نامی ایک راکشش تھا، اس کا لڑکا پرہلاد بشن کی پوجا کرتا تھا اور وہ بشن پرستی کی وجہ سے لڑکے کو ستاتا تھا۔ لہٰذا بیساکھ کے مہینے کی چودھویں تاریخ کو شکل پچھ میں بشن نرسنگھ کی شکل میں ظاہر ہوا جس کا سر اور پنجہ شیر کا تھا اور دھڑ آدمی کا تھا اور اس نے ہرن کشپ کو ہلاک کر دیا۔

پانچواں وامنہ اوتار ہے۔ جب بلدیت جو ایک راکشس تھا، عبادت و ریاضت کی وجہ سے تین طبقوں کا مالک ہو گیا یعنی زمین کے نیچے اور زمین کے اوپر اور آسمان کا اور فرشتوں کا فرائض انجام دینا دشوار ہو گیا اور ان کی حکومت ختم ہو گئی تو بشن بھادوں کی بارہویں تاریخ کو شکل پچھ یعنی مہینے کے نصف روشن حصہ میں وامنہ اوتار کی شکل میں بل کے پاس آیا اور اس سے تین قدم چلنے کی زمین مانگی۔ بل نے قبول کیا لیکن سکر یعنی زہرہ ستارے نے جو بھوتوں کا مرشد اور مربی ہے، بل کو زمین دینے سے منع کیا اور کہا کہ یہ بشن ہے تجھ کو دھوکا دے گا۔ بل نے جواب دیا کہ اگر وہ مجھ سے بھیک مانگتا ہے تو اس سے بہتر اور کیا ہے۔ اس پر بشن نے ایک قدم سے ساری زمین لے لی۔ دوسرے قدم سے آسمان لیا اور تیسرا قدم اس کے ناف پر رکھ کر بل سے کہا کہ اسے کہاں رکھوں۔ بل نے سر جھکا دیا تو بشن نے جان بوجھ کر اس پر پیر رکھا اور بل کو زمین کے نیچے بھیج دیا۔ اب تک کئی لاکھ سال گزر چکے ہیں، جب سے وہ زمین کے زیریں حصے کا بادشاہ ہے۔ وامنہ پست قامت کو کہتے ہیں اور اس نام کا ایک پست قامت برہمن بھی تھا۔

چھٹا پرسرام اوتار ہے۔ جب چھتریوں کا گروہ بدکار ہو گیا تو بھادوں کی ساتویں تاریخ کو شکل پچھ (مہینے کا نصف روشن زمانہ) میں بشن پرسُرام کی شکل میں ظاہر ہوا جو برہمن کی نسل سے تھا۔ اس نے چھتریوں کو مار ڈالا۔ یہاں تک کہ عورتوں کے شکم کو چاک کر کے بچہ نکال کر مار ڈالتا تھا۔ پرسرام زندۂ جاوید ہے اور اس کو چُرن جیو کہتے ہیں۔

ساتواں رام اوتار ہے۔ جب راون راکشس کا، جو سارے راکشسوں کا حاکم اور سردار تھا، ظلم حد سے بڑھ گیا تو چیت کی نویں تاریخ کو شکل پچھ میں بشن رام کی شکل میں ظاہر ہوا جو چھتریوں کی نسل سے تھا۔ اس وقت راون کو جو لنکا کے راکشسوں کا سردار تھا، اس نے شکست دی۔ لنکا دریائے شور کے وسط میں ایک قلعہ

ہے، جو طلائی اینٹوں سے بنا ہوا ہے۔ اور رام کی بیوی سیتا کو جسے وہ اٹھا لایا تھا، اس نے واپس لیا۔ ان لوگوں کی زبان میں راکشس عفریت کو کہتے ہیں، جس کے معنی دیو اور خبیث ہیں۔

آٹھواں کرشن اوتار ہے۔ جب دواپر جگ میں کنس راکشس وغیرہ کو مارنے کے لیے بھادوں کی آٹھویں تاریخ کوشن پچھ میں بشن نے کرشن کی شکل میں ظاہر ہو کر کنس کو ہلاک کیا۔ کرشن بھی چھتری تھا۔

نواں بودھ اوتار ہے۔ جب دواپر جگ کے دس سال باقی رہ گئے تھے تو شیطانوں اور جنوں کو ہلاک کرنے کے لیے جورات پیدا کرتے تھے، بیساکھ کی تیسری تاریخ کوشکل پچھ میں بشن بدھ کی شکل میں ظاہر ہوا۔

دسواں کلجگ کے آخری دور میں ملیچھ لوگوں یعنی ہندوؤں کے دشمنوں کو مارنے کے لیے بھادوں کی تیسری تاریخ کوشکل پچھ میں شہر سنبھل جسا نامی برہمن کے گھر میں کلکی اوتار ظاہر ہوگا۔ وہ ایک برہمن ہوگا اور دنیا میں فتنہ وفساد کو ختم کر دے گا اور ملیچوں یعنی مسلمان، عیسائی اور یہود وغیرہ کا غلبہ باقی نہ رہے گا۔ اس کے بعد ست جگ (عہدِ زرّیں) شروع ہوگا۔

ان لوگوں کا قول ہے کہ عالمِ ممکنات کی ہستیوں اور بسنے والوں کے لیے وجوب کی دارالحکومت میں جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اور خالق کی ذات اس سے برتر ہے، کہ کوئی مخلوق اس کی معرفت میں کامیاب ہو سکے۔ باوجود اس کے لوگ اس کی معرفت اور بندگی کے مکلف ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ تنزّہ اور اطلاق کے درجے سے اُتر کر فرشتہ، حیوان اور انسان وغیرہ ہر نوع کے اندر ظاہر ہو کر ان کو اپنی معرفت میں کامیاب بنائے۔ نیز کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرماں برداروں کی خواہش اور ان کے دلوں کی تسلی کے لیے ان لوگوں کے گھروں میں ظہور فرماتا ہے اور اس مظہر کو اوتار کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس میں کوئی نقص کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ شیدوش ابن انوش نے اس خیال کی یوں تشریح کی ہے کہ صوفیہ کے نزدیک مقرر ہے کہ عقلِ اوّل اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور نفسِ کل اس کی حیات ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی صفتیں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا برہما سے صفتِ خالقیت مراد لیتے ہیں اور یہ جو اُن کا قول ہے کہ برہما بُوڑھا ہے، تو بڑھاپے سے اس کا کمال مراد ہے۔ حکماء نے بھی عقلِ اوّل کو آدمِ معنوی اور نفسِ کُل کو حوّائے معنوی بتایا ہے۔ حکیم سنائی نے کہا ہے:

پدر و مادر جہان لطیف نفس گویا شناس و عقل شریف

(اس حسین دنیا کے باپ اور ماں عقلِ شریف اور نفس ناطقہ کو سمجھو۔)

بشن سے اس کی صفتِ محبت مراد ہے اور نفسِ کُل بھی مراد لیتے ہیں اور جو روح فلک اوّل کے نفس سے فیض رسانی کرتی ہے، اسے اوتار کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان لوگوں نے کہا ہے کہ اوتار بشن کی ذات کے پرتو اور عکس ہیں۔

لیکن اس گروہ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ رام کی روح بعینہٖ اس کے بدن سے قطع تعلق کے بعد کرشن کے بدن سے وابستہ ہوگئی۔ اس لیے کہ خود یہ لوگ کہتے ہیں کہ پرسرام اوتار جو اوتار ششم ہے، حیات جاوید رکھتا ہے

اور اس کا بدن ابدی ہے۔

جب رام اوتار ہو گیا تو ایک راستے میں دونوں آمنے سامنے آ گئے۔ پرسُرام نے جنگ کے ارادے سے رام کا راستہ روک لیا۔ رام نے کہا کہ تُو برہمن ہے اور میں چھتری۔ لہٰذا مجھ پر تیری تعظیم واجب ہے۔ بعد ازاں اپنی کمان کے گوشہ کو پرسرام کے پیر تک پہنچا کر اس کی ساری طاقت سلب کر لی۔ جب پرسُرام نے اپنے اندر طاقت نہ پائی تو رام سے اس کا نام پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ رام۔ پرسُرام نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا کیا رام اوتار ہو گیا؟ اس نے جواب دیا ہاں! پرسُرام نے کہا کہ میری مار کا اثر لوٹنے والا نہیں۔ میں نے تیری عقل کو زائل کر دیا۔ اسی وجہ سے رام کو اپنی ذات کا علم نہ تھا اور اپنی حقیقت کو نہیں جانتا تھا۔ اسی وجہ سے اسے مگد اوتار یعنی سادہ لوح کہتے ہیں۔

بشست جو ایک رکھیشر (رشی) یعنی ریاضت کرنے والا تھا اور اب اپنی بیوی کے ساتھ آسمان پر چلا گیا تھا، اور ستاروں میں شمار ہونے لگا، وہ رام کا استاد تھا۔ اس نے اس کو خود شناسی کے درجے پر پہنچایا تھا۔ بالمیک رکھیشر (رشی) نے اس کی نصیحتوں کو رام کی تاریخ میں جس کو راماین کہتے ہیں، نقل کیا ہے۔ ان نصیحتوں کو جوگ بشست کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ایک کشمیری برہمن نے ان میں سے بعض واقعات کا انتخاب کیا ہے اور ملا محمد صوفی نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔

مختصر یہ کہ جب رام نے پرسُرام سے یہ بات سنی تو کہا کہ میرا تیر خطا نہیں کرتا اور کئی تیر چلائے جو بہشت کے دربان بن گئے ہیں اور پرسُرام کو بہشت میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ یہ رمز یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ نرائن کے اوتار ایک دوسرے کے عین نہیں ہو سکتے، کیونکہ پرسرام اور رام دونوں بشن کے اوتار ہیں، پھر بھی انہوں نے ایک دوسرے کو نہیں پہچانا۔ دوسرے یہ کہ حکماء کے نزدیک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایک روح ایک ہی موقع پر دو مختلف جسموں سے وابستہ نہیں ہو سکتی، پس یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ روحیں نفسِ کل کی طرف سے فائض ہوتی ہیں اور یہ لوگ ان کو نرائن کے اوتار کہتے ہیں اور نرائن نفسِ عرش کو کہتے ہیں۔ یہ جو کہتے ہیں کہ نرائن خدا ہے اور اس کے اوتاروں کو خدا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس لباس میں ظہور فرمایا ہے۔ تو اس سے اس بات کا اشارہ ہے کہ نرائنؔ سے مراد نفسِ کُل ہے جس کو صوفیہ حیات اللہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ چونکہ حیات حق تعالیٰ کی صفت ہے اور صفاتِ کمال عین ذاتِ مقدس ہیں، اس لیے جو روحیں نفسِ کل سے یعنی نفسِ فلک اعلیٰ سے جو (بقولِ صوفیہ) حیات اللہ ہیں، فائض ہوتی ہیں، وہ خود کو پہچانتی ہیں اور علم و عمل کے زیور سے آراستہ ہوتی ہیں۔ اور جب بدن سے رہائی پاتی ہیں تو نفسِ کل سے جو بشن اور حیات اللہ ہے، مل کر ایک ہو جاتی ہیں اور اس قول کے مطابق مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔[1] (جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے

---

[1] شیخ ابن عربیؒ نے فتوحات مکیۃ میں اور غزالی نے مشکاۃ الانوار میں اس روایت کا 'من عرف نفسہٗ عرف ربہ' کا ذکر کیا ہے۔ سقراط نے ڈلفی (Delphi) کی آسمانی آواز سنی تھی: "Know thyself" اس آواز کا یہ معنی لیا گیا: 'من عرف ربہ عرف نفسہ'۔ یہی تصور سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۱۹ میں موجود ہے: ''تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا، جنہوں نے خدا کو بھلا دیا۔ (اس کی پاداش میں) خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ وہ اپنے آپ سے آگاہ نہ رہے۔'' (ایڈیٹر)

اپنے خدا کو پہچان لیا) خدا بن جاتی ہیں۔

یہ جو مچھلی، کچھوا اور سور کو اوتار سمجھتے ہیں، تو اس سے مراد یہ ہے کہ ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کی ذات کا پرتو ہیں اور اس سے کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ میر سیّد شریف جرجانی نے لکھا ہے، کہ ایک صوفی اور متکلم آپس میں بحث کر رہے تھے۔ متکلم نے کہا کہ میں ایسے خدا سے بیزار ہوں جو کتے اور سور کے اندر ظہور فرماتا ہے۔ صوفی نے جواب دیا کہ میں اس خدا سے بیزار ہوں جو کتے کے اندر ظہور نہیں فرماتا۔ سارے حاضرین نے فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا۔ ایک صاحبِ معرفت صوفی ان کے پاس پہنچا اور دونوں کے مفہوم کا فرق بتاتے ہوئے کہا کہ متکلم کے عقیدے کے مطابق کتے کے اندر ظہور کرنا نقص کی بات ہے، لہٰذا وہ ناقص خدا سے بیزار ہے اور صوفی کے نزدیک کتے کے اندر ظہور نہ کرنا نقص کی بات ہے۔ اس بنا پر اس نے ایسے خدا سے بیزاری دکھلائی جس کی ہر جگہ رسائی نہ ہو۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی کافر نہیں ہوا۔ اس طرح صوفیہ کے خیالات اور اس گروہ کے عقائد یکساں ہیں۔

ایک مرتبہ راقم السطور نے شیدوش سے کہا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مچھ سے مراد پانی کا حاکم ہے کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک خبیث ویدوں کو پانی میں اٹھا لے گیا تو بشن پانی کے اندر داخل ہوا اور خبیث کو قتل کر کے ویدوں کو باہر نکال لایا۔ مچھلی اس لیے کہا کہ مچھلی کا پانی سے بڑا تعلق ہے اور کورم یعنی کچھوے سے زمین کا حاکم مراد ہے، اس لیے کہ ان لوگوں کے قصوں میں لکھا ہے کہ کورم یعنی کچھوے کا اوتار اس لیے ہے تاکہ زمین کو اپنی پشت پر اُٹھائے رکھے اور زمین واقعی کچھوے کی پشت پر قائم ہے۔ کچھوے کو اس لیے بیان کیا کہ یہ بّری اور بحری دونوں ہے اور پانی کے بعد زمین ہوتی ہے۔ سور سے مراد شہوت اور حیوانی نسلوں کی پیدائش ہے۔ ان لوگوں کا یہ قول ہے کہ ایک خبیث نے زمین کو چُرا لیا۔ پھر وہ پانی کے اندر چلا گیا۔ اس کے بعد بشن نے سور کی شکل میں ظاہر ہو کر اس کو دانت سے ہلاک کر دیا تو خبیث سے مراد فسق و فجور ہے جو زمین کو شہوت کے پانی سے تباہ کر دیتا ہے اور اگر روحانی قوت مددگار ہوتی ہے تو وہ عفت کے دانت سے فسق و فجور کے خبیث کو ہلاک کر دیتی ہے۔ سور کو خاص طور سے اس لیے لائے کہ شہوت سور کی صفت ہے اور اوتار اس لیے کہا کہ عفت نیک خصلت ہے۔ نرسنگھ شجاعت کا حاکم ہے اور چونکہ شجاعت قابلِ تعریف ہے۔ اس لیے کہا کہ نرسنگھ کی شکل ایسی ہے کہ شیر کا سر اور انسان کا دھڑ رکھتا ہے اور اگر ان کا مقصد بجائے شجاعت کے تہور ہوتا تو شیر کہتے۔ پست قامت برہمن سے ان کی مراد تخیل اور قوتِ فکری کے حاکم نیز عاقل ہے اور پستی قامت سے اس بات کا اشارہ ہے کہ ضعف جسمانی کے باوجود اس سے بڑے بڑے کام صادر ہوتے ہیں۔ گویا اسی بارے میں لوگوں نے کہا ہے کہ "پست قامت عقل مند، لمبے نادان سے بہتر ہے۔" رلیہ بل سے ان لوگوں نے سخاوت اور بخشش مراد لی ہے۔

شیدوش یہ تشریح سن کر بہت خوش ہوا اور کہا کہ ان لوگوں نے لکھا ہے کہ کرشن کے پاس سولہ ہزار بیویاں تھیں۔ ایک عقیدت مند نے اس خیال سے کہ شاید کرشن ساری بیویوں تک نہ پہنچ سکتا ہو گا، آزمائش کے

لیے کہا کہ کسی ایک بیوی کو مجھے بخش دے۔ کرشن نے فرمایا کہ جس بیوی کے حجرہ میں تو مجھے نہ پائے، وہ بیوی تیری ہے۔ وہ عقیدت مند سارے حجروں میں گیا۔ جس کمرے میں پہنچتا، دیکھتا کہ کرشن ایک نہ ایک بیوی سے اختلاط میں مشغول ہے۔ اس روایت میں اس کا اشارہ ہے کہ کرشن کی محبت ان کے دلوں میں اس طرح جاگزیں ہوگئی تھی کہ اس کے سوا دوسرے کو نہیں دیکھتی تھیں۔ اس کی صورت نظر کے سامنے رکھتی تھیں اور ایک لحہ کے لیے بھی اس کے تصور سے غافل نہیں ہوتی تھیں۔

یہ روایت کہ چکر ایک قسم کا ہتھیار ہے، جسے بشن اپنے ہاتھ میں لیے ہے، اس سے دانائی اور حجتِ قاطع کی جانب اشارہ ہے جو بغیر روح کی مدد کے حاصل نہیں ہوتی۔

مہادیو سے طبیعت عنصری کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور مہادیو کی گردن میں جو سانپ ہے، اس سے غضب اور دوسری جسمانی صفاتِ ذمیمہ مراد لیتے ہیں۔ مہادیو کے بیل پر بیٹھنے سے صفات بہیمی کی طرف اشارہ ہے۔ ان لوگوں کا یہ قول کہ مہادیو کی آرام گاہ مُردوں کو جلانے کی جگہ ہے، اس بات کا اشارہ کرتا ہے کہ اجزائے جسمانی ایک دوسرے سے جدا ہو کر فنا ہو جاتے ہیں اور آخرکار ناپید ہو جاتے ہیں۔ مہادیو کے زہر کھانے میں بھی اسی بات کا اشارہ ہے۔ نیز اسی معنی میں کہتے ہیں کہ مہادیو دنیا کو تباہ کرنے والا ہے یعنی طبیعت عنصری تعلق کو قطع کرنا چاہتی ہے اور انجامِ کار قدرتی موت آ پہنچتی ہے۔

نیز یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہر فرشتے کے لیے اس کے جنس سے ایک جوڑا ہوتا ہے۔ برہما سے اس کی ابتدا کرتے ہیں تو جیسا کہ ہم نے لکھا ہے کہ حکماء عقلِ اول کو پدرِ حقیقی اور نفسِ کل کو حوا کہتے ہیں۔ اس طرح ان کا قول ہے کہ نفسِ کل کی زوجہ فلک اطلس کا جسم ہے اور اسی طرح دوسرے نفوس اور اجرامِ فلکی کی زوجہ عنصری طبیعت ہوتی ہے کیونکہ جس سے فعل صادر ہوتا ہے، اس کو یہ لوگ زوجہ کہتے ہیں۔

اس گروہ کا قاعدہ ہے کہ ہر فرشتہ کسی فرشتہ کی یا اس فرشتہ کی زوجہ کی پرستش کرتا ہے۔ یہ پوجنے والے جس فرشتہ کی پوجا کرتے ہیں، اس کو خدا سمجھتے ہیں اور دوسروں کو مخلوقات۔ چنانچہ ایک گروہ نارائن کو خدا سمجھتا ہے۔ دوسرا گروہ مہادیو کو اور بعض لوگ دوسرے دنیوی دیوتاؤں کو خدا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح چاروں وید جو ان کے نزدیک آسمانی کتابیں ہیں، اس میں جس فرشتہ کی تعریف کی گئی ہے، اس کو خدا سے جدا نہیں سمجھتا۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ ایزدِ بیچوں متعدد مظاہر میں ظاہر ہو کر اپنی ذات کے جمال باکمال کو اپنی صفات کے آئینوں میں مشاہدہ کرتا ہے اور ذرہ سے لے کر آفتاب تک ساری موجودات خدا کے ذاتِ مقدس کا عین ہیں:

در ہر چہ دیدہ ام تو نمودار بودۂ اے نانمودہ رُخ تو چہ بسیار بودۂ

(جس چیز کو میں نے دیکھا، اس میں تجھ ہی کو نمایاں پایا۔ اے وہ ذات جس نے منہ نہیں دکھلایا تو کتنی کثرت سے موجود ہے۔)

فقیر آرزو کہتا ہے کہ اس قول کی تائید ہندوؤں کے اس عقیدہ سے ہوتی ہے کہ اکست جو ایک ستارہ ہے، وہ پہلے ایک ریاضت کرنے والا بزرگ تھا، جس نے کل پانی کو دونوں ہاتھوں میں جمع کر کے پی ڈالا تھا۔

اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اکست سے مراد سُہیل ستارہ ہے جو قطب جنوبی کے پاس ہے اور جب وہ طلوع ہوتا ہے تو سارا پانی جس کی بارش آسمان سے ہوتی ہے، وہ سب خشک ہو جاتا ہے، چنانچہ عربی میں مثل ہے۔ اذا طلع السھیل قطع السیل (یعنی جب سہیل طلوع ہوتا ہے، تو سیلاب ختم ہو جاتا ہے۔)

اس قسم کے رمز و اشارے ان کے کلام میں بہت ہیں مثلاً مہیش یعنی مہادیو ایک فرشتہ ہے، جس کے الجھے ہوئے بال ہیں اور تین آنکھیں ہیں اور وہ چاند، سورج اور آگ ہیں۔ ایک سانپ کا طوق گردن میں ہے اور اس کا لبادہ ہاتھی کے چمڑے سے بنا ہے۔ نو برہما، گیارہ رودر یعنی مہادیو اور بارہ آفتاب ہیں۔ دس سمت ہیں: پورب، پچھم، دکھن، اتر، اوپر، نیچے، اگنی جو پورب اور دکھن کے درمیان ہے، نیرتی جو دکھن اور پچھم کے درمیان ہے، وایب پچھم اور اتر کی درمیانی سمت اور ایسان اتر اور پورب کی درمیانی سمت ہے۔ فرشتوں کی تعداد تینتیس کوٹ ہے اور ہر کوٹ ایک کروڑ کا ہوتا ہے۔ فرشتے روحانی بیویاں رکھتے ہیں، جن سے روحانی اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ارواحِ انسانی ذاتِ باری تعالیٰ کا نور ہیں، اگر ان کے علم کے ساتھ عمل بھی موجود ہوتا ہے۔ نیز خود اور خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو یہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہیں، لیکن اگر ان کو خود اور خدا کی معرفت حاصل نہیں ہوتی مگر ان میں نیک اعمال موجود ہوتے ہیں تو بہشت میں داخل ہو جاتی ہیں اور نیک اعمال کے لحاظ سے جنت میں قیام کرتی ہیں۔ جب عمل کے صلہ میں مدت ختم ہو جاتی ہے تو ان کو دوبارہ عالم سفلی میں بھیجتے ہیں، تاکہ اب جس قسم کا عمل کریں اس کے موافق جزا حاصل کریں۔ نیز یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ عظیم المرتبت انسان جس کی خدمت کے لیے لوگ کمر بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ یہ اس کا معاوضہ اور نتیجہ ہے کہ وہ شخص خود اطاعتِ خداوندی میں دست بستہ کھڑا رہتا تھا اور جس کو لوگ آج سجدہ کرتے ہیں، وہ خود معبودِ حقیقی کے سجدے میں جبیں سائی کرتا تھا۔ چنانچہ اس کی عظمت کے جملہ ساز و سامان اس کی نیکیوں اور اچھے کاموں کا ثمرہ ہیں۔ کہتے ہیں، جس وقت رام چندر اوتار جنگل سے گزر رہے تھے، اپنے بھائی لچھمن کو بھیجا کہ تھوڑی سی گھاس کی جڑ افطار کے لیے لائیں۔ لچھمن نے ہر چند تلاش کیا نہ پایا تو جب رام کی خدمت میں صورت حال بیان کی تو انہوں نے جواب دیا کہ زمین کھانے پینے کی چیزوں سے بھری پڑی ہے، لیکن گذشتہ جنم میں آج کے دن اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے ہم نے ایک لقمہ برہمنوں کے منہ میں نہیں پہنچایا۔

علاوہ ازیں ان کا قول ہے کہ جو لوگ بدکار ہیں، وہ اس دنیا میں شیر، چیتا، بھیڑیا، کتا، سور، ریچھ، حشرات الارض، نباتات اور معدنیات کے اجسام سے مل جاتے ہیں اور اپنے اعمال کی سزا پاتے ہیں۔ اور جو لوگ حد درجہ گنہگار ہیں، ان کو دوزخ میں لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں ایک عرصہ تک رہتے ہیں۔ اور اپنے گناہ کے مطابق عذاب برداشت کرنے کے بعد پھر اس دنیا میں آتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق بہشت کا ایک بادشاہ ہے، جس کو اندر کہتے ہیں۔ جو شخص سو بار اسومید کرتا ہے، وہ اندر ہو جاتا ہے اور ایک معینہ مدت تک بہشت میں حکمرانی کے ساتھ وقت گزارتا ہے۔ جب وہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو پھر اس دنیا میں اتر کر اپنے اعمال کے مطابق سزا پاتا ہے۔ اور چی دیوی نام کی اندر کی ایک بیوی ہے، چنانچہ جو شخص اندر ہو جاتا ہے،

بچی اس کی بیوی بن جاتی ہے۔ اسومید کے معنی ہیں ایک مخصوص رنگ اور نشان کے گھوڑے کی مخصوص رسومات کے ساتھ قربانی کرنا۔ ان کے محققین اسومید سے خیالات کی نفی مراد لیتے ہیں، کیونکہ خیال ایک تیز رفتار گھوڑا ہے، اور اہلِ ریاضت پر اس کا قتل واجب ہونے سے مراد نفسِ بہیمی کو ہلاک کرنا ہے۔

ان کے نزدیک فرشتے شہوت وغضب میں گرفتار اور بھوک اور پیاس کے پابند ہیں اور ان کی غذا خوشبو، دھونی، نذر و نیاز کے کھانے پینے کی چیزیں اور لوگوں کے صدقہ و خیرات اور نیکیوں سے حاصل ہوتی ہے اور ان کی اصل خوراک آبِ حیات ہے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ستارے پرہیزگار لوگ تھے، جو اپنی ریاضت کے زور سے اس تاریک دنیا سے گزر کر نورانی اجسام بن گئے ہیں۔ اور عنصری دنیا کی پستی سے نیلگوں آسمان کی بلندی پر پہنچ گئے ہیں۔ ان کی جائے پیدائش، نام ونسل اور ان کے آباء واجداد کے نام ان کی کتابوں میں لکھے ہیں۔ چنانچہ سنیچر یعنی زحل حضرت نیرِ اعظم کا بیٹا ہے، مریخ زمین کا بیٹا ہے اور آفتاب عالم تاب کشیپ بن مریخی بن برہما کا بیٹا ہے۔ زہرہ بھارگو کا بیٹا، اور عطارد قمر کا بیٹا ہے۔ بعض دوسروں کا کہنا ہے کہ قمر اتری عابد کا بیٹا ہے اور ایک گروہ کا خیال ہے کہ وہ دودھ کے دریا کا بیٹا ہے۔

اس میں پارسی حکماء کے مذہب کی طرف اشارہ ہے جو کہتے ہیں کہ نفس ناطقہ جس فلک سے اپنی نسبت درست کر لیتا ہے۔ اس سے متعلق ہو جاتا ہے، لہٰذا جس شخص کی روح آفتاب سے وابستہ ہوگئی، اس کو آفتاب کہتے ہیں اور اس شخص کے باپ کو آفتاب کا باپ کہتے ہیں۔

اس کتاب کے مصنف نے ایک مرتبہ شیدوش ابن انوش سے کہا کہ شاید ان کی مراد پدرانِ کواکب سے عقول ہیں کیونکہ حکماء کی اصطلاح میں عقول کو آباء کہتے ہیں۔ اسی بنا پر حضرت عیسیٰ نے خدا تعالیٰ کو باپ کہا ہے۔

اسی طرح یہ لوگ کہتے ہیں کہ عناصر پانچ ہیں اور پانچواں عنصر اکاس کو کہتے ہیں۔ ان کے عوام کے مقالات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکاس آسمان ہے لیکن ان کے خواص کے اقوال سے سمجھا جاتا ہے کہ اس سے خالی جگہ مراد لیتے ہیں جو خلا ہے۔ ان کے دانشمندوں میں سے ایک سومترا ہے جو کلنگ کے راجہ کی بیٹی ہے، اُن کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکاس ایک مجرد شے ہے جس کو یونان کے حکمائے اشراقیین مکان کہتے ہیں۔ دامودرد اس کول جو کشمیر کا ایک دانشمند برہمن تھا، اس سے یہ بات سنی گئی کہ اکاس مکان ہے اور مکان یونانی حکمائے اشراقیین کے نزدیک ایسا بُعدِ مجرد موجود ہے جو مختلف جہات میں منقسم ہو سکے اور مکان والے بُعد کے برابر ہو بدیں طور کہ اس پر بالکل منطبق اور برابر ہو جائے، بالکل اسی طرح کہ وہ بُعد جو مکان ہے، اس کا ہر حصہ مکان والے بُعد کے ہر جز میں داخل ہو جائے۔ بُعد دو چیزوں کے درمیان امتداد کو کہتے ہیں اور مادہ سے خالی اَبعاد کو خلا کہتے ہیں۔ ان کے بیان سے اکاس سے بجز مکانِ مذکور کے اور کچھ مفہوم نہیں ہوتا۔

ان کا قول ہے کہ آسمان موجود نہیں ہے اور بروج وکواکب ہوا میں معلق ہیں۔ ان کے نزدیک سات

سمندر یعنی دریا زمین پر بہتے ہیں۔ اوّل دریائے نمک جس میں نمکین پانی ہے، دوم گنے کا رس، سوم شراب کا، چہارم روغن کا، پنجم میٹھے کا، ششم دودھ کا اور ہفتم پانی کا۔ کہتے ہیں کہ زمین کے اوپر ایک پہاڑ ہے، جس کو اسمیر پربت کہتے ہیں اور وہ خالص سونے سے بنا ہے۔ فرشتوں کے رہنے کی جگہ اسی پر ہے اور ستارے اس کے گرد گردش کرتے ہیں۔ نوگرہ یعنی سات سیارے ہیں اور راس اور ذنب کے پاس گاڑیاں ہیں، جس پر وہ حرکت کرتے ہیں۔ راس اور ذنب دو خبیث تھے، جنہوں نے آبِ حیات پی لیا تھا اور سورج اور چاند کی درخواست پر بشن نے اس ہتھیار سے جس کو چکر کہتے ہیں، ان کو مارا جس کی مار سے ان دونوں کے گلے میں شگاف ہو گیا ہے۔ اس کے انتقام میں راس چاند کو کھا لیتا ہے، اور ذنب سورج کو اور چونکہ ان کے گلے میں شگاف ہے، اس لیے جیسے ہی منہ میں ڈالتے ہیں، چاند اور سورج شگاف سے باہر نکل آتے ہیں۔ اسی کو سورج اور چاند گرہن کہتے ہیں۔

برہما کی قیام گاہ ایک شہر میں ہے، جس کو ست لوک کہتے ہیں، بشن کے رہنے کی جگہ وہ ہے، جسے بیکنٹھ کہتے ہیں اور مہادیو کا قیام ایک چاندی کے پہاڑ پر ہے، جس کا نام کیلاس ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ ثوابت ستارے موجود نہیں ہیں اور وہ جو رات کے وقت چمکتے ہیں، وہ موتیوں اور یاقوتوں سے مرصع سنہرے گہوارے ہیں جو اہلِ بہشت کی آسائش کے لیے بنائے گئے ہیں۔ شیدوش کہتا ہے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بہشت سے مراد افلاک ہیں اور ثوابت ستارے فلکِ ہشتم پر ہیں، لہٰذا روحوں کے لیے افلاک گہوارہ ہوں گے۔

یہ لوگ حضرت نیّرِ اعظم کو سب فرشتوں میں بالا و برتر سمجھتے ہیں اور اگر ان کی کتابوں کو بغور مطالعہ کیا جائے تو اس سے زیادہ محترم کوئی دوسری ہستی نہیں، اس لیے کہ جملہ مرکبات کی ترکیب اور ساری موجودات کا وجود اسی کے وجودِ مسعود سے متعلق اور وابستہ ہے۔ برہما، بشن اور مہیش کو اس کی تجلی اور مظہر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہی ذات ہے جو اپنے اعمال و افعال کے لحاظ سے ان تین ناموں سے موسوم ہے۔ اس کو نوعِ انسانی کے بادشاہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں جو ایک گاڑی پر بیٹھا ہوا ہے، جس سے فلک چہارم مراد ہے، جس کے ارد گرد سات گھوڑے لگے ہوئے ہیں اور اس کے آگے فرشتے اور نفوسِ روحانی بادشاہی شان و شکوہ اور طرح طرح کے سازوں کے ساتھ چلتے ہیں اور اس کو اصل وجود اور موجدِ کُل سمجھتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ زمین ایک راکشس کی کھال ہے جس کو مار ڈالا گیا ہے اور اس کی کھال کو بچھا دیا گیا ہے۔ پہاڑ اس کی ہڈیاں ہیں، پانی اس کا خون اور پیڑ پودے اس کے بال ہیں۔ راکشش خبیث کو کہتے ہیں اور یہاں پر مادۂ عنصری مراد ہے۔ کہتے ہیں کہ عناصر زمین پر ہیں اور زمین چار ہاتھیوں پر قائم ہے۔ اس سے عناصر کی طبیعت کی طرف اشارہ ہے، جس میں سے ہر ایک اپنے مرکز پر آرام پذیر ہے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ زحل لنگڑا ہے۔ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اپنی گردش کو دیر میں مکمل کرتا ہے۔ بھوم یعنی مریخ ایک خبیث ہے، اس سے اس کی نحوست کو بیان کیا ہے، اور زہرہ کو خبیثوں کا مرشد کہتے ہیں۔ اور ان کا قول ہے کہ ملیچ لوگوں کے علوم و دین اور ان کے بیگانہ مذاہب کے اصول اسی سے لیے گئے

ہیں۔

اسلام کے منجمین کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا دین زہرہ سے تعلق رکھتا ہے اور کہا ہے کہ روزِ جمعہ کی تعظیم اسی وجہ سے کی جاتی ہے۔ فرشتوں کا مرشد اور برہمنوں کے دین کا محافظ مشتری ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ کلامِ آسمانی وہ ہے جس کی زبان میں کوئی عنصری جسم والا بات نہ کر سکے اور قرآن اگرچہ آسمانی کتاب ہے، لیکن اہلِ عرب اسی کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ رہے چاروں وید جو ان کے خیال میں آسمانی کتاب ہیں تو وہ سنسکرت میں ہیں، جس زبان میں کسی شہر کے لوگ گفتگو نہیں کرتے اور بجز ان کی کتابوں کے اور کہیں نہیں پائی جاتی۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ زبان فرشتوں کے کلام کی زبان ہے، اور بید ان لوگوں کو برہما کی طرف سے دنیا والوں کے نظم و نسق کے لیے ملا ہے۔ فرشتوں سے ان کی مراد مقرر کیے ہوئے عمال ہیں جو عقلِ اوّل سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور جو باتیں ان پر کشف ہوتی ہیں، ان کو اپنے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ اور جو شخص بھی چاہے، بید سے اپنے مذہب کے موافق دلیل نکال سکتا ہے۔ یہاں تک کہ حکمت، تصوف، توحید، الحاد، تقلید، اباحت، ہندوئیت، یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، اسلام، تسنن اور تشیع وغیرہ کی صحت کا ثبوت اس سے فراہم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ وید گہرے رموز اور اعلیٰ اشارات پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ جملہ طالبین اس سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔

ان کا قول ہے کہ حق تعالیٰ ایک بڑا جسم ہے اور سارے موجودات اس کے شکم میں ہیں۔ یہ قول اس کے مشابہ ہے، جو حضرت شیخ شہاب الدین مقتول نے فرمایا کہ سارا عالم ایک جسم ہے اور اس سے مراد اجسام کا مجموعہ ہے، جس کو جسمِ کُل کہتے ہیں اور اس کی ایک مثل روح ہے، جس سے مراد روحوں کا مجموعہ ہے، جس کو نفسِ کُل کہتے ہیں۔ اس روح کے اندر ایک بے مثل جزء ہے، جس سے جملہ عقول اخذ کرتے ہیں اور اس کو عقلِ کل کہتے ہیں۔ مجمل الحکمہ میں مذکور ہے کہ حق تعالیٰ روح کی روح ہے اور آذر ہوشنگیوں نے کہا ہے کہ وہ عقل کی عقل ہے۔ شیخ بوعلی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

حق جانِ جہان است و جہاں جملہ بدن　اجناس ملائکہ حواسِ ایں تن
اجرامِ عناصر و. موالید اعضاء　توحید ہمیں ملائکہ و دگرہا ہمہ فن

(حق تعالیٰ عالم کی روح ہے اور سارا عالم ایک جسم ہے۔ مختلف قسم کے فرشتے اس جسم کے حواس ہیں، اجسام عناصر ہیں اور موالیدِ ثلاثہ (جمادات، نباتات و حیوانات) اس کے اعضاءِ جسمانی ہیں۔ اصل توحید یہی ہے اور باقی ساری باتیں فریب ہیں۔)

یہ لوگ ہر اس شخص کو جو ان کا ہم مذہب نہیں اور نیک اعمال پر کاربند نہیں راکشس کہتے ہیں یعنی خبیث اور شیطان۔

زمانہ جس کو ہندی میں کال کہتے ہیں، وہ حکمائے یونان و ایران کے نزدیک فلکِ اعظم کی حرکت کی مقدار ہے۔ مصنف نے برہمنوں سے سُنا ہے اور معدن الشفائے اسکندری جو ہندوستانی طب کی اکثر کتابوں سے منتخب کی گئی ہے، اس میں ممتاز برہمنوں کی طرف سے یہ عبارت منقول ہے کہ زمانہ حکمائے ہند کے نزدیک

ایک جوہر ہے، جو بذاتِ خود قائم ہے اور مادہ سے خالی ہے۔ ہمیشہ موجود ہے اور ناقابلِ فنا ہے۔ یہ زمانہ تین قسم کا ہے: ماضی، حال اور مستقبل اور چونکہ ان کے نزدیک زمانہ تغیر اور فنا سے مبرا ہے، اسی لیے ماضی، حال اور استقبال دراصل اس کی صفت نہیں ہوتی، بلکہ یہ تینوں صفتیں درحقیقت ان افعال میں پائی جاتی ہیں جو زمانہ کے اندر کیے جاتے ہیں اور ان افعال کی تبعیت میں مجازی طور پر زمانہ کو بھی ماضی، حال اور مستقبل کہتے ہیں۔ اسی طرح آفتاب کی گردش اور اس کے اوضاع کے اختلاف کے سبب سے زمانہ کو دن، رات، مہینہ، سال اور فعل کہتے ہیں۔ اس قسم کے رمز یہ کلام ان کے یہاں بہت ہیں۔ اگر میں ان سب کو لکھنا چاہوں تو کئی کتابیں بھر جائیں۔ اس گروہ کا اجماع ہے کہ اس عالم کا دارومدار چار ادوار پر ہے۔ دورِ اول کو ست جگ کہتے ہیں۔ اس کی مدت سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار عرفی سال ہے۔ اس دور میں دُنیا والے بڑے ہوں یا چھوٹے، اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، بادشاہ ہو یا غلام سچائی اور راست بازی کو اپنا شعار بنا کر اپنے قیمتی اوقات کو خدا کی خوشنودی اور خدا پرستی میں گزارتے ہیں اور اس دور میں لوگوں کی عمر طبعی ایک لاکھ عرفی سال کی ہے۔ دورِ دوم کو ترتیا جگ کہتے ہیں اور اس کی مدت بارہ لاکھ چھیانوے ہزار سال ہے۔ اس دَور میں زیادہ تر لوگ رضائے ایزدی کو مدنظر رکھتے ہیں، اور ان کی عمر طبعی دس ہزار سال کی ہوتی ہے۔ دورِ سوم جس کو دوا پرجگ کہتے ہیں، اس کی مدت آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار عرفی سال ہے۔ اس دور میں دنیا کے نصف لوگ اپنے اوقات کو پسندیدہ اعمال میں صرف کرتے ہیں اور ان کی عمرِ طبعی ایک ہزار سال کی ہوتی ہے۔ دورِ چہارم کلجگ ہے، جس کی مدت چار لاکھ بتیس ہزار سال عرفی ہے۔ اس دور میں تین چوتھائی لوگوں کے طریقے گناہ، بدمستی اور برے اعمال سے آلودہ ہوتے ہیں اور اس میں عمر طبعی ایک سوبیس عرفی سال کی ہوتی ہے۔ ان چاروں جگ (دور) کو یہ لوگ ایک چکر کہتے ہیں۔ اور اکہتر چکر ایک منتر کہلاتے ہیں۔ جب اکہتر چکر گزر جاتے ہیں تو اندر جو عالم بالا کا فرماں روا ہے، اس کی زندگی کا ایک دن پورا ہوتا ہے اور جب چودہ منتر اس حساب سے جو اوپر بیان کیا گیا، گزر جاتے ہیں تو برہما کی عمر سے ایک دن پورا ہو جاتا ہے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ برہما کے جسم سے وابستہ ہوگیا اور اس کے ذریعہ سے دُنیا کو پیدا کیا۔ اس طرح پیدا کرنے والا برہما ہے اور برہما ہی نے انسان کو وجود بخشا اور اس کے اندر چار گروہ بنائے۔ برہمن، کھتری، ویش اور شودر۔ پہلا گروہ احکام کے تحفظ اور شرعی قوانین کی حفاظت کے لیے مقرر کیا۔ دوسرے گروہ کو ظاہری ریاست وحکومت کے منصب پر مقرر کر کے، لوگوں کے معاملات میں نظم ونسق قائم کرنے کا ذریعہ قرار دیا۔ تیسرے گروہ کو کاشت کار، کسان، پیشہ ور اور کاریگر بنایا اور چوتھے گروہ کو ہر طرح کی خدمت اور نوکری کے لیے مقرر کیا۔ جو مخلوق ان چاروں گروہ میں سے نہیں، وہ نسل انسانی سے خارج ہیں، بلکہ وہ راکشس (خبیث) ہیں۔ بعض راکشسوں نے ریاضت کے زور سے ایسی ترقی حاصل کی تھی کہ برہما، بشن، اور مہیش ان کی خدمت کرتے تھے۔ چنانچہ راون نامی ایک راکشس تھا، جس نے ریاضت کے زور سے دنیا اور دنیا کے باشندوں کو اپنا مطیع بنا لیا تھا۔ برہما اس کے دربار میں وید پڑھتا تھا اور آفتاب اس کے باورچی کا کام کرتا تھا، بادل سقا کا اور

ہوا فراش کا۔

مختصر یہ کہ اس گروہ کے نزدیک برہما کی عمر ایک سو غیر عرفی سال ہے اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہے۔ اور ہر رات دن کے طریقے پر ہے۔ اس وقت تک جو اس کتاب کی تصنیف کا زمانہ ہے اور سالِ ہجری ۱۰۵۵ (مطابق ۱۶۴۵ء) ہے، کلجگ کے چار ہزار سات سو چھیالیس سال گزر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں اتنی تعداد میں برہما پیدا ہوئے کہ علمِ انسانی اس کو شمار نہیں کر سکتا۔ بہرحال جو روایت ان لوگوں کو پہنچی ہے، اس کے لحاظ سے ہزار برہما پیدا ہوئے اور پردۂ عدم میں چلے گئے۔ اور اس موجودہ برہما کا نمبر ایک ہزار ایک ہے۔ اس کی عمر میں سے پچاس سال اور نصف روز گزر گئے اور اکیاونویں سال کے پہلے روز کا نصف آخر شروع ہوا ہے۔ اس حساب سے جس وقت برہما کی زندگی ختم ہوگی، اس وقت بارہ سورج روشن ہو جائیں گے۔ چنانچہ ان کی روشنی کی تابش سے ساری خشک و تر چیزیں جل جائیں گی اور دنیا اور دنیا والوں کا کوئی نشان باقی نہ رہے گا۔ دنیا کے لوگ پانی کی تہہ میں چلے جائیں گے۔ اس حادثہ کو ہندوستانیوں کی زبان میں پرلو کہتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا برہما ظاہر ہوگا اور از سرِ نو دنیا پیدا کرے گا اور دنیا ہمیشہ اسی حال پر گزرتی رہے گی۔ حکیم عمر خیام کہتا ہے:

آنان کہ ملک چہرۂ دہر آرایند   آیند و روند و باز با دہر آیند
در دامنِ آسمان و در جیبِ زمین   خلقے است کہ تا خدا نمیرد زایند

(جو لوگ آسمان کی زینت اور دنیا کی آرائش ہیں، وہ آتے ہیں، جاتے ہیں اور پھر دنیا میں آتے ہیں۔ آسمان کے دامن اور زمین کے گریبان میں ایک ایسی مخلوق ہے جو اس وقت تک پیدا ہوتی رہے گی، جب تک خدا موجود ہے۔)

آسمانی شخصیتوں کی طولانی مدت سے قِدمِ عالم کی طرف اشارہ کیا ہے، جس کی اتنی زیادہ مدت شمار کر چکے ہیں، پھر بھی وہ ختم نہیں ہوتا۔ روحانی صفات والا شیدوش ابن انوش کہتا ہے کہ جب دورِ اعظم ختم ہو جائے گا، تو دوبارہ مخلوقات پیدا ہوں گی۔ اور پانی کا کرۂ زمین کو احاطہ کرنا پانی کی طبیعتِ اصلی کے مناسب ہے، جو زمین کے اوپر رہتا ہے اور حضرت نیر اعظم کی تابش کی وجہ سے پھر پانی باقی نہ رہے گا۔ بارہ سورج کہنا، اس لیے مناسب ہے کہ بخارات کے اوپر چڑھنے اور ان کی آپس میں ترکیب و اتصال سے اجرام بن جائیں گے جیسے ذوات الاذناب جسے فارسی میں آفتاب ‌بک اور عربی میں شہاب کہتے ہیں اور ساری خشک و تر چیزوں کو یہ جلا دیں گے۔ اس طرح وہ دور ختم ہو جائے گا تو دنیا اور اس کے باشندے از سرِ نو پیدا ہوں گے۔ ملا اسمٰعیل اصفہانی صوفی کہتے ہیں:

گیتی کہ یکے است مبدع و مبداعش   ایں ہر دو جہاں چو کفہائے صاعش
ایں دورِ زمانہ ہمچو فانوسِ خیال   ہر چند رود یکے بود اوضاعش

(یہ دنیا جس کا موجد اور آلۂ ایجاد ایک ہے، یہ دونوں عالم اس کے ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں۔ زمانے کی یہ گردش فانوسِ خیال کی طرح ہے، جو ہر چند گھومتا ہے، لیکن اس کی وضع یکساں رہتی ہے۔)

ان کا یہ قول کہ مذکورہ چار طبقوں کے علاوہ انسان نہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ انسانوں کے لیے انسانیت، فضیلت، اور تمیز و انتخاب کی صفتیں شرط ہیں۔ ان صفتوں سے بڑھ کر جانوروں پر رحم کرنا اور نیز خود خدا کو پہچاننا ہے۔ اگر کسی کے اندر یہ صفتیں موجود نہیں تو وہ انسانیت سے بے بہرہ ہے، حکیم فردوسی کہتا ہے:

ہر آن کاو گذشت از رہِ مردی تو دیوش شُمر مشمرش آدمی

(ہر وہ شخص جو انسانیت کے راستے سے ہٹ گیا، تو اس کو دیو سمجھ اور اسے آدمی شمار نہ کر۔)

ان لوگوں کے نزدیک مہادیو اور نارائن کے اشکال نیز دیگر روحانی مخلوق کے مجسموں کی پرستش کرنا قابلِ تعریف ہے۔ ان کے مذہب سے بیگانہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ بُت کو خدا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بت محض قبلہ ہیں اور اس مخصوص شکل کے اندر اسی ذات کی عبادت کرتے ہیں جو شکل وصورت سے بے نیاز ہے۔ اور چونکہ انسان علوی اور سفلی صفات کا مجموعہ ہے، اس لیے یہ لوگ رہنمایانِ قوم کی شکل بنا کر اسے قبلہ تصور کرتے ہیں۔ نیز چونکہ ساری چیزیں حق تعالیٰ کا مظہر ہیں، اس لیے ان کی شکل کی مورتیاں بناتے ہیں۔ علاوہ ازیں کہتے ہیں کہ چونکہ اوتار ذاتِ خداوندی کے انوار کا پرتو ہیں، لہٰذا ان کے مشابہ مجسمے بنا کر اُن کی پرستش کرتے ہیں اور جمادات، نباتات اور حیوانات میں سے جو اپنی نوع میں کامل ہو، اس کی تعظیم کرتے ہوئے، اس کی بھی پرستش کرتے ہیں، اس طرح بسیط عناصر اور ستاروں کی بھی۔ رائے منوہر کچھواہہ کہتا ہے:

مسلمانی اگر کعبہ پرستی ست پرستارانِ بُت را طعنہ از چیست

(اگر مسلمان کعبہ کی پرستش کرتے ہیں تو پھر بت کی پرستش کرنے والوں کو کیوں طعنہ دیتے ہیں۔)

سمارتگوں یعنی متشرع ہندوؤں کے

اعمال وافعال کے بیان میں

اس طبقہ کے نزدیک ولادت دو قسم کی ہوتی ہے، پہلی ولادت اس دن ہوتی ہے جس روز بچہ ماں کے شکم سے باہر نکلتا ہے اور دوسری ولادت کا دن وہ ہے، جب وہ مونجی یعنی زنار باندھتا ہے اور مقررہ دُعائیں زبان سے پڑھتا ہے۔ چنانچہ جب تک کوئی شخص مونجی نہیں باندھتا اور مقررہ دُعاؤں کا پابند نہیں ہوتا۔ اس وقت تک دیندار اور مذہب پر عامل نہیں سمجھا جاتا۔ اس سلسلے میں سولہ اعمال ہیں، جن کو سودش کرم کہتے ہیں جو شروع ہوتے ہیں عورت کے حیض سے پاک ہونے اور اپنے شوہر سے ملنے سے اور جو دُعائیں اس موقع پر پڑھنی چاہئیں، مرنے کے وقت تک اور وہ نیک اعمال جن کو موت کے بعد انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ پہلا عمل گربھادانہ کرم ہے، یعنی کسی کو اولاد دینا جس کا مطلب ہے لڑکی کو شوہر کے سپرد کرنا۔ دوسرا عمل پون سون کہلاتا ہے، یعنی اس موقع پر جو دُعائیں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، انہیں پڑھیں تاکہ صالح اولاد پیدا ہو، تیسرا عمل یہ ہے

کہ جب عورت کے حاملہ ہونے پر چھ ماہ گزر جائیں تو اس موقع پر دُعائیں پڑھیں اور برہمنوں کی ضیافت کریں، اس کو سمینت نین کہتے ہیں۔ چوتھا عمل جو لڑکے کی پیدائش کے دن باپ کو کرنا چاہیے، یعنی غسل کرنا، ہوم اور جپ یعنی جلائی ہوئی چیزوں کو خیرات کرنا۔ اس عمل کو جات کرم کہتے ہیں۔ پانچواں عمل یہ ہے کہ لڑکے کی پیدائش کے گیارہویں دن اس کا نام رکھیں اور مقررہ دُعائیں پڑھیں، اس کو نام کرن کہتے ہیں۔ چھٹا عمل یہ ہے کہ چوتھے مہینے میں لڑکے کو باہر نکالیں۔ اس کو نشکرمم کہتے ہیں۔ ساتواں عمل یہ ہے کہ کمسن بچے کو کھانا دیں اور یہ عمل نیک ساعت میں کرنا چاہیے، اس کو اَن پراس کہتے ہیں۔ آٹھواں عمل تین سال کی عمر میں لڑکے کا عقیقہ کریں یعنی اس کے سر کے بال مونڈیں اور کان میں سوراخ کریں، اس کو چوڑا کرن کہتے ہیں۔ ان لوگوں پر واجب ہے کہ یہ آٹھ اعمال بجالائیں اور اگر اولاد لڑکی ہو تو بھی یہ سارے اعمال بغیر دُعائیں پڑھے بجالائیں، لیکن اس کے نکاح کے وقت وہ دُعائیں اور کلمات جو اس عمل کے لیے مخصوص ہیں، پڑھیں۔ نواں عمل یہ ہے کہ پانچ سال کی عمر میں لڑکے کی کمر پر ایک ڈوری باندھ دیں جس کو سوتر کہتے ہیں اور اس عمل کو مونجی کہتے ہیں اور یہ ڈوری دربھ گھاس اور یوبرتج کی چھال سے بنانا چاہیے۔ دسواں عمل یہ ہے کہ سوتر باندھنے کے تیسرے روز لڑکے کی گردن میں زنار باندھیں۔ اس کو یگیون پویت کہتے ہیں۔ گیارہواں عمل یہ ہے کہ جب زنار باندھے تو خدا کی راہ میں ایک گائے برہمن کو دے۔ اس عمل کو گودان کہتے ہیں۔ بارہواں عمل یہ ہے کہ جسم کو دودھ، دہی، گھی، شہد اور شکر سے غسل دیں۔ اس کو اشنان پنچہ اور پرایش چت کہتے ہیں۔ تیرہواں عمل یہ ہے کہ جب لڑکا سولہ سال کا ہو جائے تو اس کو گھر والا بنادیں۔ اس کو وِواہ کہتے ہیں۔ چودھواں عمل یہ ہے کہ لڑکے کو باپ اور ماں کے انتقال کے بعد خیر وخیرات اور نیک اعمال کرنے چاہئیں۔ اس کو پُند پردان کہتے ہیں۔ پندرہواں عمل یہ ہے کہ ماگھ جس مہینے میں حضرت نیّرِ اعظم (آفتاب) برج دلو میں ہوتا ہے، اس کی ساتویں تاریخ کو ماش، جو، گیہوں، سیاہ رنگ کا چاول، تل اور سونا وغیرہ برہمنوں کو دیں، اس کو دان پھل کہتے ہیں۔ سولھواں عمل یہ ہے کہ شیوراتری میں جو پھاگن کے مہینے میں ستائیس تاریخ کو پڑتی ہے، چاندی کا ایک سانپ بنا کر سرخ پیتل کے ساتھ برہمنوں کو دیں، اس عمل کو پھسی کہتے ہیں۔

یہی مقررہ سولہ اعمال ہیں۔ اس کے علاوہ برہمن کو آٹھویں سال میں، چھتری کو گیارہویں سال میں اور بنیئے کو بارہویں سال میں لڑکے کو مونجی باندھنا چاہیے اور مونجی باندھنے کے بعد لڑکے کو مکتب بھیجنا چاہیے۔

برہمن کو چاہیے کہ پیشاب اور پاخانہ کے وقت زنار کو کان میں باندھ کر اتر کی طرف رُخ کرے۔ پیشاب یا پاخانے سے فارغ ہونے کے بعد آلۂ تناسل کو پکڑ کر تین قدم چلے، پھر پانی کی طرف ہاتھ بڑھائے اور چاہیے کہ پانی لوٹے میں لیے رہے اور مٹی بھی اس کے ساتھ ہونا چاہیے اور ہاتھ کو اتنی بار دھوئے، کہ اس سے بدبو دُور ہو جائے۔ اس کے بعد پاک جگہ پر بیٹھ کر وضو کرے۔ اور اس طرح بیٹھے کہ دونوں ہاتھ دونوں رانوں کے نیچے رہیں، پھر اسی حالت میں بیٹھے ہوئے اتر یا پورب کی طرف رُخ کرے اور جو دُعائیں مقرر ہیں،

ان کو پڑھ کر تین مرتبہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی میں تھوڑا پانی لے کر پیئے اور یہ تین مرتبہ پینا بغیر دُعا پڑھے ہونا چاہیے۔ بعد ازاں مُنھ کو دھوئے ہوئے ہاتھ کی پشت سے صاف کرے۔ اور ایک بار دوسرا پانی ہاتھ میں لے کر دوسری انگلی اس میں ڈبوئے۔ اس انگلی کو ناک، کان اور آنکھ سے لگائے اور چاہیے کہ یہ پانی پاک ہو، اس میں جھاگ یا بلبلہ نہ ہو۔ اس وقت برہمن اس قدر پانی پیے کہ اس کا منہ تر ہو جائے اور چھتری اتنا پیے کہ حلق تک پہنچ جائے، بنیا اتنا پیے کہ اس کا منہ تر ہو جائے اور کاشت کار جو کنبی ہوتا ہے، عورتیں اور وہ بچے جنہوں نے مونجی نہیں باندھی، تھوڑا پانی ہونٹ تک پہنچا دیں۔ اس کے بعد سر کو پانی میں ڈبو دیں، اس وقت مناسب دُعائیں پڑھتے ہوئے کئی بار سر پر پانی چھڑکیں اور ناک کو اس طرح پکڑ لیں کہ سانس آنے جانے کا راستہ بند ہو جائے اور اس وقت جن دُعاؤں کا حکم دیا گیا ہے، انہیں پڑھیں اور نیرِ اعظم (سورج) کی طرف رُخ کر کے ایک گھنٹہ کھڑے رہیں اور بعض دُعائیں جو اس موقع کے لیے وارد ہیں، پڑھیں۔ جب صبح کے وقت اُٹھیں اور پیشاب، پاخانے وغیرہ سے فارغ ہوں تو ان مذکورہ فرائض کو بجا لائیں، جن کو سندھیا کہتے ہیں۔ برہمن اور چھتری کو چاہیے کہ ہر روز تین مرتبہ سندھیا کریں۔ اوّل صبح کے وقت اور وہ پو پھٹنے سے لے کر آفتابِ جہاں تاب کے طلوع تک ہے۔ دوم دوپہر کے وقت اور وہ سورج کے سر پر پہنچنے سے زوال کے وقت تک ہے۔ سوم شام کے وقت اور وہ غروبِ آفتاب سے ایک گھنٹہ پہلے سے تارے نکلنے تک ہے۔ ان اعمال میں غسل کرنا چاہیے، لیکن دن کے آخری سندھیا میں اگر غسل نہ کر سکے تو صرف مقررہ دُعائیں پڑھ لے۔ وضو کے بعد کئی بار پانی سر پر چھڑکے، اس طور پر کہ اس کے قطرے بوند بوند سر پر ٹپکیں، پھر واجب دُعائیں پڑھتے ہوئے ہوم کرے۔

ہوم یہ ہے کہ پاک زمین پر آگ جلائے اور پتلی اور باریک لکڑیاں اس پر ڈال کر زیادہ پتلی لکڑیوں کو پاک اور عمدہ چاول کے ساتھ پانی سے تر کر کے اس پر کئی مرتبہ ڈالے۔ اس طرح آگ کو روشن کرے۔ پھر اپنے شیخ (گرو)، استاد، باپ اور بڑوں کے لیے نماز پڑھے اور سر زمین پر رکھے اور ان لوگوں سے دُعائے خیر کا طالب ہو۔ اور سجدہ کے وقت اپنا نام زبان پر اس طرح لائے کہ یہ لوگ سنیں مثلاً میں جو فلاں شخص ہوں، تعظیم کے ارادہ سے تمہارے لیے نماز ادا کرتا ہوں اور سجدہ کرتا ہوں۔ اور ماں کے لیے سجدہ کرنا بھی واجبات میں سے ہے۔ پھر استاد کے پاس جائے اور ادب سے کھڑا رہے اور تعلیم حاصل کرے۔ بشرطیکہ استاد خود فرمائے کہ میں اس وقت فرصت سے ہوں، نہ یہ کہ اس کو حکم دے کیونکہ یہ بے ادبی ہے۔ جب استاد کی خدمت میں جائے تو قیمتی لباس پہن کر جائے اور اگر استاد اور شاگرد دونوں نادار ہوں تو شاگرد کو چاہیے کہ بھیک مانگ کر اپنی اور اپنے استاد کی روزی فراہم کرے اور دسترخوان پر بالکل خاموش بیٹھا رہے۔

جس وقت لڑکے کے مونجی باندھتے ہیں، اس وقت سے لے کر شادی کے وقت تک اس کو برہم چاری کہتے ہیں، پس اگر اپنے گھر کی پریشانی کی وجہ سے کسی دوسری جگہ سے اپنی روزانہ کی خوراک حاصل کرے تو اسے چاہیے کہ ایک ہی جگہ پر کھانا نہ کھائے، بلکہ کئی دروازوں پر چکر لگائے اور ہر جگہ سے کچھ مانگ کر اپنے مصرف میں لائے۔ لیکن وہ شخص جس کے ماں باپ اس کی سالانہ خوراک کی تکلیف اُٹھا سکیں اور وہ اس مقام پر

اپنے علاوہ کسی برہمن کو نہ دیکھے تو وہ ایک ہی جگہ پر کھانا کھا سکتا ہے۔ برہم چاری شادی ہونے تک نہ شہد کھائے، نہ آنکھ میں سرمہ لگائے اور نہ تیل وعطریات بدن میں لگائے اور بچا ہوا کھانا نہ کھائے، مگر استاد کا سخت اور کڑوی بات نہ کہے اور جماع نہ کرے اور آفتاب کو طلوع وغروب کے وقت نہ دیکھے، جھوٹ نہ بولے بدشگونی کی بات زبان پر نہ لائے۔ کسی شخص کو لعنت ملامت نہ کرے اور استاد کی بے انتہا تعظیم کرے۔

متقدمین نے یوں مقرر کیا ہے کہ لڑکے کو پانچ سال کی عمر سے بارہ سال تک وید اور مذہبی علوم کی تحصیل میں مشغول رہنا چاہیے۔ برہمن کو چاروں وید کی تلاوت کرنی چاہیے، چونکہ ان سب کو پڑھنا، ناممکن ہے۔ لہٰذا علماء نے ہر وید میں سے چند فقرے پڑھ لینے کو کافی قرار دیا ہے۔ پہلا رِگ وید ہے، جو حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت، آفرینش کا بیان، راہِ سلوک اور حیات وموت جیسے مسائل کے بارے میں ہے۔ دوسرا یجر وید ہے جو مذہب وملت کے اصول اور ہوم اور جپ کے قواعد پر مشتمل ہے۔ تیسرا سام وید ہے اور وہ علم موسیقی، وید کی تلاوت اور اس کے منتخب فقروں پر مشتمل ہے۔ نیز اس میں مختلف نغموں اور سُروں کا بھی تذکرہ ہے۔ چوتھا اتھر وید ہے۔ اس میں تیر اندازی کے طریقے اور وہ دُعائیں درج ہیں، جو دشمن کے روبرو ہونے اور ان پر تیر چلانے کے وقت پڑھنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اس طریقہ اور دُعاؤں کے ساتھ ایک تیر چلاتا ہے تو وہ ایک تیر ایک لاکھ تیر بن جاتا ہے، جن میں سے بعض کے اندر آگ ہوتی ہے اور بعض میں آندھی، طوفان، غبار اور بارش ہوتی ہے اور بعض سخت پتھر اور بھاری اینٹوں جیسے ہوتے ہیں۔ نیز بعض تیر خوفناک جانور اور درندوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، جن کو دیکھ کر بڑے بڑے دلاور سہم جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ دشمنوں کو فنا اور تباہ کرنے کے لیے اس کتاب سے عجیب وغریب باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس علم کی کتاب کو اتھر وید کہتے ہیں اور اسی قسم کے افسون، سحر، جادو، کشش اور حیلہ کی باتیں اس میں مذکور ہیں۔

برہم چاری دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جیسا کہ بیان ہو چکا، صاحبِ خانہ ہونے اور لڑکی سے شادی کرنے کے وقت تک جس کو برہمن لوگ برہم چاری کہتے ہیں۔ دوسرا برہم چاری وہ ہے جو زندگی بھر کدخدائی (شادی شدہ ہونا) اختیار نہیں کرتا اور دنیوی چیزوں کی فکر وتردد نہیں کرتا اور ہمیشہ اپنے استاد کا غلام اور فرماں بردار رہتا ہے۔ استاد کے انتقال کے بعد اس کے پسماندگان کی خدمت کرتا ہے اور اگر اپنے استاد یا اس کے پسماندگان کے مکان میں مر جائے تو بہ نسبت دوسرے مقامات کے زیادہ بہتر ہے، لیکن اگر اس کی موت واقع نہ ہو تو آگ کی جس کو ہر روز ہوم کے لیے جلائے، اچھی طرح پرستش کرے اور روز بروز خوراک کم کرتا جائے۔

جب برہم چاری کے کچھ حالات بیان ہو چکے تو اب تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوؤں کے یہاں شادی کرنے کے کئی طریقے ہیں جیسا کہ مہابھارت کے آدپرب یعنی پہلے حصے میں درج ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر باقی نہ رہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ دوسرا شوہر کرے۔ چنانچہ جب پرسُرام نے چھتریوں یعنی راجپوتوں کو قتل کر ڈالا تو ان کی عورتوں نے برہمنوں سے اختلاط پیدا کر کے اولاد حاصل کر لی۔ اسی طرح جائز

ہے کہ جب ایک شوہر چھوٹ جائے تو دوسرے شوہر سے تعلق جوڑے۔ چنانچہ جوجن گندھی شروع میں پراشر کی بیوی تھی، جس سے بیاس نامی ایک لڑکا پیدا ہوا جو مشہور عابد تھا۔ بعد ازاں سُنتن نامی بادشاہ کی زوجیت میں آ گئی۔ اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ عورت شوہر کی رضامندی سے دوسرے مرد سے اختلاط کر سکتی ہے۔ چنانچہ جب راجہ بلی آیا تو نم نامی برہمن نے اپنی بیوی کو اس کے پاس بھیج دیا، جس سے لڑکا پیدا ہوا۔ اسی طرح پانڈو راجہ جو عورتوں کے اختلاط سے پرہیز کرتا تھا، اس نے اپنی بیوی کنتی کو دوسرے مردوں کی صحبت کی اجازت دی تھی۔ لہٰذا اس نے دُعا کے زور سے فرشتوں سے صحبت کر کے لڑکے پیدا کیے۔ اسی طرح جائز ہے کہ لڑکوں کے باپ الگ الگ ہوں اور ماں ایک ہو اور ایک بھائی دوسرے بھائی کے انتقال کے بعد اس کی بیوی سے شادی کرے۔ چنانچہ بیاس نے جو جوجن گندھی کا بیٹا تھا اور اس کا باپ پراشر تھا، اس نے چتر ویرج کی عورتوں سے اختلاط کیا، جبکہ اس کی ماں بھی جوجن گندھی تھی، لیکن باپ سُنتن تھا اور اس طرح اس سے دھرت راشٹر اور پانڈو راجہ پیدا ہوئے۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی نسب اور ایک ہی مذہب کے کئی لوگ ایک عورت سے شادی کریں۔ چنانچہ دروپت راجہ کی بیٹی سے جس کا نام دروپتی ہے، پانچ پانڈو راجاؤں نے، گوتم کی لڑکی اہلیا سے سات اشخاص نے اور ایک دوسرے عابد کی بیٹی سے دس اشخاص نے شادی کی تھی۔ یزدانیوں نے عورتوں کی جدائی اور اپنے لیے شوہر نہ بنانے کے اسباب جھگڑا، فساد اور نسب کی خرابی کو قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس کتاب یعنی مہابھارت میں لکھا ہے کہ پرانے زمانہ میں کسی شوہر اور بیوی کی تخصیص نہ تھی اور جس کسی عورت سے مرد کی خواہش ہوتی، اس سے اختلاط کرتا تھا، یہاں تک کہ ایک عابد کی بیوی نے غیر مرد سے اختلاط کیا، اس کا بیٹا ستونت کنش اور روش سے بیزار ہوا اور دُعا کی کہ اس کے بعد اب جو عورت غیر مرد سے اختلاط کرے، جہنمی ہو جائے۔ حیوانات جو ہماری طرح نفسِ مجرد کے مالک ہیں، وہ اب بھی پرانے اصول پر عمل پیرا ہیں اور شمالی علاقے کی بعض قومیں بھی اسی طریقے پر گامزن ہیں۔ نیز اس کتاب میں درج ہے کہ بیاس عابد ایک مچھیرے کی لڑکی سے پیدا ہوا تھا، جس سے پراشر نے شادی کر لی تھی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر لڑکا کسی نیچی ذات والے سے پیدا ہوتا ہے، تو بھی اسے ذلیل وخوار نہ سمجھنا چاہیے۔ یہاں تک تو مہابھارت کے اقوال نقل کیے گئے۔

ان کے نزدیک بیوی دو قسم کی ہوتی ہے، ایک مقررہ بیوی جس کو غیر مرد کے پاس جانا ناجائز ہے۔ دوسری آزاد بیوی جو فاحشہ ہوتی ہے۔ ان کے مقدس مقامات پر اس قسم کی عورتیں بکثرت ہوتی ہیں۔ بظاہر قدیم سلاطین نے ان عورتوں کو مسافروں اور زائروں کی خاطر کے لیے مقرر کیا تھا اور اس عمل کو موجب ثواب و حسنات سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں مردوں کی کثرت کی وجہ سے اس جماعت سے اختلاط کو حرام نہیں سمجھتے تھے کیونکہ زنا شوہر دار عورت سے اختلاط کو کہتے ہیں۔ ان طوائفوں سے اختلاط کی مزدوری نہ دینا بُری بات ہے۔ بت خانہ کورم یعنی کچھوا جو شہر کلنگ میں واقع ہے، اس میں رہنے والی طوائفیں پرانے زمانہ میں سب سے پہلے اپنی لڑکیوں کو خدا کی خوشنودی اور ثواب کے ارادہ سے کسی برہمن کو دیتی تھیں۔ اس کے بعد اپنے کام پر لگاتی تھیں، مگر آج کل لوگوں میں حرص و ہوس کی وجہ سے، اس جماعت نے یہ رسم ترک کر دی ہے۔ البتہ یہ طوائفیں اپنے مذہب والوں

کے سوا دوسرے کے پاس نہیں جاتی تھیں۔ شیر محمد خان جو سلطان عادل عبداللہ قطب شاہ کی جانب سے اس علاقے کا سپہ سالار ہوا تھا، اس نے جبراً ان عورتوں کو مسلمانوں کے گھروں میں بھیج دیا تھا۔ لیکن بُت خانہ جگناتھ کی طوائفیں اب بھی مسلمانوں سے اختلاط نہیں رکھتیں۔

گیا اور سورم میں جس عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اس کو اصلیہ، نجیبہ اور خوبصورت ہونا چاہیے اور اس سے پہلے کسی سے اس کی شادی نہ ہوئی ہو، نیز ہونے والے شوہر کے حسب ونسب سے اس کا کسی طرح سے رشتہ یا علاقہ نہ ہو۔ اس عورت کے بھائی بردار ہوں اور دس پشت تک اس کا حسب ونسب برابر کے لوگوں پر ظاہر ہو۔ لڑکی کے عزیز و اقارب لڑکے کے عیب و ہنر بالخصوص اس کی تندرستی اور قوتِ باہ کے متعلق پوری تحقیق کرتے ہیں۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ برہمن چھتری اور بنیا یعنی بقال اور کنبی یعنی کاشت کار کی لڑکی سے شادی کرسکتا ہے، لیکن اس شرط پر کہ لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ کھانے پینے میں شریک نہ ہو۔

ان کے یہاں شادی کے پانچ طریقے ہیں: پہلی قسم جس کو وِواہ کہتے ہیں۔ یہ شادی اس طرح ہوتی ہے کہ لڑکی کا باپ داماد کو تلاش کرتا ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق اس کو نقد روپیہ اور سامان دے کر لڑکی اس کے حوالہ کر دیتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ مقبول طریقہ ہے۔ دوسری قسم اُسر وِواہ ہے اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ بغیر ماں باپ کی رضامندی کے طاقت، تشدد یا دولت کے زور سے لڑکی کو زبردستی اس کے ماں باپ کے گھر سے کھینچ کر اپنے گھر لے جائے اور عقد کر لے۔ تیسری قسم گاندھر وِواہ ہے اور وہ یوں ہے کہ لڑکی اور لڑکا دونوں آپس میں راضی اور راغب ہوں اور لڑکا بغیر ماں باپ کی مرضی کے لڑکی کو اپنے گھر لے جائے۔ چوتھی قسم راکشس وِواہ ہے، جس میں دونوں طرف سے فریقین لشکر لے کر آتے ہیں اور تلواروں کے زور سے لڑکی کو لے جا کر نکاح کر لیتے ہیں۔ پانچویں قسم بشاچہ وِواہ کے نام سے موسوم ہے، جس میں بغیر ماں باپ کی رضامندی کے طلسم و شعبدہ اور اسی قسم کے سحر و افسوں کے زور سے لڑکی کو لے جا کر نکاح کر لیتے ہیں۔ سنسکرت زبان میں ویشاچ ایک جن کا نام ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جس طرح جن جسے چاہتا ہے، اس پر قابو پا لیتا ہے، یہ شادی بھی اسی طریقے پر واقع ہوتی ہے۔

لڑکی سے نکاح میں دانشمند برہمن کو چاہیے کہ دلہن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے مذہب کے مطابق مقررہ صیغہ ادا کرے اور سات قدم چلے اور جب برہمن کسی چھتری لڑکی سے شادی کرے تو عقد کے دوران ایک تیر لا کر اس کا ایک سرا شوہر کے ہاتھ میں اور دوسرا سرا دلہن کے ہاتھ میں دے۔ بنیئے کی لڑکی سے شادی کے وقت تازیانہ یا اس جیسی کوئی چیز مذکورہ طریقے پر دونوں کے ہاتھ میں رکھیں۔ جب کاشت کار کی لڑکی سے شادی کرے تو اس کا وہ کپڑا جس پر قینچی نہ چلی ہو اور جس کو دُھری کہتے ہیں، اسے ہاتھ میں لے لیں۔ جب لڑکی کو اس کے شوہر کے حوالہ کریں تو اگر اس کا باپ یا دادا دونوں نہ ہوں اور اس کے بھائی بھی اس موقع پر موجود نہ ہوں تو اس کے قبیلہ کے لوگوں میں جو زیادہ پڑھا لکھا ہو، وہ مقررہ مراسم کو بجا لائے، لیکن اگر عزیز و اقارب نیکوکار نہ ہوں تو دلہن کی ماں ان فرائض کو انجام دے۔

جاننا چاہیے کہ جب لڑکی شادی کے لائق ہو جائے تو اگر باوجود قدرت کے اس کو شوہر کے حوالے نہیں کرتے تو یہ بڑا گناہ ہے۔ اگر مذکورہ بالا رشتہ داروں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو لڑکی کے لیے لازم ہے کہ اپنے لیے کسی اچھے خاندان کا شوہر تلاش کرے۔ علاوہ ازیں ساری زندگی میں ایک مرتبہ لڑکی کو شوہر کے حوالے کریں اور شوہر کے انتقال کے بعد ناجائز ہے کہ وہ دوسرے کی بیوی بنے، بلکہ چاہیے کہ شوہر کے انتقال کے بعد بھی شوہر کے گھر میں زندگی گزارے۔ اگر نکاح کے وقت سات قدم چلنے سے پہلے جس کا اوپر ذکر ہوا، ایسا شوہر مل جائے جو بہ نسبت پہلے شوہر کے بہتر خاندان والا ہو تو جائز ہے کہ لڑکی کو پہلے شوہر سے باز رکھتے ہوئے، دوسرے کے حوالے کر دیں، کیونکہ سات قدم چلنے سے پہلے زناشوئی کا رشتہ منعقد نہیں ہوتا اور اگر عورت بدکار ثابت ہو تو اس سے مباشرت جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو قتل کر ڈالنا اور گھر سے باہر نکال دینا بھی جائز ہے۔ ایسی عورت کو ایک تنگ و تاریک کمرہ میں بند کر کے پہننے کے لیے موٹا کپڑا اور ایک وقت کا کھانا دیا کریں۔

برہمنوں کے نزدیک عورتوں کے ایامِ حیض سولہ ہوتے ہیں اور جس روز سے عورت حائضہ ہو اس کے چار ابتدائی دنوں میں مباشرت کو منع قرار دیا ہے۔ عورت پر فرض ہے کہ شوہر کے والدین، بھائی اور رشتہ داروں کی تعظیم بجا لائے اور شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت کی کوشش کرے۔ اگر شوہر سفر میں چلا جائے تو عورت کو چاہیے کہ اپنی آرائش نہ کرے، شگفتہ اور ہنس مکھ نہ رہے، دوستوں اور عزیزوں کے گھر دعوت میں نہ جائے اور نہ ان کو اپنے یہاں مدعو کرے۔

جب تک لڑکی کنواری رہے اور شوہر کے حوالے نہ کی گئی ہو، اس وقت تک اس کی نگرانی اور حفاظت میں بے حد کوشش کرنی چاہیے اور شادی کے بعد بلکہ بچپن سے لے کر مرنے تک جائز نہیں ہے کہ عورت اختیار کلی کی مالک بن جائے، بلکہ چاہیے کہ ہمیشہ اپنے باپ اور شوہر اور رشتہ داروں کی ماتحت اور فرماں بردار رہے اور اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو بادشاہِ وقت پر فرض ہے کہ اس کی خبر گیری کرے۔

شوہر کے سفر کے موقع پر عورت تنہا گھر میں نہیں رہ سکتی، بلکہ اسے اپنے باپ، ماں، بھائی اور ان جیسے عزیزوں کے پاس رہنا چاہیے۔ شوہر کے انتقال کے بعد اگر عورت ستی نہیں ہوتی یعنی خود کو نہیں جلاتی تو اسے چاہیے کہ اس کے عزیزوں کے پاس رہے اور تھوڑی غذا کھا کر باری تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر شوہر کے انتقال کے بعد عورت ستی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ شوہر اور بیوی دونوں کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور بسا اوقات دونوں بہشت میں رہتے ہیں۔ اور اگر شوہر دوزخی ہوتا ہے تو جس طرح سانپ پکڑنے والا سانپ کو زبردستی سوراخ سے باہر نکال لاتا ہے۔ اسی طرح وہ عورت اپنے شوہر کو دوزخ سے نکال کر بہشت میں پہنچا دے گی۔ ہر وہ عورت جو ستی ہو جاتی ہے، دوسرے جنم میں عورت نہیں ہوتی بلکہ اگر پھر انسانی جسم سے وابستہ ہو جاتی ہے تو مرد بن کر ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اگر ستی نہیں ہوتی بلکہ بیوہ جیسی زندگی گزارتی ہے تو ہرگز نسوانی زندگی سے رہائی نہیں پاتی۔ لہٰذا حاملہ عورت کے سوا ہر عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے ساتھ جلتی ہوئی آگ میں داخل ہو جائے۔ برہمن عورت کو چاہیے کہ ایک ہی آگ میں شوہر کے ساتھ ستی ہو جائے اور

دوسروں کے لیے علیحدہ ستی ہونا جائز ہے۔ لیکن جبراً عورت کو آگ میں ڈالنا ناجائز ہے، جس طرح وہ عورت جو خود سے ستی ہونا چاہتی ہے، اس کو باز رکھنا ناجائز ہے۔

بعض محققین کا قول ہے کہ ستی ہونے سے مراد یہ ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد عورت اپنی ساری خواہشات کو شوہر کے ساتھ جلا دے اور قدرتی موت سے پہلے مر جائے کیونکہ رمز کی زبان میں عورت سے مراد خواہشِ نفسانی ہے یعنی عورت اپنی خواہشِ نفسانی کو مٹا دے نہ یہ کہ خود کو مردہ کے ساتھ آگ میں جھونک دے، کیونکہ یہ نامناسب فعل ہے۔ پارسا عورت کو چاہیے کہ بلاوجہ غیر مرد کے سامنے اپنی نمائش نہ کرے اور اس طرح پہنے کہ ٹخنے تک سارا بدن ڈھکا رہے۔

برہمن کا وہ لڑکا جو چھتری لڑکی کے بطن سے پیدا ہوتا ہے، وہ برہمن نہیں ہوتا بلکہ اونچے درجے کا چھتری ہے۔ یہ بھی قاعدہ مقرر ہے کہ برہمن جس زمانے میں برہم چاری ہوتا ہے، آتش پرستی اپنا شعار بنا لیتا ہے لیکن وہ آگ نکاح کے وقت برطرف ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس وقت دوسری آگ روشن کرے اور وہ دُعا جس کا پڑھنا واجب ہے، پڑھے تاکہ وہ آگ اس معاہدہ کی گواہ بن جائے جو نکاح کے وقت مرد اور عورت کے درمیان قائم ہوتا ہے اور عقدِ نکاح کے بعد وہی مقرر دُعائیں جن کو پڑھ کر اس وقت آگ روشن کی تھی، پڑھا کریں اور ہر روز آگ کی پوجا کریں۔

برہمن کو چاہیے کہ آفتاب کے طلوع اور غروب کے وقت ہوم کرے اور دو مرتبہ کھانا کھائے، ایک دن میں جب دوپہر ہو جائے، دوسرا رات میں جب ایک پہر رات گزر جائے۔ فقرا اور دوست احباب جو اس کے گھر آئیں، ان کا استقبال کرے اور حسبِ حیثیت خورلنک اور پوشاک سے ان کی اعانت کرے۔

چھتری کے لیے وید، شاستر یعنی کلام آسمانی اور دیگر علوم کو پڑھنا جائز ہے، لیکن وہ دوسروں کو تعلیم نہیں دے سکتا۔ اسی طرح ہوم کرنا بھی لازم ہے لیکن دراصل اس کا کام فرماں روائی اور مخلوق کی حفاظت کرنا ہے۔ چنانچہ برہما کی قرارداد اور برہمنوں کی شریعت کے مطابق قدیم سلاطین چھتری کے طبقہ کے تھے۔ بقال کا پیشہ خرید و فروخت کرنا اور تجارت کرنا ہے۔ اسی طرح چوپایوں کی حفاظت اور کھیتی باڑی جس میں نفع حاصل ہو، کاشت کار کا پیشہ ہے، جس کو دلمہ اور کنبی کہتے ہیں۔ یہ طبقہ خدمت کرے، کھیتی باڑی کرے یا کوئی بھی کاروبار جس سے اپنی روزی حاصل کرے، اس کے پیشے میں کوئی پابندی نہیں۔

چاروں طبقوں پر واجب ہے کہ کسی مخلوق کے درپئے آزار نہ ہوں بالخصوص یہ کہ کسی کو قتل نہ کریں، سچ بات کہیں اور نیک عمل کریں نیز لوگوں کے مال میں خیانت سے پرہیز کریں۔

ہر برہمن پر فرض ہے کہ سال میں ایک مرتبہ جگ کی مقررہ رسم ادا کرے اور اگر نادار ہو تو چاہیے کہ اپنے دوست و احباب کے پاس جا کر تھوڑی تھوڑی رقم جمع کر کے جگ میں صرف کرے۔ جگ کا طریقہ یہ ہے کہ تین کنڈ یعنی آگ کے گھڑے بنائے اور ان تینوں کنڈوں کے سامنے لکڑی کا ایک ستون نصب کرے، بعد ازاں دربھا گھاس جس کو سنسکرت میں گوسالہ کہتے ہیں، اس کی ایک رسی بٹے اور وہ رسی سیاہ رنگ کے بکرے کی

ردن میں ڈال کر اس ستون سے باندھ دے۔ پھر پانچ روز ہوم کرے، پہلے روز جو شخص ہوم کرے وہ اور اس کی بیوی دونوں غسل کریں۔ ان کے ہمراہ نو برہمن بھی اپنا سر اور جسم دھوئیں اور ان نو افراد میں سے ایک کو برہما مقرر کریں۔ اس برہما کی سب لوگ فرماں برداری کریں اور آٹھ باقی برہمن اس برہمن کے پیچھے رہیں۔ ان آٹھ کے علاوہ سولہ برہمن اور موجود ہونے چاہئیں جو ہوم کی رسم کے دوران علیحدہ منتر یعنی دُعا پڑھیں۔ علاوہ ازیں آگ جلانے کے لیے ایک لکڑی، جسے سنسکرت میں آرن اور ہندی میں آک کہتے ہیں، فراہم کرے اور آگ کو تیز جلانے کے لیے وہ لکڑی جسے سنسکرت میں کندرو اور تلنگی زبان میں چندرو کہتے ہیں، جمع کرے۔ اس طرح ہوم کے لیے ایک لکڑی جس کو پامارک، اور تلنگی زبان میں او برسی اور دکھنی میں اکھارہ کہتے ہیں اور جس سے مسواک بناتے ہیں، اسے لائے۔ اسی طرح مشہور درخت پیپل کی لکڑی اور وہ لکڑی جسے سنسکرت میں بودم راہ، تلنگی میں مبری، دکھنی میں گولر اور فارسی میں انجیر دشتی کہتے ہیں، نیز وہ لکڑی جسے سنسکرت میں سمی اور تلنگی میں خمی کہتے ہیں، نیز ایک گھاس جسے سنسکرت میں دوروا، تلنگی میں کرگی اور دکھنی میں ہریالی کہتے ہیں اور ایک دوسری گھاس جسے درباس کہتے ہیں، یہ سب نو چیزیں جمع کرے اور مذکورہ بالا آٹھ برہمن منتر پڑھتے ہوئے بکرے کو اس طرح پکڑیں کہ درخت خارزہری جسے سنسکرت میں کال شاکھا، تلنگی میں بلسوکوما اور دکھنی میں کارنکا ھاتنا کہتے ہیں، اس کی پتی اور چھال کو لا کر فرش بنائیں، پھر وہ آٹھوں برہمن بکرے کو لٹا دیں اور اسے پکڑے رہیں۔ بعد ازاں دوسرے سولہ برہمن مناسب دُعا پڑھتے ہوئے بکرے کے تمام سوراخوں کو بند کر لیں کہ وہ سانس نہ لے سکے اور اسی حال میں رکھیں، یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ پھر ان سولہ برہمنوں میں سے ایک بکرے کا سر ایک ضرب میں کاٹے، پھر اس کی کھال اتار کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرے اور اس کی ہڈیوں کو دُور پھینک دے۔ اس کے بعد اس کے گوشت اور گھی کو ایک ساتھ ملائے اور وہ آٹھ برہمن اس کا ایک ایک ٹکڑا آگ میں ڈالیں اور سولہ نفر برہمن مذکورہ لکڑیوں کو آگ میں ڈالیں اور اس کے اوپر گھی ڈال دیں۔ پھر بھنے ہوئے گوشت کو آٹھوں برہمن کھائیں، اور جو شخص جگ کر رہا ہو، وہ بھی کھائے۔ اس کے بعد آٹھوں برہمن اور دوسرے سولہ برہمنوں کو ایک سو ایک گائیں مع بچھڑوں کے اور دکچھنا یعنی نقدی رقم دیں۔ نیز چاہیے کہ ہوم کے دوسرے روز بھی بکرا ذبح کریں اور اس روز بھی دن یعنی کوئی صدقہ (نذر) دیں۔ اس کے بعد تین روز تک دُعا پڑھتیں اور آگ جلائیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا، لیکن اس میں گوشت نہ ڈالیں۔ الغرض ان پانچ دنوں میں جو برہمن آئیں ان کو کھانا کھلائیں، ان کو خوشبو لگائیں اور ہر ایک کو کچھ صدقہ (نذر) دیں۔ پانچ روز کے بعد گڑھے پاٹ دیں اور بند کر دیں، لیکن ایک گڑھے کو چھوڑ دیں۔ جب اس کی آگ اپنے گھر میں اٹھا لائیں تب اسے بھی بند کریں۔ اس لیے کہ شہر کے باہر گڑھے کھودتے ہیں اور شہر کے باہر ایک گھر بناتے ہیں جسے پوری رسم کے بعد جلا دیتے ہیں اور جو آگ گھر میں لاتے ہیں، اس کے لیے گھر میں علیحدہ ایک گڑھا کھود کر آگ کو وہاں محفوظ کر دیتے ہیں اور ہر روز ہوم کرتے ہیں اور آگ کو بجھنے نہیں دیتے۔ آگ کے لیے ایک سرپوش بناتے ہیں اور جب ہوم کرنے جاتے ہیں تو اسے ہٹا دیتے ہیں۔

ہوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ غسل کر کے آئیں اور اس گڈھے کی راکھ سے تلک یعنی قشقہ لگائیں پھر ہوم کریں، اور چاہیے کہ کوئی برہمن ہوم کرائے، دوسروں کو اس کا حق نہیں پہنچتا۔ اگر برہمن بشن کا پجاری ہو ہوم یعنی جگ اسی طور سے کرے لیکن بجائے بکرے کے اس کی شکل آٹے کی بنا کر سارے احکام اس پر جاری کرے۔ جس ہوم میں ایک بکرا ذبح کرتے ہیں، اس کو اکنشٹو مم، جس جگ میں دو بکرے ذبح کریں، اس کو یون یکم، اور جس ہوم میں تین بکرے ذبح کرتے ہیں، اس کو واجیم کہتے ہیں۔ اسی طرح جس ہوم میں چار بکرے ذبح کرتے ہیں، اس کو جیوٹشٹوم اور جس میں پانچ بکرے ذبح کرتے ہیں، اس کو پنجہ ہوم کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں، جب اس طور سے گائے ذبح کرتے ہیں تو اسے گئومید کہتے ہیں اور جب گھوڑا ذبح کرتے ہیں تو اسمید اور راز سیہ کہتے ہیں اور جب اسی انداز پر انسان کو قربان کرتے ہیں تو نرمید کہتے ہیں۔

جگ یعنی یہ ہوم ماگھ کے مہینے میں یا بیساکھ یا مارگسیر کرتے ہیں اور جس شخص نے ایک مرتبہ جگ کر لیا، اسے چاہیے کہ ہر سال ایک بکرے کی قربانی کرے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو آٹے سے بکرے کی ایک شکل بنا لے اور اگر بشنو کا پیرو ہے تو بجائے بکرے کے آٹے کا بکرا بنائے کیونکہ بشنو کے مذہب میں حیوانات کو تکلیف دینا حرام ہے۔ سمرت یعنی شریعت میں بھی بتایا گیا ہے کہ وہ شخص جانور کو ذبح کرے جو ان کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہو کیونکہ جگ کے ذبیحہ کو پھر سے زندہ ہو جانا چاہیے۔ ان لوگوں کے حکماء نے بیان کیا ہے کہ بکرے کے ذبح سے مراد جہالت کو دُور کرنا ہے، گائے ذبح کرنے سے مقصد زیادہ خوراک کی عادت ترک کرنا اور گھوڑا ذبح کرنے سے مراد برے خیالات کو ختم کرنا ہے کیونکہ من یعنی دل سے ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق قوتِ متخیلہ اور دوسرے حواسِ باطنی کا تعلق ہے، وہ ایک فضول دوڑنے والا سرکش گھوڑا ہے اور قربانی کے لیے انسان کے خون بہانے سے مراد بشری مذموم صفات کو زائل کرنا ہے۔ برہمن کے لیے بہتر یہ ہے کہ کھیتی باڑی میں مشغول نہ ہو، بلکہ ہم مذہب لوگوں کے گھروں میں جا کر ان کی رضامندی سے تھوڑا غلہ وصول کر کے اسی پر قناعت کرے اور عبادت میں مشغول رہے۔ نیز اپنے پاس اس قدر غذا جمع نہ کرے جو دوسرے دن باقی رہے۔ سونے کے بنے ہوئے برتن بہ نسبت دوسری دھات کے زیادہ پاک ہیں۔ برہمن جہاں کہیں بت خانہ یا گائے یا کسی مردِ زاہد کو دیکھے، اس کا طواف کرے۔ جاری پانی میں، گائے باندھنے کی جگہ، راکھ کے اوپر، کسی برہمن، گائے، آفتاب اور آگ کے سامنے پیشاب یا پاخانہ کرنا ناجائز ہے۔ برہنہ ہو کر بیت الخلا میں ستاروں کی طرف نہ دیکھے اور نہ برہنہ ہو کر بارش میں کہیں جائے۔ پچھم کی طرف سر کر کے نہ سوئے۔ تھوک یا خون یا منی بہتے پانی میں نہ ڈالے۔ پاؤں سینکنے کے لیے آگ کی طرف نہ پھیلائے۔ آگ کے اوپر چھلانگ نہ لگائے اور دونوں ہاتھ سے پانی نہ پیئے۔ بغیر کسی خاص ضرورت کے سوئے ہوئے کو جگانا ناجائز ہے، اور مریض کے ساتھ ایک بستر پر نہ بیٹھنا چاہیے۔ جس کام میں نقصان کا احتمال ہو، اس کے قریب نہ جانا چاہیے اور مُردہ کے جلائے ہوئے جسم کے دھوئیں سے دُور رہنا چاہیے۔ شہر یا دیہات میں سوائے عام دروازہ کے کسی گھر میں داخل نہ ہونا چاہیے۔ کسی رذیل، خسیس اور بخیل و کمینہ بادشاہ سے کوئی چیز نہ لینا چاہیے، جس کو واپسی

میں تکلیف کا امکان ہے، بلکہ واقعی تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح کوئی گندی یا ناپاک چیز نہ لیں۔ اپنی بیوی کی طرف چھینکنے، انگڑائی لینے اور جمائی لینے کے دوران اور جب وہ تنہائی میں غافل بیٹھی ہو، نیز سرمہ لگانے اور سر میں تیل لگانے کے وقت نہ دیکھنا چاہیے۔ سونے کے کمرے میں برہنہ نہ ہونا چاہیے اور نہ خالی مکان میں بغیر ساتھی کے سوئے۔ نیز محض کھیل کے لیے ہتھیلی یا پاؤں سے پانی نہ اُچھالیں اور آگ میں بغیر پھونکنی کے نہ پھونکیں۔

جاننا چاہیے کہ ہیئت دانوں کے حساب سے برہمنوں نے مہینے کے دو حصے کر دیے ہیں۔ شروع سے پندرہویں روز تک کی مدت کو ایک حصہ کہتے ہیں، اور سولہویں روز کو پُروا یعنی ایک حصہ کہتے ہیں، پھر آخر مہینے تک کی مدت کو دوسرا حصہ کہتے ہیں۔ اس کا طور یہ ہے کہ ہر مہینہ میں دو بارہ دن اور ایک چھ دن آتے ہیں۔ یہی وجہ تسمیہ ہے کہ دواداشی اور چھٹی کی یعنی دو بارہ ایک چھ دن۔

دیو کے سایہ یعنی فرشتہ، بادشاہ، استاد، درویش اور دوسروں کی منکوحہ کے مجسمہ پر پاؤں نہ رکھنا چاہیے اور برہمنوں کو حقارت سے نہ دیکھیں اور اگر مجرم کو کسی قصور کی وجہ سے یا شاگرد کو تادیب کے لیے ماریں تو چاہیے کہ جسم کے بالائی حصے کو زخم نہ لگے۔ اپنے سے بڑے، بیوہ عورت، لاچار، بڑھیا، سائل اور لڑکوں سے بحث و مباحثہ نہ کرے اور بیوی کے زن مرید اور جو شخص اپنی بیوی کی بدکاری سے واقف ہو لیکن لاعلمی ظاہر کرے اور حقوق نہ ادا کرنے والے اور قصاب اور دیوث کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا نہ کھائے۔ صاحب خانہ کسی کو بلند آواز سے کھانے پر نہ بلائے، کیونکہ اس سے ریا کی بو آتی ہے۔

مال و دولت کی ترقی، مقصد و حاجت روائی نیز قربتِ خداوندی کے لیے نو ستاروں کی پرستش کریں، جن کے نام یہ ہیں: زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد، قمر، راس اور ذنب اور جیسا کہ مقرر ہے، غلہ، کپڑا اور جواہرات میں سے جن کا ان ستاروں سے تعلق ہو، دانش مند اور پرہیزگاروں کو پہنچائیں۔ اور چاہیے کہ بادشاہ رائے اور تدبیر والا ہو، جوان اور بوڑھے دونوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا ہو، فریاد رس اور ہر شخص سے راضی ہو۔ سخی اور کریم ہو، حق شناس اور لوگوں کی خواہشات سے واقف ہو۔ اہلِ ریاضت اور پرہیزگاروں کا فرماں بردار ہو۔ علمائے دین اور گوشہ نشین بزرگوں کا تابعدار ہو۔ تواضع کرنے والا اور حوصلہ مند ہو۔ عیش اور تنگی کی حالت میں نیز خوشی اور تکلیف کے موقع پر اس کے مزاج میں انحراف اور اس کے اطوار میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو۔

جو شخص میدانِ جنگ سے بھاگتا ہے، اس سے بہت بڑا گناہ سرزد ہوتا ہے اور اس کی ساری نیکیاں جو اس نے جمع کی ہوں گی، اس شخص کو مل جاتی ہیں جو میدانِ جنگ میں پامردی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جو بادشاہ اپنے قانون کی قرار داد کے مطابق قابل تعریف صفات سے متصف اور عادل منصف اور رعایا پروری میں مشغول رہتا ہے، تو جو نیکیاں اس سرزمین کے باشندے کرتے ہیں، ان کا ثواب بھی بادشاہ کو پہنچتا ہے۔ بادشاہوں پر عدل و انصاف کرنا اس حد تک واجب ہے کہ اگر اس کا بیٹا، بھائی، ماموں، خسر، استاد یا دوسرے

رشتہ دار بھی کوئی جرم کریں تو بادشاہ فوراً سمارت یعنی شرع شریف کے مطابق تادیب، تہدید، تنبیہ اور قصاص کا حکم دے۔

ہندوؤں کی شریعت میں جسے سمارت کہتے ہیں، حکم دیا گیا ہے کہ خدا کی پرستش کے بعد فرشتوں کی حمد وثنا کریں اور بندگی کے مراسم بجالائیں۔ اس شریعت میں گوشت کھانا اور بعض جانوروں کو ذبح کرنا ممنوع نہیں ہے، سوائے گائے کے کہ اس کو ذبح کرنے والا اور ستانے والا بہشت کا منہ نہ دیکھے گا، لیکن ان کا قول ہے کہ وہی شخص جانوروں کے قتل وخون کا مرتکب ہو جو جانور کو زندہ کر سکے، کیونکہ یہ بات ضروری ہے کہ انسان جس جانور کو ذبح کرے، اس کو پھر سے زندہ کرے اور اگر اس پر قادر نہ ہو تو یہ کام نہ کرے ورنہ اس کی سزا پائے گا اور اس سے مواخذہ ہوگا۔ محققین کے نزدیک جن حیوانات کو ہلاک کرنا سمارت یعنی شرع میں جائز بتایا گیا ہے، اس سے مراد کسی نہ کسی مذموم صفت کو زائل کرنا ہے، جو اس جانور سے منسوب ہے۔

قدیم زمانے میں برہمنوں اور ان کے دانشمندوں کے درمیان یہ طریقہ رائج تھا کہ جب وہ شادی شدہ ہو جاتے اور کوئی لڑکا عالمِ وجود میں آ جاتا تو عورتوں کے اختلاط سے اپنا دامن کھینچ لیتے اور جب لڑکے کی شادی کر دیتے تو اس سے جدا ہو کر جنگل کی طرف نکل جاتے اور وہاں خداوند تعالیٰ کی پرستش میں مشغول رہتے تھے۔ اسی طرح جب ان کے لڑکے کے گھر میں کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کے ماں باپ جنگل میں بھی ایک دوسرے سے ملاقات نہ کرتے تھے اور ایک دوسرے سے اتنی دور رہتے کہ کئی فرسنگ کا فاصلہ دونوں کے درمیان ہوتا تھا۔

ان لوگوں کے یہاں ریاضت کی کئی قسمیں ہیں: مثلاً دونوں پاؤں پر کھڑے رہنا، خود کو اُلٹا لٹکا دینا، بات چیت نہ کرنا، سکوت اختیار کرنا، اپنے جسم کو دو ٹکڑے کر دینا، پہاڑ کے اوپر سے چھلانگ مارنا وغیرہ اور عورت کا شوہر کے ساتھ خود کو زندہ جلا دینا زیادہ مشہور ہے۔ یہ ہے بیان سمارت کا جو برہما کی جانب سے منسوب ہے، جو اللہ تعالیٰ کا مظہرِ اوّل ہے۔

اس کتاب کے مصنف نے اس گروہ کے سری منی برہمن کو دارالسلطنت لاہور میں دیکھا ہے، جو مسلمانوں کے ہاتھ سے کوئی غذا قبول نہیں کرتا تھا اور غیر مذہب والوں کی صحبت میں نہیں بیٹھتا تھا۔ لوگ نقل کرتے تھے کہ کسی مسلمان حاکم نے اس کو تین لاکھ روپے دینا چاہا، لیکن اس نے قبول نہیں کیا۔ گوشت خوری سے پرہیز کے ساتھ اپنے مذہب کے اصول کے مطابق عمل کرتا تھا۔ کسائی تیواری بنارس کا ایک برہمن ہے جو اپنے علوم میں ماہر ہے۔ ایک عرصہ ہوا جب وہ اپنے وطنِ مالوف سے روانہ ہو کر لاہور میں دریائے راوی کے کنارے جو باغِ کامران کے نزدیک ہے، آ کر بیٹھ گیا ہے۔ بارش اور دھوپ میں وہ جائے پناہ تلاش نہ کرتا اور کھانے سے پرہیز کرتا ہے۔ البتہ تھوڑا سا دودھ پی لیتا ہے اور چند مہینوں میں جو کچھ رقم جمع کرتا ہے، پارسا برہمنوں کو مدعو کر کے ان کی ضیافت میں خرچ کر دیتا ہے۔

ویدانتیوں کے عقائد کے بیان میں

یہ گروہ اس گروہ کے محققین اور صوفیہ پر مشتمل ہے۔ اب ہم ان کے مذہب کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ موجودِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے وجود کی حقیقت علم کے مثل ہے، اس مثال سے اس کا بسیط ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی ذات اور صفات جملہ نقائص اور تناقضات سے پاک ہے، ساری موجودات کو وہ دیکھ رہا ہے اور جملہ پوشیدہ چیزیں اس کی نظر میں ہیں۔ اس کا وجود تمام چیزوں پر محیط ہے اور اس کی بارگاہِ ہستی کی فضا میں فنا اور زوال کی رسائی نہیں۔ اس کی ذاتِ مقدس صفات سارے نفوس کی حاکم اور روحوں میں سب سے اعلیٰ ہے۔ اس ذاتِ مقدس اور وجودِ مکرم کو پرم آتما کہتے ہیں۔ یعنی سب سے بزرگ نفس اور فاضل ترین روح۔ اس مفہوم (یعنی اس کے موجود ہونے) پر دلیل یہ ہے کہ عالم موضوع ہے اور کوئی کاریگری بغیر صانع کے نیستی کے پردے سے ہستی کی فضا میں ظاہر نہیں ہوسکتی اور ہر بنائی ہوئی شے کو بنانے والی وہی ذات ہے۔ اس مفہوم کو اہلِ خرد کے عقلی دلائل اور بید یعنی آسمانی کتاب کے نقلی شواہد کے ذریعہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ موجودِ حقیقی اس عالم کو مثل آسمان کے عرصۂ وجود میں لایا، ورنہ اس کو بُوئے وجود نہ ملتی اور نہ رنگ ہستی قبول کرتا۔ اور اس ظہور کو مایا یعنی مکر اللہ کہتے ہیں، اس لیے کہ سارا جہان اسی کا شعبدہ ہے اور ہستی عطا کرنے والا نقالِ واحد اور اپنی ذات مقدس کے ساتھ قائم ہے، البتہ وہ نقال کی طرح ہر وقت ایک نئی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور پھر اسے چھوڑ کر دوسرے بھیس میں ظہور فرماتا ہے۔ صرف وہی ذات برہما، بشن اور مہیش کے لباس میں ظاہر ہوئی اور اسی ایک حقیقت کو اقنومِ ثلاثہ (تین اصل) میں نمودار کیا اور ذاتِ واحد کو تین مختلف مواد میں آشکارا کر کے دنیا کو قائم کیا۔ ارواح کی نسبت اس کی ذاتِ مقدس کے ساتھ ویسی ہی ہے جیسی کہ موج کی نسبت دریا کے ساتھ اور چنگاری کی نسبت آگ کے ساتھ۔ اسی بنا پر نفوس کی ارواح کو جیو آتما کہتے ہیں۔ نفس بدن اور حواس مجردہ سے بالکل مختلف ہے اور خودی اور انا کے غلبہ کی وجہ سے بدن کی قید میں گرفتار ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس پر لفظ نفس کا اطلاق کرتے ہیں۔ نفس کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ اول بیداری جس کو جاگرت اوستھا کہتے ہیں۔ اس حالت میں نفس طبعی لذات اور جسمانی خواہشات مثلاً کھانے پینے سے راحت پاتا ہے اور ان مذکورہ چیزوں کے نہ ملنے سے جس کے نتیجے میں بھوک اور پیاس وغیرہ کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ نفس تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ حالت دوم خواب ہے، جس کو سوپنا اوستھا کہتے ہیں۔ اس حالت میں نفس اپنے مقصود اور مرغوب کو پا کر مثلاً خواب میں سونا چاندی جمع کرنا اور اس کے مثل افعال سے مسرور ہوتا ہے اور اس کو نہ پا کر مغموم ہوتا ہے۔ سوم حالت وسوپنہ اوستھا کہتے ہیں۔ اس درجہ میں نفس کو مطلوب کے حصول اور عدم حصول سے مسرت اور غم نہیں پہنچتا اور اس حالت میں آرام و تکلیف سے آزاد رہتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ ان کے نزدیک خواب سے وہ حالت مراد ہے، جس میں کوئی واقعہ دیکھے اور اس دیکھی ہوئی چیز کو عربی زبان میں رؤیا کہتے ہیں۔ تیسری حالت سے وہ خواب مراد لیتے جس میں کوئی واقعہ نہ دیکھا جائے اور وہ گہری نیند ہے۔ یہ لوگ اس کو خواب نہیں سمجھتے، بلکہ نیند سے علیحدہ شمار کرتے

ہوئے، اس کو سوسپنہ کہتے ہیں۔ ان ہی تینوں حالتوں میں نفس کو گرفتار اور گردش کرنے والا سمجھتے ہیں۔ اور ان مراتب میں نفس اجسام و ابدان سے متعلق ہو کر ثواب اندوزی اور نیکوکاری کے ذریعہ خود شناسی اور معرفتِ الٰہی کے درجے پر پہنچ جاتا ہے، اس وقت دامِ غفلت کو توڑ دیتا ہے۔ اور عرفان جس کو یہ لوگ گیان کہتے ہیں، اس کی علامت یہ ہے کہ جس طرح لوگ خواب میں جو کچھ دیکھتے ہیں، اسے بیداری کی حالت میں محض خیالی چیز اور معدوم سمجھتے ہیں، اسی طرح عارف بیداری کو بھی خواب سمجھتا ہے، جیسے کہ دھوکہ سے رسی کو سانپ سمجھ لیا ہو حالانکہ وہ رسی ہی تھی، سانپ نہ تھا۔ اسی طرح اس دنیا کو فریبی وجود سمجھتا ہے، جس کو غفلت کی وجہ سے عالم خیال کیا جاتا ہے، ورنہ اصل وہ موجودِ حقیقی ہے۔ اس حالت کو یہ لوگ ترباوستھا کہتے ہیں۔

جب عارف دنیا کے علائق و عوائق اور ممکنات کے قیود سے رہائی پاتا ہے اور مطلق ہو جاتا ہے، جس کو یہ لوگ مکت کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک مکت پانچ قسموں میں منقسم ہے۔ قسم اول یہ ہے کہ سالک عالمِ اطلاق میں پہنچنے کے بعد کسی فرشتہ کے شہر میں رہتا ہے، جس شہر میں اس فرشتہ کا مقام ہوتا ہے، مثلاً شہر برہما، شہر بشن اور شہر مہادیو۔ مکت کی اس قسم کو سالوکیم کہتے ہیں۔ قسم دوم یہ ہے کہ سالک فرشتوں سے نزدیک اور ان کا مقرب بن جائے اور ان کی صحبت اور ہم نشینی کا فیض اس کا احاطہ کرے۔ اس قسم کے مکت کو سامی پیم کہتے ہیں۔ قسم سوم وہ مکت ہے کہ سالک ملائکہ کا ہم شکل ہو جاتا ہے بغیر ان کی ذات سے اتحاد کے یعنی جس فرشتہ کو چاہے اس کی شکل اختیار کرے۔ اس قسم کو سارو پیم کہتے ہیں۔ قسم چہارم مکت کی یہ ہے کہ سالک فرشتوں سے ملحق ہو جائے جس طرح پانی پانی سے مل جاتا ہے یعنی جس فرشتہ کو چاہے، اس سے مل جائے۔ اس قسم کو سایوجیم کہتے ہیں۔ قسم پنجم وہ مکت ہے کہ سالک کی روح جس کو جیو آتما کہتے ہیں، عین نفسِ اعلیٰ بن جائے جس کو پرم آتما کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جسے موسومِ حقیقی سمجھتے ہیں۔ اس درجہ میں دوئی کی گنجائش باقی نہیں رہتی، ثنویت رفع ہو جاتی ہے، اس مکت کو کیولیم کہتے ہیں۔

یہ تھا خلاصہ ویدانتیوں کے عقائد کا، اس علم کے جاننے والے کو ہندو لوگ گیانی کہتے ہیں اور سارے اکابر ہندوؤں نے اس گروہ کے اصول کو بیان کیا ہے۔ مثلاً وشسٹ جس نے رام چندر کی نصیحتوں میں اعلیٰ مضامین اور بلند حقائق بیان کیے ہیں۔ ان مقالات کو یوگ وشسٹ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ دوسرے کرشن جنھوں نے ارجن کو نصیحت کے وقت جو کہ ایک پنڈا تھا، اسی قسم کے کلمات دوہرائے ہیں۔ ان تقریروں کو کتھا کہتے ہیں۔ اور شنکر آچاریہ[1] جو ہندوؤں کے علمائے متاخرین میں ایک برگزیدہ شخصیت ہے، ان کی اس علم میں بہت سی کتابیں ہیں۔ اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ دنیا اور دنیا کے بسنے والے صرف نمائشی ہیں، جن کا کوئی وجود

---

[1] شنکر آچاریہ (Samkaracharia) آٹھویں صدی کے ایک تخلیقی مفکر اور ہندو فکر پر مستند شارح شمار کیے جاتے ہیں۔ شنکر اچاریہ کا نظریہ وحدۃ الوجود اپنشد (Upanisad) سے ماخوذ ہے۔ البتہ ان کا علم کلام ویداز (Vaedas) کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اقبالؒ کا کہنا ہے: ''ہم گہرے فلسفیانہ شعور میں ہندومت کی برتری کو تسلیم کرتے ہیں... وہ (عرب) کپل (Kapil) اور شنکر آچاریہ جیسی شخصیتیں پیدا نہ کر سکے۔'' موجودہ دور میں ڈاکٹر رادھا کرشنا، ہندو فلسفہ اور شنکر آچاریہ کے بہترین مفسر ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھیے: زندگی کے بارے میں ہندو نقطۂ نظر یا ہندوستانی فلسفہ Indian Philosophy یا Hindu View of Life، نیز دیکھیے: عشرت حسن انور: اقبال، رومی اور شنکر اچاریہ، معارف، اعظم گڑھ (اتر پردیش)، جون-اگست ۱۹۵۴ء۔ (ایڈیٹر)

ہیں۔ ان کی اصل حقیقت واجب الوجود ہے، جس کو پرم آتما کہتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ یہ نمائش اور صورتوں، ترکیبوں اور ہستیوں کی جدائی مثل سراب اور خوابی شکل کے ہے۔ نیکی و بدی، غم و شادی اور طاعت و عبادت سرمایۂ اوہام ہے اور یہ طرح طرح کی شکلیں سب خیال ہیں۔ جہنم کے درجے اور جنت کے طبقے، صعت تناسخ اور اعمال کی جزا سب کے سب خیالات اور خیالی صورتیں ہیں۔

سوال: اگر کوئی پوچھے کہ ہم کو اپنی ذات کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں، اس لحاظ سے ایک دانشمند ہے تو دوسرا نادان اور ایک راحت میں ہے تو دوسرا غم زدہ ہے۔ لہٰذا یہ کیسے خیال اور نمائش ہو سکتا ہے؟

جواب: اس شخص کو جواب دیا جائے گا کہ شاید تُو نے خواب نہیں دیکھا اور اس حال میں خود کو بادشاہ و فرماں روا، غلام و خدمت گزار، قیدی و آزاد، بندہ و آقا، بیمار و تندرست، رنجیدہ و خوشدل اور غمگین نہیں پایا؟ بسا اوقات تُو نے خواب میں خوشی اور مسرت حاصل کی ہے اور کبھی بہت زیادہ خوف و ہراس تجھ پر غالب ہوا ہے اور غمگین ہو گیا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ ساری باتیں محض خیالی اور نمائشی تھیں، لیکن جو شخص خواب کی حالت میں ہے، وہ ان سب کو حقیقی خیال کرتا ہے۔

رائے رُوپ نے جو دانش مند راجاؤں میں سے ہے، اس کتاب کے مصنف سے پوچھا کہ خواب میں دیکھا جاتا ہے کہ کوئی گہری چوٹ جسم کو لگی ہے لیکن جب خواب سے بیدار ہوتا ہوں تو اس کا کوئی اثر میں نہیں دیکھتا، چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ محض خیال تھا، لیکن اس کے برخلاف اگر خواب کی حالت میں کسی عورت سے مباشرت واقع ہو تو بیداری کے وقت تہبند کو منی سے آلودہ پاتا ہوں، لہٰذا دوسری صورت میں کیوں اثر باقی رہتا ہے؟

اس گروہ کے عقیدے کے مطابق اس سوال کا یوں جواب دیا گیا کہ وہ حالت جس کو تُو بیداری سمجھتا ہے، گیانیوں کے خیال میں وہ بھی خواب ہے اور خواب میں تُو نے سمجھا ہے کہ میں بیدار ہو گیا ہوں کیونکہ اکثر خواب میں دیکھا جاتا ہے کہ میں بیدار ہو گیا اور جو کچھ دیکھا تھا، وہ خواب میں تھا۔ اسی طرح یہ بیداری بھی بیدار دل گیانیوں کے نزدیک محض ایک خواب ہے۔ کیا تُو نے نہیں سنا کہ کامیاب سمرادی نے سمرادنامہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص کے سات معزز بیٹے تھے اور ان میں سے ہر ایک کو دنیا کے چھ گوشوں کی حکومت کی خواہش تھی اور اسی آرزو میں خدا کی عبادت میں مشغول تھے۔ ایک روز انہوں نے آرام کے لیے تکیہ پر سر رکھا اور اُن ساتوں کو نیند آ گئی۔ ہر ایک نے خواب دیکھا کہ اس نے اپنے جسم کو چھوڑ دیا اور دوبارہ ایک بادشاہ کے گھر میں پیدا ہوا۔ باپ کے انتقال کے بعد تاج شاہی سر پر رکھا اور مشرق سے مغرب تک کا فرمان روا ہو گیا اور ہفت اقلیم میں اس کے سوا کوئی بادشاہ باقی نہ رہا۔ ایک لاکھ برس تک حکومت کی اور عالم آخرت کو رخصت کے وقت بیٹے کو بادشاہی کے لیے منتخب کیا۔ بعد ازاں جسم چھوڑ دیا اور بہشت میں چلا گیا۔ جب وہ سب خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ جو کھانا وہ تیار کر رہے تھے، وہ ابھی تک نہیں پکا۔ اس کے بعد ہر ایک نے اس خواب کو نقل کیا اور ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ خواب میں ایک لاکھ برس تک وہ ساتوں اقلیم کا حاکم تھا اور اس کا

دارالسلطنت فلاں شہر تھا۔ پس ان سب نے فیصلہ کیا کہ بیداری کی حالت میں اپنے دارالسلطنت میں جائیں اور
اس شہر کو دیکھیں، آیا وہ خواب سچ ہے یا نہیں۔ سب سے پہلے اس شہر میں گئے جو سب سے بڑے بھائی کا
دارالحکومت تھا، وہاں اس کے لڑکے کو بادشاہ پایا اور وہاں اپنے محل کو بڑے بھائی نے پہچانا۔ اسی طرح دوسرے
بھائیوں اور ان کے بیٹوں کے دارالحکومت کو دیکھا تو ان ساتوں بھائیوں نے اصل حقیقت کو سمجھا اور آپس میں
کہا کہ ہم میں سے ہر ایک خواب میں ہفت اقلیم کا بادشاہ تھا اور ہم کسی دوسرے کو نہیں جانتے تھے۔ اسی طرح
بیداری میں بھی اس شہر کے لوگوں کی زبانی سنتے ہیں کہ ہمارا بادشاہ سارے جہان کا حاکم تھا لیکن ہم ساتوں کیسے
سارے جہان کے بادشاہ تھے اور ایک ہی شخص ساری روئے زمین کا مالک تھا اور دوسرے کو نہیں پہچانتا تھا اور ہم
جب سب بیدار ہوئے تو جو کچھ خواب میں دیکھا تھا، اپنے اپنے دارالحکومت میں اس کے متعلق خبریں سنتے
ہیں۔ لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ ہم لوگ اب بھی خواب میں ہیں اور اس دنیا کی زندگی بجز خواب کے کچھ نہیں۔

یہ فرقہ ہندوؤں کے سارے عقائد کو اپنے مذہب کے موافق جانتا ہے اور اسی طرح ان کی تاویل کرتا
ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ جو وید میں سارے فرشتوں کو عبادت کے وقت واجب الوجود بتایا گیا ہے، اس سے مراد یہ
ہے کہ درحقیقت وجود اسی کا ہے۔ لہٰذا جس کسی فرشتہ کے بھیس میں وہ جلوہ گر ہوتا ہے، وہ اس کے علاوہ نہیں
ہوتا۔ ورنہ فرشتوں کا خود کوئی وجود نہیں ہے اور برہما، بشن اور مہیش جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، ان کے متعلق کہتے
ہیں کہ یہ خدا کی تین صفات ہیں، اس لیے کہ برہما پیدا کرتا ہے۔ بشن حفاظت کرتا ہے اور مہیش برباد کرتا ہے۔ نیز
کہتے ہیں کہ یہ سب دل کی صفتیں ہیں، جس کو من کہتے ہیں اور حواسِ باطنی کے کام کو من کے ساتھ مخصوص کرتے
ہیں۔ اس کے سوا یہ لوگ حواسِ باطنی کے وجود کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ ان کا قول ہے کہ اگر دل چاہتا ہے تو کسی شہر
کا تصور کرتا ہے۔ لہٰذا وہ برہما ہے کیونکہ اس کو درحقیقت پیدا کرتا ہے اور جب تک چاہتا ہے، اس کی حفاظت کرتا
ہے۔ لہٰذا وہ بشن ہے جو اس کا محافظ ہے۔ بعد ازاں جب چاہتا ہے اس کو ترک کر دیتا ہے، اس موقع پر وہ مہیش
بن جاتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ریاضت اس لیے کی جاتی ہے کہ سالک کو معلوم ہو جائے کہ دنیا ایک نمائش
ہے، بغیر وجود کے اور موجودِ حقیقی خدا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے، محض خیال ہے جو اسی کی طرف سے ہے، لیکن
درحقیقت اس کا وجود نہیں۔ ان کے خیال میں اگر کوئی اس عقیدے کا طلب گار ہے اور اس کا علم نہیں رکھتا بلکہ
اپنی ذہانت یا استاد کی تعلیم یا کتابوں کے مطالعہ کے ذریعہ آگاہ ہو جاتا ہے اور اس کو یقین کا درجہ حاصل ہو جاتا
ہے تو اس کو ریاضت کی بھی ضرورت نہیں رہتی اور کمال اسی میں سمجھتے ہیں کہ ریاضت سے بھی گزر جائے کیونکہ وہ
دراصل طلب ہے اور جب تک سالک طلب کی حالت میں رہتا ہے، خود کو نہیں پہچانتا کیونکہ وہ خود عین ذاتِ
الٰہی ہے اور (یہ منزل) معرفت و ریاضت کے زور سے حاصل ہوتی ہے، اس کو کشٹ جوگ کہتے ہیں یعنی مشقت
سے حاصل ہونا اور جو معرفت ذہانت، استدلال، کتب بینی اور ان ذرائع سے حاصل ہوتی ہے، جن میں ریاضت
نہیں کرنی پڑتی، اس کو راج جوگ کہتے ہیں یعنی شاہانہ طرز سے حاصل ہونا۔

ہندوؤں کے اندر منتر، ہوم اور ڈنڈوت کی تعریف کی جاتی ہے۔ منتر کے معنی دُعا ہے، اور ہوم یہ ہے

کہ آگ میں گھی اور اس کے مثل بعض چیزیں ڈالتے ہیں اور دعائیں پڑھتے ہیں تاکہ جس فرشتہ کو چاہتے ہیں، اُسے راضی کرلیں۔ ڈنڈوت یہ ہے کہ جس کو پوجتے ہیں، اس کے سامنے عصا کی طرح گر پڑتے ہیں اور اس طرح اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ بھرتری سے جو کامل جوگیوں اور گیانیوں میں سے تھا، کسی نے پوچھا کہ تو منتر پڑھتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ پھر پوچھا کون سا منتر؟ جواب دیا کہ یہی سانس جو آتی جاتی ہے۔ دوبارہ پوچھا کہ تو ہوم کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں کرتا ہوں۔ پوچھا کیسے؟ اس نے جواب دیا کہ جو کچھ میں کھاتا ہوں۔ بعد ازاں سوال کیا کہ تو ڈنڈوت کرتا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں۔ پوچھا کس وقت؟ کہا، جس وقت میں دراز ہو کر آرام سے سوتا ہوں۔ یہ مضمون اس حدیث کی یاد دلاتا ہے کہ: نَوْمُ الْعَالِمِ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ الجَاهِلِ یعنی عالم کی نیند جاہل کی عبادت سے بہتر ہے۔

ہندو بت پرستی کو دیوار چہ کہتے ہیں، یعنی فرشتہ کو رام کرنا۔ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کی خود حمد و ثنا کرنا چاہے کرے، اس لیے کہ نفس ناطقہ ایک فرشتہ ہے، اس کو رام کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جس بات کا وہ حکم دے، اس پر عمل کرے، یعنی جب وہ آنکھ سے دیکھنا چاہے یا کان سے سننا چاہے یا ناک سے سونگھنا چاہے یا اسی طرح کے دوسرے کام، تو اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ وہ راضی ہو جائے۔ ان کے نزدیک وحدت الوجود کے اظہار کے بیان میں ''ہمہ اوست'' (یعنی سب کچھ وہ ہے) کہنا درست نہیں ہے بلکہ بہتر ہے کہ یہ کہے ''ہمہ منم'' (یعنی سب کچھ میں ہوں) لیکن اگر اس درجہ پر فائز نہ ہو سکے تو پہلی صورت اختیار کرے۔ گلشن راز کا مصنف کہتا ہے:

انانیت بود حق را سزاوار که هُو غیب است و غائب وہم پندار

('میں' کا دعویٰ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے کیونکہ ھُو، یعنی وہ غائب ہے اور غائب کو وہم خیال کر۔)

یہ لوگ صاحبِ علم و عمل ہوتے ہیں اور اپنے آغاز و انجام کو بخوبی جانتے ہیں، نیز اپنی ذات میں مشغول رہتے ہیں۔ دنیاوی چیزوں کی قید میں گرفتار نہیں ہوتے۔ شنکر آچاریہ جو برہمنوں اور سنیاسیوں میں ایک ممتاز شخص تھا، اسی عقیدے کا مالک تھا۔ ان لوگوں کو جو کچھ میسر آ جاتا ہے اس پر راضی رہتے ہیں۔ ایک روز منافقوں اور کافروں نے فیصلہ کیا کہ شنکر آچاریہ کی طرف ہاتھی دوڑا دیں اگر وہ نہ بھاگے اور اپنی جگہ برقرار رہے تو سچا، ورنہ جھوٹا ہے۔ جب ہاتھی اس کی طرف دوڑایا گیا تو وہ بھاگا۔ اس پر منافقوں نے کہا کہ تو کیوں بھاگا؟ اس نے جواب دیا کہ نہ ہاتھی ہے اور نہ میں ہوں اور نہ میرا بھاگنا۔ یہ سب تم لوگوں نے خواب میں دیکھا ہے۔ الغرض سارے ہندو بزرگوں کا یہی عقیدہ ہے اور ہندوؤں کا اتفاق ہے کہ دراصل اس کے سوائی کوئی مذہب نہیں۔ سارے اوتار، رشی اور کامل پنڈت لوگ اسی عقیدے کے حامل ہیں۔

گیانی رینہ کشمیری برہمنوں میں سے ہے۔ اس جماعت کو کشمیری زبان میں گوروگورپٹ کہتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ گیانی رینہ کے باپ کا نام شیور رینہ تھا۔ جو حبس دم بہت عمدہ طریقے پر کرتا تھا۔ ایک روز اس نے نوشہرہ جو کشمیر میں شارعِ عام پر واقع ہے، وہاں کے لوگوں کو خبر دی کہ کل میں بدن عنصری کو چھوڑ دوں گا۔

دوسرے روز لوگ جمع ہو گئے۔ شیو رینہ ان سے باتیں کر رہا تھا، یہاں تک کہ اس جگہ پہنچا جہاں لوگوں نے ایندھن لا کر اکٹھا کر دیا تھا۔ شیو رینہ ایندھن کے ڈھیر پر پدم آسن کے ساتھ بیٹھ گیا، جسے فارسی میں بہین نشستن کہتے ہیں اور جس کی حقیقت میں یزدانیوں کے حبس دم میں بیان کر چکا ہوں۔ اس کے بعد اس نے بدنِ عنصری سے قطع تعلق کر لیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اس کا طائر روح قفس جسمانی سے پرواز کر گیا تو اس ایندھن میں آگ لگا دی۔

گیانی رینہ جوانی کے زمانے میں سانس روک لیتا تھا اور حبس دم کرتا تھا۔ ریاضت کے ذریعہ اس نے ایسا کمال پیدا کر لیا تھا کہ معمولی تعلیم سے جو اس نے حاصل کی تھی، ہندوؤں کی ساری کتابوں کو پڑھنے لگا تھا اور ان کے سارے علوم کو دوسرے پنڈتوں سے بہتر طریقے پر سمجھتا تھا۔ چنانچہ سب لوگ اس کے قائل ہو گئے۔ اس وقت وہ اپنے شہر کا سب سے بڑا عالم ہے اور بہت آزاد خیال واقع ہوا ہے۔ اس حد تک کہ مال و دولت کے نکل جانے سے نہ تو اس کے دل میں رنج ہوتا ہے اور نہ اس کے حاصل ہونے سے خوشی، دوست دشمن اور اپنے پرائے کو یکساں سمجھتا ہے۔ نہ کسی کے برا کہنے سے غمگین ہوتا ہے اور نہ کسی کی تعریف سے مغرور ہوتا ہے۔ جہاں کہیں کسی درویش کا نام سن لیتا ہے، خود کو اس کے پاس پہنچاتا ہے۔ اگر اس کے اندر درویشی کی بو باس پاتا ہے تو پھر برابر اس کے پاس آتا جاتا ہے۔ اس کی دلجوئی کرتا ہے اور اس کو مغموم اور رنجیدہ نہیں چھوڑتا۔ وہ ہمیشہ توحید سے متعلق باتیں کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں مشغول نہیں ہوتا نہ کسی دوسرے کام کی جانب رغبت رکھتا ہے اور درویشوں کے علاوہ کسی سے ملاقات کے لیے نہیں جاتا۔ سودرشن نامی اس کا بھانجا جو اس سے مریدی کی نسبت بھی رکھتا ہے۔ اس ذاتِ گرامی کے گھربار اور بیوی بچوں کی خبر گیری کرتا تھا۔ چنانچہ جو کچھ نذر و نیاز مرید لاتے ہیں، وہ ان کو پہنچا دیتا ہے اور جب گیانی رینہ باہر نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کپڑے پہنا دیتا ہے۔ اس لیے کہ ظاہر پرستوں کی کسی چیز کی اس کو خبر نہیں رہتی، سوائے اس کے کہ ہر وقت کتب بینی کرتا رہتا ہے۔

یہ اصول مقرر ہے کہ ہندو یعنی متشرع سمارتک آگ جلاتے ہیں اور وہاں پر بکرا ذبح کرتے ہیں اور چند افسوں اور دعائیں پڑھتے ہیں، اس رسم کو ہوم کہتے ہیں۔ گیانی رینہ کہتا ہے کہ ہماری آگ معرفت ہے جس میں دوئی کا ایندھن جلاتا ہوں اور بجائے بکرے کے خودی کو ذبح کرتا ہوں۔ ہمارے نزدیک ہوم یہی ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کے سارے عقائد کی تاویل کرتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس کے مرید ہو گئے ہیں۔ گنگو نامی اس کا ایک دس برس کا بھانجا ہے جو سودرشن سے چھوٹا ہے۔ ایک روز غصہ کی وجہ سے رو رہا تھا۔ اس کتاب کے مصنف نے اس سے کہا کہ کل تو کہہ رہا تھا کہ دنیا اور دنیا والے محض خیال ہیں تو اب کیوں روتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر دنیا نہیں ہے تو گریہ وزاری کا بھی وجود نہیں۔ لہٰذا میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔ یہ کہا اور پھر گریہ وزاری میں مشغول ہو گیا۔ ع

صحبت نیکانت از نیکاں کند (یعنی نیک لوگوں کی صحبت تجھ کو نیکوں میں شامل کر دے گی۔)

جگناتھ گیانی رینہ کا آٹھ سالہ لڑکا تھا۔ جس مقام پر ان کے گھر میں بت کی پوجا کرتے تھے، اس نے وہاں ایک کتے کا بچہ لا کر رکھ دیا اور اس پر قشقہ لگا دیا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا کہ پتھر میں تو جان نہیں ہوتی پھر اس (جاندار) کو تم لوگ کیوں نہیں پوجتے؟ علاوہ ازیں ہر شخص اس کی پوجا کرتا ہے جو اس کو اچھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ پوجا محض کھیل ہے۔ لہٰذا میں اس کے ساتھ کھیلتا ہوں۔ آزاد خیالی کی بنا پر گھر والوں میں سے کسی نے اس کا ہاتھ نہیں روکا بلکہ اس کی تعریف و تحسین کی۔

۱۰۴۹ھ (مطابق ۱۶۳۹ء) میں راقم الحروف کشمیر گیا، گیانی رینہ کے پاس پہنچا۔ اس کی صحبت سے گیانی خوش و خرم ہوا اور اس کو اپنی آتما یعنی نفس ناطقہ کہا کرتا تھا۔ گیانی رینہ سے لوگوں نے پوچھا کہ تیرا شاگرد کون ہے؟ اس نے کہا کہ وہ شخص جو خدا تک پہنچا ہوا ہو اور اپنے کو خدا کے سوا کچھ اور نہ جانے اور نہ دیکھے۔

جس زمانے میں راقم ہندو عارفوں کے ساتھ کشمیر کے ایک چشمہ سے گزر رہا تھا، اس وقت ان کے ساتھ ایک سنیاسی بھی تھا، جو آزادی کا دعویدار تھا۔ گونہر جھیل کے کنارے لوگ کھانا لائے اور عارفوں کے ساتھ سنیاسی نے بھی کھانا کھایا اور ڈینگ مارنے لگا کہ میں نے اب تک گوشت نہیں کھایا تھا، لیکن اس وقت کھا لیا۔ ایک گیانی یعنی عارف نے شراب کا ایک پیالہ اس کو دیا، اس نے فکر و وہم دور کرنے کے لیے اس کو پی لیا۔ پھر اور زیادہ اپنی تعریف کرنے لگا۔ بعد ازاں عارف نے بازار کی روٹی دستر خوان پر رکھی، جو ہندو مذہب میں شراب سے زیادہ بُری ہے۔ سنیاسی نے تھوڑی سی روٹی توڑی اور کھا لی، پھر حد درجہ اپنی تعریف کرتے ہوئے کہ میں ساری پابندیوں سے آزاد ہو گیا ہوں۔ عارف ہنسا اور بولا کہ اب تجھے گائے کا گوشت کھانا چاہیے۔ یہ بات سنتے ہی سنیاسی اس مجلس سے باہر چلا گیا۔

گیانی رینہ کے ممتاز مریدوں میں جن کو اس کتاب کے مصنف نے دیکھا ہے، یہ ہیں شنکر بھٹ، گنیش بھٹ، سودرشن کول، آدب بھٹ، مہتاب رینہ اور آوت ہے جو گوپال کول کے نام سے مشہور ہے۔ شنکر بھٹ سے جو گیانی رینہ کا مرید ہے، ایک سنار نے پوچھا کہ گیانی رینہ باوجود آزاد خیالی کے بت پرستی کیوں کرتا ہے؟ شنکر بھٹ نے کہا کہ تو سناری کا کام کیوں کرتا ہے؟ سنار نے کہا کہ یہ میرا پیشہ ہے، روزی حاصل کرنے کے لیے کرتا ہوں۔ شنکر بھٹ نے جواب دیا کہ وہ بھی ایک پیشہ اور کاروبار ہے اور خوراک پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

ملا شیدائے ہندی جو شعرائے نامدار اور فصحائے بلاغت آثار میں سے تھا، ایک مرتبہ [illegible] گیانی رینہ کے مکان پر گیا، اس سے گفتگو کی اور اس کے مریدوں کو دیکھا اور گھر والوں کے طور طریقے کا مشاہدہ کیا تو حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ میری ساری زندگی آزاد لوگوں کی خدمت میں گزری لیکن نہ میری آنکھوں نے ایسے آزاد انسان کو کبھی دیکھا، نہ میرے کانوں نے سنا۔

ہر رامپوری سنیاسی گیانیوں میں سے تھا اور حد درجہ آزاد خیال تھا۔ جب کشمیر پہنچا تو اپنے لمبے بالوں سے تنگ آ کر ایک ندی کے کنارے جس کا نام بہشت تھا، اپنے سر کی جٹا کو (وہ بال جو ٹوپی کی طرح بنے ہوئے

تھے) ترشوا دیا، سری کنت بھٹ پنڈت یعنی ہندوؤں کے قاضی نے اس کو دیکھا تو کہا کہ جب تو سر کے بال صاف کرائے تو چاہیے کہ کسی تیرتھ یعنی پرستش گاہ میں صاف کرائے۔ اس نے جواب دیا کہ سب سے زیادہ مقدس مقام وہ ہے جہاں دل خوش ہو جائے۔ تنہا اس مقام پر جسے مرگھٹ کہتے ہیں، راتیں بسر کرتا تھا۔ ۱۰۵۱ھ (۱۶۴۱ء) میں وہ کشتوار گیا اور چوگان نامی ایک میدان میں جوان لوگوں کی چوگان بازی اور نئے سواری کی جگہ تھی اور جہاں مُردے جلائے جاتے تھے، جا کر ٹھہر گیا۔ کشتوار کے راجہ بہادر سنگھ کا بیٹا مہا سنگھ اس کا عقیدت مند ہو گیا اور اس کی توجہ سے ظاہر پرستوں کی پابندی سے آزاد ہو گیا اور اب وہ آزاد لوگوں کی صحبت کی طرف مائل ہے۔ وہ ابھی نوجوان ہے اور اشعار خوب سمجھتا ہے۔ ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ء) میں راجہ کشتوار کی اس علاقہ کے باغیوں سے جنگ واقع ہوئی۔ جب جنگ کا طبل لوگوں نے بجایا تو دونوں طرف سے بہادروں نے زبردست حملہ کیا۔ ہر رام پوری ایک ٹیلہ پر چڑھ کر جنگ کا نقشہ دیکھنے میں مشغول ہو گیا اور بہادروں کے جوش وخروش اور تُرہی، طبل اور نقارہ کی آواز پر رقص کرنے لگا۔ حالتِ وجد میں اس کا پیر پھسلا اور اس ٹیلہ سے سر کے بل گر پڑا۔ لڑھکتے وقت ایک بڑے پتھر سے اس کے سر میں چوٹ لگی اور اس مرض میں اس کا انتقال ہو گیا۔ مرزا رفیع کہتا ہے:

شد تیرہ دلم بعلم حکمت روشن　　ہر چند کہ در دلایلش بود سخن
برہانِ غلط بسوئے مقصودم برد　　ایں راہ تمام طے شد از لغزیدن

(میرا تاریک دل حکمت سے روشن ہو گیا، حالانکہ اس کے دلائل میں بحث کی گنجائش تھی، غلط دلائل نے مجھے منزلِ مقصود تک پہنچا دیا اور یہ سارا راستہ لغزش کی وجہ سے طے ہو گیا۔)

ستھرہ اور جادَو دو فقیر تھے، ستھرہ نے نگر کوٹ میں قشقہ لگایا اور گردن میں زنار ڈال لیا، وہ گائے کے گوشت کے کباب بازار کی روٹی کے ساتھ کھاتا تھا اور سیر وتفریح کرتا تھا۔ ہندو اسے پکڑ کر زبردستی قاضی کے پاس لے گئے۔ قاضی نے اس سے کہا کہ اگر تُو ہندو ہے تو گائے کا گوشت اور بازار کی روٹی کھانا نامناسب ہے اور اگر تو مسلمان ہے تو قشقہ اور زنار کی رسم ان میں کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ قشقہ زعفران اور صندل کا ہے اور زنار بٹے ہوئے دھاگہ کا ہے۔ گائے کا گوشت گھاس اور جَو سے پیدا ہوا ہے، روٹی گیہوں سے بنی ہوئی ہے اور تنور مٹی اور پانی سے بنا ہے۔ اگر تُو ان کی حقیقت پر نظر ڈالے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب چیزیں چاروں عناصر سے مرکب ہوئی ہیں جو کہ مسلمان ہیں اور نہ ہندو۔ اور باقی باتیں شریعت کے مطابق ہیں۔ قاضی نے اس کو رہا کر دیا۔ جادَو اس کے شاگردوں میں سے تھا، وہ قبۃ الاسلام بلخ میں گیا اور قشقہ اور زنار کے ساتھ ایک مسجد میں داخل ہو گیا۔ لوگوں نے اسے پکڑا اور قاضی کے پاس لے گئے۔ قاضی نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے جواب دیا کہ اگر تُو میری شادی کر دے تو مسلمان ہو جاؤں۔ قاضی نے ایک بیوہ خوبصورت عورت کو اس کے نکاح میں دے دیا اور جادَو مسلمان ہونے کے بعد اس عورت کے گھر میں گیا۔ جب کچھ دن گزر گئے تو اس نے عورت سے کہا کہ یہ لڑکی جو تو اپنے متوفی شوہر سے رکھتی ہے، اسے میرے حوالہ کر تا کہ اسے فروخت

کروں اور اس کی قیمت کو آہستہ آہستہ خرچ کروں، یہاں تک کہ دوسرا لڑکا پیدا ہو، پھر اس کو بھی اسی طرح بیچ ڈالوں اور میرا یہی پیشہ ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا پیشہ میں نہیں جانتا۔ عورت نے اس سے کنارہ کشی کی اور جادو موقع پا کر کابل میں آ گیا۔ وہاں شاہی قاصدوں کی طرح سر پر ایک پر لگائے اور کمر پر گھنٹی باندھے، بنے ہوئے تار کا پٹکہ لٹکائے اور کوٹ پہنے بازار میں نکلا۔ شاہی قاصدوں نے اسے پکڑ لیا کہ تو نے ہماری پوشاک کیوں پہنی۔ جادو نے جواب دیا کہ تاج اور پر بلبل اور دوسرے پرندوں کے سر پر ہوتا ہے اور گھنٹی گائے اور بکری کی گردن میں لٹکا دیتے ہیں۔ لہٰذا مجھے ان ہی میں سے ایک سمجھ لو۔ شاہی قاصدوں نے اس کے ساتھ سختی کرنا شروع کی۔ جادو نے پوچھا کہ تمہارا کیا مقصد ہے؟ انہوں نے کہا کہ تجھے ہمارے ساتھ چھلانگ مارنا چاہیے۔ جادو نے منظور کر لیا اور ان کے ساتھ جست لگانے میں مشغول ہو گیا۔ صبح کاذب تک ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہا اور اس نے سات شبانہ روز نہ کھایا نہ پیا اور برابر چھلانگ مارتا رہا۔ جادو ریاضت کا عادی ہو گیا تھا۔ ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ء) میں جلال آباد میں جو پیشاور اور کابل کے درمیان واقع ہے، اپنے دوستوں کو جمع کر کے ان کو رخصت کیا اور جان دے دی۔

پرتاب مل چڈہ (چڈہ کھتریوں میں ایک فرقہ ہے) گیانی یعنی عارف ہے اور اس کی جائے پیدائش سیالکوٹ ہے۔ وہ صاحبِ کمال عارفوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور کسی خاص مذہب اور مسلک کا پابند نہیں ہے۔ سارے مذاہب کو خدا کی طرف جانے کے مختلف راستے تصور کرتا ہے اور ہر شکل میں محبوب حقیقی کو جلوہ گر سمجھتا ہے۔ ایک مرتبہ کسی ضرورت کی بنا پر دوارہ نامی ایک شخص کے پاس جو ہرگوبند نانک پنتھی کے خلفا میں سے ہے، جا کر مرید ہو گیا اور خود کو اس کا شاگرد ظاہر کیا۔ دوارہ نے اس کے پاؤں کو دھویا اور اس پانی کو اس کے ہم مذہب حاضرین نے پیا اس لیے کہ یہ لوگ جس کسی کو اپنے دین میں داخل کرتے ہیں، اس کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ بالآخر پرتاب مل اور دوارہ کے درمیان کچھ بحث ہوئی تو دوارہ نے پرتاب مل سے کہا کہ ابھی کل میں نے تیرے پاؤں کو دھویا ہے یعنی اپنا مرید بنایا ہے، اور آج تو مجھ سے جھگڑا کرتا ہے۔ پرتاب مل نے جواب دیا کہ اے بیوقوف! میرا پاؤں تیری طرح جاٹ لوگ ہمیشہ دھویا کرتے ہیں اور میں خود اپنا ہاتھ پاؤں تک نہیں لے جاتا۔ ہندوؤں میں جاٹ اعلیٰ ذات سے فروتر قوم ہے اور دوارہ جاٹ تھا۔

نانک کے پیروؤں کی ایک مقررہ رسم ہے کہ جب وہ کسی مقصد کی تلاش میں ہوتے ہیں تو اپنے استاد کے جانشین یا خود استاد کے سامنے کچھ روپے نذر کرتے ہیں اور مراد مانگتے ہیں۔ چنانچہ پرتاب مل نے ہرگوبند کے جانشین مسمی کابلی کے سامنے جو کابل میں رہتا تھا، کچھ روپے نذر کر کے ہاتھ جوڑے اور کہا کہ میری ایک درخواست ہے۔ نانک کے سارے عقیدت مندوں نے اپنے طریقے پر مل کر دعا کی کہ خدا کرے درخواست قبول ہو جائے۔ اس کے ظاہر کرنے سے پہلے کابلی نے پوچھا کہ شاید تجھے ہرگوبند کے دیدار کی آرزو ہے؟ پرتاب مل نے جواب دیا کہ میری آرزو اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔ کابلی نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہے؟ پرتاب مل نے جواب دیا کہ میری خواہش ہے کہ مسخرے، ناچنے والے اور گانے والے پیشاور سے کابل

آئیں تا کہ ان کے حرکات وسکنات اور شکلوں کو دیکھوں۔

پرتاب مل کے مکان میں ایک بُت تھا، جس کو ہندو پوجتے ہیں۔ ایک چوہا اس کے سامان کو نقصان پہنچاتا تھا، اس نے بجائے مٹی کے ڈھیلے کے اسی بت کو اُٹھا کر چوہے کے سوراخ پر رکھ دیا، جس سے اس کا راستہ بند ہوگیا۔ ہندوؤں نے کہا کہ یہ کیا طریقہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ ٹھاکر یعنی بُت جو ایک چوہے کا راستہ بند نہیں کرسکتا اور چوہے سے عہدہ برا نہیں ہوسکتا، وہ بھلا میری کیسے حفاظت کرے گا اور مسلمانوں کے شرو فساد سے کیسے بچائے گا؟ اسی طرح پرتاب مل کے گھر میں ایک شیولنگ تھا، وہ پتھر کا ایک کھونٹا ہوتا ہے، جسے ہندو پوجتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ اس نے اس کھونٹے کو باہر لے جاکر کتے کو اس سے باندھ دیا۔

ایک مسلمان نے پرتاب مل سے کہا کہ کافروں میں سے دو شخص جنت میں جائیں گے، ایک نوشیرواں، دوسرا حاتم۔ اس نے جواب دیا کہ خیر تمہارے عقیدہ کے لحاظ سے کافروں میں سے دو شخص جنت میں جائیں گے، لیکن ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص بھی جنت میں نہ جائے گا۔

آزادہ (یہ اس کا تخلص ہے) ایک برہمن ہے۔ ایک روز اس نے بعض مسلمانوں کی مجلس میں کھانا کھایا اور پانی پیا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ تُو ہندو ہے اور مسلمانوں کے ساتھ خوردونوش میں شرکت کرتا ہے، حالانکہ تیرے آدمی اپنے ہم مذہب کے علاوہ دوسروں کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ آزادہ نے جواب دیا کہ میرا خیال تھا کہ تم لوگ مسلمان نہیں ہو، اب آئندہ تمہارے کھانے پینے سے پرہیز کروں گا۔ دوسرے دن شراب نوشی کے وقت پھر ان کے ساتھ شریک رہا اور کھانے سے بھی روگردانی نہ کی۔ کھانا کھاتے وقت، لوگوں نے آزادہ سے کہا کہ کل ہم نے اپنے مسلمان ہونے کی تجھ کو خبر دی تھی۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے سمجھا تھا کہ تم لوگ مذاق کررہے ہو، خدا نہ کرے کہ تم مسلمان ہو۔

بنوالی پسر ہیرامن کائستھ ہے اور کائستھ برہما کی تخلیق کے چوتھے طبقہ کا ایک فرقہ ہے۔ یہ شخص اپنے آبدار اشعار میں ولی تخلص کرتا ہے اور بچپن کے عہد سے اس کو درویشوں کی مجلس میں حاضری کی بڑی رغبت تھی، چنانچہ صغرسنی میں خلیفۃ الارواح نامی ایک درویش کی خدمت میں **اللہ حاضری واحدی اللہ شاھدی** کے ذکر میں مشغول ہوگیا تھا۔ ۱۰۴۴ھ (۱۶۳۴ء) میں ہندوستان کے درویشوں کی صحبت میں رہ کر فیضیاب ہوا۔ کشمیر میں ملا شاہ بدخشی کی خدمت میں حاضر ہوکر معرفت کے حصول میں کامیاب ہوا اور بمقتضائے **الصوفی لا مذھب لہ** وہ کسی مخصوص دین اور آئین کی قید و بند سے وابستہ نہیں ہے۔ ایک طرف بت اور بت خانہ سے آشنا ہے تو دوسری طرف مسجد سے بھی بیگانہ نہیں ہے۔ ظاہری تعلیم کے فقدان کے باوجود محض حال کی قوت سے اعلیٰ مضامین بیان کرتا ہے۔ اس کتاب کے مصنف اور اس کے درمیان ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) میں باہمی صحبت کے دروازے کھلے۔ اس کے انوار قطب میں سے یہ نظم ہے:

ما نہ آنِ خودیم و آن تو ایم　　بے نشان تو ما نشان تو ایم

(ہم لوگ خود اپنی ملکیت نہیں ہیں، بلکہ ہم سب تیری ملکیت ہیں اور تُو بے نشان ہے اور ہم لوگ تیرا

نشان ہیں۔)

ایں نشان ہا شانِ ذات تو اند مظہر و جلوۂ صفاتِ تو اند

(یہ سب نشانیاں تیری ذات کا نشان ہیں اور یہ سب تیری صفات کا جلوہ اور مظہر ہیں۔)

پاکی از فکر و از قیاسِ ما اے تو پیدا دریں لباسِ ما

(تُو ہمارے خیال اور قیاس سے پاک اور منزّہ ہے۔ اے وہ ذات جو ہمارے اس لباس میں ظاہر ہوتی ہے۔)

مظہر ذات تو ہمہ اشیا بے تو و ما توئی و خود تو و ما

(ساری چیزیں تیری ذات کا مظہر ہیں۔ ''میں اور تُو'' کی قید سے تُو آزاد ہے بلکہ تُو خود ہی ''میں اور تُو'' ہے۔)

ذاتِ تو در صفات تو پیدا صفتت عین ذات اے مولا

(تیری ذات تیری صفات کے اندر ظاہر ہے اور اے آقا! تیری صفات تیری عین ذات ہے۔)

ما ہمہ ہیچ، ہر چہ ہست توئی اے منزہ زفہم و وہم و دوئی

(ہم سب ہیچ ہیں اور جو کچھ ہے تو ہی ہے۔ اے وہ ذات جو عقل، خیال اور دوئی سے پاک و برتر ہے۔)

ما ہمہ موجِ بحر ذات تو ایم مظہر مجمل صفات تو ایم

(ہم سب تیری ذات کے سمندر کی لہریں ہیں اور ہم لوگ تیری صفات کا اجمالی مظہر ہیں۔)

آزادہ اور ہنوالی چونکہ ہندوؤں کے لباس میں رہتے ہیں اور گیانیوں کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس لیے اسی گروہ میں ان کا شمار کیا گیا۔

مہر چند ایک پنجابی ہے اور گجرات کے سناروں سے تعلق رکھتا ہے، اس نے اکم ناتھ کے شاگردوں کے ذریعے معرفت تک رسائی حاصل کی ہے۔ اکم ناتھ ایک ریاضت کرنے والا، صاحب حال جوگی ہے اور اس کے شاگردوں کے عقیدے کے مطابق اس کے عمر کے دس ہزار سال گزر چکے ہیں:

ہمچو فیروزہ افلاک نمیرد حکیم کو بہ کہ زطوفان فنا رستہ است

(فیروزہ جیسے افلاک کی طرح وہ حکیم کبھی نہیں مرتا، جس کی ذات اس عالم فانی کے طوفانی سے مرگ سے نجات پا چکی ہے۔)

ایک روز وہ حضرت جنت مکانی جہانگیر بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ نامور بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا سمرت انگی یعنی ساری موجودات میرے اعضاء ہیں۔ شاہی دربار میں ایک کتاب پڑھی جا رہی تھی، بادشاہ نے پڑھنے والے کے ہاتھ سے وہ کتاب لے کر اکم ناتھ کو دی کہ یہ تیرا کلام ہے، اسے پڑھ۔ اکم ناتھ نے کتاب کو پھر پڑھنے والے کے حوالے کر کے کہا کہ تو پڑھ۔ جب اس نے پڑھنا شروع کیا تو

بادشاہ نے فرمایا کہ میں نے تجھ کو پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے شروع میں کہہ دیا ہے کہ دنیا والے میرے اعضاء ہیں۔ چنانچہ اس شخص کی زبان سے میں پڑھتا ہوں۔ واصلؔ غزنوی کہتا ہے:

آن روح مجردم کہ خلقم بدن است　　کے آتش و بادو آب و خاکم وطن است

ایں چرخ فلک باایں ہمہ جرم کہ ہست　　درگردش از آنست کہ جویائے من است

(میں وہ روحِ مجرد ہوں کہ کائنات عالم میرا جسم ہے۔ بھلا آگ، ہوا، پانی اور خاک کیسے میرا وطن ہوسکتا ہے۔ یہ چکر لگانے والا فلک مع ان سب اجرامِ فلکی کے جو اس میں ہیں، اس وجہ سے گردش کر رہا ہے کہ اس کو میری تلاش ہے۔)

عین اسی وقت ایک گوریا پرواز کرتے ہوئے، پانی کے اوپر سے گزری۔ اکم ناتھ نے بادشاہ کے سامنے عرض کیا کہ اگر میں جس جسم کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں بیٹھا ہوں، اس شکل سے پانی کے اوپر سے گزرنا چاہوں تو ڈوب جاؤں گا۔ اور اس چڑیا کی شکل میں مَیں اس پر سے گزر گیا۔ مولانا جامیؔ فرماتے ہیں:

جہاں یکسر چہ ارواح و چہ اجسام　　بود شخص معین عالمش نام

(سارا جہاں خواہ ارواح ہوں، خواہ اجسام ایک شخص مُعین ہے جس کا نام عالم ہے۔)

لوگ کہتے ہیں کہ اکم ناتھ کعبہ گیا تھا، وہاں خانۂ کعبہ کو دیکھا تو ایک شخص سے پوچھا کہ صاحب خانہ کہاں ہے؟ وہ شخص حیرت میں پڑ گیا۔ لوگوں نے بیت اللہ کا دروازہ کھولا تو پھر یہی سوال کیا اور ان سے جو جواب وہ سننا چاہتا تھا، نہ سنا تو چیخ اُٹھا کہ صاحبِ خانہ موجود نہیں ہے، اس لیے میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ آخرکار لوگوں سے پوچھا کہ وہ چند مجسمے جو اس گھر میں تھے، انہیں کیوں دور پھینک دیا گیا۔ ایک شخص نے جواب دیا کہ چونکہ بت انسان کے ہاتھ کا بنایا ہوا ہے اور انسان کی شکل میں ہوتا ہے، جو مخلوق ہے، اس لیے وہ پرستش کے لائق نہیں، چنانچہ اسے دور پھینک دیا گیا۔ اکم ناتھ نے کہا کہ یہ گھر بھی انسانوں کا بنایا ہوا ہے اور اس چیز کی شکل رکھتا ہے، جس میں لوگ رہتے ہیں، پھر انسانوں کا جو مخلوق ہیں بنایا ہوا گھر کیونکر پرستش کے لائق ہے؟ اس بات کو سن کر لوگوں نے اُسے قید خانہ میں ڈال دیا۔ دوسری صبح کو جب قید خانہ کا دروازہ کھلا تو اکم ناتھ وہاں موجود نہ تھا۔ آخرکار جو لوگ حج سے واپس لوٹے، انہوں نے اس کو ہندوستان میں دیکھا:

شاید کہ دریں بتکدہ ہا دریابیم　　آں یار کہ در صومعہ ہا گم کردیم

(شاید ان بت خانوں میں ہم اس محبوب کو پالیں، جس کو ہم نے خانقاہوں میں گم کر دیا ہے۔)

سانکھیوں کے اصول کے بیان میں

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہستی میں دو چیزیں ہیں اور وجود کی دو قسمیں ہیں، ایک حقیقت جس کو پرش سے تعبیر کرتے ہیں، دوسری غفلت جس کو پراکرت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ پراکرت عالم کا سبب ہے، اور پرش ناسمجھی اور کوتاہی عقل کی وجہ سے پراکرت سے مل گیا ہے اور سارے عالم میں اسی سبب سے جاری و ساری

ہے۔ اس پرش کو پانچ بیماریاں لاحق ہوتی ہیں، جن کو پنچ کلیش کہتے ہیں۔ ان پانچ عیوب میں سے پہلا اودیا، دوسرا اسمتا، تیسر راگ، چوتھا دویش، اور پانچواں ابھاویش ہے۔ اودیا سے مراد یہ ہے کہ جسم اور حواس کو روح خیال کرے۔ اودیا کی ابتدا اور اصل نہیں ہے۔ اسمتا سے خودی اور انانیت کی طرف اشارہ ہے۔ راگ مطلوب اور مرغوب شے کی طرف مائل ہونا چاہیے۔ دویش یہ ہے کہ اپنی رائے کو قبول کرنا اور دوسرے کی رائے کو معیوب سمجھنا اور بھویشہ یہ کہ قابلِ عمل اور نا قابلِ عمل کاموں میں غضب میں مبتلا ہو جائے۔ یہ پانچ مذکورہ بیماریاں پرش کو تکلیف میں رکھتی ہیں۔ اور من یعنی دل جس وقت پاک ہو جاتا ہے، اس وقت یہ پانچوں بیماریاں دُور ہو جاتی ہیں اور قلب کی طہارت کے بعد ان طریقوں سے متعدد ہیں اور دشوار بھی ہیں۔ سارے صفات پاک ہو جاتے ہیں۔ طریقہ کو ورتہ کہتے ہیں اور ورتہ کئی قسم کے ہیں۔ اوّل میتری دوم کرنا، سوم مدنا اور چہارم اوپیچھا۔ میتری نیکوکار اور صلحا کے ساتھ دوستی رکھنا ہے۔ کرنا رنجیدہ شخص پر مہربان ہونا اور مظلوم پر بخشش کرنا ہے۔ مدنا مخلوق خدا کی راحت سے خوش ہونا ہے اوپیچھا سے مراد ہے بدکار شخص سے بات چیت نہ کرنا۔ ان چار طریقوں کو چتر ورتہ کہتے ہیں اور یہ چاروں طریقے دل کو اپنی گرفت میں رکھتے ہیں اور اس کو چاروں طریقوں سے الگ رہنے والی کوئی چیز سامنے نہیں آنے دیتے۔ ان چار طریقوں کے موجود ہونے سے پانچ بیماریاں جو بیان کی گئیں، زائل ہو جاتی ہیں اور جس شخص سے وہ پانچوں بیماریاں دور ہو جاتی ہیں اور جو نیک بخت ان پانچوں تکلیفوں سے نجات پاتا ہے، وہ پنچ لوگ حاصل کر لیتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ پراکرت اور پرش کی صورت دل میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ جس شخص کا یہ حال ہو جاتا ہے، وہ دونوں کو الگ الگ پہچان لیتا ہے اور دونوں میں فرق کر دیتا ہے اور اس علم کی بدولت پراکرت معدوم ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں وہ شخص پرش یعنی اپنی حقیقت کو جس سے مراد نفس ہے، سمجھ کر محفوظ اور کامیاب ہو جاتا ہے۔ پراکرت سے اس گروہ کی مراد عناصر خمسہ ہے۔

یہ ہے خلاصہ سانکھیوں کے عقائد کا، پنجاب کے اضلاع میں گجرات کو چک میں اس کتاب کے مصنف نے آتما چند اور مہادیو نام کے دو اشخاص کو دیکھا ہے جو خود کو سانکھی کہتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق پراکرت طبیعت ہے اور حق تعالیٰ سے طبیعت مراد ہے اور سارے اجسام اور اجرام علوی اسی کی وجہ سے موجود ہوئے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ سوائے طبیعت کے کون ہے، جو کانٹوں کے سروں کو سرسبز بنا سکے۔

جوگیوں کے مقاصد اور ان کے اقوال کے بیان میں

اس گروہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ایشور یعنی واجب الوجود ایک ذات واحد اور کوہ یکتا ہے۔ نہ کوئی اس کا مقابل ہے اور نہ ہمسر و ہمتا۔ ہندوستان کی زبان میں ایشور مالک اور خداوند کو کہتے ہیں۔ اور ایشور کے علاوہ ساری مخلوق جیو ہے یعنی ممکن الوجود ہے۔ ان کی زبان میں جیو جان کو کہتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ ایشور سارے عالم کا بنانے والا اور جملہ اہل عالم کا خالق ہے۔ اس کی ذات مقدس آلام و اسقام اور عیوب سے پاک اور برتر ہے، نیز اعمال و افعال کی حدود سے باہر ہے۔ اس قول سے مراد یہ ہے کہ اس ذات مقدس کے لیے عبادات

شرعیہ مثلاً غسل وغیرہ کرنا واجب اور لازم نہیں ہے، وہ جملہ موجودات اور ساری مخلوقات سے باخبر اور آگاہ ہے۔ وہ ایسا حاکم ہے جو کبھی غیر کا محکوم اور دوسرے کا فرماں بردار نہیں ہوسکتا۔ اس کی حیاتِ جاودانی تک موت اور بیماری کی رسائی نہیں ہے۔ جیو وہ ہے جو آلام واسقام کی قید و بند اور تکالیف کے شکنجے اور اعمال و افعال کے قید خانے میں گرفتار رہ کر غیر کا محکوم اور دوسرے کا تابعدار اور اپنے سوا دوسرے کا فرماں بردار رہتا ہے۔ یہ جیو باوجودیکہ درحقیقت جسم و جسمانی اور بدن و بدنی نہیں ہے لیکن محض غفلت کی وجہ سے خود کو بدن اور جسم سمجھ کر مختلف اجسام و ابدان میں گرفتار ہوکر گردش کرتا رہتا ہے اور زمانہ اور وقت کے تقاضے کے مطابق جس وقت ایک بدن کے افعال کو ترک کر دیتا ہے، تو دوسرا جسم اختیار کر لیتا ہے اور اسی طور سے منتقل ہوتا رہتا ہے۔ جان کے لیے مادی دنیا کی بندش سے نکلنا اور جسمانیت کی قید سے رہائی پانا بغیر یوگ ابیاس کے ممکن نہیں۔ یوگ کے معنی ہندوستان کی علمی زبان میں ملنا اور پہنچنا ہے اور ابیاس ملکۂ دوراس یعنی ملکۂ وصول ہے۔ یوگ سے ان لوگوں کی مراد یہ ہے کہ دل کو ہمیشہ خدا کی یاد میں مشغول رکھے اور اس مقدس گھر (دل) میں جو کہ خدا کا گھر ہے، کسی غیر کو داخل نہ ہونے دے۔ اس ملکۂ وصول کے آٹھ عضو ہیں، اول یم، دوم نیم، سوم آسن چہارم، پرانایم، پنجم پریتاہار، ششم دہارنا، ہفتم دھیان، ہشتم سمادھارن۔ یم کی پانچ قسمیں ہیں: قسم اوّل اہمسا یعنی تکلیف نہ دینا اور اس میں سب سے اہم جانوروں کو ہلاک نہ کرنا ہے۔ قسمِ دوم ستیم یعنی سچائی ہے۔ قسمِ سوم استیم ہے یعنی چوری نہ کرنا اور چور ڈاکو نہ بننا۔ قسم چہارم برہمچاری یعنی عورت سے دور رہنا اور عورتوں کے اختلاط سے احتراز کرنا اور زمین کے اوپر سونا، قسم پنجم اپرگرہم یعنی کوئی چیز کسی سے نہ مانگنا اور اگر لوگ بغیر مانگے ہوئے لائیں تو قبول نہ کرنا۔ آٹھ مذکورہ اقسام میں سے دوسرا نیم ہے اور اس کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ اول تپس یعنی ریاضت، دوم جپ یعنی تسبیح اور دعائیں پڑھنا اور ذکر میں مشغول رہنا۔ سوم سنتوش یعنی راضی رہنا اور مطمئن رہنا۔ چہارم شوچم یعنی پاکیزگی یعنی طاہر اور پاک و صاف رہنا۔ پنجم ایشر پوجا یعنی خدا پرستی اور حق تعالیٰ کی عبادت کرنا۔ آٹھ اقسام میں سے تیسرا آسن ہے یعنی بیٹھنا اور قعدہ کرنا اور یہ ان لوگوں کے نزدیک کئی طریقے پر ہے۔ چوتھا پرانایم ہے اور وہ مقررہ طریقہ اور باقاعدہ اصول کے مطابق سانس اندر کھینچنا اور باہر نکالنا ہے۔ پانچواں پرتیاہار ہے اور وہ حواسِ خمسہ کی محبوب اور مرغوب چیزوں سے دل کو باز رکھنا اور انہیں ترک کر دینا ہے۔ مثلاً خوبصورت شکلوں پر نظر ڈالنے اور گلاب اور خوشبودار صندل کی خوشبو سے اور اس طرح ساری حسی اور ظاہری لذتوں سے خود کو باز رکھنا، چھٹا دھارنا یعنی قلب صنوبری کے اندر جو وسط سینہ میں ہے اور جس کو اہلِ ہند نے کنول پھول سے تشبیہ دیا ہے، دل کو متحضر رکھے یعنی اس مقام پر دل کو محفوظ رکھنے کی فکر کرے۔

ساتواں دھیان اور وہ خدائے تعالیٰ کی یاد ہے۔ آٹھواں سمادھان ہے یعنی دل کو خدا کے کام میں لگائے اور دنیاوی کاموں میں بھول جائے۔ اور اس طرح اس کے حضور میں متوجہ ہوکر محو ہو جائے کہ حواسِ ظاہری کے بارے میں اس کا دل ہلکا اور بہتر ہو جائے۔ جو نیک بخت ان آٹھوں اقسام کو تکمیل کے درجے تک پہنچا دیتا ہے، وہ دُور سے سن لیتا ہے اور دُور ہی سے دیکھ لیتا ہے۔ اس کا پاک علم اس کو بلند کر دیتا ہے اور علم

جوگ میں جو محبوب سے واصل ہونے کا علم ہے، مستحکم ہو جاتا ہے۔ اور رحیم حقیقی یعنی خدا اس پر رحم کرتا ہے اور ساری تکالیف اور جملہ آلام و اسقام اور کل نقائص اس کی ذات سے دُور کر دیتا ہے۔ اس طبقہ کے نزدیک مکت جس سے مراد اس بلند مرتبہ پر فائز ہونا ہے، اسی کا نام ہے۔

یہاں تک جوگیوں کے عقائد کا خلاصہ کا بیان تھا، اور اب اس دور میں جو لوگ جوگی نام سے مشہور ہیں، ان کے بعض علوم و اعمال کا ذکر کیا جاتا ہے، جوگی ہندوستان میں ایک مشہور گروہ ہیں اور سنسکرت زبان میں جوگ کے معنی واصل ہونا ہے۔ یہ لوگ خود کو واصلانِ حق تعالیٰ سمجھتے ہیں اور خدا کو الکھ کہتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق حق تعالیٰ کا خاص برگزیدہ بلکہ بعینہٖ گورکھ ناتھ ہے۔ اسی طرح مچندر ناتھ اور چورنگی ناتھ سدبان یعنی کامل بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کے نزدیک برہما، بشن اور مہیش فرشتوں میں سے ہیں لیکن گورکھ ناتھ کے شاگرد اور مرید ہیں۔ چنانچہ آج کل بعض جوگی خود کو ان میں سے کسی ایک کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

یہ لوگ بارہ فرقے ہیں، جن کے نام یہ ہیں: ست ناتھ، آئی پنتی کجلبر، بیراگ، ناتیری، اردناری، ناری، امرناتھ، کم ہیب، داس، جولی باندی، ترنگ ناتھ، جاگر براگ، پنتی نیک۔ پنت فرقہ کو کہتے ہیں۔ ان کے خیال میں سارے ادیان و ملل اور مذاہب کے پیشوا خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء، سب گورکھ ناتھ کے شاگرد ہیں اور جو کچھ انہوں نے حاصل کیا ہے، سب اسی سے حاصل کیا ہے۔ اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ بھی گورکھ ناتھ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، لیکن مسلمانوں کے خوف سے وہ اس کا اعلان نہیں کر سکتے، بلکہ یوں کہتے ہیں کہ بابا رتن حاجی یعنی گورکھ ناتھ پیغمبرؑ کے مربی تھے، جس نے حضرت رسالت پناہ کی تربیت کی تھی اور جوگ کا طریقہ اسی سے پیغمبر علیہ السلام نے سیکھا تھا۔ ان میں سے بعض لوگ مسلمانوں کے یہاں نماز روزہ کے پابند رہتے ہیں اور ہندوؤں کے یہاں جا کر ان کے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔ اس گروہ کے مذہب میں محرمات میں سے کوئی چیز بھی حرام نہیں ہے۔ اس لیے یہ لوگ ہندوؤں اور عیسائیوں کے مذہب کے مطابق سور کا گوشت کھاتے ہیں اور مسلمان وغیرہ کے دین کے موافق گائے کا گوشت کھاتے ہیں اور الکمیوں کے عقیدہ کے مطابق جن کا آئندہ ذکر کیا جائے گا، آدمی کو بھی مار ڈالتے ہیں اور کھا لیتے ہیں اور مجوسیوں کے اصول پر شراب پیتے ہیں۔ ان کے اندر ایک گروہ وہ بھی ہے جو اپنے پیشاب اور پاخانے کو ملا کر، اور ایک کپڑے میں چھان کر پی لیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ عمل کرنے والا بڑے بڑے کاموں پر قادر ہو جاتا ہے اور عجیب و غریب چیزوں کو جان لیتا ہے۔ اس عمل کے کرنے والے کو تیلیا کہتے ہیں اور اگھوری بھی کہتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق اگرچہ سارے راستے گورکھ ناتھ ہی سے نکلتے ہیں اور ہر مذہب میں رہ کر گورکھ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ لیکن نزدیک راستے پر وہی لوگ چلے ہیں، جو جوگ کے بارہ سلسلوں میں سے کسی ایک سے وابستہ ہو گئے۔

ان کے مذہب میں حبس دم بڑا محبوب عمل ہے، جیسا کہ آذر ہوشنگ کے پیرو پارسیوں میں ہے، اس لیے کہ اس گروہ کے بادشاہ حبس دم کرتے تھے۔ باستان نامہ میں لکھا ہے کہ افراسیاب ابن پشنگ سانس روکنے میں بڑا ماہر تھا اور اسی ہنر کی وجہ سے جب وہ ہوم عابد کے پھندے سے نجات پا گیا تو پانی کے اندر چھپ گیا تھا

اور یہ بڑی مشہور داستان ہے۔ ہندوؤں اور یزدانی پارسیوں میں اس سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ اس طرح کے متعلق ہم نے کچھ باتیں سپاسی پارسیوں کے تذکرہ میں بیان کی ہیں۔ یہاں پر اس کے متعلق کچھ زیادہ لکھے گئے۔

یہ دم کا عمل ایک خیالی چیز ہے، جوگی، سنیاسی، ہندو اور تپسیا کرنے والے کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص حبسِ دم کا ارادہ کرے تو جماع اور نمکین، تلخ اور کھٹی غذا اور محنت سے پرہیز کو لازم سمجھے، اس کے بعد اس عمل میں مشغول ہو۔ اس کو جاننا چاہیے کہ بیٹھنے کی جگہ (مقعد) سے لے کر سر تک سات درجے ہیں جن کو آذری لوگ ہفتخوان آمیغی اور جوگی سپت چکر کہتے ہیں۔ پہلا درجہ مقعد ہے جو چار پتے والے کنول کی طرح ہے، اس کو ہندی میں مول آدھار کہتے ہیں۔ اس کے بیچ میں نری فر کی جڑ ہے، جس کو ہندی میں منتھر اور عربی میں ذکر کہتے ہیں اور یہ دوسرا درجہ ہے۔ تیسرا درجہ ناف ہے، جس کے درمیان سے ایک آتشیں رگ گزرتی ہے، جس کو ہندی میں نبھی چکر کہتے ہیں۔ چوتھا درجہ دل ہے جس کو ہندی میں من پورک کہتے ہیں اور وہ بارہ پتوں والے کنول کی طرح ہے۔ پانچواں درجہ حلق کی نالی ہے، جس کو ہندو کنت کہتے ہیں۔ چھٹا درجہ ابرو کا درمیانی حصہ ہے، جس کو ہندی میں بھنو کہتے ہیں۔ ساتواں درجہ سر کا درمیانی حصہ ہے، جس کو ہندی میں برہماند کہتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ ان درجوں میں بہت سی رگیں ہیں لیکن جن کا جاننا ضروری ہے، وہ تین ہیں۔ ایک داہنی طرف جو شمسی ہے دوسری درمیان میں جو ناری ہے اور تیسری بائیں طرف جو قمری ہے۔ ہندی میں ان تینوں کو ادتیا، پنگلا اور سومن کہتے ہیں اور فارسی میں مہنا، مینا اور مانا کہتے ہیں۔ اور ایک رگ سب سے بڑی ہے جو پشت کی وسط سے پشت کے مہروں کے داہنی طرف سے اوپر کو جاتی ہے اور وہاں سے دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک ناک کے داہنے سوراخ، دوسری بائیں سوراخ تک جاتی ہے۔ ان ہی رگوں سے سانس اور ہوا اندر جاتی ہے اور جو ہوا ان رگوں سے باہر نکلتی ہے، وہ بیداری کی حالت میں بارہ انگشت تک اور سونے میں بتیس انگشت تک اور مباشرت کے وقت چونسٹھ انگشت تک جاتی ہے۔ اس ہوا اور سانس کو یہ لوگ مادۂ حیات سمجھتے ہیں اور سپاسی گروہ اور ہندوؤں کے بہت سے اعمال کا دارومدار اسی پر ہے۔ ان لوگوں نے ہوا کی دس قسمیں کی ہیں، ان میں سے جس کا جاننا ضروری ہے وہ بادفوقانی اور تحتانی ہے، جنہیں ہندی زبان میں پران اور اپان اور فارسی میں آلائی پاسائی کہتے ہیں۔ یہ دونوں ہوائیں باہم کشاکش میں مبتلا ہیں اور ھن بولنے میں سانس باہر نکلتی ہے اور سہ بولنے میں اندر جاتی ہے۔ اور بغیر زبان کی مدد اور جنبش کے تسبیح میں مشغول رہتی ہے۔ جب ان دونوں سے اسم مبارک کرتے ہیں تو ہنسا بن جاتا ہے۔ اور ہمسا بھی کہتے ہیں۔ ہندی میں اس نام کو اجپا کہتے ہیں، یعنی بغیر زبان کی مدد کے یہ پڑھا جاتا ہے اور فارسی میں اس کو دامانی باد کہتے ہیں۔ اسی طرح نشست گاہ کے انگورہ کے اوپر ایک رگ ہے جو کنول کی ساق کے تار سے زیادہ پتلی ہے اور سرخ سونے کی طرح روشن ہے۔ یہ رگ آٹھ جڑوں پر مشتمل ہے، ان جڑوں سے سر باہر نکالنے کے بعد سر کی چوٹی تک پہنچنے کے راستہ کو بند کر دیتی ہے۔ اس کو ہندی میں کوندلی اور فارسی میں روحن مار اور روشیبار کہتے ہیں۔ اور سر کی رگ کا راستہ درمیانی ہے۔ جب

کوندلی حبس دم کی گرمی سے بیدار ہوتی ہے، تو سر کی چوٹی تک پہنچ جاتی ہے اور جس طرح کوئی دھاگا سوئی کی ناک سے گزرتا ہے، یہ کوندلی اس طرح مذکورہ بالا سوراخ سے سر کی چوٹی تک پہنچ جاتی ہے۔

جب تم نے یہ جان لیا تو چاہیے کہ آسنوں یعنی نشستوں سے بھی تم واقف ہو جاؤ۔ ان میں سے ایک کو ہم نے سپاسیوں کے باب میں ذکر کیا ہے۔ یہاں ہم ہر ایک کو بیان کریں گے۔ نشستوں میں سب سے عمدہ وہ نشست ہے جسے ہندی میں مکت آسن اور سدہ آسن کہتے ہیں، یعنی آزاد لوگوں اور خدا رسیدہ اور کاملوں کا بیٹھنا، فارسی میں اس کو رسانشین کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں پیر کی ایڑی کو مقعد کے اوپر رکھے اور دوسری ایڑی کو ذکر کے اوپر اور جسم کو سیدھا کرے۔ پلکوں کو نہ جھکائے اور دونوں ابرو کے درمیان دیکھے۔ بعد ازاں مقعد کو حرکت دے۔ اور بادِ تحتانی کو بادِ فوقانی کے ساتھ اوپر کی طرف کھینچے اور درجہ بہ درجہ اوپر لے جائے، یہاں تک کہ سر تک پہنچا دے۔ سانس کو اوپر لے جانے کا طریقہ یہ ہے کہ سپاسیوں کے باب میں بیان کیا ہے۔ سانس کھینچنے کے وقت ناک کے بائیں سوراخ سے شروع کرے اور داہنے سوراخ کی طرف چھوڑ دے۔ جب اپنے طرف چھوڑ دے تو پھر داہنی طرف سے اوپر کو لے جائے اور نیچے چھوڑ دے۔ اس عمل کو ہندی میں پرانا یم اور فارسی میں افراسدم اور افرازدم کہتے ہیں۔ سانس کھینچنے کے وقت بائیں طرف چاند کا تصور کرے یعنی بائیں جانب چاند کی ٹکیہ کو نمایاں سمجھے اور داہنی طرف سورج کو۔ بعض سپاسیوں نے ساتوں درجوں میں سے ہر درجہ میں سیار ستاروں میں سے کسی ایک کو منتخب کیا ہے۔ یہ عمل ہندوؤں کے نزدیک ساری عبادتوں اور نیکیوں سے بڑھ کر ہے۔ ان کا قول ہے کہ یہ عمل کرنے والا پرواز کر سکتا ہے اور بیمار نہیں ہوتا۔ موت سے رہائی پا جاتا ہے اور بھوکا پیاسا نہیں ہوتا۔ رمزستان پارسان میں لکھا ہے کہ کیخسرو اس کی قوت سے اب بھی زندہ ہے۔ سپاسیوں اور محققین نے کہا ہے کہ جب یہ عمل درجۂ کمال تک پہنچ جاتا ہے تو موت کا خطرہ اٹھ جاتا ہے۔ اور جب تک انسان جسم کے ساتھ رہتا ہے، خود کو جسم سے جدا کر سکتا ہے اور پھر جسم کے ساتھ مل جاتا ہے۔ وہ کبھی بیمار نہیں ہوتا اور تمام کاموں پر قادر رہتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ چونکہ کیخسرو اس عمل کا کامل تھا، لہٰذا اس دنیا میں رہنے سے وہ دلگیر ہو گیا اور لوگوں سے کنارہ کش ہو کر جسم سے جدا ہو گیا اور مجردات سے وابستہ ہو کر اس نے حیات جاودانی حاصل کر لی۔ ہندو کہتے ہیں کہ اس عمل کے باکمال عامل پر برہما، بشن اور مہیش حکم نہیں چلا سکتے بلکہ وہ خود ان پر حکمرانی کرتا ہے۔ ہندوؤں کے ایک طبقہ کے نزدیک تین کارن یعنی برہما، بشن اور مہیش کا کمال اسی عمل کی بدولت ہے۔ ہندوؤں کے بعض گروہوں کا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس عمل میں کامل ہو جاتا ہے وہ حق مطلق ہو جاتا ہے۔ اس کے متعلق بہت کچھ کہا گیا ہے اور ہندی اور فارسی میں بہت سی کتابیں ہیں۔ سپاسیوں کے یہاں سامنال نامی کتاب اس عمل کے بارے میں ہے اور اس سے بڑی کتاب اس عمل کے متعلق کوئی نہیں۔ ... کی تصانیف زردشت افشار، سرودستان اور ان کے مثل بہت سی کتابیں ہیں جو دیکھنے میں آئیں۔ ہندی میں بھی اس فن سے متعلق بہت سی کتابیں ہیں اور رسالے ہیں جیسے وہ رسالہ جسے سوآتمارام جوگی نے لکھا ہے جو بہت پردانگ کے نام سے مشہور ہے اور گورکھ سنگھ جو گورکھ ناتھ کی تصانیف میں ہے اور امرت کنڈ۔ راقم الحروف نے

اَمرت کنڈ کو دیکھا ہے۔ اس کا لوگوں نے فارسی میں بھی ترجمہ کیا ہے اور حوض الحیوٰۃ نام رکھا ہے۔ اس میں بیان ہے کہ گورکھ ناتھ سے مراد خضر اور مچھندر سے مراد یونس ہیں لیکن یہ مضمون اصل کتاب انبرت کنڈ میں نہیں ہے حالانکہ جوگی لوگ کہتے ہیں کہ کئی لاکھ برہما آئے اور چلے گئے لیکن گورکھ ناتھ اپنی جگہ قائم ہے۔ اس کتاب میں اس سے زیادہ جوگ کے بیان کی گنجائش نہیں۔

بالک ناتھ تپشری۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ شاہی نسل سے تھا اور جوگ میں کمال کے درجہ کو پہنچا ہوا تھا ایک ایک ہفتہ تک سانس روک لیتا تھا۔ اگرچہ اس کی عمر سے ایک سو بیس سال گزر چکے تھے لیکن اس کی طاقت ختم نہیں ہوئی تھی۔ راقم الحروف نے موبد ہوشیار کو کہتے ہوئے سنا کہ "۱۰۲۸ھ (۱۶۱۸ء) میں تجھ کو اس کے پاس لے گیا تھا اور تیرے بارے میں اس نے دعائے خیر کی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ لڑکا خداشناس ہوگا۔"

سرور ناتھ تپشری ہمایوں نسب اور مبارک حسب رکھتا تھا۔ جوانی میں اس گروہ کے پیر و مرشد کے درجہ تک پہنچ گیا تھا اور دو دن تک حبسِ دم کر سکتا تھا۔ ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ء) میں اس کتاب کے مصنف نے اس کو لاہور میں دیکھا تھا۔

سجا ناتھ آئی پنتھی حبسِ دم میں کامل انسان تھا۔ لوگ اس کو سدبان (صوفیوں) میں شمار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کی عمر کے سات سو سال گزر چکے ہیں لیکن اب تک اس کے بال سفید نہیں ہوئے۔ سالِ مذکور میں لاہور میں اس کی زیارت ہوئی تھی۔

سورج ناتھ حبسِ دم میں بہت ماہر ہے، اور کئی سال ہوئے، جب سے پیشاور میں آرام و سکون اختیار کر کے، اپنے کام میں مشغول ہے اور لوگ اس کے متعلق جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، اچھا گمان رکھتے ہیں۔ اس کتاب کا مصنف ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۵ء) میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ جوگیوں میں سے اتنے لوگوں کی زیارت ہوئی کہ اس کتاب میں ان سب کے بیان کی گنجائش نہیں۔

جوگیوں میں یہ قاعدہ ہے کہ جب ان پر مرض غالب ہوتا ہے تو خود کو زندہ دفن کر دیتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کھلی ہوئی آنکھ دونوں ابرو کے درمیان جما دیتے ہیں، یہاں تک کہ اس شخص کو ایک شکل نظر آتی ہے۔ اگر وہ شکل بغیر ہاتھ پاؤں یا بغیر کسی دوسرے عضو کے ہوتی ہے تو ان میں سے ہر عضو کے لیے ایک میعاد مقرر کر رکھی تھی کہ وہ اتنے سال، اتنے ماہ اور اتنے دن زندہ رہنے کی علامت ہے، چنانچہ جب وہ شکل بغیر سر کے دیکھتے ہیں تو یقین ہو جاتا ہے کہ بس تھوڑی عمر باقی رہ گئی ہے۔ ان ہی علامتوں کی بنا پر جیسا کہ وہ دیکھتے ہیں کہ خود کو دفن کر دیتے ہیں۔ ہندوستان کے گیانیوں کے نزدیک وہ شکل محض خیالی ہوتی ہے اور اس سے کوئی نتیجہ یا اثر مترتب نہیں ہوتا۔

چونکہ سنیاسی بھی ریاضت پسند ہیں، اس لیے ان کے حالات جوگی طبقہ کے ساتھ تحریر کیے جا رہے ہیں، سنیاسی ترک اور تجرید اختیار کرتے اور جسمانی راحت کو ترک کر دیتے ہیں، بعض تو اس لیے کہ پھر دوسرے بدن کے ساتھ ظاہر نہ ہوں اور ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل نہ ہوں، اور بعض لوگ اس غرض

ہے کہ وہ بہشت میں پہنچ جائیں اور بعض گروہ اس لیے کہ وہ راجہ یعنی بادشاہ ہو جائیں یا دولت مند، جب کوئی
شخص سنیاسی ہو جاتا ہے،تو پھر دوبارہ اس کو دنیا داری کا دعویٰ کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ لوگ دسنام یعنی دس گروہ
میں منقسم ہیں، اس تفصیل کے ساتھ: بن، آرن، تیرتھ، آشرم، کر، پرباتھ، ساگر، بھارتی، پری، سرتی۔ اکثر ان
میں سے ریاضت پسند ہیں اور جانوروں کے گوشت سے پرہیز کرتے ہیں اور عورتوں کے اختلاط سے احتراز کو
واجب سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ دتاتری کے پیرو ہیں جس کو دیودت بھی کہتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ وہ نرائن کا اوتار
ہے۔ وہ حبسِ دم کے عمل میں اس درجہ پر پہنچ گیا کہ موت سے نجات پا گیا۔ جب وہ گورکھ ناتھ کے سامنے آیا جو
جوگیوں کا پیرومرشد ہے اور سنیاسیوں کے عقیدہ کے مطابق مہادیو کا اوتار ہے،تو دتاتری نے آزمائش کے لیے
اپنا حربہ گورکھ کے اوپر چلایا۔ گورکھ ناتھ لوہے کی شکل میں ظاہر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر دتاتری نے کہا کہ تو نے اچھا
نہیں کیا کیونکہ لوہا نا قابلِ شکست ہے پھر جب گورکھ نے اپنے جنگ کے ہتھیار کو استعمال کیا تو دتاتری نے بدن
کو چھوڑ دیا جس طرح پانی سے گزر جائے۔ پھر اس کا بدن درست ہو گیا۔ اس مضمون کے متعلق صبور مشہدی کہتا
ہے:

ہمہ تن آب شد از کشتن من دست بدار   تا کہ زخم زدہٴ باز بہم می آید

(میرا سارا بدن پانی ہو گیا، لہٰذا مجھ کو مارنے سے ہاتھ اُٹھا لے۔ جس قدر بھی تو مجھے شگاف پہنچائے
میرا بدن پھر ایک ساتھ مل جائے گا۔)

اس کے بعد گورکھ پانی میں ناپید ہو گیا۔ دتاتری نے اس کو ایک سور کی شکل میں پا کر پہچان لیا اور اس
کو پکڑ کر باہر نکال لایا۔ جب دتاتری پانی میں جا چھپا تو گورکھ ناتھ نے ہر چند اس کو تلاش کیا لیکن اس کو ظاہر نہ
کر سکا، اس لیے کہ وہ پانی میں مخلوط ہو گیا تھا اور پانی سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ میرزا باقر علی کہتا ہے:

بدریا قطرہ چوں واصل شود دریاست در معنی   حباب در موج ہم آبند بشگاف ایں معمارا

(جب قطرہ دریا میں مل جاتا ہے تو دریا ہو جاتا ہے، چنانچہ حباب اور موج بھی حقیقت میں پانی ہی
ہیں۔ اس معما کو حل کر۔)

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے:

زشرم آب شدم آب را شکستن نیست   بحیرتم کہ مرا روزگار چوں بشکست

(میں شرم سے پانی پانی ہو گیا اور پانی میں توڑ پھوڑ ہو نہیں سکتی۔ مجھے حیرت ہے زمانہ نے مجھے
کیوں کر توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔)

دراصل سنیاسیوں میں دو گروہ ہیں، اول دندھاری جو لمبے بال نہیں رکھتے اور سمت یعنی شریعت کے
امور و احکام کے پابند ہوتے ہیں۔ دوم اودھوت جو دندھاریوں کی طرح ہیں۔ زنار کو جلاتے ہیں اور اس کی راکھ
کو پانی میں ملا کر پیتے ہیں۔ لیکن دندھاریوں کے برخلاف سر کے بال کو چھوڑ رکھتے ہیں، یہاں تک کہ وہ بے

ہوئے ہوجاتے ہیں جس کو وہ لوگ جٹا کہتے ہیں۔ روزانہ غسل نہیں کرتے اور سر اور بدن پر راکھ ملتے ہیں، جس کو یہ لوگ بھبھوت کہتے ہیں۔ مرنے کے وقت دونوں گروہ والوں کے بدن کو نمک بھرے بورے میں باندھ کر پانی میں ڈال دیتے ہیں تاکہ وزن اور اس کے پاسنگ کی وجہ سے چند روز پانی میں ڈوبا رہے، یہاں تک کہ پھر اس کو زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔

دوسرے گروہ کے پیر و مرشد شنکر آچاریہ ہیں۔ کشمیر کے بادشاہ راجہ سہدیو نے جس نے ۷۵۰ھ (۱۳۴۹ء) میں جسمانی لباس کو چھوڑا، ان کو اپنا پیشوا بنایا تھا۔ شنکر آچاریہ ایک دانشمند برہمن تھے اور بے انتہا آزاد بھی۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ علماء بیدانت شاستر کو سمجھتے نہ تھے اس لیے مہادیو اوتار بن کر شنکر آچاریہ کی شکل میں ظاہر ہوئے تاکہ بیدانت کی تشریح کریں۔ اس موضوع پر ان کی بہت سی کتابیں ہیں۔ سنسکرت زبان میں شاستر کے معنی علم ہے اور بید آسمانی کتاب ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا اور انت انتہا اور اختتام کو کہتے ہیں۔ یعنی بید کا انتہائی مقصد اور غرض خدا اور خود کی معرفت ہے، لہٰذا اس علم کو جو کہ علم توحید ہے، بید کی آیتوں سے استنباط کر کے اس کا نام بیدانت رکھا۔ شنکر آچاریہ گیانی یعنی عارف اور موحد تھے اور ان کے اقوال و اعمال کا تذکرہ گیانیوں کے باب میں گزر چکا ہے۔

گسائیں چتر و پہ ڈندھاری گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ گجرات کے برہمنوں کی نسل سے ہے جن لوگوں کو ناگر برہمن کہتے ہیں۔ اس کا باپ جو اس علاقہ کے جوہریوں میں شمار ہوتا تھا، بڑا معزز اور دولت مند تھا۔ چتر و پہ نے یزدان پرستی میں کمال حاصل کر لیا اور ماں باپ اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر سنیاسیوں کا شیوہ اختیار کر لیا۔ ایک زمانے تک حبسِ دم میں مشغول رہا، انجامِ کار کافی شہرت حاصل کی لیکن ریاضت کو ترک نہیں کیا۔ وہ تین کراس سے زیادہ نہیں کھاتا تھا اور کراس ہتھیلی کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کبھی کبھی نمک کے سوا کوئی غذا اس کے پاس نہ ہوتی تو صرف تین کراس نمک پر قناعت کر لیتا تھا۔ اس کے خوارق عادات سنیاسیوں کے یہاں اس سے کہیں زیادہ مشہور ہیں کہ اس کتاب میں سما سکیں۔ مذکورہ طریق کی مداومت کی وجہ سے آوازِ خداوندی سن کر اس کی رگوں سے طنبور جیسی آواز نکلتی تھی۔ ایرانی نسل کے ایک درویش نے بیان کیا کہ ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ء) میں ایک رات چتر و پہ میرے پاس آیا اور کہا کہ اُٹھ تاکہ ہم سیر و تفریح کے لیے چلیں۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا، اور ایک جگہ گہرے پانی کے پاس پہنچا۔ چتر و پہ نے پانی کی سطح پر پاؤں رکھ کر اس طرح پار کر لیا کہ اس کے پاؤں کا بالائی حصہ پانی سے نہ بھیگا۔ پھر مجھے بُلایا، میں تالاب کے کنارے کنارے چل کر اس سے مل گیا۔ چتر و پہ میرے پاس پہنچنے تک پتھر کے ایک چبوترہ کے اوپر جو تالاب سے قریب تھا، میرا انتظار کر رہا تھا۔ جب میں اس کے پاس بیٹھ گیا تو اس نے چبوترہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ تُو کچھ جانتا ہے کہ یہ کس کا کام ہے۔ ایسے پتھر جو لمبائی میں دس گز سے کم نہ تھے، ان کے بھاری پن کو دیکھ کر میں نے حیرت زدہ ہو کر جواب دیا کہ یہ دیووں کا بنایا ہوا ہوگا۔ چتر و پہ نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ میرا ایک دوست یہاں پر سکونت پذیر تھا۔ اس نے

اس چبوترہ کی تعمیر کا ارادہ کیا، وہ پہاڑ کے اوپر سے بھاری پتھروں کو اپنے کندھے پر نیچے لا کر اس کام کو انجام دیتا تھا۔ پتھروں کے بھاری پن سے لوگ متعجب ہو کر ایک رات کمین گاہ میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے سنیاسی کو دیکھا کہ ایک بھاری پتھر کو کندھے پر لیے آ رہا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس دردسری کا سبب کیا ہے۔ آپ حکم دیں تو ہم لوگ پتھروں کو پہاڑ سے نیچے لا کر چبوترہ درست کر دیں مگر وہ اتنے بڑے پتھر نہ ہوں گے۔ سنیاسی غصہ ہو گیا اور اس گاؤں سے باہر چلا گیا۔ بعد ازاں چترو پہ نے مجھ سے کہا کہ اُٹھ تا کہ اس کی زیارت کو چلیں، میں اس کی زیارت کو گیا۔ وہ پالتی مارے بیٹھا، مراقبہ میں مشغول تھا۔ چترو پہ نے اس سے کہا کہ ایک درویش ہمارا مہمان ہے، سازندوں کو بلایا۔ اس نے جواب دیا کہ تُو روشنی پیدا کر۔ اس کے کہنے کے ساتھ ہی چترو پہ نے صحرا پر ایک نگاہ ڈالی اور غیب سے ایک بڑی مشعل روشن ہو گئی اور وسیع صحرا ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک روشن ہو گیا اور ہر طرح کے سازوں کی آواز کانوں تک آنے لگی۔ بالائی سفیدی یعنی صبح کاذب کے وقت ہم لوگ اس سے جدا ہوئے اور اسی پہلے راستے سے جس طور سے بیان ہو چکا، ہم اپنی قیام گاہ پر واپس آ گئے۔ خواجہ حافظ نے کہا ہے:

گر پیر مغاں مرشد ما شد چہ تفاوت   در ہیچ سرے نیست کہ سودائے خدا نیست

در صومعۂ زاہد و در حلقۂ صوفی   جز گوشۂ ابروئے تو محراب دُعا نیست

(اگر پیر مغاں ہمارا مرشد بن گیا تو اس سے کیا فرق پڑا کیونکہ کوئی سر ایسا نہیں جس میں خدا کا سودائے عشق نہ ہو۔ زاہد کے حجرہ اور صوفی کے حلقہ میں سوائے تیرے گوشۂ ابرو کے دُعا کے لیے کوئی محراب نہیں ہے۔)

حکیم کامران شیرازی کہتا ہے کہ ہم لوگ بنارس میں چترو پہ کے پاس تھے۔ اتنے میں ایک مسلمان امیر اس کی زیارت کو آیا اور اس سے پوچھا کہ ہمارے پیغمبر کے بارے میں تُو کیا کہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تم لوگ خود کہتے ہو کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں اور جس گروہ کے لیے بادشاہِ حقیقی نے ان کو بھیجا ہے، ان کے رہنما ہیں، لیکن خداؤں کے خدا کے مصاحبین کو ان کے احکام کا پابند کرنا مناسب نہیں ہے۔ حضرت جنت مکانی بادشاہ نورالدین جہانگیر انار اللہ برہانہٗ اس کے معتقد تھے اور کماحقہٗ اس کی دلداری کرتے تھے۔ عبدالرحیم خانخاناں اس کے سامنے سجدہ کرتا تھا۔ ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ء) میں جس وقت اس کتاب کے مصنف کے ارباب اعزہ پٹنہ سے دارالسلطنت اکبر آباد آ رہے تھے، تو مصنف کمسن تھا۔ موبد ہوشیار جس نے چند مدح صفات بیان کیے گئے، وہ مصنف کو اپنی گود میں چترو پہ کے پاس لے گیا۔ چترو پہ بہت خوش ہوا اور راقم الحروف کے حق میں دُعائے خیر کی اور سورج کا منتر یعنی دُعائے آفتاب اس مصنف کو سکھلائی۔ بعد ازاں کنیش من نامی اپنے ایک شاگرد کو جو اس روز حاضر تھا، حکم دیا کہ بالغ ہونے کی عمر تک راقم الحروف کے ساتھ رہے۔ اور جب تک یہ مصنف سنِ شعور کو نہیں پہنچا کنیش من اس کے ساتھ رہا۔ کنیش من شاگرد چترو پہ بہت زیادہ سانس روک لیتا تھا۔

موبد ہوشیار کہتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ پالتی مارے بیٹھ کر اس نے حبسِ دم کیا۔ اس کے پیٹ میں اس قدر ہوا بھر گئی کہ وہ اس کے زانو سے بھی نیچے بڑھ گیا۔ ۱۰۴۷ھ (۱۶۳۷ء) میں گوسائیں چترد پہ شہر بنارس میں راہئ ملکِ بقا ہوا۔

راقم الحروف نے ۱۰۵۳ھ (۱۶۴۳ء) میں پنجاب کے پہاڑی علاقہ کے کریت پور میں جو راجہ تارا چند کی حکومت میں ہے، کلیان بھارتی سے ملاقات کی۔ وہ ایک ریاضت پسند انسان تھا اور دو گھڑی تک سانس روک لیتا تھا۔ بھارتی سنیاسیوں میں ایک گروہ ہے۔ فرزانہ خوشی سے جو یزدانیوں میں کا ایک بزرگ ہے، یہ خبر سنی گئی کہ کلیان بھارتی چراغ کا تیل پی لیتا تھا، بعد ازاں دودھ پی لیتا۔ پھر دونوں کو قے کر کے نکال دیتا تھا اس طرح کہ دونوں کا رنگ نمایاں رہتا اور آمیزش بالکل نہیں ہوتی تھی۔ کلیان بھارتی ہمیشہ ملک ایران کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اس کتاب کے مصنف نے اس سے کہا کہ تیرا ہندوستان میں کوئی تعلق نہیں، تجھ کو چاہیے کہ وہاں جا کر آرام سے رہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں ایران گیا تھا لیکن جب ایران کے بادشاہ کو دیکھا جو شاہ عباس ابن سلطان خدائے بندہ ہے تو کبر سنی، درازئ عمر اور اعلیٰ ذہانت کے باوجود میں نے اسے بے رحم، سفاک، حریص، عہد شکن، ہزل دوست اور مسخرہ نواز پایا۔ اس نے اپنے ملک میں خبر رساں مقرر کر رکھے ہیں، جہاں کہیں خوبصورت لڑکا یا لڑکی دیکھتے ہیں، اس کو بادشاہ کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ اور قزلباش کے صوفی لڑکا اور لڑکی بادشاہ کی نذر کرتے ہیں، جو بھی شرمناک حرکت چاہے، وہ ان کے ساتھ کر سکتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر ان کے مذہب میں یہ شائستہ ہے تو قطعی طور پر میں اس شہر میں نہیں رہ سکتا۔ جب ان کے علماء سے میں نے دریافت کیا تو انہوں نے اس عمل کو ناپسند کیا۔ میں نے کہا کہ بادشاہ تو اسی اصول کا قائل ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں اس کا رواج ہے۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ بادشاہ حق تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اگر وہ غلط راستے پر چلتا ہے اور اپنے مذہب میں مستحکم نہیں ہے تو باوجودیکہ وہ اس مذہب کا منکر نہیں ہے، پھر بھی ایسی سرزمین میں رہنا مناسب نہیں۔ کلیان بھارتی نے کہا کہ جو شخص اپنے دین کا مستحکم نہیں ہے، میں اس کو نہیں دیکھ سکتا، اور یہ بھی کہتا تھا کہ جو شخص کسی دین میں اعتقاد نہیں رکھتا، وہ اپنے نفس کا پیرو ہے اور جو مرد دیندار کہلاتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے اور اس پر ثابت قدم رہتا ہے تو وہ بُرا نہیں ہو سکتا۔

اس کتاب کے مصنف نے ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ء) میں ایشر کر سے ملاقات کی۔ فرزانہ خوشی کہتا ہے کہ وہ تین گھڑی (نو گھنٹے) تک حبسِ دم کر لیتا تھا۔ اسی طرح مصنف نے بدن کر سے ملاقات کی۔ یہ شخص مختلف قسم کے سحر اور شعبدوں میں ماہر تھا۔ جس وقت خوش ہوتا، روٹی اور نمک بکھیر دیتا۔ ہڈی سے دودھ نکال لیتا اور بال سے ہڈی کو کاٹ ڈالتا اور مرغی کے انڈے کو تنگ منہ کی بوتل میں ڈال دیتا اور اس قسم کی بہت سے چیزیں اس سے مشاہدہ کی گئیں۔

دوسرے سنیاسی جو بارہ سال تک ایک پاؤں پر کھڑے رہتے ہیں، جن کو ہندی زبان میں تھادیسر

کہتے ہیں اور وہ جو بات نہیں کرتے اور بولتے نہیں، مونیان کے نام سے موسوم ہیں اور اسی طرح کے اس قدر فرقے ہندوستان کی کتابوں میں، اس کتاب کے مصنف کو نظر آئے کہ ان تمام فرقوں کے حالات اور نام لکھنے کے لیے اتنے اوراق کافی نہیں ہے۔ اس گروہ کے بعض لوگ جاہ و ثروت کے مالک ہوتے ہیں اور کئی ایک ہاتھی اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں اور سواریاں، قیمتی کپڑے، غلام اور خدمت گار جن میں بعض پیادہ ہوتے ہیں اور بعض سوار، اپنے ہمراہ رکھتے ہیں۔

شاکتیوں کے عقائد کے بیان میں

اس فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ شیو یعنی مہادیو جو اس فرقہ اور بعض دوسرے فرقوں کے خیال میں سب سے بڑا فرشتہ اور عظیم ترین روحانی ہستی ہے، وہ ایک عورت رکھتا ہے جس کو مایا شکتی کہتے ہیں۔ یہ عورت ایک چیز کو دوسری چیز کے رنگ میں دکھلاتی ہے یعنی ہر چیز کو اس طرح دکھلاتی ہے، جیسی وہ حقیقت میں نہیں ہے۔ مثلاً شراب کو پانی۔ یہ روحانی عورت تین طبیعت اور تین صفات کی اصل اور مادہ ہے۔ جو راجس (۱) یعنی حکومت اور شہوت ہے اور ساتک (۲) یعنی دیانت و حکمت اور حواس پر حکمرانی کی قدرت ہے، نہ کہ ان کی تابعداری اور تامس (۳) یعنی قہر و غضب اور کھانا، حرص کرنا اور سونا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک برہما، بشن اور مہیش سے یہ تینوں مراتب مذکورہ قوتیں مراد ہیں۔ یہ مایا شکت دنیا اور دنیا والوں کی پیدا کرنے والی اور ارواح و اجسام کو بنانے والی ہے۔ عالم اور عالم کے بسنے والے اسی سے پیدا ہوئے ہیں۔ مذکورہ بالا صدور و ظہور کے اعتبار سے اس کو جگت انبا یعنی مادرِ عالم کہتے ہیں۔ اس شکت تک جانے کے لیے ہستی راستہ نہیں پاتی اور فنا کا لباس اس نرالی خاتون کے قد پر درست نہیں ہوتا اور انعدام کی گرد اس کی گلی کے گرد گھوم نہیں سکتی۔ موجودات علویہ اور مخلوقات سفلیہ سب اس پر فریفتہ و شیفتہ ہیں اور اس کے افسون کی قید میں رہ کر دنیا میں حیران و سرگرداں ہیں۔ جو شخص مکت یعنی اطلاق اور اس کی غفلت سے رہائی اور نجات کا ارادہ کرتا ہے، وہ بھی اس عالم فریب خاتون کی طاعت اور عبادت بجا لاتا ہے اور اس حیلہ ساز بیگم کی غلامی کا طریقہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ یہ دیوی یعنی روحانی عورت سارے حیوانات کے اندر چھ دائروں میں موجود رہتی ہے جس کو شت چکر کہتے ہیں، جس طرح کنول کی ساق کا ریشہ، کنول کی ساق کے اندر چھ درجوں میں رہتا ہے۔ اول مول آدھار یعنی بیٹھنے کی جگہ، دوم من پورک، یعنی ناف ہے، سوم سوادستھان یعنی مضبوط اور مستحکم جگہ اور وہ ناف سے اوپر ہے۔ چہارم ہردے یعنی دل، پنجم سدھ یعنی پاک کیا ہوا پاکیزہ اور طاہر اور وہ سینہ کا اوپری حصہ ہے، گردن سے حلق تک ششم اگنی چکر یعنی آگ کا دائرہ اور وہ ابرو ہے۔ چھ دائرے یہی ہیں۔ ان کے اوپر اندرا ب یعنی روزن روانی اور منفذ سماں جو چوٹی اور سر کا درمیانی حصہ ہے، اس مقام پر ہزار پتیوں والا کنول کا پھول ہے، اور یہ جگہ دیوی یعنی عالم فریب بیگم کی باعزت قیام گاہ ہے۔ اس جگہ وہ اپنی اصلی شکل میں لاکھوں آفتاب و ماہتاب کی روشنی کے ساتھ آرام

پذیر ہے۔ اُٹھنے کے وقت انواع و اقسام کے گل و ریحان سر اور جسم پر رکھتی ہے اور جملہ عطریات غالیہ، زعفران اور صندل سے اپنے روشن جسم کو معطر اور معنبر بنا لیتی ہے اور لباسِ فاخرہ میں ملبوس رہتی ہے۔ اسی شکل میں جو بیان کی گئی، اس کو تصور کرنا چاہیے اور ظاہری عبادت اور باطنی خدمت اور بندگی میں مشغول رہنا چاہیے۔ ظاہری عبادت یہ ہے کہ اس سے مجسمہ اور مورتی کو پوجنا، یم اور نیم کی پابندی کے ساتھ جن میں سے ہر ایک کی پانچ پانچ قسمیں ہیں اور یوگ شاستر میں ان کو بیان کیا گیا ہے۔ باطنی اطاعت اس کا تصور کرنا اور ہمیشہ اس کی یاد میں رہنا ہے۔ ایسے دائمی تصور والے اور اطاعت گزار کو اس دنیا میں بھکت یعنی خوشی اور مسرت اور اس جاودانی دنیا میں مکت یعنی نجات نصیب ہوتی ہے۔ عمل کا طریقہ اگم ہے جس پر اس فرقے کی ایک جماعت عمل کرتی ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک مہادیو کی بیوی کی طاقت جو بھوانی ہے، شوہر سے زیادہ ہے۔ یہ فرقہ زیادہ تر شیولنگ کو پوجتا ہے، اگرچہ دوسرے ہندو بھی مہادیو کے لنگ کی پوجا کرتے ہیں اور لنگ آلۂ تناسل کو کہتے ہیں۔ لنگ کی پرستش کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ چونکہ انسان اور حیوان اسی کے ذریعہ وجود میں آتے ہیں، اس لیے اس کی پرستش کرنا زیادہ بہتر ہے' بالخصوص مہادیو کے لنگ کی۔ اسی طرح بھگ کی پوجا کرتے ہیں، پوجا یعنی پرستش اور بھگ فرج کو کہتے ہیں۔ ایک شخص نے جو ان لوگوں سے بخوبی واقف تھا بتایا کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مسجدوں کی محراب سے اشارہ بھگ کی طرف ہے اور مینار سے مراد لنگ ہے۔ اسی بنا پر محراب و مینار ایک ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اکثر مقامات پر اور ہندوؤں کا ایک بڑا طبقہ یہ مذہب رکھتا ہے۔ اس گروہ میں اگی زیادہ ہوتے ہیں، اگم ایک طریقۂ عمل ہے، جس میں شراب نوشی کا طریقہ پسندیدہ ہے۔ اور بجائے ساغر کے اگر آدمی کے کاسۂ سر میں جس کو کپال کہتے ہیں، شراب پی جائے تو اور بہتر ہے۔ یہ لوگ سارے حیوانات یہاں تک کہ انسان کے مار ڈالنے کو شائستہ سمجھتے ہیں اور اس کو بلی کہتے ہیں۔ راتوں کو مسان بھوم جس کو شومسان بھی کہتے ہیں، جاتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ہندو مردہ کو جلاتے ہیں۔ اس مقام پر یہ لوگ نشہ میں مست ہو جاتے ہیں اور جلائے ہوئے مردہ کا گوشت کھاتے ہیں اور وہاں اپنے آدمیوں کے سامنے عورتوں سے جماع کرتے ہیں۔ اس کو شکت پوجا کہتے ہیں، اور اگر پر استری یعنی پرائی عورت ہو تو اس کا ثواب اور زیادہ ہوتا ہے۔ ان کے یہاں یہ اصول مقرر ہے کہ ایک دوسرے کی عورت تک ہاتھ پہنچاتے ہیں۔ شاگرد اور مرید اپنے استاد کے لیے اپنی بیوی اور بیٹی کو لے جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ماں، بہن، چچی، پھوپھی اور بیٹی سب کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے، برخلاف ہندوؤں کے جو اپنے رشتہ داروں اور قبیلہ کی لڑکیوں سے شادی نہیں کرتے ہیں۔ اس گروہ کے ایک دانشمند کو اس کتاب کے مصنف نے دیکھا، اس نے اپنے متاخرین علماء کی تصانیف میں سے ایک کتاب کو اس موضوع سے متعلق پڑھا اور اس میں پایا کہ سوائے اپنی بیٹی کے سب عورتوں کے ساتھ اختلاط کیا جا سکتا ہے، تو اس نے اس مصنف کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا اور کہا کہ یہ قول اس گروہ کے اکابر متقدمین کے خلاف ہے اور پرانی کتابوں میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں ہے۔ بالآخر اس کو کاتب کی غلطی پر محمول کیا۔ یہ لوگ

کہتے ہیں کہ عورت خواہش کے لیے ہے، اگرچہ ماں یا بیٹی ہو۔ ان کے خیال میں کوئی نیکی جماع کرنے کے برابر نہیں ہے، اس کو ہندی میں کام دان کہتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ اگر مرد اور عورت آپس میں اختلاط کرتے ہیں تو جو شخص ان کو تکلیف دیتا ہے، وہ خدا کی لعنت کا مستحق ہے۔ اس لیے کہ اس کام میں دونوں لذت حاصل کرتے ہیں اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ اور عورتوں کے اندر تفریق نہ کرنی چاہیے کہ یہ کسی دوسرے کی بیوی ہے، کیونکہ مرد بھی عناصر سے مرکب ہیں اور عورتیں بھی، اور جو ان سے پیدا ہوتا ہے، وہ بھی عنصری ہوتا ہے۔ یہ لوگ عورتوں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کو شکتی کہتے ہیں یعنی عورت کو برائی سے یاد کرنا ایک بڑا گناہ ہے۔ اور فاحشہ طوائفوں کو محترم سمجھتے ہیں اور ان کو دیوکنیا کہتے ہیں یعنی فرشتوں کی بیٹیاں۔

ان کے نزدیک سب سے بڑا نیک کام آدمی کو مار ڈالنا ہے جس کو نرمید کہتے ہیں۔ اس کے بعد گومید یعنی گائے کو ذبح کرنا، اس کے بعد اشمید یعنی گھوڑے کو مار ڈالنا۔ اس کے بعد دوسرے حیوانات ہیں۔ جب کلادیک جو ایک قسم کی عبادت ہے، بجالاتے ہیں تو جانوروں کے خون کر جس قدر ممکن ہوتا ہے، ایک بڑے مٹکے میں جمع کر لیتے ہیں اور جس شخص کو اپنے دین میں داخل کرتے ہیں، اسے اس میں بٹھلاتے ہیں اور وہ خون اسے پلاتے ہیں اور خود بھی پیتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کسی فرشتہ یا فرشتہ کی بیوی کی پرستش کرتا ہے اور اس عمل کو اشت کہتے ہیں اور اس پر عمل کرنے والے کو اشتی۔ اس قوم کا عقیدہ ہے کہ ہر فرشتہ یا فرشتہ کی بیوی کی دو طرح پرستش کرتے ہیں۔ ایک تو بھام ہے یعنی خونریزی سے پرہیز کرنا اور پاکیزہ رہنا۔ دوسرے دکھن ہے یعنی خون بہانا، عورتوں سے صحبت کرنا اور طہارت کا پابند نہ ہونا لیکن دکھن کے اثر کو زیادہ سمجھتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ ہر دیوتا اور دیوی کے لیے ایک دھیان ہوتا ہے یعنی ہر فرشتہ اور مادہ فرشتہ کی ایک شکل ہے اور اسی شکل میں اس کا تصور کرتے ہیں۔ اس لیے کہ دھیان تصور کو کہتے ہیں۔ لیکن مادہ فرشتہ کی پرستش زیادہ فیض پہنچاتی ہے۔ جب یہ لوگ اپنی بیوی یا پرائی عورت سے صحبت کرتے ہیں تو عورت کو وہ دیوی تصور کرتے ہیں اور خود کو وہ دیوتا جو اس کا شوہر ہے۔ اس موقع پر ایک اسم جس کی تلقین کی گئی ہے، اسے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک ذکر (آلہ تناسل) فرج میں رہتا ہے، اس اسم کا پڑھنا زیادہ اثر پہنچاتا ہے۔ ایک دیوی ہے جس کی بغیر ہاتھ دھوئے پرستش کرتے ہیں۔ دوسری دیوی کے لیے نجس چیزوں کا ٹیکہ لگا کر پوجا کرتے ہیں اور چھ دیوی کو رانی خیال کرتے ہیں، یعنی ملکہ اور بعض دوسری دیویوں کو داسی۔ داسی پوجا کرنے والی عورت کو کہتے ہیں۔

اس کتاب کے مصنف نے ایک شخص کو دیکھا کہ مردہ کی لاش پر بیٹھا ہوا تھا اور جس اسم کی تلقین کی گئی ہے، اسے پڑھ رہا تھا۔ اسی حالت میں مردہ کو مٹی کے نیچے رکھا یہاں تک کہ اس کے ٹکڑے ہو گئے۔ بعد ازاں اسے باہر نکال کر اس کا گوشت کھایا۔ اس عمل کو بہت موثر سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دیویوں اور دیوتاؤں کی اس طرح پوجا کرنے سے دنیوی اور اخروی مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ عقیدت مندم یہ لوگ بانجھ عورتوں کو اس عمل کے عاملوں کے پاس اس خیال سے بھیج دیتے ہیں کہ حاملہ ہو جائیں گی۔ اور یہ لوگ شوہروں کے سامنے ان کی

عورتوں سے صحبت کرتے ہیں اور مراد پاتے ہیں۔ جو شخص اپنی بیوی کو پیر مرشد کے پاس نہیں بھیجتا، اس کے خلوصِ عقیدہ کے بارے میں یہ لوگ شبہ کرتے ہیں۔

گسائیں ترلوچن برہمن اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اور کالی جو ایک روحانی عورت ہے، اس کی پرستش کرتا تھا۔ ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ء) میں جب وہ کشمیر گیا تو ایک عرصہ ریاضت میں گزارا۔ بالآخر جیسا کہ اس عمل میں شرط ہے، ایک داسی سے زنا کیا، اس لیے کہ کہتے ہیں کہ اس عمل میں پانچ چیزیں ضروری ہیں: اول مچھلی، دوم شراب، سوم پرائی عورت، چہارم گوشت اور اگر انسان کا گوشت ہو تو بہتر ہے، پنجم منتر یعنی اسم۔ ہندوؤں کا طریقہ ہے کہ مچھلی کو گوشت سے مختلف خیال کرتے ہیں۔ بہرحال جب گسائیں کا عمل اس طرح پورا ہوا تو احسن اللہ خاں جس کا خطاب ظفر خاں تھا، جو کشمیر کا حاکم اور خواجہ ابوالحسن ترمذی کا بیٹا تھا، اپنے حرمسرا کی عورتوں کی وساطت سے جو گسائیں سے کافی تعلق رکھتی تھیں، اس سے متعارف ہوا اور اس سے درخواست کی کہ وہ تبت والوں پر فتح حاصل کرائے۔ ترلوچن نے کہا کہ تبت کی تسخیر کی جا سکتی ہے، اگر تُو میرے حکم کے مطابق کرے۔ ظفر خاں نے منظور کر لیا اور فریقین کی طرف سے عہد و پیمان کی توثیق ہو گئی۔ ترلوچن نے حکم دیا کہ طوائفوں کی ایک جماعت مقرر کر جو کبھی مجھ سے جدا نہ ہوں، کیونکہ اس مذہب میں طوائفوں سے اختلاط بہ نسبت دوسری عورتوں کے زیادہ بہتر ہے۔ ان کو 'دیوکنیاں' کہتے ہیں یعنی فرشتوں کی بیٹیاں۔ اور دوسری نشہ آور اشیاء سے میری مجلس خالی نہ رہے۔ بکری سب سے پہلے میرے لیے ذبح کریں اور دوسری ضروریات اور کھانے کے مصالحے وغیرہ تیار رہیں۔ جو کچھ گسائیں نے فرمایا ظفر خاں نے اس پر عمل کیا اور جب تبت پر لشکرکشی کی تو فتح پائی اور کامیاب ہو کر واپس لوٹا۔ آخرکار گسائیں اور ظفر خاں کے درمیان رنجش پیدا ہو گئی، گسائیں ظفر خاں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ عین اسی وقت ظفر خاں کشمیر کے سنی شیعہ تنازعہ کی بنا پر خفیف ہوا۔ جب وہ معزول کر دیا گیا تو کابل گیا۔ اس کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص محمد طاہر نے بیت الخلا میں اس کو کئی جان لیوا خنجر مارے۔ کافی عرصہ تک اس وجہ سے بیمار رہا۔ اس کے فوراً بعد اس کا منصب اور جاگیر بھی ضبط کر لی گئی۔ اور بہت عرصہ تک لاہور میں بغیر منصب کے رہا۔ اس کتاب کے مصنف نے ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۵ء) میں ترلوچن کو پنجاب کے اضلاع گجرات میں دیکھا تھا، اس نے کہا کہ میری ہی رنجش کی وجہ سے یہ تمام مصیبتیں ظفر خاں کو پہنچیں۔ عرفی شیرازی کہتا ہے:

عنایت صمدی ردِ کفر ما نہ کند   اگر کمال پذیرد صنم پرستی ما

(عنایتِ خداوندی ہمارے کفر کو رد نہیں کر سکتی، اگر ہماری بت پرستی درجۂ کمال حاصل کر لے۔)

شیدوش ابن انوش کہتا تھا کہ محققین حکما نے بیان کیا ہے کہ دُعاؤں میں تناسب اور توافق شرط ہے، لہٰذا پاک روحوں سے دُعائیں مانگنے میں تقدیس اور طہارت ضروری ہے اور خبیث روحوں سے دُعائیں کرنے میں نجاست اور اس کے لوازمات ضروری ہیں اور اس عمل کو وہ دوسری قسم میں شمار کرتا تھا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ اسی سال گجرات مذکور میں مہادیو نامی شخص کو میں نے دیکھا کہ راتوں کو لاش

پر بیٹھا رہتا تھا اور سدانند کو جو اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، دیکھا کہ اس نے اپنے ایک مرید سے کہا کہ میں چاہتا ہوں گنیش پوجا کروں یعنی بال کی پرستش بجا لاؤں۔ وہ اپنی لڑکی کو لایا اور سدانند اس کے بالوں کو دیکھ رہا تھا اور اس کا منہ چومتا رہا اور اسی حالت میں اس سے صحبت کی جبکہ لڑکی کا باپ دیکھ رہا تھا۔ ایک دوسرے شخص کو میں نے دیکھا کہ اپنی بیوی کو اس واسطے لایا اور کہا کہ میرے گھر میں لڑکا نہیں ہوتا۔ اس قوم کا عقیدہ ہے کہ جب ایسا شخص بانجھ عورت سے صحبت کرتا ہے تو جو کچھ وہ عورت چاہتی ہے، میسر آ جاتا ہے۔ اسی بنا پر بعض عورتیں صحبت کے دوران مردِ کامل سے مکت مانگتی ہیں یعنی حق تعالیٰ سے واصل ہونا اور بدن سے رہائی پانا۔ لہٰذا سدانند نے عورت کے ساتھ اس کے شوہر کی نگاہوں کے سامنے صحبت کی۔ ایک روز سدانند مسان بھوم میں (مردہ جلانے کی جگہ) اپنے دوستوں کے ساتھ برہنہ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ ایک سمرتی یعنی متشرع برہمن اس راستے سے گزرا دوران لوگوں کو دیکھا۔ شاگردوں نے کہا کہ اس برہمن نے جو کچھ دیکھا اسے لوگوں تک پہنچا دے گا اور عوام کے درمیان ہمارا مضحکہ کرے گا۔ سدانند نے جواب دیا کوئی حرج نہیں۔ جب برہمن اپنے گھر پہنچا تو مر گیا اور جسم عنصری کو خالی کر دیا۔

۱۰۵۹ھ (۱۶۴۹ء) میں اس کتاب کے مصنف کا گزر صوبہ کلنگ کی طرف ہوا۔ اس علاقہ کے ہر ایک گاؤں میں ایک نہ ایک دیوی یعنی روحانی عورت کا مجسمہ دیکھنے میں آیا، جس کا ایک مخصوص نام تھا۔ ان دیویوں میں سے ہر ایک دیوی کو کسی مرض یا تکلیف کا مالک سمجھتے تھے اور اس تکلیف کو دور کرنے کی اس دیوی سے التجا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک دیوی انبرما ہے، جب کوئی چیچک میں مبتلا ہوتا ہے تو ایک جانور کو اس جگہ لے جا کر قربانی کرتے ہیں۔ زیادہ تر خانگی مرغا لے جاتے ہیں۔ ملا احمد تتوی کی خلاصۃ الحیات میں لکھا ہے کہ یونانیوں کے حکیم اسقینوس کے مقبرہ میں لوگ مرغا کی قربانی کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جس کتاب میں ان دیویوں کی زیارت کے آداب کا تذکرہ ہے، اس میں لکھا ہے کہ ان پر نچھاور کرنے کے لیے تین چیزیں ہیں خوشبو، حلوہ اور مسکرات۔ ملا احمد تتوی اپنی کتاب خلاصۃ الحیات میں کہتا ہے کہ ہرمس (یعنی ادریس) نے چڑھاوے کے لیے بخورات اور انگوری شراب مقرر کی تھی۔

سرزمین کلنگ کے بڑے مجسموں میں ایک گنگ درگا ہے۔ کہتے ہیں اڑیسہ کے عظیم الشان راجہ رام چند دیو نے جو کچ پتی (کشیپا) کے مشہور سلسلے سے تھا، ایک سنار کو بلایا اور جس قدر سونا اس نے مانگا، اس کو دیا تاکہ وہ درگا کا مجسمہ بنا دے۔ سنار سونا اپنے گھر لے گیا اور چاہا کہ تانبے سے درگا کا مجسمہ بنائے اور سونے کا ملمع کر دے، چونکہ بت توڑنا ہندوؤں کے لیے ناممکن ہے، اس لیے سارا سونا اس کے پاس بچ جائے گا۔ اسی خیال میں وہ سو گیا اور جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ آدھا سونا اپنی جگہ پر ہے اور آدھے سونے سے درگا کا مجسمہ تیار ہو گیا۔ سنار مجسمہ کو باقی ماندہ سونے کے ساتھ رام چند دیو کے پاس لے گیا اور حقیقت حال بیان کی۔ رام چند دیو نے حکم دیا کہ باقی ماندہ سونا سنار کو بخش دیا جائے اور اس بت کو وہ سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ کچ پتی (کشیپا) حاکم مکند دیو کے انتقال کے بعد اس کی حکومت میں طوائف الملوکی پھیل گئی اور [illegible] دیو

سکرانند پور کا راجہ سری کا کل پر قابض ہو گیا۔ رام چند دیو نے سری کا کل پر لشکر کشی کی اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ بشناتھ دیو نے اطلاع پانے کے بعد اس کے اوپر حملہ کر دیا۔ اور رام چند دیو اس کی تاب نہ لا کر بھاگا اور اس کے خادموں نے گنگ درگا کو ایک گاؤں میں پھینک دیا اور وہاں سے وہ مورتی ایک برہمن کے ہاتھ لگی اور برہمن نے درگا کو ایک کسان کے کھلیان میں ڈال دیا۔ کسان اس کو اُٹھا کر اپنے گھر لے گیا۔ درگا خواب میں اس کے پاس آئی اور کہا کہ اپنے بڑے بیٹے کو مجھ پر قربان کر دے تا کہ میں تجھ کو راجہ بنا دوں۔ کچھ دنوں کے بعد کسان نے اس راز کو بشناتھ دیو سے بیان کیا۔ بشناتھ دیو نے بت اس سے لے کر بدلے میں سونے سے آراستہ گھوڑے اور قیمتی خلعت اس کو عطا کیا اور بت کو اپنی جائے سکونت نرائن پور لے گیا۔ جب درگا نے اس سے بھی ویسا ہی مطالبہ کیا، تو بشناتھ دیو ہر سال چوروں وغیرہ میں سے کسی ایک کو درگا کے لیے قربان کرتا تھا۔ بشناتھ دیو کے بعد اس کے بیٹے اس پر عمل کرتے تھے۔ جب بکرماجیت دیو جو بشناتھ دیو کے پوتوں میں سے تھا، قتل کر دیا گیا اور ان کی حکومت میں فتنہ و فساد پھیلا تو وسونت راؤ جو بشناتھ دیو کے پوتوں میں سے تھا، درگا کا بت لے کر جلیل القدر سپہ سالار تولجی خاں بیگ کے ڈر سے مارکل بھاگ گیا۔ اور مارکل کے راجہ بھوپتی نے بھی نامور سپہ سالار کے حملہ سے ڈر کر بروز دوشنبہ ۹ ربیع الاول ۱۰۶۲ھ (۱۶۵۱ء) درگا کو نامدار سپہ سالار کے پاس بھیج دیا۔ یہ بت ایک بیحد متناسب اعضا والی عورت کی شکل میں سونے کا بنا ہوا تھا جس کے چار ہاتھ تھے۔ اس کے دو ہاتھ میں تین شاخہ نیزہ تھا، جس کو ہندو لوگ ترسول کہتے ہیں اس نیزہ کو مہیشاسُر پر مار رہی تھی۔ مہیشاسُر بھینسے کی شکل میں ایک خبیث تھا اور وہ درگا کے داہنے پاؤں کے نیچے تھا۔ اس کے دوسرے دائیں ہاتھ میں ایک سفید مہرہ تھا اور اس کے چوتھے ہاتھ میں چکر تھا اور وہ ایک گول ہتھیار اہلِ ہند کے لیے مخصوص ہے۔ اس کے بائیں پاؤں کے نیچے ایک شیر تھا اور اس کے نیچے ایک تخت تھا۔ جب اس بت کو وزن کیا تو دھن کے حساب سے چار پنجسیری تھا۔ اب بھی نند پور وغیرہ کے پہاڑی گاؤں میں سے ہر ایک میں انسانی نسل کو قربان کرتے ہیں۔

بتوں میں سے ایک اور شہر بستر کی دیوی ہے جو ماولی کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں کے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب دشمن کا لشکر ان کی طرف رُخ کرتا ہے تو دیوی سبزی فروش عورت کے بھیس میں دشمن کے لشکر میں جاتی ہے اور جو شخص اس سبزی کو کھاتا ہے، مر جاتا ہے۔ نیز راتوں میں طوائفوں کی شکل میں لشکر کے درمیان گھومتی ہے اور جو شخص اس کو خوبصورت دیکھ کر اپنے پاس بلاتا ہے، وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس سے متعلق عجیب و غریب باتیں لوگ نقل کرتے ہیں۔ ۱۰۶۳ھ (۱۶۵۳ء) میں جب سپہ سالار نامدار تولجی خان بیگ نے قلعہ کوٹ بہار کا جو بستر کے مضبوط ترین قلعوں میں سے ہے، محاصرہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تو اس قدر انسانوں اور جانوروں نے مختلف امراض و اوضاع کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھویا کہ صحیح طور سے اندازہ نہیں ہو سکتا اور بستر کے باشندے اس واقعہ کو دیوی کے اثرات پر محمول کرتے تھے۔

شیو کے پیروؤں یعنی شاکتوں میں ایک طبقہ وہ ہے جو باوجود اس عقیدہ کے جو باتیں اوپر مذکور ہوئیں، ان سے کنارہ کش رہتا ہے، نہ تو پرائی عورت سے صحبت کرتا ہے، نہ شراب پیتا ہے۔ شیو کے پیروؤں کو

شیورات میں جو متبرک رات ہے، شراب پینا ضروری ہے، کیونکہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے، کہ برتن کو شراب سے بھر لیں اور اسے پییں۔ چونکہ اس گروہ کے مذہب میں شراب پینا ناگزیر ہے، لہٰذا جو شراب نہیں پی سکتے وہ شہد کا شربت بنا کر اس میں بعض نشہ آور چیزیں ملا کر اسے شراب کی جگہ پیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ شراب سے مشابہ ہوتا ہے اور اس کو پانو کہتے ہیں۔

سری کنت کشمیری اہلِ ہند کے اکثر علوم سے واقف ہے۔ اس نے کئی علوم حاصل کیے مثلاً پنڈتوں کا شاستر یعنی ہندوؤں کا علم، سمرت شاستر یعنی شرعیات، کوی شاستر یعنی شاعری، ترک شاستر یعنی علم بحث و مناظرہ۔ بیدانک یعنی علمِ طب، جوتش یعنی علمِ نجوم اور پاتنجال یعنی علم حبسِ دم۔ ان کے علاوہ بیدانت یعنی الٰہیات اور اس کی امثال کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ۱۰۴۹ھ (۱۶۳۹ء) میں اس کتاب کے مصنف نے اس کو کشمیر میں پایا۔ وہ ہندو صوفیوں میں سے ہے۔ حضرت جنت مکانی نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ نے سری کنت کو ہندوؤں کے لیے منصبِ قضا پر سرفراز کیا تھا تاکہ ہندو لوگ مطمئن رہیں اور کسی مسئلے میں مسلمانوں کے محتاج نہ رہیں۔ ناموسِ اکبری میں مقرر ہو چکا تھا کہ باوجود اختلافِ مذہب اور تفاوتِ مشرب کے خواص و عوام میں سب کو جو انعام و احسان کرنے والی ذاتِ خداوندی کی عمدہ امانتیں ہیں، چاہیے کہ بادشاہِ عادل کی حفاظت کے سایے میں رہ کر عبادت کی ادائیگی اور ضروری اطاعت میں ہمیشہ مشغول رہیں تاکہ کسی بھی حالت میں زمانے والوں کے اقتدار کا ہاتھ مخلوق کے احوال کی طرف دراز نہ ہو سکے۔

ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ سارے تیرتھ جو دنیا میں ہیں، ان میں سے ہر ایک کا قائم مقام ایک تیرتھ کشمیر میں ہے۔ اس کشمیری تیرتھ کے ہوتے ہوئے، دوسرے شہروں کے تیرتھ پر نیاز کے لیے جانا ضروری نہیں۔ تیرتھ مقدس مقام کو کہتے ہیں، مثلاً پریاگ جو آج کل الہ آباد کے نام سے مشہور ہے، دراصل شہاب الدین پور ہے اور گنگا جو لار سون میں ہے اور اسی پر قیاس کر لو۔ کشمیر میں بہت سی تعجب خیز چیزیں ہیں، ان میں سے ایک سند براری ہے۔ کہتے ہیں وہ ایک ریاضت پسند برہمن تھا جو پرانے زمانے سے ایک پہاڑ کے درہ میں رہتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھا اور سال بھر میں ایک مرتبہ گنگا میں جا کر غسل کرتا تھا۔ جب اس طرح بہت سے سال گزر گئے تو گنگا نے برہمن سے کہا کہ تو مسلسل اس قدر مسافت طے کرتا ہے اور اس مسافرت کی حالت میں خدا کی عبادت سے باز رہتا ہے، اب میرا تجھ سے وعدہ ہے کہ جب آفتاب برج ثور میں داخل ہوگا تو میں ہر روز تین مرتبہ تیری آرام گاہ کی طرف آؤں گی۔ اس کے بعد سے جب نیر اعظم (آفتاب) اپنا پرتو التفات برجِ ثور پر ڈالتا ہے تو اس حوض سے جو برہمن کی عبادت گاہ کے نزدیک ہے، پانی ابلنے لگتا ہے۔ سند براری ایک پہاڑ کے درہ میں واقع ایک چوکور حوض ہے اور اس کے مشرقی رکن میں ایک حلقہ ہوا ہاون ہے۔ اس ہاون سے اور بعض راستوں اور سوراخوں سے جو حوض کے گوشوں میں ہیں، پانی ابلتا ہے۔ چند بغور نظر ڈالیے اس ہاون کی تہہ ظاہر نہیں ہوتی۔ جانب شرقی کے وسط میں سات سوراخ ہیں جن کو کشمیر کے لوگ سپت ریشی کہتے ہیں اور شمالی رکن میں ایک سوراخ ہے جس کو ستھان بھوانی کہتے ہیں۔ خورشید عالم افروز

کے برج ثور میں تحویل کے آغاز سے اس میں پانی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کے ابلنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے پانی ہاون سے اُبلتا ہے، اس کے بعد سپت ریشی میں۔ سپت ریشی کو ہندو لوگ سپت رکھ کہتے ہیں اور یہ نام ہے بنات النعش کا۔ بعد ازاں ستھان بھوانی میں ابلتا ہے۔ ستھان یعنی جگہ اور بھوانی مہادیو کی بیوی کا نام ہے۔ جب حوض کا صحن بھر جاتا ہے اور جو پائے اس میں ہیں، ان کے اوپر پانی چڑھ جاتا ہے، تو نالی سے پانی باہر جانے لگتا ہے۔ سنیاسی اور دوسرے ہندو لوگ جو دور دراز شہروں سے آئے ہوتے ہیں، وہ خود کو اس میں ڈال دیتے ہیں اور جن لوگوں کے لیے اس میں گنجائش نہیں ہوتی، وہ بیرونی پانی سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد پانی اترنے لگتا ہے چنانچہ پانی کا پھر کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ اس مہینے میں ہر روز تین مرتبہ صبح، دوپہر اور نمازِ عصر کے وقت پانی ابلتا ہے اور جب یہ مہینہ گزر جاتا ہے تو پھر اس میں پانی نظر نہیں آتا جب تک کہ دوبارہ نیر اعظم برج ثور میں داخل نہ ہو۔

فَفِی کُلِّ شیءٍ لَهُ اٰیۃ تَدُلُّ علیٰ اَنَّهُ واحِدُ

(پس ہر ایک چیز میں اس کی نشانی ہے جو اس کا ثبوت دیتی ہے کہ وہ ایک ہے۔)

حقیقت شناس اور واقف کار سند براری کو کشمیر کے قدیم دانشمندوں کے طلسمات میں شمار کرتے ہیں اور کشمیر کے مسلمان نما جہلاء سند براری کو بوعلی کا ہاون کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ شیخ الرئیس کا کام ہے، حالانکہ حجۃ الحق کبھی کشمیر نہیں آئے جیسا کہ تاریخ کے طالب علموں پر روشن ہے۔

حضرت شیخ ابوعلی حسین بن عبداللہ سینا قدس اللہ سرہٗ کا مختصر بیان

ابوعلی کا باپ بلخ کے مضافات کا باشندہ تھا، اُس کی ماں کا نام ستارہ تھا۔ شیخ ۳۳۳ھ (۹۴۴ء) میں پیدا ہوا۔ جب اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچا تو جملہ علوم کی تحصیل سے فارغ ہو چکا تھا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ امیر نوح بن منصور سامانی بوعلی سینا کے انفاس عیسوی کی برکت سے ایسے سخت مرض سے شفایاب ہوا جس کے علاج سے سارے اطباء عاجز آ چکے تھے۔ جب سامانی خاندان بے سروسامان ہو گیا تو شیخ نے خوارزم کا رُخ کیا۔ خوارزم شاہ علی بن مامون نے شیخ کا شاندار استقبال کیا۔ لوگوں نے سلطان محمود سبکتگین کے سامنے بوعلی کی مذمت کی کہ وہ مذہب کا مخالف اور حکمائے متقدمین کے مسلک کا پابند ہے۔ چونکہ سلطان اس معاملے میں متعصب تھا، اس نے شیخ کو پکڑنے کا ارادہ کیا۔ اس خوف سے شیخ ابیورد چلا گیا۔ اس کے پہنچتے ہی سلطان کا فرستادہ شیخ کی تصویر اور علامت کے ساتھ ابیورد پہنچا، اس لیے کہ محمود نے بوعلی کی تصویر چند ریشم کے ٹکڑوں پر کھینچ کر مع علامت کے ملک کے مختلف اطراف میں بھیج دی تھی، تا کہ حکام اور داروغہ اس شکل کے آدمی کو سلطان کے پاس پہنچا دیں۔ اس کی اطلاع پا کر شیخ جرجان چلا گیا، وہاں شیخ کے علاج کی بدولت بہت سے مریض صحت یاب ہوئے۔ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کا ایک بھانجا تھا، جو بسترِ مرض پر پڑا ہوا تھا۔ ہر چند اطباء نے اس کے علاج کی کوشش کی، لیکن فائدہ نہ ہوا۔ قابوس کے حکم کے مطابق لوگ شیخ کو اس کے بھانجے کے سرہانے لے گئے۔ شیخ رئیس نے ہر چند مریض کی نبض اور قارورہ کو بغور ملاحظہ کیا، لیکن مرض کی تشخیص نہ کر سکا تو شیخ نے دل

کہا کہ یقیناً یہ نوجوان عاشق ہوگا اور حد درجہ شرم کی وجہ سے اس رازِ سربستہ کو ظاہر نہیں کرتا۔ اس وجہ سے شیخ
حکم دیا کہ شہر کے تمام محلوں کے نام لکھیں اور ایک ایک کر کے بیمار کے سامنے پڑھنا شروع کریں۔ شیخ نے
جوان کی نبض پر اپنی انگلی رکھ لی تھی، چنانچہ جب معشوقہ کے محلے کا ذکر آیا تو عاشق کی نبض میں تغیر ظاہر ہوا۔ شیخ
نے حکم دیا کہ اس محلّہ کے سب مکانوں کے نام اس کے سامنے لیں اور جب معشوقہ کے مکان کے نام کی باری
آئی تو پھر عاشق کی نبض کی حرکت بدلی۔ اس کے بعد اس مکان میں رہنے والوں کے نام لینا شروع کیا تو جب
معشوقہ کے نام کا ذکر آیا تو ایک مرتبہ پھر عاشق کی نبض میں تیز حرکت ہوئی۔ مظہری کشمیری کہتا ہے:

نبضِ عاشق جز بنامِ دوست ناید در طپش باکمالِ حکمت اینجا بو علی بیچارہ شد

(عاشق کی نبض میں دوست کے سوا کسی کے نام پر ہیجان نہیں ہوتا۔ اس مقام پر بوعلی سینا بھی باوجود
کمالِ حکمت کے لاچار ہوگیا۔)

الغرض شیخ رئیس نے شمس المعالی کے مقربین سے کہا کہ یہ نوجوان فلاں لڑکی پر جو فلاں مکان میں
رہتی ہے، عاشق ہے اور اس کا علاج اس کے وصال کے سوا کچھ نہیں۔ جب لوگوں نے اس کی تفتیش کی تو
صورتِ حال کو حضرت شیخ رئیس کے قول کے مطابق پایا۔

جب امراء و اعیان حکومت نے قابوس کی فرماں برداری سے سرتابی کر کے اسے گرفتار کر لیا تو شیخ
ہی علاقہ میں چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد رے گیا، رے کے حاکم مجد الدولہ ابوطالب رستم بن فخر الدولہ دیلمی
نے اس کی تعظیم و تکریم بہت کی۔ شیخ نے اپنی حُسنِ تدبیر سے مجد الدولہ کا مرض مالیخولیا دور کیا۔ جب ہلال ابن
بدر بن حسنویہ سے جنگ کے لیے جو دارالسلام سے آیا ہوا تھا شمس الدین نکلا اور بغداد کے لشکر کو شکست دی تو شیخ
رے سے قزوین گیا، پھر وہاں سے ہمدان چلا گیا۔ شمس الدولہ کا مرض قولنج شیخ رئیس کے علاج کی برکت سے
زائل ہوگیا اور اس نے شیخ بوعلی کو مسند وزارت پر متمکن کیا لیکن لشکر کے امراء نے بوعلی کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ
بھاگ نکلا اور چالیس روز تک پوشیدہ رہا۔ اسی اثناء میں شمس الدولہ کا مرض پھر عود کر آیا تو شیخ گوشۂ خفا سے باہر
نکلا۔ شیخ کے علاج سے اُس کا مرض دور ہوا۔ پھر منصب وزارت اس کے سپرد ہوگیا۔ شمس الدولہ کی وفات کے
بعد تاج الدولہ کا بیٹا بہار الدولہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔ امراء نے بوعلی سے درخواست کی کہ وزارت کا عہدہ
سنبھالے لیکن اس نے منظور نہیں کیا۔ اسی زمانے میں علاء الدولہ بن جعفر کاکویہ نے شیخ رئیس کو بلانے کے لیے
اصفہان سے آدمی بھیجا، لیکن شیخ نے جانے سے انکار کیا اور ابوطالب عطار کے مکان میں چھپ گیا اور بغیر اس
کے کہ کوئی کتاب اس کی نظر کے سامنے ہو، جملہ علوم طبیعات اور الٰہیات پر مشتمل اپنی کتاب الشفاء تیار کر لی۔
تاج الدولہ نے علاء الدولہ کا خط جو شیخ کے پاس بلانے کا آیا تھا، دیکھ لیا اور اس الزام میں شیخ کو ایک قلعہ میں
نظر بند کر دیا۔

جب علاء الدولہ نے تاج الدولہ کی سلطنت کو فتح کیا تو شیخ کو اصفہان لے گیا۔ زندگی کے آخری دور
میں مرضِ قولنج نے شیخ پر حملہ کیا اور علاء الدولہ کی ضروری خدمات اور دشمنوں کی بدنیتی کی وجہ سے مرض نے

شدت اختیار کی۔ شیخ کو پالکی میں بٹھا کر لے چلتے تھے اور جب علاء الدین ہمدان پہنچا تو شیخ نے سمجھ لیا کہ قوت طبیعی باقی نہیں رہی اور اب وہ مرض کا مقابلہ نہیں کر سکتا، چنانچہ علاج سے ہاتھ کھینچ لیا، غسل کیا اور فقراء مساکین اور محتاجوں پر سارا مال تقسیم کر کے خدا اور اس کے مقربین کی یاد میں مشغول ہو گیا۔ بروزِ جمعہ ماہِ رمضان ۴۲۷ھ (۱۰۳۵ء) میں اس عالم فریب سے عالم سرور کی طرف روانہ ہوا، ایک بزرگ نے فرمایا ہے:

از جرم گل سیاہ تا اوج زحل　　کردم ہمہ مشکلاتِ گیتی را حل

ہر بند کہ بستہ بود از مکر و حیل　　از بندہ کشادہ شد مگر بند اجل

(سیاہ مٹی کے وجود سے لے کر زحل کی بلندی تک میں نے عالم کے سارے مشکل مسائل کو حل کر لیا۔ مکر و فریب کی ہر وہ گرہ جو بندھی ہوئی تھی، اس بندے نے سب کو کھول ڈالا، سوائے موت کی گرہ کے۔)

شیخ بوعلی سے علاج وغیرہ کے بارے میں عجیب و غریب واقعات اس قدر نقل کیے گئے ہیں کہ ان اوراق میں ان کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا ان کے مشہور حالات پر اقتصار کیا گیا۔ اس حکایت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انصاف پسند لوگ جان لیں کہ شیخ کبھی کشمیر نہیں آیا اور ہوشمند اور ذہین لوگ ہر ملک میں پیدا ہوتے ہیں۔

ع　　در ہیچ سرے نیست کہ سرے ز خدا نیست　　(کوئی سر ایسا نہیں جس میں خدا کا راز موجود نہ ہو۔)

۸۔ بیشنویوں کے بیان میں

بشن جو سمارتیوں کے عقیدے کے مطابق ایک فرشتہ ہے، جو تمام اشیاء کا محافظ ہے اور بیدانتیوں کے نزدیک دیانت اور حکومت کی صفات سے متصف ہے اور جو اس پر حاکم ہے نہ کہ حواسِ مذکورہ کا تابع جیسا کہ اوپر گزر چکا، وہ بیشنویوں کے نزدیک علت اولیٰ اور موجدِ کل ہے، وہ اس کے لیے انسان کی طرح جسم قرار دیتے ہیں اور وہ بیوی بھی رکھتا ہے۔ برہما جو ساری اشیاء کا پیدا کرنے والا فرشتہ ہے اور مہادیو جو موجودات کو تباہ کرنے والا فرشتہ ہے، یہ دونوں بشن کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اس کی ذاتِ مقدس سے بالکل جدا ہیں، اس لیے کہ مخلوق کے لیے خالق سے اتصال کا راستہ بند ہے۔ ان کا قول ہے کہ جو بھی جسم ہے، وہ ایک جان رکھتا ہے اور جان جسم سے الگ نہیں ہے بلکہ اس کا ایک جزو ہے اور جسم کی دو شکلیں ہیں، ایک مرد کی دوسری عورت کی۔ دونوں خالق و مورث بشن کی ذاتِ مقدس صفات ہے۔ جسم عناصرِ خمسہ سے مرکب ہے اور لوگ اپنے اعمال و افعال کے مطابق حیوانی یا انسانی شکل اختیار کرتے ہیں اور جان ہمیشہ غفلت اور حرص کی قید و بند میں گرفتار رہتی ہے۔ ارواح کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل ساتک، دوم راجس، سوم تامس۔ ان تینوں صفتوں کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ ساتک مکت یعنی آزادی کی قابلیت رکھتی ہے اس لیے کہ انسان اس صفتِ محمود کی بدولت بھکت یعنی بشن کی بندگی کو اپنا شعار بنا لیتا ہے اور یہ بھکت اس کو مرتبۂ اعلیٰ یعنی اطلاق تک پہنچا دیتا ہے۔ اس گروہ کے نزدیک مکت سے مراد یہ ہے کہ انسان استھول شریر یعنی جسمِ عنصری اور لنگ شریر یعنی جسمِ مثالی جس کا خواب میں مشاہدہ ہوتا ہے، چھوڑ کر اپنی پہلی حالت میں جو مرد یا عورت کی شکل اور نر یا مادہ کی صورت ہوتی ہے، مصوّر اور متشکل ہو کر

بیکنٹھ میں پہنچ جاتا ہے، جس سے مراد خوش وخرم بہشت ہے اور جو اس کی باعزت قیام گاہ ہے۔ راجس یعنی اس صفت والے کے لیے ثواب وعقاب اور نیکی وگناہ سب برابر ہے۔ کبھی وہ ثواب کا مالک ہوتا ہے اور دوسرے وقت گناہ گار ہو جاتا ہے اور نیکی اور برائی کے اعتبار سے مختلف اجسام میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ نیکی کی وجہ سے ثواب والوں کے ساتھ رہتا ہے اور گناہ کی وجہ سے سزا پانے والوں کے ساتھ تکلیف میں رہتا ہے۔ الغرض وہ کبھی بحرِ ہستی سے نجات کے ساحل تک نہیں پہنچتا اور مکت کے بلند درجے پر وہ کبھی فائز نہیں ہوتا۔ تامس یعنی اس صفت کا حامل مکت کا دشمن اور دشمنِ اطلاق (رہائی) ہے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ استھول شریر یعنی جسم عنصری اور لنگ شریر یعنی جسمِ مثالی کو ترک کر کے اپنی پہلی حالت میں جو خالص تذکیر یا تانیث کی ہے، ظاہر ہو کر ظلمت وتاریکی کی دنیا میں جس کو اندھمہ کہتے ہیں، عذاب میں گرفتار رہتا ہے۔ اور اس مقام کثیر الآلام سے کبھی واپس نہیں ہوسکتا۔ یہ تھا خلاصہ بیشنوانِ مادھو آچاری کا۔

بیشنوانِ رامانندی کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے: یہ لوگ کہتے ہیں کہ سالک کی صفت مکت کے اعلیٰ درجے کو حاصل کرنے کے لیے ہے جس کو اطلاق کہتے ہیں اور مکت کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ انسان دوسرے فرشتوں کی حمد وثنا ترک کر دے اور ان فرشتوں کے پیروؤں کے لباس کو اپنا طریقہ نہ بنائے، اور اس سے پرہیز لازم سمجھے۔ بشن کی ذات پاک اور اس کے بلند آستانے کے سوا کسی کو یاد نہ کرے۔ اس کے اغیار سے کوئی التجا نہ کرے اور ہمیشہ بشن کی یاد میں مشغول رہے اور جس طرح عورت پر شوہر کی محبت کے سوا دوسرے کی طرف رغبت حرام ہے، اسی طرح بشن کے علاوہ کسی فرشتہ کی یاد ناجائز سمجھے۔ فرقۂ اوّل اور اس دوسرے فرقے کے درمیان فرق یہ ہے کہ وہ لوگ بشن کی عبادت کے ساتھ ساتھ دوسرے فرشتوں کو بشن کی مخلوق اور اس کا مطیع و مقرب سمجھ کر محترم سمجھتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں لیکن یہ لوگ دوسرے فرشتوں کی یاد کو برا سمجھتے ہیں۔

مشہور بیشنویوں کا بیان: پہلا فرقہ بیشنوان رامانندی ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ یہ لوگ مثناثِ سَ دوساق کی طرح قشقہ کھینچتے ہیں اور غیر مذہب والوں کے سامنے کھانا نہیں کھاتے۔ دوسرا فرقہ مادھو آچاری ہے۔ یہ لوگ دونوں طرف کی کنپٹی کے گرد ایک کالا ہی چھوٹی لکیر کھینچتے ہیں اور غیر مذہب والوں سے میل جول نہیں رکھتے لیکن برہمن جو اُن کے مذہب کے پیرو نہیں ہیں، ان کے سامنے کھانا کھاتے ہیں۔ تیسرا فرقہ پریانتی ہے، یہ لوگ ان برہمنوں کے ساتھ جو ان کے مذہب کے پیرو نہیں ہیں، خورد ونوش کرتے ہیں اور ان کا قشقہ چوڑا ہوتا ہے۔ چوتھا فرقہ رادھا بلبھی ہے۔ یہ لوگ کسی چیز کے پابند نہیں ہوتے، چنانچہ اکادشی کا روزہ نہیں رکھتے اور اپنی عورتوں کو استاد اور مرشد کے پاس لے جاتے ہیں تاکہ وہ ان سے صحبت کرے۔ اس بات کو وہ قابلِ تعریف سمجھتے ہیں۔

ہندوستان میں عام طور پر ایسا دستور ہے کہ جب کوئی شخص گوشت خوری اور حیوانات کو اذیت دینے سے ہاتھ روک لیتا ہے تو وہ بغیر مذکورہ بالا عقائد کے بیشنو ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض لوگ رام کا نام لیتے ہیں کیونکہ وہ بھی بشن کا مظہر ہے اور بعض کرشن کا نام لیتے ہیں، اس لیے کہ وہ بھی بشن کا ایک مظہر ہے۔ رام نے اوپر

عصمت اور عفت کی صفات غالب تھیں اور کرشن کو لوگ ہوس اور افراطِ شہوت میں مشہور سمجھتے ہیں۔ ایک بار ایک رام کا پرستار اور ایک کرشن پرست ایک جگہ جمع ہوئے۔ رام کا پرستار رام رام کہتا تھا اور کرشن پرست کرشن کی یاد میں مشغول تھا۔ رام کے پرستار نے کرشن پرست سے کہا کہ تُو کب تک اس مردِ شہوت پرست یعنی کرشن کا نام لیتا رہے گا؟ اس شخص نے جواب دیا تو پھر کیا اس شخص کا نام لوں جو ایک عورت سے بھی عہدہ برآ نہ ہو سکا یعنی رام۔ اس لیے کہ رام نے اپنی حکومت کے آخری دَور میں اپنی بیوی کو جس کا نام سیتا تھا، نکال دیا تھا۔ اس گروہ کے بعض پرہیزگار لوگ شلغم، گاجر، سماروغ (چقندر وغیرہ) اور وہ تمام چیزیں جو ذائقہ، مزہ اور رنگ میں گوشت کے مشابہ ہیں، نہیں کھاتے۔ اس کتاب کے مصنف نے ہنس رام برہمن بیشنو سے یہ سنا کہ قدیم براہمنی کتابوں میں لکھا ہے کہ برہمن لوگ ہوا پر پرواز کرتے تھے اور پانی کے اوپر سے گزر جاتے تھے لیکن جب انہوں نے گوشت خوری سے اپنے دہن کو آلودہ کر لیا تو ان سے یہ قدرت زائل ہو گئی۔ چونکہ بیراگی لوگ بھی خود کو بیشنو خیال کرتے ہیں، اس لیے بیشنویوں کے حالات کے ذیل میں اس فرقے کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

بیراگیوں کا بیان: بیراگ لغت میں طلب کو کہتے ہیں اور یہ تارک الدنیا لوگوں کا ایک گروہ ہے۔ ان کی عبادت چند اشعار پڑھنا ہے جو بشن اور اس کے مظاہر یعنی رام، کرشن اور ان کے امثال کی حمد و ثنا پر مشتمل ہیں۔ ان اشعار کو بشن پد کہتے ہیں۔ یہ لوگ ان مقاماتِ مقدسہ کا طواف کرتے ہیں، جو بشن کی جانب منسوب ہیں اور گردن میں تلسی کی مالا ڈالے رہتے ہیں، جس کو مالا تلسی کہتے ہیں۔ تلسی ہندوستان میں ایک لکڑی ہوتی ہے، ہندو مسلمان وغیرہ جو شخص ان کے دین میں داخل ہونا چاہتا ہے، اس کو روکتے نہیں، قبول کر لیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمان لوگ بھی بشن کو پوجتے ہیں، کیونکہ بسم اللہ کے یہی معنی ہیں یعنی بشن اور بسم بشن کو کہتے ہیں۔ ان میں اکثر لوگ ذاتِ بشن کے مجرد اور بسیط ہونے کے قائل ہیں اور اس کی حقیقت کے لیے جسم قرار نہیں دیتے اور روحوں کو اس کی ذات کا پرتو خیال کرتے ہیں اور سارے اجسام کو اس کی ہستی کا سایہ سمجھتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ جب بشن چاہتا ہے، تو خود کو چار ہاتھوں کے ساتھ ظاہر کر دیتا ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ یہ لوگ بشن کے دس مظاہر میں ظہور کرنے کے قائل ہیں اور گوشتِ حیوانی کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان کے اندر چار فرقے ہیں، رامانج، نمانج، امادھو آچارج اور رادھا بلبھی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔ ان چاروں فرقوں کو چار سنپردا کہتے ہیں۔

کبیر[1] بنکروں کی نسل سے تھا، وہ ہندوستان کے مشہور توحید پرستوں میں سے ہے۔ بیراگی تھا۔ کہتے ہیں کہ کبیر پیر مرشد کی تلاش کے زمانے میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے بزرگوں کے پاس گیا، لیکن اسے جس چیز کی تلاش تھی، وہ نہ پا سکا۔ بالآخر کسی نے اس کو پیر روشن ضمیر رامانند برہمن کی طرف رہنمائی کی جو کسی مسلمان یا بیدین کا منہ کبھی نہیں دیکھتا تھا۔ کبیر کو چونکہ معلوم تھا کہ رامانند بنکروں سے بات نہیں کرتا لہٰذا اس نے اس کے

---

[1] کبیر (وفات ۱۵۱۸) ان چند عارف شاعروں میں سے ہے، جو ہندو مسلم وحدت کی علامت ہیں۔ برہمن نژاد کبیر کی تربیت ایک مسلم گھرانے میں ہوئی۔ اس کی شاعری سے دکھی دلوں نے قرار پایا۔ سردار جعفری نے 'کبیر بانی' کے نام سے کتاب لکھی ہے، جس میں کبیر کی شاعری کا اُردو ترجمہ اور شرح قابلِ مطالعہ ہے۔ (ایڈیٹر)

راستے کے کنارے ایک کنواں کھودا اور اس کے اندر بیٹھ گیا۔ آخر شب میں رامانند غسل کے لیے دریا کے کنارے جاتا تھا۔ جس وقت رامانند روحِ مجرد سے مشابہت کی غرض سے جسم کو پانی سے طاہر کر کے عبادت خانہ کی طرف جا رہا تھا تو کبیر کے کنویں کے کنارے پہنچا۔ کبیر کنویں سے باہر نکلا اور رامانند کا پاؤں پکڑ لیا۔ چونکہ رامانند برہمن کی نظروں میں حق بینی کی وجہ سے بجز رام کے جس سے مراد ذاتِ ایزدی ہے کوئی جلوہ گر نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا اس نے رام کہا۔ کبیر نے جب رامانند کی زبان سے رام سنا تو اس کے پاؤں سے ہاتھ اُٹھا لیا اور اسی لفظ کو اپنا وظیفہ بنا کر رام رام کے ذکر میں مشغول ہو گیا، یہاں تک کہ رامانند کی طرح رام کے سوا کوئی چیز اس کی نگاہ میں نہ جمتی تھی اور وحدت الوجود کے بارے میں ایسی شاندار تقریریں کبیر کی زبان سے مشہور ہوئیں جنہیں محققین کے علاوہ دوسرے بیان نہیں کر سکتے۔ الغرض لوگوں نے رامانند سے کہا کہ اس شہر میں ایک شخص بنکر نسل کا ہے۔ جو خود کو آپ کا شاگرد کہتا ہے۔ حالانکہ آپ نے اس کا منہ کبھی نہیں دیکھا۔ رامانند نے کہا، اس کو بلا لاؤ۔ لوگ کبیر کو لائے، جب کبیر کی نظریں رامانند کے اوپر پڑیں تو اس نے رام رام کیا اور رامانند نے بھی رام رام کہتے ہوئے کبیر کو اپنی آغوش میں دبا لیا۔ اطراف و اکناف کے لوگوں نے حیرت زدہ ہو کر اس خاص توجہ کا سبب دریافت کیا۔ رامانند نے جواب دیا کہ اس دور کا برہمن کبیر ہے جس نے برہم یعنی حق تعالیٰ کی ذات کو پہچانا ہے۔

منقول ہے کہ برہمنوں کا ایک گروہ دریائے گنگا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا اور وہ لوگ پانی کی تعریف و ثنا کر رہے تھے کیونکہ اس کی وجہ سے سارے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ اسی دوران ایک برہمن نے پانی مانگا، کبیر جو ان کی باتیں سن رہا تھا، فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ کر لکڑی کے پیالے میں جو اپنے ساتھ رکھتا تھا، پانی بھر کر برہمن کے پاس لایا۔ چونکہ کبیر بنکر نسل سے تھا اور برہمن ان لوگوں کے ہاتھ سے لے کر کوئی چیز کھاتے پیتے نہیں ہیں، لہٰذا اس برہمن نے پانی قبول نہ کیا۔ کبیر نے کہا کہ تم لوگ ابھی تو کہہ رہے تھے کہ گنگا کے پانی سے جسم اور روح کو معصیت کی آلائش اور گناہوں کے میل سے دھویا جا سکتا ہے کیونکہ وہ سب برائیوں کو دور کر دیتا ہے، لیکن اگر یہ پانی میرے لکڑی کے پیالے کو پاک نہیں کر سکتا تو پھر یہ اتنی تعریف کے لائق نہیں ہو سکتا۔

ہندوؤں میں یہ دستور مقرر ہے کہ پوجا کے وقت مورتیوں پر پھول چڑھاتے ہیں۔ ایک روز کبیر نے ایک مالنی یعنی باغبان عورت کو دیکھا جو مورتی کے لیے پھول توڑ رہی تھی۔ کبیر نے کہا کہ پھول کی پتیوں میں روحِ نباتی جاری و ساری ہے اور جس بت کے لیے تو پھول لے جا رہی ہے، وہ بے خبر کرنے والی موت اور جماداتی خواب میں گرفتار ہے۔ اس میں روح نہیں ہوتی اور نباتات کا درجہ جمادات کے درجے سے بلند ہے۔ اگر بت کے اندر جان ہوتی تو بت تراش جو بت تراشی کے دوران اس بت کے سینے پر پاؤں رکھتا ہے، اس کو ضرور گستاخی کی سزا دیتا۔ لہٰذا تو جا کسی بیدار دل دانش مند اور انسان کامل کی پرستش کر جو بخشش کا مظہر ہو۔

کبیر ہمیشہ درویشوں کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک روز درویشوں کی ایک جماعت اس کے یہاں آئی۔ ان لوگوں کو بڑی عزت سے اپنے گھر میں جگہ دی اور چونکہ سخاوت اور کریم النفسی کی وجہ سے کبیر کے پاس کچھ رہتا نہ تھا، لہٰذا اس نے ہر دروازے پر جا کر بھیک مانگی لیکن کچھ نہ پایا۔ بالآخر بیوی سے کہا کہ کیا تیرا کوئی ایسا واقف کار ہے، جس سے کوئی چیز بطور قرض لی جا سکے۔ بیوی نے جواب دیا کہ اس گلی میں ایک بنیا رہتا ہے

جو مجھ کو بری نظر سے دیکھتا ہے، اگر میں اس بدکار سے کوئی چیز مانگوں تو ممکن ہے دے دے۔ کبیر نے کہا کہ فو
اس کے پاس جا اور جو کچھ وہ کہے، اسے منظور کر لے اور درویشوں کے لیے کوئی چیز لا۔ عورت بدکار بنیے کے
پاس گئی اور کچھ چیزیں بطور قرض کے مانگیں، اس نے جواب دیا کہ اگر آج کی رات تو میرے پاس آنے کا وعدہ
کرے تو جو کچھ تو مانگے میں دے دوں۔ عورت نے منظور کر لیا اور قسم کھا لی کہ رات میں اس کے گھر آئے گی
پس بنیے نے کچھ چاول اور گھی جو درویشوں کی مرغوب غذا تھی، اس کو دیا۔ جب درویش کھانا کھا کر آسودہ ہو گئے
تو زور و شور سے پانی برسنے لگا۔ عورت نے چاہا کہ وعدہ خلافی کی راہ اختیار کرے، لیکن کبیر نے سچائی کے طریقے
پر اس تاریک، بارش اور کیچڑ والی رات میں بیوی کو کندھے پر لے جا کر بنیے کی دوکان پر پہنچایا اور خود ایک گوشے
میں چھپ گیا۔ جب عورت بنیے کے گھر میں داخل ہوئی، اور اس نے عورت کے قدموں کو کیچڑ سے آلودہ نہ
تو اس سے پوچھا کہ تو کیسے آئی؟ تیرے پاؤں کیچڑ سے آلودہ نہیں ہوئے۔ عورت نے صورتِ حال کو چھپانا چاہا
لیکن بنیے نے اس کو خدا کی قسم دلائی کہ وہ حقیقت حال کو بیان کرے۔ عورت نے مجبوراً جو ماجرا تھا بیان کر دیا
ان باتوں کو سن کر اس نے ایک نعرہ لگایا اور بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو دوڑ کر باہر آیا اور کبیر کے قدموں
پر گر پڑا اور جو سامان اس کی دکان میں تھا، سب غریبوں میں تقسیم کر کے بیراگی ہو گیا۔ شیخ محمود فرماتے ہیں:

کجا شہوت دل مردم رباید   کہ حق گہ گہ زباطل می نماید

(بھلا شہوت کیونکر لوگوں کے دلوں کو گرفتار کر سکتی ہے، جبکہ حق کبھی کبھی باطل سے جلوہ گر ہوتا ہے۔)

کہتے ہیں جب کبیر نے جسمِ عنصری کو چھوڑا تو مسلمان لوگ جمع ہو گئے تا کہ اس کو دفن کریں، اس لیے
کہ اس کو اہل اسلام میں گمان کرتے تھے اور ہندوؤں نے بھی مجمع لگا دیا تا کہ اس کے جسم کو جلائیں کیونکہ وہ
لوگ اس کو ہندو سمجھتے تھے۔ آخر کار ایک فقیر ان کے درمیان آیا اور کہا کہ کبیر ایک مردِ عارف تھا اور دونوں
مذہبوں سے آزاد تھا۔ بہر حال جس طرح اب تک اس نے تم سب کو راضی رکھا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد
بھی تمہاری خوشنودی کا طلب گار رہے گا۔ اس کے بعد حجرے کا دروازہ لوگوں نے کھولا، لیکن کبیر کے جسم کو نہ پایا
تو دونوں فرقے حیران و ششدر رہ گئے۔

اے دوست چناں بزی کہ بعد از مردن   انگشت گزیدنی بیاراں ماند

(اے دوست اس طرح زندگی گزار کر تیرے مرنے کے بعد احباب حیرت سے دانت کے نیچے انگلی دبا لیں۔)

جگناتھ میں جہاں مُردوں کو جلاتے ہیں، اس جگہ ایک فقیر کی صورت اور نشان بنا کر اسے کبیر کی
جانب منسوب کرتے ہیں:

چنان با نیک و بد عرفی بہ سر بر کز پسِ مُردن   مسلمانت بہ زمزم شوید و ہندو بسوزاند

(اے عرفی! اچھے اور برے کے ساتھ اس طرح زندگی بسر کر کہ تیرے مرنے کے بعد مسلمان تجھ کو
آبِ زمزم سے نہلائے اور ہندو جلائے۔)

بیراگیوں کی بزرگ شخصیتوں میں دوسرا شخص نامدیو تھا۔ ایک روز برہمن، اور بنیے لوگ بشن کے بت
خانے میں تھے، انہوں نے نامدیو کو باہر نکال دیا کیونکہ وہ ان کی مجلس کے لائق نہ تھا۔ نامدیو باہر جا کر بت خانے

پشت پر بیٹھ گیا۔ اسی وقت بت خانہ گھوم گیا اور اس طرف رُخ پھیر دیا جدھر نامدیو تھا۔

پرہ کیوان یزدانی عارفین و کاملین میں سے ہے اور ہر فرقہ کے بھیس میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ جس وقت بیراگیوں کے لباس میں گجرات کے سفر کا ارادہ کر رہا تھا، اس نے چند بیراگیوں کو دیکھا جو دوارکا سے واپس آ رہے تھے اور ان کے ہاتھ اور بازو پر داغ کا نشان تھا۔ دوارکا جو کرشن کا مقام ہے، وہاں جو شخص زیارت کو جاتا ہے، اس کے جسم پر ایک لوہا جس پر کرشن کے ہتھیار کی شکل بنی ہے، گرم کر کے داغتے ہیں۔ کیوان پرہ نے بیراگیوں سے پوچھا کہ یہ زخم کا نشان کیوں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ بشن کا نشان ہے، اس لیے کہ جو شخص یہ نشان رکھتا ہے، بشن اس کو اپنوں میں سمجھتا ہے۔ کیوان پرہ نے کہا کہ جب روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے اور جسم کو جلا دیتے ہیں تو یہ نشان جسم پر باقی نہیں رہتا۔ لیکن روح خود فنا پذیر نہیں ہے، اور اس پر کوئی داغ نہیں ہوتا، تو بشن اس کو کیسے پہچانے گا۔ جب کیوان پرہ احمد آباد پہنچا جو گجرات کا دارالحکومت ہے، تو ایک مؤذن کو دیکھا جس نے مسجد کے بالا خانے پر چڑھ کر اذان دی۔ جب وہ نیچے اترا تو کیوان پرہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے جواب پایا؟ موذن نے کہا، کس کی طرف سے؟ کہا جس کو تو پکار رہا تھا۔

سجانی کہتا ہے:

فریاد کناں خدائے رائی جویند   ایں قوم مگر خدائے دورے دارند

(یہ لوگ خدا کو چیخ پکار سے تلاش کرتے ہیں، شاید خدا کو دُور سمجھتے ہیں۔)

جب وہ سورت کے بندرگاہ پر آیا جو ہندوستان کے مشہور بندرگاہوں میں سے ہے، تو ایک حاجی کو دیکھا جو سمندر کے راستے سے بندرگاہ پر پہنچا تھا۔ کیوان پرہ نے اس سے پوچھا کہ تُو کہاں سے آ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کے گھر سے۔ کیوان پرہ نے کہا کہ خدا کو تُو نے دیکھا؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ پھر کہا کہ شاید خدا گھر میں موجود نہ تھا۔ یہ سن کر حاجی حیران رہ گیا۔

بیراگی لوگ ریاضت میں عقیدہ نہیں رکھتے۔ ان کا قول ہے کہ بشن کا نام لینا چاہیے کیونکہ اس کے ذریعہ مکت یعنی خدا تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ فرقہ کلجگ میں پیدا ہوا۔ بیراگی لوگ بھی خود کو بیشنو سمجھتے ہیں، لیکن تارک الدنیا ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا طریقہ بید اور کتاب (قرآن) کے خلاف ہے۔ یعنی ہم ہندو مسلمان سے سروکار نہیں رکھتے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ان کے مذہب میں شامل ہوئی ہے۔ مثلاً میرزا صالح اور میرزا حیدر جو مسلمانوں کے شرفا میں سے تھے، بیراگی ہو گئے ہیں۔ اس گروہ میں سے ایک شخص نارائن داس نامی کو جو رامانندی تھا جو پہلا سنپردا ہے یعنی چار سنپردا میں سے پہلی قسم، اس کتاب کے مصنف نے ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ء) میں لاہور میں دیکھا تھا۔ وہ شخص دنیاوی علائق سے آزاد تھا۔ جس کی وہ تعظیم کرتا تھا اور کہتا کہ یہ دیوہرہ ہیں یعنی ان کا جسم بیت اللہ ہے:

بیرون ز تو نیست ہر چہ در عالم ہست   از خود بطلب ہر آنچہ خواہی کہ توئی

(جو کچھ بھی دنیا میں ہے، وہ تجھ سے باہر نہیں ہے اور جو کچھ تو چاہتا ہے، وہ اپنی ذات سے مانگ

کیونکہ وہ تو ہی ہے۔)

پیرانہ کوہلی بیراگیوں میں سے ہے اور کوہلی کھتریوں میں ایک طبقہ ہے۔ پیرانہ نے دنیوی علائق اور پابندیوں کو ترک کر کے پنجاب کے گجرات سے جو اس کی اور اس کے اسلاف کی جائے پیدائش اور وطن ہے، باہر نکل کر وزیرآباد میں جو گجرات مذکور کے نزدیک حکیم علیم الدین مخاطب بوزیر خاں کا بسایا ہوا ایک شہر ہے، سکونت اختیار کر لی۔ وہ ریاضت میں اعتقاد نہیں رکھتا اور کہتا ہے کہ ریاضت کرنے والے گذشتہ زندگی میں لوگوں کو تکلیف دیتے تھے۔ لہٰذا اس زندگی میں اس کی سزا پاتے ہیں اور ہر وہ عبادت جس میں کسی قدر تکلیف ہوتی ہے، اس کو عملی سزا سمجھتا ہے۔ چنانچہ روزہ داروں کے لیے کہتا ہے کہ یہ لوگ گزشتہ زندگی میں اپنے ماتحتوں کو بھوکا پیاسا رکھتے تھے۔ شب بیداروں کو ایسا گروہ سمجھتا ہے جو خادموں کو سونے سے منع کرتے تھے۔ سنیاسی تھا دیسر لوگ جو برسوں ایک پیر پر کھڑے رہتے ہیں، انہیں ان لوگوں کی روحیں شمار کرتا ہے جو خدمت گاروں کو بیٹھنے نہیں دیتے تھے۔ جو لوگ خود کو لٹکائے رکھتے ہیں اور جو لوگ نماز معکوس ادا کرتے ہیں، انہیں اس فرقہ کی ارواح سمجھتا ہے جو کم درجہ والوں کو لٹکائے رکھتے تھے۔ جو لوگ شائستہ اور مقدس مقامات کے طواف کے لیے جاتے ہیں، کہتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قاصدوں کو بے رحمی سے بیکار مختلف مقامات پر دوڑایا اور ان کی مزدوری ادا نہیں کی۔ جتیوں کو یعنی اس گروہ کو جو عورتوں سے اختلاط اور شہوت بازی سے علیحدگی رکھتے ہیں، ان لوگوں کی ارواح سمجھتا ہے جنہوں نے باوجود قدرت اور ساز وسامان کے بیٹی اور بیٹے کی شادی نہیں کی اور ان کو اس لذت سے محروم رکھا تھا۔ لہٰذا اس کی سزا میں گرفتار ہیں۔ وہ کسی جاندار کو تکلیف دینے پر راضی نہیں ہے جیسے کہ سارے بیراگیوں کا حال ہے اور اسی وجہ سے وہ ریاضت کا منکر ؏ ہے لیکن بیراگیوں کے عقیدے کے برخلاف اوتاروں کا قائل نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حلول اور اتحاد سے منزہ ہے اور توحید و اصول والوں اور وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والوں سے دوستی نہیں رکھتا۔ لوگوں نے اس سے کرشن کے حالات پوچھے۔ مگر اس نے کچھ اچھی رائے نہیں دی۔ پیرانہ کو راقم الحروف نے ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) میں وزیرآباد میں پایا تھا اور اسی سال مقامِ مذکور میں آنند کو دیکھا جو پیرانہ کا ہم عقیدہ لیکن وحدت الوجود کا قائل تھا۔

آنند مریضوں کے پرہیز کرنے کا بھی قائل نہیں ہے۔ اس کا ایک عقیدت منداسہال کے مرض میں مبتلا ہوا، آنند اس کو چکنی اور شیریں غذا دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے جسمِ عنصری کو الوداع کہا۔ اس کا ایک مرید فصد کھولنے کا ارادہ کرتا تھا، اس کو اطلاع ملی تو برا بھلا کہا، اس کو فصد سے روک دیا۔ اسی طرح راقم الحروف نے ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) میں پنجاب کے گجرات میں اس فرقہ کے میاں لال کو دیکھا کہ بہت سے مُنڈی اس کی بندگی کرتے تھے اور وہ جلالی و جمالی حیوانات کا گوشت کھانے سے پرہیز کرتا تھا اور پیرانہ کی طرح سب لوگوں کی تواضع کرتا تھا۔ اپنی گدڑی سے جُوں باہر نہیں نکالتا تھا اور کہتا تھا کہ اس کی روزی کا پروانہ ہمارے جسم پر لکھ دیا گیا ہے۔ بیراگیوں کو مُنڈی بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ وہ لوگ چار ضرب لگاتے ہیں اور مُنڈی اس کو کہتے ہیں جس نے سارے بالوں کو ترشوا دیا ہے۔ اس فرقے کا سنیاسیوں سے جھگڑا رہتا ہے۔ ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) میں ہردوار میں جو

ہندوؤں کی عبادت گاہ ہے، مُنڈیوں اور سنیاسیوں میں جنگ ہوئی۔ سنیاسی فتح پا گئے اور بہت سے مُنڈی قتل کر دیئے گئے تو مُنڈیوں نے تلسی مالے جو گردن میں لٹکائے رکھتے ہیں، اُتار کر اور کانوں میں سوراخ کروا کر جوگیوں کے حلقے ڈال لیے تا کہ لوگ ان کو جوگی سمجھیں۔

چارواک کے عقائد کے بیان میں

یہ لوگ جس چیز کو حواسِ ظاہری سے ادراک کرتے ہیں، اس کو روک اسکند کہتے ہیں اور حواس کے ذریعہ جو مفہوم حاصل ہوتا ہے، اسے ویدیا اسکند کہتے ہیں۔ خودی، انا اور انانیت کو گیان اسکند، حیوانات کے علم کو سوگیان اسکند اور جو خیال دل میں گزرتا ہے اس کو سوسکار اسکند کہتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ مذکورہ پانچ اسکند کے علاوہ انسان اور دوسرے حیوانات کے جسم میں نفسِ ناطقہ نہیں ہے۔ دنیا اور دنیا میں بسنے والوں کا کوئی صانع نہیں اور ان کا بنانے والا کوئی نہیں، کیونکہ ظاہر ہے وہ ذات جو ظہور کی فضا میں داخل نہیں ہوئی اور نہ عیاں ہوئی، اس میں سچائی کا رنگ نہیں اور اعلیٰ و ادنیٰ ہونا محض عالم کی فطرت سے ہے۔ جو باتیں بید میں لکھی ہوئی ہیں، وہ ہمارے سامنے ظاہر نہیں پس یقیناً وہ جھوٹی ہوں گی کیونکہ ان کا کوئی ثبوت نہیں اور بید کا بے اصل ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں ہوم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس عمل میں چاول وغیرہ آگ میں ڈالتے ہیں اور بعض مقررہ دُعائیں پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فرشتوں کو پہنچ جاتا ہے۔ جب ہم کوئی چیز آگ میں ڈالتے ہیں تو وہ جل کر راکھ ہو جاتی ہے، اس کے بعد کیسے فرشتوں تک پہنچ سکتی ہے؟ دوسرے یہ کہ بید میں لکھا ہے کہ مردہ کے واسطے کھانا پکا کر خیرات کر دیں جو مردہ کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں چلا گیا اور اس کی عدم موجودگی میں اگر ہم اس کی یاد میں دوسرے کو کھانا دیں تو گاؤں سے گئے ہوئے آدمی کا پیٹ نہیں بھر سکتا۔ لہٰذا جب گاؤں سے گئے ہوئے آدمی کو کھانا نہیں پہنچ سکتا تو پھر اس مردہ کو جو بید والوں کے گمان میں دوسرے عالم میں منتقل ہو گیا، کھانا کیوں کر پہنچ سکتا ہے؟

اسی طرح بید کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ مجرم عذاب میں اور گناہ گار سزا میں مبتلا ہو گا اور اچھے اعمال والا اور نیک آدمی راحت کے ساتھ اور نعمتوں سے آسودہ رہے گا۔ یہ دونوں باتیں غلط اور بے اصل ہیں۔ اس لیے کہ گناہ گار انسان روزہ کی تکلیف، ٹھنڈے پانی سے غسل، شب بیداری اور دوسری طاعات و عبادات سے آزاد ہو کر خوشحال رہتا ہے اور بید کے ماننے والے نیکوکار ان تمام مصیبتوں میں جو عذاب ہیں، گرفتار رہتے ہیں، لہٰذا عقل مند کو چاہیے کہ جملہ لذتوں سے بہرہ اندوز ہو اور خواہش کی چیزوں سے پرہیز نہ کرے۔ اس لیے کہ جب وہ مٹی سے مل گیا تو پھر اسے واپس آنا نہیں ہے۔ ع باز آمدنت نیست چو رفتی رفتی (تجھے واپس آنا نہیں ہے، جب گیا تو ہمیشہ کے لیے گیا۔

لیکن جانوروں کو تکلیف نہ دینا چاہیے، کیونکہ اس کی بدولت انسان خود تکالیف اُٹھاتا ہے، اور عقل کی

شرط یہ ہے کہ کوئی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچائے۔ اس بات سے لوگ خوشحال رہیں گے اور ان کی تعداد بڑھ جائے گی۔ اور یہ چیز آبادی کا سبب بنے گی۔ یہ تھا خلاصہ چارواک کے عقائد کا۔

اب میں اور زیادہ واضح طور پر بیان کرتا ہوں۔ چارواک کا عقیدہ یہ ہے کہ جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب صانع آشکار نہیں اور ادراک بشری اس کو ثابت کرنے سے قاصر ہے تو پھر کیوں ہم کو ایک ظنی اور موہوم بلکہ معدوم شے کی بندگی کرنی چاہیے اور کیوں جماداتی عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں جبیں سائی کرنی چاہیے۔ اور جن فرشتوں کے وجود پر کوئی تائیدی گواہی نہیں ہے، ہم کیوں ان کی افضلیت کے قائل ہوں اور کثرتِ حرص کی وجہ سے جنت اور اس کی آسائش کے وعدہ پر احمقوں کی طرح ہم کیوں نعمتوں اور راحتوں سے ہاتھ کھینچ لیں۔ عقل مند شخص نقد کو ادھار کے عوض نہیں دیتا اور جاہ پسند واعظوں کے دروغ آمیز اقوال پر جن کو وہ بید اور آسمانی کتاب کہتے ہیں اور اس کے ذریعہ اپنی خواہش کی چیزیں حاصل کرتے ہیں اور عوام کالانعام کی گردنوں کو اپنے دام میں گرفتار کرتے ہیں، ان پر فریفتہ نہ ہونا چاہیے اور جو چیز ظاہر نہیں اس کو باور نہ کرنا چاہیے۔ موالید کی جسمانی ترکیب عناصرِ اربعہ سے ہے اور مقتضائے طبیعت سے کچھ عرصہ کے لیے باہم مرکب ہو گئے تو جس وقت تک ترکیب و ہیئت ثابت و سالم ہے، اس وقت تک جو چیزیں مرغوبِ طبع ہیں اور ان سے جانداروں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، ان سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ جب یہ ترکیب فنا ہو جاتی ہے تو عنصر کی واپسی سوائے عنصر کے اور کہیں نہیں ہوتی۔ جسمانی محل کی ویرانی کے بعد کسی اعلیٰ وطن اور ناز و نعمت کی طرف عروج اور دوزخ کی آگ کی طرف نزول نہیں ہوگا۔ جب یہ لوگ بید پڑھنے کی آواز سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ بیوقوف بیمار اور مخلوق کے مزدور لوگ ہیں جو بکواس کر رہے ہیں اور جب کسی کو مقدس مقام پر طواف یا زیارت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ پست ذہنیت کی وجہ سے اپنے سے حقیر کو پوجتا ہے۔ جب برہمن کی گردن میں زنار دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ گائے کو بغیر رسی کے نہ ہونا چاہیے۔ جب کسی شب بیدار زاہد کو پاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ الو کے درجے کا طلب گار ہے۔ اگر کوئی شخص پہاڑ پر گوشہ نشین ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ریچھ کی ہمسری کا خیال رکھتا ہے۔ جب کوئی حبسِ دم کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ سانپ کی دوستی کا ارادہ کرتا ہے اور جب کسی کو دریا میں غسل کرتے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ مچھلی اور مینڈک کے مقام کی طرف مائل ہے۔ جب ہندو برہما، بشن اور مہادیو کے متعلق جو تین عظیم الشان فرشتے اس دنیا کے خالق، محافظ اور تباہ کرنے والے ہیں، روایت کرتے ہیں تو یہ لوگ جواب دیتے ہیں کہ ان تینوں سے مراد آلۂ تناسل اور دونوں خصیہ ہیں، اور جب ہندو کہتے ہیں کہ بشن چار ہاتھ رکھتا ہے تو کہتے ہیں کہ عورت سے مباشرت کی حالت میں ہر مرد اور عورت کا یہی حال ہوتا ہے۔ جب مہادیو کی تعریف کرتے ہیں کہ اس کے سر سے دریائے گنگا جاری ہوا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ آلۂ تناسل ہے، پیشاب کرنے اور انزال کے وقت۔ جب برہما کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ تمام چیزوں کا خالق ہے، تو جواب دیتے ہیں کہ اس سے بچہ دانی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی قسم کی ان لوگوں کی بہت سی باتیں ہیں۔

اہلِ ترک کے بیان میں

ترک شاستر علم جدل کو کہتے ہیں جو سولہ قسموں پر مشتمل ہے۔ اس طور پر: اول پرمان اس کے معنی علم کا استعمال کرنا ہے۔ اس کی چار قسمیں ہیں، اوّل پرتچھ یعنی ظاہر۔ یہ نام ان کے نزدیک صرف حس باصرہ کے لیے مخصوص ہے جیسے کہ بارہ سنگھا۔ دوم انمان یعنی کسی چیز کا نشان پا کر اس کی خبر دی جائے جیسے کہ ہم پہاڑ کو آتش فشاں اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں سے دھواں دکھائی دیتا ہے۔ سوم اپمان یعنی پہنچانے والا مثلاً ہم کہیں کہ جس طرح گائے ہے، اسی طرح بارہ سنگھا بھی ہے جبکہ ہم نے بارہ سنگھا نہیں دیکھا اور صرف سنا ہے کہ وہ گائے کی طرح ہے۔ چہارم سبد یعنی آواز۔ اس سے وہ کلام مراد لیتے ہیں جس کو مخلوق پسند کرتی ہے، جیسے ہندوؤں کے لیے بید اور مسلمانوں کے لیے قرآن۔ یہ تھیں پرمان کی قسمیں، سولہ اقسام میں سے دوم پرمیم ہے یعنی باہمی اتصال و اقتران۔ اس کی پھر بارہ قسمیں ہیں۔ پہلی قسم آتما یعنی روح ہے اور اس سے مراد وہ چیز ہے جو جسم اور حواس سے جدا رہتی ہے۔ اس کا وجود دائمی اور ابدی ہے اور سارے اجسام کے اندر اسی پر قیاس کرلو۔ دوسری، شریر یعنی جسم ہے۔ اس کو لذت اور تکلیف کے مقام سے تعبیر کرتے ہیں۔ تیسری اندری یعنی حواس ظاہری جن کو یہ لوگ آلاتِ علم سمجھتے ہیں۔ چوتھی ارتھ اور یہ موجوداتِ ارضی کو کہتے ہیں۔ پانچویں بدھ اور یہ علم کو کہتے ہیں۔ چھٹی من اور وہ حسن باطنی ہے۔ یہ ہندوؤں کے نزدیک دل ہے اور بس۔ ساتویں پرورتی اور وہ عدل اور ظلم ہے۔ آٹھویں دوش یعنی غلطی اور اس کی تین قسمیں ہیں، اوّل راگ جو خواہش اور شہوت ہے، دوم دویس یعنی غضب اور سوم موہ یعنی جہل مرکب۔ نویں قسم پرتیابھ اور وہ دوبارہ پیدا ہونا ہے، خواہ درخت کے بیج سے یا جاندار کے نطفہ سے۔ دسویں پھل اور وہ نیکی کی جزا نیکی اور بدی کی سزا بدی ہے، پاداش اسی کو کہتے ہیں۔ گیارہویں دکھ اور بارہویں اپورگ یعنی لذت اور سرورِ حقیقی جس سے یہ لوگ آزادی مراد لیتے ہیں، اور آزادی جوان کی زبان میں مکت کہلاتی ہے، صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے جس سے اکیس آلام جن کو آگے شمار کیا جاتا ہے، دور ہو جائیں۔ آلام کے نام یہ ہیں: اوّل شریر یعنی جسم۔ دوسرے شد اندری یعنی چھ حواس جن میں سے پانچ حواس ظاہری ہیں اور چھٹا دل جو ہندوؤں کے نزدیک حسن باطنی ہے۔ اس کے سوا دوسرے حواس باطنی کے وہ قائل نہیں اور کہتے ہیں کہ دل حواس ظاہری کا حاکم ہے۔ ان کے علاوہ شد ارتھ یعنی چھ حواس کی چھ محسوس چیزیں ہیں جیسے کہ آنکھ سے دیکھنا، کان سے سننا، ناک سے سونگھنا، زبان سے چکھنا، ہاتھ سے چھونا اور دل سے خیال کرنا۔ دیکھنے والی ایک چیز ہے اور دیکھی ہوئی دوسری چیز۔ چنانچہ دیکھنے والا حاسہ باصرہ ہے اور دیکھی ہوئی چیز کوزہ ہے یعنی مبصرات، مسموعات، مشمومات، مذوقات، ملموسات اور مخیلات۔ اسی طرح ہر ایک حس کی دریافت کردہ ہیں اور چھ حواس کی دریافت کردہ چھ چیزیں ہوتی ہیں جن کو شد ارتھ کہتے ہیں۔ اسی طرح آلام کی تعداد تیرہ ہوگئی۔ بعد ازاں شد بدھ یعنی چھ حواس کی چھ قوت ادراک جو ادراک کی ہوئی اشیاء سے مختلف ہیں۔ اس کے لیے سوکھ یعنی لذت لیکن اس سے مراد لذت حسی ہے اور دوکھ یعنی تکلیف۔ اس طرح اکیس آلام

ہو گئے۔

سولہ قسموں میں سے سوم شمسی ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز خیال کرنا جیسے کوئی دور سے ایک جسم دیکھے اور یقینی طور سے نہ جانے کہ وہ کیا ہے، تو کہے گا کہ وہ جماد ہے یا انسان ہے۔

چہارم: پریوجنم یعنی مقصد، اس کی مثال یوں بیان کرتے ہیں کہ جو شخص حکم کے مطابق چلتا ہے، وہ خوشی پاتا ہے، نہ کہ برائی۔

پنجم: درشتانت یعنی تمثیل جیسے پہاڑ اور مطبخ یعنی پہاڑ آتشِ دار ہے، اس لیے کہ مطبخ آتشدار ہے۔ دونوں کا نشان دھواں ہے۔

ششم: سدھانت یعنی کسی چیز کو بالیقین جاننا ہے۔

ہفتم: اد یو یعنی مجزا جیسے یہ کہیں کہ ''پہاڑ آتشدار ہے، دھویں کی وجہ سے'' پہلے جز کو جو اس مثال میں ''پہاڑ آتشدار'' ہے، پرتگیا یعنی حکم کہتے ہیں اور دوسرے جز کو جو اس مثال میں ''دھوئیں کی وجہ سے'' ہے، ہیتو کہتے ہیں یعنی سبب۔

ہشتم: ترک یعنی بحث و جدل مثلاً یہ کہیں کہ پہاڑ آگ نہیں رکھتا، تو اس کے جواب میں کہیں کہ اس لیے وہ دھواں بھی نہیں رکھتا۔

نہم: نرنی اور وہ جلد پالینا ہے۔

دہم: واد یعنی ندا کرنا اور وہ حق و صداقت کے بارے میں سوال کا ارادہ کرنا ہے۔

یازدہم: جلپ ہے یعنی حق کی پرستش میں دوسرے پر غالب آنے کا ارادہ کرے۔

دوازدہم: وشد۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خود اپنی نگہداشت نہ کر سکے اور دوسرے کو صرف اسی لیے برُا بھلا کہے۔

سیزدہم: ہیتو ابھاس اور یہ یوں ہے جیسے کوئی کہے کہ آواز دائمی ہے، اس لیے کہ آنکھ سے دیکھی جاتی ہے، مثل کوزہ کے۔ حالانکہ کوزہ کو باصرہ محسوس کرتی ہے اور آواز کان سے محسوس ہوتی ہے۔

چہاردم: چھل اور وہ ایک معنی کو دوسرے معنی پر محمول کرنا ہے، جیسے کوئی شخص کہے کہ اس لڑکے نے ''نوکمبل'' اوڑھ لیا ہے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ غریب ''نوکمبل'' کہاں سے لائے گا۔

''پہلا نو'' ہندی زبان میں نیا کے معنی میں ہے اور ''دوسرا نو'' نوگنتی یعنی تسعہ کے معنی میں ہے۔

پانزدہم: جاتی اور وہ جھوٹ بولنا ہے جیسے کوئی کہے کہ آواز دائمی ہے، اس وجہ سے کہ وہ کوزہ کی طرح بنائی گئی ہے اور دونوں کو فرشتہ نے بنایا ہے، لہٰذا جس طرح کوزہ دائمی ہے، اسی طرح آواز بھی جاودانی ہے اور جس طرح کوزہ کان سے نہیں دیکھا جاتا، اسی طرح آواز بھی آنکھ سے نہیں سنی جا سکتی۔

شانزدہم: نگرہ اور وہ دوسرے پر اپنے غلبہ کا ارادہ کرنا ہے۔

یہ سب ملا کر سولہ اقسام ہیں۔ یہ لوگ واجب تعالیٰ کو اس طور پر ثابت کرتے ہیں کہ عالم مصنوع ہے،

کے لیے کوئی صانع ضرور ہونا چاہیے۔ حکمت یعنی آزادی سے ان کے نزدیک مراد اصل سے تقرب اور اتحاد ہے، جیسے تانا اور بانا کہ باوجود نزدیکی کے ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ صاحبِ نظر فلاسفہ کے امام ارسطو سے یہ جو منقول ہے کہ اس نے کہا کہ ہم کو اسلاف سے منطق میں غیر مفصل اصول ملے ہیں۔ جو ترتیب آج کل طلبہ کے درمیان متداول ہے وہ میری تیار کی ہوئی ہے۔ شاید اس میں ان ہی اصول کی طرف اشارہ ہوگا جو اہلِ ترک سے نقل کیے گئے اور بظاہر یونان میں بھی یہی طریقہ تھا۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ایرانی کہتے ہیں کہ منطق ان کے یہاں مفصل طور پر تھی۔ حکمت پرست بادشاہ سکندر نے ایران کی تسخیر کے وقت منطق اور فلسفہ کی دوسری اقسام کو یونانی اور رومی زبانوں میں ترجمہ کرا کے روم بھجوایا۔

بودھ کے عقائد کے بیان میں

بودھ کے پیرووں کو جتی بھی کہتے ہیں۔ جتی وہ لوگ ہیں جو اجسام و اوتار میں حق تعالیٰ کے حلول کرنے پر عقیدہ نہیں رکھتے، لیکن اجسام میں روحوں کے تناسخ کے قائل ہیں اور ہندوؤں کی شریعت کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک برہمنوں کی شریعت سے زیادہ کوئی چیز بُری نہیں۔ اگر ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ شاید تُو نے برہمن کے ساتھ نیکی کی ہوگی یا استخوان خوار کا پانی پیا ہوگا۔ استخوان خوار دریائے گنگا کو کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندو مُردوں کی لاش جلانے کے بعد ہڈیوں کو گنگا میں پھینک دیتے ہیں اور اس عمل کو قابلِ ستائش سمجھتے ہیں۔ جتی جاندار کو تکلیف نہ پہنچانے کی بیحد کوشش کرتے ہیں اور پانی پر بے باکی سے نہیں گزرتے، مبادا کوئی جاندار پاؤں کے نیچے دب جائے، اور جانوروں کا گوشت نہیں کھاتے اور سبزہ کے اوپر پاؤں نہیں رکھتے۔ جب پانی پیتے ہیں تو پہلے رومال یا کپڑے سے چھان لیتے ہیں تاکہ اگر کوئی جاندار ہو تو پانی کے اندر نہ رہ جائے۔ پھر اس کپڑے کو ایک لمحہ کے لیے پانی میں ڈال دیتے ہیں، تاکہ اگر جاندار زندہ ہو تو اس سے جدا ہو کر پانی میں اتر جائے۔ اکثر بنیے اور کاروباری لوگ اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے لوگ غلہ فروشی کرتے ہیں اور بعض نوکری کے ذریعہ بسر اوقات کرتے ہیں۔ اس فرقہ کے درویشوں کو سریورہ اور جتی کہتے ہیں۔ یہ لوگ سر اور داڑھی کے بالوں کو موچنے سے نوچ لیتے ہیں، اور جب راستے میں چلتے ہیں تو درختوں کی نرم چھال کی جھاڑو جس سے جاندار نہ مرے اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور پہلے راستہ کو اس سے صاف کر لیتے ہیں، پھر پاؤں رکھتے ہیں تاکہ کسی جاندار کو تکلیف نہ پہنچے۔ اور جب بات کرتے ہیں تو منہ پر رومال رکھ لیتے ہیں تاکہ مچھر یا کوئی دوسرا جاندار اندر نہ چلا جائے نیز یہ لوگ ندی کے بیچ سے نہیں گزرتے۔

ان میں سے اکثر دانشمند ہوتے ہیں اور تجرد اور پارسائی کی حالت میں زندگی گزارتے ہیں، ایسے لوگوں کو جتی کہتے ہیں۔ جتی وہ شخص ہے جس نے کبھی عورت کا منہ نہ دیکھا ہو۔ ان میں سے گرہست لوگ یعنی شادی شدہ جتی کو بیحد دوست رکھتے ہیں۔ اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔ جب جتی ان کے گھر آتے ہیں تو وہ جو حکم دیتے ہیں، یہ اس کی تعمیل کی حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔ ان کے اندر دو فرقے

ہیں: لونوگی اور پوجاری۔ لونوگی وہ لوگ ہیں، جو خدائے تعالیٰ کو یکتا سمجھ کر پرستش کرتے ہیں اور سارے تناقضات اور عیوب، حلول اور اتحاد سے منزہ سمجھتے ہیں اور بت پرستی نہیں کرتے۔ پُجاری بت کی تعریف کرتے ہیں اور بت خانے رکھتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں کے درویش جو جتی کہلاتے ہیں، کھانا کھانے کے وقت اپنے مریدوں کے گھر جاتے ہیں اور اسی قدر غذا لیتے ہیں، جس کے لینے سے گھر والوں میں سے کسی کا حصہ کم نہ ہو۔ اسی طرح کئی گھروں کا چکر کاٹتے ہیں۔ یہاں تک کہ آسودہ ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ ٹھنڈا پانی نہیں پیتے، بلکہ گھومتے رہتے ہیں اور جہاں کوئی شخص غسل کے لیے پانی گرم کرتا ہے، اس میں سے تھوڑا لے لیتے ہیں، اس طرح پانی اکٹھا کر کے اسے ٹھنڈا کر کے پیتے ہیں۔

ان دونوں فرقوں کے درویشوں کی طرح ایک فرقہ اور ہے، جس کو مہا آتما کہتے ہیں۔ یہ لوگ لباس اور شکل میں جتی کی طرح ہیں، لیکن موچنے سے بال نہیں نوچتے بلکہ ترشواتے ہیں۔ دولت جمع کرتے ہیں، اپنے گھروں میں کھانا پکاتے ہیں، ٹھنڈا پانی پیتے ہیں اور بیوی بھی رکھتے ہیں۔ فرزانہ خوشی بیان کرتا ہے کہ میں نے پنجاب کے گجرات میں ایک سریورہ کو دیکھا اور اس نے کہا کہ اپنے آدمیوں سے متعلق کوئی عجیب واقعہ نقل کر کیونکہ وہ یقیناً صحیح ہوگا۔ اس نے کہا کہ ہمارے لوگ خواہ مجرد ہوں یا شادی شدہ، کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے لیکن نادار اور عجیب وغریب علوم والے ہمارے فرقہ میں بکثرت ہیں۔ ایک دانشمند مہاتما تھا اور ایک مالدار کی بیوی اس کی خدمت کرتی تھی۔ ایک روز عورت نے اس کے سامنے اپنے شوہر کی سردمہری کی شکایت کی۔ سریورہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ عورت نے کہا کہ میں اب دوبارہ تیری خدمت میں نہ آؤں گی کیونکہ تو نے میری مراد پوری نہیں کی۔ سریورہ نے کہا اگر میں تیرے آنے کو پسند کروں گا تو مجبوراً تو آئے گی۔ بعد ازاں تھوڑی گھاس اُٹھائی اور دم کر کے عورت کو دی اور کہا کہ پاک کپڑے پہن لے اور گھاس کو پیس کر اپنے کپڑوں پر مل لے تاکہ تیرا شوہر تجھ پر مہربان ہو جائے۔ عورت گھر واپس آئی اور گھاس کو پتھر پر پیسا اور چاہا کہ کپڑے پر مل لے۔ اتنے میں اس کا شوہر آ پہنچا، لہٰذا پسی ہوئی گھاس پتھر پر رہ گئی۔ جب رات ہوگئی اور گھر کے دروازے کو بند کر دیا گیا تو ہر لحظہ پتھر اپنی جگہ سے حرکت کرتا اور دروازے سے ٹکراتا تھا اور پھر گر پڑتا تھا۔ عورت اور شوہر دونوں تعجب میں پڑ گئے۔ شوہر نے اپنی بیوی سے حقیقتِ حال دریافت کیا۔ عورت نے مارے ڈر کے جو کچھ کیا تھا بیان کر دیا۔ شوہر اُٹھا اور گھر کا دروازہ کھول دیا۔ پتھر چل پڑا اور سب جگہ لڑھکتے ہوئے مہا آتما کے گھر کے دروازے پر پہنچا۔ ایسی باتیں سریورہ لوگوں میں بہت پائی جاتی ہیں۔ خوشی نے مزید کہا کہ میں نے جس جتی کے بارے میں یہ واقعہ نقل کیا، اس کو دیکھا کہ جادو کے زور سے پتھر میں حرکت پیدا کر دیتا تھا۔ اس کی بہت تعریف کی کہ یہ سریورہ شخص جتی تھا، مہا آتما نہیں تھا۔

اس کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ میں نے بہت سے سریورہ اور ان کے پیروؤں کو دیکھا ہے۔ منجملہ ان کے مہر چند لونوگی تھا، جس کو ۱۰۵۶ھ (۱۶۴۶ء) میں دوتارہ میں دیکھا ہے، جو مارواڑ میں جودھ پور کے توابع میں سے ہے اور شیورام پُجاری سے میرتا میں ملاقات کی جو مارواڑ میں ہے۔ جگن ناتھ بنیے کو راولپنڈی میں دیکھا جو

صفتوں کی ساری خوبیوں سے آراستہ تھا۔ وہ اگر کسی شکاری کے ہاتھ میں چڑیا دیکھتا تو اس سے خرید کر اس کو رہا کر دیتا تھا۔ یہ لوگ جہاں تک ممکن ہو جاندار کو رہائی دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض مقامات پر اور بعض ملکوں میں بہت سے راجہ ہیں، وہاں اگر کوئی شخص کسی جگہ بکری خرید کر اس کو ذبح کرنا چاہتا ہے تو یہ لوگ اپنی دکانوں سے اُٹھتے ہیں اور بکری کو گراں قیمت پر خرید لیتے ہیں، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ اس طرح بہت سی بکریاں جمع ہوگئی ہیں اور ان کے لیے ایک آدمی مقرر کر دیا ہے تاکہ ان کو چرایا کرے۔ کہتے ہیں کہ گجرات میں ایک بنیا جتی تھا۔ ایک روز ایک مسلمان درویش اس کی دکان میں بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی گدڑی سے ایک جوں نکال کر اس کو مارنا چاہا۔ جتی نے روک دیا۔ درویش نے کہا کہ اگر تو مجھے کوئی چیز دے تو مان جاؤں۔ اس نے کہا ایک پیسہ لے لے۔ درویش نے جواب دیا کہ اور زیادہ دینا چاہیے۔ بنیے نے دو پیسہ دیا لیکن درویش نے قبول نہ کیا۔ کہتے ہیں:

مباش درپئے آزار و ہر چہ خواہی کن   کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

(کسی کو تکلیف دینے کی کوشش نہ کرو اور جو جی چاہے کرو کیونکہ ہماری شریعت میں اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔)

ہندوستانیوں کے مختلف عقائد کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، سمرادیان، خدائیان، رادیان، شید رنگیان، پیلریان، میلانیان، آلاریان، شیدابیان، آخشیان اور مزدکیان جو ایران و توران میں رہتے ہیں اور سب مسلمانوں کے لباس پہن کر پوشیدہ طور پر اپنے مذہب کے پیرو ہیں، اسی طرح ہندوستان میں بھی مختلف فرقے پیدا ہوئے، لیکن یہ لوگ مسلمانوں کے لباس میں نہیں رہتے۔ جاننا چاہیے کہ ہندوؤں کے مذہب میں اصل چیز سارت ہے یعنی شریعت جس کے پیرو سارے رکھیشر یعنی پرہیزگار لوگ رہے ہیں، اور بید پر جو آسمانی کتاب ہے، عمل کرتے ہیں۔ بید ایسا کلام ہے کہ ہر گروہ اس سے اپنے مذہب کی تائید میں استدلال کر سکتا ہے۔ اور وہ سب کے اندر مشترک ہے۔

میں نے ان کے عقائد کو اس سے قبل بیان کیا ہے لیکن اس موقع پر چند باتیں اور لکھتا ہوں۔ نرنجن یعنی حق تعالیٰ شروع میں اکیلا تھا۔ کنول یعنی نیلوفر جس میں ہزاروں پتیاں تھیں، اس کی ناف میں تھا۔ اس سے برہما پیدا ہوا۔ برہما چتر مکھ ہے یعنی اس کے چار منہ ہیں۔ ایک منہ کو مہادیو نے کاٹ ڈالا ہے۔ برہما اشت بھوج ہے یعنی آٹھ ہاتھ رکھتا ہے۔ برہما کی ناف کے اندر ایک اور کنول پانچ سو پتیوں والا ہے۔ اس سے بشن وجود میں آیا۔ بشن چتر بھوجا ہے یعنی چار ہاتھ رکھتا ہے، ایک ہاتھ میں نیزہ ایک ہاتھ میں چکر لیے ہوئے ہے جو ہندوؤں کا مخصوص حربہ ہے۔ تیسرے ہاتھ میں گدا یعنی گرز اور چوتھے ہاتھ میں کنول کا پھول ہے۔ بشن کی ناف میں سو پتیوں والا ایک کنول ہے، اس سے مہادیو پیدا ہوا ہے۔ مہادیو اشت مکھ ہے یعنی اس کے آٹھ منہ ہیں اور

اشت بھوجا ہے یعنی آٹھ ہاتھ رکھتا ہے۔ وہ ایک بیل پر سوار ہے اور اس کی گردن میں ایک سانپ ہے، وہ ہاتھی کی کھال پہنے ہوئے ہے اور جسم پر راکھ ملے ہوئے ہے۔ چندر یعنی چاند اور سورج یعنی آفتاب اور اگنی یعنی آگ اس کی تین آنکھیں ہیں۔

دوسرا فرشتہ شیویان ہے جو مہادیو اور اس کی بیوی کو پوجتا ہے۔ اکمیان اور آشنیان، یہی لوگ ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

علاوہ ازیں سنیاسیان ہیں، ان کے طریقہ کی سمارت میں تعریف کی گئی ہے۔ لیکن جٹا رکھنا یعنی الجھے بال رکھنا جو اودھوت سنیاسیوں کا دستور ہے، یہ طریقہ کلجگ میں نکلا ہے۔ یہ لوگ بیحد ریاضت پسند، دلیر اور سخی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کے اور صوفیوں کے درمیان جنگ ہوئی تو انہوں نے فتح پائی۔

ایک اور گروہ جنگمان ہے۔ یہ لوگ بھی سر کے بال ترشواتے ہیں اور جسم پر خاک ملتے ہیں۔ مہادیو کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور اس کو موجودِ حقیقی شمار کرتے ہیں۔ ان کے اندر کئی فرقے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ روحانیت میں نو برہما ہیں، جو برہما کا انس ہیں۔ انس اور امش کے معنی پرتو ہیں اور ہزار بشن ہیں جو بشن کا پرتو ہیں اور بشن نراین کو کہتے ہیں اور گیارہ رودر ہیں جو رودر کا پرتو ہیں اور رودر مہادیو کا نام ہے۔ بارہ آفتاب آفتاب کے پرتو ہیں اور سولہ کلا یعنی چاند کا حصہ چاند کا پرتو ہیں۔ یہ لوگ چاند کی روشنی سولہ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور چاند کی اٹھائیس منزل اور نو کرہ یعنی سبعہ سیارہ اور عقد تین کو شمار کرتے ہیں۔ گنیش جو ایک فرشتہ ہے، اس کا سر ہاتھی کا سا ہے۔ ان کے نزدیک اوپر اور نیچے کے علاوہ آٹھ سمت ہیں، جن کو اشت دسا کہتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔ پُورب یعنی مشرق، پچھم یعنی مغرب، دکھن یعنی جنوب، اتر یعنی شمال، پورب اور دکھن کی درمیانی سمت اگنی، دکھن اور پچھم کی درمیانی سمت نیرتی، پچھم اور اتر کی درمیانی سمت وایب اور اتر اور پورب کی درمیانی سمت ایسان۔ نیز بھیرو اور ہنومنت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور مادہ روحانیات میں اشٹ دُرگا یعنی آٹھ دُرگا، اس تفصیل سے ہیں: کالکا، چندکلا ہشیری، کوماری، بشنوی، باراہی، جامند است مانترا، بھوانی اور پاربتی۔ مہالچھمی سرسوتی برہما کی بیوی ہے۔ رکھشیر یعنی ست جگ کے عابد لوگ ہیں، کاشیپ آفتاب کا باپ اور بشست رام اوتار کا استاد ہے۔ بسوامتر جو چھتری تھا عبادت کی وجہ سے برہمن ہو گیا۔ بالمیک تاریخ راماین کا مصنف ہے جو رام کے حالات پر مشتمل ہے۔ انگرسہ اتر بیاس تاریخ مہابھارت کا مصنف ہے۔ بھردواج جمدگنی دواپر جگ سے تعلق رکھتا ہے اور گوتم، کپہ، پرشر اور نارد الکجگ سے متعلق ہیں۔ چونہ، اپرونہ، اوردھ اور جامد کپہ یہ سب زندہ جاوید ہیں۔ سپت رکھشیر جنہیں فارسی میں ہفت اورنگ کہتے ہیں، ان کی تفصیل یوں ہے: کاشیپ، اتر، بھردواج، بسوامتر، گوتم، جمداگنی اور بشست۔

جاننا چاہیے کہ ہندوؤں میں ایک گروہ ہے جو اپنے کو مسلمان صوفی کہتا ہے اور بعض اصول و عقائد میں صوفیہ کے ساتھ شریک ہے۔ پہلا اصول یہ ہے کہ وہ تجرد کو پسند کرتے ہیں۔ جب ان لوگوں نے سنا کہ سنیاسیوں کے دس فرقے ہیں اور جوگیوں میں بارہ فرقے ہیں تو یہ اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم لوگ چودہ فرقے

۔ جب آپس میں جمع ہوتے ہیں، پہلا سوال جو کرتے ہیں یہ ہے کہ چار پیر اور چودہ سلسلے کون کون سے
۔ یہ مریدوں کی برسوں خدمت کرتے ہیں، پھر اُن کو چاروں پیر اور چودہ سلسلوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان کا
ل ہے کہ پیروں کے پیر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں، اس کے بعد صاحبِ ارادہ مصطفوی حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں۔
سے خلافت امام حسن کو ملی اور خواجہ حسن بصری حضرت علی کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ یہ چاروں حضرات
پیر ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ خواجہ حسن بصری کے بعد دو فرقے ہو گئے۔ حسن بصری کے پہلے خلیفہ حبیب عجمی
، ان سے نو سلسلے پیدا ہوئے، جن کے نام یہ ہیں: حبیبان، طیفوریان، کرخیان، سقطیان، جنیدیان،
ونیان، طوسیان، فردوسیان اور سہروردیان۔ حسن بصری کے دوسرے خلیفہ عبدالواحد زید سے پانچ سلسلے نکلے
ن کے نام یہ ہیں: زیدیان، عیاضیان، ادہمیان، ہبیریان اور چشتیان۔ چودہ سلسلے یہی ہیں۔ کہتے ہیں کہ
فیائے طریقت میں سے ایک گروہ ایسا ہے جن پر پیغمبر کا کوئی تصرف نہیں بلکہ خود نبی ان کے کمال کا خوشہ چین
تا ہے۔ یہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز جبرئیل کی ہدایت سے رسولِ خدا سیر کے لیے نکلے اور ایک ایسی
۔ پہنچے جہاں شور وغوغا تھا۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ اجازت لیجئے اور اندر داخل ہو جایئے۔ لوگوں نے پیغمبر کو اجازت
ی تو اندر گئے۔ نبی نے دیکھا کہ چالیس آدمی برہنہ مادر زاد بیٹھے ہیں اور کچھ لوگ ان کی خدمت میں مشغول
ں۔ پیغمبر نے ہر چند خواہش کی کہ ان کو خدمت کی اجازت دیں لیکن ان لوگوں نے اجازت نہیں دی یہاں تک
ہ بھنگ پینے کا وقت آ گیا۔ جب بھنگ پیس چکے تو اس کو چھاننے کے لیے برہنگی کی وجہ سے ان کے پاس کپڑا
تھا۔ پیغمبر نے اپنے سر سے عمامہ اتار کر بھنگ کے پانی کو صاف کر دیا اور بھنگ کا رنگ عمامہ میں لگ گیا۔ یہی
ہ ہے کہ بنو ہاشم کا لباس سبز رہتا ہے۔ جب پیغمبر یہ خدمت بجا لائے تو ان لوگوں نے خوش ہو کر آپس میں کہا
لہ اس پیغمبرِ خدا کو جنہیں ہمیشہ نادانوں کے دروازے پر دوڑا یا کرتے ہیں، تھوڑی سی بھنگ دے دی جائے
اکہ وہ اسرار سے آگاہ ہو جائیں۔ باقی ماندہ بھنگ پیغمبر کو دے دی۔ جب اسے پیغمبر نے پیا تو ملک اور ملکوت
کے اسرار سے آگاہ ہو گئے اور لوگوں نے جو اسرار ان سے سنے، وہ اسی کا فیض تھا۔[1]

یہ لوگ ہندوستان میں بہت ہیں، ان میں جو مشہور فرقے ہیں ان میں مداریان ہیں جو اودھوت
نیاسیوں کی طرح الجھے بال رکھتے ہیں اور راکھ جس کو سنیاسی اور یہ لوگ بھبھوت کہتے ہیں، جسم پر ملتے ہیں اور
سر اور گردن میں زنجیریں لپیٹے رہتے ہیں اور اپنے ساتھ کالا جھنڈا اور کالا عمامہ رکھتے ہیں۔ نماز روزہ کچھ نہیں
جانتے۔ ہمیشہ آگ کے پاس بیٹھے رہتے ہیں اور بھنگ بہت پیتے ہیں۔ ان کے کاملین کابل اور کشمیر وغیرہ کی
سخت سردی میں بھی کچھ نہیں پہنتے اور بھنگ بکثرت پیتے ہیں۔ اپنی قوم کی تعریف کے موقع پر کہتے ہیں کہ فلاں
مداری دو سیر یا تین سیر بھنگ پیتا ہے۔ جب ساتھ میں بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جس وقت پیغمبر معراج کے لیے
گئے تو فرمانِ ایزدی پہنچا کہ جنت کی سیر کو جائیں۔ جب جنت کے دروازے پر پہنچے تو جنت کے دروازے کو
سوئی کے ناکے سے زیادہ تنگ پایا۔ رضوان نے پیغمبر کو اشارہ کیا کہ اندر آیئے۔ جواب دیا کہ اس جسم کے ساتھ

[1] تصوف یا طریقت کو اس قسم کی بے بنیاد باتوں سے کوئی تعلق نہیں، نہ صرف اہل علم بلکہ بڑے بڑے صوفیاء کرام مثلاً حارث المحاسبی، جنید بغدادی اور ابوالقاسم القشیری نے اس قسم کی مہمل روایات کو شریعت و طریقت کے خلاف قرار دیا ہے۔ (ایڈیٹر)

میں اس راستہ سے کیسے داخل ہوں۔ جبرئیلؑ نے کہا: ''دم مدار'' کہیے۔ پیغمبر نے ویسا ہی کیا اور اس دروازے سے جو سوئی کے ناکے کی طرح تھا، گزر کر جنت میں داخل ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ جب بدیع الدین مدار ہندوستان آیا، اس وقت ایک جوگی تھا جس کی ہندوستان کے لوگ پرستش کرتے تھے اور اس کے بہت سے شاگرد تھے۔ مدار نے ایک مکان منتخب کیا اور اپنے چھوٹے چیلہ کو جس کا نام جمن تھا، خشک گوبر جمع کرنے کے لیے بھیجا تا کہ آگ جلائے۔ اتفاق سے جمن کا گزر جوگیوں کی مجلس میں ہوا۔ جوگیوں نے جمن کے اندر مسلمانی کے آثار دیکھ کر اس کو مار ڈالا اور ٹکڑے کر کے کھا لیا۔ جب کچھ عرصہ گزرا اور دھونی یعنی آگ جلانے کا سامان پیدا نہ ہوا تو مدار جمن کی تلاش میں نکلا اور جوگیوں کی مجلس میں پہنچا۔ جوگیوں سے پوچھا کہ تم نے میرے چیلے یعنی چھوٹے ابدال کو کیا کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اسے نہیں دیکھا۔ مدار نے آواز دی تو جمن کے اعضاء نے سب جوگیوں کے پیٹ سے جواب دیا کہ ''دم مدار''۔ بعد ازاں مدار نے جوگیوں سے کہا کہ جمن کو تم سب کے اندر سے نکالوں یا ایک شخص کے اندر سے؟ جوگیوں نے کہا کہ ایک ہی جسم سے۔ چنانچہ مدار کی توجہ سے جمن کے پراگندہ اعضاء اس حال میں کہ کسی جوگی نے نہ دیکھا، ایک بڑے جوگی کے پیٹ میں جمع ہو کر ناک کے راستہ سے باہر نکل پڑے۔ اس طور پر کہ نہ تو جوگی کی ناک کا سوراخ چوڑا ہوا اور نہ ہی جمن کے اعضاء چھوٹے ہوئے۔ لہٰذا جوگیوں نے وہاں سے راہِ فرار اختیار کی۔ اور اس جگہ مدار بیٹھ گیا۔ وہ مقام آج کل مکھن پور کے نام سے مشہور ہے۔ مداری فرقہ والے جہاں تک ممکن ہوتا ہے، سال میں ایک بار ایک مقررہ دن میں اطرافِ عالم سے مکھن پور میں جمع ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اندھے اور مفلوج وہاں جا کر شفا پاتے ہیں۔

یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ بہرام کول کی بیوی چستپا ہندو اور مسلمان درویشوں اور کاملوں کی آزمائش کے لیے ایک مجلس میں آئی جہاں سب جمع تھے، اور ان سے کہا کہ جو شخص میرے ہاتھ کی سمرنی کھول دے اور اس کو شہوت مغلوب نہ کرے تو وہ واقعی کامل ہے۔ سمرنی ایک تسبیح ہے جسے ہاتھ میں باندھتے ہیں۔ سارے مسلمان اور ہندو کامل درویش سامنے آئے لیکن چستپا کا چہرہ دیکھ کر فریفتہ ہو گئے۔ سب کے بعد جمن کی باری آئی۔ جمن نے چستپا کے سامنے جا کر اپنے عضوِ خاص سے اس کے ہاتھ کی سمرنی کو کھول دیا اور ذرا بھی شہوت اس پر غالب نہ آئی۔ کہتے ہیں کہ جمن کے عضوِ خاص میں انتشار شہوت کی وجہ سے نہیں ہوتا تھا بلکہ اس قدرت سے ہوتا تھا جو کاملوں کے اعضاء میں ہوا پہنچانے سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ جمن ہندو اور مسلمان درویشوں میں سب سے بلند مقام پر بیٹھ گیا۔ ان لوگوں کی اس قسم کی اور بہت سے باتیں مشہور ہیں۔

ایک دوسرا فرقہ جلالیان کا ہے، یہ لوگ سید جلال بخاری کے عقیدت مند ہیں جن کا مقبرہ سندھ کے اضلاع میں سے اوچھ[1] میں ہے۔ یہ گروہ خود کو شیعہ کہتا ہے جس طرح مداریان اپنے کو سُنّی سمجھتے ہیں۔ جلالیان شیخین کی مخالفت کرتے ہیں نہ نماز پڑھتے نہ روزہ رکھتے ہیں اور کوئی ریاضت یا عمل جو صوفیہ میں رائج ہے قطعی

---

[1] اوچھ شریف آج کل بہاولپور ڈویژن میں شامل ہے۔ (ایڈیٹر)

نہیں جانتے۔ بھنگ بہت پیتے ہیں اور سانپ اور بچھو کھانے کی مشق کرتے ہیں۔ جب ان کے کاملین سانپ کو دیکھتے ہیں تو اس کو پورا چبا لیتے ہیں اور نگل جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ علی مرتضٰی کی مچھلی ہے۔ بچھو بھی کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی کا جھینگہ ہے اور یہ ایک مچھلی کا جانور ہے جو پانی میں رہتا ہے جس کو روبیان کہتے ہیں۔ یہ لوگ مداریوں کی طرح برہنہ رہتے ہیں اور مداریوں ہی کی طرح سخت سردیوں میں بھی کچھ نہیں پہنتے، آگ کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں، جیسے مداری کرتے ہیں لیکن جلالی فرقہ کے لوگ اُلجھے بال نہیں رکھتے۔ بلکہ اکثر چار ضرب لگاتے ہیں اور دنیا میں ادھر اُدھر گھومتے ہیں۔ اور جو کچھ پاتے ہیں، اپنے پیر کے واسطے لے جاتے ہیں۔ جب ہدایت کے لیے اپنے پیر کے پاس جاتے ہیں تو جو کچھ نقد یا جنس ممکن ہوتا ہے، ان کے سامنے نذر کرتے ہیں۔ اس کے بعد پیر اُن کو ایک کلاہ دیتے ہیں اور اپنا شجرہ۔ کلاہ کو وہ سر پر رکھ لیتے ہیں اور شجرہ گردن میں لٹکا لیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جب عزرائیل روح قبض کرنے آتے ہیں تو کلاہ سر سے اتر کر آنکھ پر ٹھہر جاتی ہے تا کہ ملک الموت کا چہرہ جو انتہائی بدشکل ہے، ان کو نظر نہ آئے۔ ان لوگوں کا پیر ہر روز نوشہ بنتا ہے اس لیے کہ جہاں کہیں اپنے کسی مرید کی خوبصورت لڑکی کا نام سنتا ہے، تو حکم دیتا ہے کہ ترہی بجائیں۔ بعد ازاں گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور مرید کے گھر جا کر لڑکی کو اسی کے گھر میں تصرف میں لاتا ہے اور کبھی کبھی اپنے گھر میں بھی لاتا ہے اور نکاح کرنا نہیں جانتا۔ اس کتاب کے مصنف نے ایک جلالی سے پوچھا کہ حامد محمد جو تمہارا پیر ہے، وہ اپنے مریدوں کی لڑکیوں کو بغیر نکاح کے لے لیتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بادشاہانِ صفوی بھی اپنے مریدوں کی بیوی، بیٹی اور بیٹے کو لے لیتے ہیں اور وہ لوگ اس پر راضی رہتے ہیں، تو پھر حامد محمد جو علی کا خلیفہ برحق ہے، وہ کیوں نہ لے؟ یہ عمل سید ہونے کی علامت ہے... اس سرزمین میں اس کے بہت سے مرید ہیں، اور وہ شکار کا بڑا شوقین ہے۔

ایک اور گروہ ہے جن کو بے قید اور مینوا کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک بہترین عمل والا وہ شخص ہے جو سوائے کھانے پینے کی چیزوں کے کسی سے کچھ قبول نہ کرے اور جو پوشاک لازمی ہوتی ہے، اس کے لیے جو ٹکڑے راستے میں پڑے ہوئے دیکھتے ہیں، ان کو جمع کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے کا پیوند لگا کر گدڑی بنا لیتے ہیں۔ جب کسی سے کوئی چیز مانگتے ہیں تو اس کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ بسا اوقات ان کے اس عمل سے لوگ ان کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ حق تعالیٰ روح ہے اور جسم محمدؐ ہیں اور چار یار دو ہاتھ اور دو پاؤں ہیں اور دم مدار یعنی صرف دم اور سانس پر دارو مدار ہے۔ یہ لوگ طرح طرح کی مغیرات اور منکرات کا استعمال کرتے ہیں اور وحدت الوجود پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض ریاضت کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور ان کے پیر و مرشد گدا نراین تھے۔ یہ تینوں مذکورہ بالا فرقے حیوانات کا خون بہاتے ہیں۔

ایک اور گروہ کا کان کشمیہ کا ہے۔ مجرد رہنا ان کا شعار ہے، وہ وحدت الوجود پر عقیدہ رکھتے ہیں اور بھنگ بہت پیتے ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت ریاضت کرنے والی بھی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا اس لیے کہتے ہیں کہ ان کا مرشد حضرت جنت آشیانی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ابراہیم کاک تھا۔ ابراہیم کاک جس کو اپنی

طرف کھینچنا چاہتا، محض اپنی نظر سے اس کو کھینچ سکتا تھا، اس طرح کہ وہ بیتابی کے ساتھ اس کے پیچھے دوڑنے لگ
اس کے مرید بھی اس کشش کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے۔ ہندو اور مسلمانوں میں سے جس کو اپنی طرف کھینچتا، ا
کو اس کے مذہب سے منتقل نہیں کرتا یعنی ہندو پر کلمۂ محمدی پیش نہ کرتا اور اس کا ختنہ نہ کرتا۔ اس طرح مسلما
کو زنار اور قشقہ لگانے کے لیے نہ کہتا۔ اس کی زبان پر کبھی مسلمان کی تعریف اور ہندو کی مذمت جاری نہ ہوتی
انبیا اور اوتار جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے بزرگ ہیں، ان کا نام نہ لیتا تھا مگر صرف رام، اللہ اور خدا کہتا تھ
رات کو مریدوں کے ہمراہ سوتا نہ تھا بلکہ ایک دوسرے سے پیٹھ لگاتے اور صبح کے وقت تک بیٹھے رہتے۔ کشمیر
بعض مقام پر اس نے مریدوں سے کہا کہ بہت سے لوگ لیٹ گئے، ہم کو بھی ان کی موافقت کرنی چاہیے
انہوں نے کہا کہ جیسا آپ کا حکم ہو۔ پھر پہلے خود سویا اور غافل ہو گیا اور سب دوستوں نے ایسا ہی کیا۔ ایک رو
اس نے مؤذن کی آواز سنی تو کہا کہ یہ کلامِ الٰہی ہے۔ اسی وقت کسی نے گوز کیا تو کہا حق ہے یہ بھی خدا کی زبا
ہے۔ ایک طالب علم موجود تھا، اس نے کہا، کفر نہ بک۔ اس نے جواب دیا کہ دونوں ہوا کی حرکت ہے اور
خدا کی طرف سے متعین ہے۔ طالب علم نے کہا کہ پھر ریح میں بدبو کیوں تھی؟ اس نے جواب دیا کہ یہ تُو اور ت
کی مصاحبت کی وجہ سے ہے۔ طالب علم نے کہا کہ بھنگ نہ پی کیونکہ بھنگی پلِ صراط سے گزر نہیں سکتا۔ اس نے
کہا کہ بھنگ پینے والے بکثرت ہیں، ہم لوگ پلِ صراط کے اس طرف ایک شہر آباد کریں گے جس کا نام بھنگی پ
ہوگا اور پلِ صراط سے نہ گزریں گے۔ گویا قاسم کاکی نے ان سرمستوں کی کیفیتِ حال بیان کی تھی۔ جس وق
شاہ قاسم انوار کے ساتھ ایک خوشگوار مقام پر پہنچا تو اس نے یہ شعر پڑھا:

او نور کند قسمت من بنگ کنم تقسیم   او قاسمِ انوار است من قاسمِ اسرارم

(وہ نور تقسیم کرتا ہے اور میں بھنگ تقسیم کرتا ہوں۔ وہ قاسمِ انوار ہے اور میں قاسمِ اسرار ہوں۔)

ہندوستان میں اس قسم کے لوگ بکثرت ہیں۔ ہندوؤں کے ایک تیرتھ یعنی زیارتگاہ میں سنیاسیوں
ایک گروہ جمع ہوا۔ اچانک جلالی اور مداری برہنہ لوگوں کی ایک فوج وہاں آ پہنچی اور ایک گائے لاکر چاہتے تھے
کہ اسے ذبح کر ڈالیں۔ سنیاسیوں نے ان سے گائے خرید لی۔ وہ لوگ گئے اور دوسری گائے لائے۔ اس
بھی سنیاسیوں نے اس سے درخواست کر کے گائے خرید لی۔ ان برہنہ لوگوں نے اپنے آدمیوں کو کثرت سے
مغرور ہو کر پھر ایک گائے لاکر ذبح کر ڈالی۔ سنیاسی اس بات سے غصہ ہو کر ان کی طرف بڑھے اور طرفین میں
جنگ ہوئی۔ بالآخر سنیاسیوں نے فتح پائی اور سات سو جلالی اور مداری برہنہ لوگوں کو مار ڈالا اور ان کے کو چک
ابدالوں کو قیدی بنا کر اپنا چیلا بنا لیا۔ سنیاسیوں کی جنگ بہت زیادہ دیکھنے میں آئی ہے۔

ہندوستان کے فرقوں میں ایک اور فرقہ جوگیوں کا ہے۔ یہ لوگ خود کو بیحد قدیم سمجھتے ہیں، ان کا حا
بیان کیا جا چکا ہے۔ دوسرے فرقے سانکھیان اور پاتنجلیان ہیں۔ یہ لوگ بھی ریاضت کرنے والے ہیں اور جوگ
کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں۔ نیز دوسری ریاضتیں کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ چار واکیان ہیں اور یہ چار
فرقے اپنے اصول کو قدیم سمجھتے ہیں۔ ان کے حالات ہندوؤں کے ضمن میں بیان کیے گئے۔ علاوہ از

تیان، بیراگیان اور نانک پنتھیان ہیں، ان کے عقائد بھی بیان کیے جا چکے۔

ہندو درویشوں کا ایک اور فرقہ نرانجیان ہے۔ یہ لوگ گوسائیں ہری داس کی جانب منسوب ہیں اور ہری داس جاٹ قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ سوا لک کے اضلاع میں ایک گاؤں کا نیرا میں پیدا ہوا تھا۔ وہ نبی داس سانکلا کا غلام تھا۔ سانکلا راجپوتوں کا ایک طبقہ ہے۔ ہری داس نے شکار میں ایک ہرنی پر تیر چلایا۔ ہرنی حاملہ تھی، چنانچہ اس کے پیٹ سے بچہ نکل پڑا اور اس پر بھی تیر لگ گیا تھا۔ ہری داس نے یہ حالت دیکھ کر تیر و کمان توڑ ڈالا اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور روتا اور چیخ مارتا ہوا لوگوں سے الگ ہو گیا۔ بارہ سال تک لوگوں سے میل جول نہیں رکھا۔ اس کے بعد ایک جماعت اس کی مرید ہو گئی۔ ہری داس نے ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۵ء) میں قیدِ جسم سے رہائی پائی۔ یہ فرقہ بُت اور بُت خانہ یا مسجد اور کعبہ کی پرستش نہیں کرتا اور کسی سمت کو محترم نہیں سمجھتا اور کسی چیز کو حق تعالیٰ کی معرفت اور اس سے تقرب کا ذریعہ نہیں مانتا۔ صرف نرانجن یعنی حق تعالیٰ کی پرستش پر اکتفا کرتا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو نرانجنی کہتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے کسی کام میں ہاتھ نہیں لگاتے، ان کا شعار ترک و تجرد ہے۔ بعض پانی پینے کے لیے مٹی کا برتن اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور بعض اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ کسی جاندار کو تکلیف نہیں دیتے اور سبز گھاس بھی نہیں کاٹتے، نہ کسی چیز کو جلاتے ہیں اور نہ کھانا پکاتے ہیں، جب بھوکے ہوتے ہیں تو ہندوؤں کے گھروں میں جاتے ہیں، تھوڑی سی غذا جس میں جمالی یا جلالی حیوان کا گوشت نہ ہو، لے لیتے ہیں۔ جب کسی کے جسم سے گزر جانے کا وقت آتا ہے تو اس سے پوچھتے ہیں کہ آیا ہم لوگ تیرے جسم کو جلا دیں یا پانی میں ڈال دیں یا دفن کر دیں۔ ان میں سے جو وہ پسند کرتا ہے، اس پر عمل کرتے ہیں۔

ایک اور فرقہ دادو پنتھیوں کا ہے۔ دادو مارواڑ کے اضلاع میں نراینہ نامی ایک گاؤں کے ندافوں میں تھا۔ حضرت عرش آشیانی اکبر بادشاہ کے عہد میں اس نے درویشی اختیار کی اور ایک جماعت اس کی گرویدہ ہو گئی۔ اس نے اپنے پیروؤں کو بُت پرستی سے منع کیا اور جلالی حیوانات کا گوشت چھوڑنے کا حکم دیا اور جاندار کو تکلیف دینے سے احتراز کیا لیکن عورت اور بیوی کو چھوڑ دینے اور دنیاوی کاموں سے کنارہ کش ہونے کا حکم نہیں دیا بلکہ لوگوں کو ترک اور تعلق کے بارے میں اختیار دے دیا۔ اہلِ ترک اور اہل تعلق دونوں قسم کے لوگ اس کے مرید ہیں۔ جب ان میں سے کوئی آدمی مر جاتا ہے تو مُردہ کو چوپایہ پر سوار کرا کے جنگل میں چھوڑ دیتے ہیں کہ اب یہی بہتر ہے کہ درندے اور چوپائے اسے کھا کر آسودہ ہو جائیں۔

ایک فرقہ پیارا پنتھیوں کا ہے، جو بابا پیارا کی جانب منسوب ہے۔ یہ لوگ بھیک مانگنے کے وقت دکان اور گھر کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں، نہ کچھ بولتے ہیں اور نہ زبان سے طلب کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کچھ دے دیتا ہے تو قبول کر لیتے ہیں اور اگر نہیں دیتا تو چلے جاتے ہیں:

سوالِ بے زبان باشد بہ دیدہ شنیدہ کے بُود مانند دیدہ

(بے زبان کا سوال آنکھ کے ذریعہ ہوتا ہے اور سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی چیز کے مثل بھلا کب ہو سکتی ہے۔)

یہ لوگ مسلمانوں سے احتراز کرتے ہیں، حالانکہ خود کو مسلمان کہتے ہیں۔

ایک فرشتہ بشنوی ہے۔ یہ لوگ گوسائیں جانھا کے پیرو ہیں۔ جوگندر داس نے بیان کیا کہ اپنے پیر کو یہ لوگ جہاں نما کہتے تھے۔ ہندو اور مسلمانوں میں اس کے مریدوں نے بشنوی طریقہ اختیار کیا۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ جاندار کو تکلیف نہیں دیتے اور اپنے غیر مذہب والوں کے ساتھ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، کھانا نہیں کھاتے اور پانچ وقت مشرق کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ خدا کا نام اور فرشتوں اور پیغمبروں کے نام اس طور پر لیتے ہیں کہ اللہ، میکائیل، عزرائیل، جبرائیل، محمد ائیل وغیرہ۔ جب یہ لوگ مرتے ہیں تو زمین میں دفن کیے جاتے ہیں، اور جہاں تک ممکن ہے، مخلوق کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔ ان کے درویشوں میں سے ایک گروہ خود کو بیمار ظاہر کرتا ہے۔ یہ گدائی کرتے ہیں، بھیک سے جو کچھ جمع ہو جاتا ہے، اس کو لے جا کر اندھے اور مفلوج وغیرہ کو دے دیتے ہیں۔

ایک اور گروہ سورج مُکھیوں کا ہے یعنی آفتاب پرست۔ یہ لوگ اہلِ ہند کے قدماء میں سے ہیں اور دو فرقوں میں منقسم ہیں۔ ایک فرقہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ حضرت آفتاب بزرگ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو آتما اور بدھ یعنی روح اور عقل رکھتا ہے۔ ستاروں کا نور اور دنیا کی روشنی اسی کی ذات سے ہے۔ اشٹ بھوم لوک یعنی آٹھوں دنیائیں اور موجوداتِ سفلی کا وجود اسی کے نور کی بدولت ہے۔ وہ سرور پرب دیو یعنی فرشتوں کا سپہ سالار اور ان کا بادشاہ، فلک کا بادشاہ اور ستاروں کا بادشاہ ہے، وہ مہاجوت یعنی نیر اعظم اور ڈنڈوت اور نمسکار یعنی تعظیم اور سجود نیز استت اور ہوم یعنی دُعا اور دھونی کا مستحق ہے۔ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو پاک جسم کے ساتھ اس کے سامنے ہو جاتے ہیں اور نماز کے بعد ایک دُعا پڑھتے ہیں جس کے الفاظ اور ترجمہ حسبِ ذیل ہے: مہاجوت اوتم اودی نرسوادلوین ابار سو درشن ورشت میتھن مہا اوتار اوتم پرکاش پرتھی سمرن مہادا تا مکت سنگ آتمادات سریر جوت سواتما بدھ نات سرب جوت اتپ پرکاش پرم جوت اوپاسک سرگ داتا دیوسہا۔ یعنی تُو کیا روشن نور اور بلند روشنی رکھتا ہے۔ نگاہیں تیرے مشاہدے کی فرطِ لذت سے بہرہ مند ہیں۔ تُو ایسا نور ہے کہ نور الانوار کے مظاہر میں سے کوئی نور تجھ سے بالاتر نہیں۔ تیرے ہی لیے بزرگی اور پاکی ہے کیونکہ تُو خدا کا خلیفہ ہے۔ ہم سب تیری بخشش کے امیدوار ہیں اور تجھ ہی سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں تاکہ ہم تیری نایاب بخششوں سے آگاہ ہو جائیں۔ جب تیرے جسم کا یہ نور ہے تو پھر نفس ناطقہ اور عقلِ مجرد کی بزرگی، روشنی اور جلال کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ وہ نور جو تیری ذاتِ کریم سے بالا ہے اور جس نور کا تُو معلول اور مظہر ہے، تیری ہی بدولت وہ نور بزرگی اور تسبیح کے لائق ہے، ہم کو دنیا کی لذتوں کو ترک کرنے میں مدد دے اور نورانیت میں اپنی طرح بنا اور اپنی دنیا سے اتصال عطا کر۔ یقیناً لائق طالب وہی ہے جو ساری لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کرے اور تیری بابرکت ہمسائگی سے کامیاب ہو جائے۔ ہم نے ساری دنیاوی لذتوں کو ترک کیا تاکہ نورانیت میں تیرے مثل ہو جائیں اور تجھ تک پہنچ جائیں اور تیرے ساتھ رہیں۔''

دوسرے فرقے میں وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ کچھ سور لوک اور بھولوک یعنی عالمِ علوی و سفلی میں ہے، اس کا وجود حضرت نیر اعظم کے وجود کی بدولت ہے۔ ہم اس کو دیکھتے ہیں اور لوین یعنی آنکھ کو اس کے

بیدار کے ذریعہ پرکاشونت یعنی نورانی بتاتے یں اور سن نکری یعنی مجردات کو ہم سنتے ہیں۔ لہٰذا بدھوان یعنی عقل مند انسان دیکھی ہوئی چیز کو چھوڑ کر سُنی ہوئی چیز سے دل نہیں لگاتا، اس لیے آفتاب کی ذات کو ناتھ یعنی خدائے ہستی سمجھتے ہیں اور اس کی اُپاسنا یعنی پرستش کرتے ہیں۔ یہ دونوں فرقے حیوانوں کو تکلیف دینے سے باز رہتے ہیں اور اس کو جیتو دیا کہتے ہیں اور حسبِ استطاعت لوگوں کے ساتھ نیکی کرتے ہیں۔ اس کو پُن و دان کہتے ہیں۔ جھوٹ اور فسق و فجور سے دور رہتے ہیں اور اس کو دھرم مارگ کہتے ہیں۔ ان میں سے گرہست یعنی تعلقات والے ایک اِستری یعنی عورت سے زیادہ کی خواہش نہیں کرتے اور آفتاب کی شکل کئی قسم کی بناتے ہیں اور اس کو دیان مورت کہتے ہیں لیکن پہلے فرقہ کے اندر کچھ لوگ ہیں جو اس فرقہ کے پنڈتوں یعنی علماء میں سے ہیں، اور کاس، کرہ ہا اور تارہ پھل یعنی فلک، نجوم اور جو احکام ان کی جانب منسوب ہیں، ان کے قائل ہیں اور بیدانک یعنی طب کے قوانین کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ نیز بدھ یعنی عقل اور آہرنا یعنی فکر وغور کی تعظیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فکر سن کیان یعنی معقول اور ساودھان یعنی محسوس کے درمیان ثالث ہے، اس لیے کہ صورتیں محسوسات ہیں اور حقائق معقولات ہیں، ان کے اوپر بدھ اور آہرنا یعنی فکر وارد ہوتی ہے اور فکر کی تعیین سموہ یعنی علم محسوس اور علم معقول دونوں کا مرکز ہے اور یہ جیتا لوک کو معلوم ہے یعنی وہ لوگ جو دونوں عالم کا ادراک کرتے ہیں۔

درویشوں کا ایک گروہ ہے جو تپیا یعنی ریاضت بہت کرتا ہے اور بڑی ریاضتوں اور سخت مشقتوں سے بھرم یعنی وہم کو اپنے سے دور کر دیتا ہے تاکہ کبھی خواب کی حالت میں ان کو احتلام نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ خواب میں احتلام وہم کے تصرف کی وجہ سے ہے اور بُری نظر کہ وہ بھی وہم کے تصرف کی وجہ سے ہے، ان کے اوپر کوئی اثر نہیں کرتی۔ یہ لوگ دیوار کے اوپر اور ایسی جگہ جہاں قدم رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی، بڑے اطمینان سے چلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بات وہم کے غلبہ کی وجہ سے ہے کہ وہ دیوار جو برابر قدم رکھنے کی جگہ تھی، اس پر سے چلنے والا گر جاتا ہے۔ یہ لوگ ورشا یعنی پانی برسانے پر قادر ہوتے ہیں اور میگھ وندھن یعنی بارش روکنے کا بھی عمل کرتے ہیں۔ بس کرن کر سکتے ہیں یعنی جس پر توجہ ڈالتے ہیں، اس کو اپنا رام بنا لیتے ہیں۔ اگم یعنی غیب کی باتوں کی خبر دیتے ہیں۔ یہ لوگ انتر جامی ہیں یعنی دلوں کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ ہوتے ہیں اور دوستوں کے دلوں کی پوشیدہ اچھی بری بات اور حوادثاتِ عالم کی خبر دیتے ہیں۔ ان کے دلوں کے آئینہ پر جوت منڈل یعنی عالمِ نور سے انوارِ اسرار تجلی کرتے ہیں۔ جب کوئی افسوسناک واقعہ رونما ہوتا ہے تو ریاضت کرنے والے چند لوگ جمع ہوتے ہیں اور تمربرن یعنی قاہر العشق کے آگے بیٹھتے ہیں اور اس کو دفع کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو وہ مصیبت دور ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اچرج یعنی عجیب وغریب آثار ظاہر کرتے ہیں اور دن رات آنکھیں بند رکھتے اور تفکر کرتے ہیں۔ اس کو دھیان کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں محسوسات میں مشغول نہیں ہوتے اور اسے تیاگ کہتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو استری یعنی عورت اور بیوی سے دور رہتا ہے، ان کو جتی کہتے ہیں۔ ایک اور گروہ ہے جو ترکِ تعلق کے ساتھ تعلق والوں سے میل جول نہیں رکھتا اور ان سے بجز تھوڑی تاثیر غذا کے کچھ قبول نہیں

کرتا۔ ان کو بیراگی اور اوداسی کہتے ہیں۔ ایک وہ گروہ ہے جو جنگل اور پہاڑ میں گذر بسر کرتا ہے اور صرف میوہ جات پر راضی رہتا ہے۔ جنگلی جانور اُن کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ اس گروہ کو بن باسی کہتے ہیں۔ ان کے تعلق والے کے گھر میں اگر کوئی لڑکا پیدا ہوتا ہے یا خوشی اور شادمانی ظاہر ہوتی ہے تو لوگ اس کو مبارک باد دینے نہیں جاتے اور اگر غم کی بات پیش آتی ہے یا کسی عزیز کی موت آ جاتی ہے تو غمگین نہیں ہوتے اور ماتم نہیں کرتے۔ نسل پیدا کرنے کی رغبت کو اور کھانے پینے سے لذت پانے کو جس قدر ناگزیر ہے، حلال سمجھتے ہیں، اور باقی کو حرام خیال کرتے ہیں۔ اور جو شخص اس سے زیادہ کا طالب ہوتا ہے، اس سے احتراز کرتے ہیں۔ اس فرقہ کو گرہست کہتے ہیں۔ آوت جوت جو ایک کامل بزرگ ہے، اس فرقہ کے بارے میں جو کچھ بیان کیا کرتا تھا، اگر یہ مصنف ان سب کو لکھنا چاہے تو کئی دفتروں میں بھی وہ تمام نہیں ہوسکتا۔

کلنگ کے اطراف میں پہاڑی علاقوں میں ایک جماعت ہے جن کو سوروار کہتے ہیں اور ایک دوسرا گروہ ہے جو گونڈوار کے نام سے موسوم ہے۔ یہ لوگ کسی کو لگان نہیں دیتے اور آفتاب کی پرستش کرتے ہیں۔ سادگی کی بنا پر کانسہ اور پیتل کو بدبو کی وجہ سے سونے پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے مَردوں میں سے بعض لوگ کسی اجنبی کو پکڑ کے مار ڈالتے ہیں۔ اُن کا رئیس جس کو گونڈ کہتے ہیں، زمین پر بیٹھتا ہے اور کم درجہ والے لوگ چارپائیوں پر۔ وجہ یہ بتاتے ہیں کہ رئیس زمین کا مالک ہے، اس لیے زمین پر بیٹھے، باقی لوگ زمین کے مالک نہیں ہیں۔

ایک اور فرقہ چندر بھگتان یعنی ماہتاب پرست کا ہے۔ یہ لوگ چاند کو فرشتہ سمجھتے ہیں اور اسے مقرب فرشتہ جان کر شیوا یعنی تعظیم و عبادت کا مستحق خیال کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ عالم سفلی کا انتظام اسی کے سپرد ہے اور اس سیارہ کی روشنی کی زیادتی اور کمی سے رات اور دن کے اوقات جانے جاسکتے ہیں۔ آفتاب کے بعد وہ سب سے بڑا معلم ہے، اور آفتاب سے وہ روشنی حاصل کرتا ہے چنانچہ اس کے توسط سے آفتاب تک رسائی ہوسکتی ہے۔ یہ لوگ چاند کی شکل بناتے ہیں اور اس کی پرستش کرتے ہیں اور اسی کو قبلہ سمجھتے ہیں۔ کسی حیوان کے گوشت سے ہاتھوں کو آلودہ نہیں کرتے اور جاندار کو تکلیف نہیں دیتے۔ بعض دوسرے گروہ ہیں جو دوسرے ستاروں کی پرستش کرتے ہیں۔

ایک اور فرقہ اگن بھگتان یعنی آتش پرست کا ہے، سب سے بزرگ و برتر آگ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات ہے جو آفتاب ہے اس کو پرم اگن کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسرے ستارے بھی اس کی روشنی سے پیدا ہوئے۔ عالم سفلی کی آگ بھی اسی کا پرتو ہے، اسی لیے آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس کے توسط سے آفتاب تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔

ایک اور فرقہ ہے پون بھگتان یعنی ہوا پرست کا۔ ان کا قول ہے کہ موجودِ حقیقی ہوا ہے، وہ نفسِ ناطقہ کو بھی ہوا سمجھتے ہیں۔

ایک اور فرقہ جل بھگتان یعنی پانی کی پرستش کرنے والوں کا ہے۔ ان کا قول ہے کہ موجودِ حقیقی سے

مراد پانی ہے، اسی لیے یہ لوگ دریاؤں اور نہروں کی تعظیم کرتے ہیں۔

ایک اور فرقہ پرتھوی بھگتان یعنی زمین کی پرستش کرنے والوں کا ہے، یہ لوگ زمین کو موجودِ حقیقی سمجھتے ہیں اور اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ بچھڑا بناتے ہیں، اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

ایک اور فرقہ ہے جو موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات اور حیوانات) کو پوجتا ہے، ان کو ترپوجا کہتے ہیں۔ ان موالید میں سے جو اچھی چیز ان کو نظر آ جاتی ہے، اس کی پرستش کرتے ہیں۔

ایک اور فرقہ ہے مانش بھگتان یعنی انسان پرست کا۔ یہ لوگ انسان کو ذات حق سمجھتے ہیں اور انسان سے زیادہ کامل کسی موجود کو نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک کوئی انسان بُرا نہیں ہوتا۔

ایک اور گروہ ہے جو کاشیال میں جو کشمیر کے مضافات میں ہے، رہتا ہے، یہ لوگ بُت کی پرستش کرتے ہیں اور بیٹا اپنے باپ کی دولت اور اپنی دولت کو اپنے بیٹے کے لیے چھوڑ دیتا ہے، اس حد تک کہ اس دولت کا ایندھن باپ کو مرنے کے بعد جلا سکے۔ جب ان میں سے کوئی مر جاتا ہے تو ایک حجام گھر کے اندر مردہ کے سامنے جاتا ہے اور وہاں سے خبر لاتا ہے کہ مردہ کہتا ہے کہ فلاں چیز پکائیں اور لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہ مجلس کئی روز تک قائم رہتی ہے۔ اس کے بعد مردہ کو جلا دیتے ہیں، جلانے کے بعد اس کی راکھ پر پتھر کی ایک شکل بناتے ہیں جس کا نصف چہرہ مردانہ اور دوسرا نصف زنانہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس کا کوئی بیٹا باقی نہیں رہتا تو اس کی بیوی کا عقد گھر کے ستون سے کر دیتے ہیں اور جو شخص تعزیت کے لیے آتا ہے، وہ اس کی بیوی سے صحبت کرتا ہے تاکہ کوئی لڑکا پیدا ہو جائے۔ اس کے بعد میراث اسی لڑکے کو دے دیتے ہیں۔ یہ لوگ جانوروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔

ایک اور گروہ کشمیر کے پہاڑی علاقوں میں رہتا ہے، جس کو درو کہتے ہیں۔ اس فرقہ کے اندر عام رواج ہے کہ سب بھائی ایک عورت سے شادی کرتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گھر اور زمین کو مع بیوی بچہ کے بیچ ڈالتے ہیں۔ جو شخص وہ گھر خریدتا ہے، بیوی بچہ سب اس کے ہو جاتے ہیں اور بیوی کو رہن رکھ دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض مسلمان بھی ہو گئے ہیں، لیکن اس رواج کو نہیں چھوڑتے۔ یہ لوگ بھی جانوروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔

ایک اور فرقہ ہندوستان میں ہے جس کو دہید کہتے ہیں اور یہ ذلیل ترین قوم ہے۔ یہ لوگ انسان سے سوا جو کچھ پاتے ہیں، کھا ڈالتے ہیں اور آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں۔ ایک روز ضلع کلنگ کے ایک گاؤں میں جو اوڑیسہ کے قریب واقع ہے، اس کتاب کے مصنف نے ان میں سے ایک شخص جس کا نام ناکا تھا، پوچھا کہ بہترین لوگ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا دہید اور کہا کہ جب دہید بدن چھوڑتے ہیں تو خدا سے مل جاتے ہیں اور اگر برہمن مرتا ہے تو گائے بن جاتا ہے۔ اگر مسلمان مرتا ہے تو نباتات سے متصل ہو جاتا ہے۔ مصنف نے اس سے کہا کہ یہ سب دہید اللہ تعالیٰ کے نزدیک محترم ہیں تو کیوں گائے، گھوڑے اور چوہے وغیرہ کا گوشت جو بھی ملے کھا لیتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اس گروہ کو اس قدر دوست رکھتا ہے کہ اس نے

حکم دے دیا ہے کہ جو چیز بھی پائیں کھالیں۔

علاوہ ازیں ہندوستان میں ایک طبقہ ہے جس کو چوہڑا کہتے ہیں۔ آج کل ہندوستان میں یہ حلال خور اور خاکروب کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا پیشہ گھروں کے صحن کو صاف کرنا اور نجاست کی جگہوں کو پاک کرنا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پیر کا نام شاہ جونہ ہے، اس کے ہاتھ میں سونے کی جھاڑو ہے اور چاندی کی ٹوکری، اور عرش کے اوپر خدا کے بیت الخلا کو صاف کرتا ہے اور خدا کے گھر کے صحن میں جھاڑو لگاتا ہے۔ یہ طبقہ بھی دہید کی طرح سب چیزوں کو کھاتا ہے۔

نانک[1] پنتھیان جو گروہِ سکھان مشہور ہیں، بُت اور بُت خانہ پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ نانک بیدیوں میں ہے اور بیدی کھتریوں میں ایک طبقہ ہے۔ حضرت فردوس مکانی ظہیر الدین بابر بادشاہ کے عہد میں نانک نے شہرت پائی۔ افغانوں پر فردوس مکانی کی فتح سے پہلے، وہ دولت خاں لودھی کا جو ابراہیم خاں لودھی فرماں روائے ہندوستان کے امرائے کبار میں سے تھا، مودی تھا۔ مودی وہ شخص ہے جس کے ہاتھ میں غلّہ ہوتا ہے۔ ایک دن کوئی درویش نانک کے پاس آیا اور اس کے دل پر ایسا تصرف کیا کہ نانک نے دکان میں اور گھر جا کر اپنا اور دولت خاں کا جو کچھ غلہ تھا، سب لٹا دیا اور بیوی اور بچہ کے تعلق سے ہاتھ کھینچ لیا۔ دولت خاں یہ سن کر حیران ہو گیا لیکن جب نانک کے اندر درویشی کا اثر پایا تو اس کو ستانے سے باز رہا۔ غرض نانک نے سخت ریاضتیں کر کے پہلے غذا کم کی۔ کچھ دنوں کے بعد فقط تھوڑا سا گائے کا دودھ پینے پر اکتفا کی، اس کے بعد صرف گھی پر اور پھر محض پانی پر۔ بعد ازاں ہوا کھاتا تھا۔ ایسے شخص کو ہندی میں پون اہاری کہتے ہیں۔ چند لوگ اس کے مرید بھی ہو گئے۔

نانک توحیدِ باری کا اور ان باتوں کا جو شریعتِ محمدی میں بیان کی گئی ہیں، قائل تھا اور تناسخ کا بھی عقیدہ رکھتا تھا۔ شراب اور سور کے گوشت کو حرام سمجھ کر حیوانوں کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا اور حیوانوں کو تکلیف دینے سے احتراز کا حکم دیتا تھا۔ گوشت خوری اس کے انتقال کے بعد اس کے مریدوں میں پھیلی۔ ارجن مل نے جو اس کے بالواسطہ خلفاء میں سے تھا، جب اس کی برائی کو سمجھا تو لوگوں کو حیوانوں کا گوشت کھانے سے منع کیا اور کہا کہ یہ عمل نانک کو پسند نہیں۔ آخر کار ارجن مل کے بیٹے ہرگوبند نے گوشت کھایا اور شکار کھیلا۔ ان کے اکثر مریدوں نے اسی کا طریقہ اختیار کر لیا۔ نانک جس طرح مسلمانوں کی تعریف کرتا تھا، اسی طرح ہندوؤں کے اوتاروں اور دیوتاؤں اور دیویوں کی بھی تعریف کرتا تھا، لیکن ان سب کو مخلوق سمجھتا تھا، نہ کہ خالق اور حلول و اتحاد کا منکر تھا۔ کہتے ہیں کہ نانک کے ہاتھ میں مسلمانوں کی تسبیح تھی اور گردن میں زنار۔ اس کے مرید اس کی اس قدر کرامات کا ذکر کرتے ہیں جن کے بیان کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

ان کرامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ نانک نے افغانوں سے دلگیر ہو کر مغلوں کو بلا کر ان پر مسلط کر

---

[1] گورونانک پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ وہ زندگی بھر "ایک رب کی پوجا کے ساتھ ساتھ انسانی خدمت، محبت اور ایمان کا پرچار کرتے رہے۔" اُردو زبان میں ایک عمدہ کتاب "گورونانک" پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ نے ۱۹۷۵ء میں شائع کی ہے۔ یہ کتاب دراصل ہربنس سنگھ کی انگریزی کتاب کا اُردو ترجمہ ہے، جو محمد حسن کے قلم سے ہے۔ (ایڈیٹر)

دیا۔ چنانچہ ۹۳۲ھ (۱۵۲۵ء) میں حضرت فردوس مکانی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کو ابراہیم افغان پر فتح حاصل ہوئی۔ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ نانک نے اپنے ایک سفر میں ایک رات کسی قلعہ میں گزاری اور حق تعالیٰ کے دیدار میں محو ہو گیا۔ وہاں پر بچے کھیل رہے تھے اور انہوں نے ہر چند اس کے جسم کو ہاتھ سے ہلایا لیکن اس میں حرکت ظاہر نہ ہوئی، تب انہوں نے اس کی آنکھ، ناک اور کان کے سوراخوں کو سی دیا اور اس کا ہاتھ مضبوطی سے باندھ دیا۔ جب نانک ہوش و حواس میں آیا تو اپنے آپ کو اس حال میں دیکھ کر ایک گھر کی طرف چلا اور جب گھر کے دروازے پر پہنچا تو آواز دی کہ آیا کوئی شخص گھر کے اندر ہے جو میرے سلے ہوئے سوراخوں اور ہاتھوں کو کھول دے۔ ایک حسین عورت نے اس کو گھر کے اندر لے جا کر اس کے ہاتھوں کو اور جو سوراخ بند تھے، ان کو بھی کھول دیا۔ بابا نانک کی آنکھوں سے دھاگا اپنے دانت سے توڑا، لہٰذا عورت کے قشقہ کا رنگ نانک کی پیشانی پر لگ گیا اور عورت کا تلک یعنی قشقہ بگڑ گیا۔ جب نانک اس کے گھر سے باہر نکلا اور پڑوس والوں نے اس کی حالت کو دیکھا تو انہوں نے نانک کے متعلق بیجا گمان کیے، لہٰذا عورت اپنی قوم میں بدنام ہو گئی اور شوہر کو اس سے نفرت پیدا ہو گئی۔

ایک روز عورت نانک کے پاس آئی اور کہا کہ میں نے خدا کی راہ میں تیری خدمت انجام دی تھی اور اب لوگ مجھ پر تہمت لگاتے ہیں۔ نانک نے کہا کہ کل قلعہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، اس کے بعد جب تک تو ہاتھ نہ لگائے گی، دروازہ نہ کھلے گا۔ دوسرے دن ہر چند لوگوں نے قلعہ کا دروازہ کھولنا چاہا، لیکن نہ کھلا اور لوگ پریشان ہو گئے کیونکہ وہ اونچی جگہ اور پانی سے دُور مقام پر تھا۔ چار پائے بھی باہر نہ جا سکے، اس کے بعد قلعہ میں رہنے والے ان لوگوں کے پاس گئے جن کو وہ نیکوکار سمجھتے تھے، لیکن بند دروازہ ان کی دُعا سے بھی نہ کھلا، یہاں تک کہ ان کا گزر نانک کے پاس سے ہوا تو اس سے کہا کہ اے درویش! اس مشکل کا کیا علاج ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ دروازہ صرف اس عورت کے ہاتھ سے کھلے گا جس نے کسی غیر آدمی کے ساتھ ناجائز کام نہ کیا ہو۔ اب قلعہ کے لوگ جن عورتوں کو نیک اور پرہیزگار سمجھتے تھے، انہیں قلعہ کے دروازہ پر لے گئے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ جو بھی عورت قلعہ کے اندر تھی، اس نے دروازے میں ہاتھ لگایا، لیکن کچھ بھی سود مند ثابت نہ ہوا، سب مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ نمازِ عصر کے وقت بابا نانک کی عقیدتمند عورت آئی۔ سب لوگ اس کو دیکھ کر ہنسنے لگے، اس کا شوہر اور رشتہ دار شرمندہ ہو کر اس کو ملامت کرنے لگے۔ عورت نے لوگوں کی باتوں پر توجہ نہ کی اور دروازے کی زنجیر پر ہاتھ مار کر اسے کھینچا تو بند دروازہ کھل گیا۔ یہ دیکھ کر لوگ تعجب میں پڑ گئے اور عورت کے قدموں میں گر پڑے۔ نانک کی بانی یعنی اشعار سب کے سب مناجات اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہیں اور زیادہ تر ان کے بیانات خدا کی بزرگی اور اس کی پاکیزگی کے بارے میں ہیں اور وہ سب پنجاب کے جاٹ لوگوں کی زبان میں ہیں۔ جاٹ پنجابی زبان میں دیہاتی اور دہقانی کو کہتے ہیں۔ اس کے مریدوں کو سنسکرت زبان میں کوئی دسترس نہیں ہوتی۔ جو قواعد اور قوانین نانک نے پیش کیے، وہ اس کے بعد بیان کیے جائیں گے۔

نانک نے اپنے اشعار میں کہا ہے کہ آسمان اور زمینیں بہت سی ہیں اور انبیاء، اولیاء، اوتاروں اور پارساؤں نے خدا کی بندگی کی وجہ سے کمال حاصل کیا ہے۔ جو شخص اس کی عبادت میں کوشش کرتا ہے، وہ جس راہ سے چاہتا ہے، خدا کا مقرب بن جاتا ہے۔ خدا سے تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ جانداروں کو نہ ستانا ہے:

راستی آور کہ شوی رستگار راستی از تو ظفر از کردگار

(سچائی اختیار کر تاکہ تو آزاد ہو جائے۔ سچائی تیری طرف سے ہوگی، تو کامیابی خدا کی طرف سے آئے گی۔)

نانک کی اولاد پنجاب میں ہے، جن کو کرتاری کہتے ہیں، لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خلافت نانک کے لڑکوں کو نہیں ملی۔ ان کا قول ہے کہ نانک کے بعد اس کے حکم سے گرو انگد جو کھتریوں میں سے تھا نانک کا جانشین ہوا۔ اس کے بعد گرو امرداس جو بھلائی کھتری قوم سے تھا، اس کا جانشین ہوا۔ بعد ازاں گرو رام داس جو سوڈھی کھتریوں میں سے تھا، اس کی جگہ بیٹھا، اس کو سری گرو بھی کہتے ہیں۔ رام داس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ارجن مل باپ کی جگہ بیٹھا۔ اس کے زمانے میں سکھ (یعنی اس کے مرید) بہت ہو گئے اور عقیدے میں غلو کیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ بابا نانک ایک خدا ہے اور دنیا اس کی پیدا کی ہوئی ہے۔ حالانکہ بابا نانک نے اپنے اشعار میں خود کو بندہ شمار کیا ہے اور خدا کو نرانجن، پار برہم اور پرمیشر کہا ہے جو جسم اور جسمانیت نہیں رکھتا اور نہ جسم سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔ سکھ کہتے ہیں کہ بابا نانک بھی اسی طرح تھا اور جسم نہیں رکھتا تھا، محض اپنی قدرت سے ہم کو نظر آتا تھا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جب نانک کا انتقال ہوا تو وہ گرو انگد کے اندر جو اس کا مقرب خادم تھا، حلول کر گیا اور انگد سے مراد نانک ہی ہے۔ اس کے بعد گرو انگد انتقال کے وقت امرداس کے جسم میں مذکورہ طریقے پر اتر آیا اور اسی طور سے اس نے رام داس کے جسم میں جگہ لی اور رامداس اسی انداز پر گرو ارجن مل کے اندر پیوست ہو گیا۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک محل نام رکھا۔ پہلا محل نانک اور دوسرا محل انگد، اسی طریقے سے پانچویں محل تک جو ارجن مل ہے اور کہتے ہیں کہ جو شخص ارجن مل کو بعینہ بابا نانک نہیں سمجھتا، وہ مرنگہ یعنی کافر ہے۔

ان کے یہاں بہت سی داستانیں ہیں، کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں بابا نانک راجہ جنک تھا۔ جب بیاس رکھشیر کا بیٹا سکھدیو تلاشِ حق کے لیے اس کے پاس آیا تو راجہ کو اس حال میں پایا کہ اس نے ایک پاؤں آگ میں ڈال رکھا تھا اور لوگ کیا سوار کیا پیدل صف باندھے کھڑے تھے۔ نواب اور وزراء حکومت کے معاملات میں مشغول تھے اور ہاتھی اور گھوڑے نظر کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ سکھدیو کے دل میں خیال گزرا کہ ایسے کامل کے لیے دنیاوی چیزوں سے تعلق اور دلچسپی نامناسب ہے۔ راجہ جو دلوں کا حال جانتا تھا، اس کو پتہ چل گیا اور اس نے فوراً اپنی قدرت سے ایک شعبدہ پیدا کیا کہ گھروں میں آگ لگ گئی یہاں تک کہ سارے گھوڑے اور مکانات بالکل جل گئے۔ راجہ یہ سب سنتا تھا اور دیکھ رہا تھا لیکن اس کی طرف مطلق متوجہ نہیں ہوتا تھا، حتیٰ کہ آگ اس جگہ تک پہنچ گئی جہاں راجہ اور سکھدیو بیٹھے تھے۔ راجہ نے اس طرف نگاہ بھی نہ ڈالی۔

سکھدیو کے پاس پانی پینے کے لیے ایک لکڑی کا پیالہ تھا، جسے کرمنڈل کہتے ہیں، اس میں آگ لگ گئی۔ سکھدیو نے بیتابی سے جھپٹ کر کرمنڈل کو اٹھا لیا۔ راجہ نے ہنس کر سکھدیو سے کہا کہ یہ سب سامان و اسباب وغیرہ جن کا میں مالک تھا، جل گئے اور میرا دل اس میں نہیں لگا اور مجھے کسی قسم کا ملال نہ ہوا اور تو کرمنڈل کے لیے ایسی بے تابی سے جھپٹا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم میں سے کس کو دنیوی مال و دولت سے دل چسپی ہے۔ اس کے بعد سکھدیو اپنی بری حالت سے تائب ہو گیا۔ یہ حکایت گرو نانک کے پیرو سکھوں سے سنی گئی ہے۔

راجہ جنک اور سکھدیو کے حالات کی حقیقت جوگ بششٹ میں جو ہندوؤں کی معتبر کتابوں میں سے ہے، اس طور پر لکھی ہوئی ہے کہ بسوامتر نے رکھشیروں کے سامنے رام چندر کو مخاطب کر کے کہا: اے رام چندر! ان ماں باپ پر رحمت ہو جن سے تجھ جیسا بہترین انسان پیدا ہوا۔ تو نے اپنا کام تمام کیا اور ذاتی لطافت اور صفائے باطن کی وجہ سے تو نے اپنے دل کے آئینہ کو اس طرح صاف کر لیا اور روشن بنا لیا ہے کہ اس کے اندر جمالِ حقیقت کا نمایاں طور پر مشاہدہ ہوتا ہے اور وہ نسبت جو مرید اور طالب کو بڑی مشقت و ریاضت اور رکھشیروں کے ارشاد و تلقین کے بعد مدت دراز میں میسر ہوتی ہے، وہ تجھ کو بلا واسطہ حاصل ہو گئی اور تو نے ضروری باتوں کو جان لیا۔ اور جیون مکت کے لیے تیار ہو گیا۔ مثل سکھدیو پسر بیاس کے، جو اپنی فطری صفائی اور پیدائشی فطرت کے کمال کی وجہ سے اپنی ماں کے پیٹ سے گیان یعنی معرفت کی نسبت حاصل کر کے عالم وجود میں آیا اور بلا واسطہ کمال حاصل کیا تھا اور اپنی عقل کی صفائی کی وجہ سے اگرچہ حقیقت کے اسرار سے آگاہ ہو گیا تھا اور راہِ سلوک میں کوئی حجاب اور پردہ باقی نہیں رہا، لیکن اس نسبت کے باوجود رکھشیروں اور کامل بزرگوں سے حقائق کے متعلق دریافت کرتا تھا، چنانچہ ان رکھشیروں یعنی پرہیزگاروں نے اس کو ارشاد و تلقین کیا۔ یعنی نصیحت اور ہدایت کی۔ اس طرح میں تجھ کو ہدایت کروں گا اور معرفت کی تلقین کروں گا۔ رام چندر نے بسوامتر سے کہا کہ سکھدیو جو معرفت کی نسبت ماں کے پیٹ سے اس طور پر لایا تھا اور فطرۃ حد کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ میری گزارش ہے کہ مجھ سے اس کا حال بیان کیجیے اور بتلائیے کہ باوجود اس نسبت کے وہ کس طرح معرفت کی تلقین کا محتاج ہوا اور رکھشیروں نے اسے کیونکر ہدایت کی اور معرفت کی تلقین کی۔ بسوامتر نے جواب دیا کہ اے رام چندر! جان لے کہ تیرا حال فرخندہ مآل بعینہٖ سکھدیو کے حال کی طرح ہے اور بندگی اور کمال میں سکھدیو کی واقعی یہ حالت تھی کہ اس کی داستان اور سرگزشت سننے کے بعد لوگ آزاد ہو جاتے ہیں اور دوبارہ دنیا میں نہیں آتے اور پیدا نہیں ہوتے۔ اے رام چندر! اس کو بھی یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ کسی حالت میں یہ دنیا اعتبار کے قابل نہیں ہے اور جو چیز بھی نظر آتی ہے، اس میں ہر وقت تغیر پیدا ہوتا رہتا ہے۔ وہ ایک حال سے دوسرے حال میں بدلتی رہتی ہے۔ ایک شخص پیدا ہوتا ہے اور دنیا میں آتا ہے اور دوسرا مرتا ہے اور اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ ایک آدمی تکلیف اور دکھ میں ہے اور دوسرا عیش و آرام میں ہے۔ ایک شخص خوش و خرم ہے اور دوسرا غمگین۔ غرض جو شخص اور جو چیز بھی دنیا میں ہے، اس کے حالات مختلف ہیں۔ کسی میں بقا اور ثبات کا مطلق نشان نہیں اور وہ دل لگانے کے لائق نہیں۔ البتہ وہ ذات جو باقی اور دائمی ہوتی ہے، وہ اس قابل ہے کہ کوئی اس سے

دل لگائے اور اس پر اعتبار کرے اور ہمیشہ اس کا دھیان یعنی تصور کرے اور برابر مراقبہ میں اس کو یاد کرے۔ ایسی باقی اور دائمی ذات سوائے برہم یعنی ہستی مطلق کی ذات پاک اور خدا کی ہستی محض کے سوا کوئی اور نہیں۔ جب کسی نے اپنی توجہ برہم کی ذات کے تصور میں لگا دی تو اس کے بعد اس کو پہچان لیا اور نفسانی خواہشات اور جسمانی لذتوں کو جو زبردست قید ہیں اور جاندار اس میں گرفتار ہو جاتا ہے، ان کو یکبارگی ترک کر دیا اور جس طرح پپیہا نامی پرندہ جو اس پانی کا عاشق ہے جو ابرِ نیسان سے برستا ہے اور دوسرے موسم کے کسی پانی اور کسی دریا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور صرف ابرِ نیسان سے بارش کے قطرۂ آب کا طلبگار ہوتا ہے، اسی طرح وہ شخص برہم کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ سکھدیو نے خود کو ساری خواہشات اور آرزوؤں سے آزاد کر لیا تھا اور ہمیشہ ذاتِ برہم کے دھیان اور مراقبہ میں رہتا تھا اور اپنی ہستی کو حق تعالیٰ کی ذاتِ باقی میں فنا کر دیا تھا۔ برہم کی معرفت اور ہستی مطلق کی دریافت سے اس کو آرام وسکون مل گیا اور جب وہ صاحبِ کمال ہو گیا تو دوسرے کامل بزرگوں کی طرح اپنے دل کی مراد پا گیا اور چودھویں کے چاند کی روشنی سے زیادہ روشن دل کے ساتھ اپنے اوقات گزارتا رہا اور بالا رواحِ عرشیُون و بالا بدانِ فرشیُون (ان کی روحیں عرش پر ہوتی ہیں اور جسم فرشِ زمین پر) کے حکم کے مطابق اس دنیا میں رہتا۔

ایک روز سکھدیو کا گزر سیر وسیاحت کے درمیان سمیر پربت پر ہوا جو ایک پہاڑ ہے یعنی کوہِ البرز جسے عربی زبان میں کوہِ قاف کہتے ہیں۔ جب وہ اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا تو اپنے باپ بیاس کو دیکھا کہ پہاڑ کے ایک درہ میں ذاتِ برہم کے دھیان اور ہستی مطلق کی یاد اور مراقبہ میں مشغول ہے۔ اس نے باپ کی تعظیم کی اور جب ڈنڈوت اور رسم پوجا یعنی نماز پڑھنے اور پرستش کرنے سے اس نے فراغت پائی تو اس سے درخواست کی کہ اے پدرِ بزرگوار اور اے گیانی یعنی صاحبِ علم ومعرفت! مجھ سے حقیقتِ حال بیان کر کہ یہ عالم کس طرح حق تعالیٰ کی یگانگی سے بیگانگی میں اور اس ذات کی وحدت سے کثرت میں آتا ہے اور دنیا کی آفرینش کس طرح ظہور پذیر ہوتی ہے اور یہ کتنے عرصہ باقی رہے گی اور کون سی چیزیں اس کے باقی رہنے کا سبب ہیں اور اس کے باقی رہنے کی مدت کتنی ہے، تاکہ میں اس دنیا کی حالت اور حقیقت سے کماحقہٗ آگاہ ہو جاؤں اور اس کی ظاہری اور پوشیدہ باتوں کو جان لوں۔

بیاس نے بیٹے کی درخواست کے مطابق آفرینش کا حال بیان کیا اور اس کی ابتداء کے بارے میں بتایا۔ چونکہ بیاس کا دل تصور اور تفکر میں لگا تھا اور برہم کے دھیان میں مشغول تھا، اس لیے اس نے سکھدیو سے دنیا کی آفرینش اور اس کی ابتدا کو مختصر طور سے بیان کیا، اس کی تفصیل کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ اس بیان سے سکھدیو کو سکونِ قلب حاصل نہ ہوا اور اس نے پسند نہ کیا۔ بیاس نے جان لیا کہ اس کا کیا مقصد ہے، لہٰذا اس سے کہا کہ اے بیٹے! میرا دل حق تعالیٰ کے دھیان اور مراقبہ میں مجھ کو مشغول رکھتا ہے اور جس انداز سے تو عالم کے آغاز کا بیان شرح وبسط سے چاہتا ہے، اس کے لیے میرے پاس وقت کافی نہیں ہے اور مجھے اس کی فرصت نہیں، لیکن میں تجھ کو اس جگہ کا پتہ دے رہا ہوں جہاں سے تجھے سکونِ قلب حاصل ہو جائے گا اور میں تجھے اس

شخص کے پاس بھیجتا ہوں، جس سے تیرا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ سن لے کہ ترہت کے علاقہ میں ایک شہر ہے جس کا نام میتھلا نگر ہے، اس شہر کے راجہ کا نام جنک ہے۔ وہ راجہ صاحبِ کمال اور اپنے وقت کا بے نظیر عارف ہے۔ اس کے پاس جا اور اس سے اپنا مقصد بیان کر، وہ تجھ کو آفرینشِ عالم کے حالات شروع سے آخر تک تفصیل سے سمجھا دے گا اور دنیا کی بقا اور ثبات کی مدت سے آگاہ کر دے گا۔ سکھدیو اپنے والدِ بزرگوار کے حکم کے مطابق اس کے پاس سے باہر نکل کر ترہت کے لیے روانہ ہو کر شہر میتھلا نگر میں پہنچا اور دیکھا کہ وہ ایک آباد اور معمور شہر ہے اور فوج اور رعایا راجہ سے خوش دل، خوشحال اور راضی ہیں۔ اس کے دور میں کسی کو کسی طرح زمانے کی شکایت نہیں اور چونکہ ناوقت ہو گیا تھا، اس لیے سکھدیو نے ایک گوشہ میں رات گزاری۔ جب دن نکلا تو خود کو راجہ جنک کے دربار میں پہنچایا۔ وہاں پاسبانوں نے دیکھا کہ سکھدیو تپسوی یعنی عابد مرتاض پسِ بیاس جو خود تپسوی اور مرتاض ہے، آ کر دروازے پر کھڑا ہے اور باریابی چاہتا ہے۔ راجہ جنک نے صفائے قلب اور روشن ضمیری کی بنا پر قبل اس کے کہ لوگ خبر پہنچائیں، اس کے حال کو معلوم کر لیا اور اس کے دل کا مقصد سمجھ لیا تھا۔ اس نے اس کے حال کا امتحان لینے کے لیے اور آہنکار یعنی خودی و انانیت کی حقیقت کی آزمائش کے لیے سنی ہوئی بات پر دھیان نہیں دیا اور بالکل متوجہ نہ ہوا۔ چنانچہ اس دن اور اس رات تک سکھدیو جس جگہ آ کر کھڑا ہوا تھا، وہیں پر کھڑا رہ گیا۔ جب صبح ہوئی تو راجہ جنک نے پھر عام دربار کیا اور خواص و عوام حاضر ہوئے۔ اس طرح وہ دن بھی گزر گیا۔ اس طور پر مزید سات دن اور سات راتوں تک راجہ جنک نے سکھدیو کا حال نہ پوچھا۔ وہ ایک ہی جگہ کھڑا رہا اور کسی سے کچھ نہیں کہا۔ ساتویں روز جب راجہ جنک نے دیکھا کہ سکھدیو آزمائش میں پورا اترا اور اس میں کوئی تبدیلی ظاہر نہیں ہوئی تو حکم دیا کہ سکھدیو کو بہترین محل اور خاص حرم سرا کے اندر لائیں۔ اس سے قبل حرم سرا کی کنیزوں اور محل کی عورتوں کو مقرر کر دیا تھا کہ جب وہ آئے تو انواع و اقسام کے عمدہ کھانے، خوشبو اور دلپسند چیزیں اس کے سامنے حاضر کریں اور اس کو فریفتہ اور گرویدہ بنائیں۔ چنانچہ جب سکھدیو راجہ جنک کے حکم کے مطابق حرم سرا میں داخل ہوا تو ہر طرف سے حسین و جمیل عورتیں سکھدیو کی طرف بڑھیں اور کھانے پینے کی چیزیں اور دوسری دلپسند چیزیں اس کے سامنے لائیں۔ اس کی تعظیم کی اور پوجا کی اور اچھی جگہ بٹھلایا۔ سات دن اور سات رات تک پھر راجہ اس کے پاس نہ آیا اور کنیزوں اور حرم کی عورتوں نے راجہ کے حکم کے مطابق اس سے اختلاط کی کوشش کی اور ہزاروں طریقے سے اس کے نزدیک جا کر اپنے ہاتھوں کو اس کے جسم تک پہنچایا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کو دبایا اور خدمت کی اور چاروں ابیاس یعنی آزمائش کی۔ چاروں ابیاس یہ ہیں: اوّل حسینوں کا جلوہ، دوم دل پسند چیزیں حاضر کرنا، سوم پوجا اور پرستش، چہارم ہاتھ پاؤں دبانا۔ ان کا مقصد تھا کہ اگر اس کی بشریت اور نفسانیت باقی ہو گی تو ضرور اس سے خواہشِ نفسانی ظاہر ہو گی۔ لیکن سکھدیو اس پہاڑ کی طرح جو کسی آندھی سے بھی نہیں ہلتا، اپنی جگہ پر قائم رہا اور کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور کسی قسم کا التفات ظاہر نہیں کیا اور کسی ماہ پیکر حسینہ کے چہرے پر ایک نظر بھی نہ ڈالی۔

جب راجہ جنک نے سمجھ لیا کہ نفسانیت کا کوئی اثر اس میں باقی نہیں اور خواہش، آرزو اور مراد کا کوئی نشان اس سے

نہیں چھوڑا اور دماغی اور جسمانی قیود سے بالکل آزاد ہو گیا ہے تو جس جگہ وہ تھا وہاں سے بے اختیار باہر دوڑ کر اپنا ہاتھ سکھد یو کے پاؤں پر رکھ کر کہا کہ آفرین ہو تجھ پر اے رکھشیر یعنی پرہیز گار کامل کہ تُو بالکل روحانی ہو گیا ہے اور آب و گل کی خاصیت اور عناصر طبعی کا کوئی اثر تیری ذات میں باقی نہیں اور جنم لینے یعنی موجود ہو کر دنیا میں آنے کا جو مقصد ہوتا ہے، وہ تجھے حاصل ہو گیا یعنی تُو پروردگار کی معرفت کو پہنچ گیا ہے اور تُو نے ہستیٔ مطلق کو معلوم کر لیا ہے۔ اب مجھ سے بیان کر کہ تیرا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے اور میری ملاقات سے تیری کیا غرض ہے۔ سکھد یو نے راجہ جنک سے کہا کہ یہاں آنے کا میرا مقصد یہ تھا کہ تُو مجھے آفرینش عالم کی حقیقت سے آگاہ کرے کہ کس طرح یہ عالم ذاتِ حق کی وحدت اور یگانگی سے پیدا ہوا اور پھر یہ دوئی اور کثرت درمیان میں کیوں کر آئی۔ میرے سامنے اس کی تشریح کر اور تفصیل سے مجھے سمجھا دے، میں نے اگرچہ اپنے والد سے آفرینشِ عالم کی حقیقت کو سمجھا ہے اور نورِ باطن اور صفائی قلب جو تپسیا یعنی سخت ریاضت سے حاصل ہوئی ہے، اس کے ذریعہ بھی آفرینش کا حال مجھ پر ظاہر ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود میں تیری تشریح کا محتاج ہوں اور میری آرزو ہے کہ تیری زبان سے بھی سُن لوں۔ راجہ جنک نے آفرینش عالم کی حقیقت کو سکھد یو سے بیان کیا اور اس کو سمجھا دیا۔ بعد ازاں سکھد یو نے راجہ جنک سے کہا کہ اے راجہ محققین کے فیصلے اور اہلِ تحقیق کے بیانات میں اختلاف نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں نے جس طرح آفرینشِ عالم کی حقیقت کو اپنے باپ بیاس سے سنا تھا اور اس کی زبانِ حقائق بیان سے سُن کر دلنشین کر لیا تھا، اسی طرح میں نے تیری زبان دقائق نشان سے بھی سُنا اور دونوں میں کوئی فرق نہ پایا۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ آفرینش عالم اور اہلِ عالم کا وجود ذاتِ برہم کی خواہش اور ارادہ کی بنا پر اور ہستیٔ مطلق کے ارادہ کے مطابق ہے۔ جب برہم کی خواہش ہوتی ہے تو عالم پیدا ہوتا ہے اور جب ہستیٔ مطلق اپنے علم و معرفت کو عالم موجودات سے واپس لیتی ہے تو عالم نیست و نابود ہو جاتا ہے اور جب عالم نیستی اور عدم کے پردے میں پوشیدہ ہو جاتے ہیں اور سوائے ذاتِ حق کے کوئی چیز اور کوئی شخص موجود نہیں رہتا، اسی طرح ہر شخص کا جسمانی وجود اس کی خواہش نفسانی سے وابستہ ہے اور جب تک خواہش سے جو اس کی فطرت کی وجہ سے ہے، تعلق باقی رہتا ہے، وہ ہر بار دنیا میں آتا ہے اور جاتا ہے، پیدا ہوتا ہے اور مر جاتا ہے۔ لیکن جب جسمانی خواہش، تعلق اور خیال فنا ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس دنیا میں نہیں آتا جاتا اور اس دنیا میں پیدائش اور موت سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا کیونکہ خواہش کی رسی کٹ چکی ہے۔ سکھد یو نے کہا، اے راجہ! تُو نے جو کچھ بیان کیا، وہ میرے دل نشین ہو گیا لیکن اگر عالم کی حقیقت کے متعلق کوئی نکتہ باقی رہ گیا ہو تو اسے بھی مجھے بتلا دے۔ راجہ جنک نے کہا کہ عالم کی حقیقت وہی ہے، جسے تُو جانتا ہے۔ ابھی تُو نے سنا کہ وہ ذاتِ پاک بے نام و نشان اور بغیر نسبت کے ہے اور برائیوں سے منزہ و مبرا ہے۔ وہ اپنی آرزو، خواہش اور ارادہ سے اس عالم کو ظاہر کرتا ہے اور ایک ذات کامل اتنی ذاتیں ہو کر جلوہ گر ہوتی ہے اور جب اس کی خواہش اور ارادہ کی نسبت اس عالم سے برطرف ہو جاتی ہے تو بجز اس کی ذات پاک کے کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اے سکھد یو! جب تُو نے اپنے دل کو جسمانی گناہوں سے پاک کر لیا تو بغیر خواہش اور مراد کے ہو گیا اور تُو نے یقین کر لیا کہ جو کچھ نظر آتا

ہے، وہ کوئی چیز نہیں۔ اور اس میں ہستی اور وجود نہیں۔ جو باتیں قابلِ عمل ہیں، ان پر تو نے عمل کر لیا اور جو باتیں جاننے کی ہیں، ان کو تو نے جان لیا اور ان پر یقین کر لیا۔ اب جان لے کہ تجھ کو جیون مکت کا مرتبہ حاصل ہو گیا یعنی جس طرح کوئی شخص جسم سے روح پرواز کرنے کے بعد آہار تن یعنی قابلِ تحلیل غذاؤں کی خاصیت سے رہائی پا جاتا ہے۔ اسی طرح تو اس زندگی کی حالت میں جسمانی ضروریات سے نجات پا گیا اور خواہشوں اور آرزوؤں سے باز رہ کر آزاد مطلق ہو گیا۔ ایسے شخص کو فارسی میں تن آزاد اور آزاد تری کہتے ہیں۔ اے سکھد یو! تیری زندگی خوش و خرم رہے اور تیری زندگی کے اوقات پر آفرین ہو۔

بسوامتر نے کہا اے رام چندر بعینہ وہی معرفت تیرے دل میں پیدا ہو گئی اور جس طرح سکھد یو نے ساری خواہشات کو ترک کر دیا تھا، نفسانی آرزوؤں سے علیحدہ ہو گیا تھا اور اپنے حواس خمسہ کو مغلوب کر کے آزاد مطلق ہو گیا تھا، اسی طرح تجھے بھی چاہیے کہ کسی قسم کی خواہش اور آرزو کو اپنے دل میں جگہ نہ دے اور اپنی روح کو لذاتِ نفسانی اور خواہشاتِ جسمانی سے رہائی دے۔ دنیوی چیزوں سے روح کا تعلق اور خواہش جاندار کی گردن میں رسی ہے۔ اسی رسی کی قید و بند کی وجہ سے لوگ ہر بار اس دنیا میں آتے ہیں اور جاتے ہیں، پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں اور جب جسمانی خواہش کی رسی کو کوئی اپنی روح سے دور کر دیتا ہے تو پھر کبھی اس دنیا میں نہیں آتا۔ مکت اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تجھ کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ تیرے اندر کسی قسم کی خواہش یا آرزو باقی نہ رہے اور تو آزاد مطلق ہو جائے۔ اس کے بعد کہ تو اپنی خواہش اور مراد سے باز رہے، تیرا مقصد حاصل ہو جائے گا اور تو اپنی اصل مراد کو پہنچ جائے گا۔ جیون مکت بھی اسی کو کہتے ہیں کہ انسان جسمانی لذتوں اور نفسانی خواہشات سے باز رہے۔

اس کے بعد بسوامتر نے مجلس کے رتشیروں اور حاضرین جلسہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے پرہیزگارو اور اے راہِ حق کے طلب گارو! جان لو کہ نیک طینتی اور لطافت طبعی کی وجہ سے رام چندر کو جو کیفیت حاصل ہوئی، یہی کیفیت ان تمام سعادت مند لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن کو مکت نصیب ہو جاتا ہے اور اپنی اصل سے ملنے کا شوق اور پروردگار کی معرفت کے حصول کے بارے میں راہِ حق کے جملہ طلب گاروں کی زبان سے یہی باتیں سنی جاتی ہیں۔ یہ یقین اور یہ عقیدہ جو رام چندر رکھتا ہے، وہی صاحب کمال عارفین رکھتے ہیں اور عارفین کو ہستی مطلق کی معرفت اور ذات برہم کے جمال کی دریافت سے جو آرام و سکون حاصل ہوتا ہے۔۔۔ اسی عقیدہ اور اسی یقین کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ میں نے انجام کار کے فائدے کے بارے میں جو حق باتیں مجھے معلوم ہوئی تھیں، رام چندر سے بیان کر دیں اور اسے سمجھا دی ہیں۔ اب بششٹ کی باری آئی ہے اور یہ کامل پرہیزگار ہے کہ زمانۂ گذشتہ، آئندہ اور حال کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس کی مثال کہیں نہیں ملتی ہے۔ یہاں تک جوگ بششٹ سے نقل کیا گیا۔

مختصر یہ کہ گرونانک کے مریدوں کے خیال میں گرونانک پہلے جنم میں راجہ جنک تھا اور بادشاہی کی سلطنت کے ساتھ ساتھ اس نے روحانی حالت کو درست کر لیا اور لوگوں کو حق تعالیٰ کی طرف بلایا۔ اس تب

کے مصنف نے معتبر سکھوں سے سنا کہ جب ست جگ میں بابا نانک نے جلوہ فرمایا اور سکھوں کا ایک گروہ جمع ہو گیا تو اس نے رسوئی یعنی باورچی خانہ میں گائے بھیجی۔ جب اسے پکا کر سنگت یعنی مجلس میں لائے تو بعضوں نے کھایا اور بعضوں نے پرہیز کیا۔ گرو نے دُعا کی تو گائے کھڑی ہو گئی۔ اب جو لوگ بھاگ نکلے تھے، یہ حالت دیکھ کر دوبارہ آ کر انہوں نے درخواست کی کہ اب جس چیز کا حکم ہو گا، ہم کھا لیں گے۔ گرو یعنی نانک نے کہا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا اور ہمارا اور تمہارا وعدہ ترتیا جگ تک کے لیے ہے۔ پھر ترتیا جگ میں گرو نے ظہور فرمایا اور مرید لوگ جمع ہوئے۔ اس مرتبہ ایک گھوڑا ذبح کر کے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں، مجلس میں لائے، بعضوں نے کھایا اور ایک گروہ نے نفرت کی۔ پھر گرو نے دُعا کی اور گھوڑا زندہ ہو گیا۔ نفرت کرنے والوں نے حسبِ سابق درخواست کی۔ پھر گرو نے فرمایا کہ ہمارا اور تمہارا وعدہ دواپر جگ میں ہے۔ دواپر جگ میں ایک ہاتھی کو رسوئی میں لائے۔ اس موقع پر بھی وہی واقعہ ہوا جیسا کہ بیان کر چکا ہوں۔ اس کے بعد کلجگ کے لیے قول و قرار ہوا۔ کہتے ہیں کہ کلجگ میں آدمی کو رسوئی میں لائے اور جس نے کھا لیا، وہ نجات پا گیا اور جس نے پرہیز کیا وہ عذاب میں گرفتار رہا۔

ایک سکھ سے، جو نانک کو حق تعالیٰ کا مقرب بندہ سمجھتا تھا، یہ روایت سنی گئی کہ نانک نے ست جگ میں علائق جسمانی سے قطع تعلق کیا اور اس کی روح دوراہہ پر پہنچی کہ ایک راستہ جنت کی طرف جاتا تھا اور دوسرا دوزخ کی طرف۔ نانک نے دوزخ کا راستہ اختیار کر کے اپنے کو دوزخ تک پہنچایا اور دوزخیوں کو دوزخ سے باہر نکالا۔ حضرت رب العزت نے اس سے خطاب فرمایا کہ یہ گنہگار لوگ جنت میں نہیں جا سکتے۔ لہٰذا تجھے چاہیے کہ دنیا میں جائے اور اس گروہ کو رہائی دلائے۔ ناچار نانک دنیا میں پھر آیا اور اب دوزخی لوگ وہی گروہ ہے جو اس کے مرید ہیں۔ گرو اس دنیا میں آتا ہے اور جاتا ہے تاکہ وہ سب کے سب نجات پا جائیں۔ اس شخص کے سوا سکھوں میں کوئی ایسا نہیں دیکھا گیا، جس نے بابا نانک کو خدا سمجھا ہو۔

مختصر یہ کہ نانک کے مرید بُت کو برا کہتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ جتنے گرو ہیں، سب نانک ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا گیا، یہ ہندوؤں کے منتر نہیں پڑھتے اور ان کے بُت خانوں کی تعظیم نہیں کرتے اور اوتاروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ان لوگوں کو سنسکرت زبان میں جو ہندوؤں کے قول کے مطابق فرشتوں کی زبان ہے، کوئی دسترس نہیں۔ غرض ہر جگہ سکھوں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ گرو ارجن مل کے عہد میں یہ لوگ بہت ہو گئے اور آباد زمین میں کم ہی شہر ایسے ہوں گے جہاں کچھ نہ کچھ موجود نہ ہوں۔ ان کے یہاں کوئی پابندی نہیں کہ برہمن یا کھتری سکھ نہ ہو۔ اس لیے کہ نانک کھتری تھا اور ان کے یہاں کوئی گرو برہمنوں میں سے نہیں ہے جیسا کہ بیان ہو چکا۔ اسی طرح ان لوگوں نے کھتری کو جاٹ کا تابع بنا دیا ہے۔ چنانچہ گرو کے بڑے بڑے مسندوں میں اکثر لوگ جاٹ ہیں۔ برہمن اور کھتری مسند کے توسط سے گرو کے میلی اور شہلنگ یعنی شاگرد اور مرید ہوتے ہیں اور گرو کی شاگردی اور مریدی منظور کرتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ افغان سلاطین کے عہد میں امراء کو مسند عالی لکھتے تھے۔ آخر کار کثرتِ استعمال سے ہندوستانیوں نے اس کو مسند کر دیا اور سکھ لوگ چونکہ اپنے گرو

کو سچا بادشاہ سمجھتے ہیں، اس لیے ان کے مقرر کردہ کو مسند کہتے ہیں اور رام داس بھی کہتے ہیں۔

پانچویں محل سے پہلے کسی محل میں سکھوں سے بھینٹ یعنی مالگذاری نہیں لیتے تھے۔ جو کچھ وہ لوگ خود سے نذر کر دیتے تھے، وہی کافی تھا۔ ارجن مل نے اپنے عہد میں ہر شہر کے سکھوں پر ایک آدمی مقرر کیا تاکہ ان سے مالگزاری وصول کرے۔ اور لوگ اس مسند کے توسط سے گرو کے مرید ہونے لگے۔ بڑے بڑے مسندوں نے جن کے ذریعہ بہت سے لوگ گرو کے مرید ہو گئے تھے، اپنی طرف سے نائبوں کو مقرر کیا، یہاں تک کہ ہر جگہ اور ہر مقام پر لوگ مسند کے مقرر کردہ نائب کے ذریعہ اس مسند کے شاگرد بن کر گرو کے مرید ہو گئے۔ ان لوگوں نے ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک اوداسی یعنی تارک الدنیا کا مسلک قابلِ تعریف نہیں رہا ہے۔ اسی بنا پر بعض سکھ زراعت کرتے ہیں، بعض تجارت اور کچھ لوگ ملازمت کرتے ہیں اور ہر سال اپنی وسعت کے مطابق دولت جمع کر کے خود نذر کے طور پر مسند کے پاس پہنچا دیتے ہیں اور مسند اس میں ہاتھ نہیں لگاتا۔ دوسرے یہ کہ جو کچھ مال و دولت سال بھر میں گرو کی سرکار میں بھینٹ چڑھانے کے لیے مسند کے پاس لاتے ہیں، اس کو خود مسند تصرف میں لاتا ہے اگر مسند کی روزی کا ذریعہ اس کے سوا نہ ہو، ورنہ اگر خود بھی کسی کام یا پیشہ میں لگا ہو تو ہرگز نذور سے خود کو آلودہ نہیں کرتا بلکہ سب کچھ جمع کر کے گرو کے پاس پہنچا دیتا ہے۔

جیسا کہ بیساکھ کے مہینے میں جب کہ آفتاب برجِ ثور میں ہوتا ہے، سب مسند گرو کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ ان کے شاگردوں میں سے جو شخص چاہتا ہے اور چلنے پر قدرت رکھتا ہے، وہ بھی گرو کے پاس ان کے ساتھ جاتا ہے۔ رخصت کے وقت ہر ایک مسند کو گرو ایک دستار عنایت کرتا ہے۔

جب سکھوں کے کچھ عقائد تحقیق کے ساتھ تحریر کیے جا چکے تو اب اس فرقہ کے بعض اکابر کے حالات لکھے جاتے ہیں، جن کو مصنف نے دیکھا ہے۔ چھٹا محل سری گرو ہرگوبند پسر گرو ارجن مل ہے۔ حضرت جنت مکانی نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ نے ارجن کو جس نے حضرت جنت مکانی کے فرزند شہزادہ خسرو کے حق میں اس وقت دُعائے خیر کی تھی، جب اس نے اپنے والد بزرگوار کے خلاف بغاوت کی۔ خسرو کی گرفتاری کے بعد ارجن مل کو پکڑا اور اس کی جائیداد ضبط کی اور اس سے ایک بڑی رقم کا مطالبہ کیا، جس کو ادا کرنے سے وہ قاصر تھا۔ چنانچہ اس کو گرفتار کر کے لاہور کے ریگستان میں رکھا۔ بالآخر آفتاب کی تابش، گرمی کی شدت اور محصلان کی تکلیف سے اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ء) میں رونما ہوا۔ اسی طرح شیخ نظام تھانیسری کو خسرو سے تعلق اور اس کے لیے دُعائے خیر کی وجہ سے جہانگیر نے ہندوستان سے جلاوطن کر دیا۔

ارجن مل کے بعد اس کا بھائی برتھا جس کو اس کے مرید گرو مہربان کہتے ہیں۔ تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس وقت جب کہ ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۵ء) ہے۔ گرو ہر جی اس کا جانشین ہے۔ یہ لوگ خود کو بھگت یعنی بندۂ خدا کہتے ہیں اور گرو ہرگوبند پسر ارجن مل کے مرید اُن کو مینا کہتے ہیں، حالانکہ یہ نام اُن کے نزدیک نامناسب ہے۔ ارجن مل کے بعد ہرگوبند بھی خلافت کا دعویٰ کر کے باپ کا جانشین ہوا اور کبھی بھی جہانگیر کی رکاب ظفر انتساب سے جدا نہیں ہوا۔ اس سلسلے میں اس کو بہت دشواریاں پیش آئیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اس نے سپاہیوں

کی وضع قطع اختیار کی، باپ کی مخالفت پر تلوار باندھی، نوکر چاکر رکھے اور شکار کھیلنا شروع کیا۔ حضرت جنت
مکانی نے ان باقی مطالبات کی بنا پر جو بطور جرمانہ ارجن مل پر لگایا تھا، ہرگوبند کو گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا او
بارہ سال تک وہ اسی جگہ رہا۔ اس کو نمکین غذا کھانے نہیں دیتے تھے۔ اس زمانے میں مسند اور سکھ لوگ وہاں
جاتے تھے اور قلعہ کی دیوار پر سجدہ کرتے تھے۔ بالآخر حضرت جنت مکانی نے ازراہِ شفقت گرو کو رہا کر دیا
حضرت جنت مکانی کی وفات کے بعد ہرگوبند حضرت امیر المومنین ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی
شاہجہان بادشاہِ غازی کی خدمت میں رہا۔ بعد ازاں جب اپنے وطن کی طرف واپس ہوا جو پنجاب کے نواح
میں ہے تو یار خاں خواجہ سرا کے پاس جو پنجاب کے نواح میں فوجدار تھا، عمدہ خدمات انجام دیں اور اس کی بڑی
مدد کی۔ پھر رام داس پورہ کی طرف لوٹ گیا، جہاں گرو رامداس اور ارجن مل نے بلند عمارتیں اور عمدہ تالاب
بنوائے تھے۔ حضرت شہنشاہی کی مقررہ افواج اور شاہجہان کے ملازمین جنہوں نے حضرت ظل اللٰہی کے حکم سے
اس پر حملہ کیا تھا، ان سے اس کی جنگ ہوئی اور گرو کے مال و اسباب لوٹ لیے گئے، وہ اس مقام سے کرتار پور
چلا گیا۔ وہاں بھی جنگ ہوئی اور اس جنگ میں میر بد ہراور پائندہ خاں جو فتح خاں گنیدہ کا بیٹا تھا، مارے گئے۔
اس سے پہلے اور اس کے بعد بہت سے بھاری لشکروں نے اس پر حملہ کیا۔ لیکن ہر بار تائیدایزدی سے وہ صحیح و
سالم بچ کر نکل جاتا تھا، اگرچہ جو کچھ مال و اسباب ہوتا، اسے چھوڑنا پڑتا تھا۔ ایک شخص سادہ نامی نے بتلایا کہ
ایک سپاہی نے اس جنگ میں گرو پر تلوار چلائی۔ گرو نے وار روک کر تلوار چلانے والے سے کہا کہ اس طرح
نہیں مارتے، مارنا اس کو کہتے ہیں اور اس وار سے دشمن کا کام تمام کر دیا۔ گرو کے مقربین میں سے ایک نے اس
کتاب کے مصنف سے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ گرو نے تلوار چلانے کے دوران کہا کہ دیکھ تلوار اس
طرح چلاتے ہیں۔ مصنف نے جواب دیا کہ گرو کا تلوار چلانا بھی تعلیم دینے کی غرض سے تھا، غصہ کی وجہ سے نہ
تھا کہ یہ نامناسب ہے۔ اور گرو کہتے ہیں استاد کو۔ کرتار پور کی جنگ کے بعد وہ پھگواڑہ چلا گیا۔ چونکہ لاہور سے
نزدیک اس کا رہنا دشوار تھا، اس لیے وہاں سے کریت پور چلا گیا جو پنجاب کے کوہستانی علاقہ میں ہے۔ اس
سرزمین پر راجہ تارا چند کی حکومت تھی جو شاہ جہان بادشاہ کی اطاعت اور بندگی سے خارج تھا اور وہاں کے لوگ
بت پرستی کرتے تھے اور پہاڑ کی چوٹی پر ایک دیوی کی مورتی بنا کر رکھی تھی، جس کو نینا دیوی کہتے تھے۔ ان
اطراف کے راجہ اور دوسرے لوگ اس جگہ جا کر زیارت کی رسومات بجا لاتے تھے۔ جب گرو وہاں پہنچا تو
سکھوں میں سے بھیرو نام کے ایک شخص نے بت خانہ میں جا کر دیوی کی ناک توڑ ڈالی۔ راجاؤں کو خبر ملی تو
انہوں نے گرو کے پاس شکایت کی اور اس شخص کا نام بتلایا۔ گرو نے بھی بھیرو کو بلایا، لیکن بھیرو منکر ہو گیا
راجاؤں کے نوکروں نے کہا کہ ہم لوگ اسے پہچانتے ہیں۔ بھیرو نے جواب دیا اے راجاؤ! تم لوگ دیوی سے
پوچھو، اگر وہ نام بتلا دے تو مجھے ہلاک کر دو۔ راجاؤں نے کہا ارے احمق دیوی کیسے بات کرے گی؟ بھیرو نے
ہنس کر جواب دیا کہ معلوم ہو گیا، احمق کون ہے۔ جب دیوی اپنا سر توڑے جانے کو نہ روک سکے اور اپنے ضرر
رساں کو ظاہر نہ کر سکے تو تم لوگ اس سے بھلائی کی کیا توقع رکھتے ہو؟ پھر بھی اس کو معبود سمجھ کر پوجتے ہو۔ یہ کن

کر راجہ لوگ دم بخود رہ گئے۔ آج کل اس علاقہ کی رعایا میں سے اکثر لوگ گرو کے مرید ہیں اور اس پہاڑی علاقہ میں تبت اور ختا کے علاقے تک کسی مسلمان کا نام نہیں۔

اس کتاب کے مصنف نے گرو ہر گوبند کی زبان سے یہ سنا کہ شمال کے کوہستان میں ایک عظیم الشان راجہ ہے۔ ایک مرتبہ اس نے میرے پاس ایلچی بھیجا اور دریافت کیا کہ میں نے سنا ہے کہ دہلی نام کا ایک شہر ہے۔ وہاں کے راجہ کا کیا نام ہے اور وہ کس راجہ کا بیٹا ہے؟ یہ سن کر میں حیران رہ گیا کہ وہ امیر المومنین صاحبقران ثانی (شاہ جہان) کا نام بھی نہیں جانتا۔ گرو کے پاس اصطبل میں سات سو گھوڑے تھے، تین سو سوار اور ساٹھ توپچی ہمیشہ اس کی خدمت میں رہتے تھے، جن میں سے کچھ لوگ تجارت و ملازمت اور دوسرے کاروبار سے گزر بسر کرتے تھے اور جو شخص کسی مقام سے بھاگتا، وہ اس کی پناہ میں آ جاتا تھا۔

گرو مرد موحد اور یگانہ بین تھا۔ ایک شخص نے کائنات عالم کی حقیقت اور ہستی اور وجود کی کیفیت اس سے پوچھی، اس نے جواب دیا کہ دنیا محض ایک نمائش ہے بغیر ہستی کے اور بغیر وجود کے ایک مشہود ہے۔ اس کی حقیقت ذاتِ الٰہی ہے اور یہ اجسام اور فرشتے محض خیال ہیں۔ میں اس سلسلے میں ایک پرانی داستان سناتا ہوں۔ ایک بادشاہ ہتہ جوری کے شکار کے لیے گیا، جس کو ترکی میں قمرغہ اور فارسی میں برہ شکار کہتے ہیں۔ اتفاق سے ایک ہرن لشکر کے گھیرے میں آ گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ جس شخص کی طرف سے یہ ہرن باہر نکلے وہ جب تک اسے پکڑ نہ لے، واپس نہ لوٹے۔ اتفاق سے وہ بادشاہ کے پاس سے باہر نکلا۔ بادشاہ اس کے پیچھے دوڑا یہاں تک کہ لشکر سے دور جا پڑا اور ایسی جگہ پہنچا جہاں گھنے درختوں کی وجہ سے راستہ چلنے کی جگہ نہ تھی۔ بادشاہ خوش ہو گیا کہ ہرن اب لوٹ آئے گا۔ لیکن جب اس کے نزدیک پہنچا تو وہاں ایک تنگ راستہ تھا۔ ہرن جست لگا کر اس سے نکل گیا۔ بادشاہ نے بھی گھوڑے کو دوڑایا اور گھوڑا اسکر کر اس سے گزر گیا لیکن بادشاہ دو شاخہ میں پھنس گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں اس طرح بندھ گئے گویا بالقصد انہوں نے پکڑ لیا ہے۔ دو روز تک بادشاہ اسی جگہ رہا یہاں تک کہ دو شخص ایک عورت دوسرا مرد جو لکڑی جمع کر رہے تھے، اس کے قریب پہنچے۔ عورت نے شوہر سے کہا کہ دیکھتے ہو، بادشاہ نے کسی چور کو سولی پر چڑھا دیا ہے۔ مرد نے کہا، یہ چور کی جگہ نہیں، اس کی تحقیق کرنی چاہیے۔ جب اور آگے گئے تو اس نے دیکھا اور پہچانا۔ آپس میں کہنے لگے کہ اگر ہم لوگ اس کو یہاں سے نکال دیں تو یہ ہمارے کام آئے گا۔ عورت نے کہا یہ بادشاہ ہے، جب ہم سے علیحدہ ہو جائے گا تو بھلا کون ہم کو اس کے پاس پہنچائے گا۔ اگر یہ ہم سے رشتہ جوڑے اور ہماری بیٹی کو بیوی بنانا منظور کرے تو ہم اس کو نکال دیں۔ انہوں نے بادشاہ کے سامنے یہ تجویز رکھی، بادشاہ نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد بادشاہ کو وہاں سے نکالا اور گھر لے جا کر بیٹی اس کے حوالہ کر دی۔ کچھ عرصہ بادشاہ وہاں رہا، پھر اس کو ان لوگوں نے لشکر تک پہنچا دیا۔ جب اس نے چاہا کہ محل کے اندر داخل ہو تو دربان نے اس کو حربہ مارا۔ بادشاہ کانپ گیا اور جاگ اٹھا اور دیکھا کہ خود تخت پر ہے اور فرماں بردار اس کی خدمت کے لیے کھڑے ہیں۔ اس خواب کی وجہ سے وہ خواب غفلت سے بیدار ہو گیا اور جان لیا کہ ظاہری دنیا بغیر وجود کی نمائش ہے اور جس واقعہ کو بیداری کی حالت میں سمجھتا ہے، وہ

بھی خواب ہے۔ اس نے سمجھ لیا کہ مختلف صورتیں اور جدا جدا شکلیں صرف ظاہری زندگی ہے اور حقیقت میں موجود ایک ذاتِ واحد ہے، جو بہت سی صفات سے متصف ہے۔

برہمنوں میں دیوا نام کا ایک شخص جو اپنے کو گیانی کہتا تھا، گرو کے پاس گیا۔ ایک روز گرو کے بیٹے گردتا کے پلنگ پر جو بابا جیو کے نام سے مشہور ہے، بیٹھ گیا۔ لوگوں نے کہا، اس پر نہ بیٹھو۔ وجہ پوچھی تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ گرو کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اس نے کہا کہ کیا گرو کا جسم عناصر سے مرکب نہیں یا میں نفسِ ناطقہ مجرد نہیں رکھتا ہوں یا جو کچھ وہ نوش کرتا ہے، مجھ میں اس کے کھانے کی طاقت نہیں۔ یہ بات گرو ہرگوبند کو معلوم ہوئی تو اس نے بلایا اور کہا اے دیوا! سارا عالم ایک ہی ہستی ہے۔ اس نے جواب دیا، بیشک! گرو نے ایک گدھے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ کون ہے؟ کیا تو اسے پہچانتا ہے؟ دیوا نے جواب دیا کہ تُو حقِ مطلق ہے اور یہ بھی تُو ہی ہے۔ گرو ہنس پڑا اور برا نہیں مانا۔ دیوا نے اپنی بہن سے شادی کرنی چاہی تو لوگوں نے کہا کہ یہ حرام ہے۔ اس نے جواب دیا اگر حرام ہوتا تو یہ عمل کسی طرح ممکن ہی نہ ہو سکتا۔ کیونکہ خدا نے نہیں چاہا کہ ہم ہوا میں اُڑیں، اس لیے پرواز کی قوت ہم کو نہیں بخشی۔ سکھ گرو ہرگوبند کو خدا سمجھ کر پوجتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ وہ خدا ہے اور اس دور میں وہ چھ مرتبہ ظاہر ہو چکا ہے۔ پرہ کیوان یزدانی گرو کے اوصاف سن کر اس کی زیارت کے لیے آیا۔ گرو نے اس کو پہچان کر کماحقہٗ اس کی تعظیم و تکریم کی۔ اس کے بعد پرہ کیوان واپس چلا گیا۔

ابھی پرہ کیوان کو گئے ہوئے پورا ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ بروز یکشنبہ بتاریخ ۳ محرم الحرام ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۵ء) گرو نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ جب اس کی لاش کو ایندھن پر رکھ کر اس میں آگ لگائی گئی اور شعلے بلند ہوئے تو ایک راجپوت مسمی راجہ رام نے جو گرو کا ملازم تھا خود کو آگ میں ڈال دیا اور چند قدم چلا، یہاں تک کہ خود کو گرو کے پاؤں تک پہنچا دیا اور اپنا منہ گرو کے پاؤں پر رکھ دیا اور جنبش تک نہ کی۔ یہاں تک کہ جان دے دی۔ اس کے بعد ایک جاٹ کا بیٹا جو گرو کے داماد کی خدمت کرتا تھا، آگ میں کودا۔ بعد ازاں بہت سے لوگوں نے آگ میں کودنے کا ارادہ کیا، لیکن گرو ہررائے نے روک دیا۔ دولت خاں قاقشال کہتا ہے:

از صد سخنِ پیرم یک حرف مرا یاد است   عالم نشود ویران تا میکدہ آباد است

تا جان کہ تواند داد دل کہ تواند برد   جان دادن و دل بردن ایں ہر دو خداداد است

(پیر و مرشد کی سو باتوں میں سے مجھے ایک بات یاد ہے۔ وہ یہ کہ جب تک میخانہ آباد ہے، یہ عالم ویران نہیں ہو سکتا۔ بھلا کون جان دے سکتا ہے اور کون کسی کا دل لے سکتا ہے۔ جان دینا اور دل لینا یہ دونوں خداداد باتیں ہیں۔)

گرو ہرگوبند اپنے خطوط میں اس کتاب کے مصنف کو نانک کے خطاب سے یاد کرتا ہے جو اس فرقہ کا مرشد ہے اور مصنف نے ۱۰۵۳ھ (۱۶۴۳ء) میں اس کو کریت پور میں دیکھا تھا۔ گرو ہررائے گرو مذکور کا پوتا ہے۔ اس کا باپ گردتا بابا جیو کے نام سے مشہور تھا۔ گرو ہرگوبند نے شروع میں چاہا کہ اپنی خلافت کی باگ ڈور

اس کے قبضۂ اختیار میں دے دے کہ گرو ناگھورا جو ایک مرید تھا، اپنی بیٹی کو بابا جیو کے لیے لے گیا۔ بابا نے چاہا کہ اس کو خواص کے محل میں بھیج دے۔ اتنے میں ہررائے کی ماں (یعنی بابا کی بیوی) نے اس بے توجہی کی بنا پر جو بابا جیو اس کے ساتھ کرتا تھا اور باوجود اس کے وہ دوسری بیوی نہیں چاہتی تھی، ہرگوبند کے پاس جا کر شکایت کی۔ یہ سن کر ہرگوبند نے بابا جیو سے کہا کہ ناگھورا میرا منہ بولا بیٹا ہے۔ اس کی بیٹی میرے بیٹے کے لیے ناجائز ہے۔ لیکن ناگھورا بیٹی کو لے جانے اور پالکی لوٹانے پر راضی نہ ہوا۔ بابا جیو نے مجبوراً اس کی خواہش کو رد نہ کیا۔ ہرگوبند نے کہا خدا کرے یہ عقد ز ناشوئی کامیابی سے دوچار نہ ہو۔ ان ہی چند دنوں میں بابا جیو شادی کا لباس پہنے ہوئے ہیکل جسمانی سے مجرد ہو گیا (یعنی انتقال کر گیا) اور ناگھورا کی بیٹی کنواری اپنے گھر واپس لوٹ گئی۔ بعد ازاں بزرگوار دادا نے ہررائے کو جو بابا جیو کا بڑا بیٹا تھا، نظرِ عنایت سے نوازا اور بابا جیو کے نام سے مخاطب کیا اور بدن خالی اور پیکرِ عنصری کو چھوڑنے کے وقت اس کو اپنی جگہ مقرر کیا اور اس کو خلافت کی خلعت پہنائی۔ نیز اپنی اولاد و احفاد اور سب گھر والوں کو اس کی اطاعت کا حکم دیا۔ اس وقت ہررائے کیرت پور میں تھا اور وہاں اس نے ایک سال گزارا۔ ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۵ء) میں جب نجابت خان بن شاہرخ مرزا نے شاہجہاں بادشاہ کے حکم سے لشکر کشی کر کے تاراچند کے ملک پر قبضہ کیا اور راجہ کو گرفتار کیا تو گرو ہررائے تہایل کی طرف روانہ ہو گیا جو راجہ کرم پرکاش کی حکومت میں سرہند کے قریب واقع تھا۔

سکھ ہررائے کو محل ہفتم کہتے ہیں، وہ اس کتاب کے مصنف سے بہت زیادہ متعارف ہے۔ اب اس سلسلۂ گرامی کے ان نامدار مسندوں اور خجستہ کردار رام دیسوں کے متعلق جن سے اس کتاب کے مصنف نے ملاقات کی تحریر کرتا ہے اور اس فرقہ کے بعض عادات و خصائل کو بھی بیان کرتا ہے۔ یہ لوگ اپنے جانشینوں کو رامدیس بھی کہتے ہیں۔ جنت مکانی جہانگیر بادشاہ اور شاہ جہاں بادشاہ گروؤں کو رامدیس کہتے ہیں یعنی خدا کے بُت پرست۔ رامدیس جھنده گرو کا ایک دائی اور مالدار آدمی ہے۔ گفتگو میں کسی سے ہمکلام نہیں ہوتا اور کسی کی بھلائی برائی سے سروکار نہیں رکھتا۔ ایک روز اس کے پاؤں میں چوٹ لگ گئی۔ ہرگوبند نے اس سے کہا کہ کھڑاؤں نہ پہن۔ اس بات کو سنتے ہی اس نے کھڑاؤں پھینک دی اور تین مہینے تک ننگے پیر گھومتا رہا۔ جب گرو کو معلوم ہوا تو کہا کہ پہن لے، میں نے زخم اچھا ہونے کے لیے کہا تھا کہ کچھ روز کھڑاؤں پاؤں میں نہ ڈال۔ ایک مرتبہ گرو نے کہا سکھوں سے کہہ دو کہ باورچی خانہ کے لیے لکڑی لائیں، تاکہ ان کو ثواب ملے۔ جھنده دوسرے روز غائب ہو گیا، حالانکہ اور دنوں میں دوپہر تک سوتا رہتا تھا۔ لوگ اس کے خبط دماغ سے متعلق شبہ کرتے تھے، اس لیے سوچا کہ باہر چلا جائے۔ اس کے بعد گرو اور کچھ لوگ اس کو تلاش کرنے لگے۔ دیکھا کہ لکڑی کا ایک بوجھ کندھے پر رکھے آ رہا ہے۔ گرو نے کہا کہ میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ تم نے سکھوں کے لیے کہا تھا۔ میں بھی سکھ ہوں اور اس سے بلند تر کوئی درجہ نہیں سمجھتا ہوں۔ ایک بار گرو باغ کے اندر گیا اور جھنده سے کہا کہ دروازے پر کھڑا رہ۔ اتفاق سے گرو دوسرے دروازہ سے نکل کر اپنے گھر چلا گیا۔ جھنده تین روز تک وہاں کھڑا رہا، یہاں تک کہ ہرگوبند نے خبر سن کر اس کو بلا لیا۔

ہرگوبند بدھتا نامی ایک مرید رکھتا ہے۔ اس نے ایک شخص کو کھیت سے غلہ لانے کے لیے بھیجا۔ اس نے سارا غلہ خرچ کر ڈالا اور بدھتا سے کہا تو غلہ کو محتاجوں پر خرچ کرتا ہے، میں نے بھی وہاں پر ایسا ہی کیا اور تو اس کے نقل وحمل کی اُجرت سے بچ گیا۔ بدھتا شروع میں چور تھا اور اب بھی اس کے مرید چوری کا کام کرتے ہیں اور گرو کی فرمانبرداری میں بیحد جدوجہد کرتے ہیں۔ اس کا عقیدہ ہے کہ گرو کے لیے چوری کرنا قابلِ تعریف ہے اور اس میں ثواب ہے۔ سکھ کہتے ہیں کہ ہرگوبند نے کہا ہے کہ قیامت کے دن میرے مریدوں سے اعمال کی پرسش نہ ہوگی۔

گرو کا ایک مرید مسمّی سادہ ہے وہ گرو کے حکم سے بلخ سے گھوڑے لانے عراق کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا ایک جوان بیٹا تھا، جو بیمار پڑ گیا۔ لوگوں نے کہلا بھیجا کہ تُو ابھی تک شہر بلخ میں ہے اور گھر سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے۔ بیٹے کو آ کر دیکھ لے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر وہ مرنا چاہے تو گھر میں ایندھن بہت ہے، اس کو جلا دیا جائے۔ میں گرو کے کام سے آیا ہوں، بغیر اسے پورا کیے واپس نہ لوٹوں گا۔ آخر کار بیٹا گزر گیا اور وہ واپس نہ ہوا۔ بالآخر تین عراقی گھوڑے لا کر ایک ظالم خلیل بیگ کو ان کی نگہداشت کے لیے مقرر کیا، لیکن وہ مبارک ثابت نہ ہوا۔ اسی سال اس کا بیٹا جو گھوڑوں کے مر جانے کا سبب تھا، مر گیا اور وہ خود ذلیل و رسوا ہوا۔ سادہ ایسا آدمی ہے کہ کسی خوشی سے خوش اور کسی غم سے غمگین نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ اس کتاب کا مصنف کابل سے پنجاب تک اس کا رفیقِ سفر رہا۔ مصنف کی پوستین کا بند ٹوٹ گیا۔ سادہ نے فوراً زنار اُتار کر بند کی جگہ جوڑ دی۔ مصنف نے کہا کہ تُو نے کیوں ایسا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ زنار باندھنا خدمت کا عہد کرنا ہے۔ اگر میں احباب کی خدمت میں کوتاہی کروں تو میں زنار بند نہیں ہوسکتا:

ایں رشتہ پئے پیوند ہرچند کہ یک تار است　　در صومعہ تسبیح است در بتکدہ زنار است

(یہ پیوند کا دھاگہ اگرچہ ایک تار ہے، لیکن کنیسا میں تسبیح ہے اور بت خانہ میں زنار۔)

گرو گوبند سے ایک سکھ نے پوچھا کہ گرو کے دورہ کے وقت میں کیسے گرو کو پا سکتا ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ جو کچھ گرو کا نام لے کر تمہارے گھر آئے، اس کو گرو سمجھو۔ سکھوں کے اندر یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ان کی جو بھی آرزو ہوتی ہے، اس مجلس میں آ کر جہاں سکھ جمع ہوتے ہیں، پہلے مسند یا کسی سکھ کے سامنے جو کچھ ہو سکتا ہے، نذر گزارتے ہیں۔ پھر لوگ ہاتھ جوڑتے ہیں اور گرو کی طرف رُخ کر کے دُعا کرتے ہیں کہ اس کی یہ آرزو پوری ہو جائے۔ گرو بھی اسی طرح سکھوں کی سنگت یعنی انجمن سے اپنے مقصد کی درخواست کرتا ہے اور یہی طریقہ سیاسیوں یعنی یزدانیوں کا بھی ہے، اس لیے کہ اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ جب بہت سے لوگ کسی کام کے ہو جانے پر توجہ کرتے ہیں تو یقیناً وہ کام ہو جاتا ہے کیونکہ روحوں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔

سکھوں کے اندر ہندوؤں کی سی ریاضتیں اور شرعی عبادتیں مطلق نہیں اور کھانے پینے میں بھی کوئی پابندی نہیں کرتے، چنانچہ پرتاب مل گیانی نے ایک ہندو لڑکے سے جو مسلمان ہونے کا ارادہ رکھتا تھا، کہا کہ تو کیوں مسلمان ہوتا ہے؟ اگر سب چیزوں کے کھانے کی تجھے خواہش ہے تو سکھ ہو جا۔

سکھوں کا عقیدہ ہے کہ گرو کے سب مرید جنت میں جائیں گے۔ جو شخص گرو کا نام لیتا ہے اور کسی سکھ کے گھر میں داخل ہو جاتا ہے، اُس کو نہیں روکتے۔ کہتے ہیں ایک چور گرو کا نام لے کر گھر میں گھس آیا۔ سکھ اس کی خدمت کے مراسم میں مشغول ہو گیا۔ صبح کے وقت سکھ باہر نکلا تا کہ اس کے لیے کوئی زیادہ اچھی چیز پکوائے۔ چور نے سکھ کی بیوی کو بہت زیور پہنے ہوئے پایا تو فوراً اس کو قتل کر کے اور زیورات لے کر باہر نکل پڑا۔ راستے میں گھر کا مالک ملا تو وہ زبردستی اس کو واپس لایا۔ جب گھر کے اندر دونوں آئے تو عورت کو مرا ہوا پایا۔ چور نے خیال کیا کہ سکھ نے سمجھ لیا ہے، لہٰذا اس سے پوری حقیقت بیان کر دی۔ سکھ نے جواب دیا کہ تو نے اچھا کیا۔ بعد ازاں حجرے کا دروازہ بند کیا اور ہمسایوں سے کہا کہ میری بیوی بیمار ہے، چنانچہ کھانا پکوایا اور چور کو کھانے کے لیے دیا۔ اس کے بعد کہا کہ باہر نکل جا اور زیورات اس سے واپس نہ لیے بلکہ اسے بخش دیے اور بیوی کو جلا دیا۔

اسی طرح روایت کرتے ہیں کہ ایک قلندر کسی سکھ کے گھر میں تھا۔ ایک روز قلندر نے سکھ کی بیوی سے کہا کہ گرو کی راہ میں میری خواہش پوری کر۔ عورت نے کہا کہ میں دوسرے شخص کی ملکیت ہوں، لہٰذا صبر کر۔ قلندر سکھ کے گھر میں خوف کی وجہ سے اس کے بعد اندر نہ آیا۔ سکھ نے پوچھا کہ درویش کیوں گھر کے اندر نہیں آتا، اس کی عورت نے اس کے سوال کو ظاہر کر دیا۔ سکھ نے کہا تو نے کیوں اس کا سوال رد کر دیا۔ عورت یہ سن کر باہر نکلی اور قلندر کو بڑی خوشامد سے واپس لائی۔ جب بیساکھ کے مہینے میں لوگ گرو کے پاس گئے اور وہ گرو ہرگوبند سے پہلے ہوا تھا تو گرو نے غصہ سے قلندر کو دیکھا اور کہا کہ میں نے اسے مارا۔ قلندر اسی وقت کوڑھی ہو گیا۔

اسی طرح یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ کسی گرو نے بات کرنے والا طوطا دیکھ کر اس کی تعریف کی۔ ایک سکھ نے یہ خبر سنی تو اس کے مالک کے پاس گیا جو ایک سپاہی تھا اور اس سے طوطا مانگا۔ سپاہی نے کہا کہ اگر تو مجھے اپنی بیٹی دے تو تجھ کو طوطا دے دوں۔ سکھ نے منظور کر لیا۔ پھر سپاہی نے ہنس کر کہا اگر اپنی بیوی مجھے دے تو طوطا تیرا ہو جائے۔ سکھ نے قبول کر لیا اور سپاہی کو گھر لے جا کر بیوی اور بیٹی دونوں کو اس کے حوالے کر دیا۔ جب سپاہی اپنے گھر آیا تو اپنی بیوی کو یہ راز بتایا۔ عورت نے اس کو ملامت کی اور اس نے طوطا اس کو دے کر بیوی اور بیٹی بھی اس کے حوالے کر دی۔ سکھ خوش ہو کر گرو کے پاس گیا۔ الغرض ایسے واقعات [illegible] سے پہلے رونما ہوتے تھے۔ مشاہیر سکھوں میں سے یہی لوگ تھے، جن کا ذکر کیا گیا۔

تیسرا باب

قراتبّتیوں کے عقائد کے بیان میں

یہ باب ایک فصل پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ خدا کو کحق کہتے ہیں اور اس کو مجرد، بسیط اور قوی سمجھتے ہیں اور تینوں چیزوں کے اندر اس کا ظہور قرار دیتے ہیں جیسے کہ ہندو کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خدا کو پا لیتا ہے تو بغیر منہ اور زبان کے اس سے باتیں کرتا ہے اور یہ درجۂ نبوت ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ روح قدیم ہے اور روحوں کو نیچے بھیجا گیا ہے۔ اگر روح خود کو اور خدا کو پہچان لیتی ہے تو عالم علوی میں داخل ہو جاتی ہے ورنہ عالمِ خاکی میں رہ جاتی ہے۔ ان کے ایک بزرگ کامل نے اس کتاب کے مصنف کو بتایا کہ جب نفسِ ناطقہ بدن سے جدا ہو جاتا ہے تو عالمِ علوی میں جاتا ہے اور آسمان سے آگے گزر جاتا ہے۔ اس کے اوپر ایک سمندر ہے جس کے اندر ایک پہاڑ ہے، اللہ تعالیٰ اسی پر بیٹھا ہے۔ اب اگر وہ روح نیکوکار ہے تو اللہ تعالیٰ خود کو ایک خوبصورت شکل میں اس پر ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے مشاہدہ سے روح ایسی لذت حاصل کرتی ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور ہمیشہ وہ روح اس مشاہدہ سے محظوظ اور بہرہ ور رہتی ہے۔ اگر روح بدکار ہے تو اللہ تعالیٰ خود کو ایک بُری اور ہیبت ناک شکل میں جس سے زیادہ بُری اور بدشکل کوئی چیز نہیں، اس پر ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی ہیبت سے روح خود کو آسمانوں سے نیچے گرا دیتی ہے اور عالمِ خاکی میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ ان میں ایک شخص مسمی چون پستہ بیحد ریاضت کرنے والا ہے۔ اس کے خوارق عادات میں سے یہ ہے: کہتے ہیں کہ اس نے ایک پتھر پر جست لگائی اور اس کے پیر کا نشان اس پر پڑ گیا۔ آج کل یہ لوگ اس مقام کی زیارت کرتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ جب بزرگِ کامل اپنی عمرطبعی کو پہنچتا ہے تو لوگوں کو جمع کرتا ہے اور ان میں سے ایک کو منتخب کر لیتا ہے اور سب کے سامنے اپنی کتابوں اور چیزوں کو اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس کے بعد کہتا ہے کہ میں تیرے گھر آؤں گا۔ پھر اس کی روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے اور لوگ اس کی لاش کو اپنے طریقے پر قبرستان پہنچا دیتے ہیں۔ بعد ازاں وصی کی بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے جو ایک سال بعد یا اس سے کم مدت میں زبان کھولتا ہے اور گواہوں کو طلب کرتا ہے اور ان کے سامنے اپنی چیزوں کو وصی سے شمار کر کے لیتا ہے اور پھر اس کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اس کے بعد بولنے کی عمر تک کوئی بات نہیں کرتا۔ جب بالغ ہوتا ہے تو درویشی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ یہ کامل بزرگ ناقصوں کو کامل بنانے کے لیے آتا ہے۔ یہ لوگ بُت خانے رکھتے ہیں، جن کو چھترتن کہتے ہیں اور ان مقاموں کی تعظیم کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا اصول ہے کہ جس کے دو بیٹے ہیں، ان میں سے ایک کو خدا کے راستے میں درویش بناتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ کے پاس بھی اگر دو بیٹے ہیں تو وہ ایک کو درویش

بنا دیتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بستیاں دو ہیں ایک آخرت دوسری دنیا۔ درویش بیٹا آخرت کو آباد کرتا ہے اور جو بیٹا اہلِ تعلق میں سے ہے وہ دنیا کی روزی فراہم کرتا ہے اور جب ماں باپ کے جسم کمزور ہو جاتے ہیں اور بڑھاپے کی وجہ سے چلنے پھرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو دنیادار لڑکا خدمت کرتا ہے اور جس وقت والدین کی روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے، اس وقت درویش لڑکے سے مدد ملتی ہے۔ جب ایسے نوجوان درویش بڑی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں تو بادشاہ کا بیٹا یا کسی سپہ سالار کا بیٹا اس گروہ کا سردار بن جاتا ہے اور ان سب کو ارمیانک کو روانہ کرتے ہیں جوان کا عظیم الشان عبادت خانہ ہے۔ جب یہ لوگ زیارت سے واپس آتے ہیں تو لامہ ہو جاتے ہیں یعنی حاجی۔ لامہ لوگ جانوروں کا گوشت اور عورت ترک کر دیتے ہیں اور دنیاوی کاموں میں سے کسی کام میں مشغول نہیں ہوتے۔ ان کے بال الجھے ہوئے ہوتے ہیں اور انسان کی کھوپڑی میں کوئی چیز کھاتے ہیں۔ تسبیح کی جگہ آدمی کے ہاتھ کے جوڑوں کو ڈوری میں ڈال کر ساتھ رکھتے ہیں اور بجائے نفیر کی سلینگ کے لوگوں کی کلائی کی ہڈی استعمال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم مُردہ ہیں اور مُردہ کو زندگی کے مال و اسباب سے کوئی سروکار نہیں ہوتا:

خود رفتہ ایم و کنج مزارے گزیدہ ایم　　تا بارِ دوشِ کس نشود استخوانِ ما

(ہم خود چلے گئے ہیں اور ایک قبر کا گوشہ ہم نے پسند کر لیا ہے تاکہ ہماری ہڈی کسی کے کندھے کا بار نہ بنے۔)

یہ گروہ سحر و شعبدہ، افسون و نیرنجات اور علمِ طب و جراحی میں بے نظیر ہے۔ ان کے بادشاہ کی ماں اگر کسی بادشاہ کی بیٹی نہیں ہے تو اس کو ارغون کہتے ہیں اور اسے بادشاہت کے لائق نہیں سمجھتے۔ اس قوم کے علائق والے لوگ جانوروں کو ذبح کرنے اور ان کا گوشت کھانے، نیز غیر مذہب والوں کے کھانے سے پرہیز نہیں کرتے اور کھانے میں سب کے ساتھ شریک رہتے ہیں۔ اس کتاب کے مصنف نے چونکہ ان کے علماء سے ایک ترجمان کے توسط سے گفتگو کی تھی، اس لیے جب مصنف دقیق مسائل کے متعلق سوال کرتا تو ترجمان اس کا ترجمہ کرنے سے عاجز رہ جاتا۔ ع

بے زبانانِ محبت را زبانے دیگر است (عشق کے بے زبانوں کی اور ہی زبان ہوتی ہے۔)

چوتھا باب

یہود کے بعض عقائد کے بیان میں

یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل ان خبروں میں جو محمد سعید سرمد کی زبان سے سنی گئیں اور دوسری فصل صحیفۂ آدم کے ترجمہ سے متعلق جو صحیفۂ توریت کا آغاز ہے۔

پہلی فصل

اس کتاب کے مصنف کو یہود یا ان کے علماء سے گفتگو کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور ان کے عقائد سے متعلق جو باتیں دوسروں کی کتابوں میں درج تھیں، ان کی طرف مصنف مطلق متوجہ نہیں ہوا، اس لیے کہ ایک دشمن دوسرے دشمن کی تنقیص و تکذیب کرتا ہے۔ بہر کیف ۱۰۵۷ھ (۱۶۴۷ء) میں جب مصنف حیدرآباد پہنچا تو وہاں پر محمد سعید سرمد[1] سے متعارف ہوا۔ وہ دراصل علمائے یہود کے اس گروہ کی نسل سے ہے جو اپنے کو ربانیون کہتے ہیں، ربانیون کے عقائد سے واقفیت اور توریت کی تلاوت کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ اور ایران کے علماء مثلاً ملا صدرا، میرزا ابوالقاسم فندرسکی اور بعض دوسروں کی خدمت میں رہ کر اس نے فلسفہ کی کتابیں پڑھیں۔ آخرکار تاجروں کے طریقے پر سمندر کے راستے سے ہندوستان کے سفر کے لیے روانہ ہوا۔ جب شہر ٹھٹھہ پہنچا تو ایک ہندو لڑکے مسمی ابھی چند کا عاشق ہو گیا اور ساری چیزوں سے ہاتھ کھینچ کر سنیاسیوں کی طرح برہنہ مادر زاد ہو کر معشوق کے دروازے پر بیٹھا۔ معشوق کے باپ نے سرمد کے پاکیزہ عشق کی خبر پانے کے بعد سرمد کو اپنے گھر میں بلایا اور لڑکے نے بھی اس سے ایسا تعلق پیدا کر لیا کہ اس سے بالکل جدا نہیں ہوتا تھا اور توریت و زبور اور دوسرے صحیفوں کو اس سے پڑھا۔ یہ شعر اسی ہندو لڑکے کا ہے:

ہم مطیعِ فرقانم، ہم کشیش و رہبانم ربّی یہودانم، کافرم، مسلمانم

(میں قرآن کا تابعدار ہوں، نیز عیسائیوں کا زاہد ہوں، یہود کا ربی ہوں، کافر بھی ہوں اور مسلمان بھی۔)

ربیّ عالم کو کہتے ہیں اور ربانیان اس کی جمع ہے۔

بنی اسرائیل کے یہاں دونوں ستر کا چھپانا ضروری نہیں تھا۔ اور سرمد نے بتلایا کہ اشعیاء پیغمبر بھی آخری عمر میں برہنہ رہتے تھے۔ سرمد بڑے اچھے اشعار کہتا تھا۔ یہ چند اشعار اسی کے ہیں:

سرمد کہ ز جام عشق مستش کردند خواندند سرافرازش و پستش کردند
میخواست خدا پرستی و ہشیاری مستش کردند و بت پرستش کردند

---

[1] حیات سرمد پر المعارف، لاہور نے (جولائی ۱۹۹۳ء) ابوالخیر مودودی کا ایک تحقیقی مقالہ شائع کیا تھا۔ (ایڈیٹر)

(سرمد جس کو عشق کی شراب پلا کر مدہوش کر دیا، اس کو سربلند کیا لیکن پست بنا دیا۔ وہ خدا پرست اور باہوش رہنا چاہتا تھا، لیکن اس کو مدہوش اور بت پرست بنا دیا۔)

اے از رخ تو شکستہ خاطر گل سرخ　　باطن ہمہ خونِ دل و ظاہر گل سرخ
زاں دیر برآمدی چو یوسف کہ بباغ　　اول گلِ زرد آید و آخر گل سرخ

(اے محبوب تیرے رخسار کی وجہ سے سرخ گلاب کا دل شکستہ ہے۔ اس کا سارا باطن خونِ دل ہے اور ظاہر میں سرخ گلاب ہے۔ تو یوسف کے بعد دیر میں اس لیے ظاہر ہوا تاکہ باغ کے اندر زرد پھول آئے اور ظاہر میں سرخ گلاب آئے۔)

آن ذات بروں زگنبد ازرق نیست　　ذاتیست مقید کہ بجز مطلق نیست
حق باطل ہست نیز باطل حق نیست　　آن ذات بجز مصدر ہر مشتق نیست

(وہ ذات نیلگوں گنبد سے باہر نہیں ہے اور کوئی ذات مقید ایسی نہیں جو ذات مطلق کے علاوہ ہو۔ کیا حق باطل بھی ہو سکتا ہے؟ نہیں حق باطل نہیں ہو سکتا۔ وہ ذات سوائے ہر مشتق کے مصدر کے اور کچھ نہیں۔)

ایزد بہ ترازوئے قدر با خورشید　　چوں حسن نکوئی رخت می سنجید
ایں بسکہ گران بود نہ جنبید زجائے　　واں بسکہ سبک بود بر افلاک رسید

(جب خدا تیرے رخسار کے حسن کو تقدیر کے ترازو میں آفتاب کے ساتھ تول رہا تھا، تو یہ حسن و جمال اس قدر گراں تھا کہ اپنی جگہ سے نہ ہلا اور وہ آفتاب اتنا ہلکا تھا کہ آسمان پر جا پہنچا۔)

سرمد کہ عندلیب است پروائے زر ندارد　　یارش گل است وگل را یکمشت زر ضروراست

(سرمد جو ایک بلبل ہے وہ سونے کی پروا نہیں کرتا، لیکن اس کا محبوب گلاب ہے اور گلاب کے لیے مٹھی بھر سونا (زر پھولوں کے ریزے کو کہتے ہیں) ضروری ہے۔)

درکعبہ و بتخانہ سنگ اوشد و چوب او شد　　یکجا حجر الاسود یکجا بت ہندو شد

(کعبہ اور بت خانہ میں وہ پتھر اور لکڑی ہو گیا۔ ایک جگہ وہ حجر اسود بن گیا تو دوسری جگہ ہندوؤں کا بت ہو گیا۔)

شیخ محمد خان جو نامور حاکم سلطان عبداللہ قطب شاہ کا پیشوا تھا۔ اس کی مدح میں سرمد نے کہا

اے کہ مدار عرش را دائرہ عظیمہ ای　　کردہ بخدمت تو صد پیچ چہ نوکری
نصف نہار وار کن شام من غریب را　　گر بجناب قطب چوں نصف نہار بنگری

(اے ممدوح جو عرش کے محور کا ایک بڑا دائرہ ہے۔ فلک کی طرح سیاروں نے تیری خدمت میں نوکری کی ہے۔ اگر نصف النہار جیسے قطب کے دربار میں تو بہ و اندوز ہے تو مجھ پردیسی کی شام کو بھی نصف النہار کی طرح بنا دے۔)

شیخ محمد خان سرمد کی طرف مائل ہو گیا۔ ایک روز جبکہ اس کتاب کا مصنف حاضرین میں شامل تھا

جیران نام کے ایک شخص سے جو شیخ کی تعریف کیا کرتا تھا، اس نے کہا کہ عنقریب شیخ نے جو کچھ جمع کیا ہوگا، اس کے لے کر سفرِ آخرت کے لیے روانہ ہو جائے گا اور میر محمد سعید میر جملہ بلند درجے پر ترقی کر جائے گا۔ اسی سال شیخ حج کے ارادہ سے حیدرآباد سے روانہ ہوا اور ۱۰۵۹ھ (۱۶۴۹ء) میں مخا کی بندرگاہ پر اس کی روح بدن کی کشتی سے اطلاق کے سمندر میں چلی گئی۔ حافظ کہتا ہے:

روضۂ خلد بریں خلوت درویشان است   کعبۂ کون و مکان حضرت درویشان است

اے دل اینجا بہ ادب باش کہ سلطان و ملک   ہمہ در بندگی حضرت درویشان است

(درویشوں کی خلوت خلدِ بریں کا باغ ہے اور درویشوں کی خدمت کرنا باعثِ احتشام و احترام ہے۔ اے دل! اس مقام پر ادب سے رہ کیونکہ بادشاہ اور فرشتے سب درویشوں کے حضور میں خدمت کرتے ہیں۔)

مصنف نے سرمد کو یہ کہتے سنا کہ یہودیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ انسانی شکل میں جسم اور جسمانی ہے۔ وہ مثالی جسم رکھتا ہے اور کسی وقت پھیلی ہوئی شعاع کی طرح منتشر ہو جاتا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ توریت اور زبور میں لکھا ہے کہ روح انسانی شکل میں ایک جسمِ لطیف ہے، جس کا مظہر یہ ظاہری جسم ہے اور آخرت کا ثواب و عقاب بھی اسی دنیا میں ہوتا ہے۔ مثلاً عمر ایک سو بیس سال زندہ رہا، پھر مر گیا تو اس کی ساری زندگی ایک دن ہے اور جب مر جاتا ہے تو رات ہو جاتی ہے اور اس کا جسم کچھ جمادات کی شکل میں، کچھ نباتات اور بعض اجزاء، حیوانات وغیرہ کی شکل میں منتقل ہو جاتا ہے۔ جب ایک سو بیس سال گزر جاتے ہیں تو رات ختم ہو جاتی ہے اور صبح ظاہر ہوتی ہے۔ پس اگر خاک کا ایک ذرہ مشرق میں اور دوسرا ذرہ مغرب میں ہوتا ہے تو بھی سب جمع ہو جاتے ہیں اور زندگی تازہ ہو جاتی ہے۔ پھر مثلاً وہ سو سال زندہ رہتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس کے بعد رات ہو جاتی ہے اور ثواب و عقاب اسی دنیا میں ہوتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ جو چیز بھی موجود ہے وہ باطن میں انسانی شکل رکھتی ہے، حتیٰ کہ پانی و خاک بھی۔

یہود حضرت عیسیٰ کی نبوت کے قائل نہیں اور کہتے ہیں کہ وہ صادق نہیں تھے اور عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ کی نبوت سے متعلق توریت سے جو دلیل پیش کرتے ہیں، اس کو قبول نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ اشعیاء نے وہ باتیں خود اپنے بارے میں کہی تھیں۔ کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیغمبر نہیں تھے، لیکن ولی تھے اور ولایت کو نبوت سے افضل سمجھتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ توریت میں فرعون کے دعوائے خدائی کا ذکر نہیں ہے اور لکھا ہے کہ وہ ایک ظالم تھا جو بنی اسرائیل کو ستاتا تھا۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور اس کو ظلم سے منع کیا اور جب اس نے نصیحت قبول نہ کی تو ہلاک ہو گیا۔ توریت میں یہ بھی نہیں لکھا کہ حضرت ہارونؑ پیغمبری میں حضرت موسیٰؑ کے ساتھ شریک تھے۔ بلکہ محض ان کی خلافت کرتے تھے۔ یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت داؤدؑ نے اوریا کو قتل ہونے کے لیے بھیجا تھا۔ اس لیے کہ اس کی بیوی کی خواہش کرتے تھے۔ جس کو بعد میں لے لیا اور اس کے بطن سے حضرت سلیمان علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نبی نہیں تھے

جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں۔ حضرت داؤدؑ نے کہا تھا کہ لوگوں نے میرے ہاتھوں کو اور پیروں کو توڑ ڈالا اور میری ہڈیوں کو شمار کیا۔ یہ ساری باتیں حضرت عیسیٰؑ کے مقتول ہونے کے وقت ان کے اوپر گزریں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ نے یہ بات اپنے بارے میں کہی تھی۔ اسی طرح وہ تمام باتیں جو نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی شان میں بیان کرتے ہیں، یہود اس کو صاف طور پر دوسرے معنی پہناتے ہیں۔ توریت میں آیا ہے کہ جب بنی اسرائیل بُرے کام کریں گے تو حضرت محمدؐ ظاہر ہوں گے۔ سرمد کہتا ہے کہ اگرچہ پیغمبر کا نام توریت میں مذکور ہے، لیکن اس طرح سے کہ دوسرے معنی میں زیادہ موزوں ہے، لیکن اگر پیغمبر کا نام ہی مراد ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ ان کے دین پر نہ چلیں اور اس میں داخل نہ ہوں۔ اس بارے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے۔

سرمد نے کہا کہ یہود کے مذہب میں ان کے سوا کوئی داخل نہیں ہوسکتا اور ختنہ ان کے پیغمبروں کی شریعت کے مطابق ان کے اوپر ہے دوسروں پر نہیں۔ ان کا قول ہے کہ پیغمبر ہمیشہ حاضر اور زندہ رہتا ہے اور اس کو چاہیے کہ اس شریعت کی نشر و اشاعت کرے جو توریت میں ہے۔ ابھی چند نے توریت کا ایک پارہ فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کتاب کے مصنف نے اس کو سرمد کے نسخہ سے مقابلہ کیا اور اس کی ساری آیتوں کی تصحیح کر کے اور ان پر نشان لگا کر اس کتاب میں شامل کر دیا اور وہ حسب ذیل ہے:

صحیفۂ آدم کے ترجمہ میں جو توریت میں ہے

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ترجمہ: آغازِ آفرینش میں خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ زمین ویران، خالی اور تاریک دریا کے اوپر تھی اور پانی کے اوپر خدا کی ہوا چل رہی تھی۔ خدا نے کہا روشنی ہو جا اور روشنی ہوگئی۔ خدا نے روشنی کو دیکھا کہ اچھی ہے تو اس کے اور تاریکی کے درمیان فرق پیدا کیا اور خدا نے روشنی کا نام دن اور تاریکی کا نام رات رکھا اور ایک دن کی شام اور صبح ہوئی۔ خدا نے کہا پانی کے درمیان رافیعہ ہو اور ایک پانی کو دوسرے پانی سے فرق کرنے والا ہو اور خدا نے اسے پیدا کیا اور اس رافیعہ کو فرق بنایا، اس پانی کے درمیان جو رافیعہ کے نیچے تھا اور اس پانی کے درمیان جو رافیعہ کے اوپر تھا اور ایسا ہوگیا۔ خدا نے رافیعہ کا نام رافیعہ رکھا اور دوسرے دن کی شام اور صبح ہوئی۔ خدا نے کہا آسمان کے نیچے کے سب پانی ایک جگہ جمع ہو جائیں اور خشکی ظاہر کیا اور ایسا ہوگیا۔ خدا نے خشکی کا نام زمین رکھا اور پانی جمع ہونے کی جگہ کا نام دریا رکھا اور خدا نے دیکھا کہ یہ اچھا ہے۔ خدا نے کہا کہ زمین سبز ہو جائے، سبزہ اور بیج لانے والے پودوں سے اور پھل پیدا کرنے والے درختوں کے بیج سے اور پھلوں سے کہ اس قسم کا بیج ان کے اندر ہو زمین کے اوپر۔ ایسا ہی ہوگیا اور زمین نے بیج لانے والے پودوں کی سبزی سے اسی قسم کا بیج نکالا اور پھل پیدا کرنے والے درختوں کو کہ اس قسم کا بیج ان کے اندر ہے اور خدا نے دیکھا کہ یہ اچھا ہے اور تیسرے دن کی شام اور صبح ہوئی۔ خدا نے کہا دن اور رات کے درمیان فرق کرنے کے لیے آسمان کے رافیعہ پر روشنیاں ہوں اور وہ ہوں علامتوں کے لیے، تیوہاروں کے

لیے، دنوں کے لیے اور سالوں کے لیے۔ اور وہ ہوں آسمان کے رافیعہ پر روشنی کے لیے اور زمین پر روشنی دینے کے لیے، دنوں کے لیے۔ اور بنایا خدا نے بڑی روشنیوں میں اس روشنی کو جو سب سے بڑی تھی دن کی سلطنت کے لیے اور چھوٹی روشنی کو رات پر مسلط ہونے کے لیے اور بنایا ستاروں کو اور انہیں آسمان کے رافیعہ کو دیا زمین پر روشنی کے لیے اور دن اور رات پر مسلط ہونے کے لیے اور روشنی اور تاریکی کے درمیان فرق کے لیے۔ خدا نے دیکھا کہ یہ اچھا ہے اور چوتھے دن کی شام اور صبح ہوئی۔ خدا نے کہا پیدا کریں، وہ پیدا کرنا زندہ جان کو اور زمین پر اور آسمان کے رافیعہ پر پرند پرواز کرے اور خدا نے پیدا کیا بڑے گھڑیالوں کو اور ہر متحرک جاندار کو ان کی نوع کے ساتھ پیدا کیا اور پر و بال والے پرندوں کو ان کی نوع کے ساتھ۔ اور خدا نے دیکھا کہ یہ اچھا ہے اور خدا نے ان کے لیے رحمت نازل کی کہ بارور ہوں اور زیادہ ہو جائیں اور پانی کو دریاؤں میں بھر دیں اور پرندے زمین میں بہت ہو جائیں اور پانچویں دن کی شام اور صبح ہوئی۔ خدا نے کہا زمین زندہ جان کو اپنی نوع کے ساتھ باہر لائے اور زمین کے چوپائے زمین کے کیڑے اور حیوانات کو اپنی نوع کے ساتھ۔ اور ایسا ہو گیا اور خدا نے بنایا زمین کے حیوانات کو ان کی نوع کے ساتھ۔ چوپایوں کو ان کی نوع کے ساتھ اور زمین کے تمام کیڑوں کو ان کی نوع کے ساتھ۔ خدا نے دیکھا کہ یہ اچھا ہے اور خدا نے کہا کہ میں آدمؑ کو اپنی شکل میں اور اپنے مانند بناؤں گا۔ اور وہ مسلط اور غالب ہو گا دریا کی مچھلی پر، آسمان کے پرندوں پر، چوپائے اور تمام زمین اور زمین کے اوپر ہر متحرک جانور پر۔ اور خدا نے آدمؑ کو اپنی شکل میں یعنی خدا کی شکل میں پیدا کیا۔ اس کو نر پیدا کیا اور اس کے لیے مادہ کو پیدا کیا اور ان کے لیے خدا نے دُعا کی اور ان سے خدا نے کہا کہ بارور ہوں اور زیادہ ہو جائیں اور زمین کو بھر دیں، اس کو قبضہ میں لائیں اور دریا کی مچھلیوں، آسمان کے پرندوں اور زمین پر، تمام متحرک جانوروں پر غالب ہو جائیں۔ خدا نے کہا کہ اب میں نے بیج سے بیج پیدا کرنے والے تمام پودوں کو تم کو دے دیا، جو ساری زمین پر ہیں اور تمام درخت جن میں بیج سے بیج پیدا کرنے والے درختوں کا پھل ہے تمہارے کھانے کے لیے۔ اور زمین کے سارے جانوروں کے واسطے، آسمان کے پرندوں کے واسطے اور زمین پر ہر متحرک کے واسطے جس کے اندر زندہ جان ہے، تمام سبزی اور گھاس ہے، کھانے کے لیے۔ اور ایسا ہو گیا اور خدا نے دیکھا کہ جو کچھ اس نے بنایا، سب حد درجہ عمدہ اور اچھا ہے۔ چھٹے دن کی شام اور صبح ہوئی اور آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے، مکمل ہو گئے اور ختم کر دیا خدا نے ساتویں روز اپنے کام کو جو اس نے کیا اور ساتویں روز اس نے آرام کیا، اپنے سارے کاموں سے جو اس نے کیا اور خدا نے ساتویں دن کو باعزت کیا اور اس کو مقدس کیا کیونکہ اس میں خدا نے آسمان و زمین کو اور تمام سبزۂ صحرا کو بنایا۔ اس کے بعد صحرا کی گھاس اور پودے ہوں گے۔ اس کے بعد کلیاں ہوں گی جن کو خدا نے زمین پر آراستہ کیا اور آدم زمین کی خدمت کے لیے نہیں تھے۔ زمین سے بادل اُٹھتا تھا اور ساری زمین کو ڈھانک لیتا تھا۔ اور خدا نے آدمؑ کے لیے خاکِ زمین بنائی اور اس کے جسم میں نسیم حیات دم کی اور آدمؑ زندہ جان ہو گیا۔ خدا نے عدن میں ایک قدیم باغ لگایا اور وہاں آدمؑ کو جسے پیدا کیا تھا رکھا۔ خدا نے زمین سے سارے درخت اُگائے جو دیکھنے میں عمدہ اور کھانے میں اچھے تھے۔

اس باغ کے درمیان زندگی کا درخت اور نیک و بد جاننے کا درخت تھا۔ عدن سے اس باغ کو سیراب کرنے کے لیے نہر نکلتی ہے اور وہاں پر جدا ہو جاتی ہے اور چار نہروں میں بٹ جاتی ہے۔ ان میں سے ایک نہر کا نام فیشون ہے اور وہ ساری سرزمین جو ملاء میں چکر لگاتی ہے، جہاں پر بلور اور سنگ پشت پایا جاتا ہے۔ دوسری نہر کا نام جیحون ہے اور تیسری نہر کا نام حیدیقل ہے جو قوم آشور کے آس پاس جاری رہتی ہے۔ نہر فرات ہے اور خدا نے آدم کو لیا اور اس کو باغِ عدن میں چھوڑ دیا، اس کی خدمت کے لیے اور اس کی نگرانی کے لیے۔ اور خدا نے آدم سے کہا کہ اس باغ کے سب درختوں کا پھل کھا، لیکن نیک و بد جاننے والے درخت کا پھل نہ کھا، اس لیے کہ اس کو کھانے کے دن تُو موت آنے سے مر جائے گا۔ خدا نے کہا آدم کا تنہا رہنا اچھا نہیں ہے، اس کے لیے میں اس کے سامنے مددگار بناؤں گا اور خدا نے مٹی سے تمام جنگلی جانوروں، آسمان کے پرندوں کو بنایا اور ان کو آدم کے سامنے دیکھنے کی غرض سے بلایا کہ جو کچھ ان کو کہے وہی آدم ان کے لیے کہے جس کا نام زندہ جان ہے اور آدم نے سب چوپایوں کے لیے، آسمان کے پرندوں کے لیے اور زمین کے سب جانوروں کے لیے نام رکھ لیے۔ آدم نے اپنے سامنے کوئی مددگار نہ پایا تو خدا نے آدم پر غنودگی طاری کر دی اور وہ سو گیا۔ اس کی پہلو کی ہڈیاں جکڑ گئیں اور ان کی جگہ گوشت بندھ گیا۔ خدا نے آدم کی ان ہڈیوں کو جو جکڑ گئی تھیں، سیدھا کر کے عورت بنایا اور اسے آدم کے سامنے پیش کیا۔ آدم نے کہا کہ یہ میری ہڈیوں میں سے ایک ہڈی کا ٹکڑا ہے اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے۔ اسی لیے اس کو انسان کہا جاتا ہے کہ وہ انس سے بنایا گیا ہے اور اسی لیے مرد اپنے بارے میں ماں کو چھوڑ دیتا ہے اور اپنی عورت کے ساتھ سوتا ہے اور دونوں ایک جسم ہو جاتے ہیں۔ آدم اور اس کی بیوی دونوں برہنہ تھے اور شرمندہ نہیں ہوتے تھے اور ایک سانپ جنگلی جانوروں میں زیادہ چالاک تھا جس کو خدا نے بنایا تھا۔ اس نے اس عورت سے کہا کہ خدا نے تم دونوں سے کہا ہے کہ اس باغ کے کسی درخت کا پھل نہ کھانا؟ عورت نے اس سانپ سے کہا کہ اس باغ کے درختوں کا پھل ہم کھاتے ہیں اور جو درخت باغ کے بیچ میں ہے، خدا نے کہا ہے کہ اس کا پھل نہ کھانا اور اس کو ہاتھ نہ لگانا ورنہ مر جاؤ گے۔ اس سانپ نے اس عورت سے کہا کہ تم نہیں مرو گے۔ کیونکہ خدا جانتا ہے کہ اس کا پھل کھانے کے روز تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی۔ اور خدا کی طرح نیک و بد جاننے والے بن جاؤ گے۔ عورت نے دیکھا کہ اس درخت کا پھل کھانے کے لیے اچھا ہے، خوش آیند ہے اور بظاہر وہ درخت عقل پیدا کرنے کے لیے عمدہ ہے۔ پس اس کا پھل لیا اور کھایا اور اپنے شوہر کو بھی اپنے ساتھ دیا، اس نے بھی کھایا۔ پس اُن دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور جان گئے کہ وہ برہنہ ہیں تو انجیر کے پتوں کو سی لیا اور اپنے لیے ستر پوش بنا لیے اور خدا کی جو اس باغ میں پھر رہا تھا، آواز سنی۔ اس روز آدم اور اس کی بیوی خدا کے سامنے سے اس باغ کے درختوں کے درمیان چھپ گئے۔ خدا نے آدم کو بلایا اور اس سے کہا کہ تو کہاں ہے۔ اس نے کہا میں نے باغ میں تیری آواز سنی اور میں ڈر گیا کیونکہ میں برہنہ ہوں اور میں چھپ گیا۔ خدا نے کہا تجھ سے کس نے کہا کہ تو برہنہ ہے۔ کیا تو نے اس درخت کا (جس کا پھل کھانے سے میں نے منع کیا تھا) پھل کھا لیا؟ آدم نے کہا کہ یہ عورت جس کو تو نے مجھے دیا ہے،

اس نے مجھے اس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھا لیا۔ اس عورت سے کہا کہ یہ تُو نے کیا کیا؟ عورت نے کہا کہ اس سانپ نے مجھے فریب دیا اور میں نے کھا لیا۔ خدا نے اس سانپ سے کہا چونکہ تو نے ایسا کیا اس لیے تجھ سارے چوپائے اور سارے جنگلی جانوروں کی طرف سے لعنت ہے۔ تُو سینے کے بل راستہ چلے گا اور اپنی ساری زندگی بھر مٹی کھائے گا اور تیرے اور اس عورت اور اس کی نسل کے درمیان دشمنی ڈال دوں گا۔ وہ تیرے سر کچلیں گے اور تو ان کے پاؤں کو ڈسے گا۔ اس عورت سے خدا نے کہا میں تیری تکلیف کو اور تیرے دردِ زہ کو زیادہ کر دوں گا اور تُو درد کے ساتھ اولاد جنے گی اور اپنے شوہر کی مشتاق رہے گی اور وہ تجھ پر غالب رہے گا۔ اور آدمؑ سے کہا کہ تُو نے اپنی بیوی کی بات سنی اور اس درخت کا پھل کھایا جس کے لیے میں نے کہا تھا کہ مت کھانا۔ لہٰذا تیری وجہ سے زمین پر لعنت ہے۔ تُو اپنی ساری زندگی تکلیف برداشت کرے گا اور تیرے راستے میں خار و خاشاک پیدا ہوں گے۔ تُو جنگل کی سبزی کھائے گا اور پیشانی کا پسینہ بہا کر روٹی کھائے گا جب تک تو اس مٹی کی طرف نہ لوٹے گا جس سے تو بنایا گیا ہے، کیونکہ تو مٹی ہے اور مٹی ہی کی طرف لوٹ جائے گا۔

آدمؑ نے اپنی بیوی کا نام حوّا رکھا جو تمام زندہ لوگوں کی ماں تھی۔ خدا نے آدمؑ اور اس کی بیوی کے لیے چمڑے کی پوشاک بنائی اور ان کو پہنائی۔ خدا نے کہا اب ایک آدمؑ ہماری طرح ہو گیا، نیک و بد جاننے کے لیے۔ اب ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور زندگی کے درخت سے پھل لے، اس کو کھائے اور ہمیشہ زندہ رہے۔ اس لیے خدا نے باغِ عدن سے اس زمین کی خدمت کے لیے اس کو بھیجا جس سے وہ بنایا گیا تھا۔ اور آدمؑ کو نکالا اور اس کو باغِ عدن کے سامنے فرشتوں کے ساتھ اور گھومنے والی تلوار کی چمک کے ساتھ درختِ زندگی کے راستہ کی نگرانی کے لیے جگہ دی۔ آدمؑ اپنی بیوی حوا کے پاس داخل ہوا۔ وہ حاملہ ہوئی اور قابیل کو پیدا کیا۔ اور کہا کہ میں نے اس کو خدا سے حاصل کیا اور مزید پیدا کیا اس کے بھائی ہابیل کو۔ ہابیل بکریوں کا چرواہا تھا اور قابیل زمین کا خدمت گار۔ کچھ دنوں کے بعد قابیل زمین کے پھل کا ایک تحفہ خدا کے لیے لایا اور ہابیل اپنے گاؤں سے اپنی بکریوں کی پہلی پیدائش کی بکری لایا۔ خدا نے ہابیل اور اس کی پیش کش کی طرف توجہ کی اور قابیل اور اس کی پیش کش کی طرف توجہ نہ کی۔ قابیل کو بہت بُرا معلوم ہوا، اور اس کے چہرے کا رنگ اتر گیا۔ خدا نے قابیل سے کہا تُو کیوں دلگیر ہو گیا اور کیوں تیرے چہرے کا رنگ اتر گیا۔ سُن لے اگر تو اچھا چاہے برداشت کر لے اور اگر اچھا نہ چاہے گا تو دروازے پر گناہ سویا ہوا ہے اور تیرا مشتاق ہے اور تو اس پر غالب ہو جائے گا۔ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے جس وقت وہ جنگل میں تھے، گفتگو کی اور قابیل اپنے بھائی ہابیل کے لیے اُٹھا اور اس کو مار ڈالا۔ خدا نے قابیل سے کہا، تیرا بھائی ہابیل کہاں ہے۔ اس نے کہا میں نہیں جانتا، کیا میں اپنے بھائی کا پاسبان ہوں۔ خدا نے کہا کہ تُو نے کیا کیا! تیرے بھائی کے خون کی آواز زمین سے مجھ سے فریاد کر رہی ہے اور اب تجھ پر لعنت ہے اس زمین کی جس نے تیرے ہاتھ سے تیرے بھائی کا خون لینے کے لیے اپنا منہ کھولا۔ جب تُو زمین کی خدمت کرے گا تو وہ اپنی روزی تجھ کو زیادہ نہ دے گی اور تُو زمین میں آوارہ اور سرگرداں رہے گا۔ قابیل نے خدا سے کہا کہ میرا گناہ برداشت سے زیادہ ہے، اب تُو نے مجھ کو آج زمین کے

اوپر سے نکال دیا، میں تیرے سامنے سے پوشیدہ ہو جاؤں گا اور آوارہ اور سرگرداں پھروں گا۔ مجھ کو ہر پانے والا مار ڈالے گا۔ خدا نے اس سے کہا لیکن جو کوئی قابیل کو مارے گا، اس کی سات پشت کو سزا دی جائے گی۔ خدا نے قابیل کے لیے نشانی ٹھہرا دی تاکہ ہر وہ شخص جو اس کو پائے نہ مارے۔ قابیل خدا کے سامنے سے لوٹ آیا اور عدن کے سامنے آوارگی کی زمین میں بیٹھ گیا۔ قابیل اپنی بیوی کے پاس داخل ہوا، اور وہ حاملہ ہوگئی اور حنوح کو جنا۔ قابیل شہر کا آباد کرنے والا تھا اور شہر کا نام اپنے بیٹے حنوح کے نام پر رکھا۔ حنوح کے لیے غیراد پیدا ہوا۔ غیراد نے محویائیل کو اور محویائیل نے لامخ کو پیدا کیا۔ لامخ نے اپنے لیے دو بیبیاں لیں۔ ایک کا نام عاذا، دوسری کا نام سیلا تھا۔ عاذا نے یادال کو جنا اور وہ جانوروں کا گلہ رکھنے والے خیمہ نشینوں کا باپ تھا۔ اس کے بھائی کا نام یودال تھا جو ہر چنگ و چغانہ پکڑنے والوں کا باپ تھا۔ سیلا نے نودل قاین کو جنا جو نشہ بازوں اور لوہاروں کا استاد تھا۔ نودل قاین کی بہن نعمان تھی۔ لامخ نے اپنی بیویوں عاذا اور سیلا سے کہا کہ میری بات سنو اور میری گفتار پر کان لگاؤ کہ میں نے ایک شخص کو اپنی چوٹ سے مار ڈالا اور ایک لڑکے کو چوٹ سے مارا کہ سات پشت تک سزا دی جائے گی۔ قابیل اور لامخ کی ستہتر پشت تھی۔ آدمؑ پھر اپنی بیوی کے پاس داخل ہوا اور اس نے بیٹا جنا، اس کا نام شیث رکھا کیونکہ خدا نے دوسرا نطفہ ہابیل کے بدلے رکھا جس کو قابیل نے مار ڈالا تھا اور شیث کے ہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہوا، اس کا نام انوش رکھا اور اس وقت خدا کے نام سے پڑھنا شروع ہوا۔ یہ تھا آدم کی ولادت کا صحیفہ۔

جس روز خدا نے آدمؑ کو اپنی شکل میں پیدا کیا، اس کو نر بنایا اور اس کے لیے مادہ کو پیدا کیا اور اس کے لیے دُعا کی۔ اس کے پیدا کیے جانے کے دن اس کا نام آدمؑ رکھا۔ آدم نے ایک سو تیس سال کے بعد اپنی شکل کا اور اپنے مثل لڑکا جنا، اس کا نام شیث رکھا اور شیث کو جننے کے بعد آدمؑ آٹھ سو سال تک رہا اور بیٹے اور بیٹیاں پیدا کیں اور آدم کی ساری عمر جب تک زندہ رہا، نو سو تیس سال کی تھی اور مر گیا۔ شیث ایک سو پانچ سال کا ہوا اور انوش کو پیدا کیا اور شیث انوش کو پیدا کرنے کے بعد آٹھ سو سات سال تک رہا اور بیٹے اور بیٹیاں پیدا کیں۔ شیث کی کل عمر نو سو بارہ سال کی تھی اور مر گیا۔ انوش نوے سال کا ہوا تو قنتبان کو پیدا کیا۔ قنتبان کو پیدا کرنے کے بعد انوش آٹھ سو پندرہ سال زندہ رہا اور بیٹے اور بیٹیاں پیدا کیں۔ انوش کی کل عمر نو سو پانچ سال کی ہوئی اور مر گیا۔ قنتبان ستر سال کا ہوا تو مہلائیل کو پیدا کیا۔ مہلائیل کو پیدا کرنے کے بعد قنتبان آٹھ سو چالیس سال زندہ رہا اور بیٹے اور بیٹیاں پیدا کیں۔ قنتبان کی کل عمر نو دس سال ہوئی اور مر گیا۔ مہلائیل پینسٹھ سال کا ہوا تو بارد کو پیدا کیا۔ بارد کو پیدا کرنے کے بعد مہلائیل آٹھ سو تیس سال زندہ رہا اور بیٹے اور بیٹیاں پیدا کیں۔ مہلائیل کی عمر کے آٹھ سو پچانوے سال تھے اور مر گیا۔ بارد ایک سو باسٹھ سال کا ہوا تو حنوح کو پیدا کیا۔ حنوح کو پیدا کرنے کے بعد بارد آٹھ سو سال زندہ رہا اور بیٹے اور بیٹیاں پیدا کیں۔ بارد کی زندگی کے کل دن نو سو باسٹھ سال تھے اور مر گیا۔ حنوح پینسٹھ سال کا ہوا تو متوصالح کو پیدا کیا۔ متوصالح کو پیدا کرنے کے بعد حنوح نے تین سو سال خدا کے لیے آمد و رفت کی اور بیٹے اور بیٹیاں پیدا کیں۔ حنوح کی کل عمر تین سو پینسٹھ سال تھی اور حنوح اپنی آخری حد کو نہیں پہنچا کہ خدا نے اسے پکڑ لیا۔ متوصالح ستاسی سال کا ہوا تو لامخ کو پیدا کیا۔

متوصالح لامک کو پیدا کرنے کے بعد سات سو بہتر سال زندہ رہا اور بیٹے بیٹیاں پیدا کیں۔ متوصالح کی زندگی کے کل دن آٹھ سو انسٹھ سال تھے اور مر گیا۔ لامک ایک سو بیاسی سال زندہ رہا اور ایک بیٹا پیدا کیا۔ اس کا نام نوح رکھا کہ یہ ہم کو تسلی دے گا، ہمارے اعمال سے اور ہمارے ہاتھوں کی تکلیف سے اس زمین سے جس پر خدا نے لعنت کی ہے۔ نوح کو پیدا کرنے کے بعد لامک پانچ سو سال زندہ رہا اور مر گیا۔ لامک کی کل عمر چھ سو بیاسی سال ہوئی اور مر گیا۔ نوح پانچ سو سال کا ہوا تو سام، حام اور یافث پیدا کیے اور رُوئے زمین پر بہت زیادہ آدمی پیدا ہونے شروع ہوئے۔ ان کے یہاں بیٹیاں پیدا ہوئیں اور خدا کے بیٹوں نے آدم کی بیٹیوں کو دیکھا کہ خوبصورت ہیں۔ انہوں نے اپنے لیے جن عورتوں کو پسند کیا، لے لیا اور خدا نے کہا کہ میری روح ہمیشہ آدمی کے اندر قرار نہ پکڑے گی، اس لیے کہ وہ گوشت ہے اور اس کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوگی۔ اس زمانے میں زمین پر پہلوان لوگ تھے اور اس کے بعد بھی ہوں گے جب کہ خدا کے بیٹے آدم کی بیٹیوں کے پاس آئیں گے اور اپنے لیے اولاد پیدا کریں گے۔ یہ پہلوان لوگ ہیں جو دنیا میں ہیں اور نامور لوگ ہیں۔ خدا نے دیکھا کہ آدم کو زمین پر کیا ہوا اور غمگین ہو گیا اور خدا نے کہا کہ میں آدمی کو مٹا دوں گا۔ جبکہ میں نے روئے زمین کے بالائی حصہ سے آدمؑ سے لے کر چوپایہ، متحرک جانور اور آسمان کے پرندوں تک کو پیدا کیا کیونکہ میں پشیمان ہو گیا کہ میں نے ان کو بنایا۔ نوحؑ نے خدا کی نظروں میں آبرو حاصل کی۔''

یہ تھا پورا صحیفۂ آدمؑ جو توریت میں ہے اور اس سے زیادہ توریت کو حاصل کرنے کی فرصت نہیں ملی۔

پانچواں باب

عیسائیوں کے عقائد کے بارے میں

یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل حضرت عیسیٰ کے بیان میں، دوسری فصل نصاریٰ کے عقائد کے بیان میں، تیسری فصل عیسائیوں کے اعمال سے متعلق ہے۔ عیسائیوں کے چند فضلاء کو میں نے دیکھا ہے۔ منجملہ ان کے پادری فرقہ ہے جس کی پرتگال اور گوا کے لوگ جو ہندوستان اور بندرگاہ سورت میں ہیں، تعظیم کرتے ہیں۔ ۱۰۵۷ھ (۱۶۴۷ء) میں اس کتاب کے مصنف نے بندرگاہ سورت میں اس سے ملاقات کی تھی۔

حضرت عیسیٰ کے حالات میں

کہتے ہیں حضرت مسیح کی ولادت تخلیق عالم کے ۳۱۹۹ سال بعد اور طوفان نوح کے ۲۹۵۷ سال بعد، حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش کے ۲۰۱۵ سال بعد، حضرت موسیٰؑ کے آنے کے ۱۵۱۰ سال بعد جب کہ بنی اسرائیل پینسٹھویں ہفتہ میں تھے۔ جس کی دانیال پیغمبر نے خبر دی تھی اور شہر روم کی تعمیر کے ۷۵۲ سال بعد قیصر کی حکومت کے بیالیسویں سال میں واقع ہوئی۔ جب حضرت عیسیٰؑ ظاہر ہوئے تو بڑے کاہن نے کہا، میں خدائے زندہ کی تجھے قسم دیتا ہوں، کیا تو ہی خدائے تبارک وتعالیٰ کا بیٹا ہے؟ حضرت یشوع نے اس کو جواب دیا اور کہا میں ہی ہوں جیسا کہ تو نے کہا۔ بیشک میں تم سے کہتا ہوں کہ تم آدمی کے لڑکے کو خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھا ہوا دیکھو گے جو خدا آسمان کے بادلوں میں اتر آئے گا —— انہوں نے کہا کہ تو کفر بکتا ہے، اس لیے کہ یہود کے عقیدے کے مطابق خدا آسمان کے بادلوں میں نہیں اترتا۔ اشعیاء پیغمبر نے عیسیٰؑ کی ولادت کی خبر دی تھی۔ اس کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔ "ایشائی کی جڑ سے شاخ پھوٹے گی اور اس شاخ سے ایک پھول ظاہر ہوگا جس میں خدا کی روح قرار پکڑے گی۔ بیشک ایک دوشیزہ حاملہ ہوگی اور لڑکا پیدا کرے گی۔" ایشائی داؤد کے باپ کا نام تھا۔ جب ان لوگوں نے عیسیٰؑ کو پکڑا تو ان کے مبارک چہرے پر تھوکا اور مارا۔ اشعیاء نے اس کی خبر دی تھی۔ "میں نے اپنا جسم مارنے والوں کے حوالے کر دیا اور رخسار کو چوٹ لگانے والوں کے حوالے کیا۔ میں نے اپنا منہ ان لوگوں سے نہیں پھیرا جنہوں نے مجھے گالی دی اور مجھ پر تھوکا۔" جب یہودیوں نے حاکم فیلاتس نے حضرت عیسیٰؑ کو مارا، چنانچہ آنحضرت کا سارا جسم زخمی ہو گیا تھا تو اس کی بھی اشعیاء نے خبر دی تھی —— "وہ ہماری زیادتیوں کی وجہ سے زخمی ہوا ہے اور میں نے اس کی قوم کی وجہ سے اس کو مارا۔" جب فیلاتس نے دیکھا

کہ یہودی لوگ حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے اور سولی پر چڑھانے پر مُصر ہیں تو اس نے کہا ''میں اس کے خون میں شریک نہیں ہوں اور میں اس کے خون سے الگ رہتا ہوں۔'' یہودیوں نے جواب دیا کہ ''اس کا خون ہم پر اور ہمارے لڑکوں پر ہے۔'' اسی وجہ سے ایسا ہے کہ جہاں کہیں یہودی ہیں، اپنے گناہ کی پاداش میں ذلیل وخوار اور مغلوب ہیں۔ جب حضرت عیسیٰ کے کندھے پر صلیب رکھ کر اسے مقتل کی طرف لے جا رہے تھے تو ایک عورت نے حضرت عیسیٰ کے خون آلودہ چہرے کو دامن سے صاف کیا۔ لہٰذا اس نے ان کی تین صورتیں تیار کیں اور اپنے گھر لے گئی۔ ان شکلوں میں سے ایک ہسپانیہ کے شہر شاہن میں جو بادشاہِ پرتگال کی حکومت میں شامل ہے، اس وقت موجود ہے اور سال میں دوبار اس کی نمائش کرتے ہیں۔ دوسری شکل ملک اٹلی کے شہر میلان میں ہے اور تیسری روم کے شہر میں ہے۔

عیسائیوں کے عقائد کے بیان میں

یہ لوگ کہتے ہیں ''باپ، بیٹا اور روح القدس کے نام کے ساتھ'' عیسائی کو چاہیے کہ حضرت عیسیٰ فیلس یعنی ابن اللہ کو دل سے مان کر زبان سے بھی اقرار کرے اور ہرگز اس کا انکار نہ کرے۔ اگرچہ اس کے لیے اس کا سر چلا جائے۔ فِیلُس بکسر فا وسکون یائے تحتانی معروف وضم لام بسین مہملہ عیسیٰ کو کہتے ہیں۔ اور عیسائیوں کا نشان صلیب مقدس ہے۔ ان کا قول ہے کہ ایمان کے عقائد کے اجزاء چودہ ہیں جن میں سے سات دیوس یعنی خدا تعالیٰ کی الوہیت سے مخصوص ہیں اور دوسرے سات حضرت عیسیٰ کی آدمیت سے متعلق ہیں۔ پہلے سات یہ ہیں: اوّل اقرار کرنا کہ خدا قادرِ مطلق ہے۔ دوم ایمان لانا کہ باپ ہے۔ سوم ایمان لانا کہ وہ بیٹا ہے۔ چہارم ایمان لانا کہ وہ روحِ پاک ہے۔ پنجم ایمان لانا کہ وہ خالق ہے۔ ششم ایمان لانا کہ جنت بخشنے والا ہے۔ ہفتم ایمان لانا کہ سلامتی دینے والا ہے۔ دِیُوس بکسر دال مہملہ وسکون یائے تحتانی مجہول و واؤ مضموم بسین مہملہ اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں۔

دوسرے سات حضرت عیسیٰ کی آدمیت سے متعلق ہیں۔ اوّل ایمان لانا کہ وہی خدا کا بیٹا، روح القدس کی قدرت سے مریمؑ کے شکم میں پیدا ہوا۔ دوم ایمان لانا کہ کنواری مریم سے پیدا ہوا اور اس کی بکارت زائل نہیں ہوئی۔ سوم ایمان لانا کہ ہمارے لیے وہ سولی دیا گیا اور مرا اور دفن ہوا۔ چہارم ایمان لانا کہ پست زمین پر وہ اترے گا اور جو اولیائے اوّلین وہاں اس کی مبارک آمد کے منتظر تھے، ان کو اُٹھائے گا۔ پنجم ایمان لانا کہ تیسرے روز زندہ ہو کر اُٹھ بیٹھا۔ ششم ایمان لانا کہ آسمان پر چلا گیا اور اپنے باپ خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھا ہے جو قادرِ مطلق ہے۔ ہفتم ایمان لانا کہ آخر میں دنیا میں آئیں گے اور زندوں اور مُردوں میں انصاف کرنے کے لیے اور ان کے اچھے بُرے اعمال میں فرق کرنے کے لیے۔ یہ لوگ خدا کو باپ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بندے پر اس طرح مہربان ہے جس طرح باپ بیٹے پر۔ اور کہتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ خدا تین مختلف وجود ہیں لیکن درحقیقت ایک ہی ذات ہے چنانچہ وہ ہستی باپ ہے، بیٹا ہے اور روح القدس ہے، بغیر اس کے کہ وہ

ذات پاک وحدت سے باہر ہو اور یہ صرف خدا کا خاصہ ہے، مخلوق میں یہ صفت نہیں پائی جا سکتی۔ حضرت عیسیٰ خدا کا حقیقی بیٹا ہے اور باقی صلحاء مجازی بیٹے ہیں۔ حضرت عیسیٰ اس حیثیت سے کہ خدا ہے آسمان پر باپ سے پیدا ہوا نہ کہ ماں سے۔ اسی طرح زمین میں اس لحاظ سے کہ آدمی ہے، ماں رکھتا ہے نہ کہ باپ۔ عیسیٰ نہیں مرے گا لیکن چونکہ بنی آدم سے اسے بڑی محبت تھی، اس لیے خود کو اپنی قوم پر قربان کر دیا تاکہ وہ لوگ سارے گناہوں سے رہائی پا جائیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ زمین کے نیچے چار مقام ہیں۔ سب سے نیچے دوزخ ہے جو کہ شیطانوں اور گناہگاروں کے عذاب کی جگہ ہے۔ دوسرا اس سے بلند مقام ہے جس کو پرگتوریو کہتے ہیں۔ یعنی نیک لوگوں کے پاک ہونے کی جگہ کیونکہ بعض گناہ جو اُن سے سرزد ہوئے ہیں، ان سے وہاں پاک ہو کر بہشت میں جائیں گے۔ تیسرا مقام اس سے بلند تر ہے جس کو لینو کہتے ہیں، جہاں پر نابالغ بچے رہتے ہیں۔ اس مقام میں خداوند تعالیٰ کے دیدار سے محرومی کے علاوہ کوئی عذاب نہیں ہے۔ چوتھا مقام اس سے بھی بلند ہے جس کو گوش ابراہیم یعنی مقامِ ابراہیم کہتے ہیں جو انبیاء و اولیاء کی روحوں کا مقام ہے۔ یہ لوگ عذاب میں مبتلا نہیں تھے بلکہ حضرت عیسیٰ کے مفید کام کا انتظار کر رہے تھے۔ جب عیسیٰ نے بدن چھوڑا اور دفن ہوئے تو مقامِ چہارم میں آیا اور جب قبر سے اُٹھے تو پاک روحوں کو اپنے ساتھ لے گئے اور باقی تین مقام کی روحوں کو ان کی جگہ پر چھوڑ دیا۔ جب قتل ہونے کے بعد عیسیٰ زندہ ہوئے تو اس کی روح جسم سے مل گئی اور چالیس روز تک اپنے شاگردوں کے ساتھ بسر کی پھر ان کے اور دوسروں کے سامنے آسمان کے اوپر چلے گئے اور وہ خدا کی قدرت سے بلند ترین مقام پر ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اپنے باپ خداوند کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے ہیں، یہ اس وجہ سے نہیں کہ ہم خدا کے جسم اور جسمانی ہونے کے قائل ہیں کیونکہ حق تعالیٰ داہنے اور بائیں سے منزہ ہے بلکہ یہ بات صرف سمجھانے کی غرض سے ہے کہ حضرت عیسیٰ اس لحاظ سے خدا کا بیٹا ہے کہ وہی بزرگی اور قدرت اسے حاصل ہے، جو اس کے باپ خدا کے لیے ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ ایک آدمی ہے، آسمان پر سب سے زیادہ معزز اور بہتر مقام پر متمکن ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ ہم جو یہ کہتے ہیں کہ آخری دن حضرت عیسیٰ نیچے اتریں گے تاکہ مردہ اور زندہ کے درمیان انصاف کریں گے اور اس کو بدلہ دے تو اس دن سب لوگ زندہ نہ ہوں گے بلکہ زندہ لوگوں سے مقصد نیک لوگ ہیں اور مُردوں سے مراد گنہگار لوگ۔ عیسائیوں کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں پایا جاتا جو پاک اور ولی ہو۔ قیامت کے دن سب لوگ زندہ ہو جائیں گے اور روح جسم سے مل جائے گی اور پھر کبھی نہ مریں گے۔

۳۔ عیسائیوں کے اعمال کے بیان میں

دس احکام ایسے ہیں جو انجیل میں مکرر آئے ہیں۔ ان میں سے اوّل تین کا تعلق خدا کی ذاتِ گرامی سے ہے اور باقی سات بندگانِ خدا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اوّل خدا تعالیٰ کو ہر چیز سے زیادہ دوست رکھ۔ دوم بلاضرورت خدا کی قسم نہ کھا۔ یعنی سچائی کی عادت ڈال اور جب یہ صفت لوگوں کو معلوم ہو جائے گی تو تجھ کو قسم

کھانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ حکیم صاحبِ اسرار ناصر خسرو کہتا ہے:

جز راست مگوئے گاہ و بیگاہ تا حاجت نایدت بہ سوگند

(وقت وبے وقت سچ بات کے سوا نہ بول تا کہ تجھ کو قسم کھانے کی ضرورت نہ پڑے۔)

سوم تیوہاروں کو یعنی روزِ یکشنبہ اور دوسرے مبارک دنوں کو پاک سمجھ۔ چہارم ماں باپ کی عزت کر اور ان کو محترم سمجھ۔ پنجم قتل نہ کر۔ کہتے ہیں کہ اس لفظ کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ کسی قسم کے جانور کو نہ ماریں۔ لیکن لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ جو جاندار اپنی ملکیت میں ہے، اس کو نہ ماریں کیونکہ اس میں فائدے ہیں اور مخلوق کو ان کی زندگی اور موت سے بہت فائدے ہوتے ہیں پس اسے نہ مارنے سے اس بات کا اشارہ ہے کہ ہم اپنے بھائی کو جو آدمی ہے ناحق نہ ماریں اور اپنے عمل اور قول سے تکلیف نہ دیں۔ ششم زنا نہ کریں یعنی ہم پرائی عورت سے صحبت نہ کریں، خواہ شوہر والی ہو یا بغیر شوہر والی۔ ہفتم چوری نہ کر۔ ہشتم جھوٹی تہمت نہ باندھ۔ اس حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کسی کی برائی چھپی ہو اور ہم یقینی طور پر جانتے ہوں تو اس کو پوشیدہ رکھیں اور ظاہر نہ کریں مگر یہ کہ وہ برائی دین یا عقیدہ یا بادشاہ کے متعلق بدگمانی ہو۔ نہم پرائی عورت کی خواہش نہ کر۔ دہم غیر کے مال کی خواہش نہ کر۔

دوسرے پانچ احکام ہیں جو ضروری ہیں، اوّل اتوار کے روز اور دوسرے تیوہاروں میں استماع مثالی کرنا۔ یہ ایک نماز ہے جسے پادری خلوت کدہ میں عیسیٰ کی مصیبت کو یاد کر کے ادا کرتا ہے۔ ہر شخص کو اسے پوری توجہ سے سننا چاہیے۔ دوم کنفیاء کرنا اور اسے سال میں کم از کم ایک بار انجام دینا چاہیے۔ کنفیاء کے لیے تین شرطیں ہیں: اوّل سچائی، دوم عاجزی اور سوم درستگی یعنی عاجزی سے اپنے گناہوں کو کمی بیشی کے بغیر شمار کرے اور زبان سے اقرار کرے اور اس کی بخشائش طلب کرے سوم عید پاسکو میں کمناء کرنا یعنی جب عیسائی بالغ ہو گیا اور سیکریمنٹ مقدس جو ایک عبادت ہے، اس کی حقیقت سے واقف ہو گیا تو اس کے لیے لازم ہے کہ ہر سال عید پاسکو میں کمناء کرے۔ چہارم بڑے دن اور دوسرے دنوں میں روزہ رکھے، سوائے اس شخص کے جو معذور ہو۔ پنجم عُشر دینا، جو کچھ زمین سے پیدا ہو اور جانوروں سے حاصل ہو، اس کا دسواں حصہ خدا کو دینا چاہیے۔

دُعا کے وقت یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا باپ کیا اچھا ہے جس طرح باپ بیٹے کو دوست رکھتا ہے، اسی طرح وہ ہم کو دوست رکھتا ہے اور اپنا بیٹا کہتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ ہم اس کو باپ کہیں۔ لہٰذا ہم کو گناہوں سے پرہیز کرنا چاہیے، تا کہ اس کا فرزند بننے کے اہل قرار پائیں اور ہم خدا کے لیے جو یہ کہتے ہیں کہ تُو آسمان میں جگہ نہیں رکھتا، یہاں تک کہ خدا کو لوگ بہشت میں دیکھیں گے۔ یہ وہ گروہ ہے جو دُعا میں خدا سے روٹی طلب نہیں کرتا، اس لیے کہ خدا اس بات سے راضی نہیں کہ ہم آج اس سے آئندہ زمانے کی روزی کے اسباب مانگیں بلکہ ہمیں قناعت کرنی چاہیے اور آنے والے دن کی روزی کی فکر میں نہ پڑنا چاہیے۔ کہتے ہیں کہ ہم کو چاہیے کہ لوگوں کی طرف سے جو برائیاں پہنچیں ہم اُنہیں معاف کر دیں تا کہ حق تعالیٰ بھی ہم کو معاف کر دے۔ اسی طرح حضرت

مریم کی تعریف میں بھی دُعا کرتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ جس مقام پر بی بی مریم کی شکلیں موجود ہوتی ہیں، وہاں خدائے تعالیٰ بہت فضل کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی شکل اور صلیب مقدس کی شکل کا حال ہے۔

سکریمنٹ کی یعنی خداوند تعالیٰ سے استدعا کرنے اور طلبِ مغفرت کرنے کی سات قسمیں ہیں۔

اوّل بپتس مون یعنی خدا اس کے بیٹے اور روح القدس کے نام سے ظاہری اعضاء کا دھونا ہے۔ اس عمل کے واسطے ہر قسم کا اصلی پانی پسندیدہ ہے اور اس عمل کی وجہ سے روح تمام گناہوں کی آلودگی سے پاک ہو جاتی ہے۔ اس کام کے لیے پادری زیادہ بہتر ہے اگر موجود ہو اور اگر نہ ہو تو کرستانوں یعنی عیسائیوں میں سے ہر فرد کر سکتا ہے۔ دوم کون فرمہ شایو یعنی خدا کے نام سے روغن مقدس سے مالش کرنا ہے۔ اس مالش کرنے والے کو یعنی پادری کو جو علم و فضل میں مشہور ہونا چاہیے اور سب عیسائیوں کو جب وہ سنِ بلوغ کو پہنچیں، مالش کرنا چاہیے۔ سوم سینتو کرستا اس کو سب سکریمنٹ سے زیادہ پاک کہتے ہیں، کیونکہ اس میں حضرت عیسیٰ روٹی کی شکل کے نیچے ہوتے ہیں تاکہ ہماری روح کے لیے قوت بن جائیں۔ تین چیزیں اس عمل میں ضروری ہیں، اوّل صحیح عقیدہ، دوم گناہ سے توبہ سوم روزہ رکھنا اور اس وقت تک کوئی چیز نہ کھانا جب تک اس کو نہ لے لیں اور اس کو لینے کا وقت بڑا دن ہے۔ چہارم پنی تنشیا یعنی وہ دو باتیں جن کو حضرت عیسیٰ نے پنی تنشیا میں داخل کیا ہے۔ پہلی بات کنفسیا ہے یعنی گنہگار کا گناہوں کا اقرار کرنا اور پادری سے بخشائش چاہنا کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ کا جانشین ہے اور اس کی طرف سے طلبِ مغفرت خود حضرت عیسیٰ کی جانب سے طلبِ مغفرت ہے۔ لہٰذا گنہگاروں کو لازم ہے کہ اپنے پوشیدہ اور علانیہ گناہوں کو ایک ایک کر کے اس کے سامنے رکھے۔ اس میں دو باتیں شامل رہنی چاہئیں، اوّل ایسے کام سے نفرت اور ندامت جو خدا کی نافرمانی میں سرزد ہوا ہو۔ دوم درست نیت کہ پھر کبھی بُرے اعمال کا مرتکب نہ ہوگا۔ پس پادری اس کے حق میں وہ سزا تجویز کرے گا جو ہر گناہ کے مقابل میں حضرت عیسیٰ نے مقرر کی ہے۔ اور چھوٹے بڑے گناہ جو گنہگار سے پادری سُنے ان کو ہرگز ظاہر و عیاں نہ کرے، اگرچہ اس کا سر چلا جائے۔ اس عمل کا وقت سال میں کم از کم ایک بار بڑے دن کے موقع پر ہے۔ پنجم سکریمنٹ استریمہ اونشایو ہے۔ یہ ایک مالش ہے جو ہر عیسائی روغن مقدس سے چند الفاظ کے ساتھ جن کو حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا، کرتے تھے۔ یہ سکریمنٹ بالغ عیسائی کو دیتے ہیں اور یہ پانچ سکریمنٹ ضروری ہیں۔ ششم آردن ناشیو ہے۔ یہ سکریمنٹ وہ شخص لیتا ہے جو خود کو اپنی مرضی سے عیسائی کی امداد کے لیے خدا کی عبادت کے حوالے کر دیتا ہے۔ ہفتم مترمونیہ ہے۔ یہ کچھ شرطیں ہیں جن کو مرد اور عورتیں نکاح کے وقت آپس میں طے کرتے ہیں۔ زندگی بھر اس کی پابندی کریں گے اور یہ سکریمنٹ صرف لوگوں کے لیے ہے۔ یہ عمل اکثر اوقات عورتوں کے لیے بارہ سال کی عمر میں اور مردوں کے لیے چودہ سال کی عمر میں درکار ہوتا ہے۔ مرد ایک عورت کے سوا دوسری کی خواہش نہیں کر سکتا اور عورت کے لیے بھی ایک شوہر کے علاوہ دوسرا سزاوار نہیں۔ یہ سکریمنٹ پادری اس کی تحقیق کرنے کے بعد دیتا ہے کہ بالغ شخص شادی شدہ نہیں ہے اور گواہوں کے سامنے عقد کر کے شادی کی شرائط میں سے ایک ایک سے دونوں کو آگاہ کر دیتا ہے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان ایسی چیز ہے جس سے ہم صحیح عقیدے کو یقینی طور پر جانتے ہیں اور جو کچھ خدا نے پیغام بھیجا ہے، اگر چہ وہ سخت دشوار اور فطری عادت اور طریقے کے خلاف ہے، اس کو مانتے ہیں کیونکہ خدا جھوٹ نہیں بولتا، وہ سب حضرت عیسیٰ کے جانشین جس کو پوپ کہتے ہیں، اس کی شہادت کے مطابق کتابِ الٰہی میں موجود ہے اور یہ طے ہے کہ وہ کسی کو غلطی میں نہیں ڈالتا۔ اس لیے کہ حضرت عیسیٰ نے انجیلِ مقدس کے مطابق اس کو ایسا قول دیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ انسان کی زندگی جن اوصافِ حمیدہ پر موقوف ہے، وہ یہ ہیں: علم حاصل کرنا ایک اعلیٰ مقصد ہے اور علم کا شیوہ اس بات کی کوشش کرنا ہے کہ سارے کام ترتیب و صلاحیت کے ساتھ انجام پائیں۔ علم چیزوں کا استاد ہے، اور ایسا ہے جیسے کھانے میں نمک، جسم میں آنکھ اور آسمان میں آفتاب۔ عدالت: لوگوں کے مختلف کاموں میں اعتدال پیدا کرنا اور لوگوں کو ایک دوسرے سے صلح اور خوشنودی کے ساتھ رکھنا ہے کیونکہ اگر ہر شخص اپنے حصہ پر قناعت کر کے زیادہ کی طلب کرے تو جنگ و جدال نہ کرے۔ شجاعت ایسی صفت ہے جس سے انسان ان دشواریوں پر قابو پاتا ہے جو لوگوں کی زندگی میں رکاوٹ بنتی ہیں اور شجاعت کا شیوہ خوف و ہراس پر غالب ہوتا ہے جسے شیطان دل میں ڈالتا ہے تاکہ واجبی کاموں سے انسان کو باز رکھے۔ عفت ایک قدرت ہے جو نفس کی خوبیوں میں اندازہ اور ترتیب عطا کرتی ہے اور عفت کا شیوہ یہ ہے کہ انسان دنیا کی خوشیوں میں گم نہ ہو جائے اور چاہیے کہ ہم دنیا میں ریاضت کریں۔ سعادت مند وہ لوگ ہیں جو خدا کے لیے بھوک اور پیاس رکھتے ہیں اور چاہیے کہ خدا کی عبادت میں سوائے خدا کی خوشنودی کے ہمارا کوئی مقصد نہ ہو۔ اسی بنا پر پاک دل سعادت مند ہیں کیونکہ بہشت میں خدا کا دیدار ان کو میسر ہوگا اور ایک طرح سے وہ دنیا میں بھی خدا کو دیکھتے ہیں جس طرح وہ لوگ جو پاک نگاہیں رکھتے ہیں، عمدہ چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ لہٰذا چاہیے کہ ہم سب کے ساتھ صلح کے ساتھ زندگی گزاریں اور اس سلسلے میں خوب کوششیں انجام دیں اور جو لوگ مخالفت اور دشمنی پر ہیں وہ جدوجہد کر کے محبت کا راستہ اختیار کریں۔ اسی لیے صلح کرنے والے جو فرزندانِ خدا کہلاتے ہیں، سعادت مند ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں چودہ ہین، ان میں سے سات جسمانی ہیں اور باقی سات روحانی۔ جسمانی یہ ہیں: اوّل بھوکوں کو آسودہ کرنا۔ دوم پیاسے کو سیراب کرنا۔ سوم ننگے کو کپڑا پہنانا۔ چہارم مسافروں کو جگہ دینا۔ پنجم بیماروں کا حال پوچھنا اور قیدیوں کو تسلی دینا۔ ششم قیدیوں کو آزاد کرانا۔ ہفتم مُردوں کو دفن کرنا۔ روحانی اعمال یہ ہیں: اوّل جاہل کو علم سکھانا۔ دوم ضرورت مندوں کو مشورہ دینا۔ سوم غمگین لوگوں کو دلاسا دینا۔ چہارم گنہگاروں کو تنبیہ کرنا۔ پنجم رنجیدگی کو معاف کر دینا۔ ششم مخلوق کی بے ادبی کو برداشت کرنا۔ ہفتم زندوں اور مُردوں کے حق میں اچھی دُعا کرنا۔ یہ لوگ کہتے ہیں جو شخص بھی محتاج ہے، وہ خیرات کا مستحق ہے، خواہ وہ کسی مذہب اور کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن ہم مذہب اور رشتہ دار کی رعایت اولیٰ ہے۔ گناہ یہ ہے کہ ہم اپنے اختیار سے اس فعل کا ارتکاب کریں جو خدا کی خوشنودی کے خلاف ہے اور وہ فعل ترک کریں جس کے لیے ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ گناہِ کبیرہ یہ ہے کہ ہم اپنے اختیار سے کوئی برا فعل یا عمل کریں مثلاً جان بوجھ کر ناحق خون بہانا اور صغیرہ وہ ہے جس

میں ہلکا پن پایا جائے مثلاً کوئی معمولی چیز چرانا بغیر اس کے کہ اس میں پورا اختیار نہ ہو۔

بڑے بڑے گناہ یہ ہیں: تکبر، حرص، شہوت، غضب، کھانے کی حرص، حسد اور کاہلی۔ تکبر اپنے کو دوسروں سے بڑا سمجھنا ہے، اس سے جو برائیاں پیدا ہوتی ہیں وہ ڈینگ مارنا، دوسروں کو حقیر سمجھنا، جھگڑا کرنا اور نافرمانی کرنا۔ اس کا علاج تواضع وانکساری اور اس شخص کی اطاعت کرنا ہے جو اس کے لائق ہوتا کہ طبیعت کو بُرا نہ معلوم ہو۔

حرص دنیوی اسباب کی بے انتہا خواہش کرنا ہے اور جو برائیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں وہ یہ ہیں، چوری، خرید و فروخت میں دغابازی، جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسم کھانا۔ اس کا علاج نیکی کرنا اور سخاوت کرنا ہے۔

شہوت نفسِ امارہ کی خوشی پوری کرنے کی بے انتہا خواہش کرنا ہے اور اس کی برائی عورتوں سے ملوث رہنا اور شرمندہ ہونا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس کے خلاف کوشش کرے جس کا نام وانجام پاک دامانی ہے۔

غضب کسی سے بدلہ لینے کی بے انتہا خواہش کرنا ہے اور اس کی برائیاں یہ ہیں: مخلوقِ خدا سے عداوت، لوگوں سے توہین آمیز گفتگو، لڑائیاں اور وقار کا نقصانِ عظیم۔ اس کا علاج ہے صبر وتحمل کرنا اور غور کرنا کہ میں سخت عذاب اور اذیتوں کے لائق ہوں جو مجھ کو پہنچیں گی اور حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریین پر نظر رکھنا جنھوں نے ان لوگوں کے ساتھ بھی رحم ومہربانی کا برتاؤ کیا ہے جنھوں نے ان کو تکلیف اور اذیت پہنچائی تھی۔

کھانے کی حرص کا مطلب کھانے پینے کی بے انتہا خواہش کرنا ہے۔ اس کا نتیجہ شہوت، روزہ سے انکار، عبادت میں سستی اور طرح طرح کے جسمانی مہلک امراض ہیں۔ اس کا علاج کھانے پینے میں پرہیز اور احتیاط کرنا ہے تاکہ خدا کی عبادت کے لائق بنے، صحت وتندرستی حاصل ہو اور فضول خرچی سے باز رہے۔

حسد دوسروں کے معاملات درست ہونے سے رنج وغم کرنا ہے، اس طور پر کہ انسان خیال کرے کہ اس میں خرابی اور نقصان پیدا ہو جائے۔ اس کی برائی دوسروں کے نقصان پر خوش ہونا، لوگوں کی برائی کرنا اور بیکار زندگی گزارنا ہے۔ اس کا علاج مخلوق سے خالق کی وجہ سے محبت کرنا اور غور کرنا کہ ان کی خوبی اور عمدگی مرحمتِ خداوندی ہے اور مخلوق کے کسی عمل سے جو مخلوق سے سرزد ہو غمگین ہونے کو بالکل ترک کر دینا ہے۔

کاہلی خدا کی پرستش اور نیک کام میں سستی کرنا ہے۔ اس کی برائی اکثر اوقات لازمی اور ضروری کاموں میں کوتاہی کرنا ہے اور ہمیشہ روحانی اور جسمانی زندگی کے علاج کو ہاتھ سے کھونا ہے۔ اس کا علاج چست و چالاک رہنا ہے۔

دوزخ وہ مقام ہے جس سے بدتر کوئی نہیں۔ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے انسان اس مقام میں ابدالآباد تک ایسے عذاب میں گرفتار رہے گا جس سے بدتر کوئی عذاب نہیں ہوسکتا۔ بہشت ایسا مقام ہے جو طرح طرح کی خوبیوں سے مالامال ہے اور اس مقام کے لائق انسان وہاں ابدالآباد تک عیش وعشرت کے ساتھ زندگی گزارے گا۔

حضرت عیسیٰ نے اپنے آدمیوں سے کہا تھا کہ میرے بعد بہت سے لوگ پیغمبری کا دعویٰ کریں گے

لیکن سب جھوٹے ہوں گے، لہٰذا تم سب میرے دین پر پائدار اور استوار رہنا یہاں تک کہ میں پھر آ جاؤں۔

انجیل کو حضرت عیسیٰ کی زبان سے کئی زبانوں میں لوگوں نے ترجمہ کیا ہے، اوّل عبرانی، دوم یونانی، سوم لاطینی جو اہلِ فرنگ کی علمی زبان ہے اور چہارم سُریانی۔ اور ان سب کو کلامِ الٰہی سمجھتے ہیں۔

چھٹا باب

مسلمانوں کے عقائد کی تفصیل میں

یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے، پہلی فصل سنیوں کے عقائد سے متعلق ہے اور دوسری فصل شیعوں کے اعتقادات کے بارے میں ہے۔

پہلی فصل: اہلسنت والجماعت کے عقائد کے بارے میں

اس کتاب کے مصنف نے اہلسنت رحمہم اللہ کے معتبر لوگوں سے سنا ہے اور ان کی کتابوں میں دیکھا ہے، نیز امام محمد شہرستانی[1] کی کتاب الملل والنحل میں مذکور ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ارشادات میں جو مثل وحی الٰہی کے ہیں، وارد ہے کہ میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی۔ منجملہ ان کے ایک فرقہ نجات پانے والا ہوگا اور باقی ہلاک وتباہ ہو جائیں گے۔ لوگوں نے سوال کیا کہ کس فرقہ پر نجات کا آفتاب چمکے گا؟ آپ نے فرمایا کہ اہلِ سنت والجماعت۔ پھر پوچھا کہ اہلسنت والجماعت کون لوگ ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو اس مسلک پر چلیں جس پر آج میں چل رہا ہوں اور میرے بعد میرے اصحاب جس مسلک پر چلیں گے۔ اسی کتاب میں صفاتیہ کے بیان میں یہ بھی مذکور ہے کہ سلف میں بہت سے لوگوں نے ذات الٰہی کے لیے صفات ازلی ثابت کی ہیں، مثلاً علم، قدرت، حیات، سمع، بصر، ارادہ، کلام، جلال، اکرام، وجود، انعام، عظمت اور عزت اور انہوں نے صفاتِ ذاتی اور صفاتِ افعالی کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی بلکہ دونوں قسم کی صفات ثابت کرنے میں ان کے کلام کا انداز یکساں ہے اور ان صفات کو جن کے ثبوت میں خبر وارد ہے، یہ لوگ ثابت کرتے ہیں اور ان کو صفات خبریہ کہتے ہیں مثلاً ید (ہاتھ) اور وجہ (منہ)۔ ان الفاظ کی یہ لوگ تاویل نہیں کرتے لیکن یہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ صفات شریعت میں وارد ہیں، لہٰذا ہم ان کو صفات خبریہ کہتے ہیں۔ چونکہ معتزلہ صفات کی نفی کرتے ہیں اور سلف ان کو ثابت کرتے ہیں، لہٰذا ہم سلف کو صفاتیہ اور معتزلہ کو معطلہ کہتے ہیں، لیکن صفاتیہ صفاتِ باری ثابت کرنے میں اس درجہ مبالغہ کرتے ہیں کہ تشبیہ کی حد تک پہنچا دیتے ہیں اور بعض لوگ صرف ان ہی صفات پر اقتصار کرتے ہیں جن پر افعال دلالت کرتے ہیں اور جن کے متعلق خبر وارد ہوئی ہے۔ ان سے

---

[1] محمد بن عبدالکریم شہرستانی (وفات ۱۱۵۳ء) نے اپنی کتاب الملل والنحل میں حضور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مسلم امت میں پیدا ہونے والے مذہبی اور سیاسی اختلافات پر سنجیدگی اور آزادی سے بحث کی، بلکہ یہود، نصاریٰ اور دوسری مذاہب سے مذہبی افکار [illegible] امامت پر لکھتے ہوئے شہرستانی لکھتے ہیں کہ امت اسلامیہ میں سب سے بڑا اختلافی مسئلہ امامت کا ہے۔ اس کے لیے تلوار [illegible] باہر آئی ہے۔ کسی دوسرے مسئلہ پر اس زور سے میان سے باہر نہیں آئی۔ اس کتاب کے مصری ایڈیشن (۱۹۴۸ء) پر شیخ احمد فہمی نے [illegible] حاشیے ہیں۔ (ایڈیٹر)

دو فرقے ہو گئے ہیں۔ ایک فرقہ ان الفاظ کی اس طور پر تاویل کرتا ہے جس کا وہ الفاظ احتمال رکھتے ہیں اور دوسرے لوگ تاویل کے بارے میں توقف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہ تقاضائے عقل ہم کو معلوم ہے کہ ذات کبریائے سبحانی کے مثل کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا مخلوقات میں کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ وہ الفاظ جن سے تشبیہ کا وہم پیدا ہوتا ہے، مثلاً الرحمٰن علی العرش استوی (طٰہٰ:۵) (رحمٰن جہانداری کے تخت پر متمکن ہے) یا مثلاً خَلَقْتُ بِیَدَیّ (میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا) اور جاء ربک (البقرہ:۲۲) (تیرا رب آیا) وغیرہ جن سے تشبیہ کا گمان ہوتا ہے، ہم اس کے حقیقی معنی نہیں جانتے اور اس کے معنی جاننے اور اس کی تاویل کرنے کے لیے ہم مکلف نہیں ہیں، ہم صرف اس بات کے مکلف ہیں کہ ذاتِ الٰہی سے مخلوقات و محدثات کی تشبیہ کی نفی کریں۔

متاخرین کی ایک جماعت نے سلف کے اقوال پر مزید اضافہ کیا اور کہا کہ لازمی طور پر ان الفاظ کو ظاہری معنی پر محمول کرنا چاہیے۔ اور بغیر اس کے کہ ہم ان کی تاویل کے درپے ہوں یا ان کے ظاہری معنی میں توقف کریں، ان کی جس طور پر وہ وارد ہوئے ہیں، تفسیر کرنی چاہیے۔ یہ لوگ تشبیہ خالص میں پڑ گئے اور اس مسئلہ میں سلف کے مخالف ہو گئے۔ کیونکہ تشبیہ خالص یہودیوں کی خصوصیات میں سے ہے۔ وہ بھی یہودیوں کے سب فرقوں میں نہیں صرف قرائیوں میں، اس لیے کہ انہوں نے توریت میں چند ایسے الفاظ پائے جو تشبیہ پر دلالت کرتے ہیں۔ اس امت میں بعض شیعہ افراط کا شکار ہوئے اور بعض تفریط کا۔ بہر حال وہ لوگ جنہوں نے اس معاملہ میں غلو کیا اور افراط میں پڑ گئے انہوں نے بعض اماموں کو ذاتِ کبریا سے تشبیہ دی لیکن جو طبقہ تفریط و تقصیر کی جانب رہا، اس نے کسی ایک مخلوق کو ذاتِ کبریائے الٰہی سے تشبیہ دی۔ جب معتزلہ اور متکلمین پیدا ہوئے تو بعض روافض نے اس افراط و تفریط سے جس کے وہ قائل تھے رجوع کیا اور معتزلی ہو گئے۔ سلف میں بعض لوگ ان الفاظ کی بنا پر جو محتمل تشبیہ ہیں، تشبیہ میں مبتلا ہو گئے، خطا میں پڑ گئے۔ سلف کا وہ طبقہ جو ایسے الفاظ کی تاویل کے درپے نہیں ہوا اور خود کو تشبیہ کی وجہ سے ملامت کے تیروں کا نشانہ نہیں بنایا۔ اس میں قدوۃ المجتہدین امام الاسلام مالک بن انس رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے فرمایا کہ الرحمن علی العرش استویٰ، معلوم ہے۔ اس کی کیفیت نامعلوم ہے۔ اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔ اس مسلک پر امام احمد بن حنبل، داؤد اصفہانی رحمہما اللہ اور وہ لوگ جو ان کے پیرو تھے، اس وقت تک چلتے رہے کہ عبداللہ کلابی، ابوالعباس قلانسی اور حارث بن اسد محاسبی کا زمانہ آ گیا۔ یہ تینوں بھی اگرچہ سلف میں سے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ علم کلام کے ساتھ دلچسپی رکھنے کی وجہ سے یہ سلف کے عقائد کو اصول کلام کے دلائل کے مطابق روشن اور واضح نہیں کر سکے۔ علم کلام سے شغف اور انہماک روز بروز بڑھتا رہا یہاں تک کہ شیخ ابوالحسن اشعری اور ان کے استاد کے درمیان مسئلہ صلاح و اصلح کے متعلق اختلاف پیدا ہوا اور دونوں میں مناظرہ ہوا اور دونوں میں دشمنی ظاہر ہوگئی۔ اشعری ان مذکورہ لوگوں کی طرف ہو گئے۔ انہوں نے اصولِ کلام سے ان کے عقائد کو مستحکم اور استوار بنا دیا اور یہ مذہب اہلسنت والجماعت کا مذہب بن گیا۔ صفاتیہ کہتے ہیں کہ اب یہ لقب

بدل گیا ہے اور ان کو اشعریہ کہنے لگے ہیں چونکہ اشعریہ اور کرامیہ صفات کو ثابت کرنے والے ہیں، لہٰذا ان کو صفاتیہ کے دو فرقے کہا گیا، جن میں سے ایک اشعریہ تھا۔ اشعری کے مسائل میں سے یہ ہے کہ جو چیز بھی موجود ہے، اس کا مرئی ہونا صحیح ہے اور رویت کو صحیح بنانے والی صفت وجود ہے اور چونکہ باری تعالیٰ موجود ہیں، لہٰذا حق تعالیٰ کی رویت بھی صحیح ہے اور اس کے متعلق نص قرآنی وارد ہے کہ مومنین آخرت میں رویت باری کے شرف سے مشرف ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ: وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربّھا ناظرۃ (القیامہ: ۲۲) (بہت سے چہرے اس روز بارونق ہوں گے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔)

اشعری کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ساری مخلوقات کو بہشت میں جانے دے یا دوزخ میں ڈال دے تو یہ ظلم نہ ہوگا کیونکہ ظلم ملکیتِ غیر میں تصرف کا نام ہے۔ اور کہتے ہیں کہ امامت اتفاق و اختیار سے ثابت ہوئی ہے نہ کہ نص اور تعیین سے، اس لیے کہ اگر امامت نصّی ہوتی تو پوشیدہ نہ رہتی جبکہ اس کے بیان کی ضرورت شدید تھی۔ چنانچہ سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کرامؓ نے ابوبکرؓ کی امامت پر اتفاق کیا تھا، اس کے بعد ابوبکرؓ کی تعیین سے عمرؓ پر، مشورہ کے بعد عثمانؓ پر اور اس کے بعد علیؓ پر اتفاق کیا رضوان اللہ علیہم اجمعین اور امامت کی ترتیب کے لحاظ سے اُن حضرات کی فضیلت ہے۔ ان ہی میں اصحابِ حدیث امام احمد بن حنبل اور داؤد بن علی محمد اصفہانی اور سلف کی ایک جماعت ہے جو مشبہ سلف ہے اور سلف پیرو ایک جماعت ہے مثلاً مالک بن انس اور مقاتل بن سلیمان۔ یہ لوگ سلف کے مسلک پر قائم تھے۔ ان کا قول تھا کہ ہم کتاب اور سنت پر ایمان لائے اور کتاب اللہ اور سنت پر ایمان لانے کے بعد تاویل کے درپے نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ ذات کبریا کسی چیز کے مشابہ نہیں اور مخلوقات میں سے کوئی مخلوق ذاتِ کبریا کے مشابہ نہیں ہے۔ ان لوگوں نے تشبیہ سے حد درجہ احتراز کیا اور کہا کہ جو شخص خلقتُ بیدیَ (میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا) پڑھتے وقت اپنا ہاتھ ہلاتا ہے یا اس حدیث کی روایت کے وقت قلبُ المومن بین الاصبعین من اصابع الرحمٰن (مومن کا قلب خدا کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے) اپنی انگلی سے اشارہ کرتا ہے، اس کا ہاتھ کاٹ دینا واجب ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان الفاظ کی تفسیر میں ہم دو امر کی بنا پر توقف کرتے ہیں۔ اوّل اس لیے کہ آسمانی کتاب میں یہ آیت وارد ہے: فامّا الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تأویلہ وما یعلم تأویلہ الّا اللہ والراسخون فی العلم یقولون امنّا بہ کل من عند ربنا (آل عمران: ۷)۔ (''سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ تو قرآن کی ان ہی مبہم آیات کے پیچھے پڑے رہتے تاکہ فساد پیدا کریں، تاکہ اُن کے اصل مطلب کی ٹوہ لگائیں۔ حالانکہ ان کا صحیح مطلب بجز حق تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا۔ جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں، وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔'') لہٰذا ہم زیغ یعنی شک سے احتراز کرتے ہیں اور تاویل امر ظنی ہے اور بالاتفاق صفاتِ باری تعالیٰ میں امر ظنی کا قائل ہونا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ہم باری تعالیٰ کی مراد کے خلاف اس کی تاویل کر دیں تو زیغ و انحراف میں جا پڑیں گے۔ بلکہ ہم وہی کہتے ہیں جو علم میں پختہ کار کہتے

ہیں۔ یہ سب الفاظ ذاتِ کبریائے سبحانی کی طرف سے ہیں۔ ہم اس کے ظاہر پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے باطن کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کے علم کو ذاتِ باری تعالیٰ کے حوالہ کرتے ہیں۔ دوسرے ہم اس کے علم و معرفت کے مکلف نہیں ہیں، اس لیے کہ اس کا جاننا ایمان کے شرائط میں سے نہیں ہے۔ بعضوں نے اس درجہ احتیاط کی ہے کہ الفاظ ید، وجہ اور استوا کو فارسی میں ترجمہ بھی نہیں کرتے۔ لیکن مشتبہ حشویہ اشعریہ ان الفاظ کو جو قرآن میں وارد ہوئے ہیں، مثلاً استوا، یدین، وجہ، مجیٔ، اتیان، فوقیت اور اس حدیث میں **خلق الله ادم علی صورته**[1] (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی شکل میں پیدا کیا) نیز جو دوسری احادیث وغیرہ میں ہیں، ان کو ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں، تاکہ جن اجسام پر ان الفاظ کا اطلاق کیا گیا ہے، ان کو سمجھ سکیں۔ یہاں تک کتاب الملل والنحل سے ماخوذ ہے۔

اس کتاب کے مصنف نے ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ء) میں دارالسلطنت لاہور میں مُلّا عادل سے سنا جو اپنی معتبر کتابوں سے پڑھ رہا تھا اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نے بھی اپنی منظوم تصنیف اعتقادیہ میں لکھا ہے کہ مسلمان پر واجب ہے کہ دل سے اعتقاد رکھے اور زبان سے اقرار کرے کہ کائنات کا صانع غنی مطلق اور بے نیاز ہے، اس کی ذات نہ جوہر ہے اور نہ عرض اور جو بھی تُو سوچ سکے، اس سے وہ بزرگ و برتر ہے۔ پہلا وجود اسی کا تھا جبکہ ساری کائنات عدم کی سرائے تھی۔ اس کے بعد وہی ذات منظر بقا پر پائیدار رہے گی۔ اس کے سوا کوئی شخص باقی نہ رہے گا۔ وہ ایک ہے لیکن عدد کے لحاظ سے نہیں، اس کی صفات و اسماء بے شمار ہیں، اگرچہ خبر میں اس کے ایک ہزار ایک نام ہیں لیکن اس میں وہ محصور نہیں۔ اس کی صفات نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات۔ اس کی صفات میں سے ایک حیات ہے لیکن روح، نفس اور جسم کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ اپنی وجہ سے زندہ ہے۔ دوسرے وہ عالم ہے، ایسے علم کے ساتھ کہ اس پر جہل سبقت نہیں رکھتا۔ اس کا علم شہر وجود کے مکین و مکان کی وجہ و جُزویات کو شامل ہے۔ یہاں تک کہ ریت کا ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ وہ ارادہ کرنے والا ہے اور جملہ اشیاء کے افعال خواہ وہ ارادی ہوں جیسے بشری یا وہ طبیعی ہوں جیسے پتھر کا نیچے کی طرف جھکنا، سب کے سب اس کی مشیت سے ظاہر ہوتے ہیں:

نخلد بے ارادتش خارے نکسلد بے مشیتش تارے

(اس کے ارادہ کے بغیر کوئی کانٹا بھی نہیں چبھتا اور نہ کوئی دھاگا اس کی مرضی کے بغیر ٹوٹتا ہے۔)

وہ قدیر ہے اور قدرتِ کامل رکھتا ہے اور بغیر کسی آلہ کے وہ سارے کام کرتا ہے، وہ عدم سے وجود پیدا کرتا ہے۔ وہ سنتا ہے بغیر کان کے اور دیکھتا ہے بغیر آنکھ کے:

بشنود خواہ دور یا نزدیک بیند ار روشن است یا تاریک

(وہ سنتا ہے خواہ کوئی دور ہو یا نزدیک ہو اور دیکھتا ہے، خواہ وہاں پر روشنی ہو یا تاریکی۔)

وہ متکلم ہے اور اس کا کلام حلق، زبان یا تالو کے ذریعہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا بیان اور خاموشی اس کے

[1] یہ حدیث صحیح بخاری (باب استیذان) میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ انسان کو 'بار امانت' اٹھانے کا شرف حاصل ہے، جس پر اسے بہ قول محب اللہ الہ آبادی از رہِ ترحم ''ظلوماً جہولا'' (الاحزاب ۷۲:۳۳) کہا گیا ہے۔ (ایڈیٹر)

کلام پر سبقت نہیں رکھتی اور خاموشی اس کے گرد نہیں گھومتی:

حق تعالیٰ چو بے عبارت و حرف با عدم گفت نکتہ ہائے شگرف

(اللہ تعالیٰ نے جب بغیر بیان اور الفاظ کے عدم سے عمدہ نکات بیان کیے۔)

عدم آمد ز ذوق آں سخنان بہ فضائے وجود رقص کناں

(تو اِن باتوں کی تاثیر سے عدم وجود کی فضا میں رقص کرتا ہوا آ پہنچا۔)

حوادثاتِ عالم خواہ خیر ہوں یا شر، سب اسی کی تقدیر سے ہیں اور نیک و بد افعال سراسر اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں:

نیک و بد گرچہ مقتضائے قضا است ایں خلاف رضا و آں برضا است

(نیک و بد اگرچہ قضا و قدر کے تقاضا کے مطابق ہے، لیکن ایک اس کی مرضی کے خلاف ہے تو دوسرا مرضی کے مطابق ہے۔)

ہر چہ خواہد کند زمنع و عطا نیست کس را مجال چون و چرا

(وہ جو کچھ چاہتا ہے، کرتا ہے، خواہ روکے یا عطا کرے کسی کو اس میں چون و چرا کی مجال نہیں۔)

عدل و فضل است سوئے او منسوب ظلم باشد زفعل او مسلوب

(عدل و فضل سب اسی کی طرف منسوب ہیں اور اس کے افعال سے ظلم بالکل دور ہے۔)

ملائکہ نہ مادہ ہیں اور نہ نر اور کفر و معصیت سے پاک ہیں۔ درجۂ اول کے بعض فرشتے اس کے مشاہدہ میں اس قدر محو ہیں کہ ان کو مطلق خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی دنیا یا انسان کو پیدا کیا ہے۔ درجۂ دوم کے فرشتے اجسام و ابدان کے منتظم ہیں، آسمانوں کی گردش ان ہی کے ذریعہ ہے اور بارش کے ہر قطرہ کے ساتھ ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے اور کوئی پتہ نہیں اُگتا، جب تک فرشتوں کا دخل نہ ہو۔ لیکن چار فرشتے مشہور ہیں۔ جبرائیل، اسرافیل، میکائیل اور عزرائیل۔ وحی نازل کرنا جبرائیل کا کام ہے، صور پھونکنا اسرافیل کے ساتھ مخصوص ہے۔ روزیوں کا ذمہ دار میکائیل اور روحوں کو قبض کرنے والا عزرائیل ہے۔ چار فرشتے انسان کے اوپر مقرر ہیں جو نیکی اور بدی کو لکھا کرتے ہیں اور یا دن یا رات اسی کام میں مشغول ہیں۔ نیکی لکھنے والا داہنا ہاتھ اور برائی لکھنے والا بائیں ہاتھ ہے۔ فرشتے خوش شکلوں کے ساتھ انسان کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں:

خاصہ در چشم ہادیان سبل از اولوالعزم انبیاء و رسل

(بالخصوص سیدھا راستہ دکھلانے والوں کی آنکھوں کے سامنے جو کہ اولوالعزم انبیاء اور پیغمبر ہیں۔)

انبیاء حق تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیاں ہیں اور سارے بنی نوع انسان اور فرشتوں سے افضل ہیں۔ شیطان کا نفس ان کی رہزنی نہیں کر سکتا اور اگر شاذ و نادر ان سے کوئی لغزش سرزد ہوتی ہے تو اس میں کوئی مصلحت شامل ہوتی ہے:

آدم آندم کہ خورد گندم را تخم میکشت نسل مردم را

(جس وقت حضرت آدمؑ نے گیہوں کھایا، اسی وقت نسلِ انسانی کا بیج بویا۔)

دانۂ را کہ خورد زاں شجرہ شد وجود من و تواش ثمرہ

(وہ دانہ جوانہوں نے اس درخت سے کھایا تھا، اس کا پھل میرا اور تیرا وجود بن کر ظاہر ہوا۔)

اگر چہ شرف کے لحاظ سے انبیاء کو ایک دوسرے پر کمی بیشی ہے لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء میں اشرف اور افضل ہیں جو سارے پیغمبروں کے فضائل وشمائل کے جامع ہیں:

نیست مبعوث پیش کار شناس جز محمدؐ کسے بہ کافۂ ناس

(تجربہ کار انسان کے نزدیک سوائے محمدؐ کے کوئی پیغمبر سارے انسانوں کی طرف بھیجا نہیں گیا۔)

وہ خاتم الانبیاء ہیں، ان کے بعد دوسرا پیغمبر نہ آئے گا اور حضرت مسیحؑ آخر زمانے میں نازل ہو کر شریعتِ محمدی کے پیرو ہوں گے اور مخلوق کو اسی دین کی دعوت دیں گے۔ شرع محمدیؐ ساری اگلی شریعتوں کی ناسخ ہے:

گرفتند حکم شرع آں سرور متفق با شریعت دیگر

(اگر اس سرورِ کائنات کی شریعت کا حکم کسی دوسری شریعت کے موافق واقع ہو۔)

نیست اصلا متابعت آں را جز از آن کان بشرع اوست روا

(تو سوائے اس کے کہ یہ حکم ان کی شریعت میں جائز ہے، دوسری شریعت کی پیروی ہرگز صحیح نہیں۔)

پیغمبر کی معراج بیداری کی حالت میں جسمؑ کے ساتھ ہوئی، بیت المقدس تک پھر وہاں سے براق کی پشت پر سوار ہو گئے اور آسمانوں سے آگے گزر گئے۔ سارے پیغمبروں کو دیکھا اور جنت و دوزخ کے مختلف طبقے دیکھے۔ سدرۃ المنتہیٰ پہنچ کر جبرئیل ان سے پیچھے رہ گئے۔ اس کے بعد رفرف کی مدد سے اور آگے گئے ع محرمے جز خدا نبود آنجا۔ (وہاں سوائے خدا کے کوئی محرم نہ تھا۔) پیغمبر نے دیکھنے کی چیزیں دیکھیں اور سننے کی باتیں سنیں:

رُوئے از آنجا بجائے خویش آورد جایگاہش ہنوز ناشدہ سرد

(وہاں سے اپنے مقام کی طرف واپس لوٹے درآنحالیکہ ان کی خوابگاہ ابھی تک سرد نہیں ہوئی تھی۔)

خرق عادات اگر نبوت کے دعویٰ کے ساتھ جمع ہو تو معجزہ ہے ورنہ کرامات۔ حضرت رسول اکرمؐ کی ذاتِ گرامی میں سارے انبیاء کے معجزات جمع تھے اور خود بہت سے معجزے رکھتے تھے، جن میں دوسرے انبیاء ان کے شریک نہ تھے۔ حق تعالیٰ کی بہت سی کتابیں ہیں، منجملہ ان کے خبر میں ایک سو چار کے نام مذکور ہیں۔ لیکن اس تعداد میں سب محصور نہیں ہیں اور ان کو محصور کرنا نامناسب ہے:

ہر کتابے کہ کرد حق انزال باش مومن بہ آن علی الجمال

(ہر وہ کتاب جو حق تعالیٰ نے نازل فرمائی، اس پر اجمالی طور پر ایمان لاؤ۔)

ہمچو توراۃ آں کتاب کریم بر کلیم و صحف بہ ابراہیم
(جیسے کہ توریت، یہ کتابِ کریم موسیٰ کلیم اللہؑ پر اور صحف ابراہیمؑ پر نازل ہوئے۔)
دیگر انجیل کآمد است فردو بر مسیح و زبور بر داؤد
(ایک اور کتاب انجیل حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی اور زبور حضرت داؤدؑ پر۔)
جامع این چہار قرآن است کہ محمد مبلغ آن است
(ان چاروں کتابوں کی جامع قرآن ہے، جس کو پہنچانے والے حضرت محمد ﷺ ہیں۔)
اس قرآن کے معنی اور الفاظ معجزہ ہیں:
فصحائے عرب اگر بتمام سحر ورزند در ادائے کلام
(اگر عرب کے سارے فصحاء و بلغاء کلام کو ادا کرنے میں ساحری اختیار کریں۔)
عاجز آیند و قاصر و مضطر یکسر از مثل سورۂ اقصر
(تو بھی سب سے چھوٹی سورہ کے مثل لانے سے بالکل قاصر و مجبور ہو کر عاجز آ جائیں گے۔)
چونکہ کتاب اللہ کلامِ الٰہی ہے، اس لیے قدیم ہے اور حروف و اصوات حادث ہیں اور یہ حادث معنی
ریم کے لیے لباس کی طرح ہیں:
دمبدم گر شود لباس بدل شخص صاحب لباس را چہ خلل
(اگر ہر لحہ لباس بدلتا رہے تو اس سے صاحبِ لباس شخص کا کیا نقصان ہوتا ہے۔)
امتِ محمدی ساری امتوں سے زیادہ افضل و اشرف ہے اور حضرت رسولِ عربی کی امت کے اولیاء،
مارے انبیاء کی امتوں کے اولیاء سے زیادہ بہتر اور افضل ہیں، بالخصوص صحابہ اور آلِ رسول۔ لیکن یہ حضرات
نبیاء سے بہتر نہیں ہیں:
درمیان ہمہ نبود حقیق بخلافت کسے بہ از صدیق
(سب لوگوں کے درمیان کوئی شخص صدیقِ اکبرؓ سے زیادہ خلافت کا مستحق نہ تھا۔)
وز پئے آن نبود از احرار کس چو فاروق لائق آن کار
(ان کے بعد اشراف میں سے کوئی شخص فاروقِ اعظمؓ کی طرح اس کام کے لائق نہ تھا۔)
بعد فاروقؓ جز بذوالنورین کارِ ملت نیافت زینت و زین
(فاروقِ اعظمؓ کے بعد سوائے عثمانؓ ذوالنورین کے کسی سے ملت کے کام میں زینت و رونق حاصل
نہیں ہوئی۔)
بود بعد از ہمہ بعلم و وفا اسد اللہ خاتم الخلفاء
(سب کے بعد شیرِ خدا حضرت علیؓ اپنے علم اور وفاداری کی وجہ سے خاتم الخلفاء قرار پائے۔)
نامِ شان جز بہ احترام مبر جز بہ تعظیم سوئے شان منگر

(ان حضرات کے نام نہ لے لیکن احترام کے ساتھ اور ان کی طرف نہ دیکھ مگر تعظیم کے ساتھ۔)

اہلِ قبلہ میں سے جس کو تو غلطی یا لغزش میں پائے اس کو کافر نہ کہہ اور اسے اہلِ دوزخ میں شمار نہ کر اسی طرح اچھے نیکوکار کو جو منکرات سے پرہیز کرتا ہو، اہلِ جنت میں شمار نہ کر:

آنکہ او کافر است با زنار بہ یقینش مدان ز اہل النار

(وہ شخص جو کافر ہے اور زنار باندھے ہوئے ہے، اس کو بھی یقینی طور سے اہلِ دوزخ میں نہ سمجھ۔)

جنت میں داخل ہونے کی بشارت دس اشخاص نے پائی ہے لیکن اہلِ جنت کو ان ہی کے اندر منحصر خیال نہ کر:

زانکہ جمعے ز آلِ پاک سرشت ہم بشارت رسید شان بہ بہشت

(اس لیے کہ آنحضرت کی پاک طینت اولاد میں سے ایک جماعت کو بھی جنت کی بشارت ملی ہے۔)

جب کسی کو لوگ قبر میں رکھ دیتے ہیں تو دو ہیبت ناک شکل کے فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ خدا اور رسول اور تیرا دین کیا ہے؟ اگر وہ صحیح جواب دیتا ہے تو اس کی قبر کشادہ کرتے ہیں اور جنت کا ایک دروازہ اس کے سامنے کھول دیتے ہیں تاکہ وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لے۔ اور اگر مناسب جواب نہیں دیتا تو گرز سے اس کے جسم کو نرم بنا دیتے ہیں اور اس کے اوپر قبر کو اس قدر تنگ کر دیتے ہیں کہ اس کے دباؤ سے اس کے پہلو ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور دوزخ کا ایک دروازہ اس کے سامنے کھول دیتے ہیں تاکہ وہ اس کے اندر اپنا مقام اور جگہ دیکھ لے۔ جب اس دنیا کی آخری مدت آئے گی تو اللہ کا نام کسی کی زبان پر نہ آئے گا۔ پھر حکمِ الٰہی سے اسرافیل صور پھونکیں گے اور چراغ کی طرح سب کو بجھا دیں گے۔ اس کے بعد سالہا سال تک رُوئے زمین پر کوئی باقی نہ رہے گا یہاں تک کہ دوبارہ حکمِ خداوندی سے اسرافیل صور کے ذریعہ پراگندہ اجزاء والے اجسام میں جان ڈالیں گے یہاں تک کہ سب زندہ ہو جائیں گے۔ بعد ازاں میدانِ قیامت میں نیک بخت لوگوں کو عزت کے لیے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیں گے اور بدبختوں کو بائیں ہاتھ میں۔ اس وقت ہر شخص کی عبادت اور معصیت کو ترازو میں تولیں گے۔ جس شخص کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا اس کو جنت میں لے جائیں گے اور جس کے گناہوں کا پلہ بھاری ہوگا اس کو دوزخ میں۔ جب اس سے فارغ ہوں گے تو ایک عجیب قسم کا پُل دوزخ کے اوپر بنائیں گے جو تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا۔ پھر مومن اور کافر دونوں کو اس پر چلائیں گے:

ہر کہ کافر بود نہد چوں پائے قعرِ دوزخ شود مر او را جائے

(جو شخص کافر ہوگا، وہ جیسے ہی پاؤں رکھے گا، دوزخ کا گڈھا اس کا مقام بن جائے گا۔)

مومنین بھی اپنے علم و عمل کے مطابق اس پر جلدی یا دیر میں گزرنے کی تکلیف جھیلیں گے اور کمزور ایمان والا اس پر آسانی سے نہ گزر سکے گا:

لیک یابد خلاصی آخر کار گرچہ بیند مشقت بسیار

(لیکن آخر کار وہ نجات پائے گا، اگرچہ اس کو بھی بڑی مشقتیں دیکھنی پڑیں گی۔)
میدانِ قیامت کے مقامات جہاں فرماں برداروں اور گنہ گاروں کو ٹھہرنا پڑے گا، پچاس ہیں اور ہر مقام پر ایک نیا سوال کریں گے:

ہر کہ گوید جوابِ خود بصواب طے ہر موقفے کند بشتاب
(جو شخص اپنا جواب صحیح دے گا وہ ہر مقام کو جلدی سے طے کرے گا۔)

ورنہ در ہر یکے زسختی حال رنج بیند ہزار سال و ملال
(ورنہ حالات کی سختی کی وجہ سے ہر مقام پر ہزاروں سال تک رنج و تکالیف دیکھے گا۔)

کافروں کو دوزخ کا عذاب ہمیشہ کے لیے رہے گا اور گنہگار مومن اپنے گناہ کے لحاظ سے دوزخ میں رہے گا:

یا خود او را شفاعت شفعاء برہاند ازاں جزا و سزا
(یا تو اس کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اس جزا و سزا سے نجات دلائے گی۔)

ور درے از شفیع نکشاید ارحم الراحمین بخشاید
(اور اگر کسی شفاعت کرنے والے کا دروازہ نہیں کھلتا تو اللہ تعالیٰ جو زیادہ رحم کرنے والا ہے، اس کو بخش دے گا۔)

جب دوزخ سے رہائی پائیں گے تو کوثر کے پانی سے دھوکر اپنے جسم کو دھوئیں سے صاف کریں گے۔ جنت کے آٹھ درجے ہیں اور ہر شخص کے لیے اس کے علم و عمل کے مطابق اس میں مقام ہوگا اور سب ہمیشہ آرام سے اس میں زندگی گزاریں گے۔ سب سے بڑی نعمت دیدارِ الٰہی ہے جس کو نیکوکار لوگ چودھویں رات کے چاند کی طرح دیکھیں گے، یہاں تک مولانا عبدالرحمان جامی کے رسالہ اعتقادیہ سے نقل کیا گیا ہے۔ معتبر کتابوں میں مذکور ہے کہ دوزخ کے سات درجے ہیں اور اس میں بھی لوگ اپنے گناہوں کے اندازے کے مطابق اپنی جگہ لیں گے۔

چند ایسی باتوں کا بیان جو اہلِ اسلام کے نیک لوگوں سے سنی گئیں اور ان کی کتابوں میں نقل ہیں۔
پہلی چیز جو پیدا کی گئی وہ روحِ محمدیؐ تھی۔ اوّل ما خلق اللّٰہ رُوحی۔ (پہلی وہ چیز جسے اللہ نے پیدا کیا میری روح تھی۔) اس حدیث سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ پھر انسان کی روحیں پیدا ہوئیں اور وہ اجسام سے پہلے چار ہزار سال تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ میں رہیں۔ انّ اللّٰہ خلق الارواح قبل الاجساد باربع الف سنۃ۔ (بیشک اللہ نے روحوں کو اجسام سے چار ہزار سال پہلے پیدا کیا۔) سماوات سے مراد اجرامِ فلکی ہیں جو ہمارے سر کے اوپر ہیں اور وہ سات آشیانے ہیں۔ زمین ایک جرمِ کثیف ہے جو ہمارے پاؤں کے نیچے ہے اور زمینیں بھی سات ہیں۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (الطلاق: ۱۲) (اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور ان ہی کی طرح زمین۔) ہر زمین میں ایک قسم کی مخلوق ہے جو دنیا سے

بسنے والوں کو پیدا کرتی ہے اور ہر زمین کا رقبہ پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ آسمان کے آشیانے گول خیمہ کی طرح نصف دائرہ ہیں۔ اور ہر آسمان پر ایک قسم کے فرشتے ہیں جو معبودِ حقیقی کی بندگی اور اطاعت میں مشغول ہیں۔ ایک گروہ بحالتِ قیام اور بعض رکوع میں، دوسرا گروہ سجدہ میں اور ایک جماعت قعود کی حالت میں ہے اور بعض فرشتے عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں۔ ہر فرشتہ کے لیے ایک خاص جگہ اور مقام ہے جس سے وہ پلٹ نہیں سکتا۔ وَمَامِنَا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْم (الصافات: ۱۶۴) (اور ہم میں سے کوئی نہیں لیکن اس کا ایک معین مقام ہے)۔

ایک فلک سے دوسرے فلک تک پانچ سو سال کی راہ ہے اور ہر فلک پر ایک سیارہ ہے۔ سبعہ سیارہ میں سے باقی سب ستارے پہلے آسمان پر ہیں جو عالمِ عنصری سے نزدیک ہے۔ انا زَيَّنا السَّمَاءَ الدُّنيا بِزِينَةِ نِ الكَوَاكِبِ وَحِفظاً مِن كُلِّ شَيطَانٍ مَّارِد (الصافات: ۷) (ہم ہی نے رونق دی ہے، اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب آرائش یعنی ستاروں کے ساتھ اور حفاظت بھی کی ہے ہر شریر شیطان سے۔)

آسمان کے کنارے کوہِ قاف پر ہیں اور کرسی ساتوں آسمان سے اوپر ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: هُو الذی خلق السمٰوات والارض فی ستة ایام ثم استویٰ علی العرش (الفرقان: ۵۹) (وہ اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا، پھر عرشِ (حکمرانی) پر متمکن ہوگیا۔ کرسی، آسمان کے سات طبقے اور زمین کے سات آشیانے ساکن اور آرام پذیر ہیں۔ بالکل جنبش نہیں کرتے اور مطلق حرکت نہیں رکھتے۔ جو چیزیں شمار کی گئیں وہ ازل میں نہ تھیں، خدائے قادر نے سب کو اپنی قوتِ رسا اور کامل قدرت سے بغیر مادۂ ہیولائی کے پیدا کیا۔ جب قیامت کا دن آئے گا تو آسمانوں کو لپیٹ دیں گے اور زمین کو دوسری زمین سے بدل دیں گے اور آسمان و زمین کو نیست و نابود کر دیں گے۔ قیامت کی زمین ایسی زمین ہوگی جو خالص چاندی کے مثل ہوگی اور اس زمین میں کسی شخص نے گناہ نہ کیا ہوگا جیسا کہ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: **یوم تبدل الارض غیر الارض ای تبدل بارض کالفضة بیضاء لم یسفک فیھا دماء ولم یعمل فیھا خطیئة** (جس روز زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی، یعنی ایسی زمین سے بدل دی جائے گی، جو مثل چاندی کے سفید ہوگی جس میں نہ خون بہایا گیا ہوگا اور نہ اس میں گناہ کیا گیا ہوگا۔)

قیامت کے دن جنت اور دوزخ کو حاضر کریں گے اور جسم کے منتشر اجزاء کو ظاہر کریں گے، آپس میں جوڑ دیں گے اور اس کے اندر روح کو داخل کریں گے۔ پھر ایک گروہ کو جنت میں اور دوسرے کو دوزخ میں لے جائیں گے۔ پہلا انسان جو پیدا کیا گیا، آدم صفی اللہ تھے۔ ان کا جسم خاک سے بنا ہے۔ اور آدم ابوالاجساد ہیں اور حضرت محمدؐ ابوالارواح کنت نبیا و ادم بین الماء والطین[1] (میں نبی تھا، اس حال میں کہ آدمؑ ابھی پانی اور مٹی کے بیچ میں تھے۔) اللہ نے اپنے رسولؐ کے وجود کی پیروی میں ساری کائنات کو پیدا کیا۔ فرشتوں کے بال و پر ہیں اور ایک سیکنڈ میں ہزاروں سال کا راستہ طے کر لیتے ہیں۔ شیطان آگ سے پیدا کیا گیا اور وہ نافرمانی کی وجہ سے ملعون ہوگیا۔ یہ تھا اہلِ اسلام میں عقائد کا بیشتر حصہ۔ اہلِ اسلام کے عقائد کے بارے میں

---

[1] ابن تیمیہ کی رائے میں یہ حدیث موضوع ہے۔ کتاب ختم الاولیاء (بیروت)، ص ۵۰۹ (تحقیق عثمان یحیٰی) (ایڈیٹر)

باہم بہت اختلافات ہیں۔

اہلسنت والجماعت کے بعض عقائد کا بیان

ملا محمد معصوم کاشغری ایک عالم، نیکوکار اور حنفی مذہب کے پیرو تھے۔ اسی طرح ان کے ایک رفیق بھی تھے جن کو وہ اپنا مرشد کہتے تھے جو اصلاً بدخشانی تھے۔ ان کا نام شیخ حسن تھا۔ وہ ہمیشہ قرآن، احادیث اور فقہ کی کتابت کیا کرتے تھے اور اسے ہدیہ کر کے اسی سے گزر اوقات کرتے تھے، وہ برابر روزہ رکھتے تھے، نہ تو شعر پڑھتے اور نہ افسانہ سنتے۔ اگر کوئی ان سے دنیاداروں کے متعلق بات کرتا تو انہیں تکلیف ہوتی تھی۔ وہ شیعوں سے بیحد پرہیز کرتے تھے اور ان کو اپنے گھر میں نہ آنے دیتے تھے۔ اس کتاب کے مصنف نے لاہور میں ان سے پوچھا کہ آپ یہ جو نفرت شیعہ سے رکھتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ میں پہلے شیعہ تھا اور اسی شدت سے اس مذہب کا پیرو تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں حضرت امام حسن بن علی بن ابوطالب کو دیکھا اور ان سے صحیح مذہب کی حقیقت دریافت کی تو فرمایا کہ تو سنی ہو جا اور رفض سے پرہیز کر کیونکہ روافض ہمارے دشمن ہیں اور عداوت کی وجہ سے شیخین و ذوالنورین اور اصحاب کبار کے متعلق نامناسب باتیں کہتے ہیں اور اسی عقیدہ کی وجہ سے وہ گمراہ ہو گئے ہیں۔ راہِ حق اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔ شیخ حسن سے جو بات سنی گئی، وہ آگے لکھی جا رہی ہے، نیز ملا عادل سے سنا گیا کہ رافضی مسلمان نہیں ہے اور اگر وہ ایمان لائے تو درست نہیں بقول حدیث نبی سب الشیخین کفر لا توبة معھا۔ (شیخین کو برا بھلا کہنا کفر ہے۔ کہنے والے کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔) ملا یعقوب ترفانی سے میں نے سنا کہ یہ قول دشمنوں کی زبان بند کرنے کے لیے اور شیخین کے احترام میں مبالغہ کے لیے ہے ورنہ توبہ مقبول اور رجوع کرنا قابل پذیرائی ہے اور برا بھلا کہنا کفر نہیں ہے، واللہ اعلم۔

بعض سنی عقائد کے تذکرہ میں جن کو شیخ منصور ماتریدی نے جو حضرت امام ابوحنیفہ کوفی کے مسلک کے پیرو ہیں اور حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے جو حضرت امام شافعی کے مسلک کے پیرو ہیں، اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ ان کی کتابوں میں ہم نے پڑھا ہے کہ مذہب کی بہتر شاخوں کی اصل چھ عقائد ہیں۔ تشبیہ، تعطیل، جبر، قدر، رفض اور نصب۔ شہاب الحق شیخ الاسلام والمسلمین ابوعبداللہ فضل اللہ بن امام سعید مرحوم و مغفور تاج الدین ابوسعید حسن بن حسین بن یوسف ثوری کی کتاب عمدۃ المعتقد میں لکھا ہے کہ اہل تشبیہ نے خدا سے نامناسب اور غیر مستحق صفات سے متصف کر کے جو جواہر و اعراض اس کے پیدا کیے ہوئے ہیں، وہ اس کی جانب منسوب کر دیئے ہیں۔ اہل تعطیل خدا کے منکر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کی۔ عمدۃ المعتقد میں مذکور ہے کہ تعطیل یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے یہ عقیدہ بنا لیا کہ عالم کا صانع کوئی نہیں اور یہ ہمیشہ سے یوں ہی تھا جیسا کہ ہے اور محسوسات کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہیں ہے۔ نیز شیخ حسن سے سنا گیا کہ تعطیل یہ ہے جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کی علت ہے اور اس عالم کا مادہ ہمیشہ اس کے ساتھ تھا۔ ایک گروہ

دوست سے سنا گیا جو معطلہ نہ تھا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا تو جو کچھ واقع ہونے والا تھا، اس کو تقدیر بنا دیا۔ اب ہر چیز بغیر اس کے کہ خدا کے فعل کا اس میں کوئی دخل ہو، پیدا ہوتی ہے اور فنا ہو جاتی ہے۔

جبریہ نے بندوں سے فعل کا اختیار اٹھا لیا اور اس کا انکار کرتے ہوئے اپنے افعال کو خدا سے متعلق کر دیا۔ قدریہ نے خدا کی خدائی کو اپنی طرف منسوب کر لیا اور خود کو اپنے افعال کا خالق شمار کرتے ہیں۔ رافضیوں نے حضرت علیؓ کی محبت میں غلو کیا اور ان کی دوستی میں مبالغہ کرتے ہوئے صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی شان میں ناشائستہ باتوں کے ساتھ زبان کھولی اور ان کی ملامت کی اور اس عقیدے پر چلے کہ جس نے پیغمبرؐ عربی کے بعد بلافصل علیؓ کی بیعت نہیں کی اور ان کو پیغمبر کا جانشین نہیں سمجھا، وہ مومنین میں سے نہیں ہے۔ نواصب نے شیخین کی محبت میں غلو کیا اور اس میں مبالغہ کرتے ہوئے علیؓ کی ملامت کی اور اس عقیدے پر چلے کہ جس شخص نے پیغمبر کے بعد بغیر جدائی اور فصل کے صدیقؓ اور فاروقؓ کو پیغمبرؐ کا خلیفہ اور اپنا امام شمار نہیں کیا وہ ایمان کے دائرے سے باہر نکل گیا۔ ان چھ فرقوں میں سے ہر ایک بارہ فرقوں میں تقسیم ہو گیا، اس طرح بہتر فرقے پیدا ہوئے اور یہ سب دوزخی ہیں، بقول حدیثِ نبوی سَتَفرِقُ اُمَّتی عَلٰی ثَلٰثَةٍ وسبعِینَ فِرقَةٍ کُلُّھُم فِی النّارِ اِلّا واحِدَة۔ (میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، جن میں سے سب دوزخ میں ہوں گے، سوائے ایک کے۔)

ان بہتر فرقوں کے علاوہ جو ہیں وہ ناجی ہیں، اس لیے کہ وہ صحیح مذہب اور راہِ راست پر ہیں۔ صحیح مذہب ان فرقوں میں نہیں ہے اور صحیح مذہب میں یہ مذکورہ چھ عقائد نہیں ہیں، اس لیے کہ یہ چھ عقائد پیغمبر علیہ السلام کے عہد میں نہیں تھے بلکہ ان کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ عقائد کس زمانے میں کس جگہ کس شہر اور کن لوگوں کے ذریعہ شائع ہوئے اور اس کے اسباب کیا تھے۔ اہلِ اسلام کی اتفاق رائے سے راہِ راست اور درست مذہب وہ ہے جس پر (آنحضرتؐ) محمدؐ اور ان کے بعد صحابۂ کرام چلے تھے اور وہ اہلِ سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ یہ تھا خلاصہ ان عقائد کا جو شیخ منصور احمد اور حجۃ الاسلام ابوعبداللہ سے جو حنفی مذہب کے علماء میں سے تھے، سنے گئے۔ مُلّا یعقوب ترفانی جو ملا عادل کا معین و مددگار تھا، اس سے مصنف نے سنا کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب چار مسلک میں منقسم ہو جاتا ہے جو شریعتِ محمدی کے شہر کے چار کونے ہیں: حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ اور ان چاروں مسلک کا پیرو نجات پانے والا ہے۔

امویہ و یزیدیہ جو علی اللہیوں کے مقابل ہیں

کوہستانِ مشرق میں ایک مشہور علاقہ ہے جس کو شکونہ کہتے ہیں، وہاں کا حاکم ملک یعقوب ہے جو خود کو خال المومنین معاویہ بن ابی سفیان کی نسل سے بتاتا ہے۔ وہاں کے لوگ دلیر، طاقتور، نمازی اور پرہیزگار ہیں۔ تفسیر و فقہ اور بہت سی مذہبی کتابیں رکھتے ہیں۔ یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور شیخینؓ و ذوالنورینؓ اور خال

المومنین معاویہؓ کی خلافت کے قائل ہیں اور حضرت علیؓ کے بارے میں طعن وطنز کرتے ہیں کہ انہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ ان کا عقیدہ وہی تھا جو غلاۃ کا عقیدہ ہے۔ لوگ انہیں خدا سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے، اس لیے کہ وہ اس کی دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ خود خطبۃ البیان میں جو ان کی طرف منسوب ہے، کہتے ہیں: انا الله وانا الرحمن وانا الرحیم وانا العلی وانا الخالق وانا الرزاق وانا الحنان وانا المنان وانا المصور النطفة فی الارحام[1] (میں اللہ ہوں (العیاذ باللہ) اور میں رحمٰن اور رحیم ہوں، میں بلند ہوں اور میں پیدا کرنے والا ہوں اور میں رزق دینے والا ہوں، میں رحم کرنے والا ہوں اور میں احسان کرنے والا ہوں اور میں ارحام کے اندر نطفے میں شکل پیدا کرنے والا ہوں۔) وغیرہ وغیرہ اور یہ فرعون اور نمرود کے اقوال ہیں، اس قسم کی باتیں ان کے کلام میں بکثرت ہیں... یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ پیغمبرؐ کے ساتھ بے ادبی کا سلوک کرتے رہے۔ چنانچہ ایک دو مرتبہ دونوں باہم کھجور کھا رہے تھے، رسولِ خداؐ نے کھجور کی گٹھلیاں علیؓ کی طرف کھسکا کر فرمایا اے علی تم نے کھجور بہت کھائے۔ اس لیے کہ گٹھلیاں تمہارے سامنے بہت ہیں۔ علیؓ نے جواب دیا، آپ نے کھجور مع گٹھلی کھا لیے۔ ان لوگوں کا قول ہے کہ یہ آیت ان ہی کے متعلق ہے ومن الناس من یعجبک قوله فی الحیوٰة الدنیا ویشهد الله علی ما فی قلبه وهو الدالخصام (البقرۃ: ۲۰۴) (اور (دیکھو!) بعض آدمی ایسے ہیں کہ دُنیاوی زندگی کے بارے میں ان کی باتیں تمہیں بہت ہی اچھی معلوم ہوتی ہیں اور اپنے ضمیر کی پاکی پر اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ دشمنی وخصومت میں بڑے ہی سخت ہیں۔)

وہ ابن ملجم کو اچھا بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت ابن ملجم کی شان میں ہے۔ ومن الناس من یشتری نفسه ابتغاء مرضات الله (البقرہ: ۲۰۷) (اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتے ہیں۔)

نیز کہتے ہیں کہ حسینؓ رسول اللہؐ کی نسل سے نہیں ہیں اس آیت کے لحاظ سے ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیین (الاحزاب: ۴۰) (محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے خاتم ہیں۔)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ حسینؓ بن علی کو یزید نے اپنے گھر کے اندر مار ڈالا تھا اور ان کو وشتہ تباہی سے باہر نہیں لایا۔ وہ ملک عراق کی تسخیر کے ارادے سے آئے تھے، لہٰذا شہید کر دیئے گئے۔ یہ لوگ محرم کی دسویں تاریخ کو گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک وسیع میدان میں جو شہر کے باہر رکھتے ہیں، نکلتے ہیں، وہاں پر مردوں اور مقتولوں کی شکلیں مٹی سے بنا کر رکھتے ہیں اور ان پر گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ اس عمل واس انداز میں خیال کرتے ہیں کہ گویا شہدائے کربلا کی لاشوں پر گھوڑے دوڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج فتح ونصرت کا دن ہے۔ اس روز عیدین سے زیادہ خوشی مناتے ہیں، اس لیے کہ امام زمانہ یعنی یزید اس روز باغیوں پر غالب آیا اور جمعہ وعیدین کے روز منبروں پر حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو برائی سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے اندر ایک خاص گروہ ہے جو یہی

---

[1] آدمی یہ دیکھ کر حیران وششدر رہ جاتا ہے کہ اس قسم کی مہمل اور بے بنیاد باتیں حضرت علی جیسے جلیل القدر صحابی کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ (ایڈیٹر)

کیا کرتا ہے اور تلواریں کھینچے ہوئے، حضرت علیؓ اور ان کی اولاد پر لعنت بھیجتا ہے اور اسی کے ذریعہ اپنی روزی کماتا ہے۔ ان لوگوں کو سیاف کہتے ہیں۔

ان کا قول ہے کہ انبیاء و اولیاء بالخصوص ہمارے پیغمبرؐ مارنے اور جلانے پر اور چیزوں کو موجود اور فنا کرنے پر قادر تھے اور جو کچھ چاہتے تھے، کرتے تھے۔ اگرچہ یہ بات ان کے پیروؤں کے لیے شائستہ نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہ ہمارے پیغمبرؐ حیوانات کو ہلاک کر ڈالتے تھے، کیونکہ وہ ان کو زندہ کرنے پر قادر تھے لیکن ہم کو حق نہیں پہنچتا کہ کسی جاندار کو ہلاک کریں کیونکہ ہم اس کو زندہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، نیز وہ ہمارے لیے پیدا نہیں کیا گیا... لیکن ہمیں جائز نہیں کہ ہم کسی کی بیوی کو خود لے لیں۔ بہرحال ہم کو چاہیے کہ مخالفینِ دین سے جہاد اور دشمنانِ آئین سے جنگ کو دین کی حفاظت کے لیے اپنا پیشہ بنالیں۔ شکونہ میں یہ لوگ کسی جاندار کو ہلاک نہیں کرتے۔ ان کی خوراک کا دارومدار حیواناتِ جمال کی پیداوار پر ہے جیسے شہد، گھی اور اسی کے مثل چیزیں اور نشہ آور چیزوں میں سے کوئی چیز استعمال نہیں کرتے، یہاں تک کہ افیون اور اخروٹ بھی۔

مقصود چپ اس قوم کا سب سے بڑا دانشور ہے۔ اس کتاب کا مصنف اس کے مکان میں تھا، مصنف کے دوست ہشیار نے اس سے پوچھا کہ اگر نشہ آور چیزیں نہ کھانی چاہئیں تو پھر کیوں انبیائے سابقین اور بنی امیہ کے بعض خلفاء شراب پیتے تھے۔ اس نے جواب دیا کہ شراب ان کی عقل پر پردہ نہیں ڈال سکتی تھی، لیکن ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح ہشیار نے اس سے پوچھا کہ روحوں کو موجود کرنے اور معدوم کرنے کی قدرت کے باوجود خلفاء کیوں رافضیوں کو گونگا اور بے زبان نہیں بنا دیتے؟ اس نے جواب دیا کہ کسی بادشاہ نے زہرِ ہلاہل کی ایک بوتل امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجی کہ اسے دشمنوں کو دینا چاہیے۔ خلیفہ نے فرمایا کہ میرا کوئی دشمن میرے نفس سے بڑا نہیں اور ساری بوتل پی گئے اور ان کے جسمِ مقدس کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ پس ایسا حلیم شخص جو خود زہر پی سکتا ہے، وہ ذلیل لوگوں کی طعن و تشنیع کیسے نہیں سُن سکتا۔ اور دوسرے اصحاب کو بھی ان ہی پر قیاس کرلے۔ چپ شکونہ کے باشندوں میں ایک گروہ ہے۔

مسلمانوں کا دوسرا فرقہ جو شیعہ کے نام سے مشہور ہیں، ان کے اقوال کے بیان میں

اس کتاب کے مصنف نے ان کے علماء سے سنا ہے کہ شیعہ وہ لوگ ہیں جو خاص طور پر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور خلافت کے قائل ہیں، جو نصِ جلی یا خفی یا وصیت کے ذریعہ ثابت ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ خلافت آنجناب اور ان کی اولاد سے متجاوز نہیں ہوئی اور اگر ان کی اولاد سے متجاوز بھی ہوئی ہے تو کسی ظالم کے ظلم کی وجہ سے ہوئی ہوگی یا پھر تقیہ کی وجہ سے۔ انہوں نے کہا کہ امامت کوئی مصلحتی مسئلہ نہیں ہے جس کا تعلق عوام کے اختیار سے ہو سکے اور ان کے تقرر سے امام مقرر ہو بلکہ یہ ایک اصولی مسئلہ ہے اور ارکانِ دین میں سے ایک رکن ہے اور حضرت رسالت پناہ صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ کے لیے مناسب نہیں کہ آپ نے

اس سے غفلت برتی ہو یا اسے چھوڑ دیا ہو اور عوام کے سپرد کر دیا ہو۔ یہ لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ امام مقرر کرنا واجب ہے اور یہ کہ امامت بذریعۂ نص ثابت ہے نیز ائمہ کے لیے واجب ہے کہ صغائر و کبائر گناہوں سے معصوم ہوں۔ اسی طرح یہ لوگ تبرا اور تولد کے قائل ہیں، قولاً، فعلاً و عقلاً، سوائے اس کے جب تقیہ کی حالت میں ہوں۔ بعض زیدیہ نے اس قول میں ان کی مخالفت کی ہے۔ شیعہ کے اندر اماموں کے مقدم ہونے میں بڑا اختلاف ہے اور ہر ایک کے نزدیک ان کے تقدم اور تاخر میں بہت اقوال ہیں اور اماموں کی تعداد کے بارے میں بھی بڑا اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے اندر کئی فرقے ہیں، لیکن ان میں سے جن کو میں نے دیکھا ہے، اس کتاب میں ذکر کرتا ہوں۔

اثنا عشری مذہب کے بیان میں

ملا محمد معصوم، محمد مومن تونی اور ملا ابراہیم سے جو ۱۰۵۳ھ (۱۶۴۳ء) میں لاہور میں تھے اور بعض دوسرے لوگوں سے اس کتاب کے مصنف نے جو کچھ سنا ہے، اس کو بیان کرتا ہے۔ ملا ابراہیم اپنے مذہب میں بڑا سخت تھا اور اس کو اہل سنت والجماعت سے بیحد نفرت تھی۔ ان لوگوں کے کھانے پینے کی چیزوں کے قریب نہیں جاتا تھا۔ لاہور میں چھ مہینے تک اس نے گھی نہیں کھایا، اس لیے کہ اس کا بیچنے والا یا ہندو تھا یا سنی۔ اس نے بیان کیا کہ میں آغازِ شباب میں ایک جنگل میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں ایک بڑی نورانی فوج کو میں نے دیکھا جس نے مجھ سے کہا کہ مسلمان ہو جا۔ میں نے کہا کہ اس کا ارادہ رکھتا ہوں... جب وہ لوگ اٹھے تو میں نے ان کے خادموں سے پوچھا کہ یہ کون لوگ تھے، انہوں نے بتایا کہ یہ حضرات ائمہ ہیں... ان کے نزدیک بھی خداوند لا کالاشیاء (چیزوں کی طرح نہیں) ہے وہ واحد، حی، علیم، مرید، قدیر، سمیع، بصیر اور متکلم ہے اور حق تعالیٰ ممکنات پر قادر اور محالات پر غالب سمجھتے ہیں اور ذات واجب کی صفات کو حق تعالیٰ کا عین خیال کرتے ہیں اور بندے کو فاعل مختار جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک کلام الٰہی قدیم نہیں ہے بلکہ حادث ہے، اس لیے کہ وہ اصوات سے عبارت ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ ابوجعفر طوسی کہتے ہیں کہ ان تمام فرقوں کی اصل دو مذہب ہیں: نواصب اور روافض۔ اس لیے کہ جس روز محمد ﷺ نے لباس عنصری ترک کیا، چالیس ہزار صحابی موجود تھے اور سب کے سب ابوبکرؓ کی بیعت اور خلافت پر راضی ہو گئے، سوائے اٹھارہ افراد کے یعنی حضرت علیؓ سے وہ [illegible] جو ان کے پاس نہیں گئے اور ان سے بیعت نہیں کی اور ان کی خلافت پر راضی نہیں ہوئے۔ صحابہ نے ان [illegible] آدمیوں کے لیے کہا رفضونا یعنی انہوں نے ہم کو چھوڑ دیا اور ہم سے جدا ہو گئے۔ اسی وجہ سے ان کا لقب روافض ہو گیا اور ان اٹھارہ افراد نے صحابہ سے کہا نصبتم ابی بکر بلا نص (یعنی تم نے ابوبکر کو خلافت کے لیے مقرر کیا بغیر اس کے کہ تمہارے پاس کوئی نص ہو۔ اور اسی سبب سے ان کا لقب نواصب ہو گیا۔ ان دو مذاہب میں سے ہر ایک کے دو نام ہو گئے۔ ایک نام تو خود انہوں نے اپنا رکھا، دوسرا نام دشمنوں نے ان کا رکھ دیا۔ سارے صحابہ نے خود کو اہل ایمان اور اہلسنت والجماعت کے نام سے موسوم کیا اور ان اٹھارہ افراد نے ان کو

نواصب کہا اور اپنے لیے مومن اور شیعہ نام رکھا اور کُل صحابہ نے ان کو روافض کہا۔ مذہب نواصب والے پچپن فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور روافض تیرہ فرقوں میں کقوله كلهم في النار الا واحدة (جیسا کہ آنحضرتؐ کا قول ہے کہ کُل فرقے دوزخ میں ہوں گے، سوائے ایک کے)۔

یہ ایک فرقہ اہلِ نجات کا ہے، اس لیے کہ وہ سیدھے راستہ پر ہیں اور سیدھا راستہ ان لوگوں کا ہے جو توحید، عدل، نبوت، امامت اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور ان پانچوں عقائد کی تصدیق کرتے ہیں۔

جان لو کہ خداوند تعالیٰ پر واجب و لازم ہے کہ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب کر کے پیغمبری اور رسالت کے لیے بھیجے تاکہ اس کے بندوں اور مخلوقات کو سیدھے راستے سے آگاہ کرے اور چاہیے کہ یہ آگاہ کرنے والا صغائر و کبائر گناہوں سے معصوم ہو تاکہ اس کا قول حجت بن جائے اور پیغمبر پر بھی جو خدا کا فرستادہ ہے، واجب ہے کہ اپنے امثال میں سے کسی کو خلافت کے لیے منتخب کرے جو اس کے بعد اس کا جانشین ہو اور یہ خلیفہ بھی صغائر و کبائر گناہوں سے معصوم ہو۔ اس خلیفہ پر بھی واجب ہے کہ کسی کو خلافت کے لیے منتخب کرے جو اس کے بعد جانشین بنے، اس طرح روئے زمین کے مرکز تک کوئی جگہ امام سے خالی نہ رہے۔ رائے، قیاس اور اجتہاد سے کوئی حکم شریعت میں جائز نہیں اور اجماع حجت نہیں بن سکتا مگر یہ کہ کوئی معصوم درمیان میں ہو۔ محمد ﷺ نے علیؓ کو منتخب کیا اور اپنا وصی اور خلیفہ بنایا اور محمد ﷺ کے بعد علیؓ سارے انبیاء و اولیاء سے زیادہ افضل اور دانشمند ہیں، دیگر ائمہ معصومین بھی جو ان کی اولاد ہیں، ایسے ہی ہیں۔ ان کا اوّل مثل آخر کے ہے اور آخر مثل اوّل کے۔ ائمہ کی تعداد نبیؐ کی خبروں کے مطابق بارہ ہے۔ گیارہ افراد گزر چکے، بارہواں امام پائیدار اور قائم ہے، وہ آخر میں ظاہر ہوگا اور دنیا کو عدل و انصاف سے معمور کرے گا جبکہ وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اپنے معاونین بنی امیہ اور عباسیہ کے ساتھ ائمہ معصومین کے حقوق کے غاصب تھے... ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ عثمانؓ نے مصاحف کو جلا کر بعض سورتوں کو جو علیؓ اور ان کی اولاد کی شان و فضیلت سے متعلق تھیں، حذف کر دیا۔ ان سورتوں میں سے ایک یہ ہے:

بسم الله الرحمٰن الرحيم. يا ايها الذين آمَنوا آمِنوا بالنورين انزلنا هما يتلوان عليكم آياتي ويحذرانكم عذاب يوم عظيم نُوران بعضهما من بعض وانا السميع العليم. ان الذين يُوفون بعهد الله ورسوله في آيات لهم جنات نعيم والذين كفروا من بعد ما آمنوا بنقضهم ميثاقهم وما عاهدَهم الرسول عليه يقذفون في الجحيم ظلموا انفسهم وعصوا لوصّي الرسول اُولٰئک يُسقون من حميم انّ الله الذی نوّر السمٰوات والارض بما شاء واصطفٰی من الملٰئكة والرسل وجعل من المومنين. اولٰئک في خلقِهٖ يفعل الله مايشاءُ لا اله الّا هو الرحمٰن الرحيم قد مكر الذين من قبلهم برسلهم فاخذتهم بمكرهم ان اخذی شديد اليم. ان الله قد اهلک عاداً و ثمود بما كسبوا وجعلهم لكُم تذكرة فلا تتقُون وفرعون بما طغٰى علٰى موسٰى واخيه هارون اغرقتهٗ ومن تبعه اجمعين ليكون لكم آية وان اكثر كم فاسقون. ان الله يجمعهم في يوم

الحشر فلا يستطيعون الجواب حين يسئلون. ان الجحيم ماواهم وان الله عليم حكيم. يايها
الرسول بلغ انذارى فسوف يعلمون قد خسر الّذين كانُوا عن آياتي وحكمي معرضون. مثل
الذين يوفون بعهدک انى جزيتهم جنات النعيم ان اللهلذوا مغفرةواجر عظيم و ان عليا من
المتقين وانا لنوفيه حقه يوم الّذين ما نحن عن ظلمه بغافلين وكرمناه على اهلک اجمعين فانه
وذريته لصابرون. وانّ عدوه امام المجرمين. قل الذين كفروا بعدما آمنوا طلبتم زينة الحيواة
الدنيا واستعجلتم به ونسيتم ما وعدكم الله ورسوله ونقضتم العهود بعد توكيدها و قد
ضربنالكم الامثال لعلكم تهتدون. يايها الرسول قد انزلنا اليک آيات بينات فيها من يتوفّاهٗ
مومنًا ومن يتولّيه من بعدک يظهرون فاعرض عنهم انهم معرضون انّا لهم محضرون في يوم
لايُغني عنهم شَئى ولاهم يُرحَمُون ان لهم في جهنّم مقامًا عنه لايعدلُون. فسبّح باسم ربک
وكُن من الساجِدين ولقد ارسلنا موسى و هرون بما استخلف فبغوا هرون فصبر جميل فجعلنا
منهم القردة الخنازير ولعناهم الى يومِ يبعثون فاصبر فسوف يُبصرون ولقد اتينا بک الحكم
كالذين من قبلک من المرسلين وجعلنا لک منهم وصِيًا لعلّهم يُرجعون ومن يتولّ عن امرى
فاني مرجعه فليتمتعوا بكفرهم قليلا فلا تسئل عن الناكثين. يايها الرسول قدجعلنا لک في
اعناق الذين آمنوا عهدًا فخذه وكن من الشاكرين. ان عليّا قانتا بالليل ساجدا يحذر الآخرة
ويرجو ثواب‌رظبه‌قل هل يستوى الذين ظلموا وهم بعذابى يعلمون سيجعل الاغلال في
اعناقهم وهم على اعمالهم يندسون انا بشرناک بذريّته الصالحين وانهم لامرنا لايخلفون
فعليهم منى صلوات ورحمة احياء وامواتا يوم يُبعثون على الذين يبغون عليهم من بعدک
غضبى انهم قوم سوءٍ خاسرين وعلى الذين سلكُوا مسلكهم منى رحمة وهم في الغرفات
آمنون والحمد لله رب العالمين.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے۔ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ دو نور
پر جن کو ہم نے نازل کیا، وہ تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور تم کو ایک بڑے دن کے عذاب سے
ڈراتے ہیں۔ دونوں نور ایک دوسرے سے ہیں اور میں سننے والا اور جاننے والا ہوں۔ بیشک جو لوگ اللہ اور اس
کے رسول کے عہد کو پورا کرتے ہیں، جو آیتوں میں ہیں، ان کے لیے نعمت والے باغ ہیں اور جنہوں نے ایمان
لانے کے بعد کفر کیا، اپنے عہد کو توڑنے سے اور جس بات پر رسول نے ان سے عہد باندھا تھا، وہ دوزخ میں
پھینکے جائیں گے۔ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور رسول کی وصی کی نافرمانی کی، وہ لوگ گرم پانی پلائے جائیں
گے۔ بیشک اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو روشن کیا جس چیز سے چاہا اور فرشتے اور پیغمبروں میں سے
بعض کو برگزیدہ کیا اور ہم کو ایمان والوں میں سے بنایا۔ وہ لوگ اس کی مخلوق میں ہیں۔ اللہ کرتا ہے جو چاہتا
ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ ان سے پہلے والوں نے اپنے

پیغمبروں کے ساتھ مکر وفریب کیا تو میں نے ان کو ان کے مکر کی وجہ سے پکڑا۔ بیشک میری پکڑ سخت اور دردناک ہے۔ بیشک اللہ نے عاد اور ثمود کو ان کے اعمال کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور ان کو تمہارے لیے عبرت بنا دیا۔ کیا تم پھر بھی نہیں ڈرتے اور ہم نے فرعون کو موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کے خلاف سرکشی کی وجہ سے ڈبو دیا اس کو اور ان سب لوگوں کو جنہوں نے اس کی پیروی کی تاکہ وہ تمہارے لیے ایک نشانی بنے۔ اور بیشک تم میں سے اکثر بدکار ہیں۔ بیشک اللہ ان کو روزِ قیامت میں جمع کرے گا تو پھر وہ جواب نہ دے سکیں گے جب ان سے پوچھا جائے گا۔ بیشک دوزخ ان کا ٹھکانہ ہے اور بیشک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اے پیغمبر میرا ڈرانا ان کو پہنچا دیجئے پس عنقریب وہ جان لیں گے بیشک نقصان میں رہے وہ لوگ جو میری آیتوں اور احکام سے روگردانی کرنے والے ہیں۔ کیا وہ ان کے مثل ہیں جو تیرا عہد پورا کرتے ہیں۔ بیشک میں نے ان کو جنت کے باغات سے بدلہ دیا۔ بیشک اللہ بخشنے والا اور بڑے اجر والا ہے اور بیشک علیؑ پرہیزگاروں میں سے ہیں اور ہم یقیناً روزِ قیامت میں ان کا حق پورا دیں گے۔ ہم ان پر ظلم سے غافل نہیں ہیں۔ اور ہم نے ان کو تمہارے ساتھ گھر والوں پر عزت دی، اس لیے کہ وہ اور ان کی اولاد صبر کرنے والے ہیں اور بیشک ان کا دشمن گنہ گاروں کا امام ہے۔ آپ کہہ دیجئے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا ایمان لانے کے بعد کہ تم لوگوں نے دنیاوی زندگی کی زینت طلب کی اور اس میں جلدی کی اور تم نے بھلا دیا جس چیز کا اللہ اور اس کے رسول نے تم سے وعدہ کیا تھا اور تم نے معاہدوں کی توثیق کے بعد ان کو توڑ دیا اور بیشک ہم نے تمہارے لیے مثالیں بیان کیں۔ شاید تم لوگ ہدایت پا جاؤ۔ اے رسول ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں نازل کیں جن میں یہ ہے کہ وہ شخص مومن ہو کر ان کا حق پورا ادا کرے اور جو تمہارے بعد ان سے دوستی رکھے، وہ غالب ہوں گے۔ پس ان لوگوں نے منہ پھیرے بیشک وہ منہ پھیرنے والے ہیں۔ یقیناً ہم ان کو حاضر کرنے والے ہیں ایسے دن میں جب کوئی چیز ان کو فائدہ نہ دے گی اور نہ ان پر رحم کیا جائے گا۔ بیشک دوزخ میں ان کے لیے ایک مقام ہو گا جس سے وہ انحراف نہ کر سکیں گے۔ پس آپ اپنے رب کی پاکی بیان کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جایئے۔ اور بیشک ہم نے موسیٰ اور ہارون کو بھیجا ان باتوں کے ساتھ جن کے وہ خلیفہ بنے۔ پس انہوں نے ہارون سے بغاوت کی، لہٰذا صبر بہتر ہے پھر ہم نے ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنا دیا اور ان پر قیامت کے دن تک ہم نے لعنت بھیجی۔ پس صبر کیجئے کیونکہ وہ جلد ہی انجام دیکھ لیں گے اور بیشک ہم نے آپ کو حکم دیا جیسا کہ ان پیغمبروں کو جو آپ سے پہلے گزرے اور ہم نے آپ کے لیے ان میں سے ایک وصی بنایا شاید کہ وہ لوگ رجوع کریں اور جو میرے حکم سے پھرے گا تو میرے ہی پاس اس کی واپسی ہو گی، پس وہ لوگ اپنے کفر سے تھوڑے دن مزہ کر لیں، پھر عہد شکن لوگوں کے متعلق نہ پوچھئے۔ اے رسول ہم نے ایمان والوں کی گردنوں میں آپ کے لیے عہد بنا دیا پس آپ اسے لیجئے اور شکر گزاروں میں سے ہو جایئے۔ یقیناً علیؑ رات میں دعا مانگنے والے سجدہ کرنے والے ہیں، آخرت سے ڈرتے ہیں اور اپنے رب کے ثواب کی اُمید رکھتے ہیں۔ آپ کہیے کیا وہ ظالموں کے برابر ہیں اور وہ لوگ میرے عذاب کو جانتے ہیں، ان کی گردنوں میں پھندے ڈالے جائیں گے

اور وہ اپنے اعمال پر نادم ہوں گے۔ بیشک ہم نے آپ کو ان کی نیک اولاد کی خوشخبری دی اور وہ ہمارے حکم کی مخالفت نہ کریں گے۔ پس ان پر میری طرف سے درود اور رحمت ہے۔ زندوں اور مردوں پر جس روز وہ اُٹھائے جائیں گے اور جو لوگ آپ کے بعد ان سے بغاوت کریں گے، ان پر میرا غضب ہوگا، بیشک وہ بڑی خسارہ والی قوم ہے اور جو لوگ ان کے مسلک پر چلیں گے، ان پر میری طرف سے رحمت ہوگی۔ اور وہ کمروں میں امن و امان سے ہوں گے۔ اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سب عالموں کا رب ہے۔"

اخباریّین کا طریقہ

اس طریقہ کا رواج دینے والا اس زمانے میں ملا محمد امین استرا بادی ہے۔ کہتے ہیں کہ علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کرنے کے بعد وہ مکہ معظمہ گیا اور وہاں حدیثوں کا مقابلہ کرنے کے بعد اس بات سے آگاہ ہوا اور کتاب فوائد مدنی تصنیف کی۔ اس نے دانشنامہ قطب شاہی میں جسے دارائے سکندر دستگاہ محمد قلی قطب شاہ کے لیے لکھا تھا، بیان کیا ہے تاکہ جان لے کہ بلند ترین مطلب اور اہم ترین مقصد مبدا اور معاد کی خصوصیات کو جاننا ہے اور یہی مراد ہے۔ ان آیات کریمہ میں الایمان باللہ والیوم الآخر یعنی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانا۔ اور امیر المومنین و امام المتقین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی اولادہ الطاہرین کی یہ حدیث شریف رحم اللہ امرأ عرف من این وفی این والی این (اللہ رحمت کرے اس شخص پر جس نے جان لیا کہ وہ کہاں سے ہے، اور کہاں ہے اور کہاں جائے گا۔) اسی مضمون میں وارد ہوئی ہے۔ فضلاء و علماء اس مقام کے حاصل کرنے میں کئی فرقے ہو گئے ہیں۔ ایک فرقہ نے یہ مقام فکر و نظر کے ذریعہ حاصل کیا پھر اس فرقہ کے ایک گروہ نے اس بات کا التزام کیا کہ اصحاب وحی کے خلاف کوئی بات نہ کہیں۔ ان کو متکلمین کہتے ہیں، اس وجہ سے کہ انہوں نے افکار عقلیہ کے لحاظ سے علم کلام ایجاد کیا ہے اور علم کلام میں کلام رب العزت کے مسئلہ میں طویل گفتگو کی ہے۔ لیکن دوسرے گروہ نے اس کا التزام نہیں کیا، ان کو حکمائے مشائین کہتے ہیں، اس لیے کہ ان کے قدیم علماء ارسطو کے رکاب میں چلتے تھے۔ جب وہ سکندر کا وزیر بن گیا تھا۔ سکندر کے دولت کدہ پر آتے جاتے اس کی رکاب میں ساتھ ساتھ چلتے۔ یہ لوگ ارسطو سے علوم سیکھتے تھے۔

ایک دوسرے فرقہ نے یہ مقام ریاضات کے ذریعہ حاصل کیا ہے، پھر ان کے ایک گروہ نے اس بات کا التزام کیا کہ اصحاب وحی کے خلاف کوئی بات نہ کہیں، ان کو صوفیہ متشرعین کہتے ہیں۔ لیکن دوسرے نے اس کا التزام نہیں کیا، ان کو حکمائے اشراقیین کہتے ہیں۔ افلاطون نے جو ارسطو کا استاد تھا ریاضت سے ذریعہ تعلیم و تعلم کو رائج کیا تھا۔ تیسرے فرقہ نے یہ مقام اصحاب عصمت کے کلام کے ذریعہ حاصل کیا ہے۔ اس فرقہ نے اس کا التزام کیا ہے کہ ہر اس مسئلہ میں جس میں عادۃً اس کا امکان ہو کہ عقل اس میں غلطی کر سکتی ہے، اصحاب عصمت کی حدیثوں کے پابند ہوں، ان کو اخباریین کہتے ہیں اور ائمہ طاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سارے اصحاب اسی طریقہ پر عامل تھے۔ ائمہ علیہم السلام نے ان کو علم کلام اور علم اصول فقہ پڑھنے سے منع کر دیا

تھا کیونکہ یہ علوم عقلی نقطۂ نظر سے مدون کیے گئے تھے۔ اسی طریقہ سے علم فقہ کی بھی ممانعت کی تھی جو ظنی استنباطات کے ذریعہ تدوین ہوا تھا۔ اس وجہ سے کہ غلطی سے غلطی کا انحصار اصحابِ عصمت کے کلام کی پابندی پر ہے اور اسی وجہ سے تینوں علوم میں بہت سے اختلافات و تناقضات واقع ہو گئے۔ مثلاً دیکھا گیا ہے اور معلوم ہے کہ دونوں نقیض حق نہیں ہوتے، ان دو میں سے ایک یقیناً باطل ہوتا ہے۔ ائمہ نے بھی اپنے اصحاب کو علم کلام، علم اصولِ فقہ اور علم فقہ کی تعلیم دی ہے اور یہ تینوں علوم بہت سے مسائل میں ان علوم سے مختلف ہیں جن کو عوام نے مدون کیا ہے۔ اہل البیت علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ عوام کے تینوں علوم میں جو باتیں حق ہیں وہ ہم سے ان کو ملیں اور جو چیزیں باطل ہیں، وہ ان کے ذہن و دماغ کی پیداوار ہیں۔ اخباریین کا طریقہ غیبتِ صغریٰ کے آخری زمانے میں جس کی مدت بعض روایات کے لحاظ سے تہتر (۷۳) اور بعض روایات کے لحاظ سے چوہتر (۷۴) سال ہے، رائج تھا۔ ائمہ علیہم السلام کے اصحاب نے تینوں علوم کو اہلِ بیت علیہم السلام سے حاصل کرنے کے بعد ان کے حکم سے کتابوں میں لکھ لیا تھا تاکہ غیبتِ کبریٰ کے زمانے میں اہلبیت کے شیعہ عقائد و اعمال کے معاملہ میں ان کی طرف رجوع کریں اور وہ کتابیں بطریق تواتر متاخرین تک پہنچیں۔ کتاب کافی جس کو ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی قدس سرہ نے تالیف کیا ہے، تینوں علوم پر مشتمل ہے۔

بعد ازاں جب محمد بن احمد الجنید العامل بالقیاس اور حسن بن حسین بن علی ابن ابی عقیل العمانی المتکلم پیدا ہوئے۔ دونوں بڑے فقیہ تھے، ان کے زمانے میں مسجدوں اور مدرسوں میں تعلیم و تربیت کا رواج بطریقِ عامہ پر تھا۔ عوام کو کلام اور اصول کی کتابیں پڑھاتے تھے اور چونکہ یہ حضرات اس علم اصولِ فقہ اور علم کلام میں جو ائمہ سے منقول ہے پوری مہارت نہیں رکھتے تھے، لہٰذا کلام اور اصولِ فقہ کے بعض مباحث میں انہوں نے عوام کی ہم نوائی کی اور ایسا طریقہ اختیار کیا جو اخباریین کے طریقہ اور عوام کے طریقہ سے مرکب تھا اور اس پر اجتہادات کی بنیاد رکھی۔ ان کے بعد شیخ مفیدؒ یعنی شیخ ابوجعفر نے اپنی غفلت اور ان فاضلوں سے حسنِ ظن کی وجہ سے ان کی موافقت کی اور علم کلام و علم اصولِ فقہ میں اسی طریقے پر چلے جو عوام، اخباریین اور اصولیین کے طریقوں سے مرکب تھا۔ اسی وجہ سے علمائے امامیہ دو گروہ میں منقسم ہو گئے۔ اخباریین اور اصولیین جیسا کہ علامہ حلّی یعنی شیخ جمال الدین مطہر نے نہایہ میں خبر واحد کی بحث میں ذکر کیا ہے اور شرح مواقف کے آخر میں نیز ملل و نحل کے شروع میں اس کی تصریح موجود ہے۔ چونکہ شیخ مفید علم الہدیٰ یعنی سیّد مرتضیٰ اور رئیس الطائفہ کے استاد تھے، اس لیے وہ طریقہ علمائے امامیہ کے درمیان رائج ہو گیا یہاں تک کہ علامۃ المشارق والمغارب علامہ حلّی کی باری آئی چونکہ علامہ حلّی کا تجرِ علمی ابن جنید، ابن ابی عقیل اور شیخ مفید سے زیادہ تھا، لہٰذا انہوں نے طریقہ مرکبہ کو کلامی اور اصولی کتابوں میں زیادہ رواج دیا اور اجتہادات فقہیہ میں اسی طریقۂ مرکبہ پر اپنی بنا رکھی۔ چونکہ عوام کی حدیثیں جو خبر واحد کے باب کی ہیں، قرائن سے خالی نہ تھیں، اسی لیے انہوں نے اپنی کتابوں کی احادیث کو چار مشہور قسموں میں تقسیم کر دیا تھا اور علامہ حلّی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بربنائے غفلت اپنی کتابوں اور حق پرست جماعت کی کتابوں کی احادیث کو بھی چار قسموں میں تقسیم کر دیا، یہاں تک کہ علم الہدیٰ و رئیس الطائفہ

وثقتہ الاسلام وشیخنا الصدوق یعنی محمد بن بابویہ القمی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ حق پرست جماعت کا اجماع اس کی صحت پر ہو گیا ہے۔ علامہ حلی کے بعد شیخ شہید اوّل یعنی شیخ محمد کلی نے ان کے طریقہ کی رعایت کی اور اپنی تصانیف کی بنا اسی پر ڈالی۔ ان کے بعد سلطان المدققین شیخ علی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی موافقت کی اور عالم ربانی شہید ثانی یعنی شیخ زین الدین جبل العاملی رحمتہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طریقہ کی رعایت کی، یہاں تک کہ علم حدیث میں علمائے متاخرین کے سب سے بڑے عالم لوگوں کے پیشوا اور زیادہ متقی اور استاذ الکل فی الکل میرزا محمد استرابادی نور اللہ مرقدہ الشریف کی نوبت آئی، انہوں نے اس فقیر کو جملہ فنون حدیث کی تعلیم دے کر اس فقیر کو مشورہ دیا کہ اخباریین کے طریقہ کو زندہ کر اور جو شبہات اس طریقہ سے متصادم ہوتے ہیں، ان کو دور کر۔ میرے دل میں بھی اس کا خیال گزرتا رہا لیکن رب العزت نے یہ مقدور کر دیا تھا کہ یہ بات تیرے قلم سے پھیلے۔ چنانچہ اس فقیر نے جملہ علوم متعارفہ کو ان علوم کے بڑے بڑے علماء سے حاصل کرنے کے بعد کئی سال تک مدینہ منورہ میں غور وفکر کیا اور رب العزت کے دربار میں عاجزی کرتا رہا اور اصحاب عصمت کی ارواح مقدسہ سے توسل تلاش کرتا رہا۔ بار بار عوام یعنی مخالفین امامیہ کی کتابوں اور حدیثوں کو اور خواص یعنی امامیہ کی کتابوں کو انتہائی تامل وتعمق سے مطالعہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ رب العزت کی توفیق سے وسید المرسلین وائمۃ الطاہرین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی برکتوں سے میں فرمان واجب الاذعان کو بجالایا اور کتاب فوائد مدنیہ کی تالیف میں کامیاب ہوا۔ یہ کتاب شریف مکہ کے مطالعہ سے مشرف ہوئی تو انہوں نے اس کتاب کی تعریف کی نیز اس کے مؤلف کی تعریف کی رحمتہ اللہ۔

امامیہ کے نزدیک مسلّم ہے کہ امام محمد بن حسن عسکری زندہ ہیں اور نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ وہ لوگ اسے غیبت صغریٰ اور غیبت کبریٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ غیبت صغریٰ جس کی مدت تہتر (۷۳) سال ہے، خلیفہ عباسی معتمد کے عہد میں ۲۶۶ھ (۸۷۹ء) میں تھی اور غیبت کبریٰ خلیفہ عباسی راضی بن مقتدر کے عہد میں تھی۔ دونوں غیبت کے درمیان فرق یہ ہے کہ صغریٰ میں امت کے صلحاء اور امام کے درمیان سفراء اور وکلاء مقرر تھے اور کبریٰ میں آمدورفت بند ہوگئی تھی۔ پہلا وکیل عثمان بن سعید العمری الاسدی ناحیہ مقدسہ میں تھا۔ اس کے بعد امام زمانہ کے حکم سے یہ خدمت اس کے بیٹے ابوجعفر کے سپرد ہوئی، اس نے قریب پچاس سال یہ خدمت کی۔ اس کے بعد ابوالقاسم حسین بن روح بن ابی بحر نوبختی اور اس نے اپنے بعد ابوالحسن علی بن محمد السمیری کو وصیت کی اور وہ آخری وکیل تھا۔ جب وہ بیمار ہوا تو شیعہ نے اس سے سوال کیا کہ اس کے بعد ناحیہ مقدسہ کا وکیل کون ہو گا تو اس نے منع وصیت پر مشتمل ایک توقیع نکال کر دکھلائی اور وہ یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یاعلی بن محمد السمیری اعظم اللہ اجر اخوانک فیک فانک میت مابینک وبینی ستۃ ایام فاجمع امرک ولاتعرض الی احد فیقوم مقامک وبعد وفاتک فقد وقعت الغیبۃ التامۃ فلا ظہور الابعد اذن اللہ تعالی ذکرہ وذالک بعد طول الامد وقسوۃ القلوب وامتلاء الارض جورا وسیاتی من شیعتی من یدعی المشاہدۃ الا فمن یدعی

المشاهدة قبل خروج السفیانی والصیحة فھو کذاب مفتر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم.

ترجمہ: ''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ اے علی بن محمد السمیری اللہ تیرے بھائیوں کے اجر کو تیرے معاملہ میں زیادہ کرے، اس لیے کہ تو مرنے والا ہے۔ تیرے اور میرے درمیان چھ دن ہیں، پس اپنے کام کو جمع کر لے اور کسی دوسرے کو پیش نہ کر جو تیرا قائم مقام ہو اور تیری وفات کے بعد تو کامل غیبت واقع ہو جائے گی۔ پس ظہور نہ ہو گا لیکن اللہ (اس کا ذکر بلند ہے) کی اجازت کے بعد اور وہ طویل مدت اور دلوں کی سختی اور زمین کے ظلم سے بھر جانے کے بعد ہو گا اور میرے طرفداروں میں سے کوئی شخص آئے گا جو دیکھنے کا دعویٰ کرے گا، جان لو جو بھی دیکھنے کا دعویٰ کرے سفیانی اور صیحہ کے خروج سے پہلے تو وہ جھوٹا اور بہتان لگانے والا ہو گا اور نہیں ہے طاقت اور نہیں ہے قوت لیکن اللہ میں جو بلند اور بڑا ہے۔''

نصف شعبان ۳۲۸ھ (۹۳۹ء) میں ابوالحسن علی بن محمد السمیری نے وفات پائی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ شیعہ امامیہ اصولیہ کے نزدیک حدیث کی چار قسمیں ہو جاتی ہیں۔ صحیح، حسن، موثق اور ضعیف۔ حدیثِ صحیح وہ ہے جس کی سند کسی معصوم تک پہنچے، کسی ایسے عادل امام کے نقل کے ذریعہ جس کی تعریف میں اربابِ حدیث نے صفت عدل استعمال کی ہو اگر راوی ایک ہے، اگر ایک سے زیادہ راوی ہیں تو سب کی تعریف میں یہی عبارت واقع ہوئی ہو۔ حدیثِ حسن وہ ہے جس کی سند صحیح حدیث کے طریقے پر کسی قابل تعریف امام کے نقل کے ذریعے معصوم تک پہنچے اس طور پر کہ اگرچہ ارباب حدیث کی طرف سے اس کے راوی کی شان میں ثقہ عدل کے الفاظ وارد نہ ہوئے ہوں، لیکن دوسرے الفاظ سے ان کی مدح کی گئی ہو۔ حدیث موثق وہ ہے جس کے راویوں کی تعریف میں ثقہ عدل کے الفاظ اربابِ حدیث سے واضح طور پر وارد نہ ہوئے لیکن بعض راوی یا سب راوی امام نہ ہوں۔ حدیثِ ضعیف وہ ہے جس میں تینوں شرائط نہ پائی جائیں، نہ ثقہ عدل کے الفاظ سے تعریف ہو، نہ ان دو لفظوں کے علاوہ سے ہو اور عقیدۂ راوی کے خرابی کے ساتھ ثقہ عدل سے تعریف نہ ہو۔

حدیث متواتر ہوئی ہے اور غیر متواتر۔ متواتر وہ ہے کہ بہت سے لوگ ہر زمانہ میں اس کو بہت سے لوگوں سے روایت کریں، یہاں تک کہ اس کا سلسلہ معصوم تک پہنچ جائے۔ چنانچہ ان کی ہر جماعت کی کثرت اس خاص زمانہ میں اس حد تک پہنچ جائے کہ عقل ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کرنے کو جائز قرار نہ دے۔ حدیث غیر متواتر وہ ہے جس کے راویوں کی تعداد سب درجوں یا بعض درجوں میں اتنی زیادہ نہ ہو۔ اس قسم کی حدیث کو اربابِ حدیث کی اصطلاح میں خبرِ واحد کہتے ہیں۔ اخباریین کے نزدیک یہ ترتیب و تقسیم درست نہیں ہے اور صحیح علم اللہ کے پاس ہے۔

اس کتاب کے مصنف نے اخباریین کے طریقہ کے بارے میں جو کچھ اس مسلک کے امینوں سے جن میں سے ایک محمد رضائے الٰہی ہے، سنا ہے اس کو وہ یہاں لکھتا ہے۔ ان لوگوں کو اخباریین کے نام سے اس

لیے موسوم کرتے ہیں کہ یہ خبر پر دارومدار رکھتے ہیں، اجتہاد نہیں کرتے۔ ملا محمد امین علوم عقلیہ، نقلیہ اور شرعیہ حاصل کرنے کے بعد مکہ معظمہ گیا اور وہاں اعلان کیا کہ اجتہاد کرنا متقدمین شیعہ کا طریقہ نہیں ہے، اس کے اسرار کے امینوں اور عارفوں سے اس کتاب کے مصنف نے جو کچھ سنا، اس کو لکھ رہا ہے اور جو لوگ مزید کے طلبگار ہوں، وہ فوائد المدنی کی طرف رجوع کریں جو اس کی تالیف کی ہوئی ہے۔

کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے رحم الله امرأ عرف من این وفي این والی این (اللہ رحم کرے اس شخص پر جس نے جان لیا کہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں ہے اور کہاں جائے گا) من این سے مقصد خدا ہے۔ فی این سے اس زندگی کی طرف اشارہ ہے اور الی این سے مراد آخرت ہے لہٰذا ہم کو تینوں زندگیوں کی معرفت ہونی چاہیے لیکن اس جماعت کے طریقے پر نہیں جو اہلبیت میں سے ہیں بلکہ مدینۃ العلم کی طرف جو رسولؐ ہیں ہم کو مائل ہونا چاہیے اور چاہیے کہ ہم اس میں علوم کے دروازوں سے جو بارہ امام ہیں، اندر داخل ہوں۔ پس اس طریقہ کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اہل بدعت کا طریقہ ہوگا۔ اس معرفت کے دو طریقے ہیں، ایک اہل ریاضت کا طریقہ ہے اور ان میں بھی دو گروہ ہو گئے ہیں۔ پہلا ان کے قدماء ہیں جو حکمائے اشراقیین ہیں۔ انہوں نے کسی پیغمبر کی پیروی نہیں کی۔ دوسرا گروہ ان کے متاخرین ہیں جو صوفیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ پیغمبرؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے علم و عمل کو نبیؐ اور ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ تحقیق کا راستہ اور نبیؐ اور ائمہ معصومین کا باطنی مسلک یہی تھا اور ان حضرات سے ہم تک پہنچا۔ اماموں نے ریاضت کے ذریعہ اپنے اخلاق کی تہذیب کی اور کھانے اور سونے میں کمی کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت رسالت پناہ نے یہ طریقہ حضرت علیؑ کو ودیعت فرمایا تھا، پھر ان ریاضتوں کے وکیل صاحب اسرار امیر المومنین علی تھے اور حسن بصری تھے جو امیر کے عقیدت مندوں میں سے تھے، بایزید تھے جو امام جعفر صادق کے مرید تھے، معروف کرخی نے اپنا دست عقیدت امام رضا کی طرف بڑھایا، ان کی طرح ایک بڑی جماعت ہے جو خود کو نائب امام اور پیغمبر علیہ السلام کی قائم مقام سمجھتی ہے۔ ان کے اقوال کی جانب مائل نہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ ہمارے مذہب میں کوئی نائب نہیں ہوا بلکہ یہ لوگ ہوائے نفسانی میں گرفتار ہیں۔ اور یہ رہبانیین کا شیوہ ہے اور رہبانیت بدعت ہے۔

دوسرا فرقہ اہل استدلال کا ہے۔ ان کے قدماء و حکمائے مشائین کہتے ہیں جو کسی پیغمبر کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ ان کے متاخرین کو متکلمین کہتے ہیں۔ یہ ایک گروہ ہے جو دین اسلام سے اصول و مشائین سے عقائد سے ملحوظ کر کے مانتا ہے۔ یہ بھی اہل بدعت میں سے ہیں۔ پس محفوظ طریقہ وہ ہے جس پر حضرات عامل تھے، یعنی اخباریین کا طریقہ۔ ان کو اخباریین اس لیے کہتے ہیں کہ ان کا دارومدار خبر پر ہے اور حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ اس کتاب کے مصنف نے اس مذہب کے امینوں سے جن میں سے ایک محمد رضائے قزوینی ہے جو کچھ سنا ہے، اس کو لکھ رہا ہے۔ ان کو اخباریین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ لوگ خبر پر اعتماد کرتے ہیں اور اجتہاد نہیں کرتے۔

ملا محمد امین اجتہاد پیشہ مجتہدین متاخرین کی جماعت کو مخاطب کر کے کہتا ہے: تم لوگ خود قائل ہو اور اس کا اقرار کرتے ہو کہ سلف کا اصول قدماء کا طریقہ اجتہاد نہیں تھا اور سلف اور قدما کا طریقہ جو حضرت رسول اللہؐ کے زمانے میں رائج تھا، وہ اخباریین کا طریقہ ہے۔ پس ہمارے لیے یہی دلیل کافی ہے کیونکہ ہمارا مسلک ایک طریقہ جاریہ ہے لیکن تم لوگوں نے اجتہاد کے جواز کے لیے دلیل فراہم کر لی ہے۔ ہمیں دکھلاؤ کہ اصحابِ عصمت میں سے کس کے حکم سے تم نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس لیے کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی پیغمبر نہ آئے گا اور کوئی نیا دین نہ لائے گا۔ اسی طرح پیغمبرؐ کی کتاب میں اور احادیثِ نبوی اور ائمہ میں کہیں وارد نہیں ہوا کہ فلاں زمانے میں اپنی پسند پر عمل کریں اور امام کی غیبت کے بعد اجتہاد کو پیشہ بنا لیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تم نے اپنے اصول کو اہلسنت والجماعت کے اصول سے مخلوط کر دیا اور تمہارا مذہب مثل سکنجبین کے ہو گیا ہے جو نہ شہد ہے اور نہ سرکہ اور تم لوگ نہ سنیوں میں سے ہو اور نہ ہی شیعہ میں سے۔ متاخرین نے اجتہاد کا شیوہ اس وجہ سے اختیار کیا کہ جب سخت تقیہ کا دور آیا تو یہ لوگ گئے اور مخالفین کی کتابوں سے تحصیلِ علوم کیا اور وہی مضامین تمہارے دلوں میں راسخ ہو گئے پس جو باتیں نامناسب تھیں، ان کو اپنی کتابوں سے نکال دیا اور ان میں بعض باتوں کو اپنے مذہب میں ملا لیا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ بعض امور ضروریاتِ دین میں سے ہیں جس کو مخالف اور موافق دونوں جانتے ہیں مثلاً نماز جس کو کافر لوگ بھی جانتے ہیں کہ دینِ محمدیؐ میں واجب ہے اور بعض باتیں ضروریات مذہب میں سے ہیں، مثلاً امامت جس کو موافق اور مخالف دونوں جانتے ہیں کہ امامیہ کے مذہب میں اس کا جاننا ناگزیر حتمی یقینی اور ضروری ہے۔ جاننا چاہیے کہ آیاتِ قرآنی میں سے جو محکمات ہیں، ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور جو متشابہات ہیں، ہم کو ان کا مفہوم سمجھنے کی قدرت نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہ نبیؐ اور اماموں کے لیے مخصوص ہیں اور ہمارے کام کی نہیں ہیں، لہٰذا ہم کو نبیؐ اور اماموں کی حدیث پر عمل کرنا چاہیے۔ اب چونکہ احادیث ایک دوسرے کے خلاف بکثرت ہیں اور ان میں تمیز کرنا دشوار ہے تو اگر دو حدیثیں ایسی نظر آئیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہیں، تو محکماتِ قرآنی کی طرف رجوع کریں اور جو حدیث آیت کے مطابق ہو اس پر عمل کریں اور دوسری حدیث کو بھی اس پر محمول کریں لیکن اگر محکمات میں حکم نہ ملے اور متشابہات کو حل کرنا تمہاری طاقت سے باہر ہے۔ لہٰذا مخالفین کے مذہب پر نظر ڈالو کہ وہ لوگ کس حدیث پر عمل کرتے ہیں اور جو ان کے خلاف ہو اس حدیث کو صحیح سمجھو اور جو مخالفین کے مطابق ہو اس کو بر بنائے تقیہ سمجھو۔ لیکن اگر دونوں حدیثیں مخالفین کے مذہب میں مقبول ہوں تو دیکھو جو حدیث ان کے نزدیک قابلِ ترجیح ہو اس کے مقابل کو لے لو۔ اگر کوئی کہے کہ تمہارے مخالفین بکثرت ہیں اور بہتر (۷۲) فرقے ہیں اور ان کی رائیں مختلف ہیں تو امام نے فرمایا ہے کہ جس راستے پر مخالفین کے علماء، حکام اور غلبہ والے چلیں، اس راستے کے خلاف کو اختیار کرو اور اگر سب کو ایک ہی راستہ پر پاؤ تو دو حکم ہیں جس حدیث پر بھی عمل کرو گے۔ ہر حال میں اس حدیث میں کوئی کلام نہ ہوگا کیونکہ وہ معصوم کی طرف سے وارد ہے بلکہ یقیناً وہ امام کی طرف سے ہے اور امام کی اطاعت فرض ہے پس جس پر بھی عمل کرو گے، امام کے مطابق عمل ہوگا۔ دوسرا حکم کرنا ہے امام سے ملاقات کی سعادت کے وقت تک توقف

کرنا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہمارے لیے عمل کرنا ضروری ہے، ہم کب تک صبر کریں جب کہ امام کے آنے کا وقت مقرر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پھر بھی عمل کیا ہے کیونکہ توقف کرنے سے مراد یہ کہ اگر معاملات ہیں تو صلح کرلے اور اگر عبادات ہیں تو محتاط طریقہ اختیار کر۔ اگر کوئی کہے کہ اس قانون پر عمل کرنا بھی اجتہاد ہے تو میں جواب دوں گا کہ یہ وہ قانون ہے جسے امام نے وضع کیا ہے اور اگر یہ اجتہاد ہے تو امام کا اجتہاد ہوگا نہ کہ ہمارا اجتہاد۔ دو حدیثیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، ان کے پرکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً شراب کی طہارت اور اس کی نجاست کے بارے میں حدیثیں ہیں۔ لہٰذا ہم نے محکماتِ قرآنی کی طرف رجوع کیا اور کوئی محکم آیت نہ پائی اور متشابہات میں دیکھا کہ خمر (شراب) کو 'رجس' کہا گیا ہے اور 'رجس' کے کئی معنی آئے ہیں۔ اب چونکہ ہم میں متشابہات کی حقیقت دریافت کرنے کی قدرت نہیں ہے، اس لیے مخالفین کے مذہب کی طرف رجوع کیا۔ ان لوگوں نے شراب کو نجس سمجھا ہے پس ہم نے اس کے خلاف کو لے لیا اور شراب کو طاہر شمار کیا۔ اس لیے کہ شراب کی طہارت کے بارے میں حدیثیں وارد ہیں، لہٰذا جو حدیثیں شراب کی نجاست پر دلالت کرتی ہیں، ان کو ہم نے تقیہ پر محمول کیا۔

جاننا چاہیے کہ مجتہد کو چاہیے کہ اپنے ظن پر عمل کرے اور ظن شبہہ ہے اور شبہہ کو اس لیے شبہہ کہتے ہیں کہ وہ باطل ہے لیکن حق کے مشابہ ہے۔ اخباریین کا طریقہ یہ ہے کہ بغیر چون و چرا کے سادگی سے جو کچھ امام سے سنتے ہیں، اس کو دلیل قطعی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اخباریین کے طریقہ پر عمل کرنا یقینی طریقہ ہے اور یقینی و ظنی سے بھلا کیا نسبت ہے۔ متاخرین شیعہ کہتے ہیں کہ مجتہد کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے ظن پر عمل کرے اور دوسرے کو اس کے گمان پر عمل کرنا چاہیے [illegible] قدماء کا طریقہ ہے۔ لہٰذا اجتہاد کے مطابق عمل کرنا سہو اور غلط ہے۔

اسماعیلیہ کا بیان

میرا میر نے جو شہر شکونہ کے نواح میں سالار ہے، بتایا کہ اسماعیلیہ شیعہ میں ایک گروہ ہے جو اسماعیل بن امام جعفر صادق کی جانب منسوب ہے۔ یہ لوگ آنجناب کو امام سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام جعفر نے امامت ان کے سپرد کی تھی اور آنجناب کی والدہ کے ساتھ کسی عورت یا لونڈی کو شریک نہیں بنایا جیسا کہ پیغمبر (ﷺ) نے حضرت خدیجہ کے ساتھ اور حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ کے ساتھ کیا۔ اسماعیل کے اس دنیا سے انتقال کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ حضرت جعفر کی زندگی ہی میں وفات پا چکے تھے اور انتقالِ امامت کی تصریح کا فائدہ یہ ہے کہ وہ امام جعفر سے اسماعیل کی اولاد کی طرف منتقل ہو جیسا کہ حضرت موسیٰؑ نے ہارون کی خلافت کی تصریح کی تھی، حالانکہ وہ حضرت موسیٰؑ کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے۔ اور نص یعنی تصریح پیچھے کی طرف واپس نہیں لوٹتی اور بدا کا قائل ہونا محال ہے۔ حضرت جعفر نے اپنے آباء کرام کی کسی حدیث کی سند کے بغیر اولادِ کرام میں سے کسی کو مقرر نہ کیا ہوگا۔ امام کے لیے ابہام اور اجمال جائز نہیں ہے۔ اس کے اثناء عشری بھی قائل ہیں کہ امام جعفر نے اسماعیل کے حق میں تصریح کی تھی۔ بعض کہتے ہیں

اسماعیل نے وفات نہیں پائی۔ لیکن تقیہ کی وجہ سے ان کی وفات کا اعلان کر دیا گیا تا کہ مخالفین اُن کے قتل کے درپے نہ ہوں اور اُن کی وفات پر ایک محضر نامہ لکھ لیا۔ کہتے ہیں کہ لوگوں نے منصور کو خبر پہنچائی کہ انہوں نے اسماعیل کو بصرہ میں دیکھا ہے اور ان کی دُعا سے ایک مریض کو بیماری سے شفا حاصل ہوئی۔ چنانچہ منصور نے امام جعفر سے سوال کیا، امام نے اسی محضر نامہ کو خلیفہ کے پاس بھیج دیا جس پر منصور کے گورنر کی بھی مہر تھی۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسماعیل کے بعد محمد بن اسماعیل تھے اور ان پر شیعہ کے اماموں کا دور ختم ہو گیا۔ ان کے بعد ائمہ مستور ہیں لیکن ان کے داعی ظاہر ہیں کیونکہ کوئی دور امام ظاہر یا مستور سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اور جب امام ظاہر ہو جاتا ہے تو اس کی حجت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔

اماموں کے احکام کا دارومدار سات پر ہے جیسے کہ ہفتہ کے سات دن اور سات آسمان اور سات ستارے، اور نقیبوں کا دارومدار بارہ پر ہے۔ امامیہ نے اس موقع پر غلطی کی ہے اور اماموں کو نقیبوں کی تعداد کے برابر شمار کیا ہے اور باطنیہ یہی لوگ ہیں۔ یہ لوگ ظاہری شریعت پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ خدا موجود ہے یا موجود نہیں ہے۔ وہ عالم ہے یا عالم نہیں ہے اور وہ قادر ہے یا نہیں ہے۔ اسی طرح ساری صفات کے بارے میں۔ ان کا کہنا ہے کہ موجود حقیقی کے اثبات سے اس کے اور موجودات کے درمیان شرکت ہو جاتی ہے اور یہ تشبیہ ہے۔ اسی طرح نفی مطلق سے وہ معدومات کا شریک ہو جاتا ہے اور یہ تعطیل ہے۔ لہٰذا جب واجب الوجود پر ان حقائق کا اطلاق اس طور پر ہے کہ کسی قسم کی مشارکت کا تصور پیدا نہ ہو۔ ان کا قول ہے کہ ایزد متعال آلہٴ متقابل اور دو متضاد اشیاء کا خالق اور حاکم ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ جب حضرت ایزد متعال نے عالموں کو علم عطا فرمایا تو انہوں نے اس کو عالم کہا اور جب قادر لوگوں کو قدرت مرحمت فرمائی تو اس کو قادر کہا گیا لہٰذا ایزد متعال کی ذات پر عالم اور قادر کا اطلاق اس اعتبار سے ہے کہ وہ علم اور قدرت عطا فرمانے والا ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ خدا نے ایک حکم سے عقل کو پیدا کیا جو من کل الوجوہ تام ہے اور اس عقل تام کے ذریعہ نفس کو پیدا کیا جو تام نہیں ہے۔ عقل کو نفس سے وہی نسبت ہے جو نطفہ کو پیدا کیے ہوئے بچہ سے ہے یا جو نسبت انڈے کو چڑیا سے ہے یا جیسی نسبت باپ کو بیٹے سے یا شوہر کو بیوی سے ہے۔ چنانچہ نفس عقلِ تام کے کمالِ فیض کا مشتاق اور آرزو مند رہتا ہے تا کہ اس سے فیض حاصل کرے لہٰذا اس کو ضرورت ہوئی کہ نقصان سے کمال کی طرف حرکت کرے اور یہ حرکت بغیر کسی آلہ کے مکمل نہیں ہو سکتی۔

پس خدا نے اجرامِ فلکی کو پیدا کیا اور فلک کو حرکتِ دوری سے جنبش دی اور نفس کی تدبیر سے عناصر کے طبائع بسیطہ پیدا ہوئے اور ان کے ذریعہ بسائط عنصری۔ اس کے بعد خدا نے جمادی اور نباتی مرکبات اور انواع واقسام کے حیوانات کو پیدا کیا جن میں بسبب انواع قدسی کی استعداد اور عالم علوی سے تعلق کے بہترین انسان ہے۔ جس طرح عالم علوی عقل کامل کلی اور نفس ناطقہ کلیہ پر مشتمل ہے جو کائناتِ عالم کی اصل ہیں، اسی طرح ضروری ہے کہ عالم سفلی میں بھی عقلِ کامل کلی اور نفس موجود ہوں تا کہ دنیا والوں کی نجات کا ذریعہ بن سکیں۔ وہ عقل رسولِ ناطق ہیں اور نفسِ امام ہیں اور جس طرح افلاک عقل اور نفس کی تحریک سے متحرک ہیں

اسی طرح دوسرے نفوسِ ناطق اور وحی کی تحریک سے نجات پاتے ہیں۔ یہ سلسلہ ہر عہد و زمانہ اور ہر دور میں اسی طرح سات اشخاص میں دائر رہتا ہے یہاں تک کہ آخری دور آ پہنچتا ہے اور قیامت کا وقت آ جاتا ہے۔ اس وقت شریعت کے فرائض وسُنن رفع ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ حرکاتِ فلکی کا وجود اور شریعت کا التزام نفس کے کمال تک پہنچنے کے واسطے ہے اور انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ عقل کے درجے کو پہنچ جائے اور یہی قیامت کبریٰ ہے۔

یہ لوگ جب کسی کو اپنے دین میں داخل کرنا چاہتے ہیں تو اپنے مذہب کی تحقیق کے لیے اس کو شک میں ڈال دیتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ اس میں ان کا کوئی بُرا مقصد ہوتا ہے بلکہ اس لیے کہ وہ خدا تک راستہ پا لے اور حق کو پہنچ جائے اور جان لے کہ اس مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب غیر یقینی اور غیر فصیح ہیں اور وہ ارکانِ شریعت کے متعلق شک ڈالنا ہے مثلاً سورتوں کے مقطعات کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ حروف مقطعات جو سورتوں کے شروع میں ہیں ان کے کیا معنی ہیں۔ حائضہ عورت کے لیے روزہ کی قضا نہ کہ نماز کی قضا اور وجوبِ غسل منی نکلنے سے نہ کہ پیشاب سے کیوں ہے؟ اور رکعتوں کی تعداد جن میں سے بعض چار ہیں بعض تین اور بعض دو، ایسا کیوں ہے؟ اسی طرح عبادت کے دوسرے مسائل میں سوال کرتے ہیں۔ جب طالب حق ان سوالات سے شک میں گرفتار ہو جاتا ہے اور حق تلاش کرتا ہے تو اس کو جواب دیتے ہیں اور راہِ حق کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے دل سے شک دُور ہو جاتا ہے پھر ان کے مذہب میں داخل ہو جاتا ہے اور حق کے راستے پر آ جاتا ہے۔ تشکیک کے بعد ربط کا درجہ ہے اور وہ عہد لینا ہے کیونکہ خدا کی سنت جاریہ ہے عہد و پیمان کا لینا بقول واذ اخذنا من النبیین میثاقھم (الاحزاب:۷) (جب ہم نے پیغمبروں سے عہد و پیمان لیا۔)

پیمان کے بعد حوالت ہے، وہ یہ کہ دشوار چیزوں کے حل کرنے میں اور ان مسائل میں جو اس کو درپیش ہوں، امام کے حوالے ہونا اس لیے کہ امام کی ذات حمیدہ صفات اس سے باخبر ہے اور دوسروں میں یہ قدرت نہیں کہ اس بلند درجے پر پہنچ سکیں۔ اس کے بعد تدلیس ہے اور وہ اپنے دینی اور دنیاوی اکابر کے ساتھ اس لیے موافقت کا دعویٰ کرنا ہے کہ اس چیز کی طرف جس کو طلب کرتا ہے اور چاہتا ہے، اس شخص کی رغبت زیادہ ہو جائے۔ اس کے بعد تاسیس ہے اور وہ ان مقدمات کی تمہید ہے جن کو وہ قبول کرے اور ان کو تسلیم کرے اور جس چیز کا وہ طالب ہے، اس کے لیے کوشاں ہو جائے۔ پھر خلع ہے اور وہ اعمال بدنیہ کو ساقط کرنے کے ساتھ امن وسکون ہے۔ اس کے بعد سلخ ہے یعنی ظاہری عقائد دینی سے درگزر کرنا۔ پس اس درجے میں اس [illegible] حلال کرنے پر خود کو لذتوں کے استعمال کے لیے آمادہ کرنے اور شریعت کی تاویل کرنے پر خود و [illegible] کرنا۔ یہ بلندترین مرتبہ ہے، اس لیے کہ دنیا میں جو چیزیں ضرر رساں ہیں، وہ خدا کے نیک بندوں کے لیے جائز ہیں۔ مثلاً شراب جس کو اعتدال سے پینے میں بغیر شور وشر کے سراسر نفع ہے اور اسی طرح دوسری چیزیں ہیں۔

ان کا قول ہے کہ وضو سے مراد دین قبول کرنا امام سے، اور تیمم سے مراد امام کی غیبت کے زمانے میں جو حجت ہے نائب سے دین قبول کرنا ہے، نماز سے مراد رسولؐ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قول کی دلیل سے ان

الصلوٰۃ تنھٰی عَنِ الفَحشاء والمُنکر (العنکبوت: ۴۵) (نماز فحش اور برائیوں سے روکتی ہے) احتلام سے مراد ہے اس شخص کے سامنے جو ان میں سے نہیں ہے بغیر اس کی ہدایت کے ارادہ کے راز کو فاش کرنا۔ غسل عہد کی تجدید ہے۔ زکوٰۃ ذہنِ انسانی کی معرفت کے ساتھ تزکیۂ نفس کا نام ہے۔ روزہ سے امام کے اسرار کی حفاظت کی جانب اشارہ ہے۔ زنا سے مراد دین کے اسرار کا راز فاش کرنا ہے۔ ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ نماز با جماعت امام معصوم کی اتباع کرنا ہے اور زکوٰۃ سے اس بات کا اشارہ ہے کہ مال کا پانچواں حصہ امام معصوم کو دیں۔ اسی طرح کعبہ پیغمبر ہیں اور دروازہ علی ہیں۔ صفا نبی ہیں اور مروہ وحی، میقات مانوس ہونا ہے اور تلبیت (لبیک کہنا) دُعاؤں کا قبول کرنا ہے اور کعبہ کا سات بار طواف کرنا مولا ہیں جو شیعہ کے ائمہ ہیں۔ جنت اجسام کا تکالیف سے آرام پانا ہے اور دوزخ تکالیف سے جسموں کی زحمت ہے۔ اسی طرح ساری چیزوں کی تاویل کرتے ہیں۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے، باطن اس ظاہر کی اصل ہے اور ظاہر محض اس باطن کا مظہر ہوتا ہے اور کوئی ظاہر ایسا نہیں جس کا باطن نہ ہو، ورنہ حقیقت میں کچھ نہ ہوگا، اسی طرح کوئی باطن ایسا نہیں جس کا ظاہر نہ ہو ورنہ وہ محض خیال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے عالم ظاہر اور عالم باطن کو پیدا کیا تو عالم باطن ارواح، نفوس اور عقول کا عالم ہے اور عالم ظاہر اجسام علوی و سفلی اور ان کے اعراض کا عالم ہے۔ امام عالم باطن کا حاکم ہوتا ہے اور کسی شخص کو بغیر اس کی تعلیم کے عالم بالا کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ پیغمبر عالم ظاہر کا حاکم ہوتا ہے اور وہ شریعت جس کے لوگ محتاج ہوتے ہیں بغیر پیغمبر کے مکمل نہیں ہوتی۔ شریعت کا ایک ظاہر ہے جس کو تنزیل کہتے ہیں اور ایک باطن بھی ہے جس کو تاویل کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جس طرح کوئی زمانہ نبی یا اس کی شریعت سے خالی نہیں ہوتا، اسی طرح امام یا اس کی دعوت سے بھی خالی نہیں ہوتا۔ نیز کہتے ہیں کہ کبھی دعوت پوشیدہ ہوتی ہے اگرچہ امام ظاہر ہو اور بعض اوقات دعوت ظاہر رہتی ہے۔ اگرچہ امام پوشیدہ ہو اور جس طرح نبی کو قولی یا فعلی معجزہ سے پہچانتے ہیں۔ اسی طرح امام کو دعوت اور اس کے دعویٰ سے جانتے ہیں اور باری تعالیٰ کو نہیں پہچان سکتے، لیکن امام کے ذریعہ۔ ان کا قول ہے کہ ہر زمانے میں امام کا موجود ہونا واجب ہے خواہ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ، جس طرح کوئی وقت دن کی روشنی یا رات کی تاریکی سے خالی نہیں ہوسکتا۔

حسن صباح کی جو امام کا نائب تھا لکھی ہوئی ایک کتاب دیکھی گئی، اس کی پہلی فصل میں وہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں مفتی کے لیے دو اقوال میں سے ایک ضروری ہے یا تو یہ کہے گا کہ خداوند کو محض عقل سے پہچانتا ہے بغیر معلم صادق کی تعلیم کی ضرورت کے۔ یا یہ کہے گا کہ حق تعالیٰ کی معرفت عقل کے لیے دشوار ہے اور بغیر کسی معلم صادق کی تعلیم کے یہ حاصل نہیں ہوسکتی۔ پھر کہتا ہے کہ جو شخص پہلے قول کے مطابق فتویٰ دیتا ہے اس کو دوسرے کے انکار کا حق نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ اگر اس کا انکار کرے تو تعلیم کا انکار لازم آتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ منکر علیہ غیر کا محتاج ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ دونوں کے اقوال ضروری ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب مفتی کسی قول کے مطابق فتویٰ دیتا ہے تو وہ یا خود اس کا قول ہوتا ہے یا

اس کے غیر کا۔ اسی طرح جب وہ کسی چیز کا اعتقاد کرتا ہے تو اس اعتقاد کی اصل یا تو خود اس کے نفس کی طرف سے راسخ ہوتی ہے یا کسی غیر کی طرف سے۔ یہ مضمون ان خبروں کا ہے جن پر پہلی فصل مشتمل ہے اور اس فصل میں اصحابِ عقل ورائے کی تردید ہے۔

اپنی کتاب کی دوسری فصل میں اس نے ذکر کیا ہے کہ جب معلم کی ضرورت ثابت ہوگئی تو یا تو ہر معلم علی الاطلاق تعلیم کی صلاحیت رکھتا ہے یا پھر معلم صادق کا ہونا ناگزیر ہے۔ اس کے بعد کہتا ہے کہ جو شخص اس کا قائل ہے کہ ہر معلم تعلیم کی صلاحیت رکھتا ہے، اس کے لیے اپنے مقابل کے معلم کا انکار جائز نہیں ہے۔ اور اگر فریقِ مقابل کے معلم کا انکار کرے تو بھی یقیناً اس کو تسلیم کر چکا ہوگا کیونکہ معلمِ صادق اور معتمد کا ہونا لازمی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ فصل اصحابِ حدیث کی تردید پر مشتمل ہے۔

تیسری فصل میں اس نے بیان کیا ہے کہ اگرچہ معلمِ صادق کی ضرورت ثابت ہوگئی لیکن معلم اول کی معرفت اور اس کو پانا لازمی ہے۔ خواہ اس سے تعلیم حاصل کرے یا کسی اور معلم سے بغیر شخصیت کی تعیین کے اس کے صدق کی تحقیق کرنا مناسب ہے کیونکہ کسی راستے پر چلنا بغیر رفیق کے ممکن نہیں ہوتا۔ لہٰذا پہلے رفیق ہوتا ہے، اس کے بعد طریق۔ یہ شیعہ کی تردید ہے۔

چوتھی فصل میں کہتا ہے کہ افرادِ انسانی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ ہم باری تعالیٰ کی معرفت کے لیے معلمِ صادق کے محتاج ہیں اور اس کی شخصیت کا تعین واجب ہے۔ اس کے بعد اس سے تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ ہر علم کی معرفت کے لیے ہر شخص سے تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے خواہ وہ معلم ہو یا غیر معلم۔ اب چونکہ مذکورہ بالا مقدمات سے معلوم ہو چکا کہ حق اول فرقے کے ساتھ ہے لہٰذا فرقہ اوّل کا رئیس اور پیشوا حق پرستوں کا پیشوا ہوگا اور چونکہ معلوم ہو چکا کہ فرقہ ثانی باطل پر ہے، اس لیے ان کا پیشوا باطل پرستوں کا پیشوا ہوگا۔ نیز وہ کہتا ہے کہ یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ ہم بطورِ اجمالی معرفت کے حق پرست کو حق کے لیے پہچانتے ہیں اور اجمالی معرفت کے بعد ہم تفصیلی معرفت کے طور پر ان مسائل میں جن کی ہم کو ضرورت ہے، حق پرست کو حق کے لیے پہچانتے ہیں اور حق سے ہماری مراد ان مواقع میں حق پرست کی ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں وہ کہتا ہے کہ ہم ضرورت کی وجہ سے امام کو پہچانتے ہیں اور امام کے ذریعہ حق کو پہچانتے ہیں جس طرح ہم جواز کے ذریعہ وجوب کو جانتے ہیں یعنی ممکنات کے ذریعہ ذاتِ واجب الوجود کے کمال کو جانتے ہیں۔

وہ کہتا ہے کہ توحید کی معرفت کا طریقہ بھی یہی ہے۔ اس بیان کے بعد کی فصلوں میں اس نے اپنے مخصوص مذہب کی تقریر کی ہے اور بعض میں اپنے مذہب کی تمہید کی ہے اور بعض دوسری فصلوں میں اپنے غیر مذہب کی تردید کی ہے۔ اکثر فصلوں میں تردید و الزام اور دوسرے مذاہب کے بطلان پر اختلاف سے استدلال ہے اور اپنے مذہب کی حقانیت پر اتفاق سے استدلال ہے۔ منجملہ ان استدلالات کے حق اور باطل کے درمیان تمیز، حق اور باطل کے درمیان تفریق اور صغیر اور کبیر کے درمیان تفریق ہے۔ نیز وہ کہتا ہے کہ عالم

میں حق اور باطل دونوں ہیں۔ حق کی علامت وحدت اور باطل کی علامت کثرت ہے، وحدت تعلیم سے متصل ہے اور کثرت رائے سے۔ اور تعلیم جماعت کے ساتھ ہے اور جماعت امام کے ساتھ ہے، اس کے برعکس رائے مختلف فرقوں کے ساتھ ہے اور یہ فرقے اپنے سرداروں کے ساتھ متفق ہیں، لہٰذا حق کو باطل سے ممتاز کرنے اور حق و باطل کی مشابہت کو دُور کرنے اور دونوں میں ایک طرح تمیز و تفریق کرنے کے لیے طرفین کے لیے ایک ترازو بنانا چاہیے جس میں سب کو وزن کیا جائے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ میزان (ترازو) ہم نے کلمۂ شہادتین سے اقتباس کیا ہے جو کہ نفی اور اثبات سے مرکب ہے چنانچہ جو کچھ نفی کا مستحق ہے وہ باطل ہے اور جو کچھ اثبات کا مستحق ہے، وہ حق ہے۔ اس ترازو میں ہم شیر و شکر، صدق و کذب اور جملہ متضاد چیزوں کا وزن کرتے ہیں۔ اس کلام کا راز اور نکتہ یہ ہے کہ اس مقالہ میں ہر لفظ امامت سے معلم اور توحید کے اثبات کی طرف راجع ہے اور یہ بات اثباتِ امامت کو مع نبوت کے اس طور پر شامل ہے کہ خود نبوت امامت سے مل کر نبوت ہوتی ہے، ان مباحث میں کلام کی انتہا یہی ہے۔

اس نے عوام کو علم میں غور و خوض کرنے سے اور خواص کو متقدمین کی کتابوں کے مطالعہ سے منع کیا، سوائے اس شخص کے جو کتابوں کے حالات کی کیفیت اور جن لوگوں نے باتیں کہی ہیں، ان کے درجات سے واقف ہو اور اپنے اصحاب کے لیے الٰہیات میں صرف اسی پر اقتصار کیا کہ تمہارے لیے ''اللہ اللہ محمد است۔'' اور مخالفین کہتے ہیں، ''اللہ اللہ عقول است'' یعنی وہ وہ ہے جس کی طرف ہر عاقل کی عقل ہدایت کرے۔ جب لوگ ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ باری تعالیٰ موجود ہے یا نہیں، وہ واحد ہے یا کثیر، عالم ہے یا جاہل اور قادر ہے یا نہیں تو جواب میں صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ ''اللہ اللہ محمد است'' یعنی وہ خدا ہے جس نے رسول کو مخلوق کی طرف ہدایت کرنے کے لیے بھیجا اور رسول مخلوق کے ہادی ہیں۔

اس فرقہ کے لوگ اکثر مقامات پر ہیں لیکن مشرق کے کوہستانی علاقوں میں اور ختا و کاشغر کے نواح میں اور تبت میں بکثرت ہیں۔ اس کتاب کے مصنف نے ۱۰۵۴ھ (۱۶۴۴ء) میں اس فرقہ کے ایک شخص مسمی میر علی اکبر کو ملتان میں دیکھا تھا۔ اور ان باتوں میں سے اکثر اُسی سے سنیں۔ خلفائے اسماعیلیہ نے مغرب میں کافی عرصہ خلافت میں گزارا۔ خواجہ نصیر طوسی نے جس زمانے میں وہ خود کو اسماعیلی ظاہر کرتے تھے، اوّلین خلیفہ کے نسب کو جس طور سے اسماعیلیہ پسند کرتے ہیں، یوں بیان کرتا ہے۔ محمد المہدی بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق۔ اس نے امامت کے مرتبہ کو ظاہری امارت کے ساتھ جمع کیا اور انہوں نے کہا ہے کہ مہدی آخر الزماں سے مراد محمد بن عبداللہ ہیں۔ مخبر صادق سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا علی راس الف و ثلثمائۃ یطلع الشمس من مغربھا (ایک ہزار تین سو سال کے شروع میں آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا۔) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ شمس سے مراد محمد بن عبداللہ ہیں اور ابو یزید کو جس نے آپ کے خلاف سرکشی کی تھی، دجّال سمجھتے ہیں۔

اکثر فضلاء اسماعیلیہ کے پیرو رہے ہیں چنانچہ منجملہ افاضل شعراء کے امیر ناصر خسرو تھا جو اسماعیل

ملقب بہ مستنصر کا معاصر تھا۔ امیر ناصر کی ولادت ۳۵۹ھ (۹۶۹ء) میں ہوئی۔ جب وہ سنِ شعور کو پہنچا تو اس نے اسماعیلیہ کی حسنِ سیرت کا حال سنا اور امامِ برحق منتصر کی خلافت کے زمانے میں خراسان سے مصر گیا۔ سات برس تک وہاں سکونت اختیار کی، ہر سال حج کے لیے جاتا تھا اور واپس لوٹ آتا تھا۔ وہ حد درجہ امورِ شرعیہ کا پابند تھا۔ آخری بار مکہ گیا اور بصرہ کے راستے سے واپس ہو کر خراسان کا قصد کیا۔ سانج میں قیام پذیر ہو کر لوگوں کو مستنصر کی بیعت اور اسماعیلیہ کے مسلک کی دعوت دیتا تھا اور ان کو ہدایت کرتا تھا۔ پیغمبر کے اہلِ بیت کے دشمنوں کے ایک گروہ نے امیر ناصر کے قتل کا ارادہ کیا تو اس پر خوف و ہراس غالب ہو گیا۔ وہ بدخشاں کے ایک پہاڑ میں پوشیدہ ہو گیا، جہاں اس نے بیس سال تک صرف پانی اور گھاس پر قناعت کی۔ بعض نادانوں نے اس کو اسماعیلیہ الموتیہ کا مصاحب شمار کیا ہے اور بعض جاہلوں نے اس کی طرف سے الموتیہ کے ساتھ معاشرت کے بارے میں جس پر وہ مجبور کیا گیا تھا، ایک کتاب ندامت نامہ تصنیف کی ہے، حالانکہ وہ مغرب کے اسماعیلیہ کا پیرو تھا اور الموتیہ کے ساتھ موافقت اور مصاحبت نہیں رکھتا تھا۔ یہ تھیں وہ باتیں جو ناصر کے بارے میں اسماعیلیہ کی طرف سے سنی گئیں نیز تواریخ کی کتابوں میں دیکھی گئیں۔

اسماعیلیہ کے ائمہ مخلوق پر بیحد مہربان تھے، چنانچہ منصور بن عزیز اسماعیلی نے جو الحاکم بامر اللہ کے لقب سے مشہور تھا، مصر میں نافذ کیا تھا کہ رات کے وقت خرید و فروخت کے لیے دکانوں کے دروازوں کو کھلا رکھیں اور شہر کے دروازوں کو بند نہ کریں اور گلی کوچوں میں مشعلیں رکھیں، چنانچہ ساری رات بازاروں اور محلوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ آنجناب جملہ علوم میں ماہر تھے اور اپنے جد بزرگوار یعنی محمد مختار کی طرح معجزات پر قادر تھے، چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا کہ فلاں رات میں ایک تکلیف مجھ کو پہنچے گی، آخر کار ویسا ہی ہوا۔

اسماعیلیہ مغرب کے سارے ائمہ شریعت کے ظاہری امور کے پابند تھے۔ ان کے حالات تواریخ میں مشہور ہیں۔ ایران کے اسماعیلیہ ''اسماعیلیۂ قہستان و رودبار'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ان میں سے پہلا حسن صباح ہے اور چونکہ اس کے احوال تاریخی کتابوں میں تعصب کے قلم سے لکھے گئے، لہٰذا جس انداز پر اسماعیلیہ کے نزدیک صحیح ہیں، اس کو تحریر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

حسن کا نسب محمد صباح حمیری سے ملتا ہے اس کا دادا جو صباح حمیری کی اولاد میں تھا، یمن سے کوفہ میں، کوفہ سے قُم میں اور قُم سے رے میں آیا۔ حسن کے باپ کو علی بھی کہتے تھے۔ وہ زاہد، عالم اور اسماعیلی مذہب کا پیرو تھا اور رے کی حکومت میں رہتا تھا۔ اس صوبہ کا حاکم ابومسلم رازی مذہبی اختلاف کی وجہ سے اس سے عداوت رکھتا تھا اور چونکہ امام موفق نیشاپوری خراسان کے علمائے اہلسنت میں سے تھے، اس لیے حسن کے والد نے دشمنوں کی بدگمانی دور کرنے کے لیے اپنے فرزند سعادت مند کو نیشاپور میں لاکر امام موفق کی مجلس میں استفادہ میں مشغول کرا دیا اور خود گوشۂ قناعت میں بیٹھ کر عبادت میں مشغول ہو گیا۔ کبھی کبھی عوام کی سمجھ سے بالا تر کلام ان کی زبان سے نکل جاتا تھا تو نااہل اس کو اصحاب اعتزال والحاد کے کلام کی جانب منسوب کرتے تھے، بلکہ زندقہ اور کفر کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ حسن، نظام الملک طوسی اور عمر خیام نیشاپوری کا ہم سبق تھا اور

چونکہ اس کے پدر بزرگوار نے خبر دی تھی کہ نظام الملک دنیاوی بلند مرتبہ پر پہنچے گا اور حسن ظاہری اور باطنی بلند مرتبہ پر فائز ہوگا، لہٰذا حسن نے نظام الملک سے کہا کہ ہم میں سے جو شخص کسی بلند درجے پر پہنچے تو جو دولت اس کو میسر ہو وہ ہم تینوں کے درمیان برابر تقسیم ہو۔ اس کے مطابق انہوں نے عہد و پیمان باندھا۔ جب خواجہ نے الپ ارسلان کے زمانے میں وزارت کا عہدہ پایا تو حکیم عمر خیام اس کے پاس پہنچ کر گوشہ نشینی اور فضائل کی ترویج میں مصروف ہوگیا۔ خواجہ نے اس کی امداد سے دریغ نہیں کیا۔ حسن انتظار کر رہا تھا کہ نظام الملک اس کو بلائے گا۔ جب یہ نہ ہوا تو وہ الپ ارسلان کے عہد سلطنت میں خواجہ سے نہیں ملا بلکہ سلطان ملک شاہ کی حکومت کے وقت نیشاپور میں خواجہ کے پاس حاضر ہوا، خواجہ نے اپنے سابقہ عہد و پیمان کو پورا نہیں کیا بلکہ اس کو بادشاہ کے دربار تک میں پیش نہیں کیا۔ مجبور ہو کر سیّد الطائفہ یعنی حسن نے خواجہ سے کہا: اے خواجہ! تو اہلِ تحقیق اور اصحابِ یقین میں سے ہے اور تُو جانتا ہے کہ دنیا ایک ذلیل چیز ہے۔ کیا یہ جائز ہے کہ ریاست کی محبت اور جاہ کی خاطر تُو عہد شکنی کرے اور خود کو يَنقُضُون عَهدَاللهِ (البقرہ: ۲۷) (وہ لوگ اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں) کے زُمرے میں داخل کرے؟:

دستِ وفا در کمر عہد کن تا نشوی عہد شکن جہد کن

(تُو وفاداری کا ہاتھ عہد کی کمر میں ڈال دے اور اس بات کی کوشش کر کہ عہد شکن نہ ہو۔)

مجبوراً خواجہ اس کو سلطان کی مجلس میں لے گیا۔ سلطان سے اس کی فرطِ ذہانت کی تعریف کی اور عرض کیا کہ وہ متشدد اور مکار اور طیش والا ہے، اس لیے اعتماد کے قابل نہیں۔ حسن ایک دانش مند اور صاحبِ تدبّر انسان تھا، تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی دیانت داری اور پاکبازی کی وجہ سے اس نے سلطان کے مزاج میں بڑا رسوخ پیدا کرلیا۔ بادشاہ بڑے بڑے معاملات اور اہم مسائل میں اس کے مشورہ کے مطابق عمل کرتا تھا۔ سلطان جان گیا کہ خواجہ نے حسن کے بارے میں طیش اور مکاری کے سلسلے میں جو کچھ کہا تھا، وہ محض بہتان تھا۔ اس بناء پر نیز دوسری بدمعاملگیوں کی وجہ سے سلطان کے دل میں خواجہ کی طرف سے غبار آ گیا۔ ایک دن اس نے خواجہ سے سوال کیا کہ ایک عمدہ رجسٹر جو سلطان کی کل آمدنی واخراجات پر مشتمل ہو، کتنے عرصہ میں تیار کیا جا سکتا ہے؟ خواجہ نے جواب دیا کہ دو سال میں۔ سلطان نے کہا یہ تو کافی زیادہ ہے۔ حسن نے ذمہ داری لی کہ چالیس دن کی مدت میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا، بشرطیکہ مذکورہ مدت میں سب محرر اس کی خدمت میں رہیں۔ سلطان نے اس شرط کو پسند کیا اور حسن نے وعدے کے مطابق چالیس روز میں ایک نہایت عمدہ رجسٹر مرتب کر دیا جو سلطنت کی کُل آمدنی وخرچ پر مشتمل تھا۔ خواجہ اس خبر کو سُن کر پریشان ہوگیا اور ایک روایت میں خواجہ کے ایک غلام نے جس کی حسن کے خادم سے دوستی تھی، دوسری روایت میں خود خواجہ نے رجسٹر کو حسن کے ہاتھ سے جو دربار کے باہر اس کے اوراق ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا، لے کر گڑ بڑ کر دیا۔ اور ان اوراق کو بغیر ترتیب کے یکجا کر دیا اور حسن کو کچھ نہیں بتایا۔ پیشی کے وقت رجسٹر کو گڑ بڑ پا کر حسن اس کی تنظیم وترتیب میں مشغول ہوگیا اور جلدی جلدی اوراق کو مرتب کرنے لگا۔ سلطان ملک کی آمدنی و اخراجات کو جلد معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن حسن فوری

جواب نہ دے سکا اور ہاں ہوں کرنے لگا۔ سلطان نے اکتا کر پوچھا کہ اس لیت ولعل کا سبب کیا ہے؟ اور جب جواب کا خاطر خواہ جواب نہ پایا تو غصہ ہو گیا۔ خواجہ نظام الملک نے موقع پا کر کہا کہ جس کام کو پورا کرنے میں دانشمند دو سال کی مہلت مانگتے ہیں، اس کے لیے ایک جاہل دعویٰ کرتا ہے کہ چالیس روز کے عرصہ میں اس کام کو مکمل کر دے گا تو اس کا جواب سوائے ہاں ہوں کے اور کیا ہو سکتا ہے! میں نے اس سے پہلے عرض کر دیا تھا کہ اس کے مزاج میں بڑا طیش ہے اور اس کی بات پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ سلطان رنجیدہ ہو گیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے حسن نے راہِ فرار اختیار کی اور رودبار چلا گیا۔ اس علاقہ میں عبدالملک طوسی کے پاس گیا جو اسماعیلیہ کا داعی تھا اور وہاں سے اصفہان جا کر سلطان اور خواجہ کے ڈر سے رئیس ابوالفضل کے مکان میں چھپ گیا۔ اثنائے گفتگو میں ایک روز اس کی زبان سے نکلا کہ اگر مجھ کو دو موافق دوست مل جاتے تو میں اس ترک کی سلطنت اور اس تاجیک کی وزارت کو برباد کر دیتا۔ رئیس ابوالفضل نے اس بات کو اس کی خبط الحواسی پر محمول کر کے بغیر اس کے کہ سیّدنا یعنی حسن پر ظاہر کرے ایسی غذائیں اس کے لیے حاضر کر دیں جو دماغ کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ کمالِ فراست کی بنا پر سیدنا اس کے مافی الضمیر سے آگاہ ہو کر وہاں سے کہیں اور چلا گیا اور جب وہ الموت کے قلعہ پر قابض ہو چکا تھا، رئیس ابوالفضل اس کے پاس آیا۔ سیّدنا نے فرمایا کہ میرا دماغ خراب ہے یا تیرا؟ تُو نے دیکھ لیا کہ جب میں نے دو موافق دوست پا لیے تو کیسے اپنے مقصد میں پہنچ گیا۔ بہر حال سیّدنا مصر چلا گیا۔ اس زمانے میں مستنصر اسماعیلی مسندِ خلافت پر متمکن تھا، اس نے سیّدنا کو لطف و کرم سے نوازا۔ حسن نے ڈیڑھ سال کی مدت مستنصر کی حکومت کی پناہ میں گزاری، اس کے بعد اس کے اور امیر الجیوش کے درمیان عداوت پیدا ہو گئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مستنصر نے اپنے بیٹے نزار کو ولیعہدی سے برطرف کر کے اپنے دوسرے بیٹے احمد کو ولی عہد کر دیا تھا جس کا لقب المستعلی باللہ تھا۔ یہ ظاہر دوسرا حکم عوام کے مطالبہ کی بنا پر تھا۔ امیر الجیوش بھی اس حکم کے موافق ہو گیا۔ حسن نے کہا کہ نصِ اول کا اعتبار کرنا چاہیے۔ وہ لوگوں کو نزار کی امامت کی دعوت دینے لگا۔ امیر الجیوش نے بعض امراء کے ساتھ مستنصر سے عرض کیا کہ اس جرم کی وجہ سے حسن کو قلعۂ دمیاط میں قید کر دینا چاہیے۔ اس تجویز پر عمل کرتے ہی اس قلعہ کا ایک برج جو حد درجہ مستحکم تھا، گر پڑا۔ اس کرامت کی وجہ سے لوگ حسن سے ڈر گئے۔ آخر کار امیر الجیوش نے حسن کو فرنگیوں کے ایک گروہ کے ساتھ کشتی پر بٹھا کر مغرب کی جانب روانہ کر دیا۔ جب کشتی سمندر کے بیچ میں پہنچی تو ایک تیز و تند ہوا چلنے لگی اور پانی میں تلاطم آ گیا۔ کشتی میں بیٹھنے والے بے چین ہو گئے، لیکن حسن اسی طرح بیٹھا رہا۔ امیر خسرو کہتے ہیں:

تا بہ بادے نجنبی پادامن کش چو کوہ — کآدمی مشت غبار و عمر باد تند است

(تُو پہاڑ کی طرح اپنا پاؤں دامن میں سمیٹ لے تاکہ کسی ہوا سے ہل نہ سکے کیونکہ انسان مٹھی بھر خاک ہے اور زندگی تند ہوا ہے۔)

ایک مسافر نے حسن سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تجھ کو بے چین نہیں دیکھتا۔ اس نے جواب دیا کہ مولانا یعنی امام نے مجھ کو خبر دی ہے کہ کشتی میں بیٹھنے والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اسی وقت پانی سے

ہیجان میں سکون پیدا ہو گیا۔ لہٰذا سب لوگوں کے دلوں میں حسن کی محبت جاگزیں ہو گئی، وہ کشتی نصاریٰ کے ایک شہر میں پہنچی اور حسن وہاں سے دوسری کشتی میں سوار ہوا اور ملکِ شام کے علاقہ میں اترا۔ وہاں سے حلب جا کر بغداد کا عزم کیا۔ بغداد سے خوزستان گیا، پھر اصفہان گیا۔ اسی طرح خفیہ عراق وآذربائیجان کے ممالک کا سفر کر کے لوگوں کو اسماعیلیہ کے مسلک اور نزار کی امامت کی دعوت دیتا رہا۔ اور قلعۂ الموت اور رودبار وقہستان کے دوسرے قلعوں اور شہروں میں اس نے دعاۃ بھیجے تاکہ لوگوں کو مذہبِ حق کی دعوت دیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سے لوگوں نے اس مذہب کو قبول کر لیا۔ بعد ازاں حسن ایک قصبہ میں جو الموت کے قریب تھا، سکونت پذیر ہو کر انتہائی زہد و پارسائی اور تقویٰ کے ساتھ جو اس کی فطرت تھی، زندگی بسر کرنے لگا اور وہاں کے باشندوں اور اس کے پیروؤں نے یہ خبر سن کر اس سے بیعت کر لی۔ ماہِ رجب ۴۸۴ھ (۱۰۹۱ء) میں ایک رات الموت کے باشندوں کی ایک فوج نے آنجناب کو قلعہ کے اندر داخل کر لیا۔ جب حسن قلعہ کے اندر آیا تو اس نے علوی مہدی کو جو سلطان ملک شاہ کی طرف سے اس سرزمین کا حاکم تھا، بے بس کر دیا۔ اسماعیلیہ کے مخالفین کہتے ہیں کہ ایک روز علوی مہدی نے کہا کہ شریعت میں حیلہ جائز ہے اور بعض شرعی حیلوں کا ذکر کیا۔ سیّدنا نے فرمایا کہ شریعت کا دارومدار راستی پر ہے، حیلہ مناسب نہیں۔ جو لوگ حیلہ کرتے ہیں، حق تعالیٰ ان کو اسی طرح سے گرفتار کرے گا۔

چند روز کے بعد اس نے مہدی سے کہا کہ اس قلعہ کی اس قدر زمین جس کا رقبہ ایک گائے کی کھال کے برابر ہو، مبلغ تین ہزار دینار میں میرے ہاتھ بیچ دے۔ جب مہدی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا تو سیّدنا نے ایک گائے کی کھال کو تسمہ بنا کر اس کو قلعہ کے چاروں طرف تان دیا اور رئیس مظفر جو کوہِ دامغان کے اطراف میں حکومت کرتا تھا اور حسن کی دعوت قبول کر چکا تھا، اس عبارت پر مشتمل ایک رقعہ لکھا کہ رئیس مظفر حفظہُ اللہ تعالیٰ مبلغ تین ہزار دینار جو قلعہ الموت کی قیمت ہے، علوی مہدی کو پہنچا دے۔ عَلَی النَّبِی الْمُصطفیٰ وآلِهِ السَّلامُ حَسْبُنَا اللّٰهُ ونِعمَ الوکِیل (پیغمبر مصطفیٰؐ اور ان کی اولاد پر سلام ہو، ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین ذمہ دار ہے۔) یہ تحریر مہدی کو دے کر اس کو قلعہ سے باہر نکال دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ دامغان پہنچا اور ضرورت کے وقت وہ رقعہ رئیس مظفر کے پاس لے جا کر اس سے تین ہزار دینار زرِ سرخ لے لیا۔

الغرض قلعہ الموت پر قبضہ کے بعد سیّدنا کے کام نے بڑی ترقی کی اور تھوڑی ہی مدت میں سارا رودبار اور قہستان کا علاقہ اس کے زیرِ اقتدار آ گیا اور حکومت و اقبال مندی کے ساتھ اس نے پینتیس برس گزارے۔ اس کے بعد اس کے پیروؤں میں سے سات افراد نے حکومت کی اور اس فرقہ کی حکومت کی مدت اکیاسی سال رہی۔ سیّدنا حد درجہ پارسائی و تقویٰ کے ساتھ زندگی گزارتا تھا۔ اور شریعت کی ترویج و اشاعت میں وہ اس درجہ مبالغہ کرتا تھا کہ ایک شخص کو جو بانسری بجا رہا تھا، قلعہ سے باہر نکال دیا۔ ہر چند لوگوں نے درخواست کی لیکن دوبارہ اس کو قلعہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ اپنی حکومت کے زمانے میں دو بار سے زیادہ اس مکان کے بالاخانہ پر نہیں گیا جہاں وہ بیٹھتا تھا، اور کبھی قلعہ سے باہر نہیں نکلا، ہمیشہ ملک و ملت کے معاملات کے انتظام

میں مشغول رہتا تھا۔ اس کے زمانے میں فدائیوں نے اطراف کے مخالفین کے بہت سے اکابر و اشراف کو قتل کیا۔ سیّدنا کا انتقال اس دارالحزن سے باغِ جنت کی طرف ماہ ربیع الآخر ۵۱۸ھ (۱۱۲۴ء) میں واقع ہوا اور کیا بزرگ امید آنجناب کا ولی عہد تھا۔

جب حسین قائنی جو سیّدنا کے معتمد اصحاب میں سے تھا، اپنے رفقاء کی ایک جماعت کے ساتھ قہستان کو اپنے حیطۂ تصرف میں لایا تو امرائے ملک شاہی میں سے ایک امیر نے جو رودبار میں مقرر تھا، کئی مرتبہ قلعۂ الموت کا محاصرہ کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ چنانچہ اس قلعہ کے باشندوں کو اضطراب لاحق ہوا، انہوں نے چاہا کہ وہاں سے نکل بھاگیں۔ سیّدنا نے ان کو صبر و استقلال کی نصیحت کی اور کہا کہ امام یعنی منتصر نے مجھ کو بتلایا ہے کہ الموت والوں کو چاہیے کہ کسی اور طرف نہ جائیں کیونکہ اس جگہ ان کو اقبال مندی نصیب ہوگی۔ اسی زمانہ میں وہ شخص عالم عقبیٰ کو رخصت ہوگیا اور سیدنا کو تشویش سے نجات مل گئی اور اس قلعہ کا نام ''بلدۃ الاقبال'' رکھا۔

۴۸۵ھ (۱۰۹۲ء) کے شروع میں امیر ارسلان نے ملک شاہ کے حکم سے بلدۃ الاقبال پر لشکر کشی کی۔ جب اہلِ قلعہ مجبور اور مایوس ہونے لگے تو ابو علی نے جو سیّدنا کے پیروؤں میں سے تھا اور قزوین میں رہتا تھا، تین سو مسلح سپاہی بھیجے۔ اس بارعب فوج نے ایک رات خود کو قلعہ کے اندر ڈال دیا۔ اس وقت ارسلان کی فوج پر شب خون مار کر اس کو شکست دی اور بے حد مالِ غنیمت حاصل کیا۔ جب بھاگنے والے سپاہی سلطان کے لشکر کے پاس پہنچے تو اس نے قزل ساروق کو ایک بھاری فوج کے ساتھ ان کو دفع کرنے کے لیے بھیجا۔ حسین قائنی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مومن آباد میں قلعہ بند ہوگیا اور سلطان کے لشکر نے اس کا محاصرہ ڈال دیا۔ جب وہ وقت نزدیک آیا کہ فتح و کامرانی حاصل ہو جائے تو اچانک ابوطاہر ارانی کے ہاتھوں جو سیدنا کے فدائیوں میں سے تھا، خواجہ نظام الملک کے قتل کی خبر پھیل گئی۔ اس واقعہ کے بعد ملک شاہ کے انتقال کی بھی خبر متواتر ذرائع سے پہنچی، لہٰذا وہ لشکر منتشر ہوگیا اور برکیارق اور سلطان محمد کے درمیان نزاع اس کا سبب بنی کہ اسماعیلیہ کے کام نے اور ترقی کر لی اور قلعہ گردکوہ اور لامیسر بھی سیدنا کے حیطۂ تصرف میں آ گئے۔

اس وقت فدائی ان علماء و فقہاء کے قتل کے لیے جو فرقۂ اسماعیلیہ سے دشمنی رکھتے تھے اور تعصب ان کا پیشہ تھا، اطراف و اکناف میں پھیل گئے اور اس جماعت کی بڑی تعداد کو چاقو اور خنجر سے مار کر ہلاک کر دیا۔ اس وجہ سے علماء و فقہاء ان سے ڈرنے لگے۔

جب سلطان برکیارق بن ملک شاہ نے وفات پائی تو سلطان محمد اس کی جگہ بادشاہ بنا۔ اس نے احمد بن نظام الملک کو فوج کے ساتھ رودبار کے علاقہ کی طرف بھیجا اور ۵۱۱ھ (۱۱۱۷ء) کے آغاز میں اتابک نوشتگین شیرگیر کو وزیر کی مدد کے لیے بھیجا۔ تقریباً ایک سال تک لڑائی ہوتی رہی اور جب وہ وقت قریب پہنچا کہ قلعہ بلدۃ الاقبال پر قبضہ کر لیں تو سلطان محمد کے انتقال کی خبر اتابک کے لشکر کے درمیان پھیل گئی، اسی بنا پر وہ لشکر راتوں رات بھاگ گیا۔

بسب سلطان سنجر نے سلطنت کا تاج سر پر رکھا تو اس نے کئی بار فرقۂ اسماعیلیہ سے جنگ کے لیے فوج بھیجی۔ اسی اثناء میں سیّدنا نے سلطان کے ایک خادم کو جس نے اسماعیلیہ کی دعوت قبول کر لی تھی، کہلا بھیجا کہ سلطان کے سرہانے ایک خنجر زمین میں گاڑ دے لیکن اس کو کوئی تکلیف نہ دینا، اس لیے کہ تُو اس کے نمک کا پروردہ ہے۔ اور ولی نعمت پر ہاتھ ڈالنا نامناسب ہے۔ خادم نے ایسا ہی کیا اور جب سنجر خواب سے بیدار ہوا اور وہ خنجر دیکھا تو حد درجہ خوفزدہ ہو کر اس واقعہ کو چھپانے کی کوشش کی۔ کچھ دنوں کے بعد سیّدنا کا سفیر اس کے دربار میں پہنچا اور کہا کہ اگر ہم کو سلطان سے محبت نہ ہوتی تو جس خنجر کو فلاں شب میں سخت زمین میں گاڑا تھا، اس کو سلطان کے نرم سینہ کے اندر پیوست کر سکتے تھے۔ اس کلام کو سننے کے بعد سنجر کی وحشت اور زیادہ بڑھ گئی اور اس نے صلح کر لی۔ اس واقعہ سے سیّدنا کے کاموں نے اور قوت حاصل کر لی۔

ان ہی حالات کے دوران میں استاد حسین بن حسن کے فتنہ و فساد کی وجہ سے حسین قائنی شہید ہو گیا۔ سیّدنا نے حکم دیا کہ اس کے بیٹے کو قصاص کے طور پر مار ڈالیں۔ اسی زمانے میں اس کے دوسرے بیٹے نے بھی جو شراب نوشی میں مشغول رہتا تھا، نامور باپ کے حکم سے اپنے بھائی کے بعد موت کا شربت نوش کیا۔

۵۱۸ء (۱۱۲۴ء) میں سیّدنا بیمار ا ہوا تو کیا بزرگ امید کو اپنا ولیعہد بنایا اور وزارت کا منصب ابوعلی کے حوالہ کیا اور ان دونوں کو نصیحت کی کہ امورِ سلطنت میں حسن قصرانی (حسین قائنی) کے مشورہ سے انحراف نہ کریں۔ جب اس قسم کے معاملات سے فارغ ہوا تو سال مذکور میں بتاریخ ۲۸ ربیع الآخر باغِ جنت کی طرف انتقال کیا۔

کیا بزرگ امید نے جو دراصل رودبار کے علاقے کا تھا، سیدنا کے فرمان کے مطابق عبادت اور ملت کی تقویت میں جدوجہد کی۔ اس کے بعد محمد بزرگ امید نے حکومت سنبھالی۔ اس کے عہدِ حکومت کے شروع میں الراشد باللہ عباسی فدائیوں کی ایک جماعت کے ساتھ قتل ہوا اور اسی وقت سے الموت والوں کی تلوار سے خلفاء خوفزدہ ہو کر روپوش ہونے لگے۔ اس نے بھی حسن کے فرمان کے مطابق زندگی گزاری۔ اس کے بعد محمد بن حسن بن محمد نے حکومت کی جو عوام کے درمیان ''علی ذکرہ السلام'' کے لقب سے مشہور ہے۔ حسن کے نسب کے متعلق بہت سی روائتیں ہیں۔ اس کے مخالفین اس کو محمد کا بیٹا سمجھتے ہیں اور رودبار و قہستان کے اسماعیلیوں کے ایک گروہ کا قول ہے کہ سیّدنا کی حکومت کے زمانے میں ایک قابلِ اعتماد شخص جو ابوالحسن سعیدی کے لقب سے مشہور تھا، منتصر علوی کے انتقال کے ایک سال بعد مصر سے الموت آیا اور نزار بن منتصر کی اولاد میں سے ایک لڑکے کو جو امامت کے لائق تھا، اپنے ہمراہ لایا اور سیدنا یعنی حسن کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس راز سے واقف نہیں ہوا۔ سیّدنا نے ابوالحسن کی تعظیم و تکریم میں کوشش کی اور امام کو ایک گاؤں میں جو قلعہ کے نیچے تھا، بسا دیا۔ چھ ماہ تک انتظار کے بعد اس نے ابوالحسن کو واپسی کی اجازت دی اور امام حق تعالیٰ کی عبادت اور خلوت نشینی کی طرف مائل ہو گیا اور اس گاؤں میں ایک پردہ نشین لڑکی کو اپنے حبالۂ عقد میں لایا۔ جب وہ حاملہ ہو گئی تو اس کو محمد بن بزرگ امید کے حوالہ کر کے اس راز کو پوشیدہ رکھنے کی ہدایت کی اور کہا کہ جب لڑکا پیدا ہو جائے تو اس

ت سے شادی کرے۔ چنانچہ محمد نے اس حکم کے مطابق عمل کیا۔ محمد بن بزرگ امید کے عہد حکومت میں اس
کے کی خوش قسمتی کی وجہ سے جس کو علی ذکرہ السلام کہتے تھے، دین نے فروغ حاصل کیا اور شہرت ہوگئی کہ وہ محمد
بیٹا ہے۔ ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ جو حرکت یا فعل امام سے صادر ہوتا ہے وہ نہ صرف جائز بلکہ مستحسن
۔نزار کا بیٹا جس کو ابوالحسن سعیدی الموت میں لایا تھا، جب سن بلوغ کو پہنچا تو اس نے محمد بن بزرگ امید کی
ی کو بشارت دی اس سے علی ذکرہ السلام پیدا ہوا۔ ہر چند اس بنا پر کہ پیغمبر اور امام کے لیے یہ فعل جائز ہے
ن وہ فعل واقع نہیں ہوا۔ علی ذکرہ السلام کا نسب المنتصر باللہ تک اس طور پر پہنچا ہے۔ القاہر بقوۃ اللہ حسن بن
ہدی ابن الہادی ابن نزار ابن المنتصر ۔ اسماعیلیہ اس کو امام برحق سمجھتے ہیں اور اس کے نفس نفیس کو قیامت
ہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب لوگ خدا تک پہنچ جائیں گے اور
کالیف شرعیہ اٹھ جائیں گی اور قیامت سے یہی مراد ہے۔ آنجناب نے اپنے عہد امامت میں مخلوق کو خالق سے
صل کر کے شریعت کے مراسم کو ختم کر دیا۔

مروی ہے کہ جب آنجناب نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو ۵۵۹ھ (۱۱۶۳ء) میں قلمرو خلافت کے
شراف و اعیان کو بلدۃ الاقبال میں جمع کر کے فرمایا کہ اس مبارک قلعہ کی عیدگاہ میں ایک منبر جس کا رُخ قبلہ کی
رف ہو، نصب کریں۔ منبر کے چاروں طرف علم سرخ، سبز، زرد اور سفید کھڑا کریں۔ سند مذکور میں بروز ۱۷ ماہ
بارک رمضان منبر کے اوپر چڑھ کر اس نے اپنی زبان معجز بیان کھولی اور فرمایا کہ میں زمانے کا امام ہوں۔ میں
نے اوامر و نواہی کی تکلیف کو دنیا والوں سے اُٹھا دیا اور شرعی احکام کو معدوم قرار دیا۔ اب قیامت قائم ہونے کا
وقت ہے، مخلوق کو چاہیے کہ باطن میں خدا کے ساتھ رہیں اور ظاہر میں جس طرح چاہیں، آپس میں زندگی
گزاریں۔ اس کے بعد منبر پر سے اُتر آیا اور افطار کر کے فرمایا کہ لوگ ایام عید کے طریقے پر شادی و خوشی اور لہو
ولعب میں مشغول ہوں۔ اس مبارک دن کا نام عید القیام رکھا اور اس سے ایک نئے عہد کی تاریخ شروع کی اور
وہ وہی دن ہے جس روز اکثر مورخین کے خیال میں حضرت امیر المومنین علیؓ نے عبدالرحمٰن کے ہاتھوں زخم کھایا
تھا۔ چونکہ اس تاریخ سے ربانی اور عقبی سے واصل ہونا ارواح کاملہ کی لذت کا سبب ہے، اس لیے اس روز یہ
خوشی مناتے ہیں۔ آنجناب کا عقیدہ یہ تھا کہ عالم قدیم ہے اور زمانہ نامتناہی۔ آخرت روحانی ہے اور بہشت و
دوزخ مجازی ہیں۔ ہر شخص کی قیامت اس کی موت ہے۔ آنجناب کو حسن بن نامور نے جو آل بویہ میں سے تھا،
ماہ ربیع ۵۶۱ھ (۱۱۶۵ء) میں خنجر کے زخم سے شہید کر دیا۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کا بیٹا امامت سے
فائز ہوا اور اپنے والد بزرگوار کی طرح دین کو قائم رکھا۔

اس کی اولاد میں سے جلال الدین نے باپ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔ چونکہ وہ امامت کے لائق نہیں
تھا اور غصب کر کے تخت حکومت پر بیٹھا تھا، اس لیے اس نے اسماعیلی مذہب ترک کر دیا۔ گیارہ سال بعد ماہ
رمضان ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں مرض اسہال میں انتقال کر گیا۔

اس کے بعد علاء الدین محمد بن جلال الدین حسن نے ایک جماعت کو قتل کرا دیا، جس نے جلال

الدین کے حکم سے اس کے دادا کو زہر دیا تھا اور اس کی عادات و اطوار بھی جلال الدین کے موافق تھیں۔ اس
اپنے اجداد و اسلاف کے پسندیدہ طریقے کو اختیار کیا اور باپ کے طریقے کو ناپسند کیا۔ اس کے بعد اس نے
طبیب کے مشورہ کے فصد کھلوائی جس کی وجہ سے بہت زیادہ خون نکل گیا اور اس پر مالیخولیا کے مرض نے غ
کیا۔

اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء جسمانی عیوب سے صحیح و سالم رہ کر زندگی نہیں گزار سکتے۔ موسیٰ
الکن تھے، شعیبؑ نابینا، ایوبؑ نے ایسی ہی تمام تکلیفیں برداشت کیں۔ محترم علاء الدین محمد ہی کے زمانے میں
ناصر محتشم جو قہستان کا حاکم تھا اور جس کے نام پر اخلاقِ ناصری لکھی گئی ہے، خواجہ نصیر کو الموت میں لے گیا۔ حس
مازندرانی ایک غیر اسماعیلی شخص تھا، اس نے علاء الدین کو شہید کر دیا۔ علاء الدین کے عہد میں مشائخ روزگار میں
سے شیخ جمال گیلی تھے جو قزوین میں مخلوق کے ارشاد و ہدایت میں مشغول رہتے تھے۔ خفیہ طور پر انہوں نے
اسماعیلیہ دعوت قبول کر لی تھی۔ اسی بنا پر علاء الدین ان کی تعظیم کرتا تھا اور قزوین کے باشندوں پر احسان جتاتا تھا
کہ اگر اس شہر میں شیخ نہ ہوتے تو میں قزوین کی مٹی کو توبڑہ میں بھر کر الموت اٹھا لے جاتا۔ لیکن غیر اسماعیلی علما
شیخ کو اسماعیلی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی تاریخ وفات کے بارے میں کہا گیا ہے:

جمالِ ملت و دیں قطب اولیائے خدا — کہ آستانۂ او بود قبلۂ آمال
بسال شش صد و پنجاہ و یک بحضرت رفت — شبِ دو شنبہ و روزِ چہارم شوال

(شیخ جمال جو ملت اور حسن و جمال اور اولیاء اللہ کے قطب تھے، جن کا آستانہ امیدوں کا قبلہ تھا
۶۵۱ھ (۱۲۵۳ء) میں بتاریخ ۴ رشوال دوشنبہ کی شب میں حضرت ایزدی کی طرف چلے گئے۔)

علاء الدین محمد کے بعد رکن الدین خور شاہ الموت میں بادشاہ ہوا، اس نے حسن مازندرانی کو مع اس کی
اولاد کے قتل کرا دیا اور ان کی لاش کو جلوا دیا۔ ہلاکو خان اس کے اوپر غالب آ گیا۔ رکن الدین نے درخواست کی
کہ اس کو میکوقا آن کے دربار میں بھیج دے۔ یہ درخواست منظور ہو گئی۔ لیکن اسی سفر میں اس کی زندگی کو ختم کر
دیا۔ اس کی حکومت کا زمانہ ایک سال سے زیادہ نہیں بڑھا۔

الموت میں کئی حوض کھودے گئے تھے اور ان حوضوں کو سرکہ، شہد اور شراب سے بھرا گیا تھا۔ جب
لوگوں نے ان چیزوں اور سارے ذخیروں کو جو سیّدنا یعنی حسن صباح کے زمانے میں جمع کیے گئے تھے، بغیر تبدیلی
کے پایا تو سبھوں نے تعجب کیا۔ اسماعیلی لوگ اس بات کو سیّدنا کی کرامات میں شمار کرتے تھے۔

علی اللّٰہیوں کا بیان

مشرقی کوہستان میں ختا کے قریب ارنیل نام کا ایک مقام ہے جس کو رمال بھی کہتے ہیں۔ وہاں کے
بادشاہ کو باب کہتے ہیں۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح حقائق اشیاء کے سمندر کے شناور پر روشن ہے کہ عالم سفلی
کے باشندوں کے لیے عالم علوی والوں سے کلام کا دروازہ بند ہے اور موجوداتِ عنصری کے لیے موجوداتِ فلکی

سے ملنے کا راستہ کھلا نہیں ہے، اسی طرح اہلِ زمانہ کے لیے غیر زمانہ والوں سے یگانگت کا رابطہ مفقود ہے اور مکان والوں سے تعلق معدوم ہے، باوجود اس کے عقل و شرع کے لحاظ سے خداشناسی اور یزدان پرستی کے لیے مامور ہیں۔ ملائکہ علوی اور انبیائے سفلی میں اس ہستی کی ذاتِ برکات آیات کے معرفت کی طاقت نہیں۔ ما عرفناک حقّ معرفتک (ہم نے آپ کو جیسا کہ حق ہے نہیں پہچانا) اس آواز کی منادی ہے۔ اسی لیے ایزدِ متعال و خداوندِ لایزال پر واجب ہے کہ مرتبۂ تجرد و بحتیت و اطلاق کے درجہ سے اتر کر ہر عصر اور ہر دور میں ازراہِ غایت شفقت اپنی روح کو کسی شخصِ مجسم سے وابستہ کر دے تاکہ مخلوقات اس کی ذاتِ پاک کو دیکھ سکیں اور جس طرح بھی وہ حکم دے، اس کو پہچانیں اور پرستش کریں اور دیدارِ خداوندی سے متعلق آیات و احادیث سے اسی ظہور کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ ذاتِ روحانی کا جسمانی شکل میں ظاہر ہونا ایک امرِ ممکن ہے، اور عقلاء بھی اس کے قائل ہیں، اسی لیے اسلام کے پیرووں کے اخبار میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مجرد متمثل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جبرئیلؑ کا ظہور دحیہ کلبیؓ کی شکل میں اس کی روشن مثال ہے۔ اسی طرح بری جگہوں میں شیطانوں اور جنوں کا ظہور پیکرِ انسانی میں ہوتا ہے، پس قادرِ متعال بدرجۂ اولیٰ و اتم جسم میں جلوہ گر ہو سکتا ہے۔

اسی طرح افرادِ انسانی زندگی کے کاموں میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور ان لوگوں کے لیے ایسا قاعدہ ناگزیر تھا، جس میں سب لوگ متفق ہوں تاکہ آپس کے کاموں میں کوئی ظلم و ستم نہ کر سکے اور نظامِ عالم قائم رہے اور چاہیے کہ وہ بہترین قاعدہ حضرت رب العزت کی طرف سے ہو تاکہ سب لوگ اس کو قبول کریں۔ اس لیے حکیمِ مطلق کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ وہ اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ جنسِ انسانی اور نوعِ بشر میں ظاہر ہو کر مخلوق کے انتظام کے لیے ایک قانون تیار کرے جس کے ذریعہ کارخانۂ عالم کے احوال کا مقصد پورا ہو سکے۔ اور عقل و نقل کی تائید سے اس دورِ قمر میں فلکِ کمال کا آفتاب سوائے علی مرتضیٰؑ کے کوئی دوسرا نہیں۔ بلاشبہ پیغمبرؐ اُمّی نے ان کی ذاتِ مبارک کو کئی دانشمند پیغمبروں کے برابر شمار کیا ہے اور انبیاء کی صفاتِ حمیدہ کو اس بہترین ہستی میں جمع دیکھا ہے۔ اسی وجہ سے ایسا ہے کہ جب صاحبِ نظر بھی ان کو دیکھتے ہیں کہ بہشتِ وحدت سے نکل کر ابوالبشر (آدمؑ) کے جسم میں ظاہر ہوئے اور کسی وقت ان کو نوحؑ کے کشتی نشینوں میں شمار کرتے ہیں، پھر دوسرے وقت ابراہیمؑ کے لباس میں ان کو آتشبازی میں سرگرم مشاہدہ کرتے ہیں، کبھی ان کو کلیم اللہ کے لباس میں گفتگو کرتے پاتے ہیں۔ آنحضرتؐ کا قول: من عرف نفسه فقد عرف ربّه (جس نے اپنے آپ کو پہچانا، تو اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)۔ اس کی تائید کرتا ہے کہ اس روح مجسم اور متمثل مصور کا نفسِ نفیس ذاتِ جہاں آفریں ہے جو قابلِ تعریف ہے۔ وانّ اللّٰہ خلق ادم علی صورته (اور بیشک اللہ نے آدمؑ کو اپنی شکل میں پیدا کیا۔) یہ حدیث بھی اس سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے کہ آدمِ اولیا اور ابوالبشر اصفیاء سوائے علی مرتضیٰؑ کے کوئی دوسرا نہیں۔ اور اس حدیث میں بھی کہ رایت ربّی فی صورة امرء (میں نے اپنے رب کو ایک انسان کی شکل میں دیکھا۔) اسی ذاتِ قدیم مجسم کی طرف اشارہ ہے جو پیغمبر کا اپنے شانہ و

---

۱ دیکھیے صفحہ ۲۶۶۔

اس سرور کے قدموں سے شرف بخشنے سے اس کے سوا کوئی غرض نہیں کہ واجب التعظیم وہی ذات ہے، چنانچہ
یمین وحق سرا حیرتی نے کہا ہے:

غرض زبُت شکنی ہا جز ایں نبود نبیؑ را   کہ دوشِ خود بلکفِ پائے مرتضیٰؑ برساند

(بتوں کو توڑنے سے پیغمبر کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ اپنے کندھے کو علیؑ مرتضیٰ کے قدم
تک پہنچا دیں۔)

اور خانۂ کعبہ آنجناب کے وجودِ پُر جُود کی وجہ سے مسجود بن گیا ہے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہر دور میں حق تعالیٰ انبیاء و اولیاء کے جسموں میں پیوست ہوا ہے۔ چنانچہ آ
ہوئے یہاں تک کہ احمدؐ اور علیؑ ہوئے۔ اسی طرح یہ لوگ ائمہ کے اندر نورِ حق کے تناسخ کے قائل ہیں اور ان میں
سے بعضوں کا قول ہے کہ اس دور میں حق تعالیٰ کا ظہور علی اللہ کی ذات میں ہوا اور اس کے بعد اس کی نام
اولاد کے اندر ہوا۔ یہ لوگ حضرت محمد ﷺ کو پیغمبر اور علی کو اللہ کا فرستادہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب اللہ
دیکھا کہ ان سے کام پورا نہیں ہوتا تو پیغمبر کی مدد کے لیے خود بھی ان کے جسم میں حلول کر گیا[1]۔ اس گروہ کے ایک
شخص مسمی احمد کو اس کتاب کے مصنف نے دیکھا جو کہتا تھا کہ یہ قرآن جو لوگوں کے درمیان ہے، عمل کے قابل
نہیں، اس لیے کہ یہ وہ قرآن نہیں جو علی اللہ نے محمد کو دیا تھا۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جب علی اللہ نے جسم چھوڑ
تو آفتاب سے مل گیا اور آج کل وہ آفتاب ہیں کیونکہ پہلے بھی آفتاب تھے، البتہ کچھ دنوں کے لیے جسدِ عنصر
سے مل گیا تھا۔ یہ کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے یہ واقعہ ہوا کہ آفتاب اس کے حکم سے لوٹ آیا، اس لیے کہ وہ عین
آفتاب ہے۔ اسی بنا پر یہ لوگ آفتاب کو علی اللہ کہتے ہیں اور فلکِ چہارم کو دُلدل۔ نیز آفتاب کی پرستش کرتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ ہے۔ ان کا ایک بہت بڑا گروہ ہے اور ان میں سے کچھ لوگ اس بات کا دعویٰ
کرتے ہیں کہ وہ آفتاب سے دُعا مانگتے ہیں اور وہ دُعا قبول کرتا ہے اور دشوار کام میں ان کی دستگیری کرتا ہے۔

ان میں سے ایک شخص مسمی عبداللہ کا ذکر کرتا تھا کہ ہمارے رشتہ داروں میں سے عزیز نام کا ایک شخص
تھا جو بڑے ذوق و شوق سے علی اللہ کہتا تھا اور وجد میں آ جاتا تھا اور اس پر تلوار اثر نہیں کرتی تھی۔ چنانچہ مخالفین
میں سے ایک شخص نے اس بات کا انکار کیا تو وہ عزیز گرم ہو گیا اور علی اللہ کہنا شروع کیا، یہاں تک کہ اُس کے
منہ پر جھاگ بیٹھ گئی۔ اس وقت منکر شخص سے کہا کہ اے ملعون مجھ کو مار۔ اس شخص نے اس پر تلوار کے کئی وار
کیے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اب وہ شخص علی اللہ سے مل گیا ہے۔

ان کے نزدیک جاندار کو ہلاک کرنا ناجائز ہے اور گوشت بھی نہ کھانا چاہیے کیونکہ علی اللہ نے کہا ہے
کہ لاتجعلوا بطونکم مقابر الحیوانات (اپنے پیٹوں کو حیوانوں کی قبریں نہ بناؤ)۔

---

[1] ڈاکٹر ایچ. ایم. جعفری جو ایک معروف مذہبی سکالر ہیں، اپنے ایک مقالے: شیعہ — اثنا عشری' میں لکھتے ہیں: ''توحید، نبوت جو حضرت محمد ﷺ پر ختم ہو گئی اور قرآن مجید جو بنی نوعِ انسان کے لیے اللہ کا آخری پیغام ہے، اور معاد، یہ وہ تین عقائد ہیں جو سنیوں اور شیعہ میں مشترک ہیں۔
ملاحظہ ہو، المعارف (جنوری - جون ۲۰۰۲ء)، لاہور (ایڈیٹر)

ساتواں باب

صادقیہ کے عقائد کے بیان میں

یہ لوگ مُسیلمہ کے پیرو ہیں اور اہلِ اسلام مُسیلمہ کو مُسیلمہ کذاب کہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو رحمانیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ مُسیلمہ کو رحمان کہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اسی طرف اشارہ ہے، یعنی خدائے مُسیلمہ رحیم ہے۔ ایک شخص مسمّی محمد قلی مشہد مقدس میں تھا جو ۱۰۵۳ھ (۱۶۴۳ء) میں اس کتاب کے مصنف سے متعارف ہوا۔ باہمی یگانگت کے بعد اس نے کہا کہ مسلمان پر واجب ہے کہ مُسیلمہ کو مخبرِ صادق اور پیغمبر سمجھیں ورنہ اس کا اسلام غیر مقبول ہے۔ اس خیال کی مطابقت میں اس نے بعض آیاتِ قرآنی کو بطور شاہد پیش کیا اور کہا کہ مسیلمہ نبوت میں حضرت رسالت پناہ محمدؐ کے ساتھ شریک تھا (العیاذ باللہ) جیسے کہ ہارونؑ موسیٰؑ کے ساتھ تھے۔ اس نے کہا کہ پیغمبر دو ہونے چاہئیں کیونکہ یہ حضرات گواہ ہوتے ہیں اور گواہ دو شخص ہونے چاہئیں، اگر دو سے زیادہ ہوں تو اور اچھا ہے۔ بعد ازاں اس نے بہت سے فضائل و معجزات سنائے۔ منجملہ ان کے یہ کہ اس نے چاند کو بلایا تو وہ نیچے اتر کر اس کے اصحاب کے سامنے اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ نیز یہ کہ وہ خشک درختوں کے پاس سے گزرا اور دعا کی تو سارے درخت سرسبز ہو گئے۔ اسی طرح ایک نوزائیدہ بچے نے اس کی نبوت کی گواہی دی تو سعادتمندوں کا ایک گروہ اس کی نبوت پر ایمان لایا۔ اس نے کہا کہ حضرت محمدؐ کا قرآن ان کا معجزہ ہے جس نے فصحائے عرب کی زبان اس کا مقابلہ کرنے سے بند کر دی۔ اسی طرح مسیلمہ کو حق تعالیٰ نے ایک کتاب بھیجی تھی جس کو فاروقِ اول کہتے ہیں۔ اس نے بھی فصحاء کی زبانیں بند کر دی تھیں اور ان دونوں کتابوں کو محمد ﷺ اور مسیلمہ (کذاب) کے سوا کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ ان کی تلاوت دنیا اور آخرت میں مفید ہے، لیکن ان کی تفسیر کرنا ایک بڑا گناہ ہے۔ مسیلمہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور واجب التعظیم کتاب عنایت فرمائی ہے، جس کا نام فاروقِ ثانی ہے۔ اس کے اندر احکام ہیں، جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مسیلمہ کی آسمانی کتاب میں لکھا ہے کہ ایمان لاؤ اس پر کہ ہمارا خدا سارے عالم کا خدا ہے اور جان لو کہ وہ دُنیا اور دُنیا والوں کا خالق ہے۔ وہ مخلوقات سے مشابہت نہیں رکھتا، نہ مخلوقات میں سے کوئی اس کے مثل ہے۔ یہ نہ کہو کہ وہ جسم نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ جسم ہو لیکن مخلوق کے اجسام کی طرح نہیں۔ اسی طرح خدا سے ملاقات اور خالق کے دیدار پر ایمان لانا واجب ہے، اس لیے کہ جو کچھ بھی موجود ہے، اس کو دیکھا جا سکتا ہے، لیکن ظاہری آنکھ سے دیکھنے یا نہ دیکھنے کی قید نہ لگانی چاہیے کیونکہ محض اس پر ایمان لانا چاہیے کہ حق تعالیٰ خود کو بندوں کے سامنے ظاہر کرتا ہے، جس انداز پر بھی وہ چاہتا ہے۔ اس نے مزید کہا کہ عالم کے قدیم ہونے یا حادث ہونے اور اس کے باقی رہنے

یا معدوم ہو جانے کے متعلق بحث و مباحثہ نہ کرو کیونکہ عالم خدا کا پیدا کیا ہوا ہے۔ قیامت اور بعث بعد الموت پر ایمان لاؤ اور جان لو کہ وہ تم کو پھر زندہ کرے گا اور اس کی فکر نہ کرو کہ اسی جسم کے ساتھ یا دوسرے جسم کے ساتھ، اور اسی دنیا میں یا دوسری دُنیا میں۔ جنت و دوزخ، مسرت و راحت، اور ثواب وعقاب پر ایمان لاؤ لیکن اس میں بہت غور وخوض نہ کرو کہ اِس دُنیا میں یا اُس دنیا میں۔ خدا کے فرشتوں پر ایمان لاؤ لیکن یہ نہ کہو کہ ان کے بال و پر ہیں یا یہ کہ ان کی اصلی شکل یہ نہیں ہے اور اس شکل میں خود کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور جان لو کہ خیر وشر اور اچھا اور بُرا موجود ہیں لیکن ایسا مت کہو کہ یہ خیر ہے اور یہ شر۔ کیونکہ ممکن ہے جس کو تم شر کہتے ہو، وہ خیر ہو یا اس کے برعکس ہو بلکہ جس بات کا تم کو حکم دیا گیا ہے، وہ کرو۔ اس نے بیان کیا کہ محمد ﷺ کے بعد مسیلمہ پر حکم نازل ہوا کہ محراب کی طرف منہ کرنا اور متعین سمت کی طرف متوجہ ہونا کفر اور علامتِ شرک ہے۔ اس لیے کہ جب انسان اور اس جیسے جانداروں کو قبلہ بنانے کے لائق نہیں سمجھا گیا تو بھلا کیسے مناسب ہو گا کہ کسی گھر کو قبلہ بنائیں لہٰذا نماز کے وقت انسان جس طرف چاہے اپنا منہ کر لے اور یہ نیت کرے کہ بلاسمت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہوں اور تین وقت کی نمازوں میں جو مسیلمہ کی مقرر کردہ ہیں، ایک ہی طرف رُخ نہ کرے۔ بلکہ اگر ظہر میں مشرق کی طرف منہ کرے تو عصر میں مغرب کی سمت منہ کرے اور متعین مقام کی نیت سے کسی متعین سمت کی طرف توجہ نہ کرے، اس لیے کہ یہ شرک ہے۔ یہ لوگ کعبہ کو بیت اللہ نہیں کہتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی گھر نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے حق تعالیٰ کا جسم ہونا لازم آتا ہے اور سنت کی نماز نہیں پڑھتے۔ اس لیے کہ نماز وہ ہے جس کا خدا نے حکم دیا ہے نہ یہ کہ پیغمبر کو خوش کرے۔ جب یہ لوگ چاہتے ہیں کہ خدا کی پرستش کریں تو کلامِ الٰہی پڑھتے ہیں اور اذکار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ نماز میں پیغمبر کا نام نہیں لیتے کیونکہ یہ بے ادبی ہے کہ خدا کی بندگی میں مخلوق کی عبادت کو شامل کر دیں۔ چنانچہ نماز میں کلامِ الٰہی کے سوا کوئی چیز زبان پر نہیں لاتے۔ اس نے کہا کہ نمازیں تین ہیں کیونکہ نمازِ پنجگانہ میں سے عشاء، اور صبح کی نمازوں کو مسیلمہ نے حکمِ خداوندی سے سجاح کو مہر کے عوض میں بخش دیا جو پیغمبر عورت تھی اور ایک قوم کی طرف مبعوث ہوئی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ مسیلمہ پر یہ خدا کی نوازشوں میں سے ہے کہ خود وہ رسول ہے اور اس کی بیوی بھی رسول عورت ہے۔

یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ابلیس کو آدمؑ کے سجدہ کا حکم دیا تھا اور چونکہ اس نے سرتابی کی، اس لیے مردودِ بارگاہ ہو گیا، یہ قول کفر ہے، اس لیے کہ حق تعالیٰ غیر کے سجدہ کا حکم نہیں دیتا، وہ کسی کو اطاعت کے لیے منتخب نہ کرتا جبکہ ابلیس لوگوں کو گمراہی میں ڈالنے کے لیے موجود ہے۔ فاروقِ ثانی میں لکھا ہے کہ ابلیس موجود نہیں ہے اور حق تعالیٰ نے انسان کو اختیار دے کر اچھے برے کام پر قادر بنا دیا ہے۔ اسی لیے اچھے برے اعمال کے بارے میں وہ باز پرس کرتا ہے۔

اس نے بتلایا کہ نکاح میں گواہ اور صیغہ کی ضرورت نہیں بلکہ خلوت میں دونوں کا ایجاب وقبول کر لینا کافی ہے۔ نیز وہ کہتا تھا کہ اگرچہ رشتہ داروں مثلاً چچا اور ماموں کی لڑکیوں سے شادی کرنا محمد ﷺ کے زمانے میں جائز تھا، لیکن محمد ﷺ کے بعد حرام ہو گیا۔ جس طرح دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا عہدِ سلف میں

جائز تھا، محمد ﷺ کے زمانے میں اس کی ممانعت ہوگئی۔ مسیلمہ کے پاس حکم خداوندی پہنچا کہ لوگ اس شخص کی لڑکی سے شادی کریں جس کے اور شوہر کے درمیان کوئی رشتہ معلوم نہ ہو۔ نکاح دائمی کے ذریعہ ایک عورت سے زیادہ سے شادی کرنا جائز نہیں، لیکن اگر اس کی خواہش ہو تو متعہ کے طور پر جائز ہے۔

پانی کی موجودگی میں تیمم کرنا درست نہیں۔ اگر کسی کے پاس کافر غلام یا لونڈی ہے تو جس وقت وہ لائیں بغیر آقا کے آزاد کیے آزاد ہو جائیں گے۔ جس جانور کا منہ نجاست سے آلودہ ہو، اس کو کھانا ناجائز ہے۔

اس نے کہا کہ گھریلو مرغا نہ کھانا چاہیے کیونکہ وہ اڑنے والا سور ہے۔ اس نے رمضان کا روزہ رکھنے سے منع کیا بلکہ اس نے حکم دیا کہ بجائے دن کے روزہ کے رات کا روزہ رکھو۔ بدیں طور کہ سورج ڈوبنے سے لے کر سورج نکلنے تک کوئی چیز نہ کھاؤ اور نہ پیو اور نہ جماع کرو۔ اس نے ختنہ کو ختم کر دیا کیونکہ اس میں یہودیوں سے مشابہت ہے اور جملہ مسکرات حتیٰ کہ افیون اور اخروٹ وغیرہ کو حرام قرار دیا۔

محمد قلی فاروق کو جو مسیلمہ کی کتاب ہے، بہت پڑھتا تھا اور اس کی ہمیشہ قرأت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ مذہب ہمارے آباء و اجداد سے ہم کو ملا ہے جنہوں نے مسیلمہ کی صحبت کا شرف حاصل کیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اور حکم دیتا تھا کہ جب لڑکا پیدا ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ مرد، بیوی کے نزدیک نہ جائے اور مرد و عورت دونوں خدا کی یاد میں مشغول ہو جائیں لیکن اگر ایسا نہ کر سکے تو دن بھر میں ایک سے زیادہ عورت سے صحبت نہ کرے۔ فاروق ثانی میں ہے کہ زنا جائز ہے کیونکہ وہ بھی دوسرے معاہدوں کی طرح ہے۔ محمد قلی نے کہا کہ میں نے کئی بار مسیلمہ کو خواب میں دیکھا اور جو باتیں مجھ کو واضح طور پر معلوم نہیں تھیں، ان کو اس نے حل کر دیا۔ اس نے مزید کہا کہ چونکہ ابوبکرؓ کے حکم سے مسیلمہ ''شہید'' ہوا اور دوسرے خلفاء بھی اس بات کے محرک تھے، لہٰذا حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان کو مخلوق کی لعنت میں گرفتار کر دیا، جس طرح یہودیوں کو عیسیٰ کو قتل کرنے کی وجہ سے ذلت و خواری میں ڈال دیا۔

مسیلمہ کذاب کے قاتل کا نام وحشی ہے جو کہ سیدالشہداء امیر حمزہ کا بھی قاتل تھا۔

آٹھواں باب

واحدیہ اور اُمناء کے عقائد کے بارے میں

یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اوّل: شخصِ واحد یعنی محمود کے ظہور اور اس کے جسم کی حقیقت کے بارے میں
فصل دوم: شخصِ واحد کے بعض عقائد کے بارے میں
فصل سوم: اس کے بعض اقوال کے بارے میں جو اس نے میزان میں بیان کیے ہیں۔
فصل چہارم: اس فرقہ کی بعض عادات، اصطلاحات و حکایات کے بارے میں۔

ا۔ شخصِ واحد کے ظہور اور اس کے جسم کی حقیقت کے بارے میں

شخصِ واحد محمود مسجوان میں پیدا ہوا جو سرزمین گیلان میں ایک گاؤں ہے۔ وہ عالم باعمل، متقی، پرہیزگار اور فصیح تھا، ۶۰۰ھ (۱۲۰۳ء) میں ظاہر ہوا۔ کہتے ہیں کہ جب محمد ﷺ کا جسم زیادہ کامل ہوا تو اس سے محمود ظاہر ہوا۔ عسیٰ ان یبعثک ربک و مقاماً محمودا (الاسراء: ۷۹) (اور وہ (اللہ) آپ کو ایسے مقام تک اُٹھائیں گے جو محمود ہے۔) میں اس کی خبر دی گئی ہے۔ یعنی جب عناصر میں ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے تو باہمی امتزاج سے معدنی شکل اس پر فائض ہوتی ہے اور جب اس کی استعداد زیادہ بڑھ جاتی ہے تو وہ خلعتِ نباتی زیب تن کرتے ہیں اور جب ان میں اور زیادہ قوت اور صلاحیت بڑھ جاتی ہے تو ان کے قد و قامت پر حیوانی لباس درست آ جاتا ہے۔ اور یہ بھی مناسب ہے کہ وہ عناصر جو ترکیبِ انسانی کی قابلیت کے لائق ہیں جب ان میں شان و شکوہ پیدا ہو جائے تو ان سے انسانِ کامل جلوہ گر ہو جائے۔ اسی طور پر انسان کے اجزائے جسمانی آدمؑ صفی اللہ کے ظہور کے وقت سے برابر ترقی کرتے رہے، یہاں تک کہ رتبۂ محمدیؐ سے بہرہ ور ہو گئے جو معراجِ ترقی ہے...[1]

---

[1] یہاں ایک سطر اور شعر حذف کر دیا گیا ہے۔ (ایڈیٹر)

اور یہ جو حضرت رسالتماب محمد ﷺ نے علیؑ سے فرمایا: انا و علی من نور واحد ولحمک لحمی و جسمک جسمی (میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں اور تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا جسم میرا جسم ہے۔) اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ سارے انبیاء و اولیاء کے اجزائے جسمانی کی صفائی اور قوت جمع ہو کر اس سے محمد ﷺ اور علیؑ کے اجسام کا خمیر تیار ہوا...

شخصِ واحد کے بعض عقائد کے بیان میں جو
درویشِ صفا اور درویشِ بقا ہے

درویش اسماعیل، میرزا تقی، شیخ لطف اللہ اور شیخ شہاب سے جو امناء میں سے ہیں، اس کتاب کے مصنف نے سنا کہ شخصِ واحد نقطہ کہتا ہے اور خاک مراد لیتا ہے۔ اس کے خیال میں دوسرے عناصر خاک سے موجود ہوئے ہیں۔ وہ آفتاب کو آگ کی روح سمجھتا ہے اور اس کی ذاتِ اقدس کو کعبۂ عبادت اور آتشکدۂ طاعت قرار دیتا ہے۔ حکیم خاقانی کہتا ہے:

اے کعبۂ رہرو آسماں را اے زمزمِ آتشیں جہاں را

(اے وہ ذات جو آسمان کے مسافر کے لیے کعبہ ہے اور اے وہ ذات جو دنیا والوں کے لیے آتشیں چاہِ زمزم ہے۔)

وہ آسمان کو ہوا اور ماہتاب کو پانی کی روح سمجھتا ہے۔ وہ رجعت کا قائل ہے۔ اس طور پر کہ جب کوئی مرتا ہے تو اس کو خاک میں لے جاتے ہیں۔ پھر اس کے اجزائے جسمانی جمادی یا نباتی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ نباتات کسی حیوان کی غذا بن جاتی ہے یا انسان کی خوراک کے لیے پہنچتی ہے، پھر انسانی لباس میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ انسان علم و عمل کے مطابق ہوتا ہے اور جسم کے منتشر اجزاء علم و عمل کے مطابق سب اکٹھے ہو جاتے ہیں اور وہ پراگندہ نہیں رہتے۔ خواہ وہ نوع جمادی میں ہو خواہ نباتی، حیوانی یا انسانی میں ہو۔ اگرچہ اس کی ترکیب جسمانی ختم ہو جاتی ہے۔ وہ نفس ناطقہ مجردہ کے وجود کا قائل نہیں ہے اور افلاک کو عناصر سے باہر نہیں سمجھتا اور نقطۂ خاک کو واجب اور مبدء اوّل شمار کرتا ہے۔ وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بجائے استعین بنفسک الذی لا الہ الا ھو کہتا ہے اور لیس کمثلہ شیی کے بجائے انا مرکب المبین کہتا ہے۔

شخصِ واحد کے بعض اقوال میں جو میزان میں مذکور ہیں

اس کی تصانیف بکثرت ہیں جو نسخ و رسائل کے نام سے مشہور ہیں اور ہر نسخہ اور رسالہ کا ایک خاص نام ہے، منجملہ ان کے میزان میں جو اس کے اہم نسخوں میں سے ہے، لکھا ہے کہ عالم کی مجموعی مدت بالکل ابتدا

سے جس سے مراد افراد کا اولین ظہور ہے جو عالم مذکور کی اصل ہے، اس مدت تک کہ یہ افراد باہم مل کر نباتات ہوں اور ان سے حیوانات ظاہر ہوں جن کا نام دابتہ الارض ہے۔ یہاں تک کہ پھر آدم کی تشکیل ہو، یہ کل مذکورہ مدت سولہ ہزار سال کی ہے جن میں سے آٹھ ہزار سال عربوں کا دور ہے جو فوق الثریٰ کا دور کہلاتا ہے اور آٹھ ہزار سال عجمیوں کا دور ہے جو تحت الثریٰ کا دور کہلاتا ہے۔ جب عالم مذکور جو افرادِ مذکور کا دور ہے، آپس میں مل کر تیار ہو گیا تو آدم کی شکل بنائی گئی۔ دورِ آدم کے عمر کی مدت بھی سولہ ہزار سال تھی، جن میں سے آٹھ ہزار سال آٹھ پیغمبروں کے ساتھ جو عرب سے معلم تھے اور دوسرے آٹھ ہزار سال آٹھ پیغمبروں کے ساتھ جو عجم کے معلم تھے۔ بعد اس کے کہ ان دونوں کی شکل اور دائرہ مکمل ہو جاتا ہے، پھر افراد کی باری آتی ہے۔ ان دو مذکور آٹھ کے ساتھ جن میں سے ہر ایک کی مدت سولہ ہزار سال ہے۔ اس حساب سے آدم اور عالم انسانی کا دور کامل ظاہری و باطنی اور مخفی و علانیہ شرائط کے ساتھ چونسٹھ ہزار سال میں پورا ہو جاتا ہے۔

اس فرقہ کی بعض عادات واصطلاحات وحکایات کے بارے میں

انبیاء کی شریعتوں کے مقابلے میں محمود کے یہاں نسخے اور رسمیں ہیں اور سارے قرآن کی اس نے اپنے عقیدہ کے مطابق تاویل کر لی ہے۔ اس کے مقررہ اصول میں سے ہے کہ تجرد کے طریقہ پر عمل کرنے والے کو واحد کہتے ہیں اور صاحبِ تعلق کی طرف سوائے اتنی غذا کے جو ناگزیر ہے کوئی رغبت نہ ہوگی تو ایسا شخص ترقی کی حالت میں ہوگا اور واحد ہو جائے گا اور اللہ کے درجے تک پہنچ جائے گا جو مرکبِ مبین ہے۔ اگر کسی امین کو عورت سے صحبت کی خواہش ہو تو بہتر یہ ہے کہ ساری زندگی میں ایک بار اس خواہش کو پورا کرے اگر یہ نہ کر سکے تو سال میں ایک بار، یہ بھی نہ ہو سکے تو چالیس دن میں ایک بار، اگر یہ بھی ناممکن ہو تو مہینے میں ایک بار ورنہ ہفتہ میں ایک بار۔

ایک واحدی سے منقول ہے جس نے کہا کہ جب کوئی شخص انسانی حالت سے حیوانی حالت میں اور حیوانی سے نباتی درجے تک اتر آتا ہے پھر نباتی حالت سے جمادی میں منتقل ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی ہو تو ہر حالت میں اس کے آثار و عادات کو محصی (شمار کرنے والا) پہچان لیتا ہے اور ان کو سمجھ لیتا ہے اور اس کے اخلاق سے اس کی خلقت کا پتہ لگا لیتا ہے۔ اتقو فراسة المومن لانه ينظر بنور الله[1] (مومن کی فراست سے ڈرو، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔) محصی کے معنی لغت میں شمار کرنے والا ہے اور اس فرقہ کی اصطلاح میں، مطلب یہ ہے کہ وہ ہر شخص کے اخلاق و افعال کے ذریعہ اس کی پہلی زندگی کی خلقت کا پتہ لگا لیتا ہے۔ چنانچہ اس کے مسلمہ اصول میں سے ہے کہ جو شخص ان کی مجلس میں آتا ہے اور پہلی مرتبہ موالیدِ ثلاثہ میں سے کسی کا نام زبان پر لاتا ہے تو اس کا شمار اس طرح کرتے ہیں کہ وہ پہلی زندگی میں وہی چیز تھا جس کا نام زبان پر لایا ہے۔

دھوکے باز حاجی جو دھاری دار کپڑے پہنے رہتے ہیں جس کو کربلائی عبا کہتے ہیں اور مکر و فریب اپنے

---

[1] ملاحظہ ہو: جامع ترمذی، باب التفسیر (سورۃ الحجر: ۷۵)۔ (ایڈیٹر)

شعار بنا لیتے ہیں جب اپنی عادت کے مطابق حیوانی زندگی میں آتے ہیں تو ایک جانور بن جاتے ہیں جس کو ہندی زبان میں گلہری کہتے ہیں، اور جب نباتی زندگی میں داخل ہوتے ہیں تو دھاری دار ہندوانہ اور پگھلا ہوا سنجد (ایک میوہ ہے) بن جاتے ہیں اور جب جمادی زندگی میں پہنچتے ہیں تو سنگِ سلیمانی بن جاتے ہیں۔ محصی اس صورتِ حال سے واقف ہوتا ہے۔ وسوسہ پیدا کرنے والے فقہا جو اپنا ہاتھ اور منہ پانی سے دھوئے ہوئے سفید لباس پسند کرنے والے ہیں، بطخ ہو جاتے ہیں جو ہر وقت اپنا سر پانی میں ڈبوتی رہتی ہے اور نباتی حالت میں مسواک کی لکڑی، رحل اور جانماز والی چٹائی ہو جاتے ہیں اور جمادی حالت میں پتھر، سخت پتھر، لوح مزار اور قبلہ نما بن جاتے ہیں۔ جگنو ایک مشعل دار تھا جو بتدریج اپنے مرتبہ سے اتر کر اس شکل میں ظاہر ہوا۔ کتا گذشتہ زندگی میں ترک قزلباش تھا جس کی ٹیڑھی تلوار دم بن گئی ہے، وہ اس وقت بھی ترکی زبان سمجھتا ہے چنانچہ جب تو چخ کہے تو باہر چلا جاتا ہے۔ چخ کے معنی ترکی میں ہے۔ "باہر نکل" لوہے کے درجے کمال پر پہنچنے کی غرض یہ ہے کہ اس لوہے سے نبی یا ولی قتل کیا جائے:

عارفاں چوں سفرِ ملک بقامی خواہند　　از سر تیغ تو تکبیر فنا می خواہند

(جب اہلِ معرفت عالم بقا کے سفر کی خواہش کرتے ہیں تو تیری تلوار کی دھار سے فنا کی تکبیر طلب کرتے ہیں۔)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؓ اپنی کسی سابق زندگی میں موسیٰؑ تھے اور یزید فرعون تھا۔ اس زندگی میں موسیٰؑ نے فرعون کو دریائے نیل میں غرق کر دیا اور اس پر فتح پائی۔ اس زندگی میں موسیٰؑ حسینؓ ہو گئے اور فرعون یزید جس نے حسینؓ کو دریائے فرات کا پانی نہ دے کر آبدار تلوار کی دھار سے ان کی ترکیب جسمانی کو فنا کر دیا۔ نیز کہتے ہیں کہ جمادات و نباتات وحیوانات میں سے جو سیاہ ہیں وہ سیاہ چہرہ والے انسان تھے اور جو سفید ہیں وہ سفید چہرے والے انسان تھے۔

یہ سب لوگ آفتاب کی تعظیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ قبلہ ہے اور یہ کہ کعبہ کے دروازہ کا رخ آفتاب کی طرف ہے۔ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ قبلہ آفتاب ہے۔ ان کے یہاں ایک نماز ہے جسے آفتاب کی طرف رخ کر کے پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب عجمیوں کا دور ہوتا ہے تو لوگ حق کا راستہ پاتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں اور آدمی کی ذات کو حق تعالیٰ سمجھتے ہیں۔ اور ان کا سلام اللہ اللہ ہوتا ہے۔ جب عجمیوں کا دور ختم ہوتا ہے تو لوگ عاجز رہ جاتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ جن لوگوں کی ہم پرستش کرتے تھے، وہ مرتبہ میں ان سے بلند تھے جو اس وقت موجود ہیں۔ اسی بنا پر لوگ جاتے ہیں اور ان لوگوں کی شکل کے بت کو بناتے ہیں اور پرستش کرتے ہیں۔ چنانچہ بت پرستی عام ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پھر عجمیوں کا دور آ جاتا ہے اور ہمیشہ اسی طریقے پر ہوتا رہتا ہے۔

محمود اپنے کو شخص واحد کہتا ہے اور مہدی موعود سمجھتا ہے جس کے ظہور کی پیغمبر نے خبر دی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ محمدؐ کا دین منسوخ ہو گیا اور اب صحیح دین محمود کا دین ہے جیسا کہ کہا گیا ہے:

رسید نوبت رنداں عاقبت محمود　　گذشت آنکہ عرب طعنہ بر عجم می زد

(نیک انجام والے رندوں کی نوبت آ گئی اور وہ وقت گزر گیا جب عرب لوگ عجم کو طعنہ دیتے تھے۔)

اس کے پیرو دنیا کے چوتھائی آبادی حصہ میں پھیلے ہیں اور ایران میں بہت زیادہ ہیں لیکن خود کو ظاہر نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ علیین آشیانی شاہ عباس ابن شاہ خدا بندہ صفوی نے ان کی بڑی تعداد کو قتل کر دیا ہے۔ محمودیوں کا عقیدہ ہے کہ جب شاہِ عباس تراب اور کمال کے پاس پہنچا جو کامل واحدی تھے، ان سے ان کے عقائد سیکھ لیے اور چاہا خود کو ظاہر کر دے تو دونوں افراد کو قتل کر دیا۔ ان کا قول ہے کہ اگرچہ شاہ عباس نے خود کو پہچان لیا تھا لیکن کامل نہیں ہوا تھا کیونکہ دنیا کے لیے اور خود کو ظاہر کرنے کے لیے کمال کو مار ڈالا۔ ایک امین نے یہ بھی بتلایا کہ شاہِ عباس امینِ کامل تھا اور جس کسی کو اس دین میں کامل نہیں پاتا تھا اس کو قتل کر دیتا تھا۔ چنانچہ میرے ساتھ اس کی صحبت تھی اور مجھ سے اصفہان میں رہنے کی فرمائش کی، لیکن جب میں نے قبول نہ کیا تو اس نے مجھ کو سفرِ ہندوستان کے لیے زادِ راہ اور توشہ دیا۔

کہتے ہیں کہ جس وقت شاہِ عباس پا پیادہ مشہد آیا تو تراب سے کہا کہ میں پیدل چلنے سے تھک گیا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ تیری پست ہمتی کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ امام جس کے لیے تو نے یہ مسافت طے کی ہے اگر خدا سے مل گیا ہے تو پھر اس کو مشہد کی پست زمین میں کیوں تلاش کرتا ہے اور اگر خود خدا سے نہیں مل سکا تو پھر اس سے تُو کیا توقع رکھتا ہے۔ لہٰذا زندہ امام کی تلاش کر۔ بادشاہ نے پوچھا کہ زندہ امام کہاں ہے؟ کمال نے کہا کہ میں ہوں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں تجھ کو بندوق سے مارتا ہوں اگر بندوق تجھ پر اثر نہ کرے تو میں تیری طرف مائل ہو جاؤں گا۔ تراب نے جواب دیا کہ تمہارے امام رضا، انگور کے دانہ سے مر گئے ہیں، میں بندوق کی گولی سے کیسے زندہ بچوں گا۔ آخر کار وہ بادشاہ کی بندوق کی گولی سے مر گیا، اور کمال نے جب تراب کی ہم مذہبی کا اظہار کیا تو اس کو بھی تراب سے ملحق کر دیا گیا۔

کہتے ہیں کہ اُمناء میں سے ایک شخص حسین خان شاملو کے پاس پہنچا اور اس کو امین بنا لیا۔ اسی وجہ سے یہ حکایت اس نے سنائی کہ ایک روز جب محرم میں لوگ روضۃ الشہداء پڑھ رہے تھے تو وہ بھی رو رہا تھا۔ شاہ عباس نے اس سے کہا کہ تم کیوں روتے ہو، یعنی شاملو جس سے مراد ملک شام والے ہیں، انہوں نے ہی یہ کام کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں حسینؓ کے لیے نہیں روتا بلکہ اس لیے کہ ہمارے اندر سے بھی کچھ اچھے نوجوان مارے گئے ہیں:

بآں چشمے کہ می بینید ما را   ہماں چشم است می بیند شما را

(جس آنکھ سے تم ہم کو دیکھتے ہو، وہ وہی آنکھ ہے جو تم کو دیکھتی ہے۔)

دنیہ اس واقعہ کو محض خوش طبعی سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کی اصطلاح میں دنیہ وہ گروہ ہے جس نے پست ذہنیت کی وجہ سے محمود کے دین میں کوئی ترقی نہیں کی۔ شیراز کے مسلمانوں میں سے ایک عزیز دوست نے لاہور میں اس کتاب کے مصنف سے بیان کیا کہ میں محمود کی برائی کرتا تھا، ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ محمود روشن چہرے کے ساتھ میرے پاس آیا اور مجھ سے اُلجھ پڑا اور کہا کہ کیا تو نے میری کتابوں کو پڑھا ہے؟ میں نے

جواب دیا کہ ہاں! اس نے کہا کہ پھر کیوں میری ہجو کرتا ہے، اب اگر اس کے بعد تُو یہ عمل کرے گا تو تجھ کو سزا دوں گا۔

ایک واحدی سے منقول ہے کہ خواجہ حافظ شیرازی بھی اس مذہب کے پیرو تھے اور چونکہ محمود کافی عرصہ تک دریائے ارس کے ساحل پر مقیم رہا، اس لیے خواجہ نے فرمایا:

اے صبا گر بگذری برساحل رودِ ارس بوسہ زن بر خاک آں وادی و مشکیں کن نفس

(اے صبا! اگر دریائے ارس کے ساحل پر تیرا گزر ہو تو اس وادی کی زمین کو بوسہ دے اور ہوا کو مُشک سے معطر کر دے۔)

ایک شخص مسمی فخر الدین نے جو اس فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، بتلایا کہ دنیہ کہتے ہیں کہ محمود نے اپنے کو تیزاب میں ڈال دیا تھا۔ حالانکہ یہ واقعہ غلط ہے اور عداوت کی وجہ سے اس کو گھڑا ہے۔ اس طرح علماء و اولیاء کی ایک جماعت جو شخص واحد کی معاصر تھی یا اس کے بعد ظاہر ہوئی ہے، ان سب کو اس کا پیرو اور تابع سمجھتے ہیں۔

نواں باب

روشنیوں کے حالات میں

یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے:

فصلِ اوّل: میاں بایزید انصاری خلف شیخ عبداللہ کے ظہور اور ان کے بعض اقوال سے متعلق ہے۔

فصلِ دوم: ان کے بعض حالات کے بارے میں۔

فصلِ سوم: ان کے فرزندوں کے بیان میں۔

۱۔ میاں بایزید کے ظہور کے بارے میں

حالنامہ میں جو اس کی قلمِ تحقیق سے لکھا ہوا ہے، مذکور ہے کہ حضرت میاں بایزید انصاری شیخ عبداللہ کے بیٹے ہیں جن کا نسب ساتویں پُشت میں شیخ سراج الدین انصاری سے مل جاتا ہے۔ افغانوں کی حکومت کے آخری زمانے میں پنجاب کے شہر جالندھر میں پیدا ہوئے۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد حضرت فردوس مکانی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ نے افغانوں پر تسلط حاصل کر کے ہندوستان کی تسخیر کی۔ تاریخِ مغول میں لکھا ہے کہ ۹۳۲ھ (۱۵۳۶ء) میں حضرت فردوس مکانی بابر بادشاہ نے ابراہیم خان افغان کے مقابلے میں فتح پائی۔ حالنامہ میں مذکور ہے کہ میاں بایزید کی ماں کا نام بنین تھا اور بنین کا باپ اور عبداللہ کا دادا دونوں بھائی تھے اور شہر جالندھر میں سکونت پذیر تھے۔ میاں بایزید وہیں پیدا ہوئے۔ عبداللہ کے باپ نے خواہش کی کہ محمد امین کی بیٹی بنین کو عبداللہ کی بیوی بنائے بایزید کا باپ عبداللہ کانی گرام میں رہتا تھا جو افغانوں کے کوہستانی علاقہ میں واقع ہے۔ جب مغلوں کا قبضہ زیادہ بڑھنے لگا تو بنین بھی بایزید کو لے کر کانی گرام میں آ گئی۔ عبداللہ کو بنین سے کوئی رغبت نہ تھی، لہٰذا اس کو طلاق دے دی اور میاں بایزید نے عبداللہ کی دوسری بیوی کی دشمنی اور یعقوب کی بیوی کے لڑکوں اور عبداللہ کی لاپروائی سے بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔

میاں بایزید کا یہ اصول تھا کہ جب وہ اپنے کھیت کی دیکھ بھال کے لیے جاتے تو دوسروں کے کھیتوں کی بھی نگرانی کرتے اور دوسروں کی بھی خبر گیری کرتے تھے۔ بچپن ہی سے ان کو اپنے مبداء کی تلاش تھی چنانچہ پوچھا کرتے تھے کہ آسمان و زمین تو موجود ہیں، لیکن خدا کہاں ہے؟ جب خواجہ اسماعیل کو جو اُن کے رشتہ داروں میں سے تھے، خواب میں بشارت حاصل ہوئی اور وہ ریاضت میں مشغول ہو گئے اور کافی لوگوں نے ان کی

مریدی سے نفع اُٹھایا تو بایزید نے چاہا کہ ان کے مرید ہو جائیں لیکن عبداللہ مانع ہوئے اور کہا کہ میرے لیے یہ بات باعثِ ننگ ہے کہ تُو عزیزوں میں سے ایک حقیر شخص کے پاس جا کر مرید ہو جائے۔ شیخ بہاء الدین زکریا کے بیٹوں کے پاس جا۔ بایزید نے کہا کہ بزرگی وراثت سے نہیں ملتی۔ آخرکار بایزید کو غیب سے ریاضت کی دعوت دی گئی اور وہ شریعت، حقیقت، معرفت، قربت، وصلت اور سکونت کے مدارج سے گزر گئے اور بہت سے لوگ ان سے مل گئے اور حاسدوں کو نیز ان لوگوں کو جو ان مدارج پر نہیں پہنچے تھے، دعوت دی۔ بایزید کے نزدیک عزت نسب کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ علم وادب کی وجہ سے ہے کیونکہ الجنة للمطیعین وان کان عبدا حبشیا والنار للعاصین وان کان سیداً قرشیا (یعنی جنت طاعت گزاروں کے لیے ہے، اگرچہ وہ حبشی غلام ہو اور دوزخ نافرمانوں کے لیے ہے، اگرچہ وہ قریشی سیّد ہو۔)

وہ خدا کو ظاہر دیکھتا تھا لعل ترون ربک عیانا (شاید تم اپنے رب کو کھلم کھلا دیکھ لو۔) بایزید کو حکم ہوا کہ تو کہہ دے کہ رایتک بک وعرفتک بک (میں نے تجھ کو تیرے ذریعہ دیکھا اور تجھ کو تیرے ذریعہ پہچانا) اور خدا نے اس سے کہا کہ فضوح الدنیا اھون من فضیح الآخرة استعجلوا بالحسنة ولاتستعجلوا بالسیئة (دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے ہلکی ہے۔ نیکی کے لیے جلدی کرو، برائی کے لیے جلدی نہ کرو)۔ خداوند تعالیٰ نے اس سے مزید کہا و جعلنا عبادة الظاھر والباطن فرضا وجعلنا عبادة الظاھر فرض المعرفة والباطن فرض الدائم (اور ہم نے ظاہری و باطنی عبادت کو فرض کیا۔ فرض معرفت کو ہم نے ظاہری عبادت اور فرض دائمی کو باطنی عبادت قرار دیا۔)

بایزید حیران رہ گیا کہ اگر نماز ادا کرتا ہوں تو مشرک ہوتا ہوں اور اگر نہیں ادا کرتا تو کافر۔ قال الصلوة شرکة وان لم اصل کفرت (اس نے کہا کہ نماز شرک ہے اور اگر نماز نہ پڑھوں تو میں کافر ہو گیا۔) اس کے بعد فرمانِ ایزدی پہنچا کہ انبیاء جیسی نماز ادا کر۔ اس نے سوال کیا کہ وہ کون سی نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ معبود کی تعریف بیان کرنا۔ پس اس نے ویسی ہی نماز اختیار کی۔ عبادة الموحد کان عند الناس کعبادة العبد وکان عنداللہ کالمعبود (یعنی موحد کی عبادت لوگوں کے نزدیک ایسی ہے، جیسے بندے کی عبادت ہوتی ہے اور اللہ کے نزدیک معبود کے مثل ہوتی ہے۔)

وہ زیادہ تر ذکرِ خفی میں مشغول رہتا تھا۔ قال افضل الذکر ذکر الخفی وافضل الرزق مایکفی قال اللہ: اذکر ربک... بالغدو والاصال ولاتکن من الغافلین (الاعراف ۲۰۵) (آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہترین ذکر، ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صبح اور شام اپنے رب کو یاد کر اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو۔) دوستوں نے خواب میں دیکھا اور اس نے خود آواز سنی کہ بایزید کو میاں روشن کا خطاب دیا گیا اور اس نے دائمی زندگی پالی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون (البقرة: ۱۵۴) صم بکم عمی فھم لایرجعون (البقرہ: ۱۸) (اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید

کیے جاتے ہیں، ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم اسے نہیں سمجھتے۔ وہ لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ پس وہ واپس نہیں لوٹیں گے، یعنی وہ حق بات سننے سے بہرے ہیں، حق بات کہنے سے گونگے ہیں اور حق کو دیکھنے سے اندھے ہیں۔)

اس نے خود کو ایسے لوگوں سے آزاد کر لیا تھا، اکثر اس کو الہام ہوتا تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے الالهام نور ينزل في القلب يعرف به حقيقة الاشياء (الہام ایک نور ہے جو دل میں نازل ہوتا ہے اور جس کے ذریعہ چیزوں کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔)

جبرئیلؑ اس کے پاس آتے تھے، قرآن میں آیا ہے۔ يلقي الروح من امره على من يشاء من عباده (غافر: ۱۵) (وہ اپنے حکم سے روح القدس کو نازل کرتا ہے، اس شخص پر جس کو اپنے بندوں میں سے چاہتا ہے۔) اور اللہ تعالیٰ نے اس کو نبوت کے لیے منتخب کیا اور پیغمبری سے اس کی دست گیری کی وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحي اليهم (النحل: ۴۳) (اور ہم نے تم سے پہلے نہیں بھیجا لیکن ایسے مردوں کو جن کے پاس ہم وحی بھیجتے تھے۔)

حضرت میاں روشن یعنی بایزید بیحد نیکوکار تھے۔ قال اذا اراد الله بعبد خيرا جعل له واعظا من نفسه وزاجرا من قلبه يزجره وينهاه (آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لیے بھلائی چاہتا ہے تو اس کے لیے اس کے نفس کو واعظ اور اس کے قلب کو جھڑکنے والا بنا دیتا ہے جو اس کو برائی سے باز رکھتا ہے۔) میاں روشن یعنی بایزید نے علماء سے پوچھا کہ کلمۂ شہادت کس طرح پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا اشهد ان لا اله الا الله (یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی خدا پرستش کے لائق لیکن خداوند تعالیٰ)۔ میاں بازید نے کہا کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے آگاہ نہیں ہے اور کہتا ہے کہ میں آگاہ ہوں تو وہ جھوٹا ہے۔ بانه من لایری الله لایعرف الله (اس لیے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتا وہ اس کو نہیں جانتا۔)

مولانا زکریا نے میاں بایزید سے کہا کہ تو نے دعویٰ کیا ہے کہ میں دل کی بات سے باخبر ہوں تو اپنے کو صاحبِ کشف بھی کہتا ہے۔ لہٰذا میرے دل کی بات کی خبر دے اور اگر تو میرے دل کی اطلاع دے دے تو میں بالیقین تیری طرف مائل ہو جاؤں گا۔ اس پر میاں روشن بایزید نے کہا کہ میں صاحبِ کشف القلوب تو ہوں لیکن تیرے دل میں دل نہیں ہے اور اگر تیرے دل کے اندر دل ہوتا تو میں ضرور اس کی خبر دیتا۔ بعد ازاں مولانا زکریا نے کہا کہ پہلے مجھے قتل کر دو، اگر میرے جسم سے دل باہر نکل آئے تو بایزید کو قتل کر دو اور اگر دل نہ نکلے تو اس کو چھوڑ دو۔ میاں بایزید نے کہا کہ یہ دل جس کے بارے میں تم کہتے ہو اگر بچھڑا، بکری کا بچہ یا کسی کتے کو ماریں تو اس کے اندر سے بھی نکل آئے گا۔ یہ گوشت کا ٹکڑا دل نہیں ہے، رسولِ عربیؐ فرماتے ہیں: قلب المومن اکبر من العرش واوسع من الکرسی والقلوب مع القلوب یشاهد (مومن کا قلب عرش سے زیادہ بڑا اور کرسی سے زیادہ وسیع ہے اور قلوب قلوب کے ساتھ مشاہدہ کیے جاتے ہیں)۔

مولانا زکریا نے اس سے کہا کہ تُو اپنے کو صاحبِ کشف القبور کہتا ہے، ہم تیرے ساتھ قبرستان چلیں

دیکھیں کہ مردہ تجھ سے گفتگو کرتا ہے۔ اس پر میاں بایزید نے کہا کہ اگر تم نے مردہ کی آواز سنی ہوتی تو میں تم مجوسی نہ کہتا۔ اس کتاب کے مصنف نے میاں واصل روشنی سے کہا کہ حضرت میاں کو کہنا چاہیے تھا کہ اگر میں اری آواز سنتا ہوں تو وہ مردہ کی آواز معلوم ہوتی ہے جو مردہ جسموں کی قبروں سے باہر نکلتی ہے۔ اس نے ں ہوکر حالنامہ کے حاشیہ پر لکھ لیا کہ یہ بھی حضرت میاں کا کلام ہے۔ موبد کہتا ہے:

میانِ یار خود دیدیم و دادیم برہ جویاں نشانِ بے نشاں را

(ہم نے اپنے محبوب کی کمر دیکھ لی اور راستہ تلاش کرنے والوں کو بے نشان کا پتہ بتلا دیا۔)

بعد ازاں علماء نے بایزید سے کہا کہ لوگ تیرے کس قول وعمل پر اعتماد کریں، میاں روشن بایزید نے اب دیا کہ تم میں سے ایک شخص اس کے پاس جا کر مرید ہو جائے جو تمہارے نزدیک زیادہ بہتر اور افضل ہے ریاضت کرے۔ اس کے بعد میرے پاس آئے اور میرے اصول کے مطابق عبادت کرے۔ اور ریاضت رے، پھر اگر میرے پاس زیادہ نفع پائے تو میری طرف مائل ہو جائے۔ ایک شخص مسمی ملک میرزا نے کہا کہ ے بایزید! پُر گوئی سے پرہیز کر اور مخلوق کو گمراہ نہ کہہ، جو شخص چاہے تیرے راستے پر چلے اور جو نہ چاہے تیری ہ پر نہ چلے۔ اس پر میاں روشن بایزید نے جواب دیا کہ میں ایک مثال پیش کرتا ہوں اگر اس گھر میں جس میں ب سے زیادہ راستے نہ ہوں، بہت سے لوگ سو رہے ہوں اور اس گھر میں آگ لگ جائے تو اگر اچانک ایک ص بیدار ہو جائے، وہ دوسروں کو بیدار کرے یا نہ کرے۔ منافقوں نے کہا اے بایزید! جب اللہ تعالیٰ نے تجھ حکم دیا ہے تو کہہ کہ میرے پاس جبرئیل آتے ہیں اور میں مہدی ہوں۔ لیکن مخلوق کو کافر اور گمراہ نہ کہہ۔

روشن بایزید اس شخص کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں سمجھتا تھا جو اس کو نہ پہچانتا ہو اور وحدت الوجود کے مسلک کا پیرو نہ ہو۔ بایزید سمجھتا تھا کہ العاقل عند الناس حیات وعند الله ممات، صورته کصورة انسان ووصفه کوصف الانعام العارف عندالله حیات صورته کصورة الانسان ووصفه بوصف الرحمان (یعنی عاقل انسانوں کے نزدیک زندہ ہے مگر اللہ کے نزدیک مردہ ہے۔ اس کی صورت نسان جیسی ہے مگر اس کے اوصاف جانوروں کے اوصاف کی طرح ہیں۔ اور عارف اللہ کے نزدیک زندہ ہے، س کی صورت مثل انسان کے ہے اور اس کے اوصاف خدا کے اوصاف کی طرح ہیں۔)

بایزید نے اپنے باپ عبداللہ سے کہا کہ رسول عربیؐ نے فرمایا۔ الشریعة کمثل اللیل والطریقة کمثل النجوم والحقیقة کمثل القمر والمعرفة کمثل الشمس ولیس فوق الشمس شئ (یعنی شریعت مثل رات کے ہے اور طریقت ستاروں کی طرح ہے اور حقیقت ماہتاب کی طرح ہے اور معرفت مثل آفتاب کے ہے اور آفتاب سے اوپر کوئی چیز نہیں۔)

میاں بایزید روشن نے بیان کیا ہے کہ اعمال شریعت کی پانچ بنیادیں ہیں: کلمہ شہادت پڑھنا اور کلمہ کے ساتھ سچائی کو ملانا، شریعت کا فعل ہے، تسبیح وتہلیل کرنا اور ہمیشہ زبان سے ذکر میں مشغول رہنا اور دل کو وسوسے سے محفوظ رکھنا طریقت کا فعل ہے۔ ماہ رمضان کا روزہ رکھنا اور اپنے کو کھانے پینے اور جماع سے روک رکھنا

شریعت کا فعل ہے اور نفلی روزہ رکھنا اور پیٹ بھر کر نہ کھانا اور کم خوری کی عادت ڈالنا اور جسم کو برائی سے باز رکھنا طریقت کا فعل ہے۔ مال کی زکوٰۃ دینا اور پیداوار کا دسواں حصہ دینا شریعت کا فعل ہے۔ فقیر اور روزہ دار کو کپڑا دینا اور کمزوروں کی دستگیری کرنا طریقت کا فعل ہے اور خلیل اللہ کے گھر کا طواف کرنا اور بغیر برائی اور گناہ اور لڑائی کے رہنا شریعت کا فعل ہے اور دوست کے گھر یعنی دل کا طواف کرنا اور نفس سے جنگ کرنا اور فرشتوں کی اطاعت کرنا طریقت کا فعل ہے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہنا اور اپنی تلقین پر یقین کرنا اور ماسوا کا خیال دل سے دور کرنا اور محبوب کے جمال پر نظر ڈالنا حقیقت کا فعل ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات کو دل کی آنکھ سے دیکھنا اور عقل کے نور سے اس کے آمنے سامنے ہر گھر میں اور ہر سمت میں دیکھنا اور خدا کی کسی مخلوق کو تکلیف نہ پہنچانا معرفت کا فعل ہے۔ حق تعالیٰ کو جاننا اور تسبیح کی آواز سن لینا اور اس کو سمجھنا قربت کا فعل ہے۔ ترکِ وجود اختیار کرنا اور ہر کام پروردگار کی ہستی کے لیے کرنا اور فضولیات سے پرہیز کرنا اور سمجھ کو وصال کے لیے رہبر بنالینا وصلت کا فعل ہے۔ خود کو حقِ مطلق میں فنا کر دینا اور باقی مطلق ہو جانا اور احد کے ساتھ موحد ہونا اور برائی سے پرہیز کرنا توحید کا فعل ہے۔ خود ہی مسکن اور ساکن ہونا اور حقِ مطلق کی صفت اپنا لینا اور اپنی صفت سے احتراز کرنا سکونت کا فعل ہے اور سکونت سے بلند تر کوئی مقام نہیں۔

قربت و وصلت اور وحدت و سکونت وہ اصطلاحات ہیں جو حضرت میاں روشن بایزید کے لیے مخصوص ہیں، ان مراتب کو وہ شریعت و طریقت اور معرفت سے بالاتر شمار کرتے ہیں۔

اس زمانے میں یہ رسم تھی کہ جب کوئی شخص دوستوں سے جدا ہوتا اور پھر ان سے ملتا تو پہلی ملاقات میں سوال تندرستی، مال اور لڑکوں کے متعلق ہوتا، لیکن میاں روشن بایزید کے احباب پہلے ایمان، ذکر و فکر، خدا کی محبت اور معرفت کے بارے میں سوال کرتے تھے۔ اس کے بعد تندرستی اور صحت کے متعلق۔ یہ لوگ جب کسی کے حالات پوچھتے تو اس کا انداز یہ ہوتا تھا کہ وہ دین و ایمان میں کیسا ہے اور کیا خدا کے دوستوں سے اخلاص رکھتا ہے۔ ان خبروں میں وہ خوش ہوتے تھے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے: ان اللہ لاینظر الی صورکم ولا الی اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم (بیشک اللہ نہیں دیکھتا ہے تمہاری صورتوں کو اور نہ تمہارے مالوں کو، بلکہ وہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو۔)

بایزید کمسنی میں اسلام کے پانچ اصولوں میں داخل ہو گیا تھا جیسے کلمہ پڑھنا، پنج وقتہ نماز ادا کرنا، روزہ رکھنا چونکہ صاحب نصاب نہیں تھا، اس لیے زکوٰۃ اس پر واجب نہیں ہوئی تھی اور حج کی طرف میلان رکھتا تھا لیکن کمسنی کی حالت میں تھا۔ یہاں تک کہ اس نے دین کی حقیقت کو معلوم کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (بایزید کے نزدیک) انا اقرب الی الانسان من جید الانسان لیس الفرق بینی و بین الانسان وانی واحد مع الانسان لکن لایعلم الانسان ولم یجد الانسان معرفتی لابکثرۃ القرأۃ ولابسیر الاقدام ولکن یوجد معرفتی بذکر الدوام وبطاعۃ کامل الانسان۔ (میں انسان سے انسان کی گردن سے زیادہ نزدیک ہوں، میرے اور انسان کے درمیان کوئی فرق نہیں اور میں انسان کے ساتھ اکیلا ہوں، لیکن انسان اس

نہیں جانتا۔ اور انسان نے میری معرفت نہیں پائی۔ نہ قرأت کی کثرت سے نہ زیادہ قدموں کے چلنے سے۔ بلکہ میری معرفت حاصل ہوئی ہے، دائمی ذکر سے اور انسانِ کامل کی اطاعت سے۔)

یہاں تک میاں بایزید کی کتاب حالنامہ سے نقل کیا گیا۔

حضرت میاں روشن بایزید کے بعض حالات کے بارے میں

بایزید اپنے کو نبی سمجھتا تھا اور لوگوں کو ریاضت کا حکم دیتا تھا، نماز ادا کرتا تھا، لیکن متعین سمت کو اس نے درمیان سے اُٹھا دیا تھا کیونکہ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ (البقرہ: ۱۱۵)۔ (پس جس طرف بھی تم رُخ کرو، اُدھر اللہ کا چہرہ ہے۔) اس نے کہا کہ پانی سے غسل کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ جوں ہی ہوا جسم کو پہنچتی ہے، جسم پاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ چاروں عناصر طاہر کرنے والے ہیں۔ اس نے مزید کہا کہ جو شخص خدا کو اور خود کو نہیں پہچانتا، وہ آدمی نہیں ہے اور اگر وہ موذی ہے تو چیتا، بھیڑیا، سانپ اور بچھو کا حکم رکھتا ہے۔ پیغمبر عربی نے فرمایا ہے۔ اقتل الموذی قبل الایذاء (موذی کو اذیت پہنچانے سے پہلے مار ڈالو)۔ اور اگر وہ نیکو کار اور نماز ادا کرنے والا ہے تو وہ گائے اور بکری کا حکم رکھتا ہے، اس کو قتل کرنا جائز ہے۔ اسی لیے اس نے خود شناسی کے مخالفین کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا کیونکہ یہ لوگ حیوانات ہیں۔ چنانچہ قرآن میں آیا ہے۔ اولئک کالانعام بل ھم اضل (الاعراف: ۱۷۹) (وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔)

اس نے کہا کہ جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا اور حیات جاوید اور ابدی زندگی کی خبر نہیں رکھتا، وہ مردہ ہے اور جس مُردہ کے وارث بھی اسی طرح مُردہ ہوں، اس کے مال کا حق زندوں کو پہنچتا ہے۔ اس بنا پر بھی اس نے جاہلوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اگر وہ کسی ہندو کو خود شناس پاتا تو اس کو مسلمان پر ترجیح دیتا تھا۔ وہ اپنے گروہ کے ساتھ عرصہ دراز تک رہزنی کیا کرتا تھا اور مسلمانوں وغیرہ سے مال چھین کر پانچواں حصہ بیت المال میں رکھ دیتا تھا اور جب ضرورت پڑتی اس کو مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ وہ اور اس کے سب بیٹے فسق و فجور سے پرہیز کرتے تھے اور زنا اور ناشائستہ اعمال سے اور موحدوں کا مال چھیننے اور یگانہ بینوں پر ظلم کرنے سے کنارہ کش تھے۔

عربی و فارسی و ہندی اور افغانی زبانوں میں اس کی بہت سی کتابیں ہیں۔ مقصود المومنین عربی میں ہے۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر جبرائیل کے توسط کے اس سے باتیں کرتا تھا۔ خیر البیان نامی اس کی ایک کتاب ہے جو چار زبانوں میں ہے اول عربی میں، دوم فارسی میں، سوم ہندی میں اور چہارم پشتو یعنی افغانی زبان میں۔ اسی ایک مضمون کو چار زبانوں میں بیان کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت بایزید کی طرف خطاب ہے اور اس کو صحیفۂ الٰہی سمجھتے ہیں۔ اس کی ایک اور کتاب حالنامہ ہے جس میں اس نے اپنے حالات و بیان کیا ہے۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ محض ایک عامی شخص تھا، پھر بھی قرآن کی تفسیر بیان کرتا تھا اور حقیقت آمیز باتیں کرتا تھا جس کو سن کر علماء حیران رہ جاتے تھے۔

کہتے ہیں کہ اس کو خدا ناشناس لوگوں کے قتل پر مامور کیا گیا، دو تین مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم
لیکن اس نے تلوار کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا مگر جب مکرر فرمانِ الٰہی پہنچا تو مجبوراً وہ جہاد پر کمربستہ ہوا۔

بایزید حضرت مرزا محمد حکیم ابن حضرت ہمایوں بادشاہ کا ہم عصر تھا۔ اس کتاب کے مصنف نے م
شاہ محمد مخاطب بغزنین خاں سے سنا، جس نے بیان کیا کہ ۹۴۹ھ (۱۵۴۲ء) میں میاں روشن نے قوت حاصل
اور اس کے مذہب نے رواج پایا۔ میرے باپ شاہ بیگ خاں ارغون مخاطب بہ خانِ دوران نے میاں بایز
دیکھا تھا اور کہتے تھے کہ خروج سے پہلے اس کو لوگ مرزا محمد حکیم کی مجلس میں لے گئے، لیکن علماء اس سے مناظ
میں عاجز رہ گئے، لہٰذا اس کو واپسی کی اجازت عنایت کی گئی۔ ۹۹۴ھ (۱۵۸۵ء) میں حضرت مرزا محمد حکیم
انتقال کی خبر کابل سے حضرت عرش آشیانی کے کانوں تک پہنچی۔ میاں بایزید کی قبر بھت پور میں ہے جو افغانو
کے پہاڑی علاقے میں ہے۔

حضرت میاں بایزید کے فرزندوں کے حالات میں

اس کے بیٹے عمر شیخ، کمال الدین، نور الدین اور جلال الدین تھے اور اس کی بیٹی کا نام کمال خاتو
تھا۔ حضرت میاں کے بعد جلال الدین نے خلافت اور برتری حاصل کی، اس کا اقتدار درجہ مستقل ہو گیا۔
حضرت میاں کی تعلیمات سے ذرا بھی تجاوز نہ کرتا تھا۔ وہ عادل اور منتظم تھا، اس نے جدوجہد کے لیے کمر باند
۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) میں جس وقت حضرت عرش آشیانی یعنی اکبر بادشاہ کے جلالی پرچم کابل سے دارالسلطنت
طرف آ رہے تھے، وہ خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن چند روز کے بعد بھاگ نکلا۔ ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۱ء) میں جعفر بیگ
قزوینی بخشی جو آصف خان کے خطاب سے سرفراز ہوا، جلال الدین روشنی کے استیصال کے لیے مقرر ہوا جس
حضرت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ جلالہ کہتے تھے اور اسی سال بادشاہ سپاہی میاں جلال الدین کے اہل و عیال
ایک شخص مسمی وحدت علی کے ساتھ گرفتار کر کے پایۂ تخت لے آئے۔ ۱۰۰۷ھ (۱۵۹۸ء) میں حضرت عر
آشیانی جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد میں میاں جلال الدین نے غزنین پر قبضہ کر لیا اور اس کے اطراف
بالکل تخت و تاراج کر دیا۔ لیکن وہاں پر قیام نہ کر سکا۔ اس کے باہر نکلنے کے وقت ہزارہ اور افغانوں کے درمیا
جنگ قائم ہو گئی اور شادمان ہزارہ کے ہاتھوں میاں جلال الدین زخمی ہو کر کوہِ رباط کی طرف بھاگا۔ مراد بیگ ا
شریف خاں کے چند ملازمین جو اس کے پاس پہنچے، انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد میاں احداد بن عمر شیخ ابن بایزید جو بزرگوں کے درمیان احداد کے نام سے مشہور ہے
مسند ارشاد پر بیٹھا۔ وہ ایک عادل اور مدبر شخص تھا اور اپنے بلند مرتبہ آباؤ اجداد کے مذہب پر ثابت قدم رکھا۔
کبھی دولت جمع نہ کرتا اور لوگوں کی محنت کا صلہ لوگوں کو دے دیتا تھا اور جو مال جہاد سے حاصل کرتا، اس
پانچواں حصہ بیت المال میں رکھ دیتا، بعد میں اسے بھی غازیوں کو پہنچا دیتا تھا۔ ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۵ء) میں حضر
جنت مکانی نور الدین جہانگیر بادشاہ کے عہد میں احسن اللہ مخاطب بہ ظفر خاں پسر خواجہ ابوالحسن تبریزی ا

دوسرے بادشاہی سپاہیوں نے اس پر سخت دباؤ ڈالا اور وہ نواغر نام کے ایک قلعہ کے اندر قلعہ بند ہو گیا۔ قلعہ پر حملہ کے روز ایک توپ کے گولہ سے اس کے دن پورے ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ روزِ وفات سے جس کو یہ لوگ روزِ وصال کہتے ہیں، ایک دن پہلے میاں احداد نے خیر البیان کو کھولا اور مطالعہ کیا۔ پھر مریدوں سے کہا کہ کل ہمارا روزِ وصال ہے۔ ویسا ہی ہوا جیسا کہا تھا۔ اس کتاب کے مصنف نے کابل کے باشندوں میں سے ایک بزرگ کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ میں نے احداد کے انتقال کے روز خوشی منائی اور اس کی برائی کی تو رات کو خواب میں اپنے مرشد کو دیکھا جنہوں نے اس فعل سے مجھ کو منع کیا اور کہا کہ قل ھو اللہ احد (کہہ دیجئے کہ وہ اللہ احد یعنی ایک ہے۔) احداد کے بارے میں ہے۔ احداد کو اس کے مرید لوگ احد کہتے تھے۔

منقول ہے کہ احداد کی وفات کے بعد افغان عبدالقادر بن احداد کو اُٹھا کر پہاڑ پر چلے گئے اور بادشاہی فوج جو قلعہ پر قابض ہونے کا وہم و گمان بھی نہ رکھتی تھی، قلعہ کے اندر داخل ہو گئی۔ احداد کی بیٹی جس کو بھاگنے کا راستہ نہ ملا، قلعہ میں اِدھر اُدھر گھوم رہی تھی۔ ایک فوجی نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو لڑکی نے اپنی چادر آنکھ پر ڈال کر خود کو قلعہ کی دیوار سے نیچے گرا دیا اور ہلاک ہو گئی، یہ دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے۔

میاں احداد کے بعد عبدالقادر بن احداد مسند خلافت پر بیٹھا اور موقع پا کر اس نے ظفر خاں پر حملہ کیا لیکن وہ بڑی تیزی سے بھاگ نکلا۔ اس کا سب ساز و سامان مع خواتین حرم سرا کے افغانوں کے ہاتھ لگا۔ صرف ظفر خاں کی بیوی بزرگ خانم نواب سعید خاں بن احمد بیگ خاں جیسے سپاہیوں کی کوشش سے پاک دامن بچ گئی۔ پری سلطان ذوالقدر سے جو قدر و منزلت والوں کی نسل سے تھا، اور اس وقت جس کا خطاب ذوالفقار خاں ہے اس کتاب کے مصنف نے سنا جس نے کہا کہ جب سعید خاں کے حکم سے میں عبدالقادر کو بلانے کے لیے گیا تو انواع و اقسام کے کھانے اور مشروبات اس کے واسطے لے گیا تاکہ وہ ان پر فریفتہ ہو جائے۔ ایک روز ایک بڈھا افغان حلوہ کھانے کے بعد اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا اے عبدالقادر! تیرے بزرگ اسلاف کے زمانے سے اس وقت تک کسی مغل کے پاؤں اس جگہ تک نہیں پہنچے لیکن یہ شخص جو آیا ہے، چاہتا ہے کہ سرخ زرد کپڑے اور مرغن وشیریں غذاؤں سے جن کی رغبت اہل شکم کا دین ہے اور جن سے نفرت درویشوں کا آئین ہے، فریب دے۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ ہم اس کو مار ڈالیں تاکہ خوف کی وجہ سے دوسرا یہاں پر نہ آسکے، لیکن عبدالقادر اور اس کی والدہ بی بی علائی جو میاں جلال الدین کی بیٹی تھی، دونوں اس پر راضی نہ ہوئے۔ اس روز عبدالقادر سعید خاں کے لشکر میں داخل ہو رہا تھا، نقارہ اور نفیر کی آواز سے اس کا گھوڑا ڈرتا تھا اور لوگوں کے درمیان سے کنارے کنارے چل رہا تھا۔ ایک افغان نے اس سے کہا کہ جو کچھ حضرت میاں روشن نے فرمایا تھا، اس کو گھوڑا جانتا ہے، لیکن تم نہیں۔ اس لیے اس بدمستی کا خمار ضرور برداشت کرنا پڑے گا۔ عبدالقادر نے پوچھا کہ میاں نے کیا فرمایا تھا؟ افغان نے کہا کہ مغلوں سے دور رہنا اور احتراز کرنا۔ جب عبدالقادر حضرت ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی امیرالمومنین شاہجہاں بادشاہ غازی کے دربار میں آیا تو ایک بلند منصب سے سرفراز ہوا۔ ۱۰۴۳ھ (۱۶۳۳ء) میں اس کے دن پورے ہو گئے اور پشاور میں دفن کیا گیا۔

میرزا ابن نور الدین حضرت امیر المومنین شاہ جہاں کے عہد میں باقی تھا، وہ دولت آباد کی جنگ میں قتل کر دیا گیا۔ کریمداد ابن جلال الدین کو جلالیوں کی قوم نے سعید خاں ترخان نژاد کے وکیل محمد یعقوب کشمیری کے حوالہ کر دیا۔ ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ء) میں قتل ہو گیا۔ الہداد خان بن جلال الدین رشید خاں کے خطاب سے سرفراز ہو کر دکن میں چار ہزاری منصب پر فائز ہو گیا تھا۔ ۱۰۵۸ھ (۱۶۴۸ء) میں اس کا انتقال ہو گیا۔

دسواں باب

عقائدِ الٰہیہ کے بیان میں

یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے: پہلی فصل خلیفۃ اللہ کے ظہور کے بارے میں اور اس کے بعض معجزات میں جس کو بُرہان کہتے ہیں۔ دوسری فصل خلیفۃ اللہ اور براہین خلیفۃ اللہ کی خدمت میں ارباب ادیان و مذاہب کے مباحثوں میں۔ تیسری فصل ستاروں کے فضائل کے بارے میں اور چوتھی فصل دستور العمل کے بیان میں۔

ا۔ خلیفۃ الحق کے ظہور کے بارے میں

حضرت خلیفۃ اللہ کا تذکرہ، خواجہ مسعود بن خواجہ محمود بن خواجہ مرشد الحق نے جو صاحب حال عبادت و ریاضت والے تھے، اس کتاب کے مصنف سے بیان کیا کہ میرے والد بزرگوار کہتے تھے کہ میں نے بڑے بڑے اولیاء اللہ سے سنا کہ ایک شخص صاحبِ دین و دنیا ظہور کرے گا اور معلوم نہ تھا کہ وہ صاحب فضل گزر چکا یا آئندہ ظاہر ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک رات کو میں نے خواب دیکھا، جب میں بیدار ہوا تو اس سرزمین پر پہنچا اور وہ سعادت مند پیدا ہو گیا یعنی بروز یکشنبہ ۹۴۹ھ (۱۵۴۳ء) کے ماہ رجب میں ہمایوں بادشاہ کا فرزند سعادت مند حضرت جلال الدین اکبر حمیدہ بانو بیگم کے بطن سے پیدا ہوا۔ ۱۰۵۳ھ (۱۶۴۳ء) میں اس کتاب کے مصنف نے مرزا شاہ محمد مخاطب بہ غزنین خاں خلف شاہ بیگ مخاطب بہ خانِ دوراں سے جو ارغون کی نسل سے تھا، لاہور میں سنا، وہ کہتا تھا کہ میں نے نواب عزیز کوکہ مخاطب بہ خان اعظم سے سوال کیا کہ حضرت عرش آشیانی کے عیسیٰ کے مثل اپنی والدہ ماجدہ سے بات کرنے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ والدہ کہتی تھیں کہ یہ خبر سچ ہے۔

۲۔ اہلِ مذاہب کے مباحثہ کے بارے میں

خلیفہ الحق کی خدمت میں دو عالموں کو بلایا گیا جن میں سے ایک سنّی تھا، دوسرا شیعہ۔ دونوں باریابی چاہتے تھے۔ ان کی درخواست پر خلیفہ ان کے مذہب کی تحقیق میں مشغول ہو گیا۔ شیعہ نے کہا کہ سنیوں کی بیدینی اس بات سے بالکل ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ پیغمبروں کو معصوم نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ داؤد نے اوریا قتل کرایا۔ سنّی نے جواب دیا کہ یہ مضمون قرآن میں بھی مذکور ہے اور توریت میں تفصیل و تشریح کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ایک یہودی موجود تھا، اس نے کہا کہ توریت میں ایسا لکھا ہے۔ شیعہ نے کہا کہ توریت میں تحریف کی گئی ہے۔ یہودی نے جواب دیا کہ اس کا بہترین جواب یہی ہے کہ میں کہوں کہ تمہاری کتابوں میں تحریف کی گئی ہے تاکہ ہم کو یہ کہنے کی ضرورت نہ پڑے کہ توریت میں تحریف کی گئی ہے۔ شیعہ سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ اس

کتاب کے مصنف نے بعض فضلائے متاخرین کی تعلیقات میں دیکھا ہے کہ اس جواب کو انہوں نے اپنی جانب منسوب کیا ہے۔ پھر شیعہ نے کہا کہ حضرت علیؓ مرتضیٰ سب سے زیادہ عالم اور صالح تھے۔ وہ شراب، سور کے گوشت اور کافروں کی پکائی ہوئی چیزوں سے اپنا لب آلودہ نہیں کرتے تھے... شیعہ نے کہا کہ (شہرستانی کی) کتاب الملل و النحل میں آیا ہے کہ نخلستان فدک کے لیے حضرت مطہرہ فاطمہؓ نے فرمایا کہ یہ میراث کا حصہ ہے اور حضرت رسالتمآبؐ نے اپنی زندگی میں مجھے اس کا مالک بنا دیا تھا۔ حضرت صدیقؓ نے ان کے دعویٰ کو ردّ کر دیا۔ اور کہا: پیغمبرؐ نے فرمایا: نحن معاشر الانبیاء ما ترکناه صدقة[1] (ہم گروہ انبیاء ہیں جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ ہے۔) اس حدیث کی صحت کے صورت میں تملیک کے دعویٰ کو کیسے ردّ کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو وراثت کی تردید کے سوا اور کسی بات کی تردید اس سے نہیں ہوئی۔ سُنّی نے جواب دیا کہ حضرت زہرا کے پاس ایسا گواہ نہ تھا، جسے شارع پسند کرے، اس لیے کہ شوہر، بیٹے اور پوتے کی گواہی معتبر نہیں۔ شیعہ نے کہا کہ ابوبکر صدیقؓ کی غلطیاں مثلاً مرض الموت میں جلدی سے بغیر سوچے سمجھے جلانے کا عمل اور پھر اس کی وجہ سے نادم ہونا اور ان جیسی باتوں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے پیغمبرؐ کے مرض الموت میں ان کو وصیت کرنے سے باز رکھا۔ چنانچہ امام اسماعیل بخاری نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ مرض الموت کی حالت میں حضرت پیغمبرؐ کا مکان صحابہ سے بھرا ہوا تھا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: هلموا اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی[2] جس کا مطلب یہ ہے کہ جلدی کرو تاکہ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ تم اس کے بعد ضلالت و گمراہی سے محفوظ رہو۔ عمرؓ نے فرمایا کہ پیغمبرؐ کے اوپر مرض اور درد کا سخت غلبہ ساری ہے۔ کتاب آسمانی اور نصوص آیاتِ قرآنی ہمارے لیے کافی ہیں۔ اس موقع پر اختلافات اور تکرار پیدا ہو گئے تو پیغمبرؐ نے فرمایا: قوموا عنی یعنی میرے سامنے سے اُٹھ جاؤ۔ سُنّی عالم نے کہا کہ پیغمبرؐ نے خدا کے حکم سے خود فرمایا ہے: قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ (الکهف: ۱۱۰) (آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف ایک انسان ہوں تمہارے جیسا لیکن مجھ کو وحی بھیجی جاتی ہے۔) لہٰذا کھانے پینے میں آسائش و تکلیف اور آرام میں، مرض و زحمت اور زندگی و موت میں پیغمبر کا حال دوسرے انسانوں کا سا تھا۔ چنانچہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور مرض الموت کی حالت میں بیحد بیمار تھے اور چونکہ مرض کی شدت کے وقت ایسی باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں جو صحت کی باتوں کے مطابق نہیں ہوتیں۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے منع کر دیا تھا۔ شیعہ عالم نے کہا کہ پیغمبرؐ کی وفات کے وقت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی تھی کہ جو شخص یہ کہے گا کہ پیغمبر کا انتقال ہو گیا، اس کو قتل کر ڈالوں گا بلکہ وہ زندہ ہیں۔ یہ عقیدہ مذکورہ سبب کی بنا پر وصیت سے روکنے کے عقیدہ کے ساتھ کیسے منطبق ہو سکتا ہے۔ سُنّی نے جواب دیا کہ انسان سے غلطی ہو سکتی ہے۔ شیعہ نے کہا کہ شوریٰ کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو ان کے اقربا بنی امیہ ظلم و ستم کرنے لگے اور حکم بن مروان ابن امیہ کو مدینہ میں بلا لیا

---

[1] یہ حدیث صحیح بخاری میں آئی ہے، دیکھیے: فواد عبدالباقی: اللؤلؤ والمرجان فيما اتفق عليها الشيخان (قاہرہ) باب الخمس ج۲/۳۲۵

[2] یہ حدیث بھی صحیح بخاری میں آئی ہے، دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الجهاد۔ (ایڈیٹر)

گیا۔ حالانکہ حضرت پیغمبرؐ نے اس کو نکال دیا تھا۔ چنانچہ اس کو ''طرید رسول'' کہتے تھے اور صدیقؓ اور فاروقؓ نے اس کو نہیں بلایا تھا۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے ابوذرؓ کو مدینہ سے نکال دیا۔ اس کے علاوہ مروان بن حکم کو اپنی بیٹی نکاح میں دی اور افریقہ کے مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ اس کو دیا جو دو لاکھ دینار زر سرخ کے برابر تھا۔ نیز یہ کہ انہوں نے عبداللہ بن سرح کو امان دی بعد اس کے کہ حضرت رسالت پناہ نے اس کا خون حلال کر دیا تھا اور اس کو مصر کی حکومت سپرد کی اور عبداللہ بن عامر کو بصرہ کا والی بنایا۔ یہاں تک کہ اس نے بصرہ میں جو برے اعمال کر سکتا تھا، کیے۔ ان کے امرائے لشکر میں معاویہ ابن ابی سفیان شام کے گورنر تھے اور سعید بن العاص کوفہ کا گورنر تھا۔ ان کے بعد عبداللہ بن عامر، ولید بن عتبہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح وغیرہ نے دشمنی کا راستہ اختیار کیا اور غلط راستے پر چلے۔ سُنّی عالم کوئی مناسب جواب نہ دے سکا۔ شیعہ پھر بولا کہ حضرت پیغمبرؐ نے غزوۂ تبوک میں اسامہ کے ساتھ تین ساتھیوں کو بھیجا تھا۔ وہ لوگ رہ گئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص اسامہ کے لشکر سے پیچھے رہ جائے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ سُنّی نے جواب دیا کہ حضرت پیغمبرؐ کی وفات کے بعد وہاں سے جانا مصلحت کے مطابق نہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے غزوہ کے خلاف کوئی عمل نہیں کیا بلکہ سفر کے لیے ساز و سامان تیار کر رہے تھے۔ اور اس مسئلہ میں تاخیر کرنا بمنزلہ سفر اور سامانِ سفر کی تیاری کے ہے۔[1]... ساز سننے کے بارے میں سُنّی نے کہا کہ ساز کا سننا عقلاً بُرا نہیں ہے اور جب شارع نے خود سنا ہے تو جائز ہے اور میں نے کہا ہے کہ رسم و عادت کی بنا پر جس بات کو تو نے بُرا سنا ہے، اس کو برا سمجھتا ہے... اسی طرح اگر شیخینؓ پاکباز نہ ہوتے تو حضرت رسولؐ کی دامادی سے سرفراز نہیں ہو سکتے تھے۔ اور حضرت علیؓ اور حضرت رسولؐ کی صاحبزادیاں فاروق اعظمؓ اور ذوالنورینؓ کے گھروں میں نہ ہوتیں۔ اعتراض کا راستہ کھولنا مناسب نہیں۔

نیز خبروں میں یہ بات مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اس سبب سے کہ انہوں نے ایک کافر کو دسترخوان پر سے اُٹھا دیا تھا، عتاب فرمایا تھا۔ نوشیرواں جس کو اسلام کا تاج پہنایا نہیں گیا تھا، پھر بھی وہ عدل و انصاف کے تخت پر متمکن تھا اور اس کے اعمال میں سب سے زیادہ پسندیدہ اپنے محل کے سامنے بوڑھی عورت کا گھر نہ گرانا اور اپنے میدان کی تباہی کو منظور کر لینا ہے۔ حضرت رسالت پناہ نے اس بات پر کہ اس کے زمانے میں پیدا ہوئے، فخر و مباہات سے فرمایا: انی ولدت فی زمن الملک العادل (میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا)۔ بھلا کب جائز ہوگا کہ پیغمبر آخرالزماں اس مسلمان کے قتل پر راضی ہو جائیں جو اپنے پیشہ کی ضرورت سے اور اپنی روزی کمانے کی وجہ سے ان کے دوستوں کے راستہ سے نہ اُٹھے باوجودیکہ وہ جانتے تھے کہ من قتل مومنا متعمد افجزاء ہ جهنم خالدا فيها (النساء: ۹۳) (جس نے کسی مومن کو جان کر قتل کر دیا تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔) اور آپ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا اور یہ ناممکن ہے کہ آپ حکم دیتے۔ لایکلف اللہ نفسا الا وسعها (البقرہ: ۲۸۶) (اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا لیکن اس کی برداشت کے برابر)۔ اور یہ کام نیک لوگوں کا کام نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کام کو تمہارے

---

[1] یہاں پورا ایک صفحہ جو شیعہ سنی مناظرے سے متعلق ہے، سوقیانہ اور بازاری انداز بیان کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ (اڈیٹر)

علماء نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح ہزل و تمسخر جس سے وقار میں کمی کا پتہ چلتا ہے، ان میں زیادہ تھا۔ شیعہ عالم نے کہا کہ بیشک علیؓ سارے صحابہ سے افضل تھے۔ سنی نے پوچھا کہ علم کی بدولت یا عمل سے؟ شیعہ نے جواب دیا کہ علم میں بھی اور عمل میں بھی۔ سنی نے کہا کہ میں تسلیم نہیں کرتا کیونکہ عمل میں امیر المومنین عمرؓ کو برتری حاصل ہے۔ شیعہ نے کہا کہ علیؓ پوری رات نماز پڑھا کرتے تھے...[1]

کافر جو ہمارے پیغمبر پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امراؤ القیس کے کلام کو اُٹھا کر پیغمبر نے قرآن میں شامل کر لیا ہے اور اسی طرح شعراء کے اکثر مضامین اس میں موجود ہیں اور جاہلیت کی اکثر رسومات کو جن پر خود پیغمبر نے عمل کیا تھا، قائم رکھا اور دوسرے اعتراضات بھی مشہور ہیں، ہمیں زیادہ تر ان کے جواب کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ شیعہ کے شبہات سے کیا حرج ہے یہ لوگ تو پیغمبر کے خلفاء پر اعتراض کرتے ہیں۔ جب پہلے گروہ کا جواب ہماری زبان پر نہیں آتا تو دوسرے گروہ کے لیے بھی ایسے اعتراضات مناسب ہیں۔

جب گفتگو اس مقام تک پہنچی تو خلیفتہ الحق نے کہا کہ تم لوگ چلے جاؤ۔

ایک روز ایک نصرانی خلیفتہ الحق کی خدمت میں آیا تو بادشاہ نے مسلمانوں کے ایک عالم کو بلایا تاکہ اس سے بحث و مباحثہ کرے۔ اس کے حاضر ہونے کے بعد نصرانی نے کہا کہ تم لوگ کیا حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ مسلمان نے جواب دیا، ہاں ہم ان کو پیغمبر خدا سمجھتے ہیں اور ہمارے پیغمبر نے ان کی پیغمبری کی خبر دی ہے۔ نصرانی نے کہا کہ اس پیغمبر یعنی مسیحؑ نے خبر دی تھی کہ میرے بعد بہت سے لوگ ظاہر ہوں گے جو پیغمبری کا دعویٰ کریں گے تم ان پر ہرگز یقین نہ کرنا اور ان کی طرف مائل نہ ہونا کیونکہ وہ لوگ دروغ گو ہوں گے بلکہ میرے دین پر قائم اور ثابت قدم رہنا۔ یہاں تک کہ میں واپس آ جاؤں۔ اور انجیل میں تمہارے پیغمبر کے متعلق کوئی خبر نہیں ہے۔ مسلمان نے کہا کہ توریت اور انجیل میں ان کی خبر تھی، لیکن تمہارے بزرگوں نے اس کو ضائع کر دیا ہے۔ نصرانی نے کہا کہ وہ انجیل جو صحیح ہے کیا تمہارے پاس موجود ہے؟ مسلمان نے کہا کہ نہیں۔ نصرانی نے جواب دیا کہ اسی سے تمہاری غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ تم انجیل کے منکر ہو۔ ورنہ تمہارے پاس انجیل ہوتی جس طرح کہ ہم عیسائی توریت کو جو موسیٰ کی کتاب ہے، اپنے پاس رکھتے ہیں اور تم لوگ نہ توریت رکھتے ہو، نہ انجیل۔ اگر انجیل میں تمہارے پیغمبر کے متعلق کوئی بات ہوتی تو ہم یقیناً حضرت عیسیٰ کے قول کے مطابق ان کی طرف مائل ہو جاتے۔ اس لیے کہ دینداری سے ہمارا مقصد حضرت عیسیٰ کی فرمانبرداری ہے۔ اب ہم کو کیسے معلوم ہو کہ تمہارے پیغمبر نے سچ کہا ہے۔ مسلمان نے جواب دیا کہ ان کے معجزات کے ذریعہ جن میں سے ایک، چاند کا دو ٹکڑے ہونا ہے۔ نصرانی نے کہا کہ اگر شق القمر واقع ہوتا تو دنیا والے اس کو دیکھتے۔ اور ہر ملک کے عجائب نگار اور ہر قوم کے مورخین سچائی کی قلموں سے اس کو تحریر کرتے حالانکہ سوائے مسلمانوں کے کوئی اس کی خبر نہیں دیتا۔ اس جگہ ایک ہندو دانشمند موجود تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ کلجگ میں جو دور چہارم ہے، کسی وقت چاند کے ٹکڑے ہوئے اور پارسیوں اور ترکوں سے بھی یہی سوال کیا گیا۔ سب نے کہا کہ ہم نے اپنی تواریخ میں

---

[1] یہاں بھی ایک صفحہ حذف کر دیا گیا ہے جو مقام ادب سے گرا ہوا ہے۔ (ایڈیٹر)

ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ مسلمان عاجز وحیران رہ گیا۔

ایک روز ایک یہودی آیا۔ حضرت خلیفۃ اللہ نے نصرانی کو اس کے سامنے کر دیا۔ یہودی نے کہا کہ توریت میں حضرت عیسیٰ کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے۔ نصرانی نے جواب دیا، کیسے نہیں ہے۔ کیا حضرت داؤدؑ نہیں کہتے کہ انہوں نے میرے ہاتھوں اور پاؤں کو چیرا اور میری ساری ہڈیوں کو شمار کیا۔ یہ خبر حضرت عیسیٰ کی مصیبت اور صلیب دینے سے متعلق ہے۔ یہودی نے کہا کہ جس بات کو داؤدؑ نے اپنے بارے میں کہا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو داؤدؑ کی زبان سے نقل کر رہا ہو، وہ حضرت عیسیٰؑ کے ظہور کی خبر کیسے ہو سکتی ہے؟ نصرانی نے کہا: دوشیزہ عورت کے حاملہ ہونے کی خبر دی گئی ہے اور مریمؑ ایسی ہی تھیں۔ یہودی نے جواب دیا کہ مریمؑ کا دوشیزہ ہونا ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ تمہارے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ کی ولادت سے پہلے یوسف نجار کے نکاح میں تھیں اور لوگ عیسیٰؑ کو یوسف نجار کا بیٹا کہتے تھے۔ نصرانی نے کہا کہ یہ صحیح ہے لیکن یوسف نے مریمؑ کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ یہودی نے چلا کر کہا کہ یہ کہاں سے ثابت ہوا۔ اسی طرح جو کچھ نصرانی نے کہا، اس کا یہودی نے ایسا جواب دیا کہ نصرانی عاجز وحیران رہ گیا۔

ایک دن ایک دانش مند فلسفی آیا اور خلوت میں جہاں ہندو بھی موجود تھے، تین فاضل مسلمان، نصرانی اور یہودی کو بلا کر ان کو حکیم فاضل کے سامنے کر دیا۔ حکیم نے کہا کہ ان کے پیغمبروں کی نبوت کئی وجوہ کی بنا پر ثابت نہیں ہوتی۔ اوّل پیغمبر کو چاہیے کہ ایسی بات کہے جسے عقل منظور کرے۔ دوسرے پیغمبر کو مہذب اور کم آزار ہونا چاہیے۔ ان کے خیال میں موسیٰؑ فرعون کے پروردہ تھے۔ جب موسیٰؑ نے اس کو دھوکہ سے دریائے نیل میں غرق کر دیا تو اس کی توبہ کو نہیں سنا اور یہ جو کہتے ہیں کہ دریائے نیل نے ان کو راستہ دے دیا تھا تو یہ غلط ہے۔ نیز انہوں نے قارون کی توبہ کو پسند نہ کیا اور دولت کے لالچ میں اس کو حکم دیا کہ زمین میں اس کو پوشیدہ کر دیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے جانوروں کے گشت وخون کو جائز قرار دیا تھا اور خود حضرت محمدؐ نے... اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کیا اور ازواج کی طرف ان کا زیادہ میلان تھا۔ پس ان باتوں کے ہوتے ہوئے ہم پیغمبر کو کیسے پہچانیں؟ سب نے جواب دیا کہ معجزہ کے ذریعہ۔ حکیم نے پوچھا کہ تمہارے پیغمبروں کا معجزہ کیا ہے؟ یہودی نے جواب دیا کہ کیا تو نے موسیٰؑ کے عصا کے متعلق نہیں سنا جو سانپ ہو جاتا تھا۔ حکیم نے اپنے پٹکہ کو اٹھایا اور اس میں دم پھونک کر چھوڑ دیا، وہ ایک بڑا سانپ ہو گیا اور یہودی کی طرف اس نے رخ کیا۔ حکیم نے ہاتھ بڑھایا اور اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ یہی حضرت موسیٰؑ کا معجزہ ہے۔ یہودی اپنی جان کے خوف سے ایسا بدحواس ہوا کہ پھر دم نہ مار سکا۔ عیسائی نے کہا کہ حضرت مسیحؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ حکیم نے جواب دیا کہ تم لوگ خود کہتے ہو کہ مریمؑ کو یوسف نجار نے اپنی بیوی بنایا تھا، پھر تم کو کہاں سے معلوم ہوا کہ وہ یوسف کے بیٹے نہیں تھے۔ نصرانی عاجز وحیران رہ گیا۔ مسلمان نے کہا کہ ہمارے پیغمبر قرآن لائے اور چاند کے ٹکڑے کیے اور معراج میں گئے۔ حکیم نے کہا کہ تم لوگوں کے قرآن میں ہے: وقالوا لن نومن لک حتی تفجرلنا من الارض ینبوعا اوتکون لک جنة من نخیل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجیرا اوتسقط السماء کما

زعمت علینا کسفا اوتاتی باللہ والملئکۃ قبیلا اویکون لک بیت من زخرف اوترقی فی السماء ولن نومن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ قل سبحان ربی ھل کنت الابشرا رسولا. (الاسراء: ۹۰-۹۳) ''یعنی انہوں نے کہا کہ اے محمدؐ! ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے پانی کا چشمہ نہ پیدا کریں یا یہ کہ آپ کے پاس کھجور اور انگوار کا ایک باغ ہو اور اس کے درمیان آپ پانی کی نہریں جاری کریں یا یہ کہ آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین پر گرا دیں۔ یا یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو لے کر آویں یا یہ کہ آپ کے پاس سونے کا کوئی مکان ہو یا یہ کہ آپ آسمان کے اوپر چڑھ جائیں اور آپ کے اوپر چڑھنے پر ہم ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمارے اوپر ایک کتاب اتار کر نہ لائیں جس کو ہم پڑھیں۔'' اس کے جواب کے طور پر فرماتے ہیں۔ اے محمدؐ! آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک انسان ہوں جو بھیجا گیا ہوں۔''

اس سے انصاف پسند آدمی جان سکتا ہے کہ جب وہ پانی کی نہریں جاری نہ کر سکے تو انہوں نے وہ معجزات کیسے دکھلائے جو لوگوں نے نقل کیے ہیں، جب وہ اس بات پر قادر نہ تھے کہ آسمان کے ٹکڑے کریں تو انہوں نے کس طرح سے چاند کے ٹکڑے کیے۔ جب وہ فرشتوں کو نہ دکھلا سکے تو پھر کیسے جبرئیل کو اپنی ظاہری آنکھ سے دیکھتے تھے اور ان کی آواز سنتے تھے اور صحابہ بھی ان کو اعرابی کی شکل میں دیکھتے تھے اور جب منکروں کے سامنے اپنے جسم کے ساتھ آسمان پر نہ چڑھ سکے تو ان کی معراجِ جسمانی کیسے تھی اور جب ایک تحریر نہ لا سکے تو قرآن ان پر کیسے نازل ہو گیا۔

ایک زردشتی گوشے میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا کہ یہ سب باتیں نہ کہہ اور معجزات کا انکار نہ کر کیونکہ ہمارا پیغمبر بھی آسمان پر گیا تھا۔ حکیم نے جواب دیا کہ تم لوگ یزدان اور اہرمن کے قائل ہو، تا کہ یہ کہہ سکو کہ یزدان بُرائی نہیں کرتا۔ پھر کہتے ہو کہ اہرمن اللہ تعالیٰ کے بُرے خیال سے پیدا ہوا۔ پس وہ خدا کی طرف سے ہوا اور بُرائی خدا کی طرف سے ہوئی۔ چونکہ تم نے اپنے اصول میں غلطی کی ہے، اس لیے دوسری غلطی اسی کا نتیجہ ہے۔

ایک برہمن دانشمند بولا کہ تو نے انبیاء کا انکار کیا ہے اور ہمارے اوتار بمنزلۂ انبیاء کے ہیں۔ حکیم نے جواب دیا کہ تم لوگ پہلے تو حق تعالیٰ کو مجرد کہتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ حق تعالیٰ تجرد کے درجہ سے اتر کر ایک بڑا جسم بن گیا، حالانکہ حق تعالیٰ جسم کا لباس پہننے والا نہیں ہو سکتا جس سے مراد امکان اور احساس ہے۔ اسی طرح تم نے فرشتوں کے لیے بیویاں قرار دی ہیں اور بشن جس کو بعض عبارتوں میں آفرینش دوم اور بعض دوسری جگہ خدائے مطلق سمجھتے ہو، اس کے لیے کہتے ہو کہ وہ اپنے درجے سے اتر کر باری باری مچھلی، سور، کچھوا اور انسان کے اندر آ گیا۔ رام کی زندگی میں اس کی بیوی کو اُٹھا لے گئے اور وہ نادان تھا اور اس نے ہندوستان کے ایک دانشمند کی شاگردی میں علم حاصل کیا یہاں تک کہ جسم سے آزاد ہو گیا۔ کرشن کے بھیس میں اس کی شہوت پرستی اور جھوٹ کو تم خود نقل کرتے ہو۔ تم نے کہا کہ اس حالت میں حق تعالیٰ عالمِ اطلاق میں تھوڑی دیر رہا اور کرشن کے

جسم میں زیادہ آ گیا تھا۔ انسان جو انواع حیوانات میں سب سے زیادہ عادل اور افضل ہے اس کو سور اور بچھوا کی پرستش کے لیے مقرر کرتے ہو۔ مہادیو کو بھی بعض مقامات پر خدا سمجھتے ہو، اس لیے کہ آلۂ تناسل کی شکل اور اس کی بیوی کی شرمگاہ کو بنا کر پوجا کرتے ہو اور اس درجہ بھی نہیں سمجھتے کہ نادان دانشمند کا خالق نہیں ہوسکتا اور مجرد بسیط تقسیم نہیں ہوسکتا اور ذاتِ واجب کا تعدد محال ہے اور ذلیل کی پرستش سے شریف کا کمال بڑھ نہیں سکتا۔ ان باتوں پر اس نے ایسے دلائل و براہین قائم کیے کہ برہمن خاموش ہوگیا۔

بعد ازاں حکیم نے کہا کہ بالیقین جان لو کہ ناموسِ اکبر کا حامل نبی کامل اور رسول فاضل یعنی حضرت عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ واجب الوجود حکیم ہے اور مخلوق کو ایسی عبادت کا حکم دیتا ہے جسے ان کی عقلیں سمجھ سکیں اور جب عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ عالم کے لیے ایک قادر اور حکیم صانع ہے اور اس نے امکان نژاد بندوں کے احوال پر انواع و اقسام کی نعمتیں فائض کی ہیں جو باعثِ شکر و سپاس ہیں۔ لہٰذا ہم اپنی عقلوں کی روشنی سے آفرینش کی باریکیوں میں غور کریں اور اپنی عقل کے مطابق اس کی نعمتوں کا شکر بجا لائیں۔ جب ہم مبداء تعالیٰ کی معرفت کی ہدایت پا جائیں اور شکر کی توفیق حاصل ہو جائے تو ہم اس کے ثواب سے بہرہ ور ہو جائیں گے اور اگر اس کی وحدانیت سے انکار اور کفرانِ نعمت سے مبتلا ہوں گے تو ہم عذاب کے مستحق ہوں گے۔ جب یہ حال ہے تو پھر ہم کیوں اس شخص کی اطاعت کریں گے، جو بشر ہونے میں ہمارے مثل ہو اور جو غضب و شہوت، حرص و ہوس حب جاہ و ریاست میں ہم سے زیادہ گرفتار ہو کیونکہ اگر وہ شخص بشر ہم کو معرفت اور شکر کا حکم دیتا ہے تو ہم اپنی عقلوں کی مدد سے خود اس پر فائز ہو سکتے ہیں اور اگر عقل جس بات کی مقتضی ہے، اس کے خلاف وہ حکم دیتا ہے تو اس کا یہ حکم ہی اس کے کاذب ہونے کی دلیل ہے، اس لیے کہ عقل دلالت کرتی ہے کہ عالم کے لیے ایک صانع حکیم ہے اور حکیم مخلوق کو ایسی عبادت کا حکم دیتا ہے جو ان کی عقلوں میں بری نہ معلوم ہوں اور جو چیز بری معلوم ہوتی ہے، حکیم اس کا حکم نہیں دیتا اور شریعت میں اکثر امور ہیں جن کو عقل برا سمجھتی ہے مثلاً اللہ سے باتیں کرنا۔ فرشتہ مجرد کا انسانی شکل میں گندے جسم کے ساتھ اتر آنا۔ جسم عنصری کے ساتھ آسمانوں کے اوپر چڑھ جانا۔ عبادت میں ایک مخصوص گھر کی طرف رخ کرنا۔ اس کا طواف کرنا اور اس میں داخل ہونا، سعی کرنا، کنکری پھینکنا، لبیک کہنا اور حجر اسود کو بوسہ دینا۔ اگر کہا جائے کہ بغیر جہت کے اللہ تعالیٰ کی پرستش نہیں کی جا سکتی اور اس سے تعلق قائم کرنے کے واسطے ایک جگہ مقرر کرنی چاہیے تو عبادت اور شکر گزاری کے لیے کوئی خاص جہت اور جگہ کی ضرورت نہیں اور اگر کوئی خاص جگہ مقرر ہونی چاہیے تو کواکب علوی ہی شکلیں اس کے لیے بہتر ہیں۔ اگر اس کے بعد کہیں کہ یہ چیز تو شرک کی برائی سے خالی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ایک مخصوص مقام جو چند خصوصیات کی وجہ سے دوسرے مقامات سے ممتاز ہے، وہ اس قسم کی توجہ کے لیے زیادہ مناسب ہے اور چونکہ ہندسہ و ریاضی کے ماہرین کے آلاتِ حدس کے لحاظ سے اس مقام کو سارے اجزاء ارضی اور مقامات سے وہی نسبت ہے جو مرکز دائرہ کو دائرہ سے ہوتی ہے اور بلاشبہ محیط دائرہ کے ہر جزو کو نقطۂ مرکز سے ایک خاص نسبت ہوتی ہے، لہٰذا اس اصول کے مطابق جملہ مقررہ مقامات کے لیے اس مقام کی طرف ایک خاص جہت

نسبتی ہوگی۔ لہٰذا یہ مقام منجملہ دوسرے مقامات کے جہت توجہ متعین کرنے کے لائق معلوم ہوتی ہے۔ (اس کا جواب یہ ہے کہ) یہ خیال متفق علیہ نہیں ہے، اس لیے کہ اس بیان کے یعنی اس مقام کے مثل مرکز اور نقطہ ہونے کے بہت سے اکابر قائل نہیں ہیں اور زمین کی پیائش کرنے والوں میں سے بہت سے لوگوں نے دوسرے مقام کو اس صفت یعنی درمیان ہونے کے ساتھ مخصوص کیا ہے جیسا کہ حکمائے براہمہ وغیرہم کی کتابیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ اس خیال کو تسلیم کرنے کی صورت میں بھی یہ طریقہ شرک کے توہم سے خالی نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ کوئی گمان کرسکتا ہے کہ حق تعالیٰ سے مراد ایک گھر ہے یا یہ کہ وہ جسم ہے، اسی لیے اس کو بیت اللہ کہتے ہیں۔ اور اگر ایسا ہے یعنی کعبہ زمین میں درمیانی مقام ہے تو دوسرے انبیاء نے جو دوسرے مقامات کو منتخب کیا ہے، مثلاً بیت المقدس وغیرہ تو وہ غلطی پر ہوں گے۔ اسی طرح شروع زمانے میں حضرت محمد بھی کعبہ کی طرف رُخ کرکے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اور اگر پتھر، مٹی اور اجسام کی پرستش میں توہم شرک کی خرابی نہیں ہے تو پانی، آگ اور ستارے اس کے زیادہ لائق ہیں کہ ہم ان کی طرف رُخ کریں اور اگر درمیانی ہونا منظور ہے تو آفتاب ساتواں افلاک قدیم کے درمیان ہے۔ اسی طرح حیوانات کا ذبح کرنا اور اس چیز کو حرام کردینا جو انسان کی خوراک ہوسکتی ہے اور اس چیز کو حلال کردینا جو جسم کو نقصان پہنچاتی ہے۔ مثلاً سور کھانا ناجائز ہے تو پھر عیسیٰؑ نے کیوں اسے جائز کردیا تھا۔ اگر اس کی تحریم کا سبب نجاست اور گندی چیزوں کے کھانے سے اس کی آلودگی ہے تو پھر مرغا بھی اسی طرح اس بُرائی میں مبتلا ہے۔ اسی طرح ساری باتیں عقل کے فیصلے کے خلاف ہیں، لیکن سب سے بڑی مصیبت جو رسالت کے ماننے میں رکاوٹ ہے، یہ ہے کہ لوگ نوعِ بشر میں سے اپنے جیسے شخص کی اتباع میں گرفتار ہوتے ہیں جو انسانی عوارض ولواحق سے متعلق ہوتا ہے۔ مثلاً کھانا پینا وغیرہ۔ وہ اپنے تصرفات سے ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور حیوانوں کی طرح جس طرف وہ چاہتا ہے ان کو ہانکتا ہے... جو خود نو عورتوں سے نکاح کرتا ہے اور اپنے پیروؤں کو باوجود استطاعت کے چار عورتوں سے زیادہ کی اجازت نہیں دیتا... آخر کس برتری اور کس فضیلت کی وجہ سے اس کی اطاعت واجب ہے؟ اور اس دعویٰ کی سچائی پر کیا چیز دلیل ہوسکتی ہے، اگر محض اس لیے کہ وہ قولِ رسول ہے تو اس کا قول اس لحاظ سے کہ قول ہے دوسرے اقوال پر برتری نہیں رکھتا یا اگر اس لیے کہ جو قولِ صحت کے درجہ پر پہنچتا ہے۔ وہ اس کا قول ہے تو اس کی امت میں کثرتِ اختلاف کی وجہ سے یہ بات معلوم نہیں۔ اور اگر معجزہ کی دلیل سے یہ اطاعت مربوط ہے تو معجزہ سوائے روایت اور دیووں کے افسانوں کے ذریعہ اور کسی طرح ثابت نہیں ہوا اور چونکہ زیادہ عرصہ سے روایت کا گھر ویران پڑا ہے، اس لیے وہ اعتماد کے لائق نہیں۔ یہ حقیقت تسلیم کرنے کی صورت میں کہ علومِ غریبہ بکثرت اور اجسام کی خصوصیات بیحد اور بے شمار ہیں، ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ اس قسم کا واقعہ جس کو تُو معجزہ سمجھتا ہے، وہ بعض اجسام کی خصوصیات میں سے ہو جو علوم غریبہ کے اندر ظاہر ہو۔ تیرے نزدیک شق القمر جس کے متعلق تُو نے سنا ہے کہ معجزہ ہے تو ماہِ کاشغر کیوں حجت نہیں ہوسکتا اور جب تو موسیٰؑ کو کلیم اللہ کہتا ہے تو سامری کو جس نے بولنے والا بچھڑا بنا دیا، موسیٰؑ سے زیادہ کلیم کیوں نہیں کہتا۔

لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ہر عقل میں اتنی قوت نہیں کہ اونچی بات کو سمجھ سکے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل نے عقول ونفوس کے مختلف مراتب کو ایک خاص ترتیب دی ہے چنانچہ بعض کو بعض سے اعلیٰ بنا دیا ہے اور نور الانوار کی رحمت فیض ہدایت سے انبیاء کو ان عقلوں سے زیادہ ملتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو نبی مخلوق کے کسی کام نہ آئے گا کیونکہ وہ ایسی بات کہتا ہے کہ وہ لوگ اسے نہیں سمجھتے اور ان کی عقل اسے قبول نہیں کرتی اور وہ بذریعہ شمشیر چاہتا ہے کہ اس کو جاری کر دے اس لیے کہ وہ کم سمجھ والوں سے کہتا ہے کہ میرا لایا ہوا کلام تمہاری عقل سے بالاتر ہے اور تمہارا ذہن وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور عقلاء سے کہتا ہے کہ میرا دین عقل کے طور وطریقے سے برتر ہے۔ لہٰذا اس کا دین نہ تو کم سمجھ والوں کے کام آئے گا اور نہ عقل والوں کے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ اس صورت میں عقل کو پیدا کرنے اور اسے لوگوں کو عطا کرنے میں کوئی حکمت اور فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے[1] ہیں: لایکلّف اللہ نفسا الاوُسعھا (البقرہ:۲۸۶) (نہیں تکلیف دیتا اللہ تعالیٰ کسی نفس کو لیکن اس کی برداشت کے مطابق) اور ہر وہ بات جس کا ادراک کرنا عقل کی وسعت کی گنجائش سے باہر ہو، اس کی درستگی مخفی رہتی ہے اور اس کا اقرار کرنا حماقت ہے۔ حالانکہ دوسرے عقلاء کے کلام اس حدیث وکتابت سے بدرجہا بہتر ہیں۔ علاوہ ازیں جب یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا کہ انبیاء برحق ہیں تو ہر شخص اس قابل ہے کہ جب چاہے اس کا دعویٰ کر بیٹھے کیونکہ بیوقوف لوگ اس لیے اس کی طرف مائل ہو جائیں گے کہ اس کی عقل ہماری عقل سے بالاتر ہے، اس لیے کہ ہماری عقل اس کے برابر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اہلِ اسلام اور دوسرے مذاہب میں بہت سے فرقے اور بیشمار اقوال واعمال موجود ہیں۔

ایک اور خرابی یہ ہے کہ جب لوگوں نے ایک نبی کے دین کو قبول کر لیا تو خدا شناسی اور حق پرستی میں اس کی پیروی کرنے لگے۔ کچھ عرصہ کے بعد دوسرا نبی آتا ہے اور خدا پرستی اور حق شناسی کے معاملہ میں مخلوق کو دوسری بات کا حکم دیتا ہے تو لوگ حیران رہ جاتے ہیں کہ شاید وہ پہلا نبی (العیاذ باللہ) دروغ گو تھا۔ اگر کہا جائے کہ ہر دور میں مخلوق کے لیے اس زمانے کے موافق شریعت ہونی چاہیے مگر حق شناسی کے معاملہ میں اختلاف کرنا نامناسب ہے پھر بھی چاروں کتابوں میں حق شناسی میں اختلافات بکثرت ہیں۔ گویا شروع میں حق تعالیٰ نے خود کو شناخت نہیں کرایا اور اپنے متعلق پہلے عقیدے کو غلط قرار دیا اور دوسری کتاب میں دوسری بات کا حکم دیا پھر اسی طرح تیسری اور چوتھی کتابوں میں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ عقلوں سے متصف لوگوں کے لیے معرفت حق کے معاملہ میں نجات صرف ناموس اکبر کے حامل نبی کامل یعنی عقل کے حکم کی پیروی میں ہے اور ان اعمال سے جب دنیا وترک کرنا اور اس سے دور رہنا، شہوات ولذات کو ختم کر دینا اور جانداروں کو قتل کرنے، لوگوں کا مال حلال سمجھنے، زنا، جھوٹ، تہمت، ظلم، ایذا رسانی، حماقت اور لوگوں کو برے القاب دینے سے اور اجزائے آخرت کا انکار کرنے سے احتراز کرنا، دینِ حق کی مختلف شکلیں دس صفتوں میں منحصر ہیں۔ اول جود وکرم، دوم گنہگار کو معاف کر دینا اور غصہ کو حلم سے

---

[1] یہاں (سہواً) اس آیت کریمہ کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کی گئی تھی۔ (ایڈیٹر)

دور کرنا، سوم دنیاوی خواہشات سے باز رہنا، چہارم عالمِ کون وفساد کی قید سے رہائی کی فکر کرنا اور اس عالم دائم الوجود کے لیے اسبابِ لذت فراہم کرنا۔ پنجم عقل و ادب کی ریاضت کرنا اور کاموں کے انجام میں زیادہ غور کرنا، ششم بلند مقاصد کے حاصل کرنے میں عقل استعمال کرنا، ہفتم دھیمی آواز، نرم گفتگو اور ہر شخص سے شیریں کلام ہونا، ہشتم دوستوں کے ساتھ حسنِ معاشرت بدیں طور کہ ان کی پسند کو اپنی پسند پر مقدم سمجھے، نہم مخلوق سے بالکل اعراض کرنا اور پورے طور پر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا، دہم حق تعالیٰ کی طرف شوق اور حضرت کریم سے واصل ہونے کے لیے جان دے دینا، اس طور پر کہ جب تک روحِ جسم میں جو ہمیشہ خود کو اس کے ساتھ سمجھے اور اس سے اتصال کی خواہاں رہے یہاں تک کہ جسم سے قطع تعلق کا وقت آ جائے۔ بہترین لوگ وہ ہیں جو تھوڑی غذا پر قناعت کرتے ہیں اور دُنیائے فانی سے احتراز کرتے ہیں اور لذیذ غذاؤں، مشروبات، پوشاک اور نکاح کو بالکل ترک کر دیتے ہیں اور پست ترین وہ لوگ ہیں جو اولاد پیدا کرنے اور لذیذ کھانے پینے کی طرف رغبت کو جس قدر بھی ان کو حق پہنچے حلال سمجھتے ہیں اور چونکہ یہ طریقہ دشوار ہے جس کے لیے نبی کامل اور رسولِ اکبر یعنی عقل نے حکم دیا ہے، اس لیے اس کے پیروؤں نے لازمی طور پر نفسِ حیوانی کے شیطان کو دین میں ابھار دیا ہے... مجلس کے اندر کوئی بھی حکیم فاضل کے جواب سے عہدہ برآ نہ ہو سکا اور حکیم بے تعلقی کے ساتھ جو وہ رکھتا تھا، باہر چلا گیا۔

حضرت خلیفہ اللہ نے مریدوں سے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی پرستش ناگزیر اور اس کے مقربین کی ستائش ضروری ہے اور انسانوں میں کوئی شخص ستاروں کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے کہ انسان کو ستاروں کا درجہ حاصل نہیں۔ سوائے ایزد متعال کے سالک کا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہوتا یعنی جو کام بھی سالک کرتا ہے، اس کام سے مقصود صرف خدا ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی چیز اس لیے کھاتا ہے کہ خدا کی عبادت کر سکے اور ملازمت اس لیے کرتا ہے کہ خدا کی عبادت میں عاجز اور محتاج نہ رہے اور عورت سے شادی اس لیے کرتا ہے کہ اس سے نیک اور خدا پرست اولاد پیدا ہو اور انوار و کواکب کی اس لیے تعظیم کرتا ہے کہ وہ خدا کی مقرب مخلوقات ہیں اور سوتا اس وجہ سے ہے کہ اس کی روح عالم علوی میں پہنچ جائے۔ لہٰذا سالک سارے اوقات میں حق تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت میں مصروف رہتا ہے اور ایک لحظہ بھی نماز سے غافل نہیں ہوتا اور جاندار کو ایذا رسانی سے پرہیز کو واجب سمجھتا ہے اور حضرت حق تعالیٰ کی مخلوقات کو محترم خیال کرتا ہے اور ہرے بھرے درخت اور گھاس کو بلاضرورت نہیں کاٹتا اور زمین میں ہر جگہ کو گندا نہیں کرتا لیکن مخصوص جگہ کو اور پانی اور آگ کو بُری جگہ نہیں پھینکتا اور ستاروں کو درود بھیجتا ہے۔ پھر ان حالات میں کم بولنے، کم کھانے اور کم سونے کی عادت ڈالتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے بہت سے اشغال میں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ سالک ظاہری حواس کو انگلیوں سے بند کر لیتا ہے اور حضرت نیر اعظم (آفتاب) کا تصور کرتا ہے، یہاں تک کہ اس ورزش میں اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ محض آنکھ بند کرتے ہی وہ حاضر ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں ہندوستان، ایران اور یونان وغیرہ کے بزرگوں اور بلند شخصیتوں میں سے جس کو بھی وہ چاہتا ہے، اس کے سامنے حاضر ہو جاتے ہیں۔ اور وہ انوار کا مشاہدہ کرتا ہے، درجات طے کرتا

ہے اور صاحبِ بقا وفنا ہو جاتا ہے۔ فرماں بردار لوگ حضرت خلیفۃ الحق کو الٰہی اس لیے کہتے ہیں کہ ہر کام میں ان کا مقصد خدا ہے اور حضرت خدا کے حکم سے ستاروں کی پرستش اور ستاروں کو قبلہ سمجھنے کے لیے مامور تھے۔

نین جوت نے یہ خبر سنائی کہ حضرت کے عہد میں علماء باہم جمع ہوئے تو مخدوم الملک نے فتویٰ دیا کہ اس زمانے میں حج کے لیے جانا واجب نہیں بلکہ اگر کوئی جاتا ہے تو وہ عذاب کا مستحق ہے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ خشکی کی طرف سے مکہ جانے کا راستہ صرف عراق سے ہے اور پانی کا راستہ صرف گجرات اور اہلِ فرنگ کی بندرگاہوں کی طرف سے ہے۔ خشکی کے راستہ میں قزلباش قوم کی بری باتیں سننی پڑتی ہیں اور سمندر کے راستہ میں فرنگیوں سے عہد و پیمان باندھ کر زبون حالی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اس عہد نامہ میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی شکلیں بنا رکھی ہیں اور یہ عمل بت پرستی کا حکم رکھتا ہے۔

حضرت نے ایک دن فرمایا کہ میں نے شیخ عبدالنبی سے سنا کہ اہلسنت کے مجتہدوں میں سے ایک نے نو بیویوں تک کو جائز کر دیا ہے اور علماء نے کہا ہے کہ اس مجتہد نے یہ دلیل بتلائی: فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث و رباع (النساء: ۳) (پس نکاح کرو، عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار) اور اس آیت کے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہوئے اٹھارہ بیویوں تک کو جائز قرار دیا ہے اور علماء نے یہ بھی فتویٰ دیا کہ متعہ کے طور پر جس قدر عورتوں سے نکاح کرنا ممکن ہو وہ مباح ہے اور یہ چیز امام مالک کے مذہب میں جائز ہے۔ اہلِ تشیع نے کہا کہ جو لڑکا متعہ کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے، وہ دوسرے لڑکوں سے زیادہ محترم ہے۔ نقیب خاں نے موطا امام مالک لا کر دکھلایا جس کے آخر میں انہوں نے متعہ کے جواز کے لیے تصریح ثابت کی ہے۔ ان علماء نے یہ بھی کہا کہ قرآن میں ہے: نساء كم حرث لكم فاتوا حرثكم انى شئتم (البقرہ: ۲۲۳) (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، پس اپنی کھیتیوں کے پاس آؤ، جہاں سے تم چاہو۔) اس آیت پر نظر رکھتے ہوئے قُبل اور دُبر دونوں راستے سے جانا جائز ہے اور آگے پیچھے دونوں طرف سے دخول جائز ہے۔[1] نین جوت کہتا ہے کہ اس طرح جب لوگوں نے مسلمانوں کی پرانی تاریخ کو پڑھا تو صحابہ کے متعلق فاسد عقیدے قائم کیے۔ حکماء نے جملہ شریعتوں کا قیدیات نام رکھ دیا اور کہا کہ دین کا دارومدار عقل پر ہے اور کوئی شخص مناظرہ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ علمائے فرنگ آتے تھے اور بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ شیخ بھاون نامی ایک دانشمند برہمن ملک دکن سے اپنے اعزہ کے انتقام کے لیے آ کر مسلمان ہو گیا تھا اور اس کا یہ نام رکھا گیا۔ اس کے پاس چوتھا بید تھا، اس کتاب کے بعض احکام کے بیان میں اس نے ایک عبارت دکھلائی جس میں حرفِ لام بکثرت تھا اور وہ عبارت کلمہ لا الہ الا اللہ کے مشابہ تھی اور اس جگہ لکھا تھا کہ جب تک اس عبارت کو نہ پڑھیں گے نجات نہ پائیں گے۔ دوسرے یہ کہ گائے کا گوشت کھانا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ نیز یہ کہ مردہ کو دفن کریں اور نہ جلائیں۔ شیخ مذکور سارے برہمنوں پر غالب آ گیا تھا۔ نین جوت کہتا ہے کہ میں نے اس سے کہا کہ اس عبارت کا ترجمہ کرو۔ جب اس نے ترجمہ کیا تو اس کا مفہوم لا الہ الا اللہ کے سراسر خلاف

---

[1] قرآن مجید کے لفظ 'حرث' سے پتہ چلتا ہے کہ کھیتی اس زمین میں پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے اس لفظ سے "دبر" مراد لینا ایک ظلم عظیم ہے۔ (ایڈیٹر)

اور برعکس تھا اور گائے کے گوشت کھانے کی شرائط بھی مسلمانوں کے طریقہ کے خلاف تھیں۔ اس طرح مردہ دفن کرنے کو دوسری طرح سے ذکر کیا جو مسلمانوں کے دین میں جائز نہیں ہے۔ حضرت اور سب لوگ اس برہمن پر ہنسنے لگے اور آپ نے فرمایا کہ ذرا مسلمان اور ہندوؤں کو دیکھو کہ باوجود اس قدر مباحثہ کے کسی نے بھی نہ پوچھا کہ اس عبارت کا کیا مفہوم ہے اور مجھ سے اس عبارت کی بڑی تعریف کی۔

میر سیّد شریف آملی نے دیپالپور کی منزل میں آ کر حضرت (اکبر) سے ملاقات کی اور علانیہ محمود سپاخوانی کی طرف سے علماء سے مناظرہ کر کے ان کو لاجواب کر دیا۔ حضرت نے اس پر بھی اپنا سایہ عاطفت پھیلایا۔ اختلافِ مذاہب کی یہ حد ہو گئی تھی کہ علماء ایک دوسرے کو کافر کہتے تھے۔ حکماء اور صوفیہ مجلسِ بہشت آئین میں کہتے تھے کہ سارے مذاہب میں عقلاء موجود ہیں پھر ترجیح بلامرجح کیسے ہو سکتی ہے؟ حالانکہ ہزار سال سے زیادہ مدت اس دین پر نہیں گزری تھی۔

اسی طرح بچوں کی ایک جماعت کو ایک مقام میں رکھ دیا جس کو گُنگ محل کہتے تھے اور ساری ضروریاتِ زندگی ان کے پاس رکھ دیں لیکن کوئی شخص وہاں بول نہیں سکتا تھا۔ یہ بچے چودہ برس کے ہو گئے مگر گونگے رہ گئے۔ اس سے معلوم کیا کہ بات چیت اور زبان انسانوں کے لیے فطری نہیں ہے یعنی اس کو اختیار نہیں کر سکتے لیکن سیکھنے کے بعد، اس کے بعد کلام کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ عالم قدیم ہے اور زبانیں بھی دائمی ہیں۔ نیز برہمنوں نے اپنے دین کی صداقت اور دوسرے مذاہب کے بطلان کے لیے دلائلِ عقلی اور شواہد نقلی پیش کیے۔

تاج العارفین شیخ تاج الدین ولد شیخ زکریا اجودھنی، دہلوی نے صوفیہ کے شطحیات، وحدت الوجود کے مقدمات، فرعون کے ایمان کا مسئلہ جو فصوص الحکم میں درج ہے اور خوف پر امید کی ترجیح کو بیان کیا۔ چونکہ حضرت (اکبر) نے عجمی بادشاہوں کے اس طریقہ کو کہ لوگ ان کے لیے نماز پڑھتے تھے، پسند کیا اس لیے صوفیہ نے انسانِ کامل سے خلیفۂ وقت مراد لے کر اس کے لیے سجدہ جائز کر دیا، اس لیے صوفیہ، انسانِ کامل کو سجدہ کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس رمز سے کہ فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا، مراد یہ ہے کہ عقلاء جو زمین کے فرشتے ہیں، انسانِ کامل کے لیے جو خدا کا خلیفہ ہے، نماز پڑھیں اور اس درجہ پر پہنچنے والے مشابہت کے واسطے اس میں مشغول ہو جائیں۔ انہوں نے انسانِ کامل کو کعبہ اور قبلہ بھی کہا کیونکہ خدا کا گھر انسان کا دل ہے اور خدا کی پرستش میں اس کی طرف متوجہ ہونا درست ہے۔ اسی بنا پر حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹوں نے یوسفؑ کو سجدہ کیا تھا۔

شیخ یعقوب صرفی کشمیری نے جو اس وقت کے پیرومرشد تھے، عین القضاۃ ہمدانی سے نقل کیا کہ محمدؐ الہادی نام کے مظہر ہیں اور ابلیس المضل نام کا مظہر ہے اور باب انجیل لا کر تین خداؤں کے وجود پر دلائل پیش کیے کہ یہ عقیدہ حق ہے اور نصرانیت کو ثابت کیا۔

چونکہ حضرت ہر قسم کے لوگوں کو دوست رکھتے تھے، اس لیے نواب علامی شیخ ابوالفضل جنہوں نے

حضرت کے معجزات کومکرر دیکھا تھا، اس کے ترجمہ کے لیے مقرر کیے گئے اور بسم اللہ کی جگہ پر یہ شعر لکھا:

اے نام تو دیزز و کرسٹو سُبحانکَ لا اِلٰہ اِلّا ھُو

راجہ بیربل نے ذہن نشین کرایا کہ آفتاب مظہر کامل ہے اور غلّہ پکنا، زراعت، میوہ، سبزی، روشنی اور حیات اسی کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح آگ پانی، پتھر اور درخت سب کے سب حق تعالیٰ کے مظہر ہیں۔ اس نے قشقہ اور زنار کا مظاہرہ کیا اور حکمائے مقربین نے فتویٰ دیا کہ آفتاب نیرِ اعظم، نیر اکبر، دنیا کے لیے عطا بخش اور بادشاہوں کا سرپرست ہے۔ یزدانیوں نے کہا کہ عالم مجردات کا آفتاب واجب الوجود ہے اور عالم اجسام کا آفتاب سورج ہے جو اللہ کا خلیفہ ہے۔ آفتاب پرستوں کے ایک گروہ نے بیان کیا کہ مجردات کے وجود اور واجب الوجود کے تجرد کے معاملہ میں علماء کا ایک اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک جماعت نے ان سے انکار کیا ہے لیکن آفتاب کے وجود اور اس کی روشنی اور فیض کے متعلق کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ چونکہ حضرت (اکبر) خدا کی طرف سے مقرر کیے گئے تھے، اس لیے وہ دُعائیں جو آفتاب کی تعریف پر مشتمل ہیں، ان کو فارسی، ہندی، ترکی اور عربی میں پڑھتے تھے۔ منجملہ ان کی ایک دعا وہ تھی جسے ہندو نصف شب میں اور طلوع آفتاب کے وقت پڑھتے ہیں۔ گائے ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا حرام قرار دیا گیا۔ اس لیے کہ طبیبوں نے کہا کہ گائے کا گوشت خارش، داد، جذام، اور داء الفیل وغیرہ امراض پیدا کرتا ہے۔ نیز دیر ہضم ہے اور ہندوؤں نے کہا کہ گائے سے اتنے زیادہ فائدے ہیں کہ اس کو ذبح کرنا ناانصافی ہے۔ یزدانیوں نے کہا کہ بے آزار جانور کو ذبح کرنا ظلم ہے اور ظالم خداوند تعالیٰ کا دشمن ہے۔ اس زمانہ کے علماء نے بھی امام مجد الدین محمد بن یعقوب بن محمد فیروز آبادی کی کتاب **صراط المستقیم** لاکر دکھائی جس میں وہ کہتے ہیں کہ یہ جو مقولہ مشہور ہے: **افضل طعام الدنیا والآخرۃ اللحم** (دنیا و آخرت کے کھانوں میں افضل گوشت ہے۔) یہ کہیں سے ثابت نہیں ہے اور ہریسہ کی خوبی کے بارے میں کوئی چیز ثابت نہیں نیز سفید مرغا کی فضیلت کے متعلق بھی کوئی چیز موجود نہیں ہے اور ولد الزنا کے متعلق جو مشہور ہے کہ **ولد الزنا لایدخل الجنۃ** (زنا کی اولاد جنت میں داخل نہ ہوگی) یہ بھی ثابت نہیں، یہ باطل ہے۔ حضرت خلیفۃ الحق نے بھی بشارت دی کہ گائے ذبح نہ کرنی چاہیے۔

اس طرح آتش پرستوں نے جو ملک گجرات کے قصبہ نوساری سے آئے ہوئے تھے، زردشت کے دین کو برحق اور آگ کی بڑی عبادت کے لیے کہا۔ حضرت نے ان کو اپنے پاس طلب کیا اور کیانی بادشاہوں کے طور طریقے کے بارے میں واقفیت حاصل کی اور اردشیر نامی ایک زردشتی عالم کے لیے روپیہ بھی بھیجا اور اسے ایران سے بلوایا۔ آگ کو پورے اہتمام کے ساتھ نواب علامی شیخ ابوالفضل کے سپرد کیا اور ان کو مقرر کیا کہ موبدوں کے مذہب کے مطابق جس طور پر عجمی بادشاہوں کے آتشکدے ہمیشہ قائم تھے، اسی طرح ہر وقت کیا رات کیا دن، سارے اوقات میں حرم سرا کے اندر آگ کو محفوظ رکھیں کیونکہ یہ خداوند کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور ایزد برتر کے انوار میں سے ایک نور ہے۔ اسی طرح اس نے کرمان سے آتش پرستوں کو بلوایا اور دینِ زردشت کے دقیق مسائل ان سے دریافت کیے اور آذرکیوان کو جو یزدانیوں اور آبادیوں کا پیشوا تھا،

خطوط لکھے گئے اور ان کو ہندوستان بلایا گیا لیکن آذر کیوان نے آنے سے معذرت کی اور اپنی تصانیف میں سے ایک کتاب بھیجی جو واجب الوجود کی تعریف، عقول ونفوس، افلاک وکواکب اور عناصر نیز بادشاہ کے لیے نصیحتوں سے متعلق تھی۔ وہ کتاب چودہ فصلوں پر مشتمل تھی جس میں سے ہر ایک کی پہلی سطر خالص فارسی یعنی دری میں تھی۔ جب اس کو اُلٹ کر پڑھتے تھے تو عربی ہو جاتی تھی اور پھر جب بدل دیتے تھے تو ترکی ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد جب اُلٹ کر پڑھتے تو ہندی بن جاتی تھی۔ نواب علامی شیخ ابوالفضل آذر کیوان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ عجمیوں نے عربوں کا نام قطاع الطریق (ڈاکو) رکھا اور اہلِ اسلام کو مطعون کیا۔ علامی شیخ ابوالفضل نے فتحپور میں عبدالقادر بدایونی سے کہا کہ ہم کو کتابوں کے مصنفین سے شکایت ہے، دو سبب سے۔ اوّل یہ کہ انہوں نے انبیائے سابقین کے حالات کو تفصیل سے نہیں لکھا، جیسا کہ اپنے پیغمبر کے حالات کو لکھا ہے۔ دوم یہ کہ پیشہ ور لوگوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا جس کا نام تذکرۃ الاولیاء[1] اور نفحات الانس[2] وغیرہ کتابوں میں ذکر نہ ہوا ہو۔ رسول ﷺ کے اہلِ بیت نے کیا جرم کیا تھا، جن کو اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ عبدالقادر اس کا جواب نہ دے سکے۔ غازی خاں بدخشی جو علم معقول میں بے مثل تھا، وہ امامِ عادل کو مجتہد پر فضیلت دینے کے لیے جدوجہد کر رہا تھا اور دوسرے لوگوں نے اس کو جائز کرنے اور ترجیح دینے کے لیے روایتیں دُرست کیں اور علماء نے اس محضر پر اپنی مہریں ثبت کیں۔ یہ واقعہ ماہِ رجب ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) میں رُونما ہوا۔

حضرت کو غیب سے حکم دیا گیا کہ یہ کلمہ پڑھیں لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ۔ اگرچہ سارے لوگ چاہتے تھے کہ اس دین میں داخل ہو جائیں۔ لیکن حضرت نے فرمایا کہ اس دین کو ان لوگوں کی خواہش سے رائج ہونا چاہیے نہ کہ جبر سے، لہٰذا اس کہنے کی وجہ سے چند لوگوں نے جو ریاضت پسند، صاحبِ جاہ اور دانش مند تھے، اپنی خوشی سے اس دین کو اختیار کیا۔ اور فرمانِ خداوندی پہنچا کہ خداوند تعالیٰ اور اپنے آقا سے اخلاص کے چار درجے ہیں جو ترکِ مال، ترکِ جان، ترکِ ناموس اور ترکِ دین ہیں۔ حکمِ الٰہی میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر ایسا ناگزیر مسئلہ پیش آ جائے کہ انسان اپنے مالک کو ترک نہ کر سکے تو اس کو چار چیزیں ترک کر دینی چاہئیں، لہٰذا خدا کا حکم یہ ہے کہ ان چار چیزوں کو چھوڑ دے لیکن اپنے خداوند کو نہ چھوڑے۔

حضرت نے فرمایا کہ ہزار سال جس کی ابتداء پیغمبر کی بعثت سے ہوئی اور جو اس مذہب کے باقی رہنے کی مدت تھی، وہ پورے ہو گئے، دوسرے غسلِ جنابت کا واجب ہونا بالکل ساقط ہو گیا۔ دانشمندوں نے کہا کہ انسان کا بہترین جز منی ہے جو پاک لوگوں کی پیدائش کے لیے بیج کی حیثیت رکھتا ہے۔ آخر اس کے کیا معنی ہیں کہ پیشاب اور پاخانہ نکلنے سے غسل واجب نہ ہو، ایسی لطیف شے کے نکلنے سے غسل واجب ہو جائے بلکہ مناسب یہ ہے کہ پہلے لوگ غسل کریں اس کے بعد جماع کریں۔

اسی طرح اس کے کیا معنی ہیں کہ مُردہ کی روح کے لیے کھانا پکایا جائے جواب جمادات میں سے ہو گیا ہے۔ بلکہ جس روز یہ شخص پیدا ہوا تھا اس روز بڑا جشن منائیں۔ اور ایسے کھانے کا نام آتشِ حیات رکھا۔

---

[1] و [2] پہلی کتاب شیخ فریدالدین عطار نے اور دوسری مولانا عبدالرحمٰن جامی نے لکھی ہے۔ (ایڈیٹر)

لیکن جس شخص کی رُوح پوری معرفت حاصل کر کے اپنی اصل سے مل گئی، اس کے لیے عنصری لباس چھوڑنے کے روز بھی خوشی منائیں اور اس دن کو روز وصل کہیں۔

تواریخِ ہند کے اختلاف کی وجہ سے عربوں کی تاریخ ہجری کو بھی بدل کر مبارک تخت نشینی کے سال سے تاریخ شروع کی جو ۹۶۳ھ (۱۵۵۵ء) ہے۔ مہینوں کو ملوک عجم کے طریقے پر اختیار کیا اور زرد شتیوں کے تیوہاروں کے مطابق سال میں چودہ تیوہار قرار پائے۔ اوران کے لیے الٰہی سال اور مہینہ نام رکھا گیا۔ یہ خدمت حکیم فتح اللہ شیرازی نے انجام دی تھی۔ علماء کے مناظرے سننے کی وجہ سے لوگ فطری طور پر تفسیر وفقہ پڑھنے سے کنارہ کش ہو گئے اور علم نجوم وحکمت، حساب وتصوف اور شعر وتاریخ کی تعلیم رائج ہوگئی اور عجمی لوگ یہ دو شعر بہت پڑھتے تھے۔

ز شیرِ شتر خوردن و سوسمار عرب را بجائے رسید است کار
کہ تختِ کیانی کنند آرزو تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو

(اونٹ کا دودھ پینے اور گوہ کا گوشت کھانے سے عربوں کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ کیانی تختِ سلطنت کی خواہش کرنے لگے۔ تُف ہے تجھ پر اے گردش کرنے والے آسمان تُف ہے!)

خواجہ عبداللطیف نے جو ماوراء النہر کے بزرگوں کی اولاد میں سے تھا، شمائلِ ترمذی کی اس حدیث پر کہ كَاَنَّهُ جِيدُ وَثَنِةٍ (گویا کہ وہ ایک بت کی گردن ہے) شبہ پیدا کیا کہ حضرت محمد ﷺ کی گردن کو کسی بت کی گردن سے تشبیہ دینا کیسا ہے۔ پھر تو بت پرستی قابلِ تعریف ہوگی۔ اسی طرح قصویٰ اونٹنی کا واقعہ جو سیرت کی کتابوں میں مشہور ہے اور ہجرت کے شروع زمانہ میں قریش کے قافلہ پر حملہ کرنا نیز نو بیویوں سے شادی کرنا... (غرضیکہ) ان مسائل کا تذکرہ سیرت کی کتابیں پڑھنے کے وقت ہوتا تھا۔ خلفائے ثلاثہ کی خلافت، قصۂ فدک اور جنگِ صفین کے مباحث میں شیعہ غالب اور سنی مغلوب ہو جاتے تھے۔

نوُروز کی ایک مجلس میں ایک قاضی اور ایک مفتی کو شراب نوشی کے لیے لائے اور شیخ ابوالفضل نے آیۃ الکرسی کی جو تفسیر لکھی تھی، اس کے بالمقابل مہابھارت پر جو ہندوستان کے قدیم اکابر کا جنگ نامہ ہے، دو جزو کے برابر ایک خط لکھا...

چونکہ سلطان خواجہ نے جو الٰہیوں میں سے تھا، جسدِ عنصری کو چھوڑنے کے وقت کہا تھا کہ حضرت مجھ دیوزادوں کے طریقے پر دفن نہ کریں، لہٰذا اس کو قبر میں ایک مخصوص چراغ اور حضرت نیر اکبر کے بالمقابل جالی کے ساتھ رکھا گیا، جس کی روشنی گناہوں کو پاک کرنے والی ہے۔ نیز احکام صادر ہوئے کہ ملوک عجم کے اصول کے مطابق رذیل لوگوں کو حکمت کی کتابیں پڑھنے اور طلب علوم سے روک دیں۔ دوسرے یہ کہ ہندوؤں کے معاملات کو ایک دانشمند برہمن طے کرے اور مسلمانوں کا قاضی مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کرے۔ اسی طرح دوسرے مذاہب کے لیے حکم ہوا۔ لوگوں کو حکم ہوا کہ مردہ کا سر مشرق کی طرف اور اس کا پاؤں پچھم کی طرف کر کے دفن کریں اور سونے کے لیے بھی یہی طریقہ مقرر کیا گیا۔ یہ بھی حکم ہوا کہ الٰہیین علوم عربیہ میں سے بجز علم

نجوم، حساب اور فلسفہ کے کچھ نہ پڑھیں اور عمر عزیز کو ان علوم میں صرف نہ کریں جو عقل میں نہ آئیں۔ گائے کا گوشت حرام قرار پایا۔ یہ بھی حکم ہوا کہ جو ہندو عورت اپنے شوہر کے ساتھ جلنا چاہے، اس کو نہ روکیں اور فرمایا کہ زبردستی کر کے جبراً بھی نہ جلائیں نیز یہ کہ اگر کوئی ایسے شخص کے ساتھ کھالے جس کا پیشہ حیوانات ذبح کرنا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ لیں اور اگر وہ اس کے گھر والوں میں سے ہو تو صرف انگلیاں کاٹ لیں۔

علاوہ ازیں اگر کوئی عورت گلی اور بازار میں گھومتی رہے اور اس حالت میں اپنا چہرہ نہ ڈھانکے تو اس کا شوہر اس کے نزدیک نہ جائے اور جو ناموافق عورت اپنے شوہر سے لڑے اس کو ان لوگوں کے محلے میں لے جائیں جن کا پیشہ متعہ کرنا ہے۔ نیز فاقہ کی مجبوری کی حالت میں باپ اور ماں کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے نابالغ لڑکوں کو فروخت کر ڈالیں اور جب ان کو قدرت حاصل ہو جائے تو پیسہ دے کر ان کو غلامی کی قید سے آزاد کرا لیں۔ اس کے علاوہ جس ہندو کو بچپن کے زمانے میں جبراً مسلمان کر لیا گیا ہو، وہ اگر چاہے کہ اپنے آباؤ اجداد کا دین اختیار کرے تو اس کو اختیار ہے، اس کو نہ روکیں اور ہر شخص جو مذہب چاہے قبول کرے اور جس مذہب سے چاہے، دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو جائے، اس کو منع نہ کریں۔ اگر ہندو عورت کسی مسلمان پر عاشق ہو کر مسلمان کے مذہب میں داخل ہونا چاہے تو جبراً اس کو لے کر اس کے آدمیوں کے سپرد کریں۔ اسی طرح اگر مسلمان عورت ہندو پر عاشق ہو کر ہندو مذہب اختیار کرنا چاہے تو اس کو منع کر دیں اور ہندو کے پاس نہ چھوڑیں۔ بت خانہ، گرجا گھر، آتشکدہ اور مقبرہ تعمیر کرنے سے نہ روکیں اور مسلمان کو بھی مسجد بنانے سے منع نہ کریں۔

صدر جہاں نے الٰہی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ یہ لوگ زندبار (بے ضرر جانور) کو حیواناتِ سلیمہ کہتے تھے اور انہیں قتل کرنے سے بیزاری ظاہر کرتے تھے۔ انہوں نے ہر مذہب کے خلاصہ کو اپنے دین میں شامل کر لیا تھا۔ ملا ترسون بدخشی نے جو ایک حنفی المسلک مسلمان ہے ۱۰۵۸ھ (۱۰۴۸ء) میں یہ واقعہ سنایا کہ ایک روز ہم لوگ سکندر کے ساتھ حضرت عرش آشیانی کے مزار کے طواف اور زیارت کے لیے گئے۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص مقبرہ کے اندر داخل ہونے سے پاؤں کھینچ کر خلیفۃ الحق کی مذمت میں مشغول ہو گیا۔ ساتھیوں نے کہا کہ اگر حضرت عرش آشیانی باطنی اثر رکھتے ہوں گے تو اس کو کوئی نقصان ضرور پہنچے گا۔ اسی کے ساتھ اس کے پاؤں کی انگلی پتھر کے ایک شگاف میں گھس کر ٹوٹ گئی۔ ناموسِ اکبر میں لکھا ہے کہ خدا کی پرستش ناگزیر اور اس کے مقربین کی ستائش لازمی ہے اور انسانوں میں کوئی ستاروں کے مرتبے کا نہیں کیونکہ انسان کو ستاروں کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا اور حضرت نے مریدوں سے فرمایا کہ سوائے ایزد متعال کے سالک کی کوئی اور غرض نہیں ہوتی یعنی جو کام بھی سالک کرتا ہے، اس کام سے مقصود خدا ہوتا ہے۔

۳۔ ستاروں کے فضائل کے بیان میں باعتبار عقل و کشف اور وحی کے

اغاثاذیمون یعنی شیث، ہرمس الہرامسہ یعنی ادریسؑ اور فلاسفہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجرامِ افلاک اور کواکب کو ایسا بنایا ہے کہ ان کی حرکتوں سے عالم سفلی میں آثار ظاہر ہوتے ہیں بلکہ عالم سفلی کے

حوادثات ان کی حرکات کے تابع ہیں اور ہر برج اور ہر درجہ کی فطرت جدا ہے۔ یہ بات تجربہ سے ثابت ہو چکی ہے اور درجات و بروج کی خصوصیات اور ان کے اثرات سے واقفیت حاصل ہو چکی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سب حق تعالیٰ کی مقرب مخلوقات ہیں اور محلِ دعا اور کعبۂ حقیقی اور قبلۂ تحقیقی فلک ہے۔ حکماء کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر صاحبِ شریعت کسی ایک ستارے کی پرستش کرتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ زحل کی۔ اسی وجہ سے یہودیوں کے نزدیک شنبہ کا دن محترم ہے اور ساحرین و جادوگر جو زحل کی جانب منسوب ہیں، ان پر حضرت موسیٰ غالب آ گئے تھے، اور حضرت عیسیٰ آفتاب کی پرستش کرتے تھے، اسی سبب سے یکشنبہ کا دن ان کے نزدیک قابلِ تعریف ہے اور بالآخر ان کی روح آفتاب سے واصل ہو گئی، اور حضرت محمدؐ زہرہ کی پرستش کرتے تھے، لہٰذا ان کے نزدیک جمعہ کا دن مقرر ہے۔ چونکہ یہ بات علانیہ لوگوں سے نہیں کہہ سکتے تھے، اس لیے اس کو پوشیدہ رکھتے تھے اور پیغمبرِ عربی کے طریقوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زہرہ کی تعظیم کرتے تھے[1] جن میں سے ایک یہ کہ خوشبو کی جانب ان کی رغبت ہے اور اس کی مثل دوسری باتیں۔

پارسیوں کی تاریخوں میں درج ہے کہ آباد کے عہد میں فرہوش نامی ایک بادشاہ تھا۔ اس کے پاس بے شمار شاعر بھی تھے۔ منجملہ ان کے سات شاعر ایسے تھے، جن میں سے ہر ایک ہفتہ کے سات دنوں میں سے ہر دن بادشاہ کے سامنے اپنی نظم سناتا تھا۔ یکشنبہ کے روز جس کو وہ لوگ خورشید روز کہتے تھے بادشاہ حمام میں گیا اور حمام سے نکل کر حضرت نیرِ اعظم (آفتاب) کے بت خانہ میں گیا اور اس کی پرستش بجا لانے کے بعد گھر آیا۔ ملک الشعراء جس کا نام شیدوش تھا، بادشاہ کے پاس تھا۔ چونکہ بادشاہ یزدانیوں کے مذہب کا پیرو تھا اور [illegible] زندبار (بے ضرر حیوانات) کو نہیں ستاتے۔ اس کے ساتھ وہ آفتاب کا دن تھا، اس وجہ سے [illegible] پردین یعنی خشکہ اور تردین جس کو ہندوستان میں کھچڑی کہتے ہیں [illegible] اور دال کا چھلکا نکال کر اس کو صاف کر [illegible] تھا۔ بادشاہ نے شیدوش سے پوچھا کہ یہ کھانا کس کے واسطے ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ان دوستوں کے لیے جو کنارہ کشی کی وجہ سے [illegible] رہتے ہیں۔ بادشاہ کو یہ جواب پسند آیا اور اس کا منہ آبدار موتیوں سے بھر دیا اور بادشاہ کی بیوی نے جس کا نام شہر تھا اپنا دل بادشاہ سے ہٹا کر [illegible]۔ جب رات ہوئی تو شہر بادشاہ کو سوتا ہوا خیال کر کے بستر سے باہر نکلی اور بادشاہ بھی اس کے پیچھے چلا۔ جب شہر شیدوش کے گھر پہنچی تو اس کے اور شیدوش کے درمیان بڑی باتیں ہوئیں۔ آخر میں شیدوش نے کہا کہ [illegible] سے نہیں ڈرتی بلکہ عورت سے ڈرنا چاہیے کہ فرہوش جیسے بادشاہ کو چھوڑ کر مجھ جیسے غلام سے تعلق پیدا کرنا چاہتی ہے۔ عورت مایوس ہو کر گھر واپس آئی اور شیدوش آفتاب کے بت خانہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی نظر ایک [illegible] پری پر پڑی جو آفتاب کے خدام میں سے تھی، اس کو اپنی محبت سے [illegible] آفتاب کے [illegible] پاس گئی اور کہا کہ میں تیری پجاری ہوں اور یہ مرد اس کے آنے کا وقت نہیں ہے، پھر بھی بادشاہ کا یہ شاعر [illegible] بری بات کہتا ہے۔ جب شیدوش بت خانہ میں آیا تو اپنے کو بیدار پایا اور شرمندہ ہو کر واپس لوٹا۔ بعد ازاں بادشاہ [illegible]

---

[1] بڑے بڑے پیغمبروں کے بارے میں حکماء کے یہ تصورات [illegible]

کے پاس گیا۔ بادشاہ نے، جس نے رات میں شکر کے ساتھ اس کی صحبت دیکھی تھی، کہا کہ اے شیدوش! اگر تو بات نہ کہے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔ وہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے عورت کسی سے نہیں ڈرتی؟ شیدوش نے جواب دیا:

زنِ شاہ است و زداوز گردائی گزر کرد و ندارد بیم از کس

(وہ بادشاہ کی عورت ہے، اس کی شجاعت سمندر سے بھی سبقت لے گئی اور وہ کسی سے بھی نہیں ڈرتی۔)

بادشاہ کو یہ بات پسند آئی اور شکر اس کو عنایت فرما دی۔ شیدوش نے ہر چند معذرت کی لیکن بادشاہ نے اسے پسند نہ کیا۔ مجبوراً بادشاہ کی بیوی کو اپنے گھر لایا لیکن مرض کی وجہ سے اس کا گوشت سڑ کر گرنا شروع ہوا اور اس کا یہ حال ہو گیا کہ گھر سے باہر نکل نہیں سکتا تھا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کا بیٹا بادشاہ کو دیکھنے کے لیے آیا اور باپ سے کہا کہ مجھے اپنے شاعروں کو دِکھلا۔ بادشاہ نے چھ اشخاص کو جمع کر کے فرمایا کہ شیدوش پردے کے پیچھے بیٹھ کر اپنے اشعار پڑھے۔ یہ حکم سن کر شیدوش نے موافق وقت پر حکم دیا کہ آگ روشن کریں اور اس کے درمیان ایک لوہے کی صلیب قائم کریں، جس کے اوپر ایک نشستگاہ بنائیں۔ اس نے اپنے دل میں طے کیا کہ اس کے اوپر جا کر میں حضرت نیرِ اعظم کی ستائش کروں گا۔ اگر وہ قبول کر لے تو بہتر ہے ورنہ خود کو آگ میں ڈال دوں گا تا کہ اپنی سزا پاؤں۔ بعد ازاں وہ اوپر چڑھا اور جو اشعار اس نے آفتاب نیرِ اعظم کی مدح میں نظم کیے تھے، انہیں پڑھنا شروع کیا تو اس کا جذام فوراً دور ہو گیا اور ابھی اس کے اشعار ختم نہیں ہوئے تھے کہ اس کے متعلقین نے سوچا کہ شاید حضرت نیرِ اعظم نے اس کی درخواست کو قبول نہیں کیا اور جان کے خوف سے وہ خود کو آگ میں نہیں پھینکتا چنانچہ اس کی نشستگاہ کو زنجیروں سے کھینچ کر آگ میں ڈال دیا۔ جب شیدوش آگ کے اندر گر پڑا تو آگ نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا اور بجھ گئی۔ اس نے اسی جگہ بیٹھ کر مدح کو آخر تک پہنچایا۔ اس کے بعد باہر نکلا اور بادشاہ کے پاس گیا اور جو کچھ اس پر گزری، وہ اسے سنا کر کہا کہ اے بادشاہ! مجھ سے کوئی بُرا کام اس زندگی میں سرزد نہیں ہوا۔ لیکن جس روز عورتیں بت خانے میں جاتی ہیں، میں وہاں گیا اور پاسبانوں نے مجھے نہ پہچانا۔ میرے سرکش نفس نے مجھ کو اس پر ابھارا کہ اس کو بلا شوہر سمجھ کر میں نے اس پارسا عورت سے بُری باتیں کہیں۔ لہٰذا میں اس کی سزا کو پہنچا۔ اسی طرح شکر بھی اب میری ماں بن گئی ہے۔

ہوشنگ شاہ نے بہین شاہ میں جو ستاروں کی تقدیس کے آداب میں ہے، ہر سیارہ کے متعلق عجیب معجزات بیان کیے ہیں۔ اسی طرح مہابھارت میں آیا ہے کہ راجہ جدھشٹر آفتاب کی پرستش کی وجہ سے اپنے مقصد کو پہنچا۔ چونکہ مہابھارت سراسر رمز ہے اس لیے یوں بیان کیا ہے کہ آفتاب نے ایک شخص کی شکل میں اس کے سامنے ظاہر ہو کر کہا کہ میں تجھ سے خوش ہوں اور بارہ سال تک کے لیے میں تجھ کو خوراک مہیا کر دوں گا اور تیرہ سال کے بعد تو بڑی سلطنت والا ہو جائے گا۔ پھر اس کو ایک دیگ دی اور کہا کہ اس دیگ کی خاصیت یہ ہے کہ ہر روز ہر قسم کا کھانا جس مقدار میں چاہیں گے، اس سے نکل آئے گا بشرطیکہ تو پہلے برہمنوں اور فقیروں کو کھانا دے بعد ازاں چھوٹے بھائیوں کو۔ ہیرودوٹس مؤرخ تاریخِ یونان نے لکھا ہے کہ رومیہ شہر میں اسقلینوس

بت خانہ میں جو ایلو یعنی آفتاب کے بت خانہ کے نام سے مشہور ہے ایک بت تھا جس کو انسان کی شکل میں بنایا گیا تھا۔ اس سے جو بھی سوال کرتے تھے، اس کا جواب دیتا تھا۔ اس بت کو بنانے والا اسقلینوس تھا۔ رومیہ کے مجوسیوں کے خیال میں اس مجسمہ کے بولنے کا سبب یہ تھا کہ اس کو سبعہ سیارہ کی حرکات کا لحاظ کر کے اور اوقات کی مناسبت کی رعایت کرتے ہوئے، اس طور پر نصب کیا تھا کہ ان سیاروں کی روحوں میں سے ایک روح اس میں حلول کر گئی تھی، لہٰذا اس سے جو بھی سوال کرتے تھے، اس کا جواب دیتا تھا۔ اس مجسمہ کا نام یفالیس تھا۔

صابیہ کا عقیدہ ہے کہ ان کے بعض بت خانوں میں ایک روشن ہاتھ ظاہر ہوتا تھا اور اس پر علم طب لکھا ہوتا تھا۔ اس فرقہ نے اس عمدہ علم کو اس سے حاصل کیا تھا۔ سارے حکمائے ایران و یونان اور ہندوستان اور صابیہ ستاروں کو اپنا قبلہ سمجھتے ہیں اور حضرت عرش آشیانی (اکبر) کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا۔

ترکوں کی تواریخ میں آیا ہے کہ چنگیز خان ستاروں کی پرستش کرتا تھا، اس کے اندر کئی عجیب باتیں تھیں۔ اول یہ کہ اس پر حال طاری ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ستاروں کی بعض روحیں اس کی معاون تھیں، چنانچہ ہر چند روز میں اس پر غشی کا دورہ ہوتا تھا اور اس بیہوشی کے عالم میں وہ فاتح عالم خاں جو کچھ زبان سے کہتا، وہی چیز واقع ہوتی تھی۔ مروی ہے کہ اس حادثہ کے پہلی بار ظاہر ہونے اور روحانیت سے وصال، انکشافات اور غیب کی باتوں کی خبر دینے کے وقت جو پوشاک اور قبا وہ پہنے ہوئے تھا، اس پوشاک اور قبا کو ایک جامہ دان میں رکھ کر اور اس پر مُہر لگا کر اپنے ساتھ سفر میں رکھتا تھا اور جس وقت اس خان نامدار پر وہ حالت طاری ہوتی، وہی پوشاک اس کو پہنا دیتے تھے اور جو واقعہ، انکشافات، عزم سفر، دشمنوں کا ظاہر ہونا، ان کی شکست اور تسخیر ممالک کے بارے میں جاننا چاہتا، وہ اس کی زبان سے نکلنے لگتا تھا اور ایک شخص ان سب باتوں کو لکھ دیتا تھا، ایک تھیلہ میں رکھ کر اس پر مہر لگا دیتا تھا۔ جب فاتح عالم خان ہوش میں آتا تو ایک ایک بات اس کے سامنے پڑھتے تھے اور وہ ان سب باتوں کے مطابق عمل کرتا تھا اور ہمیشہ وہی باتیں واقع ہوتیں جو اس نے کہہ دیا تھا۔ وہ کنگھا کا علم بھی اچھی طرح جانتا تھا اور اس کو جلا کر احکام بیان کرتا تھا۔ برخلاف شانہ بین لوگوں کے جو کنگھے پر نظر ڈال کر بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جس وقت وہ خان جہاں کشا دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا تو امیر شیر خان کی مدد سے اس نے رہائی پائی اور امیر مذکور نے خان کو ایک سرخ رنگ کی گھوڑی پر [illegible] اس کے آدمیوں کی طرف روانہ کر دیا۔ حالانکہ اس کی قوم اس کی زندگی سے ناامید ہو چکی تھی۔ تولی خان نے [illegible] زمانہ میں چھوٹا بچہ تھا، ایک روز کہا کہ میرا باپ ایک سرخ گھوڑی پر سوار ہو کر ابھی آ رہا ہے۔ [illegible] ہی گھوڑی کے ساتھ اپنے لشکر کے پاس پہنچ گیا۔ چونکہ ترکوں نے اس کی خوارق عادات دیکھی تھیں، اس لیے اس کے ساتھ بڑا خلوص رکھتے تھے۔ اس کے عدل و انصاف کا حال یہ تھا کہ اس کے لشکر میں راستے میں پڑے ہوئے تازیانہ کو سوائے اس کے مالک کے کسی کو اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔ خان کے لشکر میں جھوٹ اور چوری بالکل نہ تھی اور خراسانیوں میں سے جس عورت کا شوہر زندہ ہوتا، اس سے کوئی تعلق پیدا نہیں کرتا تھا، چنانچہ طفغات

ناصری میں آیا ہے کہ جب ملک تاج الدین جس کو خسرو غور کا لقب دیا گیا تھا، طالقان سے چنگیز خان کی اجازت سے غور واپس آیا تو اس نے یہ واقعہ سنایا کہ ہم لوگ ایک وقت چنگیز خاں کے پاس سے باہر نکلے اور ایک خیمہ میں بیٹھ گئے۔ اغلانِ جربی جس کے ساتھ میں آیا تھا اور کئی دوسرے امراء بھی موجود تھے۔ ایک مغل دو مغلوں کو لایا اور کہا کہ یہ دونوں کل شب میں چوکیداری کے وقت سو گئے تھے تو میں نے ان کے گھوڑوں کو تازیانہ مارا کہ تم گناہ گار ہو گئے ہو جو سو گئے اور چھوڑ دیا تھا اور آج میں نے ان کو حاضر کیا ہے۔ اغلان نے ان دو مغلوں کی طرف رخ کر کے کہا کہ کیا تم سو گئے تھے؟ دونوں نے اقرار کیا کہ ہاں ایسا ہوا تھا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ ایک کو قتل کر دیں اور اس کے سر کو دوسرے کے گوندھے ہوئے بال میں باندھیں اور لشکر کے اردگرد گھمائیں۔ اس کے بعد دوسرے کو بھی قتل کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ میں نے حیرت زدہ ہو کر اغلان جربی سے کہا کہ اس مغل کی سچائی کے لیے کوئی گواہ نہیں تھا اور ان دو مغلوں کو جب معلوم تھا کہ ان کی سزا قتل ہے تو پھر کیوں اقرار کیا؟ اگر یہ لوگ منکر ہو جاتے تو قتل ہونے سے بچ جاتے۔ اس نے جواب دیا کہ تجھ کو کیوں تعجب ہوتا ہے؟ تم تاجیک لوگ ایسا کرتے ہو اور جھوٹ بولتے ہو۔ اگر ہزاروں جانیں چلی جائیں تو بھی مغل لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔

چنگیز خاں نے اوکتائی قاآن کو اپنی خلافت اور بادشاہی کے لیے منتخب کیا اور چغتائی خاں باوجودیکہ اس کا بڑا بھائی تھا، مستی کے عالم میں اوکتائی قاآن کے ساتھ گھوڑا دوڑا کر آگے نکل گیا لیکن جب ہوش میں آیا تو خیال کیا کہ اس مقابلہ کرنے سے خرابیاں پیدا ہو جائیں گی اور عنقریب سلطنت کے معاملات درہم برہم ہو جائیں گے۔ لہٰذا مجرم کی طرح جا کر بھائی سے عرض کیا کہ ہم جیسے لوگوں کی کیا مجال کہ بادشاہ کی برابری کریں اور گھوڑا دوڑائیں۔ اس وجہ سے میں گنہ گار ہوں اور اپنے جرم کا اقرار کرتا ہوں، خواہ آپ مجھے قتل کریں خواہ کوڑا ماریں، آپ حاکم ہیں۔ اوکتائی نے کہا کہ مجھ جیسے حقیر لوگوں کے لیے اس کا کیا موقع ہے۔ دوسرے آپ آقا ہیں اور میں آئی، یعنی آپ بڑے ہیں اور میں چھوٹا ہوں۔ آخر کار چغتائی نے نو گھوڑے پیش کش کر کے کہا کہ اس کے شکرانہ کے طور پر دیتا ہوں کہ بادشاہ میری سزا کے درپے نہیں ہوا اور اس بندہ کا گناہ بخش دیا۔

جب اوکتائی قاآن نے جرماغون کمانڈر کو تیس سپاہیوں کے لشکر کے ساتھ سلطان جلال الدین کو دفع کرنے کے لیے بھیجا تو لشکر بھیجنے کے موقع پر ایک امیر سے جو جرماغون کا ماتحت تھا، کہا کہ جلال الدین کی مہم تیرے ہاتھ سے فتح ہوگی۔ آخر کار اسی امیر نے کردستان میں سلطان جلال الدین پر حملہ کر کے اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ قاآن کی بخشش و سخاوت سورج سے زیادہ روشن تھی۔ ۶۲۵ھ (۱۲۲۱ء) میں جب طائر بہادر نے مغل بہادروں کی ایک فوج کو ملک سیستان کی طرف روانہ کیا تو ان لوگوں نے قلعہ ارک کا محاصرہ کیا۔ مسلمانوں کے درمیان ایک عجیب وبا پھیل گئی جس کی وجہ سے منہ درد کرتا تھا اور دانت ہلنے لگتے تھے اور تیسرے روز مر جاتے تھے۔ ملک سالتکین خوارزمی حاکم قلعہ نے ایک رات طے کیا کہ سات سو جوان کمین میں چھپے رہیں اور جب مشرقی دروازہ سے جنگ کے طبل بجنے کی آواز آئے تو یہ لوگ پیچھے کے دروازہ سے کمین گاہ سے باہر نکل کر پیچھے

ے حملہ کریں۔ چنانچہ صبح کو مشرقی دروازہ کھلا اور مسلمان لوگ جنگ میں مشغول ہو گئے اور جب طبل بجایا تو کوئی
مین گاہ سے باہر نہ نکلا یہاں تک کہ تین بار کیا۔ اس کے بعد ایک شخص کو احتیاطاً اس طرف بھیجا تو اس نے سب
و مردہ پایا۔

چنگیز خاں نے انتقال کے وقت اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ اپنے دین سے باہر نہ پھرنا اور دوسرے
راہب کو مضبوط نہ بنانا۔ اس لیے کہ جب تک تم اپنے دین پر قائم اور ثابت قدم رہو گے، تمہاری قوم اور
تمہارے ہم مذہب لوگ تم کو اپنے دین کا بزرگ سمجھیں گے اور تمہاری اطاعت کو فرض جانیں گے اور جب اپنے
دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہو جاؤ گے تو وہ شخص جو اس دین کا بزرگ ہے، اس کو لوگ بزرگ سمجھیں
گے اور تمہاری قوم میں تمہاری آبرو باقی نہ رہے گی۔ کیونکہ جو شخص تمہارے ساتھ اس دین میں شامل ہوگا، وہ اس
دین کے بزرگ کو اپنا بزرگ سمجھے گا اور جو شخص میرے دین پر رہے گا، وہ بھی تم سے بیزار ہو جائے گا کہ یہ لوگ
اپنے باپ کے دین پر قائم نہیں۔ الغرض جب تک خان کی وصیت پر عمل کیا معزز تھے اور جب اس کے قول سے
تجاوز کر گئے تو ذلیل و خوار ہو گئے۔ ان کے سارے کاموں میں ستارے ان کے معاون تھے۔

کہتے ہیں کہ کیک خاں جو چغتائی خان کی نسل سے تھا ایک روز خواص و مقربین کے ایک گروہ کے
ساتھ صحرا و بیابان میں گشت لگا رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر انسانوں کی چند ہڈیوں پر پڑی۔ تھوڑی دیر تامل کر کے
اس نے کہا کہ کیا تم لوگ کچھ سمجھتے ہو کہ یہ ہڈیاں مجھ سے کیا کہہ رہی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ بہتر
سمجھتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ مجھ سے انصاف چاہتی ہیں۔ پھر ہزارہ کے امیر کو جس سے اس سرزمین کا تعلق تھا
بلا کر ان ہڈیوں کے متعلق تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔ ہزارہ کے امیر نے امیر صدہ سے جس سے اس علاقے کا
تعلق تھا، دریافت کیا۔ کافی چھان بین کے بعد معلوم ہوا کہ نو سال پہلے ایک قافلہ اس جگہ پہنچا تھا اور ہزارہ والوں
کے ایک گروہ نے ان پر چھاپہ مار کر مال و اسباب لوٹ لیا اور اس کے مالکوں کو قتل کر ڈالا تھا اور ابھی تک کچھ مال
مجرموں کے ہاتھ میں باقی تھا۔ لہذا اس نے مال کو مع خون کرنے والوں کے مقتولوں کے وارثوں کو جو خراسانی تھے
عنایت فرما دیا۔

کہتے ہیں کہ جب مغلوں کا لشکر قلعہ ایلال کے محاصرہ میں مشغول ہوا جس کے اندر خوارزم شاہ کی ماں
اور بعض خواتین تھیں تو کسی وقت بھی ان کو کسی نے خبر نہیں دی تھی کہ قلعہ کے باشندے پانی کی کمی سے تنگ آ
چکے ہیں، اس لیے کہ اس کے تالابوں میں اتنا بارش کا پانی جمع ہو جاتا تھا کہ سالوں تک زمین سے پانی کی
ضرورت نہیں پڑتی تھی اور جس زمانے میں مغلوں کا لشکر اس سرزمین میں پہنچا کے ارادہ سے پہنچا تھا بارش
بالکل رک گئی تھی۔ تھوڑے دنوں میں تالاب پانی سے خالی ہو گئے۔ چنانچہ ایک قطرہ بھی باقی نہ تھا۔ دوسرے روز
ترکان خاتون اور ناصر الدین پیاسے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ مجبوراً صلح کے لیے نیچے اتر آئے اور جیسے
ہی یہ لوگ قلعہ کے دامن میں پہنچے اور مغلوں کا لشکر اندر آیا ایسی زوروں کی بارش ہونی شروع ہوئی کہ قلعہ کی نالیوں
سے پانی باہر نکل پڑا۔ جب یہ خبر سلطان محمد خوارزم شاہ کو پہنچی تو بیہوش ہو گیا اور جب ہوش میں آیا تو ماتم کیا۔ اس

وقت چونکہ کوئی کفن نہیں مل سکا، اس لیے لوگوں نے اس کو اس لباس میں جو جسم پر پہنے ہوئے تھا، دفن کر دیا۔

اس بیان سے مقصد یہ ہے کہ جب تک مغل سلاطین ستاروں کی پرستش کرتے رہے، دنیا والوں پر غالب تھے اور جیسے ہی اس سے ہاتھ کھینچا۔ اکثر ممالک ان کے قبضہ سے نکل گئے اور جو باقی بچے وہ بھی بدتر اور بے قدر ہو گئے۔

حضرت عرش آشیانی کے بعض اقوال کے بارے میں

سب سے پہلے وہ دستور العمل ہے جس کو نواب علامی فہامی شیخ ابوالفضل نے حضرت عرش آشیانی کے حکم سے تحقیق کے قلم سے تحریر کیا تا کہ ممالک محروسہ کے حکام اور امور کے منتظمین اس پر عمل کریں اور وہ یہ ہے:

اللہ اکبر یہ دینِ الٰہی کا منشور الادب اور معرفت کا دستور العمل شہنشاہ کی مہربانی کے منبع اور اس کے رحم کے معدن سے صادر ہوا تا کہ کارخانۂ سلطنت کے منتظمین اور دربارِ خلافت کے کارپرداز جن میں فرزندانِ اقبال مند، روسائے اخلاص طبع، امرائے عالی مرتبہ اور جملہ منصب داران و عاملان اور کوتوالان شامل ہیں، اس طریقے پر عمل کر کے شہروں، گاؤں اور سارے قصبوں کے اہم کاموں کے انتظام میں فرمان پذیر رہیں۔ اول بطور اختصار یہ کہ سارے کاموں میں خواہ وہ عادات ہوں یا عبادات، رضائے الٰہی کے طالب ہوں اور درگاہِ خداوندی میں نیاز مند ہو کر خود کو اور غیر کو بطور نظر میں رکھے ہوئے اس کام کو شروع کریں۔ دوسرے یہ کہ تنہائی پسند نہ ہوں، کیونکہ یہ صحرانشین درویشوں کا طریقہ ہے۔ اور ہمیشہ عوام کے ساتھ بیٹھنے اور مجمع میں رہنے کی عادت نہ ڈالیں کیونکہ یہ بازار والوں کا طریقہ ہے۔ مختصر یہ کہ اوسط درجہ اور میانہ روی پر عمل کریں اور اعتدال کے اصول کو ہاتھ سے نہ جانے دیں یعنی نہ بہت زیادہ جلوت اختیار کریں اور نہ بے انتہا خلوت۔ علاوہ ازیں ایزدِ بیچون کے بزرگ طبقوں کو معزز سمجھیں اور صبح و شام کے وقت بیداری بالخصوص نصف شب کی عادت ڈالیں اور جس وقت مخلوقِ خدا کے کاموں سے فارغ ہوں۔ اس وقت اربابِ تصوف کی کتابوں اور علم اخلاق کی جو طب روحانی ہے کتابوں اور سارے علوم کے خلاصہ جیسے اخلاقِ ناصری اور (غزالی کی) احیاء العلوم کی منجیات و مہلکات اور کیمیائے سعادت و مثنوی مولوی کے مطالعہ میں مشغول رہیں تا کہ دینداری کے مدارج کے مقصد سے آگاہ ہوں اور اہلِ مکر و فریب کے بہکانے سے اپنی جگہ سے نہ ہٹ سکیں کیونکہ تعلقاتی زندگی میں بہترین عبادت الٰہی مخلوق کے معاملات کو سرانجام دینا ہے جس کو خندہ پیشانی کے ساتھ دوستی و دشمنی اور اپنے اور پرائے کا لحاظ کیے بغیر انجام دیں۔ اس کے علاوہ فقیروں، مسکینوں اور محتاجوں بالخصوص گوشہ نشینوں اور بے تعلق لوگوں کے ساتھ جنہوں نے آمدنی و خرچ کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیا ہے اور زبان سے کچھ نہیں مانگتے بقدر استطاعت بھلائی کریں اور خدا کی تلاش کرنے والے گوشہ نشینوں کی خدمت میں جا کر ان سے دُعا کی التجا کریں۔ لوگوں کی کوتاہیوں، لغزشوں اور خطاؤں کو انصاف کے ترازو میں تول کر ہر ایک کے مرتبہ کو قائم رکھیں

اور اسی عقلی بنیاد والی ترازو سے ہر ایک کی سزا مقرر کریں اور دقیقہ شناس دل سے معلوم کرلیں کہ اس گروہ میں سے کون ایسا ہے جو قصور معاف کرنے اور چھوڑ دینے کے قابل ہے اور کس کا گناہ باز پرس، بیان کرنے اور سزا دینے کے لائق ہے کیونکہ بہت سی معمولی غلطیاں بڑی سزا کے قابل ہوتی ہیں اور بہت سی بڑی غلطی چشم پوشی کے لائق۔ سرکشوں کو حسبِ مراتب نصیحت و ملائمت اور سختی ونرمی سے ہدایت کریں اور جب معاملہ نصیحت سے آگے گزر جائے تو اختلافِ مدارج کے لحاظ سے قید کرنے، مارنے، کوئی عضو کاٹنے اور قتل کرنے پر عمل کریں اور آدمی کو قتل کرنے میں تیزی نہ کریں بلکہ کافی غور وخوض کریں ع کہ نتواں سرکشتہ پیوند کرد (کیونکہ مقتول کا سر دوبارہ جوڑا نہیں جاسکتا۔)

جہاں تک ممکن ہو، اس قتل کے قابل شخص کو دربار میں بھیجیں اور اس کی حقیقت حال کو بیان کریں اور اگر اس کی نگرانی باعثِ فتنہ ہو یا اس کا بھیجنا فساد کا سبب بنتا ہو تو ایسی صورت میں اس کو قتل کردیں اور کھال اتارنا یا ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈالنا یا اس قسم کی دوسری حرکتیں جو جابر سلاطین کرتے ہیں، ان سے احتراز کریں۔ لوگوں میں ہر ایک طبقہ کی سزا اس کی حالت کے مطابق ہونی چاہیے کیونکہ بلند فطرتِ انسانی کے لیے تیز نگاہ قتل کے برابر ہے۔ اور پست فطرت کو لات مارنا بھی بے سود ہے۔ جس شخص کی عقل اور سمجھ اور دیانتداری پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو اجازت دیں کہ اپنے خیال میں جو نامناسب بات وہ دیکھے، اسے تنہائی میں بتلادے اور اگر بتلانے والا اتفاقاً کبھی غلطی کر جائے تو اس کو ملامت نہ کریں کیونکہ ملامت کرنا حق گوئی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ جس شخص کو ایزد بیچون اس کی توفیق دے کہ وہ حق بات کہتا ہو، اس کو عزیز رکھیں کیونکہ لوگ حق گوئی میں بیحد کمزور ہوتے ہیں اور جو لوگ بدذات اور شریر ہوتے ہیں، وہ حق گوئی کی طرف رغبت نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ اسی طرح برائی میں گرفتار رہیں اور جو شخص نیک ذات ہے، وہ اس کا لحاظ کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میری بات سے سننے والا ناراض ہو جائے اور میں مصیبت میں پڑ جاؤں اور جو نیک اندیش دوسروں کے نفع کی خاطر اپنے نقصان کو ترجیح دے، وہ سرخ گندھک کا حکم رکھتا ہے۔ منتظمین کو خوشامد پسند نہ ہونا چاہیے کیونکہ بہت سے کام خوشامد کرنے والوں کی وجہ سے بغیر انجام پائے رہ جاتے ہیں اور یکبارگی ان سے بُرے نہ بن جائیں کیونکہ ملازم کے لیے خوشامد کرنا بھی ضروری ہے اور بذات خود فریادیوں کا حال پوچھنے میں حتی الوسع پوری توجہ صرف کریں:

بدیوان میندار فریاد او ... کہ شاید ز دیوان بود داد او

(اس کی فریاد کو دیوان کے اوپر نہ ڈال دے کیونکہ ہوسکتا ہے، دیوان ہی سے خلاف اس کی شکایت ہو۔)

فریادیوں کے نام ان کے آنے کی ترتیب سے لکھ کر سوال کریں تاکہ پہلے سے آیا ہوا انتظار کی زحمت برداشت نہ کرے اور خدمت میں پیش کرنے والوں کو تقدیم و تاخیر کا اختیار نہ رہے اور کوئی شخص دوسرے کی برائی نقل کرے تو اس کو سزا دینے میں جلدی نہ کریں اور تفتیش کریں کیونکہ باتیں بنانے والے افترا پرداز بہت ہیں اور سچ بولنے والے نیک اندیش کمیاب ہیں۔ غصہ کے موقع پر عقل کا سررشتہ ہاتھ سے نہ جانے دیں

اور سکون و تحمل سے کام کریں۔ اپنے دوستوں اور ملازمین میں سے چند لوگوں کو جو عقل میں زیادتی اور اخلاص کے لحاظ سے ممتاز ہوں، ان کو مختار بنا دیں جو زیادہ غم و غصہ کے وقت جب کہ عقلاء خود کو بات کرنے سے باز رکھتے ہیں، حق بات سے تجاوز نہ کریں اور اپنے کو دروغ گوئی سے متہم نہ بنائیں۔ مخاطب کو بدگمانی سے منسوب کرنے اور گالی دینے کی عادت نہ ڈالیں کیونکہ یہ ذلیل لوگوں کا طریقہ ہے۔ زراعت کو بڑھانے اور رعایا کو اپنی طرف مائل کرنے اور تقاوی دینے کا اہتمام کریں تاکہ سال بہ سال شہر، گاؤں اور قصبے زیادہ ہوتے رہیں اور ترقی کے ایسے آسان طریقے اختیار کریں کہ ساری قابل زراعت زمین آباد ہو جائے۔ اس کے بعد جنسِ کامل کو بڑھانے کی کوشش کریں۔

یہ دستور العمل ہر عامل کے لیے جداگانہ لکھ کر ان کے سنجیدہ دماغ کے سامنے رکھ دیں۔ مختصر یہ کہ تمام چھوٹے بڑے رعایا کے پاس فرداً فرداً پہنچ جائے تاکہ وہ اس کے فیصلہ سے کسی حال اور کسی موقع پر انحراف نہ کریں اور کوشش کریں کہ سپاہی یا کوئی اور شخص لوگوں کے گھروں میں بغیر ان کی رضامندی کے داخل نہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ معاملات میں صرف اپنی عقل پر اعتماد نہ کریں بلکہ اپنے سے زیادہ ہوشیار سے مشورہ کریں۔ اگر ایسا شخص نہ ملے تو بھی مشورہ کریں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کبھی نادان سے بھی سچائی کا راستہ معلوم ہو جاتا ہے:

گاہ باشد ز پیر دانشمند بر نیاید درست تدبیرے
گاہ باشد کہ کودکے نادان بغلط بر ہدف زند تیرے

(کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معمر دانشمند سے درست تدبیر بن نہیں آتی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک نادان لڑکا غلطی سے نشانہ پر تیر مار دیتا ہے۔)

نیز بہت سے لوگوں سے مشورہ نہ کریں کیونکہ درست کار اور معاملہ کو سمجھنے والی عقل ایک نعمتِ خداداد ہے۔ یہ چیز نہ تو کتاب پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے اور نہ زیادہ عمر گزارنے سے میسر ہوتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ جاہل لوگ کسی معاملہ میں تیری مخالفت کریں اور تجھ کو اس کام میں پریشانی لاحق ہو جائے اور تجھ کو خود اپنی عقل سے اور درست کام کرنے والوں سے جن کی تعداد ہمیشہ کم ہوتی ہے، وہ لوگ روک دیں۔

اس کے علاوہ جو کام ملازمین سے ہو سکتا ہے، اس کے لیے بیٹوں کو نہ کہیں اور جو کام بیٹوں سے ہو سکتا ہے، اس کے خود ذمہ دار نہ بن جائیں کیونکہ جو کام دوسروں سے رہ جائے گا تو اس کی تلافی کر سکتا ہے اور جو کام تجھ سے رہ جائے گا، اس کی تلافی مشکل ہو جائے گی۔ عذر کی سماعت اور خطاؤں سے چشم پوشی کرنا حاکم کی عادت ہونی چاہیے، اس لیے کہ کوئی آدمی بغیر گناہ اور غلطی کے نہیں ہو سکتا۔ کبھی انسان سزا دینے سے اور دلیر ہو جاتا ہے اور غیرت کی وجہ سے آوارگی اختیار کر لیتا ہے۔ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو ایک غلطی پر سزا دینی چاہیے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی ہزاروں غلطیوں سے درگزر کرنا چاہیے۔ الغرض سزا دینے کا کام سلطنت کے نازک ترین کاموں میں سے ہے اور اس میں سکون اور سمجھ سے عمل کرنا چاہیے۔ حاکم کو یہ بھی چاہیے کہ خدا ترس لوگوں کے پاس جائے اور ان کی اچھی بُری حالت دریافت کرے اور ہمیشہ ان کی خبرگیری کرتا

رہے۔ اس لیے کہ بادشاہی اور سرداری پاسبانی کا نام ہے۔ اور مخلوقِ خدا کے مذہب سے تعرض نہ کرے، عقل مند انسان دنیا کے کاموں میں جو کہ فانی ہے، اپنا نقصان پسند نہیں کرتا تو پھر دین کے معاملے میں جو کہ دائمی اور باقی رہنے والا ہے، کیونکر جان بوجھ کر اپنا نقصان پسند کرے گا۔ اگر حق اس کے ساتھ ہے تو خود تو حق کی مخالفت اور تعرض کے درپے ہے اور اگر حق اس کے ساتھ نہیں اور اس نے جان بوجھ کر اس کے خلاف راستہ اختیار کیا ہے تو وہ خود جہالت کے راستے پر گامزن ہے۔ لہٰذا اس پر رحم کرنا اور اس کی مدد کرنا چاہیے نہ کہ اعراض وانکار۔ اس کو ہر طبقہ کے نیک لوگوں اور بہی خواہوں کا دوست ہونا چاہیے۔ اور سونے اور کھانے میں اندازے سے آگے نہ گزریں اور ضروری مقدار سے تجاوز نہ کریں تاکہ حیوانات کے درجے سے بلند تر رہ کر انسانیت کے رتبے پر فائز رہیں۔ جہاں تک ہو سکے رات کے وقت حاکم بیدار رہے اور لوگوں کے ساتھ سخت دشمنی رکھنے والا نہ ہونا چاہیے اور سینہ کو عداوت کا جیل خانہ نہ بنانا چاہیے۔ اگر کسی انسان کی طرف سے ناگواری پیدا ہو تو جلد ہی اس کو برطرف کر دینا چاہیے کیونکہ درحقیقت فاعلِ حقیقی ایزد بیچون ہے اور اس نے یہ جھگڑے ظاہری نظام کے لیے تجویز کیے ہیں۔

حاکم ہنسی اور مذاق بہت کم کرے اور ہمیشہ جاسوسوں کے ذریعہ ہر واقعہ سے خبردار رہے اور ایک جاسوس کے بیان پر اعتماد نہ کرے کیونکہ سچائی اور بے طمعی بہت کمیاب ہے۔ لہٰذا ہر معاملے میں چند جاسوس اور خبر گیر مقرر کرے جن کو ایک دوسرے کی خبر نہ ہو اور ان میں سے ہر ایک سے جدا جدا رپورٹ لکھوا کر اس سے اپنا مقصد معلوم کرے اور شہرت پسند جاسوس لوگوں کو معزول کر کے اپنی نظر سے گرا دے۔ بدذات اور شریر لوگوں کو اپنے پاس نہ آنے دے اگرچہ یہ لوگ دوسرے بدکاروں کے لیے بہت اچھے ہیں لیکن ان سے محاسبہ کے سررشتہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور اس گروہ کو اپنے دل میں ہمیشہ متہم سمجھے، ایسا نہ ہو کہ دوستی کے لباس میں نیک لوگوں کی جگہ لینے کا قصد کریں۔ نزدیک والوں اور خدمت گاروں سے بھی ہوشیار رہے کہ نزدیکی کی وجہ سے دوسروں پر ظلم نہ کرے اور خوشامد کرنے والے جھوٹوں سے بھی ہوشیار رہے جو دوستی کے بھیس میں دشمنی کا کام کرتے ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے بہت سی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ بڑے لوگوں کو کام کی زیادتی کی وجہ سے فرصت کم رہتی ہے اور اس بدکار گروہ کے پاس کافی وقت رہتا ہے۔ حاکم اپنے اطراف وجوانب کی بھی خبر گیری کرے تاکہ پیشکار لمبی چوڑی بات کو مختصر کر کے صرف غرض کے قابل بات پیش کرے۔ علوم کی اشاعت اور کمال حاصل کرنے کا اہتمام کرے تاکہ لوگوں کے مختلف طبقوں کے صاحب استعداد ضائع نہ ہو جائیں اور پرانے خاندانوں کی تربیت میں اپنی توجہ مبذول کرے۔

حاکم کو یہ بھی چاہیے کہ سپاہی کے سازوسامان اور ہتھیاروں سے غافل نہ ہو اور خرچ کو آمدنی سے کم رکھے کیونکہ اس میں سارے معاملات کا نیک انجام منحصر ہے۔ چنانچہ حکماء نے کہا ہے کہ جس کا خرچ اس کی آمدنی سے زیادہ ہے، وہ احمق ہے۔ اور جو شخص خرچ کو آمدنی کے برابر رکھے، وہ جس طرح عقل مند نہیں احمق بھی نہیں۔ علاوہ ازیں حاکم اقامت کی بنیاد نہ ڈالے، بلکہ بادشاہ کی خدمت میں حاضری کے لیے مستعد اور

طلب کا منتظر رہے اور وعدہ خلافی نہ کرے اور صادق القول رہے۔ بالخصوص ان کے ساتھ جو سلطنت کے کاموں میں مشغول ہیں، نیز ہمیشہ تیراندازی اور بندوق چلانے کی مشق کرے اور سپاہیوں کو ورزش کرائے۔ ان کو شکار کا شوقین نہ بنائے۔ بلکہ صرف سپاہیوں کی ورزش اور تفریحِ طبع کے لیے جو اس تعلقاتی زندگی میں ضروری ہے، کبھی کبھی اس کو اختیار کرے۔ رعایا سے یکبارگی سارا غلہ لے کر اس کو گراں بیچنے کی نیت سے انبار نہ کرے۔ آفتابِ عالمتاب کے طلوع کے وقت اور نصف شب کو کیونکہ درحقیقت طلوع کا آغاز اسی وقت سے ہے، نقارہ بجالائیں اور آفتاب کے ایک برج سے دوسرے برج میں منتقل ہونے کے وقت بندوقچی اور توپچی لوگ بندوق اور توپ چلائیں تاکہ عام مخلوق اس سے باخبر ہو کر خدا کا شکر بجالائے۔

حاکم کو دربارِ شاہی میں اپنا ایک آدمی مقرر کرنا چاہیے جو اس کی معروضات کو بادشاہ کی نظر اشرف کے سامنے گزارے۔ اگر کوتوال نہ ہو تو اس دستور العمل کے قانون اور فصلوں کو اچھی طرح محفوظ کرے، اس کو رائج کرنے کی کوشش کرے اور دہقانوں کی طرح یہ خیال اپنے پاس نہ آنے دے کہ میں کوتوال کا کام کیسے کروں بلکہ اس کو عبادتِ عظمیٰ سمجھ کر اس کا اہتمام کرے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے چاہیے کہ ہر شہر و قصبہ اور گاؤں کے کوتوال محرروں سے مل کر اس کے گھروں اور مکانوں کو لکھ لیں اور ہر محلہ کے باشندوں کو ایک ایک گھر کے مطابق تحریر میں لائیں کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں اور ہر گھر سے ایک ضامن لے کر ایک دوسرے سے ملا دیں اور محلے مقرر کر کے ہر محلہ میں ایک میر محلہ مقرر کریں کہ اس محلہ کے اچھے برے معاملات اس کی صوابدید سے طے ہوں اور محلہ کا ایک جاسوس مقرر ہو جس سے رات دن کے واقعات اور محلہ میں آنے جانے کا حال لکھوالیں۔ نیز یہ اصول مقرر کر دے کہ جس وقت کوئی چور آئے یا کہیں آگ لگ جائے یا کوئی دوسرا ناخوشگوار واقعہ رونما ہو تو ایک پڑوسی فوراً دوسرے پڑوسی کی مدد کرے۔ اسی طرح سارے محلہ دار اس کا لحاظ کریں اور اگر بغیر کسی خاص ضرورت کے حاضر نہ ہوں تو گنہگار ہوں گے۔ کوئی شخص ہمسایہ، میر محلہ اور خبر گیر کو اطلاع دیئے بغیر سفر نہ کرے اور کسی غیر کو محلہ کے اندر داخل نہ ہونے دے۔ جو لوگ ضامن نہ رکھتے ہوں، ان کو ایک علیحدہ سرائے میں آباد کرے اور اس کے لیے میر محلہ اور خبر گیروں کو مقرر کرے۔ اس کے علاوہ کوتوال کو چاہیے کہ ہر شخص کی آمدنی اور خرچ کے حالات کو ہمیشہ دور اندیشی کے خیال سے معلوم کر کے ان کو ملاحظہ کرتا رہے کیونکہ وہ شخص جس کی آمدنی کم ہے اور خرچ زیادہ، وہ یقینی طور پر بغیر جرم کے نہیں ہو سکتا۔ اس کی تحقیق کرے لیکن نیک ذاتی اور خیر اندیشی کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ اس مشقت کو انتظام کا زیور سمجھے نہ کہ پکڑنے اور جبر کرنے کا ذریعہ۔ نیز چاہیے کہ ہر قسم کے دلالوں کو ضامن بنا کر بازاروں میں مقرر کرے کہ جو چیز خریدی جائے یا فروخت ہو اس کی خبر دیں اور قاعدہ مقرر کر دے کہ جو شخص بغیر اطلاع کے خرید و فروخت کرے، وہ جرمانہ ادا کرے اور بائع و مشتری کے نام روزنامچہ میں لکھ لیں اور جو چیز بھی بازار میں خرید و فروخت ہو وہ میر محلہ کے اتفاق رائے سے ہو۔ دوسرے یہ کہ چند آدمیوں کو ہر ایک محلہ اور ہر ایک گلی اور شہر کے اطراف میں رات کے وقت چوکیداری کے لیے مقرر کرے اور کوشش کرے کہ محلہ، بازار

اور گلیوں میں اجنبی لوگ نہ ہوں اور چور وغیرہ کی تلاش اور تفتیش میں پوری جدوجہد کرے اور ان کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑے۔ جو مال واسباب گم ہو جائے یا لُوٹ لیا جائے کوتوال اس کو مع چوروں کے حاضر کرے، ورنہ اس کے جواب سے عہدہ برآ ہو۔ اگر کوئی شخص غائب ہو جائے یا مر جائے تو اس کے مال کی تفتیش کرے تاکہ اگر اس کا وارث ہو تو اس کو دے دے ورنہ امین کے سپرد کر دے اور اس کی تفصیل کو لکھ کر دربار شاہی میں بھیج دے تاکہ جس وقت حقدار پیدا ہو تو وہ مال اس کو مل جائے۔ اس معاملہ میں بھی خیراندیشی اور نیک ذاتی کا لحاظ رکھے، ایسا نہ ہو کہ جس طرح سرزمینِ روم میں رواج ہے ویسا ہی یہاں بھی ہو جائے۔

کوتوال کو اس کی بھی انتہائی کوشش کرنی چاہیے کہ شراب کا کوئی نام و نشان نہ رہے اور حاکم کے مشورے سے شراب خریدنے والے، بیچنے والے، کشید کرنے والے اور زمین میں گاڑنے والے کو ایسی سزا دے کہ اس سے لوگ عبرت حاصل کریں لیکن اگر کوئی شخص حکمت کے لیے یا بھوک بڑھانے کے لیے دوا کے طور پر استعمال کرتا ہے تو اس کے حالات سے تعرض نہ کرنا چاہیے۔ کوتوال غلہ کا بھاؤ سستا کرنے کا اہتمام کرے اور اس کی اجازت نہ دے کہ مالدار لوگ زیادہ غلہ خرید کر ذخیرہ اندوزی کریں اور کچھ عرصہ گزرنے پر گراں فروخت کریں۔ جشنِ نوروز اور دوسرے تیوہاروں کے لوازمات کا انتظام کرے۔ سب سے بڑی عید نوروز ہے جس کی ابتدا آفتابِ عالم تاب کے برجِ حمل میں منتقل ہونے کے وقت سے ہے اور وہ ماہ فروردین کے شروع میں ہوتا ہے۔ ایک اور عید ماہ مذکور کی انیسویں تاریخ کو ہوتی ہے جو آفتاب کے شرف کا دن ہے۔ ایک اور عید ماہ اردی بہشت کی تیسری تاریخ کو ہے۔ اس کے بعد عید ماہ خرداد کی چھٹی تاریخ کو ہے، آبان ماہ کی دسویں تاریخ کو، آذر ماہ کی نویں تاریخ کو، دی ماہ کی آٹھویں، پندرہویں اور تیئیسویں تاریخ کو، بہمن ماہ کی دوسری تاریخ کو اور اسفندارمذ کی پندرہویں تاریخ کو دوسری عیدیں ہیں۔ مشہور عیدوں کو بھی بدستور مناتا رہے اور نوروز کی رات اور شرفِ آفتاب کی رات میں شب برات کی طرح چراغاں کرے۔ اس رات کے شروع میں، جس کی صبح کو عید ہو، نقارہ بجائے اور عید کے دنوں میں ہاتھی پر سوار ہو کر نقارہ بجائے۔ عورت بلاضرورت گھوڑے پر سوار نہ ہو۔ مردوں کے غسل کے لیے اور پانی کے لیے دریا کے پانی کا راستہ الگ کر دے اور عورتوں کے لیے دوسرے راستے مقرر کرے۔

حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے شاہ عباس صفوی کے لیے بھی ایک نصیحت نامہ تحریر فرمایا تھا، وہ بھی شیخ ابوالفضل کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس نامہ نامی کی چند باتیں یہ ہیں: مخلوق کے مختلف طبقات جو خدا کے خزانوں کی امانتیں ہیں۔ ان پر شفقت کی نظر ڈال کر ان کی دلجوئی کی کوشش کرنی چاہیے اور خدا کی عام رحمت کو سارے ادیان و مذاہب میں شامل جانتے ہوئے پوری کوشش سے اپنے وسیع صلح کل کے سدابہار باغ میں لا کر ہمیشہ اپنے اقبال مند مطالعہ کا نصب العین رکھنا چاہیے کہ خدائے قادر مختلف مذاہب اور متنوع حالات والی مخلوقات پر اپنے فیض کا دروازہ کھول کر ان کی پرورش کرتا ہے۔ لہٰذا سلاطین جو زمین پر خدا کے سائے ہیں، ان کے ذمہ لازم ہے کہ اس طریقہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں کیونکہ خدائے جہاں آفرین نے اس بلند مرتبہ گروہ و

ظاہری زندگی کے انتظام اور عام مخلوق کی پاسبانی کے لیے پیدا کیا ہے تا کہ مخلوق کے مختلف طبقوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کریں۔

میں نے ملتان میں شاہ سلام اللہ کو دیکھا جو ایک بے تعلق توحید پرست اور ریاضت پسند انسان تھا اور مخلوق سے کنارہ کش تھا۔ اس نے کہا کہ میں جلال الدین اکبر کی صحبت میں رہا اور میں نے ان کو مکرر کہتے ہوئے سنا کہ یہ علم جو مجھ کو اب حاصل ہوا ہے اگر اس سے قبل حاصل ہو جاتا تو میں اپنے واسطے کسی کو بیوی نہ بناتا اس لیے کہ بڑی عورتیں میری ماں اور ہم عمر میری بہنیں اور کم سن لڑکیاں میری بیٹیاں ہیں۔ ایک عزیز نے نواب ابوالحسن مخاطب بہ لشکر خاں مشہدی کی زبان سے یہی بات نقل کی جو حضرت عرش آشیانی کے متعلق مذکورہ بالا طریقے پر ذکر کی گئی۔ شاہ سلام اللہ نے یہ بھی بتلایا کہ حضرت خلیفۃ الحق رو کر فرماتے تھے کہ کاش میرا جسم سب سے بڑا ہوتا تا کہ دنیا والے اس سے اپنی خوراک فراہم کرتے اور کسی جانور کو تکلیف نہ پہنچاتے۔

اس نامور بادشاہ کی دُور اندیشی کی ایک بات یہ ہے کہ اس نے فرنگی، یہودی، ایرانی اور تورانی ہر قسم کے لوگوں کو اپنی ملازمت سے نوازا، اس لیے کہ اگر ایک قوم کے لوگ ہوں گے تو فتنہ و فساد پیدا کرنا چاہیں گے۔ چنانچہ اوزبک اور قزلباش قوم کے لوگ اپنے بادشاہوں کو معزول کر دیتے تھے۔ شاہ عباس ابن سلطان خدا بندہ صفوی نے اس کی پیروی کرتے ہوئے گرجی کی تربیت کی۔ اسی طرح اس نے میراث کی دولت پر نظر نہیں ڈالی اور بغیر حسب و نسب کا لحاظ کیے ہر علم و ادب کے لائق کی تربیت کرتا تھا۔

گیارھواں باب

حکماء کے عقائد کے بیان میں

یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے۔ فصل اوّل حکماء کے عقائد اور ان کے بعض مطالب کے بیان میں۔ فصل دوم شریعت کے بیان میں۔ فصل سوم متاخرین حکماء و فلاسفہ کے بارے میں۔ حکماء اور فلاسفہ بنی نوع انسان کی ساری اقوام میں رہے ہیں اور آج بھی ہیں۔ چنانچہ فارسی میں ان کو بزرگ اور فرزانہ کہتے ہیں اور ہندی میں بُدھ وان، بدیشر، ست مت، ست پتی، گیانیشر، چترویہ اور نتر جا کہتے ہیں اور یونانی میں فلسفی اور عربی زبان میں حکیم کہتے ہیں۔

ا۔ حکماء کے عقائد اور ان کے بعض مطالب کا بیان

اس گروہ کے اکابر کے دو فرقے ہیں، اوّل اشراقیہ دوم مشائیہ۔ اشراقیین کو رواقیین اور فارسی میں کشیشی، پرتوی اور روشن دل اور ہندی میں نرمل من اور جوگیشر کہتے ہیں۔ ان کے عقائد کے اصول میں معرفت بطریق ریاضت ہے، مشائین جن کو فارسی میں رہبر اور جویا اور ہندی میں تارک کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک معرفت بطریق غور و خوض ہے۔ اگرچہ اشراقیین کے عقائد وہی ہیں جو یزدانیوں کے جن کو آذر ہوشنگیان بھی کہتے ہیں، باب میں بیان ہو چکے ہیں، لیکن یہاں بھی ان دونوں فرقوں کے متعلق چند باتیں بطور نمونہ بیان کی جاتی ہیں۔

یونان کے قدیم حکماء افلاطون کے زمانے تک اشراقی تھے۔ اس کے بعد اس کے شاگرد ارسطو نے فکر ونظر کا طریقہ اختیار کیا۔ اس فرقے کا دارومدار عقلی دلائل پر ہے۔ ان دونوں فرقوں کے نزدیک بالاتفاق واجب الوجود کی حقیقت دریافت نہیں کی جا سکتی۔ وجود، وحدت، تشخص اور جملہ صفات اس کی ذات مقدس کا عین ہیں جیسا کہ آذر ہوشنگیوں کے عقائد میں، میں نے بیان کیا۔ ان کا قول ہے کہ حق تعالیٰ کلیات اور [illegible] جزئیات کا کلی طور پر عالم ہے جیسا کہ یزدانیوں کے عقائد میں بیان کیا گیا اور کہتے ہیں۔ خدا کا فعل اس کے ارادہ کے مطابق ہے۔ اگر وہ چاہے، کرے اور اگر نہ چاہے، نہ کرے لیکن فعل خیر اس کی ذات کے لیے لازم ہے۔ چنانچہ کمال و اطلاق کی ساری صفات حق تعالیٰ کی ذات پر اس بات کو واجب قرار دیتی ہے۔ سنة الله التي قد خلت من قبل ولن تجد لسنة الله تبديلا (الفتح: ۲۳) (اللہ تعالیٰ نے یہی دستور رکھا ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ خدا کے دستور میں رد و بدل نہ پائیں گے۔)

ان کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل قریب نہیں ہے، اس لیے کہ بادشاہی اور حکومت کے شایانِ شان نہیں کہ وہ بذاتِ خود سارے کام انجام دے بلکہ مناسب یہ ہے کہ کسی ایک پیشکار کو جو فرطِ ذہانت اور کاموں پر قدرت کی صفات سے متصف ہو، امورِ سلطنت اور رعیت کی حفاظت کے لیے مقرر کرے۔ وہ بھی بادشاہ کے حکم سے دوسرے کاموں کے لیے وزراء اور نائبین مقرر کرے اور نائبوں میں سے ہر ایک اپنے گماشتے اور کارکن مقرر کرے تاکہ سارے امورِ سلطنت بادشاہ کی مرضی اور فرمان کے مطابق انجام پائیں۔ اسی لیے عقل اوّل کو جسے فارسی میں بہمن، کدخدائے، بروسو، فروسو، سروش سروشان اور فرہنگ آمیغی کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بنایا اور آدم معنوی اسی کو کہتے ہیں۔ ان اللہ خلق ادم علی صورتہ[1] (بیشک اللہ نے آدم کو اپنی شکل میں پیدا کیا) یعنی مجرد اور بسیط بنایا اور چونکہ عقل وجوب کی طرف ہے اور امکان بائیں جانب ہے۔ اس لیے نفس کل بائیں جانب سے جو امکان کی سمت ہے، پیدا ہوا ہوگا۔ حقیقت کے لحاظ سے آدم کی صورت عقل ہے اور حوا کی صورت نفسِ کل، اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ حوا کی پیدائش آدم کے بائیں جانب سے ہوئی۔ صوفیہ کا بھی یہی عقیدہ ہے چنانچہ شیخ محمد لاہیجی نے شرحِ گلشن میں یہی عبارت نقل کی ہے۔ عیسیٰ ابن اللہ سے مراد یہی عقل ہے، اس لیے کہ وہ اللہ کے بغیر کسی واسطہ کے پیدا ہوئے اور حقیقتِ محمدیہؐ بھی اسی عقل کو کہتے ہیں۔ چونکہ عقل خود کو سمجھتی ہے، اس لیے اس کو عقل کہتے ہیں اور چونکہ ساری مصنوعات میں علم کے نقوش اسی کے ذریعہ ہیں، اسی لیے اس کو قلم کہتے ہیں اور چونکہ حضرت رسالت پناہ کے کمالات اسی جوہر کا ایک پرتو ہیں، اس لیے اس کو نورِ محمدیؐ کہتے ہیں لولاک لما خلقت الافلاک[2] (اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک پیدا نہ کرتا) یہ اسی ذات کی صفت ہے اور اس کے سوا بھی اس کے کئی نام ہیں۔

عقلِ اوّل سے عقلِ دوم اور فلکِ اطلس کے نفس اور جسم پیدا ہوئے اور سادہ فلک کے نفس کو معنوی حوا کہتے ہیں۔ عقلِ دوم سے عقلِ سوم اور فلکِ ثوابت کے نفس اور جسم پیدا ہوئے۔ اسی طرح سے دوسرے عقول اور نفوس پیدا کیے گئے۔ یہاں تک کہ دس عقلیں جو عشرہ مبشرہ سے مراد ہیں اور نو افلاک جو نو پیغمبروں کی طرح ہیں موجود ہوئے۔ دسویں عقل سے عناصر کا مادہ، اعراض اور نفوسِ عنصریہ موجود ہوئے۔ محققین نے کہا ہے کہ عقول کا انحصار دس کے اندر اس وجہ سے نہیں کہ اس سے زیادہ عقل نہیں بلکہ اتنے ہی کی ہمیں ضرورت ہے اور اسی طرح افلاک کے مسئلہ میں ہم حساب کے لیے نو افلاک کے محتاج ہیں، لیکن ایسا نہیں کہ دوسرے افلاک کے وجود کا انکار کیا گیا ہو۔ اشراقیین حصرِ عقول سے انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ہر قسم کی شئے کے لیے عقول کی جنس سے ایک رب ہے جس کو وہ لوگ رب النوع کہتے ہیں اور فارسی میں اس کو دارا کہتے ہیں۔ ملکُ الامطارِ وملکُ البحارِ وانّ لکُلّ شئی مَلکاً وینزَلُ مع کُلّ قَطرۃٍ مَلکاً (بارش کا فرشتہ اور سمندروں کا فرشتہ ہے اور ہر چیز کا ایک فرشتہ ہے اور ہر قطرہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ نازل کرتا ہے۔) اس قول میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

---

[1] دیکھیے ص ۲۶۲۔

[2] یہ حدیث ونسنک کی معجم الاحادیث میں جو صحاح ستہ، سنن دارمی، موطا اور مسند ابن حنبل پر مشتمل ہے، نہیں ہے۔ (ایڈیٹر)

اشراقیہ اجسام کو انوار مجردہ کے ساتھ سمجھتے ہیں۔ الم تر الی ربک کیف مدالظل (الفرقان: ۴۵) (کیا تو نے اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ اس نے کس طرح سایہ کو پھیلا رکھا ہے۔) حکماء کے نزدیک عقول ونفوس آسمانی عالمِ بالا کے فرشتے ہیں۔ یہ جسم اور جسمانی نہیں ہیں اور نہ بال و پر رکھتے ہیں۔ چونکہ صفات واجب الوجود کے انوار کا فروغ ان کو حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسی پرتو کی وجہ سے بڑے پاکیزہ افعال اُن سے صادر ہوتے ہیں اور ان کے صادر ہونے میں جنبش اور آلات کی ضرورت نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ سے فعل صادر ہونے میں صرف ارادہ کافی ہوتا ہے۔ عوام کو سمجھانے کے لیے اس بات کو یوں کہتے ہیں، گویا فرشتہ اپنے بال و پر کے ذریعہ ہزاروں سال کی مسافت طے کرتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ اسرافیل آفتاب کی قوتوں میں سے ایک قوت ہے اور ملک الموت سے زحل، میکائیل سے ماہتاب اور جبرئیل سے دسویں عقل مراد ہے۔ جس وقت افلاک کی حرکات اور ستاروں کی اوضاع سے بسیط یا مرکب عناصر کے مادہ میں کسی چیز کی قابلیت پیدا ہوتی ہے تو وہ چیز عقل فعال کے ذریعہ اس پر فائض ہو جاتی ہے۔ انبیاء پر وحی اور انسانوں پر کمالات کی تعلیم اس فرشتے کے توسط سے ہوتی ہے کیونکہ پیغمبروں کی روحوں اور اس مقرب فرشتہ کے درمیان ایک معنوی تعلق ہوتا ہے۔ اشراقیین کے نزدیک جبرئیل انسان کے رب النوع ہیں جن کو فارسی میں دخشور اور سروش پیام یار کہتے ہیں اور حکماء کے عقیدے کے مطابق فلک اطلس عرش اور فلک ثوابت کرسی ہے۔ نفس ناطقہ لامکانی ہے اور بدن کے اندر نہیں ہے۔ البتہ جسم سے ایک تعلق رکھتا ہے جیسا کہ عاشق کا تعلق معشوق سے ہوتا ہے اور اشراقیین کے نزدیک یہ قدیم ہے جیسا کہ آذر ہوشنگیوں کے عقائد میں گزر چکا۔ معلم اول ارسطو اور اس کے شاگردوں کے نزدیک یہ حادث ہے لیکن بالاتفاق ابدی ہے۔ لاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاءٌ عند ربھم یرزقون (آل عمران: ۱۶۹) (جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس، ان کو رزق بھی ملتا ہے۔)

روح کا بدن سے ملنا آدم کا بہشت سے نکالا جانا ہے اور بدن کی طرف ان کا میلان حوا کی فرماں برداری ہے۔ ناشائستہ اعمال شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھانا ہے۔ سانپ غضب اور طاؤس شہوت ہے۔ ان کا قول ہے کہ ابلیس سے مراد قوت وہمی ہے جو محسوسات کی پیروی ہے اور عالم معقولات کی منکر ہے اور قوت عقلی سے برسر پیکار رہتی ہے۔ یہ جو شریعت میں آیا ہے کہ سارے فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا سوائے ابلیس کے تو اس میں اسی بات کا اشارہ ہے کہ ساری جسمانی قوتیں جو زمین کے فرشتے ہیں، روح انسانی کی فرمانبردار ہیں، سوائے قوت وہمی کے جو سرکش ہے اور کبھی عقل پر فوقیت حاصل کر لیتی ہے، چنانچہ عقل کہتی ہے کہ مردہ جمادات کا حکم رکھتا ہے، اس سے ڈرنا نہ چاہیے لیکن وہم کہتا ہے کہ یہ بات صحیح ہے مگر اس سے ڈرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص مُردہ کے ساتھ گھر میں تنہا ہو تو خوف کی وجہ سے اس کا دماغ خراب ہو جائے۔ صوفیہ کا بھی یہی خیال ہے، چنانچہ حضرت شیخ محمود شوشتری نے اس مسئلہ میں مرآت المحققین میں یہی عبارت نقل کی ہے۔ (رسائل) اخوان الصفا میں کہا گیا ہے کہ ملاء اعلیٰ جو عقول ونفوس ہیں وہ آدم کے سجدہ کے لیے مامور نہ تھے۔ اس لیے کہ وہ مرتبہ

میں اس سے برتر ہیں۔ چنانچہ قرآن میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے مخاطب ہو کر فرمایا: استکبرت ام کنت من العالین (ص: ۷۵) (کیا تو غرور میں آ گیا یا یہ کہ تو بڑے درجہ والوں میں سے ہے) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آدم کے سجدہ کا حکم زمین کے فرشتوں کو دیا گیا تھا۔

اشراقیین کا قول ہے کہ جب روح اپنی اصلی ذات کے حالات کو جیسا کہ چاہیے سمجھ لیتی ہے تو جسمانی تعلق سے نجات پا جاتی ہے اور عقول و نفوس سے مل جاتی ہے اور یہ درجہ جنت سے بالاتر ہے۔ یایتھا النفس المُطمئنّة ارجعی الٰی ربّک راضیة مرضیة. (الفجر: ۲۸) فَمن کانَ یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملاً صالحا ولایشرک بعبادة ربه احدا (الکھف: ۱۱۰) (اے اطمینان کرنے والی روح تو اپنے رب کے جوارِ رحمت کی طرف چلی جا، اس طرح سے کہ تُو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش ہوا۔ پس جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔) دیدارِ خداوندی اسی درجہ میں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قابلِ دید ہے، وہ سچ بولتے ہیں۔ اس لیے کہ نفس ناطقہ معنوی آنکھ سے اس کو دیکھتا ہے۔ اور جن لوگوں نے رؤیت سے انکار کیا ہے، وہ بھی صحیح راستے پر چلے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ لا یدرکه الابصار وھو یدرک الابصار (الانعام: ۱۰۳) (اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے۔)

لیکن جو روح جسم کے تنگ راستے سے باہر نکل آتی ہے، لیکن لامکان کے دلکش میدان میں نہیں پہنچتی، وہ مکان میں گرفتار ہونے کی وجہ سے آسمانوں میں سے جس آسمان سے نسبت پیدا کر لیتی ہے، اسی کے جسم سے مل جاتی ہے اور آسمانوں کے درجات میں ترتیب و اختلاف کے مطابق آرام پذیر ہوتی ہے اور ان اچھی صورتوں اور عمدہ اوصاف کو مشاہدہ کرتی ہے جو اس آسمان کی روح میں مرتسم ہوتے ہیں، جن سے مراد بعضوں کے نزدیک خیال منفصل ہے اور تخیلات و تصورات سے محظوظ اور لطف اندوز ہوتی ہے۔ یہ جو شریعت میں آیا ہے کہ عامۂ مومنین کی روحیں پہلے آسمان پر رہتی ہیں اور اپنے قول پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ وما منا الا له مقام معلوم (الصافات: ۱۶۴) (اور نہیں ہے ہم سے کوئی لیکن اس کے لیے ایک معلوم مقام ہے۔) تو اس میں انہیں مراتب کی طرف اشارہ ہے۔ جنت سے مراد افلاک ہیں، اس لیے کہ بہشت کے آٹھ درجے ہیں اور وہ افلاک عرش کے نیچے ہیں اور عرش جنت کی چھت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ لیکن اگر ارواحِ انسانی عناصر کی فطری تاریکی کے گڑھے سے باہر نہیں نکلی ہوتیں اور پھر بھی ان کی صلاحیت بڑھتی رہتی ہے تو تدریجی طریقے پر ایک بدن سے دوسرے بدن میں جو پہلے سے زیادہ پاک و صاف ہوتا ہے، منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ عروج کے وقت انسانیت بلکہ امکانیت کے متوقع کمالات کے مدارج پر فائز ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد جسمانی آلودگی سے پاک ہو کر عالم قدس سے ملحق ہو جاتی ہیں اور اس انتقال کو نسخ کہتے ہیں۔ ما ننسخ من آیة اوننسھا فأت بخیرٍ منھا اومثلھا. (البقرہ: ۱۰۶) (ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس

آیت کو فراموش کرا دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کے مثل لے آتے ہیں۔)

بعض حکماء کہتے ہیں کہ یہ اعراف کا درجہ ہے، اس لیے کہ اعراف سے مراد اس دیوار کے پائے ہیں جو بہشت اور دوزخ کے درمیان ہے اور اس درجہ میں وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے عمل میں کوتاہی کی ہے یہاں تک کہ ان کو بہشت میں داخل ہونے کی اجازت ہو جائے۔ اور اگر ان روحوں میں شر زیادہ ہے تو اپنے درجے سے نیچے اتر کر اپنی غالب صفت کے مناسب جانوروں کے اجسام میں داخل ہو جائیں گی مثلاً شریر بہادروں اور دلیروں کی روح شیروں میں، متکبر لوگوں کی روح چیتوں میں، خوفناک لوگوں کی بھیڑیوں میں اور لالچی اور حریصوں کی روح چھوٹی چیونٹیوں کے بدن میں، اسی طرح سارے درندے، چرندے، پرندے اور رینگنے والے جانوروں کے بدن میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس منتقل ہونے کو مسخ کہتے ہیں۔ **كلما نضجت جلودهم بدلنا هم جلود غيرها ليذوقوا العذاب.** (النساء:۵۶) **ولاطائر يطير بجناحيه الا امم امثالكم** (الانعام:۳۸) (جب ایک دفعہ ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں۔ اور نہیں ہے کوئی پرندہ جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتا ہو، لیکن وہ تمہاری طرح کے گروہ ہیں۔)

بعض اوقات روح نیچے اتر کر اجسامِ نباتی سے متعلق ہو جاتی ہے اور اس کو رسخ کہتے ہیں کیونکہ **في اى صورة ماشاء ركبك** (الانفطار: ۸۲) (جس صورت میں اس نے چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔) اور کبھی اجسامِ جماداتی سے متعلق ہو جاتی ہے۔ مثلاً معدنیات میں کیونکہ **وننشئكم فيما لاتعلمون** (الواقعه: ۶۱) (اور ہم تم کو ایسی صورت میں بنا دیتے ہیں جن کو تم جانتے بھی نہیں۔)

حکیم عمر خیام کہتا ہے:

در حسن صفت کوش کہ در عرصۂ دہر حشر تو بصورت صفت خواہد بود

(عمدہ صفات پیدا کرنے کی کوشش کر کیونکہ زمانہ کے میدان میں تیرا حشر تیری صفت کے مطابق ہوگا۔)

ان تینوں اقسام کو حکماء دوزخ سمجھتے ہیں۔ اہلِ شریعت کے نزدیک دوزخ کے سات درجے ہیں اور عناصر بسیط چار ہیں اور مرکب تین جو باہم مل کر سات ہو جاتے ہیں۔ ہر روح جو عالم عناصر سے گزر جاتی ہے، وہ دوزخ کے درجوں میں سے کسی ایک درجہ میں ہوتی ہے۔ مشائین کے نزدیک انسان کی روح اگر جسم سے تعلق کے وقت ناشائستہ اخلاق پیدا کر لیتی ہے تو انسانی صفات کے ملذ رہنے کی وجہ سے تکلیف اور رنج و الم میں مبتلا ہو جاتی ہے جس سے روح کو نقصان پہنچتا ہے اور حسی لذتوں کے چھوٹنے کے سبب سے جن کو وہ خوگر رہی ہے، حیران رہ جاتی ہے اور اس کے رذیل اخلاق وصفات، سانپ، بچھو، بھڑکتی آگ اور سارے عذاب جو شریعت میں مذکور ہیں، ان کی شکل میں اس کے اوپر ظاہر ہوتے ہیں، جس طرح کہ عمدہ اخلاق نیک لوگوں پر حور وقصور، ولدان وغلمان اور جملہ بہشتی نعمتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔

پلِ صراط سے مراد قوت کا اعتدال ہے جیسا کہ حکمت عملی میں مقرر ہو چکا ہے۔ مثلاً غضب کے افراط

کا نام تہور، تفریط کا نام جبن (بزدلی) اور اعتدال کا نام شجاعت ہے اور چونکہ ایسی میانہ روی سخت دشوار ہے۔ اس لیے یہ بمنزلہ اس کے ہے کہ گویا ایسے راستے پر گزرنا ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور تین محراب والا ہے جو تین قوتوں یعنی عاقلہ، غضب اور شہوت کا اعتدال اور وہ راستہ عنصری دوزخ کے اوپر ہے۔

بہشت کے آٹھ دروازے اور دوزخ کے جو سات دروازوں کی تشریح حکماء نے اس طرح کی ہے کہ حواس ظاہرہ پانچ ہیں، باطنہ بھی پانچ ہیں لیکن سب ادراک نہیں کرتے بلکہ وہم اور خیال کے معاون ہیں، ادراک کرتے ہیں۔ اس لیے کہ خیال صورت کا ادراک کرتا ہے۔ اور وہم محسوسات کا ادراک کرتا ہے۔ یہ دونوں باطنی اور پانچ ظاہری حواس مل کر سات ہو جاتے ہیں۔ جب یہ حواس عقل کی فرماں برداری نہیں کرتے تو ان میں سے ہر ایک کی گرفتاری کے لیے دوزخ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جو فلک ماہ کے نیچے ہے۔ اگر فرماں برداری کرتے ہیں تو اپنی نجات و آزادی اور بہشت میں داخل ہونے کے لیے جو افلاک ہیں، نویں عقل کے ساتھ آٹھوں دروازوں سے گزر جاتے ہیں۔ فاَمّا مَن طغٰی و آثر الحیواۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوی. و امّا مَن خاف مقام ربہ ونھی النفس عَنِ الھویٰ فاِنّ الجنۃ ھی الماوی. (النازعات:۴) (پس جس شخص نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا تو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔)

عذاب کے فرشتوں کا بیان

جاننا چاہیے کہ عالمِ علوی کے منتظمین سات ستارے ہیں جو بارہ برج کے اندر گھومتے رہتے ہیں۔ اسی طرح سات اور بارہ مل کر انیس ہو جاتے ہیں۔ علیھا تسعۃ عشر (اس پر انیس فرشتے ہیں۔) عالم علوی کے ان انیس کارکنوں سے عالم سفلی کے دوسرے انیس کارکن متاثر ہوتے ہیں۔ سات قوت نباتی ہیں۔ غاذیہ، مغیرہ، مولدہ، ماسکہ، جاذبہ، ہاضمہ اور دافعہ۔ بارہ قوتِ حیوانی ہیں پانچ ظاہری حواس اور پانچ باطنی حواس اور دو قوتِ تحریک یعنی ایک شہوت دوسری غضب۔ چنانچہ جب تک انسان فلکِ ماہ کے نیچے قید خانے میں رہتا ہے اور اس کی لذتوں اور تعلقات سے جدا نہیں ہوتا، اس وقت تک لازمی طور پر علوی و سفلی کارکنوں کا کوئی نہ کوئی اثر اس کو لاحق رہتا ہے اور وہ اس کو غمگین رکھتا ہے اور اگر اس مقام سے گزر جاتا ہے تو یہاں بھی اور اُس دنیا میں بھی آزاد ہو جاتا ہے۔ منکر و نکیر سے مراد شائستہ اور ناشائستہ عمل ہے۔ قبر بدن ہے اور شکمِ مادر بطنِ فلک قمر ہے۔

اعمال نامے، کراماً کاتبین اور فرشتوں اور شیطانوں کے نیکوکاروں اور بدکاروں پر نازل ہونے کا بیان

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر قول و عمل جو لوگ کہتے یا کرتے ہیں اس کا ایک اثر ان کے اندر موجود ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کو بار بار کرتے ہیں تو اس کا اثر مستقل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علم حاصل کرنے اور ہنر سیکھنے کی مثالوں سے اس کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اور جب نیک و بداعمال کے آثار انسان کی روح میں ثابت ہیں اور ہر ایک

روح کو تکلیف یا لذت حاصل ہوتی ہے تو گویا اس کے اعمال کو ایک ایک لکھ کر اس پر پیش کر کے ثابت کرتے ہیں' اس طور پر کہ انکار نہ کیا جا سکے۔ اسی طرح کاتبین فرشتے ہیں جن میں سے ایک انسان کے داہنی طرف اور دوسرا بائیں طرف ہوتا ہے۔ ان گفتار و کردار میں سے جو قابلِ تعریف ہیں، ان کو فرشتے کہتے ہیں اور جو قابلِ ملامت ہیں، ان کو شیاطین کہتے ہیں۔ یہی مفہوم ہے جس کو پیغمبر عربی نے یوں فرمایا ہے کہ نیکی سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے اور برائی سے ایک شیطان۔ میزان سے مراد اعمال کی جزا دینے میں عدل کی رعایت ہے۔ اس طور پر کہ کوئی فرق واقع نہ ہو اور میزان (ترازو) کے پلّہ سے مراد اچھے برے اعمال ہیں۔ پس جس شخص کا پلّہ بھاری ہوتا ہے، وہ بہشتِ جاودانی میں رہتا ہے اور جس کا ہلکا ہے، وہ طبیعت کے دوزخ میں۔ فاما من ثقلت موازينه فهو في عيشة راضية واما من خفت موازينه فأمه هاوية (الحاقة: ۲۱) (پس جس شخص کا پلّہ بھاری ہوگا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔) کیونکہ قابل تعریف اقوال و اعمال کی خاصیت وقار و یقین اور اطمینان ہے اور ناشائستہ گفتار و کردار کی خاصیت اضطراب و شک اور بے چینی ہے۔ یقین، اطمینان اور وقار خوشنودی تک پہنچانے والے ہیں اور خوشنودی داروغۂ بہشت ہے، جس کا نام رضوان ہے اور شک، اضطراب اور بے چینی غضب کی جانب رہبری کرتے ہیں اور غضب دوزخ کا خازن ہے جس کو مالک کہتے ہیں۔

پہاڑوں، دریاؤں کا اور ان احوال کا بیان جو میدان قیامت میں ظاہر ہوں گے۔ جاننا چاہیے کہ پہاڑ سے بدن کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جو دھنکے ہوئے اون کی طرح ہو جاتا ہے۔ اور دریا سے عناصر کی طرف۔ اور یہ بھی مناسب ہے کہ پہاڑ عناصر کو کہیں جو کثیف ہوتے ہیں اور دریا آسمانوں کو۔ نیز پہاڑ سے اجسام مراد ہو سکتے ہیں جو عالم ملک ہیں اور دریا سے عالم ملکوت اس لیے کہ طالب ایزد اور جویائے خدا کے لیے ساری چیزیں حجاب ہیں اور حجابِ ظلمانی و نورانی یہی ہیں۔ جب وہ جسمانی اور روحانی منزلیں طے کر لیتا ہے تو مقعد صدق عند مليک مقتدر (القمر: ۵۵) (قدرت والے بادشاہ کے پاس ایک عمدہ مقام) میں آرام پاتا ہے اور ظلماتی حجابات رنگین دھنکے ہوئے اون کی طرح ہو جاتے ہیں۔ وتكون الجبال كالعهن المنفوش (القارعه: ۵) (اور پہاڑ دھنکے ہوئے رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔) اور نورانی حجابات کے دریا سامنے سے اُٹھ جاتے ہیں۔

جب تضاد و تقابل اور مخالفت جو جسم کے خواص میں سے ہیں جسم کے فنا ہونے کے ساتھ فنا ہو جاتے ہیں تو موافقت اور اتحاد یعنی سازگاری اور یگانگی ظاہر ہوتی ہے اور یقیناً درندگی اور بداخلاقی باقی نہیں رہتی۔ سانپوں اور بچھوؤں کے اندر زہر فنا ہو جاتا ہے۔ بھیڑیا بکری کے ساتھ اور باز تیتر کے ساتھ یکجا ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے سے احتراز کرنے والوں کے درمیان جمعیت پیدا ہو جاتی ہے۔ واذ الوحوش حشرت (التكوير: ۵) (اور جب وحشی جانور سب جمع ہو جائیں گے۔) جب بدن نہ رہے گا تو موت بھی باقی نہ رہے گی۔ یہی ہے جس کو پیغمبر نے فرمایا کہ موت کو قیامت کے روز حاضر کریں گے اور مار ڈالیں گے۔ اسی طرح

پیغمبر نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن لوگ دوزخ کا مشاہدہ کریں گے۔ **وبرزت الجحیم لمن یری** (النازعات: ۳۶) (اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کی جائے گی۔) اور دوزخ کو سوائے اس دن کے جیسا کہ دوزخ ہے، دیکھا نہیں جا سکتا، اس لیے کہ جو دریا میں غرق ہے، وہ دریا کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ البتہ جب اس سے باہر نکلے گا تو اچھی طرح دیکھے گا ع بازی ز کنارِ عرصہ بہتر پیداست (میدان کے کنارے سے کھیل زیادہ اچھا دکھائی دیتا ہے۔)

بہشت اور دوزخ کی نہروں کی تاویل — روح کی ترقی اور تنزل کی حالت میں اس کی لذتوں اور تکلیفوں کا حال ہم بیان کر چکے۔ پانی کی نہروں سے مراد زندگی ہے جس سے عام جنتی لوگ بہرہ اندوز ہوں گے اور دودھ بچپن کے شروع میں پرورش کا سبب ہے اور پانی سے زیادہ خاص ہے۔ اس لیے کہ اگرچہ اس کا فائدہ بھی سب کو پہنچتا ہے۔ لیکن بعض اوقات میں سب کو مفید نہیں۔ چنانچہ دودھ کی نہروں سے مراد عوام کے علوم کی نہریں ہیں جو صرف مبادی اور ظاہری علوم ہوتے ہیں اور ان نہروں سے ان بہشتیوں کو لذتیں ملیں گی جو ابھی بچوں کے حکم میں ہوں گے۔ شہد شفا کا سبب ہے، خاص کر بیماروں اور مریضوں کے لیے اور دودھ سے زیادہ خاص ہے۔ اس لیے کہ اس کا نفع بعض لوگوں کے لیے خاص ہے۔ بہشت میں شہد کی نہروں سے مراد خواص کے علوم کی نہریں ہیں۔ بہشت کے خواص کو ان ہی نہروں سے لذتیں ملیں گی۔ شراب خوف و ہراس اور غم کے دور ہونے کا سبب ہے اور شہد سے زیادہ خاص ہے۔ اس وجہ سے کہ اہلِ دنیا پر حرام اور اہلِ بہشت کے لیے حلال اور طہور (پاک) ہے۔ **وسقاهم ربهم شرابا طهورا.** (الانسان: ۲۱) (اور ان کا رب ان کو پاک شراب سے سیراب کرے گا۔) بہشت میں شراب کی نہروں سے خاص الخصوص کے علوم کی نہروں کی طرف اشارہ ہے اور بہشت میں خاص الخواص کو ان ہی نہروں سے لذتیں حاصل ہوں گی۔ **مثل الجنة التي وعدالمتقون فيها انهار من ماءٍ غير آسن وانهار من لبن لم يتغير طعمه و أنهار من خمر لذة للشاربين وانهار من عسل مصفى.** (محمد: ۱۵) (جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے، اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہیں ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں، جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں، جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں جو بالکل صاف ہوں گی۔)

ان چار نہروں کے بالمقابل اہلِ دوزخ کے لیے دوزخ میں چار نہریں ہیں جن کو حمیم، غسلین، قطران اور مہل کہتے ہیں۔ یعنی موت، جہالت، جہل بسیط اور جہل مرکب کیونکہ فرمایا ہے: **وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون.** (العنکبوت: ۴۳) (اور ان مثالوں کو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی لوگ سمجھتے ہیں۔)

درخت طوبیٰ جو بہشت میں ہے اور درخت زقوم جو دوزخ میں ہے، ان کی تشریح جاننا چاہیے کہ درخت طوبیٰ بہشت میں ایک درخت ہے جس کی ایک شاخ ہر محل یعنی بدن میں ہے، خواہ وہ بدن عنصری ہو یا

مثالی، یعنی مُردہ دل جس پر آفتابِ عقل کا پرتو پڑتا ہے، وہ عقل کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔ اس کا قول اور عمل عقل کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ ہر کام کے انجام کو سوچتا ہے اور کبھی اپنے اقوال و اعمال سے پشیمان نہیں ہوتا۔ کیونکہ دانشمند کی یہی پہچان ہے۔ درخت زقوم سے مراد درخت طبیعت ہے کہ ہر محل میں درخت طبیعت کی ایک شاخ ہوتی ہے یعنی اس کی قوتوں میں سے ایک قوت چنانچہ اس کے اثر سے انسان جو بھی عمل کرتا ہے، اس کام کے انجام کو نہیں سوچتا اور ہمیشہ اپنے قول اور عمل سے پشیمان ہوا کرتا ہے کیونکہ جہالت کی یہی پہچان ہے۔

حور وقصور کی تاویل — جاننا چاہیے کہ حور اور قصور سے مراد پوشیدہ اسرار اور علوم ہیں جو نامحرموں کی نگاہ سے پردے میں اور عزت کے خیموں میں پوشیدہ ہیں۔ **حور مقصورات فی الخیام** (حوریں خیموں میں پوشیدہ ہیں۔) اہلِ حس و خیال کے ہاتھ اُن تک نہ پہنچے ہیں اور نہ پہنچیں گے۔ **لم یطمثھن انس قبلھم ولاجان۔** (الرحمن: ۵۵) (ان لوگوں سے پہلے ان پر نہ کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔) اس لیے کہ وہ مردانِ خدا کے واسطے ہیں جو پہنچے ہوئے اور محقق ہیں۔ جتنی بار بھی یہ کامل لوگ ان کے پاس پہنچیں گے، وہ ویسی ہی دوشیزہ رہیں گی اور ہر بار ایسی نئی لذت پائیں گے جو لذت اس سے پہلی بار نہ پائی ہو گی کیونکہ جتنی بار کسی چیز میں وہ لوگ غور کرتے ہیں، ازسرِنو ایک نیا مفہوم نکل آتا ہے جو پہلے سے بہتر ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ چیزیں موت سے پہلے بھی میسر ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض حکماء سے منقول ہے کہ جب وہ اونچے مسئلہ میں غور وفکر کرتے تھے تو فراغت کے بعد فرماتے تھے کہ بادشاہوں اور ان کے بیٹوں کو یہ لذتیں کہاں میسر ہوسکتی ہیں۔ لیکن موت کے بعد اس میں زیادتی ہو جاتی ہے کیونکہ اس وقت موانع ختم ہو جاتے ہیں۔

اہلِ ظاہر نے کہا ہے کہ وہ جو عام قیامت ہے اور جس کا تعلق نفسِ عالم سے ہے یہ ہے کہ جس وقت سے اللہ تعالیٰ آسمانوں، ستاروں، عناصر، موالید اور طبائع کو عدم سے وجود میں لایا وہ دنیا کی مدت ہے۔ اس وقت تک کہ پھر سب کو عدم میں لے جائے اور وہ آخرت ہوگی۔ اہل حکمت کہتے ہیں کہ انسان کے جسم کی ترکیب اور اس جسم کے ساتھ روح کا جمع ہونا ایک بار ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا پیدا ہونا اور زندہ ہونا دوبار ہے، ایک بار حس ومحسوسات کے عالم میں اور دوسری بار عقل ومعقولات کے عالم میں۔ **من لم یُولد مرتین لم یلج ملکوت السموات والارض** (جو شخص دوبار پیدا نہیں ہوا وہ آسمانوں اور زمین کے ملک میں داخل نہیں ہوا۔) یہ حضرت عیسیٰ کا قول ہے۔

ان کے نزدیک دنیا اور آخرت کے بھی دو معنی ہیں، ایک معنی خاص دوسرا عام۔ جو خاص ہے وہ شخص کا ظاہر اور باطن ہے۔ چنانچہ ہر شخص کا جسم اور روح اس کی دنیا اور آخرت ہے اور جو عام معنی ہے وہ اس عالم کا ظاہر اور باطن ہے یعنی دنیا عالم اجسام ہے اور آخرت اس کا باطن ہے۔ یہ جو ظاہری شریعت میں آیا ہے کہ زمین کے سات طبقے ہیں اور آسمان کے بھی سات ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین ہفت اقلیم میں منقسم ہے، اس لیے سات طبقے ہوئے اور فلک بھی سات ہیں، اس لیے کہ کرسی اور عرش کو علیحدہ شمار کرتے ہیں۔ یہ جو علماء کہتے ہیں کہ قیامت کے روز آسمانوں کو لپیٹ دیں گے۔ **یوم نطوی السّمآء کطیّ السجل للکتب**

(الانبیاء:۱۰۴) کما بدأنا اوّل خلق نعیدہ والسموات مطوّیات بِیَمِیْنِہٖ ای بِقُدْرَتِہٖ وقوتہ. (الزمر:۶۷) (جس روز ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے، جس طرح لکھے ہوئے مضمونوں کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے اور ہم نے جس طرح اوّل بار پیدا کرنے کے وقت ابتدا کی تھی، اسی طرح اس کو دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے، اس کے داہنے ہاتھ میں یعنی اس کی قدرت اور قوت میں۔ اور یہ کہ اس زمین کو دوسری زمین سے بدل دیں گے۔ یَومَ تبدّلُ الارض غیرالارض. (ابراھیم:۴۸) (جس روز دوسری زمین بدل دی جائے گی، اس زمین کے علاوہ) اور اس زمین و آسمان کو بدلنے کے بعد فنا کر دیں گے اور اس وقت ایک خالص چاندی کے مثل زمین ہوگی اور اس زمین پر کسی نے گناہ نہ کیا ہوگا۔ اور یہ کہ قیامت کے دن بہشت اور دوزخ کو وہاں پر حاضر کریں گے، تو ان کا یہ قول کہ وہ دوسری زمین ہوگی، اس کے متعلق اشراقیین کہتے ہیں کہ اس سے مراد عالمِ مثال ہے جس کو عرض حقیقی بھی کہتے ہیں اور وہاں پر بہشت اور دوزخ حاضر کرنے کا مطلب بھی یہی ہے۔ اس لیے صفت اطلاق کی وجہ سے ہر شخص کی نیکی اور بدی حور وقصور اور سانپ اور بچھو کی شکل میں متمثل ہو کر اس کو مسرور یا رنجور کرے گی۔ زمین کی تبدیلی کے مسئلہ میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر ایک ملک کی آبادی دوسرے ملک میں چلی جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں اور اقلیم محسوس سے اقلیم مثال میں جانا بالکل ظاہر ہے۔

آسمانوں کو لپیٹ دینے کی تاویل میں حکماء نے یوں کہا ہے کہ کتاب اللہ ایک چیز ہے اور کلام اللہ دوسری چیز۔ اس لیے کہ کلام کا تعلق عالمِ امر سے ہے جس سے مراد معنی اور معقولات کا عالم ہے اور کتاب کا تعلق عالمِ خلق سے ہے جو عالمِ اجسام ہے اور کلام جب لکھ لیا جاتا ہے تو کتاب ہو جاتا ہے اور جب حکم جاری ہو جاتا ہے تو عمل ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک کُن فیکُون. (مریم:۳۵) (یعنی ہو جا پس وہ چیز ہو جاتی ہے۔) کا یہی مفہوم ہے۔ عالم سے تضاد اور کثرت سے مبرا ہے اور بذاتِ خود واحد ہے اور عالمِ خلق تضاد اور کثرت پر مشتمل ہے اور ذراتِ وجود کا کوئی ذرہ اس عالم سے باہر نہیں ولارطب ولایابس الا فی کتاب مبین. (الانعام:۵۹) (اور کوئی تر اور خشک چیز نہیں ہے لیکن وہ کتاب مبین میں ہے۔) لہٰذا عالمِ صور و محسوسات خدا کی کتاب ہے اور ہر جنس اس کتاب کی سورتوں میں سے ایک سورۃ ہے۔ روز و شب کے اختلافات اور آفاق اور انفس کے اندر تغیر و تبدیل اس کتاب کے اعراب ہیں۔ دن اور رات اس کتاب کو ایک ایک سورہ، ایک ایک آیت اور ایک ایک حرف کر کے تیرے سامنے پیش کرتے ہیں جیسے کہ کوئی کتاب لوگ تیرے سامنے پڑھیں۔ ایک سطر کے بعد دوسری اور ایک حرف کے بعد دوسرا حرف۔ یہاں تک کہ تُو ان معانی کو جو ان الفاظ وعبارات کے ضمن میں پوشیدہ ہیں، سمجھ لیتا ہے اور جان لیتا ہے اور کتاب کے مضمون سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہُ الحق (فصلت:۵۳) (ہم عنقریب ان کو اپنی قدرت کی نشانیاں ان کے گرد ونواح میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ قرآن حق ہے۔) اور جب تُو پوری کتاب کو سمجھ لیتا ہے تو اپنے مقصد

تک پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا اس کتاب کو ڈھک دیتے ہیں اور ہاتھ سے رکھ دیتے ہیں۔ یوم نطوی السمآء کطی السجل للکتب. (الانبیاء:۱۰۴) والسمٰوٰت مطویاتٌ بیمینہٖ. (الزمر:۶۷) اور بیمینہٖ کہا گیا ہے یعنی اس کے داہنے ہاتھ میں تاکہ ظاہر ہو جائے کہ بائیں جانب والوں کو آسمانوں کے لپیٹنے سے کوئی تعلق نہیں۔

حکماء نے زمین بدلنے کی تاویل یوں کی ہے کہ انسان کی دو زندگیاں ہیں۔ اوّل جسم کی زمین اور طبیعت کے آسمان میں، جس میں غضب اور شہوت حکمران ہیں۔ اس زندگی میں ساری مخلوق خیال وغرور اور فریب کی مصیبت میں مبتلا رہتی ہے۔ پس پہلا صُور پھونکنا امن و امان کے لیے ہے تاکہ زمین والے جو جسمانی صفات ہیں اور آسمان والے جن سے مراد طبیعت کی صفات ہیں، خیال وغرور اور فریب کی مصیبت کی وجہ سے مر جائیں۔ مگر پہلی زندگی کی بعض صفات زندہ رہ جاتی ہیں جن صفات کی مجبوراً ضرورت پڑتی ہے۔ ونُفخ فی الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَمَن فِی الاَرضِ الاّ مَن شَاءَ اللّٰہ (الزمر:۶۸) (اور صُور میں پھونک ماری جائے گی تو تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اُڑ جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے۔) دوسرا صُور پھونکنا مُردوں کو زندہ کرنے کے لیے ہوگا تاکہ زمین والے جو طبیعت کی صفات ہیں، جہالت کی موت اور خوابِ غفلت سے زندہ ہو جائیں اور اُٹھ بیٹھیں اور محسوسات اور لذاتِ جسمانی جن سے مراد دنیا ہے، ان سے رُوگردانی کریں اور معقولات اور لذاتِ روحانی یعنی اُس دنیا کی طرف متوجہ ہوں اور ہر چیز کو جیسی کہ وہ ہے جان لیں ثم نُفخ فیہ اُخری فاذاھم قیام ینظرُون (ک:۱۸) (پھر اس میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعتہً سب کے سب کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھنے لگیں گے۔)

جسم کی زمین اور طبیعت کے آسمان کی، اس زندگی میں فرمانروا عقل اور شرع ہیں۔ واشرقت الارضُ بنور رَبّھا ووُضِعَ الکتابُ وجآیء بالنبیّین والشّھداءِ (الزمر:۶۹) (اور زمین اپنے رب کے نُور سے روشن ہو جائے گی اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے) اس کے بعد ظلمانی زمین کو نورانی زمین سے اور طبیعت کے آسمان کو روحانی آسمان سے بدل دیں گے۔ یومَ تبدّلُ الارضُ غیرالارضِ والسمٰوٰت وبرزوا للّٰہ الواحدِ القھّار. (ابراھیم:۴۸) (جس روز دوسری زمین بدل دی جائے گی، اس زمین کے علاوہ اور آسمان بھی اور سب کے سب ایک زبردست اللہ کے رُوبرو پیش ہوں گے۔)

ستاروں کے تاریک ہونے اور آفتاب و ماہتاب کے بے نور ہونے کی تاویل یوں ہے کہ ستاروں سے مراد ظاہری اور باطنی حواس ہیں جن میں سے ہر ایک ستارہ آسمان کے ایک برج میں ہے اور روحِ حیوانی اور نورِ ماہتاب سے نورِ نفس کی طرف اشارہ ہے، اس لیے کہ درحقیقت نفسِ انسانی میں نور نہیں ہے بلکہ وہ آفتاب عقل سے نور کا استفاضہ کرتا ہے اور اپنے سے کم درجہ والوں کو نور کا فیض پہنچاتا ہے۔ لہٰذا جب نفسِ انسانی روشن ہو جاتا ہے تو حواس اپنے افعال سے باز رہتے ہیں۔ واذا النّجوم انکدرت (التکویر:۲) (اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔) اور جب نورِ عقل پیدا ہو جاتا ہے تو نفسِ انسانی بھی اپنے فعل سے معزول ہو جاتا ہے اور جب مستفیض اپنے مفیض کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے تو یگانگی کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ وجمع

الشمش وَالقمر (القیامہ: ۹) (اور آفتاب اور ماہتاب جمع ہو جائیں گے۔) اور جب نورِ الٰہی اور علم لدنی جس سے مراد وحی ہے، ظاہر ہو جاتا ہے تو عقل و فکر بھی اپنے فعل سے معزول ہو جاتی ہے۔ اِذَا الشَّمس کُوِّرَت (التکویر: ۱) (جب آفتاب بے نور ہو جائے گا۔)

کہتے ہیں کہ میدانِ قیامت کی منزلیں پچاس ہیں:

کردہ آمادہ خالقِ داور بہر ہر موقفے سوال دگر

ہر کہ گوید جوابِ خود بصواب طی ہر موقفے کند بشتاب

(خالقِ داور نے ہر موقف (منزل) کے لیے ایک نیا سوال تیار کر رکھا ہے جو شخص اپنا جواب صحیح دے گا، وہ ہر منزل کو جلدی سے طے کر لے گا۔)

وہ سات مواقف یہ ہیں: پانچ حواسِ ظاہرہ، پانچ حواسِ باطنہ، غضب، شہوت، سات نباتی قوتیں، تین نفس یعنی جمادی، نباتی اور حیوانی، چار خلطیں، موالیدِ ثلاثہ، چار عناصر، آٹھ مزاج اور سات اعضائے جسمانی، ہیولٰی اور صورت کو دوسرے موقعوں کو مکرر بیان کیا گیا۔ کتاب اللہ سے علم کی طرف اشارہ ہے۔

قیامت اور مُردہ اجسام کے حشر کے بارے میں اہلِ ظاہر نے کہا ہے کہ جسمِ انسانی کے پراگندہ اجزا کے ہر ذرہ کو روزِ قیامت میں جمع کر کے اس کو زندہ کریں گے اور اس وقت کی کیفیت کے بارے میں سوال نہ کرنا چاہیے بلکہ جو باتیں ہم کو انبیاء و کاملین کی طرف سے معلوم ہوئی ہیں، ان کی تقلید کرنا اور اعتقاد رکھنا ہم پر واجب ہے۔ لیکن حکماء کہتے ہیں کہ اصل سوال روح کے بارے میں ہے جو حساب کتاب کے دن پھر واپس آ جائے گی جبکہ وہ جوہرِ مجرد ہے جس کو مادہ کی ضرورت نہیں جو مقدار، رنگ یا جگہ کے قابل ہوتا ہے بلکہ روح ان تمام چیزوں سے مجرد ہے اور اسی لیے وہ علوم اور ساری چیزوں کے جاننے کا محل ہے۔ اس کا انتہائی کمال یہ ہے کہ ازل کے آغاز سے ابد کے آخر تک کی ساری چیزیں اس پر ظاہر ہو جاتی ہیں اور وہ جانتی ہے کہ جس وقت وہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتی ہے تو اپنے اصل معاد کی طرف لوٹ جاتی ہے اور وہ عالمِ مجردات ہے جو جسمانی آمیزش و آلائش سے بہت دور ہے۔

حکماء کہتے ہیں کہ شبِ قدر سے مراد مبدا اور روزِ قیامت سے مراد معاد ہے اس لیے کہ شب کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں چیزیں پوشیدہ رہتی ہیں اور کسی شخص کو اس کو اطلاع نہیں ہوتی اور دن کی حقیقت یہ ہے کہ چیزیں اس میں ظاہر ہو جاتی ہیں اور سب لوگوں کو ان کی اطلاع ہو جاتی ہے پس جملہ معلومات اور مقدرات جو فطری اور ازلی ہیں، خدا کے علم میں کہ مبداء سے مراد وہی ہے، ثابت اور مقدر ہیں اور کسی شخص کو ان کی اطلاع نہیں ہے۔ لہٰذا اس لحاظ سے کہ تقدیریں اس میں پوشیدہ ہوتی ہیں، مبدا کو شبِ قدر کہا ہے۔ اور چونکہ معاد میں ساری پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جائیں گی اور ہر شخص کو ان کی اطلاع ہو جائے گی۔ اس لحاظ سے اس کو دن سے منسوب کیا ہے اور چونکہ اس روز سب لوگ جسم کی قبروں سے اُٹھ بیٹھیں گے اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائیں گے، اس لیے اس کو روزِ قیامت کہا ہے۔ مَن مَاتَ فَقَد قَامَت قِیَامَتہ (جو شخص مر گیا، تو بیشک اس کی

قیامت قائم ہوگئی۔)

حکماء کے نزدیک کعبہ سے مراد آفتاب ہے جس کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنا درست ہے اور چاہ زمزم بھی نیرّ اعظم (آفتاب) ہے جیسا کہ حکیم خاقانی نے اس کا اشارہ کیا ہے۔

اے کعبۂ رہرو آسمان را اے زمزم آتشیں جہان را

(اے وہ ذات جو آسمان کے لیے ایک راہ طے کرنے والا ہے اور اے وہ ذات جو دنیا کے لیے آتشیں زمزم ہے۔)

حجر اسود سے جسم زحل کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ گردش کرنے والا ستارہ (ستارۂ سیارہ) آغازِ افلاک ہے اور حشر اجساد کی انہوں نے یوں تاویل کی ہے کہ حکماء افلاک کی گردش کے مطابق کرۂ خاک میں تاثیرات کے قائل ہیں:

ہر ہیئت و ہر نقش کہ شد محو کنون در مخزن روزگار گردد مخزون

چوں باز ہمیں وضع شود وضعِ فلک از پردۂ غیبش آورد حق بیرون

(ہر شکل اور ہر نقش جو اس وقت مٹ گیا، وہ زمانہ کے مخزن میں جمع ہو گیا۔ جب افلاک کی وضع پھر اسی حالت میں ہو جائے گی تو حق تعالیٰ اسے پردۂ غیب سے باہر لائے گا۔) ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے:

چوں دَورِ فلک بہ سی صد و شصت ہزار ہر لحظ کند بمرکز خویش قرار

ظاہر شود آنچہ پیش ظاہر شدہ بود بے ہیچ تفاوت از یمین و ز یسار

(جب فلک کی گردش تین سو ساٹھ ہزار سال میں ہر لمحہ اپنے مرکز کی جانب حرکت کرتی رہتی ہے تو جو چیز پہلے ظاہر ہو چکی ہے، وہی پھر ظاہر ہوتی ہے، بغیر داہنے یا بائیں جانب کسی فرق کے۔)

ان کے نزدیک دورِ اعظم کی مدت بقول برزاسپ شاگرد طہمورث دیو بند کے تین سو ساٹھ ہزار سال شمسی ہے یعنی چونکہ حرکتِ افلاک دوری ہے، اس لیے اس بار اوضاع فلکی جس چیز کی مقتضی ہوئی ہیں، جب وہ چیز اوضاع افلاک کی گردش کے مطابق ظاہر ہو جاتی ہے تو قرانات، ادوار و اکوار، رتق و فتق، اتصالات کلی اور امتزاجاتِ جزوی کی وجہ سے اوضاعِ فلکی کی ہیئتِ مجموعی بعینہٖ اسی چیز کی مقتضی ہوتی ہے بغیر کسی کمی یا زیادتی کے۔

حکمائے فارس کی کتابوں میں لکھا ہے کہ چونکہ افلاک کی حرکات دوری ہیں، لہٰذا پرکار اسی نقطہ پر پہنچتا ہے جہاں سے اس نے دائرہ شروع کیا تھا اور جب دوسری گردش میں پرکار اسی خط پر گھومتا ہے جس پر پہلے گھوما تھا تو یقیناً پہلی گردش میں اس نے جو فائدہ دیا ہے، وہی فائدہ دے گا اور چونکہ دونوں گردش کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اس لیے دونوں کے اثر میں بھی کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ اس لیے کہ موثرات جس طرز سے شروع ہوئے تھے، اسی پر واپس لوٹتے ہیں۔ چنانچہ نجوم و افلاک جب پہلے مرکز پر گردش پائے اور ابعاد، اتصالات، مناظرات اور مناسبات میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہیں ہوا تو یقینی طور پر ان مولدات سے جو متاثرات ظاہر ہوں گے، وہ بھی کسی طرح مختلف نہ ہوں گے۔ اس کو فارسی میں مہین چرخ اور عربی میں دورۂ کبریٰ کہتے ہیں۔

فارابی کہتا ہے کہ عوام اپنے عقائد کو خیالی صورتوں میں مشاہدہ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے اور ان کے تخیلات کا محل کوئی نہ کوئی جرمِ فلکی ہوتا ہے۔ حضرت شیخ مقتول کا رجحان تلویحات میں، اس بات کی طرف اشارہ اجرامِ فلکی اہلِ جنت کے تخیلات کا محل ہیں اور فلک قمر کے نیچے اور آتش کے اوپر ایک کروی غیر منحرف جرم ہے جو اہلِ دوزخ کے تخیلات کا محل ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ گروہ عالم کو قدیم سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ جس طرح آفتاب کی روشنی آفتاب کے ساتھ ہے، اسی طرح عالم خدا کے ساتھ ہے۔ کبھی ایسا نہیں تھا کہ وہ نہ رہا ہو اور کبھی ایسا نہ ہوگا کہ وہ نہ رہے۔ اہلِ شرع کے نزدیک عالم حادث بالزمان ہے لیکن حکماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد حدوثِ ذاتی ہے اور حدوثِ ذاتی کی قدیم سے کوئی منافات نہیں۔ لہٰذا عالم قدیم بالزمان ہے۔

۲۔ شریعت اور نبوت کی حقیقت کے بارے میں

حکماء کہتے ہیں کہ چونکہ افراد انسانی روزی کے کاموں میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور ان کے لیے بغیر کسی قاعدہ، قانون اور اصول کے کوئی چارہ نہیں جس میں سب لوگ موافق ہوں اور معاملات اور شرکت میں کسی پر ظلم نہ واقع ہو اور دنیا کا نظام محفوظ رہے، اس لیے چاہیے کہ قاعدہ اور قانون کو خدا کی طرف منسوب کریں اور ایسا ظاہر کریں کہ وہ خدا کے پاس ہے تاکہ سب لوگ اس کو قبول کریں۔ اسی بنا پر حکمتِ الٰہی انبیاء کے ظہور و بعثت کی مقتضی ہوئی تاکہ مخلوقات کے انتظام کے لیے قوانین وضع کریں اور لوگوں کو نرمی اور سختی سے اس پر چلائیں تاکہ سب موافق رہیں اور دنیا کے حالات درست ہو جائیں۔ اس واضع قانون کو حکماء صاحبِ ناموس کہتے ہیں اور اس کے احکام کو ناموس کہتے ہیں اور متاخرین کی اصطلاح میں واضع قانون کو نبی اور شارع اور اس کے احکام کو شریعت کہتے ہیں۔ لیکن اس کا جانشین جو حاکم ہوتا ہے، ایسا شخص ہونا چاہیے جو تائیدِ الٰہی میں ممتاز ہو تاکہ اس کے لیے افرادِ انسانی کی تکمیل اور ان کے مصالح کا انتظام ممکن ہو سکے۔ ایسے شخص کو حکماء ملک علی الاطلاق کہتے ہیں اور اس کے احکام کو صناعت مملکت، متاخرین اس کو امام اور اس کے احکام کو امامت کہتے ہیں۔

خوارق عادات کو کرامات اور معجزات کہتے ہیں، ان کی تحقیق حکماء نے یوں کی ہے کہ ہمارا نفس ان حوادث کا سبب ہے جو جسم میں ظاہر ہوتے ہیں مثلاً غصہ اور تیزی لہٰذا ایک ایسا نفس ہونا چاہیے جو ہر طرح سے زیادہ قوی ہو جس کی نسبت عالم کون وفساد سے بعینہ ویسی ہی ہو جیسی کہ ہماری نسبت اپنے جسم سے ہے۔ چنانچہ اس کا ارادہ حوادث کا سبب ہے اور وہ جو کچھ چاہتا ہے، اسے عالم کون وفساد میں پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے سب باہم موافق ہیں۔ حکماء کا خیال ہے کہ ایک ایسا نفس ہونا ضروری ہے جو بیحد مدرک اور تیز فہم ہے۔ چنانچہ جسم قسم کا بھی علم ہو، جب وہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ایک ہی روز میں اس پورے علم کو حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس کی قوتِ حافظہ ایسی ہوتی ہے کہ جو بات ایک بار سنتا ہے، اس کو یاد کر لیتا ہے۔ اسی طرح دوسرا نفس ہوتا ہے کہ جس پر وہ نگاہ کرتا ہے، اس کے گذشتہ اور موجودہ حالات کو بیان کر دیتا ہے۔ ایک اور نفس ہوتا ہے کہ جو چیز واقع

ہوتی ہے اس کے واقع ہونے سے پہلے خواب میں یا الہام کے ذریعہ جان لیتا ہے۔ ایک اور نفس ہوتا ہے کہ جس کو دیکھتا ہے اس کا ارادہ اس پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ سب نفس کی خصوصیات ہیں۔

جب ریاضیات و مجاہدات کے ذریعہ اس کی روحِ نفسانی اعتدال میں جوہر فلک کی طرح ہو جاتی ہے تو اس کا نفس ناطقہ نفوسِ فلکی سے جو واقعہ ہونے والا ہوتا ہے، اس کو حاصل کر لیتا ہے، جس طرح شفاف آئینہ منقش آئینہ سے حاصل کرتا ہے اور جب نفس ناطقہ میں وہ واقعہ بطریقِ کُلّی ظاہر ہو جاتا ہے تو نفسِ ناطقہ اس کو بطریق جزوی قوتِ متخیّلہ سے بیان کرتا ہے اور پھر وہ قوتِ متخیّلہ سے حِسِ مشترک میں نازل ہوتا ہے اور جب وہ حس مشترک میں آیا تو محسوس ہو گیا اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ کوئی چیز حسِ مشترک میں باہر سے آئی یا اندر سے۔ اسی وجہ سے بعضوں نے اس کو حسِ مشترک کہا ہے کہ وہ دونوں طرف سے ادراک کرتا ہے۔ پس جس کا مزاج زیادہ صحیح و سالم ہوگا اور جس کی قوتِ متخیلہ اور حسِ مشترک زیادہ روشن ہوں گے۔ تعلقات کے بعد اس کی خبر زیادہ سچ ہوگی جیسے کہ خواب کیونکہ خواب بھی اسی قسم سے ہے اور بعض انبیاء کی وحی خواب کی حالت میں رہی ہے۔

وحی والہام کا مفہوم —— بعض مبتدیوں کو جن پر ایسی حالت طاری ہوتی ہے، وہ بات جو اُن کو معلوم نہیں ہوتی، وہ اچانک معلوم ہو جاتی ہے، وہ گمان کرتے ہیں کہ شاید وہ لوگ باہر سے اس کو سنتے ہیں اور اس کو آوازِ ہاتف کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ حکماء نے کہا ہے کہ جہاں تک معجزات اور کرامات کا تعلق ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا نفس ان حوادث کا سبب ہے جو ہمارے جسم میں ظاہر ہوتے ہیں مثلاً غصہ اور خوشی۔ لہٰذا ممکن ہے کہ کوئی نفس ایسا قوی اور کامل ہو جس کی نسبت عالمِ کون فساد سے بعینہٖ ویسی ہی ہو جیسی کہ ہماری نسبت ہمارے جسم سے ہے چنانچہ اس کا ارادہ عالم کون و فساد میں واقعات کا سبب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی عجیب و غریب علوم اور اشیاء کی خصوصیات ہیں۔ حضرت شیخ بوعلی نے رسالۂ معراجیہ میں فرمایا ہے کہ ساری روحیں عقلِ کُل کی تابع ہیں، سوائے روح القدس کے جو واجب الوجود اور عقل اول کے درمیان واسطہ ہے اور وہ حکم ہے اور کلامِ ایزدی کسی مفہوم کا کشف ہے جو عقل کے واسطہ سے روح القدس معلوم کرتا ہے اور نبی کی روح کو پہنچاتا ہے۔ لہٰذا جو کچھ نبی کا کلام ہے، وہ سب بعینہٖ کلام ایزدی ہو جاتا ہے۔ اس کا حکم اس کے اوپر باطل ہو جاتا ہے اور اس پر نام قدسی پڑ جاتا ہے۔

پیغمبر کے معراج کی تاویل —— اس بارے میں حکماء کے بہت سے اقوال ہیں اور سب تاویلات میں بہترین تاویل رئیس الحکماء بوعلی سینا کی ہے جو فرماتے ہیں: پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ نے یوں فرمایا کہ میں ایک رات اُمِّ ہانی کے مکان میں سویا ہوا تھا۔ وہ رات کڑک اور بجلی والی تھی، نہ کوئی حیوان آواز دیتا تھا اور نہ کوئی پرندہ سیٹی بجاتا تھا۔ کوئی شخص بیدار نہ تھا اور میں خواب میں نہیں تھا۔ بلکہ خواب اور بیداری کے درمیان معلق تھا۔ اس اشارہ سے ان کی مراد یہ تھی کہ زیادہ عرصہ ہوا جب سے میں حقائق کے ادراک کا خواہش مند تھا۔ رات کے وقت بصیرت کے لیے لوگ زیادہ فارغ رہتے ہیں، کیونکہ جسمانی مشاغل اور توابع حسّی سے بالکل منقطع رہتے ہیں،

لہٰذا رات میں اتفاق پڑا۔ میں خواب اور بیداری کے درمیان تھا یعنی عقل اور حس کے درمیان۔ میں علم کے سمندر میں کود پڑا۔ وہ رات کڑک اور بجلی والی تھی یعنی عالم بالا کی ساتوں امدادیں غالب تھیں۔ یہاں تک کہ قوت غضبی مرگئی اور قوتِ خیالی اپنے عمل سے رک گئی اور فراغت کو مشغولیت پر غلبہ حاصل ہوا۔ پیغمبر نے فرمایا کہ جبرئیل خوبصورت شکل میں نازل ہوئے۔ ایسی شان اور روشنی اور عظمت کے ساتھ کہ گھر روشن ہو گیا یعنی رُوحِ قدسی کی قوت حکم کی شکل میں مجھ سے مل گئی اور اس نے ایسا ظاہر کیا کہ نفس ناطقہ کی ساری قوتیں اس کی وجہ سے تازہ اور روشن ہوگئیں۔ پیغمبر نے جبرئیل کی یہ جوصفت بیان کی کہ میں نے ان کو دیکھا برف سے زیادہ سفید تھے اور خوبصورت چہرہ تھا۔ گوندھے ہوئے بال اور ان کی پیشانی پر نور سے لا الہ الا اللہ لکھا ہوا تھا، خوبصورت آنکھ اور باریک ابرو تھے اور ان کے ستر ہزار بٹے ہوئے گیسو تھے۔ سرخ یاقوت کے اور چھ لاکھ آبدار موتیوں کے۔ یعنی تجرد عقل کی نگاہ میں ان کا حسن ایسا تھا، کہ اگر اس حسن کا کوئی اثر حسی شے پر ظاہر کریں تو وہ محسوس اسی طرح ہو جائے جیسا کہ بیان کیا گیا اور یہ کہ ایک مخصوص نور سے لا الہ الا اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ جس کسی کی نظر ان کے حسن پر پڑ جائے۔ اس سے شرک و شک اور تعلق کی ظلمت دُور ہو جائے اور صانع کو یقین و تصدیق سے ثابت کرنے میں ایسا ہو جائے اور ایسے درجے پر پہنچ جائے کہ اس کے بعد جس مصنوع شے پر نظر ڈالے، اس کی توحید میں اضافہ ہو جائے اور ان میں ایسی لطافت تھی کہ اگر کسی کے ستر ہزار گیسو ہوں تو بھی ان کے حسن تک نہیں پہنچ سکتا۔ ان میں ایسی تیز رفتاری تھی کہ گویا چھ سو بال و پر سے پرواز کرتے ہیں کہ ان کی رفتار وقت اور زمانے کی پابند نہ تھی۔ پیغمبر نے یہ جو فرمایا کہ جبرائیل میرے پاس آئے اور مجھ کو سینے سے لگایا اور میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا کہ اے سونے والے کب تک سوئے گا، اُٹھ بیٹھ۔ یعنی جب قوتِ قدسی میرے پاس آئی تو مجھ پر نوازش کی اور اپنے کشف تک میری رہنمائی کی اور میری عزت کی تو اتنا شوق میرے دل میں پیدا ہوا کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور حضوری میں لے گئی۔ اس کے بعد کہا کہ تو کب تک سوئے گا یعنی باطل خیالی باتوں پر کیوں قانع ہے، بہت سے عالم ہیں۔ اس عالم کے ماورا جس میں کہ تو ہے اور ان کا علم حاصل نہیں ہوسکتا سوائے بیداری کے اور میں ازراہِ شفقت تیری رہبری کروں گا لہٰذا اُٹھ۔ پیغمبر نے یہ جو فرمایا کہ میں ڈر گیا اور اس ڈر کے مارے اپنی جگہ سے اچھل پڑا یعنی اس کی ہیبت سے کوئی خیال میرے دل و دماغ میں باقی نہ رہا۔ اور یہ جو جبرئیل نے کہا کہ پُرسکون رہ کیونکہ میں تیرا بھائی جبرئیل ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لطف و کشف سے میرا خوف دور ہو گیا اور انہوں نے عزیز داری ثابت کی تاکہ مجھ کو خوف سے رہائی دیں۔ اس کے بعد میں نے کہا اے بھائی! کیا کسی دشمن نے قابو پایا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں آپ کو دشمن کے ہاتھ میں نہ دوں گا۔ میں نے کہا کہ تو کون ہے، تو انہوں نے کہا کہ اُٹھ بیٹھ اور ہوش میں آ جا اور دل کو اپنے پاس رکھ یعنی اپنے حافظہ کو روشن کر اور میری پیروی کرتا کہ میں مشکلات کو تیرے سامنے سے رفع کر دوں۔ پیغمبر نے فرمایا کہ میں پریشان اور سرگرداں ہو گیا اور جبرئیل کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ یعنی میں نے عالمِ محسوسات سے اعراض کیا اور فطری عقل کی مدد سے فیضِ قدسی کے پیچھے روانہ ہوا۔ پیغمبر نے فرمایا کہ جبرئیل کے پیچھے میں

نے ایک براق دیکھا یعنی عقلِ فعال جو قدسی قوتوں پر غالب ہے۔ اور اس کی مدد اس عالمِ کون وفساد کو ان سے پہلے پہنچتی ہے کیونکہ عقلِ فعال عقول علوی میں سے ہے۔ ایک بڑا بادشاہ ہے اور ہر وقت روحوں کی مناسب مدد کرنے والا ہے۔ براق کے مانند اس کو اس لیے کہا کہ وہ رات کی روشنی میں تھے اور مسافر کی مدد سواری سے ہوتی ہے اور اس سفر میں ان کے لیے مدد کرنے والا چاہیے تھا، لہٰذا اس کو سواری کے نام سے یاد کیا۔ یہ جو فرمایا کہ وہ گدھے سے بڑا اور گھوڑے سے چھوٹا تھا تو مطلب یہ ہے کہ عقل انسانی سے بڑا اور عقلِ اوّل سے چھوٹا تھا۔ نیز فرمایا کہ اس کا چہرہ انسان کے چہرہ کی طرح تھا یعنی وہ انسان کی تربیت کی طرف مائل تھا اور انسانوں پر ایسی شفقت رکھتا تھا جیسی کہ جنس کو اپنی نوع پر ہوتی ہے اور انسانوں سے اس کی تشبیہہ دینا شفقت اور تربیت کے لحاظ سے ہے۔ یہ جو فرمایا کہ وہ لمبے ہاتھ اور لمبے پاؤں والا تھا۔ یعنی اس کا فائدہ سب جگہ پہنچتا ہے اور اس کا فیض ساری چیزوں کو تازہ رکھتا ہے۔ پیغمبر نے فرمایا کہ میں نے چاہا کہ اس پر بیٹھوں تو اس نے سرکشی کی یہاں تک کہ جبرئیل نے مدد دی تو وہ میرے تابع ہو گیا یعنی چونکہ میں عالم جسمانی میں تھا اور میں نے چاہا کہ اس کی صحبت سے متصل ہو جاؤں۔ اس لیے اس نے قبول نہیں کیا یہاں تک کہ قوتِ قدسی نے مجھ کو دُنیاوی مشاغل اور جسمانی عوامل سے غسل دلایا تو میں مجرد ہو گیا اور اس کے ذریعہ عقل فعال کے فیض اور فائدہ سے بہرہ ور ہوا۔

پیغمبر نے یہ جو فرمایا کہ جب میں راستہ میں چلا اور مکہ کے پہاڑوں سے آگے گزرا تو ایک مسافر کو دیکھا جو میرے پیچھے آ رہا تھا۔ اس نے آواز دی کہ ٹھہر جا لیکن جبرئیل نے کہا کہ اس سے بات نہ کر اور آگے چل۔ میں اس سے آگے گزر گیا۔ اس سے قوت وہم مراد لی ہے یعنی جب میں اپنے ظاہری اعضاء اطراف کے مطالعہ سے آزاد ہوا اور حواس پر غور نہیں کیا اور آگے گزر گیا تو قوت وہم میرے پیچھے آواز دے رہی تھی کہ مت جا۔ اس لیے کہ قوتِ وہم تصرف کرتی ہے اور بڑا غلبہ رکھتی ہے اور ہر حال میں اپنا کام کرتی ہے اور سارے حیوانات کے لیے بمنزلہ عقل کے انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہم کا تابع ہو جائے ورنہ وہ حیوانات کے برابر ہو جائے گا اور اس کے شرف میں خلل پیدا ہو جائے گا۔ پس جس کسی کی توفیق ایزدی مدد کرتی ہے وہ کسی موقع پر وہم کی پیروی نہیں کرتا۔ یہ جو پیغمبر نے فرمایا کہ میرے پیچھے ایک پُرفریب اور حسین عورت آواز دے رہی تھی کہ ٹھہر جا تا کہ میں تجھ تک پہنچ جاؤں۔ اس وقت بھی جبرئیل نے کہا کہ گزر جا اور نہ ٹھہر۔ اس سے مراد قوت خیال ہے جو پُرفریب اور آراستہ ہے۔ اس کو عورت کے مثل اس لیے کہا کہ اکثر طبیعتیں اس کی طرف مائل ہوتی ہیں اور لوگ اس کی قید میں گرفتار ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ قوت خیال جو کچھ کرتی ہے، سب بے بنیاد ہوتا ہے اور مکر و فریب سے آلودہ ہوتا ہے۔ اور یہ عورتوں کا کام ہے جو حیلہ اور بہانہ کرتی ہیں۔ لہٰذا قوت خیال بھی پُرفریب ہے۔ جھوٹی اور بدعہد عورت لوگوں کو ایسا فریب دیتی ہے کہ پہلے اپنی نمائش سے ان کا شکار کرتی ہے پھر وفا نہیں کرتی۔ چنانچہ جلد ہی وہ ساری نمائش غلط ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح جب انسان خیال کے پیچھے چلتا ہے، تو کبھی معقول تک نہیں پہنچتا بلکہ ہمیشہ ظاہری آرائش کے پیچھے لگا رہتا ہے اور بے اصل مجسمات کی قید میں گرفتار رہتا ہے۔

پیغمبر نے یہ جو فرمایا کہ جب میں چلا تو جبرئیل نے کہا کہ اگر تو اس کا انتظار کرتا یہاں تک کہ وہ تجھ تک آ پہنچتی تو تُو دنیا کا دوست ہو جاتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیوی حالات بے اصل ہیں اور بسرعت زوال پذیر ہیں۔ دنیاوی مشغلے اور حقیر ساز و سامان آخرت کے حقائق کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کہ خیال کی نمائش اور اسرار عقل کے مقابلے میں اس کے احوال اور جو شخص خود کو ان پر وقف کر دیتا ہے، وہ معقول سے پیچھے رہ جاتا ہے اور خواہش کے فریب میں جہالت کے دوزخ میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

یہ جو پیغمبر نے فرمایا کہ جب میں پہاڑوں سے آگے گزرا اور ان دو شخصوں کو پیچھے چھوڑ دیا تو میں بیت المقدس تک گیا اور اس کے اندر داخل ہوا۔ ایک شخص میرے سامنے آیا اور تین پیالے مجھ کو دیئے۔ ایک میں شراب، دوسرے میں پانی اور تیسرے میں دودھ تھا۔ میں نے چاہا کہ شراب کا پیالہ لوں تو جبرئیل نے روکا اور دودھ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اس کو لیا اور پیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب میں حواس سے گزر گیا اور وہم اور خیال کے احوال کو سمجھ چکا اور اپنے دل میں غور کیا اور عالمِ روحانی میں داخل ہوا تو میں نے پاک گھر میں تین روحوں کو دیکھا۔ ایک حیوانی دوسری طبیعی اور تیسری ناطقہ۔ میں نے چاہا کہ روحِ حیوانی کے پچھلے چلوں اور اس کو شراب سے تشبیہ اس لیے دی کہ اس کی قوتیں غضب اور شہوت کی طرح پُرفریب، پردہ پوش اور حیلہ ساز ہیں۔ نیز شراب دوسری دو قوتوں کو تاریک کر دینے والی ہے۔ طبیعی کو پانی سے تشبیہ اس لیے دی کہ سارا استحکام اسی کی وجہ سے، اور شخصیت اور جسم کی بقا اس کے شاگردوں کی تربیت کی وجہ سے ہے، جو جسم کے اندر کام کرتے ہیں۔ اسی طرح پانی بھی حیوانات کی زندگی اور نشو و نما میں مدد کا ذریعہ ہے۔ ناطقہ کو دودھ سے تشبیہ اس لیے دی کہ وہ ایک مفید اور لطیف غذا ہے اور نفع بخش ہے۔ یہ جو فرمایا کہ میں نے چاہا کہ شراب لوں لیکن جبرئیل نے روکا تو میں نے دودھ لیا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اکثر لوگ ان دو روحوں یعنی طبیعی اور حیوانی سے آگے نہیں گزرتے۔ اس لیے کہ ناقص ہوتے ہیں اور جو بھی ناقص ہوتا ہے، وہ جب بھی طلب کرتا ہے، جسمانی شے طلب کرتا ہے اور ان دو روحوں کی لذت اور فائدہ جسمانی ہوتا ہے۔

پیغمبر نے فرمایا کہ جب میں وہاں پہنچا تو مسجد کے اندر داخل ہوا۔ ایک مؤذن نے نماز کے لیے اذان دی، میں امامت کے لیے آگے بڑھا۔ انبیاء و ملائکہ کی جماعت کو دیکھا جو داہنے اور بائیں کھڑے تھے۔ ایک ایک مجھ کو سلام کرتے اور مجھ سے نیا عہد باندھتے تھے، یعنی جب میں حیوانی اور طبیعی روحوں کا مطالعہ اور غور و فکر کرنے سے آزاد ہوا تو مسجد کے اندر گیا یعنی روحانی دماغ میں پہنچا۔ مؤذن سے ان کی مراد قوتِ ذاکرہ اور اپنی امامت سے قوتِ تفکر مراد ہے اور ملائکہ سے روحانی دماغ کی قوتیں مراد ہیں۔ جیسے تمیز و حفظ اور ذکر و فکر اور جو اُن کے مثل ہیں۔ ان کے سلام کرنے کا مطلب ساری عقلی قوتوں پر ان کا محیط ہونا ہے۔ مثلاً جب کوئی چاہتا ہے کہ چھت پر جائے تو پہلے ایک سیڑھی چاہیے کہ اس کے ایک ایک پایہ پر چڑھے یہاں تک کہ چھت کی سطح پر پہنچ جائے۔ اس موقع پر بھی یہ قوتیں مثل سیڑھی کے پائے کے ہیں کہ جب کوئی ایک ایک پایہ پر چڑھے گا تو اپنے مقصد تک پہنچ جائے گا۔ پیغمبر نے فرمایا کہ جب میں ان سے فارغ ہوا اور اوپر کی طرف رُخ کیا تو میں نے

ایک سیڑھی پائی جس کا ایک پایہ چاندی کا اور دوسرا سونے کا تھا۔ یعنی حواسِ ظاہر سے حواسِ باطن کی طرف رُخ کیا، اور چاندی اور سونے سے مطلب مرتبہ میں ایک کا دوسرے پر شرف ہے۔

پیغمبر نے یہ جو فرمایا کہ میں دنیا کے آسمان پر پہنچا تو دروازہ کھولا گیا اور میں اندر گیا تو اسماعیلؑ کو کسی کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا، ان کے سامنے ایک جماعت ان پر نظر جمائے کھڑی تھی۔ میں نے ان کو سلام کیا اور دیکھا اور آگے گزر چکا۔ اس سے ان کی مراد فلکِ قمر ہے اور اسماعیل سے جرمِ قمر مقصود ہے اور اس جماعت سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے حالات قمر کے زیرِ اثر ہیں۔

پیغمبر نے جو یہ فرمایا کہ میں دوسرے آسمان پر پہنچا تو ایک فرشتہ کو ان سب سے آگے دیکھا جو بڑا خوبصورت تھا اور اس کی عجیب بناوٹ تھی۔ اس کا آدھا جسم برف کا اور آدھا آگ کا تھا، مگر ان دونوں میں کوئی اختلاف نہ تھا اور نہ ایک دوسرے سے ان کی دشمنی تھی، فرشتہ نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ تجھ کو بشارت ہو کہ تجھ کو ساری اچھائیاں اور دولتیں حاصل ہوگئیں۔ اس سے مراد فلکِ عطارد ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ستارہ کے لیے ایک خاص حکم مقرر کیا ہے یا وہ سعد ہے یا نحس لیکن عطارد کا اثر دونوں قسم کا ہے چنانچہ نحس کے تعلق سے نحس اور سعد کے تعلق سے سعد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آدھا اچھا ہے اور آدھا برا۔ خوبی اور دولت کی بشارت سے مراد دماغی قوت اور کثرتِ علوم ہے جن کو یہ ستارہ عطا کرتا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ جب میں تیسرے آسمان پر پہنچا تو ایک فرشتہ دیکھا جس کے مثل حسن و جمال میں میں نے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ خوش و خرم تھا اور کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور فرشتوں کے نور سے اردگرد روشن تھا۔ اس سے مراد فلکِ زہرہ ہے۔ اس کے حسن و جمال کی تشریح کی ضرورت نہیں اور وہ خوشی کی دلیل ہے۔

پیغمبر نے یہ جو فرمایا کہ جب میں چوتھے آسمان پر پہنچا تو میں نے بادشاہ کی طرح ایک فرشتہ دیکھا جو سازوسامان کے ساتھ ایک نورانی تخت پر بیٹھا تھا۔ میں نے سلام کیا تو بڑے تکبر سے جواب دیا وہ کبر اور بڑائی کی وجہ سے نہ کسی سے بات کرتا تھا اور نہ مسکراتا تھا۔ اس نے سلام کا جواب دیا بعد میں بولا اے محمدؐ! میں تیرے سامنے ساری خوبیاں اور دولتیں دیکھتا رہا ہوں، البذا تجھ کو میری طرف سے بشارت ہو۔ اس سے فلکِ چہارم مراد ہے اور اس فرشتہ سے ان کا مقصد آفتاب ہے جو بادشاہوں اور بڑے لوگوں کے حالات کی خبر دیتا ہے۔ اس کا تبسم بھلائی کے مقدر میں اس کی تاثیر ہے اور اس کی بشارت، اس کا ہر شخص کے لیے بھلائی کا فیض ہے۔

پیغمبر نے فرمایا کہ جب میں پانچویں آسمان پر پہنچا اور اندر داخل ہوا تو دوزخ کا حال معلوم ہوا۔ میں نے ایک تاریک علاقہ دیکھا جو ہیبت ناک اور بڑا تاریک تھا۔ نیز میں نے مالک کو دیکھا جو دوزخ کے کنارے بیٹھا تھا اور بدکار لوگوں کو عذاب دینے میں مشغول تھا۔ اس کا مطلب فلکِ پنجم ہے اور مالک سے ان کی مراد مریخ ہے جو بدکار اور خونخوار لوگوں کے حالات کو ظاہر کرتا ہے، اور دوزخ سے ان لوگوں کے حالات کا بیان اور تاثیر مراد ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں۔

پیغمبر نے یہ جو فرمایا کہ جب میں چھٹے آسمان پر پہنچا تو میں نے ایک فرشتہ دیکھا جو نورانی کرسی پر بیٹھا

ہوا تھا اور تسبیح و تقدیس میں مشغول تھا۔ اس کے بہت سے پر اور گیسو تھے جو موتی اور یاقوت سے مرصع تھے، میں نے اس کو سلام کیا تو اس نے جواب دیا اور بہت تعریف کی اور خیر و سعادت کی بہت بشارت دی اور مجھ سے کہا کہ میں ہمیشہ تجھ پر درود بھیجتا ہوں۔ اس کا مطلب فلکِ ششم ہے اور اس فرشتہ سے ان کی مراد مشتری ہے جو صلحاء، پارسا اور علماء کے حالات ظاہر کرتا ہے۔ پروں اور گیسوؤں سے ان کا مقصد ان کا نور اور اثر ہے اور درود سے اس کی نیکی کے لیے اس کی تاثیر مراد ہے کیونکہ وہ سعدِ اکبر ہے اور سارے اچھے کام اسی سے ظاہر ہوتے ہیں۔

یہ جو فرمایا کہ جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو میں نے ایک فرشتہ دیکھا جو سرخ یاقوت کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، ہر شخص کے لیے اس کے پاس جانے کا راستہ نہ تھا جب کوئی اس کے پاس پہنچا تو اس سے نوازش پاتا تھا۔ میں نے اس کو سلام کیا تو اس نے جواب دیا اور مجھ پر درود بھیجا۔ اس کا مطلب فلکِ ہفتم ہے اور اس فرشتہ سے ان کی مراد زحل ہے جو نحس اکبر ہے لیکن جو بھی اثر کرتا ہے، اس کو پورے طور پر کرتا ہے اور جب سعادت کرتا ہے تو وہ سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہر شخص اس کے پاس نہیں پہنچ سکتا یعنی بہت کم اتفاق پڑتا ہے کہ وہ خیر و سعادت کے موقع پر آئے لیکن جب آتا ہے تو ایسا عمدہ اثر دکھلاتا ہے کہ سب سے آگے گزر جاتا ہے۔

پیغمبر نے یہ جو فرمایا کہ جب میں آگے گزرا تو سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا، وہاں میں نے ایک عالم دیکھا جو سراسر نور اور روشنی تھا اور اس کی روشنی ایسی تھی کہ میری آنکھ چکا چوند ہو رہی تھی، داہنے اور بائیں جدھر بھی میں نے نگاہ ڈالی روحانی فرشتوں کو عبادت میں مشغول دیکھا۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون فرشتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہ سوائے عبادت اور تسبیح کے کوئی کام نہیں کرتے اور ان کے مقررہ عبادتخانے ہیں جن کو چھوڑ کر کسی جگہ نہیں جاتے۔ **وما منا الا له مقام معلوم** (الصافات: ۱۶۴) یعنی ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کے لیے ایک مقررہ مقام نہ ہو۔ اس سے ان کی مراد فلکِ ہشتم ہے جو ثابت ستاروں کا فلک ہے اور ستاروں کی شکلیں وہاں پر ہیں۔ عبادت خانوں سے ان کی مراد بارہ برج ہیں اور ان میں سے ہر جماعت ایک مقررہ سمت پر ساکن ہیں کہ ایک دوسرے سے مزاحمت نہیں کرتے چنانچہ جنوب والوں کو شمال والوں سے کوئی سروکار نہیں اور ہر ایک مقررہ جگہ رکھتا ہے، بعض شکلیں منطقہ میں، بعض جنوب میں اور بعض شمال میں ہیں۔

یہ جو فرمایا کہ میں نے سدرہ کی جڑ دیکھی جو سب چیزوں سے بڑی تھی، اس کا سایہ زمین و آسمان پر پڑ رہا تھا، تو اس سے ان کی مراد فلکِ اعظم ہے جس کے شکم میں سارے افلاک ہیں اور وہ سب سے بڑا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ جب میں آگے گزرا تو میں نے چار دریا دیکھے، جن میں سے ہر ایک کا پانی دوسرے رنگ کا تھا۔ اس کا مطلب جوہریت، سمیّت، مادیت اور صوریت ہے کہ ان سب کی حقیقتوں کو تحیر و تصور کر کے ہر ایک کا درجہ دوسرے سے مختلف پایا اور ہر ایک کا درجہ بیان کیا۔

یہ جو فرمایا کہ میں نے بہت سے فرشتوں کو دیکھا جو تسبیح و تہلیل میں مشغول تھے اور سب تہلیل لا الٰہ الا

اللہ کہنے کی لطافت میں محو تھے، تو ان سے مراد نفوس مجردہ ہیں جو شہوانی مواد سے آزاد اور پاک ہوتے ہیں اور ہر انسان جو عالمِ معرفت میں پاک اور مجرد ہوتا ہے۔ جب وہ بدن سے جدا ہوتا ہے تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو فرشتوں جیسے مقام اور درجہ میں کر کے سعادتِ ابدی سے آراستہ کر دیتا ہے۔ نفوسِ مجردہ کو ملائکہ سے تشبیہ اس لیے دی کہ ملائکہ عصمت اور تسبیح کے محل ہیں یعنی وہ نفوس فساد اور ہلاکت سے دور ہیں اور شہوانی تغیر اور اعراض غضب کی مشغولیت سے پاک ہیں اور فرشتوں کے درجے پر پہنچ کر ہمیشہ غیب کی معرفت حاصل کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ نیز وہ عالم سفلی کی طرف نظر نہیں کرتے، اس لیے کہ جسم بہ نسبت نفس کے خسیس ہے اور شریف خسیس جگہ پر نظر نہیں کرتا لیکن کسی ضرورت سے یا کسی مصلحت کی وجہ سے۔ جب نفس وہاں سے جدا ہوتا ہے تو اپنے شرف کے کمال کو پہنچ جاتا ہے اور سعید ہو جاتا ہے اور لذت وراحت میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ عالمِ سفلی کی طرف نہیں دیکھتا کیونکہ وہ جسمانی شکل اس کے سامنے سے اٹھ چکی ہوتی ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ اس کے علم وادراک کے مطابق اس کو مرتبہ اور شرف عنایت کرتا ہے۔ **فمنھم راکع ومنھم ساجد** (ان میں سے بعض رکوع کرتے ہیں اور بعض سجدہ کرتے ہیں۔) بعض روحانیت میں بعض تسبیح اور بعض تہلیل اور بعض تقدیس اور بعض تطہیر کرتے ہیں۔ اور نفس مقرب بھی ابد تک اسی قاعدے پر چلتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب میں ان سب سے آگے گزرا تو ایک دریائے بیکراں کے پاس پہنچا اور ہرچند میں نے غور کیا لیکن اس کی انتہا، کنارہ اور ساحل کا پتہ نہ چلا سکا۔ اس دریا کے نیچے میں نے ایک نہر کو دیکھا۔ ایک فرشتہ اس دریا کا پانی اس نہر میں ڈال رہا تھا اور وہاں سے پانی ہر جگہ جاتا تھا۔ اس دریا سے ان کی مراد عقلِ اوّل ہے اور اس نہر سے نفس اوّل مقصود ہے۔

یہ جو فرمایا کہ اس دریا کے سامنے میں نے ایک بڑی وادی دیکھی جس سے بڑی میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی، یعنی ہرچند میں نے غور کیا اس کی ابتدا اور انتہا کو معلوم نہ کر سکا اور کسی چیز سے اس کی تعریف بھی نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے زیادہ عام کوئی چیز نہیں اور وجودِ مجرد کو بغیر عقل کامل کے ادراک نہیں کیا جا سکتا۔

یہ جو فرمایا کہ دریا اور وادی کے سامنے میں نے عظمت اور شان وشوکت والا ایک فرشتہ دیکھا جو دونوں حصوں کی بڑے اطمینان سے حفاظت کرتا تھا۔ اس نے مجھے بلایا اور جب میں اس کے پاس پہنچا تو میں نے کہا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں میکائیل ہوں اور سب فرشتوں سے بڑا ہوں، جو کچھ تیرے لیے مشکل ہو، مجھ سے دریافت کر اور جو کچھ تیری آرزو ہو مجھ سے طلب کر، تاکہ میں تیری ساری مرادوں کو پورا کر دوں یعنی جب میں نے یہ ساری باتیں جان لیں اور غور کیا تو پہلے حکم کو پا لیا۔ اور اس فرشتے سے ان کی مراد وہ ذات ہے جس کو روح القدس اور فرشتۂ مقرب کہتے ہیں۔ جو شخص اس کے پاس جاتا ہے اور اس سے مدد لیتا ہے، اس کو علم حاصل ہو جاتا ہے اور وہ روحانی لذتوں سے واقف ہو جاتا ہے۔

نیز یہ فرمایا کہ جب میں سلام اور مزاج پرسی سے فارغ ہوا تو کہا کہ میں اس مقام تک آیا اور مجھے بڑی زحمتوں کا سامنا ہوا اور یہاں تک آنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے دیدار سے

بہرہ ور ہو جاؤں۔ لہٰذا اس کی ذات تک میری رہنمائی کر، تاکہ میں اپنی مراد کو پہنچوں اور اپنے گھر واپس لوٹ جاؤں، یعنی انہوں نے پاک حکم سے جو خالص حکم ہے درخواست کی کہ جب موجودات کا مطالعہ ہو چکا اور ان کے دل نے بصیرت کی نظر سے دیکھ لیا کہ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا کہ اس نے دیکھا تو چاہا کہ موجودِ مطلق، علتِ اولیٰ اور واجب الوجودِ محض کو دیکھ لیں اور اس کی وحدت کو سمجھ لیں، اس طور پر کہ اس میں کثرت کی اور بھی گنجائش نہ ہو۔

اس کے بعد یہ جو فرمایا کہ اس فرشتہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو کئی ہزار پردوں کے اندر لے گیا اور ایسے عالم میں پہنچا دیا کہ جو کچھ میں نے اِس دُنیا میں دیکھا تھا، اُن میں سے وہاں کچھ نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ اس نے رب العزت کے حضور میں پہنچا دیا۔ وہاں سے مجھ کو خطاب ہوا کہ اور آگے آ جا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایزد پاک کی بارگاہ اس جسم و جوہر اور عرض سے پاک ہے، جو اس دنیا میں ہیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ میں اس کے حضور میں پہنچا اور حس کی حرکت کو سراسر فراغت، بے نیازی اور سکون کی صورت میں دیکھا یعنی اس کے وجودِ مجرد کی معرفت کو میں نے ایسا پایا کہ اس کی گنجائش کسی جاندار کے حواس میں نہیں ہو سکتی جو محض اجسام کا ادراک کرتا ہے اور صورتوں اور خیالوں کو محفوظ رکھتا ہے اور عقل کی قوتِ حفظ سے جواہر کا تصور کرتا ہے۔ لیکن واجب الوجود ان مدارج سے بالاتر ہے اور حس و خیال اور قوتِ حفظ سے اس کو دریافت نہیں کیا جا سکتا اور اس کی حضوری میں حرکت نہیں کیونکہ حرکت خود اس کے حق میں تغیر ہو سکتی ہے بلکہ وہ واجب الوجود ہے جو ساری چیزوں کو حرکت دینے والا ہے۔

یہ جو پیغمبر نے فرمایا کہ خداوند کی ہیبت سے میں ان ساری چیزوں کو بھول گیا جن کو دیکھایا جانا تھا اور ایسی عظمت و کشف اور لذتِ قربت مجھ کو حاصل ہوئی گویا کہ میں مست ہو گیا۔ یعنی جب مجھے وحدانیت کی معرفت کا علم حاصل ہوا تو میں جز ئیات کو محفوظ کرنے اور سمجھنے میں مشغول ہو گیا اور اس علم سے نفسِ ناطقہ کو ایسی لذت ملی کہ ساری حیوانی اور طبیعی قوتیں اپنے فعل سے معطل ہو گئیں اور وحدانیت میں ایسی محویت پیدا ہوئی کہ عالم جواہر اور اجسام پر بھی اپنی نگاہ باقی نہ رہی۔

یہ جو فرمایا کہ میں نے قربت کا ایسا اثر پایا کہ مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا اور آواز آئی کہ اور آگے آ جایئے تو میں اور آگے گیا۔ آواز آئی کہ مت ڈر اور پُر سکون رہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب میں نے وحدانیت کو پایا اور جان لیا کہ واجب الوجود اس قسم کی باتوں سے بالاتر ہے تو میں اپنے سفر کی دلیری سے ڈر گیا کیونکہ وحدانیت کے ثابت کرنے میں یہ سفر بہت دور ہو گیا تھا اور میں سمجھتا تھا کہ اس سے نقصان ہو گا۔ مجھ سے کہا گیا کہ اور نزدیک آ یعنی اپنے پندار اور اُمید و بیم کی حدود سے آگے آ جائیں۔ اس لیے کہ وحدانیت کی معرفت والے کو چاہیے کہ ہمیشہ روحانی لذت میں مستغرق رہے۔ اس طور پر کہ پھر حیوانی جذبات کا شکار نہ ہو اور اُمید و بیم کا تعلق عالمِ حیوانیت سے ہے۔

پیغمبر نے فرمایا کہ میں اور آگے گیا تو خداوند تعالیٰ کا سلام مجھ کو پہنچا، جس کے مثل سلام میں نے کبھی

نہیں سنا تھا، یعنی واجب الوجود کے کلام کی حقیقت مجھ پر منکشف ہوگئی جس کا کلام، حروف اور آواز میں مخلوق کے کلام کی طرح نہیں ہے کیونکہ اس کا کلام اپنی ذاتِ محض کا علم اس شخص کی روح میں جو اس کا طالب ہے، بطورِ اجمال نہ بطریق تفصیل ثابت کرتا ہے۔ پیغمبر نے مزید فرمایا کہ آواز آئی کہ میری تعریف کر تو میں نے کہا کہ میں تعریف نہیں کر سکتا کیونکہ تُو خود ایسا ہے جیسا کہ تو نے فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے وحدانیت کے حسن و جمال کا ادراک کر لیا اور واجب الوجود کے کلام کی حقیقت کو سمجھ لیا تو ان کو ایسی لذت ملی کہ اس سے پہلے ایسی لذت نہ ملی تھی کہ جان لیا کہ واجب الوجود جملہ تعریفوں کا مستحق ہے۔ لیکن یہ بھی سمجھ لیا کہ زبان سے اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ حروف کی ترکیب ہوتی ہے اور یہ کہ زبان سے ادا کی جاتی ہے اور ایسی تعریف کا جزوی اور کلی سے تعلق نہیں ہوتا، اور وہ واجب الوجود کے بارے میں درست نہیں ہوتی کہ حواس کے کام ایسے نہیں ہوتے جو عقل کے نزدیک درست ہوں اور عقل نے جان لیا کہ ممدوح کامل کے لیے اس کے لائق مداح ہونا چاہیے جس کا علم ذاتِ ممدوح کی قدرت کے برابر ہوتا کہ اس کی تعریف مقصود کے مطابق ہو اور واجب الوجود فردِ واحد ہے۔ اس کا کوئی مثل نہیں ہے پس کسی کی تعریف اس کے لائق نہ ہوگی۔ لہٰذا اسی کے علم کے حوالہ کر دیا کیونکہ وہ سراپا علم ہے اور اس کا علم اس کی ذات کی تعریف کا بیان ہے، بغیر حرف اور آواز کے اور بغیر عقل کی مدد کے۔ وہ خود اپنی زینت ہے اور خود ہی اپنا بیان۔

یہ جو فرمایا کہ آواز آئی کہ تُو کیا چاہتا ہے تو میں نے کہا کہ اس بات کی اجازت کہ جو مشکل میرے سامنے ہے اس کو پوچھوں تاکہ میری مشکلات رفع ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا نے مجھ سے کہا کہ تُو کیا چاہتا ہے تو میں نے کہا کہ اجازت یعنی علم اس لیے کہ اس سفر میں بجز عقلِ محض کے کوئی فکر باقی نہ تھی تاکہ وہ حضرت واجب الوجود تک پہنچ کر اس کی وحدانیت سے آگاہ ہو جائے چنانچہ علم کے سوا کسی اور عطیہ کی درخواست نہ کر سکے جو علم ان کے درجہ اور رتبہ کے لائق ہو۔ لہٰذا ان کو پورا علم عطا کیا گیا کہ اس کے بعد ان کی جو مشکلات ہوتیں، ان کو پیش کرتے تھے اور خاطر خواہ جواب پاتے تھے اور مخلوق کے مفاد کے لیے شریعت کے قواعد ایسے الفاظ میں مرتب کرتے تھے کہ مفہوم بھی برقرار رہے اور مصالح کا پردہ بھی نہ اُٹھ سکے۔ یہ بھی اسی علم کی مدد سے تھا کہ اس سفر کو جس کی تفصیل بیان کی گئی، ظاہری سفر کی داستان کے طور پر بیان کیا تاکہ محقق کے سوا کسی کو بیان کردہ مضامین کی اطلاع نہ ہو سکے۔

یہ جو فرمایا کہ جب میں یہ سب کام کر چکا اور اپنے گھر واپس لوٹا تو سفر کی سرعت کی وجہ سے سونے کا بستر ابھی تک گرم تھا یعنی انہوں نے دماغی سفر کیا اور اپنی دماغی قوتوں سے گئے تھے اور دل کے اندر موجودات سے لے کر واجب الوجود تک کو ادراک کرنے کی نیت کی تھی اور جب دماغی سفر پورا ہو گیا تو اپنی طرف واپس لوٹ آئے۔ اس سفر میں ایک دن بھی صرف نہیں ہوا، اور اس حالت میں واپسی پلک جھپکنے سے زیادہ جلد تھی۔ جو شخص جانتا ہے، وہ جانتا ہے کہ کیا واقعہ گزرا اور جو شخص نہیں جانتا وہ معذور ہے۔ ان باتوں کو جاہل اور عام لوگوں سے بیان کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ عقلاء کے سوا دوسرے اس سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔

یہاں تک حضرت قدوۃ الحکماء شیخ بوعلی سینا کا کلام نقل کیا گیا۔

محققین حکماء کی کتاب میں دیکھا گیا اور عقلا کی زبان سے یہ بات سنی گئی کہ قمر جو بزرگ فرشتوں میں سے ایک ہے اور خدا کا مقرب ہے، وہ اس وجہ سے کہ ایک جرم فلک ہے، جو ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو سکتا اور محالات پر قدرت کا غلبہ نہ کبھی واقع ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا 'شق القمر' جو قرآن میں مذکور ہے، وہ ایک صریح کنایہ اور واضح اشارہ ہے، اس لیے کہ ہر ستارہ اور فلک کے لیے ایک باطن ثابت کیا گیا ہے جس کو عقل کہتے ہیں اور منجملہ ان کے قمر کے باطن کو عقل فعال کہتے ہیں۔ نیز اس طائفہ گرامی کے اصول میں مقرر ہے کہ انسان جو جسمیت کے مرتبہ میں ہے، اس کا انتہائی مرتبہ اور کمال یہ ہے کہ عقل فعال سے متصل ہو جائے اور اس کے ساتھ متحد ہو جائے۔ جو شخص اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے، وہ شخص جس چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کو معلوم کر لیتا ہے۔ بغیر اس کے کہ از سر نو غور کرے اور اس سے بلند انسان کے کمال میں کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ پس جب یہ مقدمہ معلوم ہو چکا تو 'شق القمر' سے کنایہ ہوگا۔ اس کے ظاہر سے باطن کی طرف گزرنے کا جو کہ عقل فعال ہے اور چونکہ حضرت نبی علیہ السلام فلکِ قمر کے حاکم ہیں۔ لہٰذا شق القمر کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ قمر کے باطن تک پہنچ گئے ہیں۔ لیکن یہ حکمائے مشائین کا مذہب ہے۔ اشراقیین کہتے ہیں کہ اس رمز کا صحیح حل یہ ہے کہ ان کے اصول میں یہ بات ہے کہ نور سے مراد ظہور عالم کی اصل ہے اور جو کچھ اس عالم میں ہے، اس کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک وہ نور جس کے ساتھ کسی قسم کی ظلمت اور جسمانی تاریکی نہیں ہوتی۔ دوسرا وہ نور جو جسمانی تاریکی کے ساتھ مل سکتا ہے۔ پہلا نور کلیات اور مادہ سے مجرد حقائق کو حاصل ہوتا ہے اور ان کی نمائش جزئیات سے بالکل خالی رہتی ہے۔ لیکن دوسرے قسم کا نور ظلمت سے ملا ہوتا ہے اور وہ ہر طرف اپنا عکس ڈالتا ہے۔ اس علم کلیات اور جزئیات دونوں میں جمع ہو سکتا ہے جبکہ وہ قوت سے فعل میں آ جائے۔ ان کے اصول میں یہ بھی مقرر ہے کہ سلسلۂ موجودات کی انتہا اور اس کا انتہائی کمال یہ ہے کہ علم پورے طور پر کلیات اور جزئیات کے ساتھ ظاہر ہو جائے، چنانچہ کوئی چیز قوت کے درجے میں باقی نہ رہے۔ جب یہ مقدمہ ثابت ہو چکا تو ان کی اصطلاح میں قمر سے مراد یہ ہوگا کہ مخلوط نور جو اس کی قابلیت رکھتا ہے کہ اس کے اندر سارے علم جو بالقوہ پوشیدہ ہیں وہ فعل میں آ جائیں، وہ اپنے کمال کی شعاعیں ڈال کر ایسا شخص پیدا کر دے کہ اس کے اندر جو علوم موجود ہوں، وہ جس طرح ہیں، اس کی ذات سے باہر آ جائیں۔ لہٰذا قمر اسی مخلوط نور سے کنایہ ہوگا اور اس کے شق ہونے سے مراد علوم کا ظاہر ہونا۔ ان کا کمالِ پیدائش اور پیدا کرنے کی قابلیت ہے جو اس کے باطن میں تھی اور قمر کا شق ہونا واقع ہوا یعنی اس سے علوم ظاہر ہوئے۔

ختمِ رسالت اور نبوت کا پورا ہونا یعنی پیغمبر عربی کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا، اس کا حل حکماء نے یوں بیان کیا ہے کہ ختم رسالت سے عقلِ فعال سے مل جانے کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ جو وہاں تک پہنچا اور اس سے بہرہ اندوز ہوا وہ خاتم الانبیاء ہوگا، اس لیے کہ اولین انبیاء عقلِ اول ہے جو حقیقی آدم ہے اور خاتم الرسل عقلِ عاشر ہے اور جو عقلِ فعال کا پروردہ ہے، اس کا حکم اپنے متعلق باطل ہو جاتا ہے اور وہ اسی کا رنگ

اختیار کر لیتا ہے کیونکہ مثلاً اگر ایک لاکھ رسول خود کو بعینہٖ عقلِ فعال فرض کر لیں تو وہ خاتم الرسل ہیں، اس لیے کہ خاتم عقلِ فعال ہے اور یہ لوگ خود کو معدوم سمجھیں گے اور اس کو موجود۔ لیکن اشراقیین کہتے ہیں کہ اوّلین انبیاء نورِ مقرب یعنی عقل اوّل ہے اور خاتم الرسل انسان کا رب النوع یعنی عقل ہے جو بنی نوعِ انسان کی تربیت کرتی ہے پس جو شخص رب النوع کے یہاں باریاب ہو گیا اور اس کا مقرب بن گیا، وہ اس کا قائم مقام ہو گیا بلکہ اس شخص کا حکم اپنے متعلق باطل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کو بھی خاتم الرسل کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک دوست نے کہا ہے:

سراپائے وجودم دوست شد من بعد اگر خواہم
کہ بینم دوست را آئینہ پیش خویشتن دارم

(میرا وجود سراپا دوست بن گیا، اس کے بعد اب میں دوست کو دیکھنا چاہتا ہوں، تو اپنے سامنے آئینہ رکھ لیتا ہوں۔)

یگانہ خویش را با تو چناں خواہم کہ گر روزے
بجوئی خویش را من درمیان پیرہن باشم

(میں خود کو تیرے ساتھ ایسا یکساں کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر تو کسی روز اپنے کو تلاش کرے تو میں تیری پوشاک کے درمیان موجود ہوں۔)

یہ عقیدہ کہ پیغمبر کا سایہ نہ تھا۔ اس کا حل حکماء نے یوں کیا ہے کہ اس سے لائق فرزند کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ محمدؐ کے بعد بیٹے کو نبوت نہیں ملی، اس لیے گویا ان کا سایہ نہ تھا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ جو علماء نے کہا ہے کہ پیغمبر کے جسم پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ حرص و لالچ نہیں رکھتے تھے۔

۳۔ حکما کے پیرو اور اس مذہب والا پر چلنے والوں کا بیان

اس گروہ کے بہت سے دانشمند نظر آئے لیکن جو لوگ اس مذہب میں ثابت قدم اور کامل تھے، ان کو شمار کیا جاتا ہے۔ اوّل حکیم الٰہی ہیربد تھا جس سے اس کتاب کا مصنف لاہور میں ملا۔ وہ شخص پیغمبر خدا زردشت کی نسل سے تھا۔ فارسی علوم میں کامل تھا اور عربی و علومِ فلسفہ کی تعلیم شیراز میں حاصل کی تھی اور یورپ کے علماء کی صحبت میں رہ چکا تھا۔ آخر میں ہندوستان آیا، وہ ہمیشہ ریاضت کرتا تھا اور مجرد اور پارسا بن کر زندگی گزارتا تھا اور نور الانوار، انوارِ قاہرہ اور ستاروں کی عظمت کے بارے میں فارسی، ہندی اور عربی میں دعائیں پڑھتا تھا اور روشنی بخشنے والے اجسام کو قبلہ سمجھتا تھا۔ اس نے حضرت شیخ مقتول کی تصانیف کو اچھی طرح اس کے ظاہری و باطنی مفہوم کے ساتھ سمجھ لیا تھا۔ دوسرا حکیم منیر ہے۔ ۱۰۵۳ھ (۱۶۴۳ء) میں اس کتاب کے مصنف نے اس کو کابل میں پایا۔ وہ ساداتِ شیراز کی نسل سے ہے۔ لیکن عراق عجم میں اس نے عنصری پیکر کو قبول کیا۔ وہ علوم فلسفہ میں بہت ماہر تھا اور مجرد و آزاد اور مرتاض ہو کر زندگی گزارتا تھا اور ہیربد کی طرح جلالی و جمالی حیوانات

سے پرہیز کرتا تھا۔ انوار کی تعریف میں جو دُعائیں شیخ مقتول سے منقول ہیں، ان کو پڑھتا اور ستاروں کی تعظیم کرتا تھا۔ یہ دونوں حکیم اشراق کے آفتاب سے روشنی حاصل کرتے تھے (یعنی اشراقی حکیم تھے)۔ ایک اور حکیم دستور ہے جو ۱۰۵۴ھ (۱۶۴۴ء) میں لاہور آیا تھا۔ اس کی اصل اصفہانی ہے لیکن بلخ میں پیدا ہوا اور مُلا میرزا جان کے شاگردوں کی خدمت میں تحصیل علم فلسفہ کیا۔ بعد ازاں ایران آیا اور میر محمد باقر داماد، شیخ بہاء الدین محمد، میرزا ابوالقاسم قندرسکی اور شیراز کے دوسرے علماء وفضلاء کی صحبت میں رہ کر علوم کا سرمایہ جمع کیا۔ وہ مشائین کے مذہب کا پیرو تھا۔ جو دُعائیں اس مذہب کے اکابر سے واجب الوجود، عقول، نفوس اور کواکب کی عظمت میں مذکور ہیں، انہیں پڑھتا تھا اور ستاروں کی تعظیم میں بڑی کوشش کرتا تھا۔ اگرچہ وہ مرتاض نہیں تھا لیکن فسق وفجور سے محترز تھا۔ اعتدال کے مسلک پر چلتا اور تجارت کے راستے پر گامزن تھا۔ ان کے علاوہ ایک اور حکیم کامران شیرازی تھا۔ وہ بھی مشائین کے مسلک کا پیرو تھا اور علوم عقلیہ ونقلیہ کا بہترین حافظ تھا۔ کسب علوم کے بعد گوا میں جا پہنچا جو فرنگیوں کی ایک بندرگاہ ہے اور ان کی صحبتوں کی طرف مائل ہو گیا اور عیسائیوں کا مذہب اختیار کر لیا۔ انجیل کو اچھی طرح پڑھا اور ان کے علوم کا سرمایہ جمع کیا۔ اس کے بعد ہندوستان آیا اور راجاؤں سے متعارف ہوا اور ان کے مذہب میں داخل ہوا۔ ہندوؤں کا شاستر یعنی ان کے علوم کو فاضل برہمنوں کے پاس جا کر پڑھا اور اس میں بھی ہندوستان کے علماء میں ممتاز ہو گیا۔ ظاہر میں اگرچہ وہ مذکورہ مذاہب پر عمل کرتا تھا، لیکن درحقیقت وہ حکمائے قدیم کے عقائد پر تھا۔ جھوٹ، چوری، زنا اور اغلام بازی سے بہت احتراز کرتا تھا اور حکیم دستور کی طرح جانوروں کو مارنے سے احتیاط کرتا تھا، لیکن کبھی کبھی شراب پیتا تھا اور کہتا تھا کہ اس میں بہت فائدے ہیں۔ جو دُعائیں ذاتِ واجب، عقول ونفوس اور کواکب کی تعریف میں حکمائے یونان کے درمیان رائج تھیں، جن کا اب ترجمہ ہو چکا ہے، ان کو پڑھتا تھا۔ کسی سے کوئی چیز قبول نہیں کرتا تھا بلکہ تجارت میں مشغول رہتا تھا اور جس قدر اس کے لیے کافی ہوتا، اسی پر قناعت کرتا تھا۔ میرزا ابوالقاسم قندرسکی اس کو "برادر باجان برابر" کہتا تھا اور "مہین برادر" لکھتا تھا۔ ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) میں سرائے فرخ میں جو اکبر آباد کے قریب واقع ہے، اس نے قطع تعلق اختیار کیا۔ بیماری کی حالت میں اس کے پاس جو کچھ تھا، سب فقیروں پر خرچ کر دیا۔ نقد روپیہ بیشنو کے برہمنوں اور ان جیسے لوگوں کو دے دیا، اس لیے کہ وہ جانوروں کو تکلیف نہیں دیتے اور اپنے کپڑے ایک شخص مسمی محمود کو دیئے کہ وہ، کشمیر اور کابل میں جہاں پر سخت سردی پڑتی ہے، فقیروں کو دے دے۔ محمود نے ایسا ہی کیا۔ جو غلہ اس کے پاس تھا، مع بیل اور گدھے کے مسافروں اور ان مسکینوں کو دے دیئے جو بوجھ لادتے ہیں اور حکمت کی کتابوں کو ہوشیار کے حوالہ کیا تاکہ ان کو حکیم مشرب حکمت دان لوگوں کو پہنچا دے۔ ہوشیار نے آگرہ میں اس کی کتابوں کو تقسیم کیا اور بعض دوستوں کو بھیجیں۔ مرض الموت کی حالت میں وہ برابر کتاب الشفا کی الٰہیات اور اسولوجیا کا ترجمہ پڑھنے میں مشغول رہا اور خوش ہو کر کہتا تھا کہ میں مُبدع تعالیٰ کی خدائی، عقل کی نبوت، نفس کی امامت، فلک کے قبلہ ہونے اور فلاسفہ کی نجات پر ایمان رکھتا ہوں اور دوسرے ادیان و مذاہب سے بیزار ہوں۔ انتقال کے وقت واجب الوجود، عقول ونفوس اور ستاروں کے نام لیتا تھا اور

حاضرین بھی اسی میں مشغول تھے یہاں تک کہ عنصری لباس چھوڑ دیا۔ اس کی عمر سو سال سے بھی آگے گزر چکی تھی، لیکن اس کی طاقت میں کمی نہ تھی، بلکہ ویسی ہی قوت اور قدرت رکھتا تھا۔ اس طرح اس نے ہوشیار سے کہا تھا کہ مرنے کے بعد جسم جلا دینا زیادہ بہتر ہے لیکن چونکہ لوگ تجھ کو اس عمل سے منع کریں گے لہٰذا میرا سر مشرق کی طرف اور پیر مغرب کی جانب کر کے دفن کر دینا، کیونکہ جملہ اکابر مثلاً ارسطو اور اس کے پیرو اسی طریقے پر آرام فرما ہیں۔ چنانچہ ہوشیار نے ایسا ہی کیا، نیز ہوشیار اس کی وصیت کے مطابق اس کی قبر پر ایک ہفتہ تک ہر ایک رات اور دن میں ان ستاروں کے نام کی دھونی جلاتا تھا، جن سے اس دن اور رات کا تعلق تھا، اور جو کھانا، کپڑا اس ستارے کی طرف منسوب ہوتا تھا، وہ برہمنوں اور مستحق لوگوں کو دیتا تھا۔ یہ سب لوگ دُعا کرتے تھے اور اس ستارے کو شفیع بناتے تھے تاکہ حکیم کامران کی روح مجردات سے مل جائے۔ اس کے بعد ہوشیار آگرہ گیا۔ میں نے ہوشیار کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک کتاب دیکھی، جس میں درج تھا کہ کامران کے لباسِ عنصری چھوڑنے کے بعد میں نے کامران کو خواب میں دیکھا، وہ عمدہ لباس پہنے ہوئے، حضرت مشتری کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا کہ تو یہاں کیسے آیا؟ اس نے جواب دیا کہ جب مجردات نے مجھ کو دُینوی خواہشات سے آزاد دیکھا تو اپنی طرف کھینچ لیا اور اسی کو شفاعت کہتے ہیں۔ اب مجھ کو فرشتہ بنا دیا گیا ہے۔

حکیم ہیربد اور منیر کا عقیدہ شریعتوں کے بارے میں یہ تھا کہ صاحبانِ شریعت حکمائے کامل اور اچھے مقدر والے ہیں اور اپنے اقوال و اعمال میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوتے ہیں۔ حکمت کی بنا پر حکمی وعلمی اور عملی مضامین کو اپنے مقربین سے صراحتہً بیان کر دیتے ہیں اور عوام کے لیے رمز و اشارہ سے بیان کرتے ہیں تاکہ دوسرے حکماء جو ان کی امت کے اولیاء اور عارفین ہیں۔ ان شریعتوں اور مذاہب کی اس انداز پر تاویل کریں جو فلاسفہ کا عقیدہ ہے۔ فارس کے پیغمبر آباد اور زردشت وغیرہ جن کو وہ لوگ وخشور کہتے ہیں اور یونان و روم کے پیغمبر اغاثاذیمون اور ہرمس وغیرہ جن کو صاحب ناموس کہتے ہیں اور ہندوستان کے پیغمبر رام اور کرشن وغیرہ جن کو وہ لوگ اوتار کہتے ہیں اور ترکوں کے پیغمبر جیسے اغریث اور اغورخاں جن کو بولماس کہتے ہیں اور پیغمبرانِ اسلام جو آدم صفی اللہ سے لے کر محمدؐ تک ہیں جن کو رسول کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسری قوموں کے انبیاء کو یہ حکماء بزرگ اور سچا سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ درست ہے کہ اب ان کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا اور ختم نبوت سے مرتبۂ بشریت کی انتہا کی طرف اشارہ ہے۔ ماہِ کاشغر بنانے والے ابن مقنع کو بھی یہ لوگ نبی سمجھتے تھے۔ اسی طرح جو اختلاف خلافت کے مسئلہ میں ہے اور صحابہ کو ایک دوسرے پر تقدیم و تاخیر اور تفضیل کے متعلق ہے، اس کو پسند نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ چاروں خلفاء نامور حکیم تھے۔ اگر ان کے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہوا تو وہ بتقاضائے بشریت تھا، کیونکہ انسان بشری اوصاف سے بالکل معصوم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح معاویہؓ کے بارے میں طعن وطنز نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ ایک بڑے حکیم تھے۔

لیکن حکیم دستور کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ کہتا تھا کہ ہندوستان، فارس، یونان، ترکستان اور عرب وغیرہ کے پیغمبر قسم عملی اور بعض اقسام علمی کے بیان کی تائید کرتے ہیں اور حکماء قوت عقل کی امداد حاصل کر کے قسم علمی کو

ثابت کرتے ہیں اور حکمت عملی کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔ حکیم کا مقصد یہ ہے کہ اس کی عقل عالم کے جملہ احوال کی حامل ہو جائے اور حتی الامکان حضرت واجب الوجود کے مشابہ ہو جائے اور پیغمبروں کا انتہائی مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان پر عالم کا پورا نظام ظاہر ہو جائے تا کہ اس نظام کے مطابق وہ بندوں کے مصالح کا انتظام کریں اور چونکہ بندوں کے مصالح کا انتظام ترغیب و ترہیب و تشکیک سے خالی نہیں ہو سکتا جس چیز کو اصحاب شرائع و ملل نے روشن کر دیا ہے، اس کی تاویل ان اقوال سے ہوگی جسے حضرات فلاسفہ نے ذکر کیا ہے۔ اس کا یہ بھی قول تھا کہ چونکہ عالم قدیم ازلی و ابدی ہے۔ لہٰذا یقیناً اس کے بعد کوئی دانش مند حکیم نبوت کا دعویٰ کرے گا اور ایک دین قائم کرے گا اور اس کو مستحکم کرے گا۔ لیکن حکیم کامران نبوت کا قائل نہیں تھا اور کہتا تھا کہ پرانے زمانہ میں حکما نے قواعد و ضوابط انتظام کے لیے وضع کیے تھے اور مخلوق کو اسی کے مطابق چلاتے تھے۔ چنانچہ معاملات میں ظلم و ستم بالکل نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ آخر زمانے میں ایک خواہش پرست اور دنیادار گروہ پیدا ہوا جس نے حق بات مخلوق سے چھپائی۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے عزیز و اقارب کے زور سے اور بعض نے مکر و فریب سے اور بعض دوسروں نے سحر و سیمیا وغیرہ سے بیوقوف لوگوں کو اپنے پھندے میں گرفتار کیا اور جب وہ اپنے اعوان و انصار کے ذریعہ غالب ہو گئے تو مجبوراً عقلاء نے بھی ان کے سامنے اپنی گردن ڈال دی کیونکہ وہ لوگ مقدر والے تھے۔ لوگوں کا ان کو برتری کے لیے قبول کرنا محض مخلوق کے ضعفِ نفس کی وجہ سے تھا کیونکہ نفوس کمزور ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کو سروری کے لیے قبول کر لیا اور دنیا میں اختلافات ظاہر ہو گئے۔ وہ موسیٰ کو جادوگر سمجھتا تھا اور ان کو ربی موسیٰ کہتا تھا۔ یہودی لوگ ربی دانش مند کو کہتے ہیں اور وہ عیسیٰؑ کو طبیب خیال کرتا تھا اور ان کو حکیم عیسیٰ بن یوسف نجار کہتا تھا اور محمدؐ رسول اللہ کو عربوں کا ملک الشعراء کہتا تھا اور کرشن اوتار کو چھنال یعنی شہوت پرست اور زانی کہتا تھا۔ اسی طرح سارے مشہور پیغمبروں کے متعلق کہتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اگرچہ ہر دانش مند اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بات نہیں کرتا لیکن جو بات عوام بھی سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اگر یہ کتابیں جن کو آسمانی کہتے ہیں، مثلاً قرآن اگر کلامِ الٰہی ہوتا تو جس طرح گزشتہ زمانہ اور گزرے ہوئے لوگ مثلاً آدمؑ اور نوحؑ کے متعلق اس نے خبر دی ہے۔ اسی طرح چاہیے تھا کہ آئندہ زمانہ اور آنے والے لوگوں کے بارے میں بھی صراحتہً خبر دیتا کہ فلاں زمانہ، سال، مہینہ، ہفتہ، دن اور ساعت میں اس کے بعد فلاں شخص، فلاں شہر، فلاں پہاڑ، فلاں قبیلہ، فلاں شخص کے یہاں، فلاں نام سے اس شکل و صورت میں ظاہر ہوگا۔ حالانکہ قرآن میں ایسی کوئی بات نہیں لیکن تاویل کے ذریعہ اس کے پیرو بہت سی خبریں اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے پیغمبروں کا حال ہے، اس لیے کہ اگر عیسیٰؑ کی کتاب میں فرمایا ہوتا کہ وقت مقررہ میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ ایک شخص جس کا نام عربی میں محمدؐ ہوگا، عبداللہ کی پشت اور آمنہ کے بطن سے جو مکہ کے بسنے والے قریش اور بنی ہاشم میں سے ہوں گے، ظاہر ہوگا اور وہ پیغمبر آخر الزماں ہوگا تو سارے عیسائی لوگ اس کو قبول کر لیتے۔ اسی طرح موسیٰؑ کی کتاب میں عیسیٰؑ کے بارے میں خبر دیتے اور جو واقعات عیسیٰؑ کے زمانے تک رونما ہوئے، ان میں سے بیشتر بیان کیے ہوتے۔ حالانکہ یہ کچھ نہیں کیا، سوائے اس کے کہ عیسیٰ کے پیرو اشارہ کے

طور پر جس بات کو اتفاق سے موافق پاتے ہیں، اسے ان پر چسپاں کر دیتے ہیں، جس طرح احد افغان نے کہا کہ 'قل ھو اللہ احد' سے میری طرف اشارہ ہے۔

حکیم کامران نے کہا کہ اگر ہم ان کی نبوت کو مان لیں تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ واقعی نبی تھے، اس لیے کہ اگر ہم ان کے حکم سے ہر پیغمبر اور اس کی شریعت کے قائل ہو جائیں، اس بنا پر کہ ہر زمانہ کے لیے اس کے مطابق شریعت ہونی چاہیے تو پھر واجب الوجود کی معرفت کے بارے میں ان کے عقائد کیوں مختلف ہیں؟ جیسے کہ یہودیوں کی توریت میں خدا کو جسم اور جسمانی سمجھتے ہیں اور عیسائی عیسیٰ کو خدا کا بیٹا شمار کرتے ہیں اور محمدؐ کے پیرو اُن کو قرآن کے لحاظ سے بے مثل خیال کرتے ہیں۔ پس اگر خدا ہی ان سب کتابوں کا کہنے والا ہے تو وہ انسان کی طرح ہے کہ خود کو نہیں پہچانتا اور ہر وقت اپنی حقیقت کے متعلق ایک حکم بیان کرتا ہے، بعد میں اس سے پھر جاتا ہے اور پشیمان ہوتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ سب کا مقصد ایک ہی ہے لیکن یہ صرف رمز و اشارے ہیں تو ظاہر ہے کہ کتاب اور رسول کو اس لیے بھیجا گیا کہ لوگ حق تعالیٰ کی طرف مائل ہو جائیں نہ اس لیے کہ سرگرداں پھریں اور بعد اس کے کہ اس کے کہنے سے اختلاف پیدا کریں تو وہ حکم لگا دے کہ ان کا خون اور مال جائز ہو گیا۔ اگر یہ لوگ کہیں کہ بندے اللہ تعالیٰ کی معرفت کے مکلّف نہیں ہیں تو پھر کتابوں میں کیوں آیا ہے کہ مجھ کو اس طرح پہچانیں۔ اسی طرح ان مشہور پیغمبروں کے اکثر اعمال و افعال میں بھی ہم اختلاف دیکھتے ہیں۔ اس لیے عقل مند انسان ان کو اچھے عمل کے لیے بھی قبول نہیں کر سکتا۔

ایک شخص نے حکیم کامران سے کہا کہ سنی اور شیعہ کے عقائد کا خلاصہ مجھ سے بیان کر۔ اس نے جواب دیا کہ سنی کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسولؐ کی نعت کے بعد اللہ کی رحمت ہو سارے فاسق مرد اور فاسق عورتوں پر اور فاجر مرد اور فاجر عورتوں پر۔ اور شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول کی نعت کے بعد سارے مومن مرد اور مومن عورتوں پر اور مسلم مرد اور مسلم عورتوں پر لعنت ہو۔ اس قسم کے اس کے بہت سے اقوال ہیں۔

ابوالحسن طہرانی مخاطب بہ آصف خان پسر غیاث بیگ اعتماد الدولہ، کامران کے دوستوں کے قول کے مطابق اس کا شاگرد تھا۔ چنانچہ عالی مرتبہ خان کے مکتوب سے جو اس نے حکیم کامران کو لکھے تھے اور اس کتاب کے مصنف نے اس کے پاس دیکھے تھے، یہی بات ظاہر ہوتی تھی کہ وہ اپنے کو شاگرد خیال کرتا تھا اور اس کو استاد، اور جس طرح شاگرد اپنے استاد کو لکھتا ہے۔ اسی طرح اس نے باتیں لکھی تھیں۔ اسی طرح زمانہ بیگ جو ارغون کی نسل سے تھا اور ایک کابلی کا بیٹا تھا، اس کا خطاب مہابت خان تھا اور اپنی ہیبت و شجاعت اور تدبیر کی وجہ سے سلاطینِ ہند کے امراء میں امتیازی شان رکھتا تھا۔ کامران کے عقیدے پر کامزن تھا اور جو مکاتیب کہ خانِ والا نے حکیم کامران کو لکھے تھے، ان میں اس کو تعظیم سے یاد کیا ہے اور اپنے کو مرید اور معتقد ظاہر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ مہابت خاں کی مجلس میں لوگوں نے یہ حدیث پڑھی کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین[1] (یعنی

---

[1] دیکھیے صفحہ ۲۷۲۔ (ایڈیٹر)

میں نبی تھا، اس حال میں کہ آدم ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔) اس نے کہا کہ اس قول کا کوئی مطلب نہیں۔ اس کے بعد کہ جو شخص محمدؐ کو پیغمبری کے لیے قبول کرتا ہے، وہ ان کی زندگی کے چالیس سال گزرنے کے بعد پیغمبر سمجھتا ہے اور جو نہیں مانتا وہ بالکل آزاد ہے اور محمدؐ کہتے ہیں کہ میں پیغمبر تھا جبکہ آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے تو یہ کیسے؟

کامران ان لوگوں کے گھر بہت کم جاتا تھا اور ان سے احتراز کرتا تھا۔ جب ہزاروں التماس کے بعد ان کے گھر جاتا تو اپنا مقررہ لباس بدل دیتا تھا اور ایک لمحہ بیٹھ کر اُٹھ جاتا تھا۔ ان لوگوں کا نہ کھانا کھاتا تھا اور نہ کوئی چیز ان سے قبول کرتا تھا۔ یہ لوگ جب دور سے اس کا حال پوچھتے تو کہتا تھا کہ نفسِ بہیمی اور نفس سبعی تم پر غالب ہے اور چوپایوں اور درندوں سے برابر سے میل جول نہیں ہوسکتا۔ وہ ان سے چند مرتبہ سے زیادہ نہیں ملا۔

عبدالرسول کامران کی طرف مائل ہوگیا تھا اور اس کے عقائد پر گامزن تھا۔ اس نے غضب اور شہوت کو مسل دیا تھا۔ لہٰذا حکیم کامران بھی اس پر مہربان ہوگیا تھا اور اس کو صرف ونحو کے بعد **شرح شمسیہ**، اس کے بعد حسین بن مُعین الدین میبذی کی **شرح ہدایۃ الحکمہ** کی طبیعات، اس کے بعد **شرح حکمۃ العین** کی امورِ عامہ، اس کے بعد **شرح تجرید** مع حواشی کے، اس کے بعد **شرح اشارات** کی طبیعیات پھر **کتاب الشفاء** کی الٰہیات کی تعلیم دی۔ اسی طرح ملا یعقوب نے اس سے **تحریر اقلیدس** اور **شرح مذکرہ** پڑھی اور اس کی طرف مائل ہوگیا۔ اسی طرح میر شریف نے اس سے **مطول** اور **تفسیر بیضاوی** پڑھ کر اس کے مسلک پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ملا عصام اس کے سامنے **توضیح وتلویح** پڑھ کر جو اصول فقہ حنفی کے فن میں ہے، اس کے مسلک کا پیرو ہوگیا۔ لیکن ملا سلطان نے ہر چندان مدارج کو اس کے سامنے دیکھا۔ لیکن اس کی طرف نہیں جھکا اور حکیم کامران نے کہا کہ اس نے نہیں سمجھا۔ مکرر ایسا ہوا کہ ملا سلطان نفس کی بساطت اور تجرد کو ثابت کرتا تھا اور اس کے مطابق ثبوت اور دلیل لاتا تھا، لیکن کہتا تھا کہ میں نفس کو سمجھ نہیں سکتا اور اس معاملہ میں میری مثال طوطے کی سی ہے۔

حکیم کامران کے کامل شاگردوں میں سے حکیم مرشد ہے جس نے تعلیم کے جملہ مراتب کامران کے سامنے طے کیے، وہ اس سے بڑی عقیدت رکھتا اور کامران کی طرح تجارت میں کامیاب رہا۔

حکیم کامران فلسفہ کے درس کے وقت اپنا سر، ہاتھ اور پیر پانی سے دھوتا تھا اور خوشبودار چیزیں سلگاتا تھا اور جس سمت میں نیر اعظم ہوتا، اسی طرف اپنا رُخ کرتا تھا، اس کے شاگرد بھی اسی پر عمل کرتے تھے۔ وہ ہر شخص کو فلسفہ کی تعلیم نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ فاسق، ظالم اور شہوت پرست کو یہ علم نہیں سکھلاتا تھا اور عوام کی صحبت میں بہت کم رہتا تھا۔

بارہواں باب

صوفیہ کے عقائد کے بارے میں

یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے۔ فصلِ اوّل بعض عقائد کے بارے میں۔ فصلِ دوم ظاہری اقوال کی تاویل میں، اور فصلِ سوم ان کی بعض شخصیتوں کے بارے میں۔

ا۔ صوفیۂ صفیہ کے بعض عقائد کے بارے میں

یہ فرقہ بھی حکماء کی طرح سارے اہل عالم میں تھا اور ہے۔ چنانچہ فارسی میں ان کو ویژہ درون، روشندل اور یگانہ بین اور ہندی میں رکھیشر، تپیشر، گیانیشر، گیانی اور آتما گیانی کہتے ہیں۔ حضرت مولانا جامی نے رسالۂ وجودیہ میں لکھا ہے کہ وجود من حیث ھو ھو وجودِ ذہنی و خارجی کے علاوہ ہے بلکہ وجودِ ذہنی و خارجی میں سے ہر ایک وجود من حیث ھو کی اقسام میں سے ہے۔ وہ وجود اطلاق وتقید سے مقید نہیں ہے اور نہ کلی یا جزوی ہے، نہ خاص ہے اور نہ عام اور نہ واحد ہے۔ ایسی وحدت کے ساتھ جو اس کی ذات کے علاوہ اور اس پر زائد ہو اور نہ اس میں کثرت ہے بلکہ یہ چیزیں مراتب و مقامات کے اعتبار سے حضرت وجود کو لازم ہیں، لیکن حقیقتِ وجود اس شرط کے ساتھ کہ اس کے ساتھ کوئی چیز نہ ہو، اس کا نام مرتبۂ احدیت ہے اور جملہ اسماء وصفات اس مرتبہ میں فنا ہیں۔ اس مرتبہ کو حقیقت الحقائق کہتے ہیں۔ لیکن حقیقتِ وجود ساری چیزوں کی شرط کے ساتھ جو اس کو لازم ہیں اور جو اسماء وصفات سے مسمیٰ ہے وہ مرتبۂ الٰہیت ہے اور اس مرتبہ کو وحدت مقام وجمع کہتے ہیں۔ اور حقیقتِ وجود نہ بشرطِ شے اور نہ بشرطِ لا شے کو ہویت کہتے ہیں اور وہ ساری موجودات کے اندر جاری وساری ہے اور وجود بشرطِ شے اور بشرطِ لا شے عالم کی شکلیں ہیں۔

بعض محققین نے بیان کیا ہے کہ یہ بات آفتاب کی طرح روشن ہے کہ وجودِ حقیقی معلوم بدیہی ہے جس کے مقابلے میں عدم ہے اور اس کے حد درجہ ظاہر ہونے کی وجہ سے معرّف اور محدّد کی زبان اس کی تعریف وتحدید میں گونگی ہے، ان دونوں یعنی وجود اور عدم کی انتہائی تعریف یہ ہے کہ وجود عدم کا معدوم ہونا ہے اور عدم وجود کا معدوم ہونا۔ حضرت ذات واحد کثرتِ اسماء وصفات کا مبدا ہے اور سب سے پہلی صفت جو اس حضرت سے باطن سے ظاہر کی طرف مائل ہوئی وہ علم تھا۔ اس درجہ میں جملہ اعیانِ ثابتہ علمی صورت میں تھے اور اس درجہ میں اسم علیم حق تعالیٰ پر اطلاق کرتے ہیں اور اعیانِ ثابتہ کے وجود کو عدم پر ترجیح دینے کے لیے حکمت الٰہی کے تقاضے کو ارادہ کہتے ہیں۔ اس وقت اسم مرید حق تعالیٰ پر اطلاق کرتے ہیں۔ اور جب حق تعالیٰ کا علم استوا اور

استیلا کے ساتھ مل گیا مثلاً وجودِ علم کو ماہیات ممکنہ پر ترجیح دی تو اس درجہ میں استیلا کو قدرت کہتے ہیں اور اس درجہ میں اسم قدیر ظاہر ہوا اور حق تعالیٰ کے مشاہدہ کی وجہ سے جس سے مراد علم حضوری ہے۔ اعیانِ ممکنہ کے وجودِ خارجی سے پہلے، جو درجہ حاصل ہوا اس درجہ میں اسم بصیر ظاہر ہوا۔ اور چونکہ اعیانِ ثابتہ کی التماس کردہ باتوں پر حق تعالیٰ کی اطلاع استعداد کا زمانہ ہے اور اس التماس کی قبولیت کو سمع کہتے ہیں، اس لیے اس موقع پر اسم سمیع ظاہر ہوا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ کا ارادہ اس حالت سے مل کر اس سے متعلق ہو گیا اور کاف نون سے متصل ہو گیا۔ یہاں تک کہ کُن فیکون (آلِ عمران: ۴۷) (یعنی ہو جا پس ہو جاتا ہے) کے حکم کے ساتھ ظاہر ہوا۔ اس حال کو کلام کہتے ہیں اور اس موقع پر اسم متکلم ظاہر ہوا۔

شیخ محمود شوشتری نے رسالہ حق الیقین میں لکھا ہے کہ واجب الوجود میں فعل اختیاری فعل اضطراری سے زیادہ ہے۔ اس لیے کہ اختیاری سے پہلے قدرت کا پیدا کرنا، اختیار کا ارادہ محرکات اور محرک و ارادہ کے مطابق اعضا کو حرکت دینا ضروری ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک کو بیشمار اسباب و علل ایجاد کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جو درجۂ اضطرار تک پہنچ جاتا ہے۔ برخلاف فعل اضطراری کے کہ وہ محض ایجاد کرنا ہے اور جب صاحبِ اختیار اپنے اختیار میں مجبور ہو جائے تو اختیار عین اضطرار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حسین بن معین الدین میبذی فواتح میں نقل کرتے ہیں کہ صوفیہ کہتے ہیں کہ ذاتِ معدوم عدمِ محض اور نفی صرف کے صحرا سے مشاہدہ کی منزل اور وجود کے موطن میں قدم نہیں رکھتی۔ لہٰذا موجودِ حقیقی بھی عدم کا رنگ اختیار نہیں کرتا اور کسی چیز کی ذات کو معدوم نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً اگر تُو لکڑی کو آگ میں جلا دے تو اس کی ذات معدوم نہیں ہوتی بلکہ اس کی صورت بدل جاتی ہے۔ اور راکھ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح واجب الوجود وہ ذات ہے جو جملہ حالات میں ثابت رہتی ہے اور ممکن الوجود اور مختلف صورتوں اور احوال میں بدل جاتی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا عالم کو ایجاد کرنا دراصل اس کی حقیقت مطلقہ کے نور کا مختلف متعلق صورتوں میں ظاہر ہونا ہے، جس کو تُو مشاہدہ کرتا ہے۔ اللہُ نُور السمٰوٰتِ والاَرضِ (النور: ۳۵) (اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔)

محققین کی کتابوں میں دیکھا گیا ہے کہ جمیل اس وقت اپنے جمال سے بہرہ اندوز ہوتا ہے جب اپنے حسن کو آئینہ میں دیکھتا ہے اس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی بنا پر وجودِ مطلق نے تعینات کے آئینوں اور تشخصات کے مقاموں میں جلوہ گر ہو کر اپنے حسن کو مختلف آئینوں میں دیکھا اور ہر آئینہ میں اس کے مناسب شکل میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ تعدد کے مطابق اس کے بہت سے مظاہر پیدا ہو گئے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے تنزیہ و تشبیہ سے مبرا ہے اور اسماء و صفات کے مدارج میں ان دونوں صفات سے متصف ہے۔ جو شخص تشبیہ و تنزیہ سے گریز کرتا ہے، وہ نہیں سمجھتا کہ تنزیہ مجردات سے تشبیہ کا نام ہے۔ اولیاء اللہ کہتے ہیں کہ اسم کی تین قسمیں ہیں، اس لیے کہ ذات پر اس کا اطلاق یا تو امر معدوم کے اعتبار سے ہوگا، اس وقت اس کو اسم ذات کہتے ہیں مثلاً قدوس، یا کسی امر موجود کے اعتبار سے ہو گا جس کا سمجھنا غیر کے سمجھنے پر موقوف نہ ہوگا۔ اس وقت اس کو اسم صفت کہتے ہیں جیسے حیّ، یا تو ایسے امر موجود

کے اعتبار سے ہوگا جس کا سمجھنا غیر کے سمجھنے پر موقوف ہوگا۔ اور اس کو اسم فعل کہتے ہیں مثلاً خالق، اسم جامع اللہ اور رحمٰن ہے۔ لیکن اسم اعظم حد درجہ مخفی ہے۔ کسی شخص نے حضرت شیخ بایزید بسطامی سے پوچھا کہ اسم اعظم کونسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تو مجھے اسمِ اصغر بتلا دے تو میں تجھ کو اسمِ اعظم بتلا دوں گا یعنی یہ کہ حق تعالیٰ کے سب اسماء عظیم ہیں۔

محققین کہتے ہیں کہ ہر زمانہ کسی اسم کی سلطنت اور اس کے ظہور کا زمانہ ہوتا ہے۔ جب اس کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو وہ اس اسم کے نیچے پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ جس کی حکومت کا زمانہ آ پہنچتا ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ اسمائے الٰہیہ حق تعالیٰ کے علم میں متعین صورتیں ہیں جن کو اعیانِ ثابتہ کہتے ہیں۔ خواہ وہ کلی ہوں، خواہ جزوی اور صُوَرِ علمیہ حق تعالیٰ کی ذات سے فیض اقدس کے ذریعہ ازل سے فائض ہو چکی ہیں۔ لہٰذا صور علمیہ جملہ توابع و لوازم کے ساتھ فیض مقدس کے ذریعہ عین میں آتی ہیں اور اعیان ثابتہ اسماء کی نسبت سے ابدان ہیں لیکن اعیانِ خارجہ کی نسبت سے ارواح ہیں، اور ہر موجود کو وجہِ خاص سے ایک واسطہ حاصل ہوتا ہے جو اس کے لیے حق تعالیٰ کے ساتھ ہے، اور جملہ ممکن الوجود حقائق خارج میں موجود ہیں۔ البتہ افراد کی موجودگی متعین اوقات پر موقوف ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر ایک اپنے خاص وقت میں موجود ہو جاتا ہے۔

نیز صوفیہ کہتے ہیں کہ واجب کی جملہ صفاتِ کمال عین ذاتِ مقدس ہیں۔ یعنی اس کی ذات مجرد پر وہ تمام باتیں مترتب ہوتی ہیں جو کہ صفات والی ذاتِ ممکن پر مترتب ہوتی ہیں۔ مثلاً تیری ذات تیری چیزوں کو انکشاف کے لیے کافی نہیں۔ جب تک کہ اس کی ذات جو انکشاف کا مبدا ہے۔ اس کی صفت تیرے اندر قائم نہ ہو جائے۔ لہٰذا انکشاف حاصل نہیں ہوتا۔ برخلاف خدائے تعالیٰ کے کہ وہ چیزوں کے انکشاف میں کسی صفت کا محتاج نہیں جو اس کے اندر قائم ہو بلکہ خود اس کی ذات انکشاف کا مبدا ہے۔ یعنی اس کی ذات اور صفات متحد ہیں۔ اسی لیے امیر المومنین علیؓ نے فرمایا: **کمال التوحید نفی الصفات** (توحید کا درجۂ کمال صفات کی نفی کرتا ہے۔)

حضرت شیخ داؤد قیصری شرح فصوص میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم اپنی ذات کا عین ذات ہے اور عالم کا علم اشیاء کی صورتیں ہیں۔ اس کے اندر خواہ وہ کُلّی ہوں یا جزئی اور اگر اس کی ذات امور متکثرہ کا محل ہے تو ممنوع نہیں کیونکہ اشیاء وجود اور حقیقت کے اعتبار سے حق تعالیٰ کا عین ہیں اور تقیید و تعین کے اعتبار سے اس سے غیر ہیں۔ لہٰذا درحقیقت وہ حاصل اور محل نہیں ہے بلکہ ایک ہی چیز ہے جو حالیہ اور محلیہ شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ قضا موجودات کے احوال کے متعلق اجمالی حکم ہے جیسے ہر انسان کی موت کا حکم ہے۔ قدر اس حکم کی تفصیل ہے۔ اسباب اور زمانے کے تعین کے ساتھ قابلیت کے مطابق فلاں روز فلاں مرض میں زید کی موت کا حکم۔ قضا موجودات کے متعلق علم ازلی کا نام ہے اور یہ علم اعیانِ ثابتہ کے علم کا تابع ہے اور ہر چیز اپنی خاص استعداد سے فیض خداوندی کی طالب ہے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق کہ **خلق اللہ ادم علی صورتہ** اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی

شکل پر پیدا کیا۔) قدرتِ فعل کی نسبت ہماری طرف بھی ہو سکتی ہے کیونکہ ہم اس کی ذات کا آئینہ ہیں۔ پس اگر ہم کہیں کہ افعال ہماری طرف سے ہیں تو درست ہوگا اور اگر یہ کہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو بھی صحیح ہوگا۔ گلشن کا مصنف کہتا ہے:

اثر از حق شناس اندر ہمہ جا منہ بیروں زحدِ خویشتن پا

(سب جگہ حق تعالیٰ کے اثر کو پہچان اور اپنی حد سے باہر قدم نہ رکھ۔)

ہر آن کس را کہ مذہب غیر جبراست نبی فرمود کو مانند گبر است

(ہر وہ شخص جس کا مذہب جبر کے علاوہ یعنی قدر ہے، اس کے لیے پیغمبر نے فرمایا کہ وہ مثل مجوسی کے ہے۔)

چناں کاں گبر یزدان و اہرمن گفت مر این نادانِ احمق او و من گفت

(جس طرح وہ مجوسی یزدان اور اہرمن کا قائل ہو گیا، اس نادان احمق نے کہا: ''وہ اور میں''۔)

بہ ما افعال را نسبت مجازی است نسب خود درحقیقت لہو و بازی است

(ہماری طرف افعال کی نسبت محض مجازی طور پر ہے اور خود نسب درحقیقت کھیل کود ہے۔)

چہ بود اندر ازل اے مردِ نااہل کہ این باشد محمدؐ آن ابو جہل

(اے نااہل انسان! بھلا ازل میں کسے معلوم تھا کہ یہ محمد ﷺ ہوں گے اور یہ ابوجہل ہوگا۔)

قرآن مجید میں آیا ہے: **ان تصبھم حسنة یقولوا ھٰذہ مِن عندِ اللّٰہ وان تصبھم سیّئة یقولوا ھذہ من عندک قل کل من عند اللہ** (النساء:۷۸)۔ (اگر ان کو کوئی اچھائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے اور اگر ان کو کوئی برائی پہنچی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیرے پاس سے ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ سب کچھ اللہ ہی کے پاس سے ہے۔)

صوفیہ کہتے ہیں کہ سراسر سلسلۂ فلکیات ایک بدن ہے، جس کی روح عقلِ اوّل ہے اور دل نفسِ کل ہے اور اس کے قویٰ کواکب سبعہ سیارہ اور ثوابت وغیرہ کی ارواح ہیں۔ **ماخلقکم ولابعثکم الا کنفس واحدة.** (لقمان:۲۸) (نہیں ہے تم سب کا پیدا کرنا یا تم کو پھر سے اُٹھانا، لیکن ایک نفس کی طرح۔)

شیخ محی الدین ابنِ عربی **فص ھودی** میں فرماتے ہیں کہ عالم حق تعالیٰ کی صورت ہے اور وہ خود عالم کی روح اور اس کا مدبرّ ہے۔ لہٰذا وہ انسانِ کبیر ہے۔ حضرت مولوی جامی نے **نقد النصوص** میں لکھا ہے کہ عالمِ امر کے موجودات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان کی ہے جو تصرف و تدبیر کے لحاظ سے عالم اجسام سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے۔ ان کو کروبیہ کہتے ہیں۔ پھر ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہیں جو عالم اور عالم والوں کے متعلق کسی طرح کی خبر نہیں رکھتے۔ ان کو ملائکہ مہیمیہ کہتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہیں جو اگرچہ عالم اجسام سے تعلق نہیں رکھتے اور صفت قیومیّت کو مشاہدہ کر کے شیفتہ اور حیرت زدہ ہیں لیکن وہ بارگاہِ الوہیت کے حجاب اور فیضِ ربوبیت کے واسطے ہیں۔ ان کے سامنے ایک فرشتہ ہے جس کو روحِ اعظم کہتے ہیں اور اس سے زیادہ

باعظمت کوئی فرشتہ نہیں ہے۔ دوسرے اعتبار سے اس کو قلمِ اعلیٰ اور عقلِ اوّل کہتے ہیں۔ یہ روحِ اعظم صلوۃ اللہ علیہ اس گروہ کی صفِ اوّل میں ہے اور وہ روح جس کو جبرئیل کہتے ہیں، وہ آخری صف میں ہے۔ وما منا الا له مقام معلوم (الصافات: ۱۶۴) (اور نہیں ہے ہم میں سے کوئی لیکن اس کا ایک مقررہ مقام ہے۔) دوسری قسم ان کی ہے جو تدبیر و تصرف میں عالمِ اجسام سے تعلق رکھتے ہیں، ان کو روحانیان کہتے ہیں۔ پھر ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ بعض ارواح وہ ہیں جو آسمانی چیزوں میں تصرف کرتی ہیں۔ ان کو اہلِ ملکوت اعلیٰ کہتے ہیں۔ دوسری قسم کی ارواح وہ ہیں جو زمینی چیزوں میں تصرف کرتی ہیں، اُن کو اہلِ ملکوت اسفل کہتے ہیں اور ان میں سے کئی ہزار معدنیات، نباتات اور حیوانات پر مقرر ہیں۔ اہلِ کشف کہتے ہیں کہ جب تک سات فرشتے نہیں ہوتے، کوئی پتہ شاخ سے باہر نہیں نکلتا۔ ان سات فرشتوں سے مراد وہی قوائے سبعہ رحمانیہ ہیں۔ اسی طرح ارواح ناری جن کو جنات اور شیاطین کہتے ہیں، وہ بھی ملکوت اسفل کی جنس سے ہیں اور ابلیس ان کا پیشوا اور سردار ہے۔ شیخ محمود شوشتری کہتے ہیں کہ ابلیس قوتِ واہمہ ہے اور جس چیز کو فلسفی ہیولیٰ کہتے ہیں، اس کو صوفی بنیادِ جوہر ہیئتی بقا کہتا ہے۔ ہیولیٰ صوفیہ کے نزدیک معدوم ہے اور صوفیہ جسمِ مطلق کو جسمِ کل کہتے ہیں۔

فواتح میں مذکور ہے کہ صوفیہ کہتے ہیں کہ نفسِ انسانی مطلق نفسِ رحمانی ہے۔ چنانچہ نفسِ انسانی خاص معنی کے عارض ہونے کی وجہ سے آواز بن جاتا ہے اور چند مختلف ہیئت کے عارض ہونے کی وجہ سے جو مخارج میں ظاہر ہوتی ہے، آواز حرف بن جاتی ہے اور حروف کی باہمی ترکیب سے کلمات پیدا ہو جاتے ہیں۔ شیخ محمد لاہیجی نے شرح گلشن میں لکھا ہے کہ نفسِ رحمانی سے مراد حق تعالیٰ کی تجلی ہے، کثرت کے میدان میں۔ گلشن کی شرح مختصر میں لکھا ہے کہ جس طرح نفسِ انسانی آواز بن جاتا ہے اور آواز حرف ہو جاتی ہے، اسی طرح نفسِ رحمانی بھی جوہر بن جاتا ہے اور جواہر ارواح اور اشکال بن جاتے ہیں، جس طرح انسانی فطرت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ اس کے پوشیدہ احوال باطن سے ظاہر میں آ جائیں۔

حضرات کلیہ الٰہیہ جو نفسِ رحمانی میں ظاہر ہوئے ہیں، پانچ ہیں: اوّل غیبِ مطلق اور وہ اعیانِ ثابتہ ہیں، دوم حضرت غیبِ مضاف جو غیبِ مطلق سے زیادہ نزدیک ہیں اور وہ عقول و نفوسِ مجردہ ہیں۔ سوم حضرت مضاف علیہ جو شہادتِ مطلق سے زیادہ نزدیک ہے اور وہ عالمِ مثال ہے۔ چہارم حضرت شہادتِ مطلق جو زمین کے مرکز سے لے کر محیطِ عرش تک ہے اور پنجم حضرت جامعہ اور وہ تفصیلی طور پر عالم ہے اور اجمالی طور پر انسان ہے۔

صوفیہ نے کہا ہے کہ عالم زندہ اور گویا ہے یہاں تک کہ جمادات بھی۔ لیکن گویائی کا ظاہر ہونا سب لوگوں میں مزاجِ انسانی کے اعتدال پر موقوف ہے۔ کبھی انسانی کمال پر فیض وارد ہوتا ہے جو سننے کا سبب بن جاتا ہے اور بسا اوقات لحن و نغمہ کے سننے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ سنت رسولؐ ہے۔ چنانچہ انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ جبرئیل نے رسول ﷺ کو مژدہ سنایا کہ آپ کی امت کے فقراء اغنیا سے پانچ سو برس پہلے بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔ رسولِ خدا نے خوش ہو کر فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص شعر سنا سکتا ہے، تو

ایک صحابی نے یہ دو شعر گائے:

قد لسعت حیة الھوی کبدی لیس لھا طبیب و لاراقی
الا الحبیب الذی شغفت بہ فان عندہ رقیتی و تریاقی

(محبت کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا، جس کو شفا دینے کے لیے نہ کوئی طبیب ہے اور نہ کوئی جھاڑ پھونک والا ہے۔ سوائے اسی محبت کے جس کا میں عاشق ہوں، اس لیے کہ اسی کے پاس میرے لیے تعویذ اور تریاق ہے۔)

اس کو سن کر آنحضرتؐ مع صحابہ کے اس قدر وجد میں آ گئے کہ آپ کے دوشِ مبارک سے چادر گر پڑی۔

محققین کے نزدیک محسوس صورتیں مثالی شکلوں کے سائے ہیں۔ صوفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ روح بغیر جسم کے نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ جس وقت جسمِ عنصری سے روح جدا ہوتی ہے، تو اپنے اعمال و افعال کے مطابق جسم مثالی میں داخل ہو جاتی ہے، جس کو بدنِ مکتسب کہتے ہیں۔

نبوت اور ظاہری اقوال کی اہلِ حال کے کشف کے مطابق تاویل کا بیان

صوفیہ کہتے ہیں کہ نبی وہ شخص ہے جو مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہو، تاکہ ان کو اس کمال کی طرف ہدایت کرے جو علمِ الٰہی میں ان کے لیے مقرر ہو چکا ہو۔ اعیانِ ثابتہ کی استصواب کے مطابق، خواہ وہ کمالِ ایمان ہو خواہ اس کے علاوہ ہو، شیخ حمید الدین ناگوری[1] نے شرحِ عشق میں بیان کیا ہے کہ عبودیت اور ربوبیت دونوں خدا کی صفتیں ہیں اور حضرت رسالت پناہ پر ربوبیت کا تعین غالب ہوتا اور عبودیت کی صفت اس میں فنا ہو جاتی تو اس حال میں جو کچھ آپ فرماتے تھے، اس کو کلام اللہ کہتے تھے۔ مولوی معنوی فرماتے ہیں:

گرچہ قرآن از لب پیغمبر است ہر کہ گوید حق نگفت آن کافر است

(اگرچہ قرآن پاک پیغمبرؐ کے لبوں سے نکلا ہے، لیکن جو شخص یہ کہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا تو وہ کافر ہے۔)

اور جب آپ عبودیت کی صفت میں ہوتے، اس وقت جو کچھ فرماتے، اس کو حدیث کہتے ہیں۔ لہٰذا جو کچھ آپ نے عبودیت کی زبان سے فرمایا وہ حدیث ہے۔ جبرئیل سے مراد یہ ہے کہ ان دو صفتوں کے درمیان ایک دماغ ہے جو عبودیت کے تعین کے وقت ربوبیت کی اطلاع دینے والا ہے اور ربوبیت کی صفت میں خود اس کی گنجائش نہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ:

---

[1] شیخ حمید الدین شیخ معین الدین چشتی کے خلیفہ ہیں۔ شہر ناگ پور میں اپنی زمین پر خود ہی کاشت کرتے تھے۔ ۱۲۷۴ء میں آپ کا وصال ہوا۔ ملاحظہ ہو: دارا شکوہ: سفینۃ الاولیاء: شیخ حمید الدین ناگوری (ایڈیٹر)

در عشق پیام در نگنجد خود بود کہ خود پیغمبری کرد

(عشق میں پیغام کی گنجائش نہیں ہوتی، چنانچہ وہ خود ہی تھا جس نے خود اپنا پیغام پہنچایا۔)

محققینِ صوفیہ نے کہا ہے کہ اصل وجود کا مراتب الٰہی اور عالمِ کتابی میں نازل ہونے اور ہر صورت میں ظاہر ہونے کا سبب اس کے کمال کا ظاہر ہونا ہے اور وہ دو طرح سے ہوتا ہے اور اس کے دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ ظہور اور پیدائش ہے کہ جو چیز بھی موجود ہے، پورے طور پر ظاہر ہو جائے اور وہ تمام شکلوں میں ہو سکتا ہے، کیونکہ اس فرقہ کی اصطلاح میں آدم سے مراد یہی ہے یعنی وجودِ حقیقی جو کلیات و جزئیات کو شامل ہو اس قول کے مطابق اس سے فوت نہیں ہوا۔ **ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین.** (الانعام: ۵۹) (اور نہیں ہے کوئی تر یا خشک چیز لیکن اس کا ذکر روشن کتاب میں ہے۔) اور سب چیزیں اس کے اندر صورت پذیر اور ظاہر ہو جاتی ہیں:

بیرون ز تو نیست ہر چہ در عالم ہست از خود بطلب ہر آنچہ خواہی کہ توئی

(جو کچھ بھی دُنیا کے اندر ہے، وہ تجھ سے باہر نہیں ہے۔ لہٰذا جو کچھ تُو چاہتا ہے، وہ خود سے طلب کر کیونکہ وہ تُو ہی ہے۔)

اور کمال وجود کا دوسرا درجہ پیدا کرنا اور ظاہر کرنا ہے، چنانچہ جو کچھ بھی ہے اور جیسا کہ **کل شئ له لطیفة مودعة فی هذه المجموعة** (ہر چیز کا ایک خلاصہ ہے جو اس مجموعہ کے اندر ہے۔) ہے، اس کو پورے طور پر ظاہر کر دیا ہے۔ ان کی اصطلاح میں خاتم وہ شخص ہے جس کو یہ منصب تفویض کیا جا سکے اور یہ بڑا کام اس سے انجام پائے اور وہ اس صورت کے باہر آنے اور عالم میں اس کے ظاہر ہونے سے مانع ہو جو اپنے درجہ میں کامل ہو۔ یہ منصب کسی ایک فرد میں منحصر نہیں ہوتا بلکہ جب یہ خوبی کسی مظہر میں جمع ہو جاتی ہے تو اس کو اُس زمانے میں اس درجے کا خاتم کہتے ہیں۔ جب یہ تمہید ثابت ہو گئی تو مذکورہ تعبیر کے لحاظ سے قمر سے اسی صورتِ تامہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ شعراء کی اصطلاح میں کامل صورت کو قمر سے تشبیہ دینا عوام میں متداول ہے اور اس کے ٹکڑے ہونے سے اشارہ ہے۔ اس صورت کے پورے معنی کے ظاہر ہونے کی طرف، بغیر آلاتِ جعلی کے تامل کے اور بغیر مقدمات کسبی کی ترتیب کے جیسا کہ حضرت ختمی پناہ سے وعدہ کیا گیا ہے۔

حضرت امام محمد نور بخش نے **رسالہ معراج** میں لکھا ہے: "جان لو کہ حضرت محمد مصطفیٰ معراج میں جسم کے ساتھ گئے لیکن جسم لطیف مکتسب مثالی کے ساتھ، اور حالت غیب میں گئے جو خواب اور بیداری کے درمیان ایک برزخ ہے۔ اسی لیے حدیث معراج کے شروع میں آیا ہے کہ **کنت بین النوم والیقظان۔** (میں نیند اور بیداری کے درمیان تھا۔)

اور جان لو **وفقک الله لتعبیر الاحوال المکنونة علی الانبیاء والاولیاء علیهم السلام۔** (اللہ تجھ کو ان مخفی احوال کو بیان کرنے کی توفیق دے جو انبیاء و اولیاء علیہم السلام پر طاری ہوتے ہیں۔) کہ مسجد الحرام سے بیت المقدس تک پیغمبر کو لے جانا، ان کے ملکوت سفلی میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف

منتقل ہونے کی صورت ہے۔ نماز میں ان پیغمبروں کی امامت کرنا اس کی صورت ہے کہ ان کی امت میں وارثینِ انبیاء جو کہ زمانے کے اولیاء اور علماء ہیں، بکثرت ہوں گے۔ براق عبادت کی سواری اور نماز کی صورت مثالی ہے۔ زین اور لگام حضوری قلب اور سکون تمام کی صورت مثالی ہے۔ براق کے جواہر نفیسہ پر مشتمل اجزاء صورت مثالی ہیں۔ نماز میں صدق و اخلاص اور محبت کی خشوع وخضوع کی اور خدا کی طرف پورے ارادہ سے توجہ کامل اور نفیِ ماسوی اللہ کی، براق کا بھڑکنا اور پھر سوار ہونے میں جبرئیل کا مدد کرنا صورت مثالی ہے۔ اپنی خدا شناس عقل سے بشری خیالات کو نکالنے کی اور جبرئیل اللہ کے متعلق علم کی صورت متمثلہ ہے۔ معراج کے مختلف مدراج سے گزرنا نفس کے عالمِ سفلی سے قلب کے عالمِ علوی کی طرف تدریجی ترقی کی صورت متمثلہ ہے۔ ذکر و تسبیح اور تحمید و تکبیر وغیرہ کے قدموں سے۔

پہلے آسمان پر جو فلک قمر ہے، پہنچنا، مقام قلبی میں پہنچنے کی صورتِ متمثلہ ہے۔ فرشتوں کا آسمان کے دروازے کو کھولنا اور جبرئیل کا ظاہر ہونا، اس ذکر کے ذریعہ جو تدبر و تفکر سے کیا گیا ہو، دل کو کھولنے کی صورت متمثلہ ہے۔ فلک عطارد پر پہنچنا اطوارِ قلبی اللہ کی معرفت میں تفکر کے سبب سے ترقی کرنے کی صورتِ متمثلہ ہے۔ تفکر ساعة خیر من عبادة سبعین سنة (ایک گھنٹہ کے لیے تفکر کرنا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔) اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ فلک زہرہ پر پہنچنا صورتِ مثالی ہے۔ ملکوت علوی میں اس ذوق اور لذت کے سبب سے جو محبت الٰہی سے باطن میں ظاہر ہو جاتی ہے، ترقی کی۔ فلک شمس پر پہنچنا صورتِ مثالی ہے۔ باطن میں دینی احکام کو جاری کرنے اور نیک کاموں کی وجہ سے جو اس سے صادر ہوئے ہیں، ترقی کی۔ فلک مریخ پر پہنچنا اس ترقی کی صورت مثالی ہے جو نفسِ مکارؔ سے جنگ کرنے کے سبب حاصل ہوتی ہے۔ فلک مشتری پر پہنچنا اس ترقی کی صورت مثالی ہے جو طہارت و تقویٰ اور اس پر پرہیزگاری کے سبب سے ہوتی ہے جس پر عمل کیا گیا ہو۔ فلک زحل پر پہنچنا اس ترقی کی صورت مثالی ہے جو مقام روحانی سے مقام مخفی کی طرف ہوتی ہے۔ مجاہدہ اور اختیاری یا اضطراری ریاضت کی برکت کی وجہ سے جس کو آزمائش کہتے ہیں۔ فلک ثوابت پر پہنچنا، اس ترقی کی صورتِ مثالی ہے جو دین میں رائج ہونے، نیکیوں کے راستے پر ثابت قدمی اور اللہ اور اللہ والوں کی محبت میں استقامت کی برکت سے حاصل ہوتی ہے، اور فلک اطلس پر پہنچنا عالم ملکوت کی انتہا تک ترقی کی صورتِ متمثلہ ہے جو باطن کی صفائی اور قلب کے ماسوی اللہ سے خالی رہنے کی برکت سے ہوتی ہے۔

براق اور خرف اور جبرئیل کا ہر مقام میں پیچھے رہ جانا اس بات کی صورتِ متمثلہ ہے کہ ملکوت اور جبروت کی عالی دنیا میں قوائے روحانی اور اطوارِ خیالی میں سے ہر ایک اپنے مقررہ مقام سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ وما منا الا له مقام معلوم (الصافات: ۱۶۴) (اور نہیں ہے ہم میں سے کوئی لیکن اس کے لیے ایک مقررہ مقام ہے۔) اسی حالت کا بیان ہے۔ چنانچہ جسدِ عنصری عالم عناصر سے تجاوز نہیں کر سکتا اور نفس اگر مطمئنہ ہو ملکوت سفلی سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتا۔ قلب ملکوت علوی کے اوائل سے آگے نہیں گزر سکتا۔ سر ملکوت علوی کے اواسط سے نہیں بڑھ سکتا۔ روح ملکوت علوی کے اواخر سے عالمِ جبروت میں قدم نہیں رکھ سکتی اور خفی عالم جبروت

سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ غیب الغیوب خفیہ سے مراد یہی ہے۔ اس وقت انسان لاہوت کے کوہِ قاف کا عنقا اور فانی فی اللہ ہو جاتا ہے اور کثرت اور باقی لطائف اور قوت میں شرکت کو قبول نہیں کرتا اور اس مقامِ اعلیٰ سے پھر نیچے نہیں اترتا اور چونکہ وادیِ فنا کا طائر ہوتا ہے، اس لیے ہمیشہ اسم بلا مسمیٰ رہتا ہے۔ اس مقام کا واصل فنا فی اللہ کی وجہ سے تعینات کی قید سے رہائی پا جاتا ہے اور بقایا اللہ کے مقام سے مختص ہو جاتا ہے۔ نیز عبودیت کے لباس سے علیحدہ اور ربوبیت کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔ فنا فی اللہ کے مقام میں جبرئیل عقل کی صورتِ متمثلہ اور علم کے مظہر ہیں اور اس حدیث کے مطابق وہ بھی محرم باقی نہیں رہتے۔ **لی مع الله وقت لا یسعنی فیه ملک مقرب و لا نبی مُرسَل**[1] (میرے لیے خدا کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے، جس میں کسی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل کی گنجائش نہیں رہتی۔)

چونکہ فنا کی حالت میں علم و ادراک اور شعور اور جملہ صفات محو اور غائب ہو جاتے ہیں، اس لیے خالص فنا کا علم کے ساتھ جمع ہونا محال ہے اور خطرات انسانی ذاتِ سبحانی کے نور کے پرتو سے نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ اور صفتِ علمی جس کے مظہر جبرئیل ہیں، اس مقامِ ذاتی مطلق سے پست تر ہے۔ دوسرے چڑھنا، اترنا اور حرف و آواز اس بات کی صورتِ متمثلہ ہے کہ انسان جملہ صفات علوی و سفلی کا جامع ہے اور اپنی صفات کے مطابق کسی وقت تو دریائے وحدت میں غرق ہو کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے اور کبھی حفظِ طبیعت کی طرف راغب ہو کر عورتوں کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

شیخ عزیز نسفی کہتے ہیں کہ اہلِ وحدت نے سماوات کو لپٹنے کے بارے میں کہا ہے کہ سماء سے مراد ایسی چیز ہے جو بلند اور اس درجہ کو جو اس سے نیچے ہے، فیض پہنچانے والی ہے اور یہ فیض پہنچانے والی چیز ممکن ہے کہ عالم ارواح ہو اور ممکن ہے کہ عالم اجسام ہو۔ اسی طرح یہ فیض قبول کرنے والی چیز ہو سکتا ہے کہ عالم اجسام سے ہو اور ہو سکتا ہے کہ عالم ارواح سے ہو۔ پس ایک ہی چیز ارض بھی ہو سکتی ہے اور سما بھی۔ جب سماوات اور ارضین کے معنی تجھ کو معلوم ہو گئے تو جان لے کہ انسان کے لیے چار زندگیاں ہیں اور صور کا پھونکنا بھی چار بار ہے۔ اس لیے کہ موت اور حیات چار بار ہے، پہلی زندگی میں انسان اشیاء کی شکل میں زندہ ہے اور اشیاء کی طبائع و خواص اور حقائق سے مُردہ ہے۔ دوسری زندگی میں اشیاء کی طبائع کی شکل میں زندہ ہے اور اشیاء کے خواص اور حقائق سے مُردہ ہے۔ تیسری زندگی میں اشیاء کی طبائع اور خواص کی شکل میں زندہ اور اشیاء کی حقائق سے مُردہ ہے اور چوتھی زندگی میں اشیاء کی طبائع و خواص اور حقائق کی شکل میں زندہ ہے۔ پہلی زندگی میں سب لوگ غفلت و ظلمت اور جہالت کے خواب میں رہتے ہیں۔ **ظلمات بعضها فوق بعض** (النور: ۴۰) (ایسی تاریکیاں کہ ان میں سے بعض، بعض کے اوپر ہیں۔) چنانچہ پہلی زندگی میں ایک خواب سے بیدار ہوتے ہیں، دوسری زندگی میں دو خواب سے بیدار ہوتے ہیں۔ تیسری زندگی میں تین خواب سے بیدار ہوتے ہیں اور چوتھی زندگی میں چار خواب سے بیدار ہوتے ہیں۔ اس بیداری میں دل سے پورے طور پر بیدار ہو جاتے ہیں اور اپنے کمال کو پہنچ

---

[1] اسے شیخ ہجویریؒ نے **کشف المحجوب**، میں نقل کیا ہے، دیکھیے: ژوکوفسکی ایڈیشن (لینن گراڈ، ۱۹۲۶ء)، ص ۳۶۵

جاتے ہیں اور بالیقین جان لیتے ہیں کہ جو کچھ پہلی، دوسری اور تیسری زندگی میں انہوں نے جانا تھا، وہ ویسا نہیں تھا جس طور پر اس کو حق سمجھا تھا، بلکہ وہ غلط تھا اور آسمان و زمین کو جیسا انہوں نے معلوم کیا تھا، ویسے نہیں تھے، لہٰذا اس زندگی میں زمین وہ زمین اور آسمان وہ آسمان نہیں ہوتے جن کو اُنہوں نے جانا تھا اور یہی مفہوم ہے اس آیت کا یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات و برزوا لله الواحد القهار (ابراهیم:۴۸) (جس روز زمین بدل دی جائے گی، دوسری زمین سے اور آسمان بھی اور لوگ نکل پڑیں گے، اللہ کے لیے جو واحد اور زبردست ہے۔) اور جب اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور اشیاء کی صورت، طبائع، خواص و حقائق کو بالیقین معلوم کر لیتے ہیں تو یقیناً کشف و برہان کے طریقے پر جان لیتے ہیں کہ وجود ایک سے زیادہ نہیں اور وہ وجود خدا ہے جو بزرگ و برتر ہے اور اشیاء کے مبادی و نہایات اور غایات سے جیسا کہ وہ ہیں، واقف ہو جاتے ہیں۔

ماہتاب و آفتاب اور ستاروں کے تاریک ہونے کو یوں بیان کیا ہے کہ ستاروں سے مراد ابتدائی نور ہے جو قابل اور مستفیض لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور آفتاب سے مراد نورِ کل اور اس کی غایت اور انتہا ہے اور ماہتاب ان دونوں کے درمیان میں متوسط ہے چنانچہ نورِ کل اور اس کی غایت سے استفادہ کرتا ہے۔ لہٰذا آفتاب مفیض مطلق ہے اور ماہتاب ایک لحاظ سے مفیض اور دوسرے لحاظ سے مستفیض ہوتا ہے۔ جس وقت آفتاب کا نور جو نورِ کلی ہے، ظاہر ہوتا ہے اور پھیل جاتا ہے تو نور کی وحدت ظاہر ہوتی ہے اور ماہتاب کا نور اور ستاروں کا نور آفتاب کے نور میں فنا ہو جاتا ہے۔ مبتدی کا حال یوں بتایا گیا ہے۔ اذا النجوم انكدرت (التكوير: ۲) (جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔) اور متوسط کا یوں و خسف القمر (القيامه: ۹) (اور جب ماہتاب کو گرہن لگ جائے گا۔) اور جب مستفیض مفیض سے متصل ہو جائے تو یوں بیان کیا وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (القيامه: ۹) (اور جب آفتاب و ماہتاب جمع کر دیئے جائیں گے۔) اس وقت نہ استفاضہ کا کوئی اثر باقی رہے گا اور نہ افاضہ کا۔ چنانچہ اذا الشمس كورت (التكوير: ۱) (جب آفتاب بے نور ہو جائے گا۔)

ان صوفیہ نے کہا ہے کہ زمینِ قیامت سے مراد وہ زمین ہے جس میں عالم کی ساری مخلوق جمع ہو گی اور وہ زمین وجودِ انسان ہے، اس لیے کہ جملہ موجودات کا قیام کسی دوسری زمین میں ممکن نہیں ہے۔ سوائے وجودِ انسان کی زمین کے، لہٰذا وہ یوم الجمع ہو گا، اور حق باطل سے کسی زمین میں جدا نہیں ہوتا، مگر وجودِ انسان کی زمین میں۔ لہٰذا وہ یوم الفصل ہے اور اسرار میں سے کوئی سر کسی زمین میں ظاہر نہیں ہوتا، لیکن وجودِ انسان کی زمین میں۔ اس لیے وہ یوم تبلی السرائر (الطارق:۹) ہو گا۔ (جس روز پوشیدہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔) اور کسی زمین میں ہر شخص کا بدلہ اس شخص کو نہیں ملتا، لیکن وجودِ انسان کی زمین میں، لہٰذا وہ یوم الدین ہے۔

حضرت درویش سبحانی سے سنا گیا کہ انہوں نے فرمایا کہ صوفیہ کے نزدیک بہشت جمال کا نام ہے، لہٰذا مظاہرِ جمالی کا معاد حق تعالیٰ کے جمال کی طرف ہو گا اور دوزخ میں جلال ہے۔ لہٰذا مظاہرِ جلالی کا معاد حق

تعالیٰ کے جلال کی طرف ہوگا اور جلال والے لوگ اس سے لطف اندوز ہوں گے، جس طرح جمال والے لوگ جمال سے۔ پس یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ دوزخ عذاب کی جگہ ہے، اس سے مراد یہی ہے کہ اگر مظہر جمالی جلال سے متصل ہوگا تو وہ آزردہ ہوگا جس طرح جلالی جمال سے رنجیدہ ہوگا۔ حضرت سبحانی سے یہ بھی سنا گیا کہ محققین کہتے ہیں کہ فرعون اسم اللہ کا مظہر تھا اور اس کے اندر تعیین الہٰیت کا غلبہ تھا جس طرح موسیٰؑ پر تعیین رسالت کا غلبہ تھا۔ اسی بنا پر حضرت امام الموحدین شیخ محی الدین نے اپنی بعض تصانیف میں ایمانِ فرعون کو ثابت کیا ہے[1] اور اس کو ظاہر اور مظہر دونوں بتلایا اور موسیٰؑ کو صرف ظاہر کہا۔

محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ زمینِ عرفات سے مراد وہ زمین ہے کہ حج کی نیت اور قصد سے اس کی طرف لوگ متوجہ ہوں اور اس کا رخ کریں اور پوری جدوجہد اور کوشش سے اس کے سیر و سفر میں جائیں۔ اگر اس زمین میں عرفہ کا دن پا لیا تو حج ادا کر لیا اور حاجی ہو گئے اور اس سفر سے فیضیاب ہو گئے اور مقصد حاصل کر لیا، کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ من ادرک العرفة ادرک الحج (جس نے عرفہ کو پا لیا، اس نے حج کو پا لیا۔) اگر اس زمین میں عرفہ کا دن نہیں پایا تو حج ادا نہیں کیا اور حاجی نہیں ہوئے۔ جب تجھ کو یہ مقدمات معلوم ہو گئے تو اس سے لازم آتا ہے کہ زمین عرفات سے مراد وجودِ انسانی کی زمین ہے۔ اس لیے کہ جملہ موجودات علوی و سفلی سیر و سفر میں مصروف ہیں تاکہ انسان کے مرتبہ کو پہنچ جائیں اور جب انسان کے مرتبہ کو پہنچ گئے تو سیر و سفر پورا ہو گیا۔

اب اگر اس زمین میں جو وجودِ انسان ہے عرفہ یعنی اللہ کی معرفت کا دن انہوں نے پا لیا تو کعبۂ مراد کو پہنچ گئے اور حج گزار کر حاجی ہو گئے۔ حج کے معنی لغت میں قصد کرنا ہے اور شریعت میں اس گھر کا قصد کرنا ہے، جس کو ابراہیمؑ نے مکہ میں بنایا تھا اور حقیقت میں اس سے اشارہ اسی کی طرف ہے کیونکہ وہ خدا کا گھر ہے۔ اس کلامِ قدسی کے حکم کے مطابق لایسعنی ارضی ولاسمائی وانما یسعنی قلب العبد المومن (نہ تو میری زمین میں میری سمائی ہے اور نہ میرے آسمان میں، البتہ مومن بندے کے دل میں میری سمائی ہے۔)

موبد کہتا ہے:

وقتِ نماز مرتبۂ آدمیت است دریاب وقت را کہ مبادا قضا شود

(نماز کا وقت اصل میں انسانیت کا درجہ ہے، لہٰذا اس وقت کو پا لے ایسا نہ ہو کہ نماز قضا ہو جائے۔)

محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ امورِ شرعیہ میں سے ہر ایک امر سے اسرار میں سے کسی سر کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ غسل سے اشارہ ہے، غیر کے تعلق سے پوری طرح باہر نکلنے کا۔ وضو سے اشارہ ہے موافق و ترک کرنے کی طرف، کلی کرنے سے اشارہ ہے ذکر کی حلاوت پانے کی طرف، ناک میں پانی چڑھانے سے اشارہ ہے عنایت کی طرف، سونگھنے، ناک صاف کرنے سے اشارہ ہے صفات ذمیمہ ترک کرنے کی طرف، منہ

---

[1] حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ فرعون کی بیوی نے دریا میں بچے (حضرت موسیٰ) کو پکڑتے وقت کہا تھا "یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ کیا عجب! ہمیں اس سے فائدہ پہنچے۔" (القصص ۹) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور ان (موسیٰ) سے اللہ نے دونوں کو فائدہ پہنچایا۔ [فصوص الحکم، ج ۱، ص ۲۰۱ قاہرہ، ۱۹۴۶ء، ابوالعلا عفیفی ایڈیشن] (ایڈیٹر)

دھونے سے اشارہ ہے، اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا، ہاتھ دھونے سے اشارہ ہے ممنوعات سے ہاتھ روکنے کی طرف، پاؤں دھونے سے اشارہ ہے عبودیت کے فرش پر قدم بڑھانے کی طرف، قیام سے اشارہ ہے پیشی کے مقام میں کھڑے ہونے کی طرف، قبلہ کی طرف متوجہ ہونے سے اشارہ ہے حضرت صمدیت میں التجا کرنے کی طرف، ہاتھ باندھنے سے اشارہ ہے غلامی کا عہد باندھنے کی طرف، نماز میں ہاتھ کھلا رکھنے سے اشارہ ہے ماسویٰ اللہ سے ہاتھ کھینچنے کی طرف، تکبیر سے اشارہ ہے فرمان کی تعظیم کی طرف، قرأت سے اشارہ ہے زبان کی ترجمانی کے ذریعہ دل کی لوح محفوظ سے توقیع ربانی کے مطالعہ کی طرف اور امر ونواہی کی حدود سے واقفیت کی تجدید کی طرف، رکوع سے اشارہ ہے خوشنودی اور خضوع کے مقام کی طرف، سجود سے اشارہ ہے تحقیقِ ذات اور اسقاطِ دعویٰ کی طرف، تشہد سے اشارہ ہے خوشنودی اور خضوع کے مقام کی طرف، پانچ وقت حق ادا کرنے میں اُٹھنے بیٹھنے سے اشارہ ہے پانچوں مدارج کو پا لینے اور ان کو طے کرنے کی طرف جو لاہوت، جبروت، ملکوت، ملک اور ناسوت ہیں۔ صبح کی دو رکعت نماز سے اشارہ ہے ذاتِ مطلق اور یقین کی طرف، چار رکعت سے اشارہ ہے چار تجلی کی طرف جو آثاری، افعالی، صفاتی اور ذاتی ہیں۔ تین رکعت سے اشارہ ہے فرق، جمع اور جمع الجمع کی طرف یعنی اللہ کو مخلوق میں اور مخلوق کو اللہ میں دیکھنا، اس طور پر کہ ایک کا مشاہدہ دوسرے کو دیکھنے سے دل کے لیے پردہ نہ بنے، روزہ رکھنے سے باطنی طہارت کی طرف اشارہ ہے۔ رؤیتِ ہلال مرشدِ کامل کے ابرو دیکھنا ہے اور عید اللہ کی معرفت ہے اور قربانی کرنے سے نفسِ بہیمی کو مار ڈالنے کی طرف اشارہ ہے۔ روزہ کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ پیٹ اور شرمگاہ کو ناجائز چیز سے محفوظ رکھنا، دوسرا درجہ اعضاء کو ناجائز اقوال و اعمال سے محفوظ رکھنا اور تیسرا درجہ دل کو اللہ کے سوا کسی کی یاد سے محفوظ رکھنا ہے۔ کفار سے جہاد کرنے سے نفسِ مکار سے جنگ کرنے کی طرف اشارہ ہے اور مومن سے مراد وہ شخص ہے جس کے عقائد کی اصل خدا پرستی ہو اور وہ جس راستے پر چاہے چلے کیونکہ الطریق الی اللہ بعدد انفاس الخلائقِ (اللہ کی طرف جانے کا راستہ مخلوق کی سانسوں کی تعداد کے برابر ہے۔)

حضرت عین القضاۃ نے فرمایا کہ مجھ کو سلوک میں معلوم ہوا کہ سارے مذاہب کی اصل حق تعالیٰ ہے اور جملہ مذاہب میں سے سوفسطائیہ کا یہی عقیدہ ہے۔ **کل شیٔ ھالک الا وجھہٗ و کل من علیھا فان.** (الرحمٰن: ۲۶) اس آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز ایک وقت نیست و نابود ہو جائے گی۔ اس لیے کہ آج کُل چیزیں موجود نہیں ہیں اور اہلِ بصیرت کا بعینہٖ یہی مذہب ہے۔ حضرت عین القضاۃ کے مفہوم کی توثیق میں ایک صاحب ذوق نے کہا کہ اسم فاعل کا صیغہ سارے اوقات میں استمرار کا فائدہ دیتا ہے۔ لہٰذا ساری چیزوں کی ہلاکت سارے اوقات میں جاری ہے اور اس میں مستقبل کے زمانہ کی تخصیص نہیں ہے۔ اسی وجہ سے یھلک نہیں کہا جو مضارع کا صیغہ ہے کیونکہ وہ مستقبل کے زمانہ میں ہلاکت واقع ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔

امام محمد نور بخش نے فرمایا کہ جن لوگوں نے مقرب بندوں کے لیے رویت حق کو مخصوص کیا ہے، ان کا خیال درست ہے۔ اس لیے کہ نفسِ ناطقہ جس سے مراد انسان ہیں، وہ مجرد اور بسیط ہے اور اس کے دیکھنے سے

خدا کے لیے جہت لازم نہیں آتی۔ اور جو لوگ عدم رؤیت کے قائل ہیں، وہ بھی حق پر ہیں۔ اس لیے کہ ظاہری آنکھ ذاتِ محض کو تجرد کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتی۔ ایک محقق نے کہا کہ جو لوگ حق تعالیٰ کے تجرد کے قائل ہیں، ان کا قول سچ ہے۔ اس لیے کہ ذاتِ محض ایسی ہی ہے اور جو لوگ اس کی جسمیت کے قائل ہیں اور حق تعالیٰ کو ایک جسم شمار کرتے ہیں، مثلاً آگ، ہوا، پانی اور مٹی تو یہ بھی درست ہے، کیونکہ ہر درجہ میں موجود وہی ہے۔ اسی طرح جو لوگ خیر اور شر اسی کی طرف سے سمجھتے ہیں، تو یہ صحیح ہے۔ اس لیے کہ اس کے سوا کوئی موجود نہیں جو کسی امر کا فاعل ہو سکے اور جو لوگ شر کو اپنی طرف سے سمجھتے ہیں، وہ بھی درست کہتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ کاموں کے فاعل کی تعین کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسری باتوں میں بھی مثلاً یہ کہ خدا کو عیسائی لوگ باپ سمجھتے ہیں، اس سے موجودات صادر ہونے کے لحاظ سے اور یہ بات درست ہے۔ سُنّی حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ سمجھتے ہیں، ان کے کمال کی شرط کی وجہ سے لہٰذا درست ہے اور شیعہ ان کی برائی کرتے ہیں، ان کے اندر نقص کے گمان سے، لہٰذا ان کے عقیدے کے مطابق دونوں کے ابوبکر میں مغایرت ہوگی۔ اسی طرح قوموں کے مختلف عقائد کے انجام اور ان کے پیشواؤں کی خبروں کو عالم مثال میں متعین کر کے دنیا والوں کے سارے اختلافات کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے کہ سب حقیقت کی طرف راجع ہیں۔

صوفیہ فرماتے ہیں کہ ولایت کے معنی لغت میں قربت ہے اور اصطلاح میں اخلاقِ الٰہی کے ساتھ متصف ہونا ہے اور نبوت ظاہری چیز ہے اور ولایت باطنی۔ نبی کی نبوت کا ماخذ اس کی ولایت ہے اور ولی کی ولایت کا ماخذ نبی کی نبوت ہے۔ رسولِ اکملؐ کی ولایت ان کی رسالت کی وجہ سے ہے۔ الہام فرشتہ کے توسط کے بغیر ہوتا ہے اور وحی فرشتہ کے توسط سے، وحی نبی کی خاصیت ہے اور الہام ولی کی۔

عارف سبحان سجانی کہتے ہیں کہ زمانے کے اولیاء میں کامل ترین مہدیِ وقت ہوتا ہے۔ لہٰذا اولیاء میں سے جن لوگوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا، وہ برحق تھے اور جس طرح ہر جسمانی مرض کے لیے ایک خاص مسہل اور دوا ہوتی ہے، اسی طرح ہر روحانی مرض کا بھی ایک سبب اور کوئی دوا ہوتی ہے۔ اور جس طرح نبض اور قارورہ بدن کے حالات کی خبر دیتے ہیں، اسی طرح واقعہ اور خواب نفس کے حالات پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے سالک اپنے واقعات کو شیخ کے سامنے عرض کرتے ہیں جو طبیب روحانی ہوتا ہے۔

تصوف میں حج کے سات درجے ہیں: اول توبہ، طاعت اور ذکر۔ اس درجہ میں نور سبز متمثل ہوتا ہے۔ دوم تزکیۂ نفس ہے، صفاتِ شیطانی وسبعی اور بہیمی سے کیونکہ جب تک نفس شیطانی صفات میں گرفتار ہوتا ہے، وہ امارہ ہے اور وہ آگ کی صفت ہے، اسی حالت میں وہ ایک بڑا ابلیس ہوتا ہے اور جب نفس اس سے رہائی پا گیا تو سبعی صفات میں گرفتار رہتا ہے۔ جو کہ لوامہ ہے اور وہ ہوا کی صفت ہے۔ اس کے بعد نفس ملہمہ ہے اور وہ پانی کی صفت ہے۔ بعد ازاں مطمئنہ ہے اور وہ مٹی کی صفت ہے۔ اطمینان کے مرتبہ میں نور کبود متمثل ہوتا ہے اور اس کی رفتار کی انتہا ملکوت سفلی ہے۔ سوم قلب کا اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہونا جو نور سرخ میں متمثل ہوتا ہے اور اس کی انتہائی رفتار ملکوت علوی کے وسط تک ہے۔ اس مقام میں دل ذاکر ہو جاتا ہے۔ اور وہ

طاعت کا نور اور روحانی صفات کو دیکھ لیتا ہے۔ صوفیہ صفیہ کے نزدیک قلب سے مراد وہ اعتدالی صورت ہے جو نفس کو اخلاق میں حاصل ہوتی ہے، اس طور پر کہ افراط وتفریط کے اطراف میں سے کسی ایک طرف اس میں مطلق میدان نہیں ہوتا اور جس صاحب دل کو یہ مقام نصیب ہوتا ہے۔ اس کو صاحبِ قلب اور خداوندِ دل کہتے ہیں۔ چہارم غیرحق سے دل کو خالی کرنا جو نورِ زرد میں متمثل ہوتا ہے اور اس کی انتہائی رفتار ملکوت علوی کے وسط تک ہے۔ پنجم روح کا درجہ ہے جو نورِ سفید میں متمثل ہے اور اس کی رفتار کی انتہا ملکوت علوی کا آخری حصہ ہے۔ ششم درجۂ خفی ہے جو نور سیاہ میں مشتمل ہے اور اس کے سفر کی انتہا عالمِ جبروت ہے۔ ہفتم غیوب الغیوب کا درجہ ہے جو کہ فنا اور بقا ہے اور بغیر کسی رنگ کے ہے۔ فنا فی اللہ کا مطلب ہے، وجودِ موہوم کا وجود حقیقی میں معدوم اور نیست ہو جانا مثلاً قطرہ کا سمندر میں فنا ہو جانا اور بقا کا مطلب ہے قطرہ کا دریا سے مل جانا اور دل کی نگاہ کے سامنے سے غیر کا اُٹھ جانا اور باطل تصور سے باہر نکلنا جس کی وجہ سے سالک قطرہ کے وجود کو دریا کا غیر نہیں سمجھتا۔

فنا کی دو قسمیں ہیں، جزئی اور کلی۔ فنائے جزئی یہ ہے کہ ذاتِ سالک یکبارگی محو ہو جائے یا تدریجی طور پر پہلے بعض اعضاء محو ہوں پھر باقی اعضاء وحواس اور قویٰ۔ پہلا مرتبہ سکر و بیخودی کا مقتضی ہے اور دوسرا ہوش وحواس میں آنے کا مقتضی ہے۔ اور فنائے کلی یہ ہے کہ جملہ تعینات ملکی وملکوتی اور جبروتی یکبارگی محو ہو جائیں یا تدریجی طور پر پہلے موالید محو ہوں پھر عناصر، پھر افلاک، پھر ملکوت اس کے بعد جبروت لہٰذا پہلے درجہ کا سالک تجلی جلالی کا مقتضی ہے اور دوسرا تجلی جمالی کا۔ درویش سبحانی سے اس کتاب کے مصنف نے سنا کہ یہ جو پیغمبر نے خبر دی ہے کہ زمین وآسمان کو فنا کر دیں گے۔ اسی سے مراد یہی فنا ہے نہ کہ وہ جو اہلِ ظاہر نے گمان کیا ہے۔ فنا فی اللہ اعلیٰ درجہ ہے کیونکہ اس کی بھی حق تعالیٰ جملہ صفات کے ساتھ سالک پر تجلی کرتا ہے اور وہ کل کے اندر فانی ہو جاتا ہے۔ بقا جو فنا کے مقابلے میں ہے اس کی بھی چار قسمیں ہیں۔ اعلیٰ درجہ بقا باللہ ہے، جس میں سالک جس وقت فنا فی اللہ سے واپس ہوتا ہے تو خود کو بعینہٖ وہ وجود دیکھتا ہے جو جملہ صفات سے متصف ہے۔ من رآنی فقد رای الحق (جس نے مجھ کو دیکھا تو اس نے خدا کو دیکھ لیا) اور اگر فنا کی حالت میں شعور باقی ہے تو دوئی باقی رہتی ہے[1]

گلشن کی شرح مختصر میں مذکور ہے کہ تجلی چار قسم کی ہے: اوّل آثاری جس میں وجودِ مطلق بعض جسمانیات یا کل کی شکل میں متمثل ہوتا ہے اور انسانی شکل میں زیادہ کامل ہے۔ دوم افعالی جس میں سالک وجودِ مطلق کو صفاتِ فعلیہ میں سے کسی صفت کے ساتھ متصف دیکھتا ہے۔ مثلاً خالقیت اور رزّاقیت وغیرہ یا خود کو بعینہٖ وہ وجود دیکھتا ہے جو کسی ایک صفت کے ساتھ متصف ہے اور اکثر تجلیات افعالی انوار میں ملبوس ہوتے ہیں اور ہر رنگ میں نظر آتے ہیں۔ سوم صفاتی جس میں سالک وجودِ مطلق کو صفاتِ ذاتیہ کے ساتھ متصف دیکھتا ہے۔ مثلاً علم اور حیات یا خود کو بعینہٖ وہ وجود دیکھتا ہے جو ان صفات سے متصف ہے۔ چہارم ذاتی جس میں

---

[1] اس حدیث کو بخاری، مسلم اور ابوداؤد، تینوں نے باب الرؤیا میں نقل کیا ہے۔ (ایڈیٹر)

سالک تجلی سے فنا پاتا ہے اور صاحبِ تجلی ایسے فنا کا حامل ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور وہ کچھ شعور نہیں رکھتا۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ تجلی نور کے لباس میں ملبوس ہو یا ہر نور تجلی کا نور ہو کیونکہ ممکن ہے کہ انبیاء و اولیاء اور مخلوق میں سے کسی ایک کا نور ہو۔ اور تجلی کی علامت فنا نہیں اور نہ وہ علم جو تجلی کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ تجلیات کی صحت پر شہادتِ قرآن اور احادیث سے ہے انی انا اللہ رب العالمین. (القصص: ۳۰) بیشک میں ہی اللہ ہوں سارے عالم کا پروردگار) اس کو موسیٰؑ نے درخت سے سنا اور پیغمبر مصطفےٰؐ نے فرمایا رایت ربی فی احسن صورۃ (میں نے اپنے پروردگار کو حسین ترین شکل میں دیکھا۔)

اس کتاب کے مصنف نے درویش سبحانی کو کہتے ہوئے سنا کہ یہ جو ہندوؤں اور دوسری قوموں نے مختلف بُت بنائے ہیں اور خدا کو ان کی شکل میں سمجھتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بزرگوں پر آثاری تجلیات ظاہر ہوئیں۔ اسی طرح دس اوتار سے اسی تجلی کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ جو بعض اوتاروں نے خود کو خدا سمجھا، اس کی بھی وجہ یہ ہے کہ وہ اس تجلی کے حامل تھے۔ یہود اور بعض گروہ جو خدا کو جسمانی سمجھتے ہیں، وہ اسی تجلی کی وجہ سے ہے۔ اور فرعون جو اپنے کو خدا کہتا تھا، اسی تجلی کی وجہ سے تھا۔ اس لیے کہ فرعون نے خدا کو اپنی شکل میں دیکھا تھا۔ اسی بنا پر حضرت امام الموحدین شیخ محی الدین (ابن عربی) نے اپنی بعض تصانیف میں ایمانِ فرعون ثابت کر کے فرعون کو ظاہر اور مظہر کہا۔ موسیٰ نے خدا کو جسم کی شکل میں دیکھا اور خود کو بعینہٖ وہ نہیں پایا لیکن فرعون نے خدا کو اپنی شکل میں دیکھا اور خود کو بعینہٖ وہ پایا۔ یہ جو حضرت عیسیٰ نے خود کو خدا کا بیٹا کہا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس تجلی میں خود کو حق تعالیٰ کا بیٹا پایا۔

حجاب کی دو قسمیں ہیں: اوّل ظلمانی جو بندہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ مثلاً ظاہری افعال و اخلاق۔ دوم حجاب نورانی جو خدا کی طرف سے ہے۔ اس لیے کہ آثار افعال کے حجاب ہیں اور افعال صفات کے حجاب اور صفات ذات کے حجاب ہیں۔ کشف جس کے معنی غیب سے مطلع ہونا ہے یا صورت سے متعلق ہوتا ہے یا معانی اور حقائق سے۔ اوّل کو کشف صوری کہتے ہیں اور دوسری قسم کو معنوی۔ کشف صوری یا مشاہدہ سے ہوتا ہے یا سننے سے، یا چھونے سے، یا سونگھنے سے، یا چکھنے سے اور کشف صوری دنیوی حوادث سے متعلق ہے جس کو رہبانیت کہتے ہیں۔ اس لیے کہ صادق کو مجاہدہ کے مطابق یہ مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ بعضوں نے اس کشف کو استدراج اور مکر الٰہی کے قبیل سے سمجھا ہے اور بعض دوسروں نے امورِ اخروی کے کشف سے بھی روگردانی کر کے اپنے کو فنا اور بقا میں منحصر کر دیا ہے۔

اس کتاب کے مصنف نے سبحانی کو کہتے ہوئے سنا کہ امورِ دُنیوی کے کشف صوری کو رہبانیت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ راہب اہلِ ظاہر میں سے ہے اور ان کی عبادت ہر ظاہر والے کے طریقے پر ہے اور ان کی غرض عبادت سے اعمال کی جزا اور بہشت کا بدلہ اور اپنے پیغمبر کی پیروی کرنا وغیرہ ہے۔ لہٰذا وہ ایسے رمز کے پیرو ہیں جو امورِ دُنیوی پر موقوف ہے۔ چنانچہ ان کا کشف بھی امورِ دُنیوی سے متعلق ہوگا۔ زاہد مسلمان بھی رہبانیت رکھتا ہے اور ایسا نہیں کہ عیسائی کو فنا اور بقا میسر نہیں ہو سکتا۔

جاننا چاہیے کہ بادشاہوں کی خدمت میں دو مقرب امیر جو باہم دوست نہیں ہیں بلکہ دشمن ہیں، اپنے متعارفین کو پہنچا سکتے ہیں۔ انبیاء دربار میں اسی طرح متعین ہیں ورنہ وجودِ مطلق باوجود اتنی وسعتِ حکومت کے ایک ہی فرد میں ہدایت کے کام کو کیسے منحصر کر سکتا ہے۔ دوسرا عارفِ محقق ہے جو سارے مظاہر دُنیوی واُخروی میں نورِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور کسی ذرّہ سے بھی روگردانی نہیں کرتا۔ اس کا یہ خیال معتبر ثابت ہوا اور اس کے اندر مذہب وملت کی عداوت باقی نہیں رہی۔ اس کے برخلاف جو شخص دین وآئین کی قید میں رہ کر دُوئی سے آزاد نہیں ہوا اور جو کہتا ہے کہ مسلمانوں کا مرتبہ عیسائی سے زیادہ برتر ہے وہ وجود سے بے خبر ہے اور کہتا ہے کہ میں نے معروف کرخی کے برابر جبروت شناسی کا درجہ حاصل کر لیا اور کہتا ہے کہ انبیاء کے طریقوں کی کثرت اور تعدّد اسماء کی زیادتی کی وجہ سے ہے اور چونکہ اسماء میں تقابل اور تضاد نہیں ہے، لہٰذا ان کا ایک دوسرے پر غلبہ اسماء کے غلبہ کی وجہ سے ہے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ انسانوں کی ارواحِ کاملہ جسم کو ترک کرنے کے بعد عالم ملکوت کو چلی جاتی ہیں۔ اولیاء قرآن وحدیث کی تاویل کے لیے مکلّف ہیں اور عوام ان دونوں کی تفسیر کے لیے مکلّف ہیں۔ بعضوں کا عقیدہ ہے کہ اولیاء کسی بات کے مکلّف نہیں اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ **واعبد ربک حتی یاتیک الیقین** (الحجر: ۹۹) (اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے، یہاں تک کہ آپ کو یقین یعنی موت آجائے)۔ شیخ نجم الدین کبریٰ نے فرمایا کہ خواص سے عبادت کی تکلیف ساقط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تکلیف جو کلفت سے مشتق ہے، وہ ان سے رفع ہو جاتی ہے اور عبادت میں ان کو مشقت اور کلفت بالکل نہیں ہوتی بلکہ اس سے وہ لوگ خوش وخرم اور لذت یافتہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت سیّد محمد نوربخش بروز کی حقیقت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بروز اور تناسخ کے درمیان فرق یہ ہے کہ تناسخ نام ہے روح کے کسی جنین کے جسم میں داخل ہونے کا جب وہ دوسرے جسم سے جدا ہوا اور جنین رحم مادر میں نطفہ کے استقرار کے وقت سے چوتھے مہینہ میں روح قبول کرنے کے لائق ہوتا ہے۔ روح کا اس طرح ایک جسم سے جدا ہو کر دوسرے جسم میں داخل ہونا معاد کہلاتا ہے۔ بروز یہ ہے کہ روح مکمل کسی کامل شخص پر فائض ہو اور اس پر تجلیات ظاہر ہوں اور وہ اس کا مظہر ہو جائے یعنی ہو سکتا ہے کہ کامل روح جسم سے جدا ہونے کے بعد سالہا سال عالمِ علوی میں رہے۔ اس کے بعد مخلوق کی تکمیل وتعلیم کے لیے کسی جسم سے تعلق پیدا کرے اور تعلق کا وقت بھی جسم کی تخلیق کے بعد چوتھا مہینہ ہے جیسا کہ تناسخ کے بارے میں بیان کیا گیا۔

گلشن کی شرح مختصر میں مذکور ہے کہ روح بغیر جسم کے نہیں رہ سکتی چنانچہ جب جسم عنصری سے جدا ہوتی ہے تو اس کے لیے برزخ میں ایک جسم مثالی ہوتا ہے۔ ان اجسام کو ابدانِ مکتسب کہتے ہیں اور جسم عنصری سے جدائی کے بعد جس برزخ میں روح منتقل ہو جاتی ہے، وہ اس برزخ کے علاوہ ہے جو ارواح واجسام کے درمیان ہے۔ پہلے کو غیبت امکانی اور دوسرے کو غیبت محالی کہتے ہیں۔ ایسے لوگ جو غیبت امکانی کا مشاہدہ کرتے ہیں، جس کی وجہ سے آنے والے واقعات سے آگاہ ہو جاتے ہیں، وہ بکثرت ہیں۔ برخلاف غیبت

محالی کے کیونکہ مردوں کے حالات کا کشف ہونا بہت نادر ہوتا ہے۔ حضرت شیخ محمد لاہجی نے شرح گلشن میں لکھا ہے کہ قصص و تواریخ میں مذکور ہے کہ جابلقا مشرق میں ایک بہت بڑا شہر ہے اور جابلسا بھی جابلقا کے مقابلے میں مغرب میں دوسرا بڑا شہر ہے۔ اس باب میں اربابِ تاویل کے بہت سے اقوال ہیں لیکن جو تاویل اس فقیر کے دماغ میں بغیر دوسرے کی تقلید کے اشارہ کے طور پر گزری ہے، وہ دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جابلقا عالم مثال ہے جو عالم ارواح کے مشرق میں واقع ہے اور غیب اور شہود کے درمیان برزخ ہے جو عالم کی صورتوں پر مشتمل ہے، لہٰذا بیشک وہ ایک بہت بڑا شہر ہوگا۔ اور جابلسا وہ عالمِ مثال اور عالمِ برزخ ہے جہاں پر ارواح دنیوی زندگی سے جدائی کے بعد رہتی ہے اور جملہ اعمال و اخلاق اور اچھے برے افعال جو ان روحوں نے دنیاوی زندگی میں کسب کیے ہیں، ان کے مطابق وہاں پر رہتی ہیں جیسا کہ آیات و احادیث میں وارد ہے اور یہ برزخ عالم اجسام کے مغرب میں ہے اور یہ بھی جابلقا کے بالمقابل انتہائی بڑا شہر ہے۔ شہر جابلقا کی مخلوق زیادہ لطیف اور زیادہ پاک وصاف ہیں۔ اس لیے کہ شہر جابلسا کی مخلوق برے اعمال و اخلاق کی بنا پر جو انہوں نے دنیوی زندگی میں کسب کیے ہیں، بیشتر وہ ہیں جو تاریک صورتوں میں ہیں۔ اور اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دونوں برزخ ایک ہیں لیکن جاننا چاہیے کہ وہ برزخ جس میں روحیں دنیوی زندگی سے جدائی کے بعد رہتی ہیں، وہ اس برزخ سے مختلف ہے جو ارواح مجردہ اور اجسام کے درمیان واقع ہے۔ اس لیے کہ وجود کے تنزلات اور ترقی کے مراتب دوری شکل کے ہیں اور حرکتِ دوری میں کسی جسم کے پہلے نقطہ سے آخری نقطہ کے اتصال کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ جو برزخ دُنیوی زندگی میں آنے سے پہلے ہے وہ تنزلات کے مراتب میں سے ہے اور دنیوی زندگی سے اس کو اولیت کی نسبت ہے اور جو برزخ دُنیوی زندگی کے بعد ہے، وہ ترقی کے مراتب میں سے ہے اور اس کو دُنیوی زندگی سے آخریت کی نسبت ہے۔ دوسرے یہ کہ جو صورتیں ارواح کو آخری برزخ میں لاحق ہوتی ہیں، وہ ان اعمال کی صورتیں اور ان اخلاق و افعال اور عادات کا نتیجہ ہیں جو دُنیوی زندگی میں حاصل ہوئے ہیں۔ برخلاف اوّل برزخ کے لہٰذا ہر ایک برزخ دوسرے سے مختلف ہے، لیکن یہ کہ دونوں عالم روحانی اور جوہر نورانی غیر مادی اور عالم کی مثالی صورتوں پر مشتمل ہیں، اس میں دونوں مشترک ہیں۔ شیخ داؤد قیصری نقل کرتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات میں تصریح کی ہے کہ آخری برزخ پہلے برزخ سے مختلف ہے۔ اور برزخ اوّل کو غیبت امکانی اور برزخ اخیر کو غیبتِ محالی کہنے کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی ہے کہ جو صورت برزخ اوّل میں ہے، اس کے لیے ممکن ہے کہ غیب سے شہود میں ظاہر ہو جائے لیکن جو صورت برزخ اخیر میں ہے اس کے لیے محال ہے کہ شہود کی طرف رجوع کرے، لیکن صرف آخرت میں۔ چنانچہ بہت سے اصحاب کشف ہیں جن پر برزخ اوّل کی شکلیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور وہ جان لیتے ہیں کہ عالم میں کیسے حوادثات واقع ہوں گے، لیکن مُردوں کے احوال سے بہت کم اصحاب کشف آگاہ ہو سکتے ہیں۔

عارف بالحق سبحانی کو اس کتاب کے مصنف نے کہتے ہوئے سنا کہ صوفیہ صفیہ کے عقائد بھی وہی ہیں جو اشراقیوں کے ہیں، لیکن اب صوفیہ نے اپنے عقائد کو رمز و اشارہ میں مخلوط کر دیا ہے تاکہ نااہل ان کو نہ سمجھ سکیں

جیسا کہ انبیاء و اولیاء اور متقدمین حکماء کا طریقہ رہا ہے۔ ان سے یہ بھی سنا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نورِ مطلق اور بیاضِ مطلق ہے اور اس کی حقیقت غیب ہے اور وہ جملہ الوان و اشکال اور صور و تمثال سے منزہ و مبرّا ہے اور فصحاء کی عبارتیں اور عرفاء کے اشارے اس بے رنگ و نشان نور کے بیان سے قاصر ہیں اور علماء کے دماغ اور حکماء کی عقلیں اس نور کی ذاتِ خالص کی حقیقت کو سمجھنے سے عاجز ہیں۔ جب باری تعالیٰ اس حدیث کے مطابق کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف[1] (یعنی میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں۔) اپنی ذات کے خارجی ظہور کا طالب ہوا کیونکہ اس کے سوا موجود حقیقی کوئی نہیں تو اس درجہ میں تعین ملاحظہ کیا گیا جس کو حکیم اوّل کہتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے معانی معقولہ میں سے ہر ایک کے تفصیلی ظہور کو ملاحظہ فرمایا۔ اور جب باری تعالیٰ نے ہر صورت کے تفصیلی ظہور کو اس مادہ کے ساتھ جس میں اس صورت کو ظاہر ہونا ممکن تھا، ملاحظہ فرمایا تو اس درجہ میں دوسرا تعین ملاحظہ کیا گیا کیونکہ جس کو نفسِ کل کہتے ہیں، وہ اسی کا جزو ہے۔

ان ہی سے سنا گیا اور کتابوں میں دیکھا گیا کہ ابوالحسن ثوری نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کو لطیف کر لیا، پس اس کا نام حق رکھا اور جب اس کو کثیف بنا لیا تو اس کا نام خلق رکھا۔ وجودِ مطلق کے دو سرے ہیں۔ پہلا خالق اطلاق اور وحدتِ محض۔ دوسرا مقید و کثرت اور بدایت جمہور کے نزدیک یہ احدیت میں سے ہے۔ لہٰذا عقل کلی اجمالی طور پر جملہ حقائق کو محیط ہے اور اس کو عرشِ مجید کہتے ہیں اور حقیقت انسانی وہی ہے۔ محققین کے نزدیک اس کے اور حضرت الوہیت کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے اور یہ جو بعضوں کے نزدیک دونوں کے درمیان فرق ہے تو سبحانی کہتے تھے کہ وہ رمز ہے اس لیے کہ اس جدائی سے حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو جو فیض پہنچتا ہے، اس کو نہیں چاہتے۔ پس نفسِ کلی کو جو تفصیلی طور پر سارے حقائق کو محیط ہے، عرش کریم اور لوحِ محفوظ کہتے ہیں۔ اس کے بعد طبیعتِ کلیہ ہے جو ساری موجوداتِ جسمانی و روحانی کے اندر جاری و ساری ہے اور اس کو عقاب کہتے ہیں۔ حکماء کے نزدیک طبیعت اجسام کا خاصہ ہے۔ سبحانی کہتے تھے کہ طبیعت کا روحانیت میں سرایت کرنا ایک رمز ہے جس سے مراد یہ ہے کہ وجود دراصل حق تعالیٰ کے لیے ہے اور باقی گمراہی ہے۔ اس کے بعد جوہر ہئیت ہے جس کو حکماء ہیولیٰ اور صوفیہ عنقا کہتے ہیں۔

بعض متاخرین اولیاء اور تابعین صوفیہ کے حالات کا بیان جن سے مصنّف نے ملاقات کی

منجملہ ان کے عارف باللہ حضرت مولانا شاہ بدخشی ہیں کہ جب وہ اپنے وطن مالوف سے ہندوستان آئے تو تائید ایزدی سے قادری سلسلہ کے میاں شاہ میر کے مرید ہو گئے جو دارالسلطنت لاہور سکونت پذیر تھے

[1] ابن تیمیہ اور علی القاری نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ البتہ علی القاری نے کہا ہے کہ اس حدیث کا مفہوم اس آیت کریمہ: ''وما خلقت الجن والانس الالیعبدون۔'' (الذاریات:۵۶) سے ماخوذ ہے۔ یہاں 'لیعبدون' کا ترجمہ 'لیعرفون' بھی کیا گیا ہے۔ دیکھیے: ابن خلدون، شفاء السائل (استنبول، ۱۹۵۷ء)، ص ۵۹-۶۰ (تحقیق محمد الطنجی) (ایڈیٹر)

دران کی کوشش سے معرفت میں کامیاب ہو گئے۔ آنجناب ولایت مآب کے طبعزاد اشعار میں سے یہ ہیں:

ذاتے کہ شد او زقدس اعلیٰ منزل از عالم مطلق بہ مقید مائل
اینہا ہمہ تاکہ حضرتِ انسان را سازد ز رباعی العناصر کامل

(اس کی ذات وہ ہے جو قدس اعلیٰ سے نازل ہوئی اور عالم مطلق سے عالم مقید کی طرف مائل ہوئی۔
یہ سب اس لیے ہوا تاکہ حضرتِ انسان کو عناصرِ اربعہ کے ذریعہ کامل بنایا جائے۔)

حضرت محی الدین محمد خداوندِ مکان ومکین صاحبِ زمان وزمین داراشکوہ ان کی خدمت میں عقیدت کے قدموں سے جاکر اپنی مراد کو پہنچا۔ چنانچہ آنجناب کی تحقیقات میں سے یہ ہے جس کو معرفت کے وسیع صحرا کے بعض رہرو کے واسطے تحقیق کر کے کشمیر بھیجا تھا، جہاں حضرت مولانا شاہ سکونت رکھتے تھے۔ **ھو الکل ان اللہ ینطق علی لسان عمر** (یعنی وہی کل ہے بیشک اللہ عمرؓ کی زبان سے بولتا ہے۔) ہر سائل کا سوال مسئول عنہ کا سوال ہے۔ اگرچہ سائل کی زبان سے ادا ہوا اور ہر مسئول عنہ کا سننا سائل کی طرف سے ہے اگرچہ سائل اس کو نہ جانتا ہوا اور نہ سمجھتا ہو۔ **کل الموجودات واحد** (یعنی ساری موجود چیزیں ایک ہیں۔)

اس طائفہ علیہ قدس اللہ اسرارہم میں سے بعض کا عقیدہ ہے کہ کمال کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی... چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر صوفی ہزار سال کی عمر پائے تو بھی وہ ترقی کی منزل میں ہے۔ اس کے لیے مشائخ سلف کے اس قسم کے اقوال کو دلیل لاتے ہیں کہ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ بدبختی کے لیے بہترین سے زیادہ روشن کوئی علامت نہیں اور جو شخص زیادتی میں نہیں ہے، وہ نقصان کی حالت میں ہے۔ پیغمبرؐ سے نقل کرتے ہیں کہ **من استویٰ یوماہ فھو مغبون**[1] (یعنی وہ شخص جس کے دو دن برابر ہوں، تو وہ خسارہ میں ہے۔) صوفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر سالک دو دن ایک ہی روش پر گزارے تو اس کے اندر نقصان ہے۔ اس کو چاہیے کہ اس کی تلافی و تدارک کے درپے ہو اور اس گروہ کے جمہور اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ لیکن اس فقیر پر اپنے شیخ غوث الآفاق استاذ اہل اللہ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ سلمہٗ اللہ وابقاہ کی برکت سے یہ بات آفتاب کی طرح روشن اور ظاہر ہوگئی کہ صوفی کے مراتب کے لیے کمال اور انتہا ہے اور ترقی کے بعد عدم ترقی ہے چنانچہ وہی حدیث جس سے وہ لوگ سند لاتے ہیں، اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ وہ سالکین کے حق میں مقید ہے اور واصلین کے حق میں مطلق ہے اور 'یوماہ' کا لفظ زمانے پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ مشائخ رحمہم اللہ کے قول کو بھی سند لاتے ہیں اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ انہوں نے اس قول کو نہیں سمجھا اور باطن قول پر غور نہیں کیا کیونکہ باطن قول بلکہ ظاہر قول بھی ناقص سالک کے بارے میں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ وہ لوگ اس حدیث نبوی کو کہ لی **مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل**[2] (یعنی میرے لیے اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتہ کی سمائی ہوتی ہے اور نہ مرسل کی۔) ان کے احوال کے تنزل پر دلیل لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے لیے ہمیشہ یکساں وقت یکساں حال اور ایک قسم کی دل جمعی نہ تھی۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا بلکہ

[1] دیکھیے: کشف المحجوب ص ۴۲۵ (ژوکوفسکی ایڈیشن)
[2] دیکھیے: ایضاً ص ۴۵۱۔ (ایڈیٹر)

خود اسی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کا ہمیشہ یکساں حال تھا جس میں ترقی یا تنزل کا کوئی امکان نہ تھا، اس لیے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میرے لیے اپنے خدا کے ساتھ ایک مسلسل وقت ہے کہ کسی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل کو میرے اس حال میں گنجائش نہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ میرے لیے کبھی ایسا حال ہوتا ہے بلکہ نبی کا وقت عام ہے جو زمانہ کی قید سے آزاد ہے اور اس وقت میں اولیت اور آخریت نہیں ہوتی۔ **لیس عند ربک صباح ولامساء** (یعنی تیرے پروردگار کے نزدیک صبح یا شام نہیں ہے۔)

اس حدیث شریف کا اس کے سوا کوئی معنیٰ نہیں جو عبارت سے بھی صاف طور پر ظاہر ہے اور حضرت محمد ﷺ کی دلجمعی اور کمالِ حال کو بھی شامل ہے اور اس معنی میں جو لوگ بیان کرتے ہیں، نقصان لازم آتا ہے کیونکہ سیّد عالم کا حال ہمیشہ کمالِ وحدت میں ہو، یہ بہتر ہے یا یہ کہ کبھی تفرقہ میں ہو اور کبھی کامل اتصال میں۔ اور مشائخ رحمہم اللہ کا یہ قول بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ اولیاء کے درجات کی انتہا اور کمالِ حال کو بے صفتی اور بے نشانی میں منحصر کیا ہے۔ ؏ آنرا کہ نشان نیست نشانش مائیم۔ (وہ جس کا کوئی نشان نہیں اس کا نشان ہم ہیں۔)

نیز وہ لوگ جو ترقی کو بے انتہا سمجھتے ہیں، اگر حق تعالیٰ جل شانہٗ کی حقیقت محض اور ذاتِ خالص میں جو کہ ترقی و تنزلی، رنگ و بو، ظہور و بطون اور کمال و زوال سے مبرا و منزہ ہے۔ اس میں ترقی کو جائز سمجھتے ہیں تو موحد صوفی کی ذات میں بھی وہ جائز ہوگی اور اگر اس مرتبہ میں ترقی کو جائز قرار نہیں دیتے تو اس موحد کی ذات میں جو صرفیت اور تجلیت کے درجہ میں اس کا عین ہوگیا، اس میں بھی جائز قرار نہ دیں گے۔ جب انسان کامل نوافل کی قربت سے گزر کر فرائض کی قربت تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے حق میں یہ کہا جائے: **وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** (الانفال: ۱۷)۔ (اور آپؐ نے نہیں تیر چلایا، جب آپ نے تیر چلایا، لیکن اللہ نے تیر چلایا۔) تو یہ یقینی ہے کہ وہ عین حق ہوگیا اور دونوں عالم کے وجود میں سے کسی وجود بے بود کا ذرہ اس کی نظر میں باقی نہیں رہا اور یگانگی کے مراتب میں وہ بھی کمالِ صرفیت کے مرتبہ کو پہنچ گیا اور حق حق سے مل کر حق ہوگیا۔ اس کے بعد حق سے بلند تر کون سا مرتبہ ہے جہاں موحد ترقی کرے گا۔ چنانچہ مشہور مقولہ ہے ؏ بالاتر از سیاہی رنگ دگر نباشد (سیاہی سے بلند تر دوسرا رنگ نہیں ہوتا۔) **الفقر اذاتم فھو اللہ** (یعنی جب درویشی کامل ہو جاتی ہے تو پھر وہی اللہ ہو جاتا ہے۔)

ہر شخص جب تک ترقی کی حالت میں رہتا ہے، وہ اس مرتبہ پر نہیں پہنچتا کہ **لاخوف علیھم ولاھم یحزنون** (البقرہ: ۲۶۲) (یعنی نہ تو ان کو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔) اس لیے کہ حزن اور خوف ترقی اور تنزل کی وجہ سے ہوتا ہے اور ترقی سے خوف ترقی کی امید ہے کہ ہوگی یا نہ ہوگی۔ لیکن جب ترقی و تنزل اُٹھ جاتے ہیں تو حزن و خوف بھی رفع ہو جاتا ہے اور آرام در آرام اور استقامت در استقامت حاصل ہو جاتی ہے اور اس آیتِ کریمہ سے بھی **فاستقم کما امرت** (ھود: ۱۱۲) (تو آپ جس طرح کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے مستقیم رہیے۔) یہی مفہوم نکلتا ہے کہ صوفی مرتبۂ کمال میں ٹھہر جاتا ہے کیونکہ استقامت کے معنی کھڑا ہونا ہے، یعنی اے محمد ﷺ کھڑے ہو جائیے اور مستقیم ہو جائیے۔ مرتبۂ وحدت میں جو تغیر کی آفت

سے محفوظ ہے۔ اور یہ آیت کریمہ **الیوم اکملتُ لکُم دینکم واَتممتُ علَیکم نِعمتی (المائدہ: ۳)** (آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔) یہ بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے جس سے پیغمبر ﷺ کا کمال بھی ظاہر ہوتا ہے۔

جو لوگ تجلی کے انتہا ہونے کی وجہ سے ترقی کو ثابت کرتے ہیں، ان کا خیال بھی درست نہیں کیونکہ جب تک تجلی پر نظر رہتی ہے متجلی لہٗ جو تجلی اور متجلی دونوں کا غیر ہے وہ تجلی اور متجلی کا عین نہیں ہوتا بلکہ اس حال میں وہ عین دوگانگی اور شرک میں مبتلا رہتا ہے اور ابھی تک وہ دوئی سے نجات نہیں پا سکا اور جس کے اندر غیریت کا ایک ذرہ بھی باقی رہتا ہے وہ جمہور موحدین اور کاملین کے نزدیک مشرک ہے اور نقص کی حالت میں ہے:

ترا باید کہ جان و تن نہ ماند   وگر ہر دو بماند من نہ ماند

(تجھ کو چاہیے کہ تیرا جسم اور جان باقی نہ رہے اور اگر دونوں باقی رہیں تو ''میں'' باقی نہ رہے۔)

ز تو تاہست مُوئے ماندہ بر جائے   بدان یک مُوئے ماند بند بر پائے

(اگر تیرا ایک بال بھی اپنی جگہ پر باقی رہ گیا تو اسی ایک بال سے تیرے پاؤں میں بیڑی پڑی رہے گی۔)

تُو تا یکبارگی جان در نبازی   جنب دانم تر اونا نمازی

(تُو جب تک یکبارگی اپنی جان کی بازی نہ لگا دے گا، اس وقت تک میں تجھ کو ناپاک اور بے نمازی سمجھوں گا۔)

تُو خود کیوں تجلی نہیں کرتا تا کہ ہمیشہ متجلی لہٗ رہے۔ چونکہ یہ مسئلہ بہت دقیق تھا، لیکن اس فقیر پر اسی طور پر واضح ہوا جس کو دوستوں کے پاس بھیج دیا۔ اب اگر اس میں کہیں اعتراض کی گنجائش ہو تو ضرور لکھ بھیجیں تا کہ اس سے بھی زیادہ مسئلہ کو واضح کیا جائے۔ اللہ بس باقی ہوس۔ یہاں تک شہزادۂ عالم (داراشکوہ) کا کلام تھا۔[1]

جاننا چاہیے کہ **مرصدالعنایہ همایونہ** میں مذکور ہے کہ جس جماعت کے مذاق میں جذبہ اور جمع وحدت کی حالت غالب ہوتی ہے، ان پر اسم الظاہر کے غلبہ کی وجہ سے حق تعالیٰ ظاہر اور مخلوق باطن اور مخفی ہو جاتی ہے۔ اس جماعت کو صوفیہ کی زبان میں صاحبانِ قربِ فرائض کہتے ہیں اور اس قُربت کو قُربِ فرائض سمجھتے ہیں۔ اور وہ جماعت جن کے لیے اسم الباطن کی خاصیت کی بنا پر خلقیت کی نسبت ظاہر اور حقیقت کی نسبت مخفی رہتی ہے، اس جماعت کو جمع کے بعد فرق حاصل ہوتا ہے جس کو قُربِ نوافل کہتے ہیں۔ حضرت شیخ محمد لاہجی فرماتے ہیں کہ صوفیہ کی اصطلاح میں جمع فرق کے مقابلے میں ہے۔ فرق نام ہے خلق کی وجہ سے حق سے حجاب میں رہنے کا۔ چنانچہ صوفی سب کو خلق دیکھتا ہے اور حق کو اس کا غیر سمجھتا ہے۔ اور جمع نام ہے حق کو خلق کے اندر

---

[1] نیز دیکھیے داراشکوہ: سکینۃ الاولیاء، لاہور، ص ۲۲۸-۲۳۳ (اردو ترجمہ از مقبول بیگ بدخشانی، پنجۂ مطبوعات)۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے۔ علامہ اقبال اپنے ایک مکتوب میں (بنام محمد الدین فوق) لکھتے ہیں: ''تعجب ہے کہ شیخ ملا (شاہ) کے ملحدانہ و زندیقانہ شعر ''من چہ پروائے مصطفیٰ دارم'' کو آپ اس کتاب (وجدانی نشتر) میں جگہ دیتے ہیں اور پھر ملا (شاہ) کی تشریح کس قدر بے ہودہ ہے۔'' (انوار اقبال، مرتبہ بشیر احمد ڈار، اقبال اکادمی، لاہور ۱۹۷۷ء) ص ۶۲۔ اقبالؒ نے جس شعر کے حوالے سے ملا شاہ بدخشی کے افکار کو ملحدانہ قرار دیا ہے، اس شعر کو فوق نے اپنی کتاب میں دبستان مذاہب کے حوالہ سے لکھا ہے۔ افسوس! یہ شعر نہ تو موجودہ اُردو نسخے (دبستان مذاہب) میں موجود ہے، نہ ہی سکینۃ الاولیاء میں، جہاں داراشکوہ نے تفصیل سے اپنے مرشد کے حالات لکھے ہیں۔ اور نہ ہی دبستان مذاہب کے فارسی نسخے میں جو ۱۳۶۲ (ایرانی سال) میں (مصنف کیخسرو اسفندیار) طہران سے شائع ہوا ہے۔ (ص ۳۵۹-۳۶۱) (ایڈیٹر)

مشاہدہ کرنے کا۔ یعنی وہ سب کو حق دیکھتا ہے اور خلق اس کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتی ہے۔

دوسری شخصیت مریمِ روزگار فاطمۂ زمان واعصار عفت عنصر عصمت پیکر جہاں آرا بیگم دختر ابوالمظفر شہاب الدین محمد جعفر صاحبقرانِ ثانی امیر المومنین شاہجہاں بادشاہ غازی ہیں جو غائبانہ حضرت مُلّا شاہ کے حکم سے حضورِ قلب سے سلوک کی جانب متوجہ ہوئیں اور معرفتِ تام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ آنحضرت رفیع المرتبت کی کرامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس کو اس کتاب کے مصنف نے دیکھا کہ ۱۰۵۷ھ (۱۶۴۷ء) میں یہ مصنف حیدرآباد میں ایک دوست کے مکان میں وارد ہوا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے سرزنش کے طور پر اس تکلیف کی کیفیت پوچھنی شروع کی جو آگ کی وجہ سے بیگم صاحبہ کو پہنچی تھی۔ اس واقعہ نگار نے اس سے کہا کہ تیل لگے ہوئے نرم و نازک کپڑے میں جب آگ لگ جاتی ہے تو جلد ہی جلا دیتی ہے۔ اسی سبب سے آنجناب کے جسم اطہر کو تکلیف پہنچتی تھی۔ وہ شخص برابر ہنس رہا تھا اور ملامت کر رہا تھا۔ اتفاق سے ایک شخص اس کی بہن کے گھر سے آ کر کہنے لگا کہ تُو یہاں بیٹھا ہے، تیری بہن جل گئی، اس کے کپڑے میں آگ لگ گئی تھی۔ میں نے کہا کہ بیگم صاحب کو اسی طرح تکلیف پہنچی تھی، اللہ تعالیٰ نے تجھے دکھلا دیا:

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکس پف زند ریشش بسوزد

(وہ چراغ جس کو اللہ تعالیٰ روشن کرتا ہے، اگر کوئی شخص اس کو پھونکے گا تو اس کی داڑھی جل جائے گی۔)

ملا اسماعیل صوفی اصفہانی تلاشِ مراد کے لیے ایران سے ہندوستان کے سوادِ اعظم میں آئے اور لاہور میں حضرت میاں میر کی خدمت میں پہنچے اور درویشی کا راستہ اختیار کیا۔ پھر لاہور سے کشمیر گئے اور دُنیوی کاموں سے ہاتھ کھینچ لیا اور کچھ دنوں تک ریاضت کی۔ اس کتاب کے مصنف نے ان کو ۱۰۴۹ھ (۱۶۳۹ء) میں کشمیر میں دیکھا تھا۔ ان ہی کا یہ شعر ہے:

بشکستم ہر بتے کہ در راہم بود باقی است بتِ خدا پرستیدن من

(میں نے ہر اس بُت کو توڑ دیا جو میرے راستے میں تھا، البتہ میری پرستش صرف خدا کے بت کے لیے باقی ہے۔)

میرزا محمد مقیم جوہری نے یہ خبر دی کہ میر فخر الدین محمد تفرشی کشمیر میں تھا۔ اسماعیل اور فخرا کی برائی اور ملامت کرنے میں مشغول ہو گیا اور کہا کہ یہ لوگ ملاحدہ میں سے ہیں اور جہنمی ہیں۔ ملا اسماعیل نے جواب دیا کہ ہم نے اس زندگی میں دُنیوی چیزوں سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ لہٰذا ہم لوگ دنیا میں تیرے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ اسی طرح آخرت میں چونکہ ہم لوگ تیرے خیال میں ملحد ہیں اس لیے دوزخ میں جائیں گے اور تیرے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ پس تجھے چاہیے کہ ہم سے راضی اور شکرگزار رہے کہ ہم نے دنیا اور آخرت دونوں کو تیرے لیے چھوڑ دیا ہے۔ موبد کہتا ہے:

زاہد و سامان پرستان راضی انداز ما کہ ما خود شریک ہیچ یک در دُنیا و در عقبیٰ نہ ایم

(زاہد اور ساز و سامان والے دونوں ہم سے راضی ہیں، کیونکہ ہم خود دنیا اور عقبیٰ میں کسی ایک کے بھی شریک نہیں ہیں۔)

دشمنی خیزد زشرکت ما بقصد دوستی آخرت را باختیم و درپئے دُنیا نہ ایم

(دشمنی شرکت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، ہم نے دوستی کی نیت سے آخرت کو ہار دیا اور دنیا کے ہم درپے نہیں ہیں۔)

میرزا محمد مقیم جوہری کہتا ہے کہ ایک شخص نیک فال فخرا کو گالی دے رہا تھا، لیکن وہ اس کے جواب میں اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔ جب میں نے اس کا سبب ان سے پوچھا تو کہا کہ ایک شخص نے اپنا ہونٹ ہلایا اور ہوا متحرک ہوگئی لیکن وہ ہم سے کیا لے گیا۔ فخرا نے ریاضت کے ذریعہ اپنی تہذیبِ اخلاق نہیں کی لیکن جاننے والوں کی نصیحتوں کی وجہ سے اس حد تک اپنی اصلاح کر لی تھی۔ ترسا ان کا تخلص تھا اور اپنے سفر نامہ کا نام انہوں نے دیر رکھا تھا۔ اس سفر نامہ میں انہوں نے لکھا ہے:

مادہ سگے گشت بہ راہم دُچار ہمچو سگِ نفس بگردِ شکار

(ایک کتیا راستہ میں سامنے آئی جو نفس کے کتے کی طرح شکار کے گرد چکر لگاتی ہے۔)

پنجۂ خود کردہ زخون رنگ رنگ برسرِ رہ خفتہ برنگِ پلنگ

(اس نے اپنا پنجہ خون سے رنگین کر رکھا تھا اور چیتا کی طرح راستہ کے کنارے پڑی ہوئی تھی۔)

بازِ ہوس باز پئے بند خویش قوتِ جگر ساختہ فرزند خویش

(اس کتیا نے ہوس کی وجہ سے یا اپنی مجبوری کی وجہ سے خود اپنے بچہ کو اپنے جگر کی خوراک بنا رکھا تھا۔)

من زتماشائے چنان بوالعجب دست زدن بستہ و بکشادہ لب

(میں نے ایسا عجیب منظر دیکھ کر اس کو مارنے سے ہاتھ باندھ لیا اور اپنا لب کھول کر۔)

گفتمش اے کلب طلب گار چیست بردل خود ایں ہمہ آزار چیست

(اس سے کہا کہ اے کتے! تو کس چیز کا طلبگار ہے اور اپنے دل کے ٹکڑے پر یہ ساری مصیبت کیوں ہے؟)

نوکِ زبانم چو در راز سفت ہمچو دُم خویش بہ آشفت و گفت

(جب میری زبان کی نوک نے راز کا موتی بیندھا تو اپنی دم کی طرح وہ کتیا جوش میں آئی اور بولی)

کاے تو نۂ واقف از احوال خود من بچہ سان عرضہ دہم حال خود

(کہ اے شخص جو خود اپنے حالات سے واقف نہیں ہے، میں تجھ سے اپنا حال کیسے بیان کروں۔)

چوں ز سگ این نکتہ بگوشم رسید شعلہ زن خرمن ہوشم رسید

(جب کتے کی طرف سے یہ نکتہ میرے کان میں پہنچا تو اس نے میرے ہوش و حواس کے خرمن میں

آگ لگا دی۔)

یافت دران مرغ ز دیوانگی مرغ دلم منصب پروانگی

(اس دیوانگی کے آفتاب میں میرے دل کے طائر نے پروانہ کا منصب حاصل کرلیا۔)

رفت زخاطر ہوس سیر باغ لالہ صفت گشت دلم داغ داغ

(میرے دل سے باغ کی سیر کی آرزو رخصت ہوگئی اور میرا دل لالہ کی طرح داغدار ہوگیا۔)

ہیچ نہ دید از رہ آوارگی دل بجز از چارۂ بے چارگی

(میرے دل نے آوارگی کی وجہ سے اور کچھ نہ دیکھا سوائے اس کے کہ کتے کی بیچارگی کا علاج کرے۔)

بار دگر گفتمش اے شیر سگ بادِ صبا کسب کند از تو تگ

(میں نے دوبارہ اس سے کہا کہ اے شیر جیسے بہادر کتے! بادِ صبا تجھ سے تیز رفتاری حاصل کرتی ہے۔)

حالِ دل خویش عیان کن بمن صورتِ احوال بیان کن بمن

(تُو اپنے دل کی حالت مجھ پر ظاہر کر اور اپنی صورتِ حال مجھ سے بیان کر۔)

بانگ بر آورد و فغان ساز کرد شاہدِ احوال خود این راز کرد

(اس نے آواز بلند کی اور آہ وفغاں کی اور اس راز کو اپنی حالت پر گواہ بنایا۔)

خونِ جگر گوشہ از آن می خورم تا نخورد سنگ کسے بر سرم

(میں اپنے جگر کے ٹکڑے کا خون اس لیے پی رہا ہوں تاکہ کسی کا پتھر میرے سر سے نہ ٹکرائے۔)

۱۰۵۶ھ (۱۶۴۷ء) میں یہ خبر سنی گئی کہ فخرائے ترسا گجرات کے شہر احمد آباد میں سرائے کہنہ سے انتقال کر گئے۔

عارف سبحانی درویش سبحانی کے والد ہرات کے باشندوں میں سے تھے، لیکن ان کی ولادت ہندوستان میں ہوئی۔ آنجناب نے علوم عقلیہ ونقلیہ میں اچھی مہارت حاصل کی اور جاہ وحشمت والے ہو گئے۔ آخرکار اس سے منہ پھیر کر انہوں نے ترک وتجرد اختیار کیا اور عرصۂ دراز تک مرشد کامل کی تلاش میں گھومتے رہے اور مختلف درگاہوں اور خانقاہوں میں جاتے رہے یہاں تک کہ شیخ مجدالدین محمد قادری بلخی کی جو مجرد و پارسا اور مخلوق سے کنارہ کش تھے، خدمت میں جا کر مرید ہو گئے۔ شیخ مذکور نے شیخ محی الدین ابن عربی کی جملہ تصانیف کو اپنے استاد کے سامنے پڑھا تھا اور ان کے استاد نے اسی طرح شیخ صدرالدین قونیوی کے سامنے اور خود انہوں نے سب کتابوں کو شیخ محی الدین سے سنا تھا۔ عارف سبحانی حضرت رئیس الموحدین شیخ محی الدین ابنِ عربی اور صوفیہ صفیہ کے کلام میں اکثر مقامات کو رمز شمار کرتے تھے اور جس وقت ان کی تصریح کرتے تھے، تو وہ حکمتِ اشراق کے مطابق ہوتے تھے۔ عارف سبحانی نے شیخ نامدار کی جملہ تصانیف کو اپنے مرشد کامل کی خدمت

میں پڑھا اور ان کو یاد کرنے کے بعد سب کو کامیاب شیخ کی خدمت میں چھوڑ کر کامل ریاضت کی طرف متوجہ ہوئے اور اکثر اوقات خلوت و عزلت میں گزارتے۔ یہاں تک کہ مرشد کامل نے فرمایا کہ اب تو کمال کو پہنچ گیا۔

عارف سبحانی سوائے دونوں ستر کی پوشاک کے اپنے ساتھ کوئی چیز نہیں رکھتے اور جلالی یا جمالی حیوانات کا گوشت نہیں کھاتے اور کبھی سوال نہیں کرتے۔ اگر کوئی شخص ان کے سامنے کوئی چیز پیش کرتا ہے تو اگر کسی جاندار کا گوشت نہیں ہوتا تو تھوڑا سا قبول کر لیتے ہیں۔ وہ مسجد اور مندر دونوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ مندر میں ہندوؤں کے طریقہ پر پوجا اور ڈنڈوت یعنی پرستش کے مراسم بجالاتے ہیں اور مسجدوں میں مسلمانوں کے طریقے پر نماز پڑھتے ہیں۔ وہ کسی دین اور مذہب کی برائی نہیں کرتے۔ اور ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح نہیں دیتے۔ ان کے مزاج میں تعصب بالکل نہیں اور ہمیشہ روزہ دار رہتے ہیں اور افطار کے وقت کوہستانی میوہ جات مثلاً چلغوزہ وغیرہ میں سے تھوڑی مقدار کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ لوگوں کی تعظیم اور احترام کرنے سے نہ تو خوش ہوتے ہیں اور نہ کسی کی حقارت اور توہین کرنے سے غمگین اور اس خیال سے کہ لوگ ان کو نہ پہچانیں، وہ افغانوں اور کافری وغیرہ قوموں کے پہاڑی علاقہ میں رہتے ہیں۔ کافری کابلستان کی ایک قوم ہے جن کو کافرکتور بھی کہتے ہیں۔ وہ اکثر پہاڑ، جنگل اور جھاڑی میں اس گروہ کی نگاہ سے بھی پوشیدہ رہتے ہیں۔ اس کتاب کے مصنف نے ان کو ۱۰۴۶ھ (۱۶۳۶ء) میں بنگش بالا میں دیکھا تھا۔ رات کے وقت بالکل نہیں سوتے اور بیداری کی حالت میں دل کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے رہتے ہیں۔ جو شخص بھی ان کی نظر کے سامنے آتا ہے، وہ اس کو وجودِ مطلق شمار کرتے ہیں اور اس کا احترام کرتے ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

ندانی کہ چوں من رسیدم بہ دوست   کہ ہر کس کہ پیش آمدم گفتم اوست

(تو نہیں جانتا کہ جب میں دوست کے پاس پہنچ گیا تو جو شخص میرے سامنے آتا ہے، میں کہتا ہوں کہ وہی ہے۔)

وہ تجلیات افعالی، آثاری، صفاتی اور ذاتی سے بہرہ ور ہیں اور سلوک کے مدارج کو اچھی طرح انہوں نے طے کیا ہے۔ ان کو کہتے سنا گیا کہ لوگ امورِ اخروی میں کئی گروہ ہیں۔ ایک گروہ ان کی مطلق نفی کرتا ہے۔ دوسرا فرقہ ان کی عقلی و معنوی امور سے تاویل کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ لوگ ذہانت کی مدد سے قائل اور قانع نہیں ہیں۔ لیکن صوفیہ صافیہ مخلوق کے مختلف عقائد کو جو جداگانہ مذاہب اور مختلف ادیان میں مذکور ہیں۔ لطیف مثالی اجسام میں ملاحظہ کرتے ہیں اور خضر و الیاس اور برہما و بشن اور سارے ہندوؤں کے دیوتا اور اس قسم کی خبریں جو اس دنیا میں درست نہیں معلوم ہوتیں، سب عالم خیال میں نمایاں ہیں۔ اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے جو معلم دوم ابونصر فارابی قدس سرہ نے فرمایا کہ عوام اپنے عقائد کو خیالی صورتوں میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس کتاب کے مصنف نے عارف سبحانی سے یہ بھی سنا کہ سالک جس کسی کو دوست رکھتا ہے اور بزرگ سمجھتا ہے۔ اکثر اوقات اس کو خواب میں اچھی حالت میں دیکھتا ہے اور اس سے مرتبہ میں بلند پاتا ہے۔ اگرچہ

دوسرے لوگوں کے نزدیک وہ بدکار ہو، اور جس کسی کو وہ برا سمجھتا ہے تو بسا اوقات اس کو بری حالت میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اگرچہ دوسرے گروہ کے نزدیک وہ جلیل القدر ہو۔ اسی وجہ سے اہلِ معرفت سلوک کی ابتدائی منزل میں عقائد سلب کر لیتے ہیں تاکہ جو بات حق ہے، وہ منکشف ہو جائے۔ اگر کوئی ایسے شخص کو جس کو بزرگ اور صاحبِ مرتد سمجھتا ہے مثلاً پیغمبر یا امام یا کوئی اور بزرگ، اس کو بری حالت میں دیکھتا ہے تو دیکھنے والے کی عقل، روح، قلب یا اخلاق میں کوئی نقص ہوتا ہے اور یہ نقائص اس بزرگ کے نقص کی شکل میں متمثل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی طرح کسی نیک مرد کو اگر کوئی بُرے حال میں دیکھتا ہے تو دراصل برائی خود اس کی حالت میں ہے اور اگر اس کو اپنے عقیدے میں برا سمجھتا ہے تو بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اس کو نیک دیکھے۔

ایک طالب نے ان سے کسی شغل کی درخواست کی، انہوں نے پوچھا کیا تو نے ریاضت کی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! تو فرمایا کہ اگر تو مسلمان ہے تو ملکِ فرنگ میں جا اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ رہ اور اگر عیسائی ہے تو یہودی سے مل، اور اگر سُنّی ہے تو عراق میں جا اور ان لوگوں کی باتوں اور طعن وطنز کو سن اور اگر تو شیعہ ہے تو خوارج کے درمیان جا اور ان کی باتوں کو سن۔ اسی طرح جس مذہب میں تُو ہے، اس کے مخالف لوگوں کے پاس جا، جن کی باتیں سننے سے تُو کسی قدر رنجیدہ ہو تاکہ تیرا نفس ریاضت کی حالت میں رہے۔ تو اس حال میں بالکل رنجیدہ نہ ہو اور ان کے ساتھ شیر وشکر کی طرح مل کر رہ تو صلح کل کے اعلیٰ درجے پر پہنچ جائے گا اور اخلاقِ الٰہی سے متصف ہو جائے گا۔

یوسف درد ایک صاحبِ درد شخص ہے، وہ جوانی میں زاہد تھا اور آخر میں اپنی کوشش کی وجہ سے اس نے عالم روحانی کی طرف رسائی حاصل کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکم ہوا کہ اس سنیاسی کے مریدوں کے زمرے میں داخل ہو جائے جو کشمیر میں قصبہ بارہ مولہ میں رہتا تھا اور ریاضت ومعرفت میں مشہور ومعروف تھا۔ جب وہ اس کی خدمت میں پہنچا تو جس چیز کی اس کو تلاش تھی، اس کو پا گیا۔ شیخ عطار فرماتے ہیں:

کفر را با عاشقی خویشی بود عاشقی را مغز درویشی بود

(کفر کا عاشقی سے ایک خاص رشتہ ہے اور عاشقی کی روح درویشی ہے۔)

اس نے آفاق اور انفس کے مدارج طے کر لیے اور وہ آتاری سے بہرہ ور ہو گیا۔ چنانچہ اس نے کشمیر میں اس کتاب کے مصنف کو یہ واقعہ سنایا۔ اس نے کہا کہ سلوک کی حالت میں ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ سارا عالم پانی میں ڈوب گیا ہے اور جانداروں کا کوئی نشان باقی نہیں اور میں بھی پانی میں ڈوب رہا ہوں۔ اسی حال میں، مَیں نے دیکھا کہ ایک شہسوار آ پہنچا جو ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار تھا اور پانی کی سطح پر گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ جب وہ میرے نزدیک پہنچا تو مجھ سے کہا آ تاکہ میں تجھ کو نجات دلا دوں۔ میں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں واجب الوجود اور ہر چیز کا خالق ہوں۔ پس میں اس کے بازو میں دوڑنے لگا اور پانی کی سطح پر میں چلنے لگا۔ یہاں تک کہ میں ایک باغ میں پہنچا۔ جب میں نے اس میں قدم رکھا اور داہنی

طرف نظر دوڑائی تو میں نے ایک گلشن دیکھا جو طرح طرح کے پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں اونچے محلات، حور وقصور، ولدان اور غلمان اور ساری بہشت کی نعمتیں موجود تھیں اور نیک بخت لوگ اس میں عیش وعشرت میں مشغول تھے۔ اور بائیں طرف میں نے بہت سے سیاہ اور تنگ وتاریک کنویں دیکھے جن میں کچھ لوگ چمگادڑ کی طرح لٹکے ہوئے تھے۔ اور بد بخت لوگ اس میں بیڑی پہنے ہوئے تھے۔ باغ کی سیر کرنے کے بعد سوار نے چاہا کہ مجھ کو باہر لائے لیکن میں نے دل میں سوچا کہ مجھ کو چاہیے کہ یہاں سے ادریسؑ کی طرح باہر نہ نکلوں لہٰذا میں دروازہ سے چپک گیا اور اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ میں نے اپنے لبوں کو دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ رکھا ہے۔ لہٰذا مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ جو کچھ ہے وہ وجود انسانی میں منحصر ہے۔ ع از خود بطلب ہر آنچہ خواہی کہ توئی (جو کچھ بھی تو چاہتا ہے، اسے اپنی ذات سے مانگ کیونکہ وہ تُو ہی ہے۔)

بہادر نامی ایک شخص ہندوؤں میں سے تھا جس کے گھر میں نرینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ بابا یوسف کے پاس آیا اور اس سے دُعائے خیر طلب کی۔ بابا یوسف نے اس کو تھوڑی سی سفید خاک دی اور کہا کہ اسے اپنی عورت کو کھلا دے۔ جب اس نے ہدایت کے مطابق عمل کیا تو اس کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام راہو رکھا گیا۔ وہ لڑکا اولیاء اللہ کی صحبت سے عارف ہوگیا اور آزادہ اس کا لقب ہوگیا جیسا کہ گیانیوں کے باب میں اس کی حقیقتِ حال صدق نگار قلم سے تحریر کی جا چکی۔ ملا عمر نے بابا یوسف کو موسیقی سننے سے منع کیا تو بابا نے ہر چند اس سے نرمی برتی لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ آخرکار بابا نے برافروختہ ہوکر اس کو ایک کنکری ماردی، چنانچہ وہ بیہوش ہوگیا اور دیر تک بے ہوش وحواس پڑا رہا۔ جب ہوش میں آیا تو بابا کو سجدہ کرکے باہر چلا گیا۔ اس کے بعد پھر کسی نے ملا عمر کو نہیں دیکھا۔

یوسف دیوانہ ایک درویش تھا جو حبسِ دم میں مشغول ہوا اور اس میں اس کو ایسا کمال ہوگیا کہ چار پہر (یعنی بارہ گھنٹے) تک سانس روک لیتا تھا۔ اس کے عقیدت مندوں میں سے ایک نے اس کتاب کے مصنف سے کشمیر میں بیان کیا کہ اس نے ایک عرصہ تک کچھ نہیں کھایا۔ ایک رات میں اس کے پاس سے اٹھا تو اس نے پوچھا کہ تو کچھ کھانے کے لیے جا رہا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں! لیکن کیا اچھا ہوتا کہ تو بھی کوئی چیز کھا لیتا۔ اس نے جواب دیا کہ تو مجھ کو پیٹ بھر نہیں کھلا سکتا۔ میں نے کہا کہ کھلا سکتا ہوں تو اس نے فرمایا کہ جا اور جو کچھ تیرے پاس ہو لا۔ میں اپنے گھر گیا اور ایک بڑی سینی بھر کے چاول اور دہی سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ مع روٹی اور دوسرے کھانوں کے اس کے پاس لے گیا جو دس بڑی خوراک والے آدمیوں کے لیے کافی تھا۔ اس نے سب کھا ڈالا اور کہا کہ کچھ اور لا۔ میں پھر گھر گیا اور گھر والوں میں سے بیس آدمیوں کا کھانا اس کے پاس لے گیا۔ اس نے سب کھا پی کر کہا کہ اور لا۔ میں پھر گھر گیا اور نیم پختہ کھانے اور دوسری چیزیں اس کے پاس لے گیا۔ اس نے سب کھا ڈالا اور کہا کہ اور کچھ لا۔ میں اس کے قدموں پر گر پڑا تو اس نے کہا کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ تو مجھ کو پیٹ بھر نہیں کھلا سکتا۔ اس کے مریدوں میں سے ایک نے بتلایا کہ یوسف کہتا تھا کہ میں نے

حق تعالیٰ کو انسانی شکل میں گھر میں بیٹھا ہوا دیکھا ہے۔

اس کتاب کا مصنف صوفیہ کے مسلک کے بہت سے سالکین اور اس بلند مرتبہ جماعت کے عارفین کی صحبت میں رہا ہے۔ اگر ان سب کو تحریر میں لانا چاہے تو یہ کتاب بڑی ضخیم ہو جائے گی۔

ایسی تقسیم جو سارے فرقوں پر مشتمل ہے یہ ہے کہ ایک فرقہ محسوسات اور معقولات کے وجود کا قائل نہیں اور جملہ موجودات کو خیالات سمجھتا ہے۔ اس کو سوفسطائیہ اور فارسی میں سمرادی کہتے ہیں۔ دوسرا فرقہ جو وجود کو صرف محسوسات میں منحصر سمجھتا ہے اور معقولات کا بالکل ہی منکر ہے، اس کو طبیعیہ اور فارسی میں منشی کہتے ہیں۔ طبیعیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ عالم صرف محسوسات میں منحصر ہے اور بنی نوع انسان کے افراد اور حیوانات مثل گھاس کے ہیں کہ ایک خشک ہوتی ہے تو دوسری تر و تازہ نکل آتی ہے۔ اس طریقہ کی کبھی انتہا نہ ہوگی اور لذتوں کا انحصار صرف کھانے، پینے، عورت اور سواری وغیرہ میں ہے اور اس دنیا کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ بعض لوگ جو محسوس اور معقول دونوں کے قائل ہیں۔ لیکن حدود اور احکام کے قائل نہیں ہیں۔ ان کو فلاسفۂ دہریہ کہتے ہیں اور فارسی میں جایکاری، یہ گروہ عالمِ محسوس کے علاوہ عالمِ معقول کو بھی ثابت کرتا ہے۔ لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کے لیے جو کمال مطلوب ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ثابت کرنے کے بعد اپنی روحانی معاد کو عالم معقولات کے درجے تک پہنچا دے، پھر اس کی قدرت سے جملہ سعادتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ وہ گو ہر عقل کی قدر و قیمت کو اسی سعادت کے حاصل کرنے میں منحصر سمجھتے ہیں۔ عقل کے ہوتے ہوئے، انسان کو اپنے بنی نوع میں سے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں۔ شقاوت نام ہے، عقل کے اچھے طریقوں کے بگڑ جانے اور شریعتیں وہ طریقے ہیں، جن کو عقلا نے اپنی ریاست و سیادت کے مطابق عام افرادِ انسانی کے مصالح کے لیے قائم کیا ہے۔

لیکن ایک دوسرا گروہ ہے جو عالم محسوس و معقول اور قوت و عقل کو ثابت کرنے کے باوجود انبیاء پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس جماعت نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی بھلائی اور شہروں کے انتظام کے لیے شریعت وضع کی ہے اور ان حضرات کو ان باتوں کا علم بدرجۂ اتم و اکمل حاصل ہوتا ہے اور واجب الوجود کی طرف سے احکام ثابت کرنے اور حلال کو حرام سے الگ کرنے میں ان کی تائید ہوتی ہے۔ عالمِ ارواح، ملائکہ، عرش، کرسی، لوح اور قلم وغیرہ کے احوال کے متعلق یہ حضرات جو خبر دیتے ہیں، وہ سب امور عقلی ہیں لیکن عوام کو سمجھانے کے لیے ان کو خیالی اور جسمانی شکلوں میں بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح معادِ جسمانی کے حالات مثلاً جنت، حور و قصور، نہریں، پھل اور چڑیوں کے متعلق جو بیان کرتے ہیں، وہ محض ترغیبات کی قسم سے ہیں۔ عوام کالانعام کے دلوں کی تسخیر کے واسطے، کیونکہ ان کی طبیعتوں کا میلان اکثر ان چیزوں کی طرف ہوتا ہے، اور جو زنجیروں، بیڑیوں، اور دوزخ کے بارے میں خبر دیتے ہیں۔ وہ بھی ان عوام کی ترہیب اور تخویف کی قسم سے ہے۔ یہ گروہ یعنی یہ فلاسفہ بھی اس طرح کے رمز و اشارے رکھتے ہیں اور ان کے پیرو کہتے ہیں کہ اس گروہ کا مقصد رمزیہ کلام کرنے سے انبیاء کی پیروی کرنا ہے جو حکمائے کاملین ہیں۔ اس گروہ کو فلاسفۂ الٰہیہ اور فارسی میں جانسائی کہتے ہیں۔

ایک اور فرقہ جو محسوس اور معقول کا قائل ہے اور احکام عقلیہ کا بھی قائل ہے، لیکن انبیاء کی شریعت کا قائل نہیں، اس کو صابئہ کہتے ہیں۔ کچھ لوگ محسوس اور معقول اور عقلی اور مذہبی احکام کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیاء کی شریعت کو عقلی ہونا چاہیے اور جو نبی آتا ہے، وہ پہلے نبی کا مخالف نہیں ہوتا، کیونکہ خود پسند شریعت معتبر نہیں ہوتی۔ وہ لوگ یزدانی ہیں۔ بعض دوسرے جو نقلی شریعت کے قائل ہیں، جن کے بعض ظاہری اقوال عقل کے خلاف نظر آتے ہیں، وہ پانچ مشہور فرقے ہیں۔ ہندو، یہود، مجوس، نصاریٰ اور مسلمان۔ یہ پانچوں فرقے دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی شریعت کی تائید کی جا چکی ہے اور یہ سب اپنی شریعت کی تائید میں اپنے عقیدے کے مطابق دلیل پیش کرتے ہیں۔

اس کتاب کو ختم کرنے کے بعد بیان کیا جاتا ہے کہ بعض احباب فرماتے ہیں کہ کتاب الملل و النحل اور تبصرة العوام میں جو عقائد و مذاہب بیان کیے گئے ہیں، وہ طرفداری سے خالی نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی حقیقت پوشیدہ رہ گئی۔ دوسرے یہ کہ ان کے بعد بہت سے فرقے پیدا ہو گئے، چنانچہ ان کی درخواست پر مصنف نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا۔ اس کتاب میں جو کردار اور عقائد کا مجموعہ ہے، مختلف فرقوں کے جو عقائد تحریر کیے گئے ہیں، وہ ان عقائد کے ماننے والوں کی زبان اور ان کی کتاب سے لیے گئے ہیں۔ اور ہر فرقہ کے حالات میں شخصیتوں کے تذکرہ کے موقع پر جس طرح ان کے پیرو اور عقیدت مند لوگ تعظیم سے نام لیتے ہیں، اسی طرح تحریر کیا تاکہ تعصب اور جانب داری کا شائبہ نہ ہو۔ الغرض اس بیان میں مصنف کا سوائے ترجمانی کے منصب کے کوئی دخل نہیں:

غرض نقشے است کز ما باز ماند   که ہستی را نمی بینم بقائے

(میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میرا ایک نقش دنیا میں باقی رہے، کیونکہ میں ہستی کے لیے بقا نہیں دیکھتا ہوں۔)

اِشاریہ

ب

ذ

ر

ز

س

ش

ی

مرتب: اشفاق انور

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۰	۲۴	جمال الدین محمود	جلال الدین محمود
۲۹۲	۲۲	محمد المہدی	محمد المہتدی
۳۲۳	۷	ولید بن عتبہ	ولید بن عقبہ
۳۲۳	۷	ابی سرح	ابی سرج